محاسبۂ قادیانیت

- جناب حکیم عنایت اللہ نسیم سوہدروی
- ظفر الملت حضرت مولانا ظفر علی خان
- حضرت مولانا علامہ عبدالرشید نسیم طالوت

جلد ۲۰

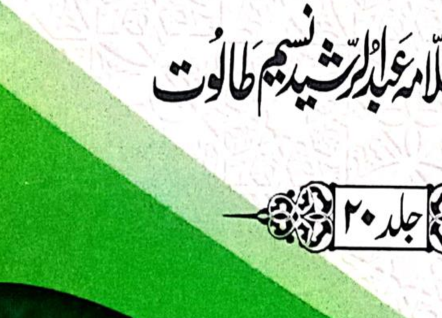

عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نام کتاب : محاسبہ قادیانیت جلد بیس(۲۰)

مصنّفین : جناب حکیم عنایت اللہ نسیم سوہدروی

ظفر الملّت حضرت مولانا ظفر علی خان

حضرت مولانا علامہ عبدالرشید نسیم طالوت

صفحات : ۵۶۸

مطبع : طیب شمشاد پرنٹنگ پریس لاہور

طبع اوّل : جولائی ۲۰۲۲ء

ناشر : عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت حضوری باغ روڈ ملتان

Ph: 061-4783486

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اجمالی فہرست رسائل مشمولہ......محاسبہ قادیانیت جلد۲۰

☆......	عرض مرتب	حضرت مولانا اللہ وسایا	۴
۱......	مولانا ظفر علی خان اور فتنہ قادیانیت	جناب حکیم عنایت اللہ نسیم سوہدروی	۱۵
۲......	اسلام اور قتل مرتد......مخالفین کے اعتراضات اور شریعت کی تصریحات	حضرت مولانا ظفر علی خان (ترتیب وتحقیق: جناب محمد متین خالد)	۷۵
۳......	ارمغان قادیان	حضرت مولانا ظفر علی خان	۱۵۳
۴......	حدیث قادیان	حضرت علامہ عبدالرشید نسیم طالوت (ترتیب وتحقیق: مولانا محمد وسیم اسلم)	۲۷۵
۵......	ردقادیانیت پر علامہ طالوت کے مضامین	جمع وترتیب: مولانا عتیق الرحمٰن	۳۵۳
۶......	ماہنامہ الصدیق میں ردقادیانیت پر مختلف علماء کرام واہل قلم کے مضامین	جمع وترتیب: مولانا عتیق الرحمٰن	۴۹۷

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرض مرتب

الحمد للّٰہ رب العالمین. والصلوٰۃ والسلام علٰی رسولہ خاتم النّبیین. امابعد!

جن اکابر امت نے قادیانی فتنہ کو اپنی ڈانگ کے سرِ نوک پر رکھا ان میں دو بڑے نام مولانا ظفر علی خان اور علامہ عبدالرشید طالوت کے بھی ہیں۔

مولانا ظفر علی خان

(پیدائش: جنوری ۱۸۷۴ء ...... وفات: ۲۷/نومبر ۱۹۵۶ء)

آپ نے نثر ونظم میں ملعون قادیان اور اس کے حواریوں کے وہ لتّے لئے کہ انہیں دھیّا دھیّا کر دیا۔ اڑنگے پر لاکر چت گرانا اور ان کی پشت پر نظم ونثر کے گرز برسانا، قادیانیوں کی ہڈیوں کا چٹخنا اور ان کی چیخوں سے امریکہ وبرطانیہ تک کا چلاّنا اس کے مناظر دنیا نے ملاحظہ کئے۔

مولانا ظفر علی خان کی قلمی کاوش کا بڑا ذخیرہ روزنامہ زمیندار لاہور میں ہے۔ اس کی مکمل بازیابی اور اس سے ردقادیانیت کے میٹر کو جمع کرنا، حق تعالیٰ اس کی کس کو توفیق رفیق کرتے ہیں، اس معصوم سی تمنا پر اس وقت کچھ نہ کہنا کچھ کہنے سے بہتر ہے۔

مولانا علامہ عبدالرشید نسیم طالوت

(پیدائش: یکم/فروری ۱۹۰۹ء ...... وفات: ۲۰/مارچ ۱۹۶۳ء)

چوٹی زرین جمال خان ضلع ڈیرہ غازی خان کے امام وخطیب اور قاضی مولانا محمد بخش جو حضرت خواجہ غلام فرید کے مرید تھے، کے ہاں ایک صاحبزادہ پیدا ہوئے جن کا نام عبدالرشید رکھا گیا، جو بعد میں حضرت مولانا عبدالرشید نسیم طالوت کے نام سے معروف ہوئے۔ مولانا عبدالرشید نے اپنے والد گرامی سے دینی تعلیم کا آغاز کیا۔ بستی بڈھن شاہ میں مولوی گل محمد، مولانا خیر محمد شاہ جمالی، مولانا فضل حق ڈیرہ غازی خان سے تعلیم حاصل کی۔ پھر شوال ۱۳۴۲ھ سے شعبان ۱۳۴۵ھ تک تین سال دارالعلوم دیوبند میں تعلیم مکمل کی۔ محدث کبیر مولانا انور شاہ کشمیری سے حدیث شریف پڑھ کر فراغت حاصل کی۔ آپ کے رفقاء درس میں حضرت مولانا عبداللہ لدھیانوی، سجادہ نشین خانقاہ سراجیہ کندیاں بھی تھے۔ ۱۹۲۸ء میں

اورینٹل کالج لاہور میں داخل ہوئے۔ پنجاب یونیورسٹی لاہور سے فاضل عربی کا کورس بھی کیا۔سنٹرل ٹریننگ کالج لاہور سے اوٹی کا امتحان پاس کیا۔۱۹۳۴ء میں پنجاب یونیورسٹی سے منشی فاضل کا کورس کیا۔ ۱۹۳۷ء میں فاضل اردو کا امتحان اوّل درجہ میں پاس کیا۔آپ اسلامیہ ہائی سکول ملتان، گورنمنٹ ہائی سکول مظفرگڑھ، اسلامیہ ہائی سکول سالاروالا فیصل آباد، اسلامیہ ہائی سکول چنیوٹ، گورنمنٹ ہائی سکول ڈیرہ غازی خان، گورنمنٹ ہائی سکول ملتان، گورنمنٹ نارمل سکول ملتان میں معلّمی کے فرائض سرانجام دیتے رہے۔ ۲۰/مارچ ۱۹۶۳ء کو آپ کا وصال ہوا۔ عام خاص باغ میں حضرت مولانا خیرمحمد جالندھری کی امامت میں آپ کا جنازہ پڑھا گیا۔ عام خاص باغ اور اسلامیہ کالج ملتان کے قریب واقع قبرستان میں آپ کی تدفین ہوئی۔

دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد سے آپ نے لکھنے پڑھنے کے کام کا آغاز کیا۔تعلیم کے ساتھ ساتھ آپ کے مضامین اس وقت کے شہرت یافتہ اخبار وجرائد میں شائع ہوتے تھے۔عرصہ تک روزنامہ ’’زمیندار‘‘ لاہور میں بھی آپ کے مضامین وکلام شائع ہوتے رہے۔آپ اعلیٰ درجہ کے لکھاری، نقاد اور بلند پایہ ادیب وشاعر تھے۔

رجب ۱۳۷۰ھ بمطابق اپریل ۱۹۵۱ء سے ماہنامہ ’’الصدیق‘‘ ملتان کا اجراء ہوا جو ذوالحجہ ۱۳۸۵ھ بمطابق اپریل ۱۹۶۶ء تک جاری رہا۔ آپ نے اس میں مدیر مسئول، نامہ نگار اور قلمی معاون کے طور پر وفات تک خدمات سرانجام دیں۔ درمیان میں ذاتی مصروفیات کے باعث معمولی وقفہ بھی رہا۔مولانا عبدالرشید نسیم طالوت کے مولانا حسین احمد مدنی، علامہ اقبال، مولانا ظفرعلی خان، مولانا خیرمحمد جالندھری ایسے یگانہ روزگار حضرات سے نیازمندانہ تعلقات تھے۔ مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری، مولانا قاضی احسان احمد شجاع آبادی، مولانا محمد علی جالندھری، مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی، مولانا غلام غوث ہزاروی، شورش کاشمیری ایسے حضرات سے مخلصانہ، محبانہ جماعتی تعلقات تھے۔ مولانا نوراحمد خان فریدی، مولانا حافظ عطاءالمنعم شاہ بخاری، مولانا سید نورالحسن شاہ بخاری، منشی عبدالرحمٰن خان ایسے حضرات سے یارانہ اور دوستی کا ماحول رہا۔ اس وقت کے تمام معروف علمی وادبی جرائد اور اخبارات میں آپ کے رشحات قلم شائع ہوتے رہتے تھے۔ لیکن زیادہ تر ماہنامہ ’’الصدیق‘‘ ملتان میں آپ کے مضامین شائع ہوئے۔ حضرت مولانا سید محمد انورشاہ کشمیری

کی شاگردی اور مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی رفاقت کی نسبت نے آپ کو تحفظ ختم نبوت کا مبلغ و منّاد بنادیا۔ آپ کے قلم کی جلالت شان کا زیادہ تر قادیانیت ہی نشانہ رہی۔ اسلام دشمن اور ختم نبوت کے باغی گروہ قادیانیت کے خلاف آپ کا قلم جولانی بھرتا ہے تو قاری کو قادیانیت کے بخیئے ادھڑتے نظر آتے ہیں۔

یہی حال آپ کی شاعری کا ہے۔ زیادہ تر آپ نے قادیانیت کو نشانہ مشق بنائے رکھا۔ ایسا اڑنگے پر لاکر چت کرتے ہیں کہ اس کی ہڈیوں کی تڑاخ چڑاخ سے ماحول گونج اٹھتا ہے۔ مولانا کا ایسے وقت میں وصال ہوا کہ آپ کی قیمتی لائبریری اور متاع علم وقلم آپ کی اولاد سنبھال نہ پائی اور وہ سب کچھ لٹ لٹا گیا۔ آپ کا ایک کرم خوردہ دیوان کچھ یادداشتیں، کچھ وہ رسائل جن میں آپ کے رشحات قلم شائع ہوئے کا ایک بستہ ورثاء کے پاس رہ گیا۔ ملتان کے جناب پروفیسر ڈاکٹر مختار احمد ظفر کو اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے، انہوں نے اپنے پی.ایچ.ڈی کے مقالہ میں اس متروکہ تاریخی بستہ سے آپ کے حالات وواقعات اور کلام کو ملتان کا ایک معتبر حوالہ بنادیا۔ جناب ڈاکٹر صاحب کی صاحبزادی زنیر ظفر نے اپنے ایم.فل کے مقالہ میں کلّیات علامہ طالوت کو دو ضخیم جلدوں میں مدوّن کردیا۔

ہم نے احتساب قادیانیت ج۴۱ میں آپ کا ایک پمفلٹ ''مضمون چور'' شائع کیا۔ یہ جنوری ۲۰۱۰ء کی بات ہے۔ اس زمانہ سے خیال تھا کہ آپ کے قادیانیت پر مضامین اور ردقادیانیت پر آپ کا کلام یکجاء ہوجائے تو یہ ایک بہت بڑی علمی خدمت ہوگی۔ ہر کام کا اللہ تعالیٰ کے ہاں وقت مقرر ہے۔ ۲۰۱۰ء سے ۲۰۲۲ء تک تیرہ سال کے عرصہ میں حق تعالیٰ نے پہلے (۱) ماہنامہ ''الصدیق'' ملتان کی فائل مکمل کرادی۔ (۲) ''علامہ طالوت (خطۂ ملتان کی علمی وادبی اور تحقیقی روایت کا ایک معتبر حوالہ)'' مصنف ڈاکٹر مختار احمد ظفر۔ (۳) ''تدوین کلّیات علامہ عبدالرشید نسیم طالوت'' (حصہ اوّل، حصہ دوم) مصنفہ زنیر ظفر صاحبہ...... بھی مل گئے۔ ان تینوں مآخذ کو سامنے رکھا۔ اس دوران ''تدوین کلّیات علامہ نسیم طالوت'' ایم.فل کے مقالہ میں شامل کلام ''حدیث قادیان'' کا اصل قلمی نسخہ کا عکس بھی اللہ رب العزت نے اپنی بے پایاں عنایت سے عنایت کردیا جس کا ظاہری سبب حضرت علامہ طات کے عزیز اور ہمارے مخدوم مولانا منظور احمد آفاقی بنے۔ اس تمام ریکارڈ کے مہیا ہونے پر ضرورت تھی کہ اس سے ردقادیانیت پر آپ کے نظم ونثر کو علیحدہ یکجاء اور مرتب کردیا جائے۔

یہ قرعہ فال عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے نوجوان فاضل عالم دین مولانا حافظ عتیق الرحمٰن کے حصہ میں آیا۔ آپ نے اس کی جو ترتیب قائم کی وہ ’’محاسبہ قادیانیت‘‘ کی اس جلد (۲۰) میں پیش خدمت ہے۔

۱...... ’’مولانا ظفر علی خان اور فتنہ قادیانیت‘‘ جناب حکیم عنایت اللہ نسیم سوہدروی کی ایک کتاب ہے، جس کا نام ’’ظفر علی خاں اور ان کا عہد‘‘ ہے۔ اس کتاب میں تین مختلف مقامات پر مولانا ظفر علی خان کی فتنہ قادیانیت کے تعاقب کی تفصیلات قلمبند کی ہیں جو انتہائی ایمان افزاء روح پرور ہیں۔ چنانچہ مذکورہ کتاب کے تینوں مقامات:

(۱) ۴۱۰ - ۳۹۲ بعنوان: مولانا ظفر علی خان اور فتنہ قادیانیت
(۲) ۴۶۶ - ۴۳۸ بعنوان: مسلم یونیورسٹی علی گڑھ اور قادیانیت
(۳) ۴۷۸ - ۴۷۵ بعنوان: مسٹر ظفر اللہ خاں اور قادیانیت کے سلسلہ میں مولانا ظفر علی خان کا مکتوب مفتوح بنام جارج پنجم شہنشاہ ہند، تاجدار انگلستان

اس کو ’’محاسبہ قادیانیت‘‘ جلد نمبر۲۰ میں ’’مولانا ظفر علی خان اور فتنہ قادیانیت‘‘ کے نام پر جمع کر دیا ہے۔ پہلی بار اس حصہ کو یوں ترتیب نو سے یہاں شائع کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔

۲...... ’’اسلام اور قتل مرتد، مخالفین کے اعتراضات اور شریعت کی تصریحات‘‘

از: حضرت مولانا ظفر علی خان جمع و ترتیب و تحقیق: جناب محمد متین خالد

تاریخ احمدیت اور ’’تذکرہ‘‘ قادیانی کتب کی رو سے پانچ قادیانی افغانستان میں بجرم ارتداد قتل ہوئے۔

(۱) افغانستان کے فرمانروا جناب امیر عبدالرحمٰن مرحوم کے عہد حکومت ۱۹۰۱ء میں عبدالرحمٰن قادیانی کو حکومت افغانستان نے واصل جہنم کیا۔ (تاریخ احمدیت ج۳ ص۳۲۸)

(۲) افغانستان کے فرمانروا جناب امیر حبیب اللہ خان مرحوم کے عہد حکومت میں عبداللطیف قادیانی کو ۱۴؍جولائی ۱۹۰۳ء میں بجرم ارتداد حکومت افغانستان نے سنگسار کیا۔ (ایضاً)

ان دونوں کے واقعہ قتل پر ملعون قادیان نے کتاب ’’تذکرۃ الشہادتین‘‘ لکھی جو

قادیانی خزائن کی جلد۲۰ میں شامل ہے۔ ان خزائن کو بعض حضرات ’’خرافات قادیانی‘‘ کے نام سے موسوم کرتے ہیں اور عجیب ہے کہ خرافات میں پہلا لفظ ’’خ‘‘ دوسرا ’’ر‘‘ ہے دونوں کو ملائیں تو لفظ ’’خر‘‘ بنتا ہے۔ البتہ قادیانی گروہ اسے روحانی خزائن کے نام سے موسوم کرتا ہے۔

ہمارے علامہ خالد محمود حوالہ میں اس کا مخفف ’’رخ‘‘ استعمال کرتے تھے۔ اس میں بھی وہی دو لفظ ’’ر۔خ‘‘ ہیں۔ ذرا تقلب کردیں تو نتیجہ ’’خر‘‘ ہی آئے گا۔ خزائن قادیانی یا خرافات قادیانی کی بحث غیرارادی طور پر اس لئے شروع ہوگئی کہ ملعون قادیان نے ان دو قادیانی مرتدین کو شہید قرار دیا تو جواب آں غزل میں فقیر نے روحانی خزائن کو خرافات قادیانی کہنے والوں کے قول کو راجح قرار دے کر ’’خرّ قادیان‘‘ تک بات پھیلادی۔ ویسے مرزا خود کو مسیح کہتا ہے جیسے سیدنا مسیح علیہ السلام کی سواری کو ’’خرّ مسیح‘‘ کہتے ہیں تو دجال قادیان کے لئے ’’خرّ قادیان‘‘ پر قادیانی کرم فرماؤں کو چیں بجبیں نہ ہونا چاہئے۔ عوض معاوضہ برابر شد گلہ ندارد۔

(۳) اسی طرح نعمت اللہ خان قادیانی مبلغ کو بجرم ارتداد ۳۱؍اگست ۱۹۲۴ء امیر امان اللہ خان کے زمانہ میں اور پھر (۴) عبدالحلیم قادیانی اور (۵) نور علی قادیانی دونوں مرتد قادیانیوں کو بجرم ارتداد ۱۲؍فروری ۱۹۲۵ء میں افغانستان حکومت نے فی النار والسقر کیا۔

(تذکرہ ص۵۰۱ حاشیہ)

چنانچہ نعمت اللہ قادیانی مبلغ کے بجرم ارتداد قتل کے بعد ہندوستان میں قادیانیوں نے افغانستان حکومت کے خلاف ماحول کو شدید کشیدہ کرنے میں دیوانگی اختیار کی۔

مرتد کی سزا شریعت اسلامیہ میں قتل ہے۔ جہاں کہیں اسلام کی حکومت ہو کوئی شخص اسلام کو ترک کر کے کفر کو اختیار کرلے تو اسلامی حکومت کا فرض بنتا ہے کہ اس کو تحویل میں لے کر اسے دوبارہ اسلام کی ترغیب دے۔ اگر وہ دوبارہ اسلام قبول کرلے تو اس کی توبہ قبول کی جائے گی۔ اگر وہ ارتداد پر قائم رہتا ہے تو اس پر مقدمہ دائر کر کے اسے اسلامی ملک کی اسلامی عدالت میں پیش کیا جائے گا۔ عدالت میں اگر اس کا جرم ارتداد ثابت ہو جائے تو پھر عدالت اسے اسلام کی رو سے سزائے موت کا حکم سنائے گی۔ اسلامی حکومت اسلامی عدالت کے فیصلہ کو نافذ کرے گی۔

افغانستان اسلامی مملکت تھی، اسلامی مملکت میں اسلامی قوانین کے تقاضوں پر عمل کیا ہوا کہ پورے ملک میں قادیانی باؤلے ہوگئے۔ سانپ کی طرح ان کو بل کھاتا دیکھ کر بعض

ہندو قیادت بھی ان کی ہمنواء ہوگئی۔ محمد علی لاہوری نے ارتداد کے خلاف دجل وتلبیس کا شاہکار زہریلا اور مذموم رسالہ لکھا۔ بعض بزعم خود روشن خیال بھی قادیانی مؤقف کہ: ’’اسلام میں ارتداد کی سزا سزائے موت نہیں‘‘ پر ان کے ہمنواء ہوگئے۔ جنگ آزادی کے معروف قومی رہنماء مولانا محمد علی جوہر ایسے انقلابی قائد نے جناب مہاتما گاندھی کی ہمنوائی میں اپنے جریدہ ’’ہمدرد‘‘ میں محمد علی لاہوری مرزائی کے مؤقف کی تائید کرنا شروع کردی۔

اللہ تعالیٰ کی کروڑ رحمتیں ہوں تحریک آزادی کے نامور ہیرو اور معروف رہنماء ظفر الملّت والدین مولانا ظفر علی خان پر کہ وہ خم ٹھونک کر میدان میں اترے۔ انہوں نے مؤقف یہ اختیار کیا کہ جھوٹے مدعی نبوت آں جہانی مرزا غلام احمد قادیانی کے دعویٰ نبوت ورسالت کی بناء پر تمام مکاتب فکر کے جید علماء وفقہاء نے بالاتفاق اسے اور اس کے پیروکاروں کو دائرہ اسلام سے خارج، مرتد اور زندیق قرار دیا ہے۔

واقعات کے مطابق ۱۹۲۴ء میں افغانستان میں ایک قادیانی مربی نعمت اللہ خاں کو قادیانی عقائد پر مبنی مفسدانہ، شرانگیز اور ارتدادی سرگرمیوں میں ملوث ہونے کی وجہ سے گرفتار کیا گیا۔ اس کے قبضہ سے گستاخانہ، دل آزار اور اسلام دشمن لٹریچر برآمد ہوا۔ تفتیش میں اس نے بتایا کہ وہ پہلے مسلمان تھا۔ بعدازاں اس نے قادیانی مذہب اختیار کرلیا۔ اس پر اسے اسلامی تعلیمات کی روشنی میں کئی دن سمجھایا گیا۔ تمام اشکالات وشبہات کے جوابات دیئے گئے، مگر وہ اپنے ارتداری اور کفریہ عقائد سے ٹس سے مس نہ ہوا۔ چنانچہ ارتداد کے جرم میں نعمت اللہ قادیانی کو ۳۱/اگست ۱۹۲۴ء کو سزائے موت دی گئی۔ اس پر قادیانیوں نے پوری دنیا میں شوروشغف مچایا۔ والی افغانستان امیر امان اللہ پر ژاژ خائی کی اور کہا کہ حکومت افغانستان کا یہ فعل آزادی اظہار رائے کے تناظر میں قابل اعتراض اور تعلیم اسلامی کے خلاف ہے۔ حالانکہ سب جانتے ہیں کہ شریعت اسلامیہ اس قسم کی مادر پدر آزادی کی اجازت نہیں دیتی جو اسلامی حکومتیں شریعت پر عمل کرتی ہیں۔ ان کا روّیہ یہی ہے اور یہی ہونا چاہئے۔ یہ کوئی فروعی اختلاف نہیں بلکہ اسلام کے بنیادی عقائد کے تحفظ کا معاملہ ہے۔ ختم نبوت کا انکار، جہاد کی ممانعت، دنیا بھر کے تمام مسلمانوں کو کافر کہنا، کیا آزادی اظہار رائے ہے؟ اس واضح مؤقف کے باوجود نعمت اللہ قادیانی کی سزائے موت کے خلاف قادیانیوں نے اپنے اخبارات ورسائل میں مرتد کی سزا پر مضامین لکھنے شروع کردیئے۔ بعض سادہ لوح

مسلمان بھی اس پروپیگنڈہ کا شکار ہونے لگے۔ چنانچہ مولانا ظفرعلی خان نے اس کے جواب میں اپنے پرچہ ’’زمیندار‘‘ میں ’’اسلام اور قتل مرتد‘‘ کے عنوان سے نہایت مبسوط اور لاجواب مضمون تحریر کیا۔ یہ مضمون ۱۶/مارچ ۱۹۲۵ء تا ۴/اپریل ۱۹۲۵ء، ۱۵/مئی ۱۹۲۵ء اور ۲۴/مئی ۱۹۲۵ء کے شماروں میں قسط وار شائع ہوا۔ یہ جامع مضمون اس موضوع پر ’’کوزے میں دریا بند کرنا‘‘ کی منہ بولتی تصویر ہے۔ اس کا مطالعہ ہر ذی شعور پر لازم ہے۔

۱۹۲۵ء کے اخبار زمیندار لاہور کے اس مضمون کی تمام قسطوں کو جمع کرنا، ترتیب قائم کرنا، کمپوز کرانا، یہ ایک مستقل کام تھا جو ایک صدی سے کسی مرد مجاہد کی عقیدہ ختم نبوت کے لئے مجاہدہ اور ریاضت کا مقتضی تھا۔ اللہ رب العزت نے یہ توفیق اور سعادت مخدوم گرامی جناب خالد متین صاحب کے حصہ میں لکھی تھی۔ اپنی بساط کے مطابق انہوں نے بے حد محنت کی۔ اس کے باوجود غلطی کا امکان ہے۔ اہل علم اس کے پروف میں کوئی غلطی یا سقم پائیں تو براہ کرم مطلع فرمائیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اس کا ازالہ ہوسکے۔

اس مضمون کی تلاش کے لئے آپ اپنے رفقا جناب وقار احمد، جناب مفتی معاذ، جناب ڈاکٹر ضیاء الحق قمر اور محمد فرقان کے ہمراہ میدان میں کیا اترے کہ اپنی مراد کی کشتی کو کامیابی سے ساحل کامرانی پر جا اتارا۔ جناب محمد متین خالد کے ہاتھوں سوسالہ پوشیدہ علمی وایمانی خزینہ کو اس جلد میں شائع کرنے پر انتہائی خوشی ہورہی ہے اور یہ ایک صدی قبل کا مضمون پہلی بار کتابی شکل میں شائع ہورہا ہے۔ (زہے مقدر)

مولانا ظفرعلی خان کے کلام کے مجموعے ’’بہارستان‘‘، ’’نگارستان‘‘، ’’چمنستان‘‘، ’’حبسیات‘‘، ’’ارمغان قادیان‘‘ شائع ہوئے۔ زاہد علی خان کی کاوش سے آپ کے تمام مجموعہ ہائے کلام کو ’’کلّیات ظفرعلی خان‘‘ کے نام سے جناب محمد فیصل صاحب نے اپنے مکتبہ الفیصل غزنی سٹریٹ لاہور سے شائع کرنے کا قابل قدر و باعث رشک فریضہ سرانجام دیا، جس میں نہ صرف تمام مجموعہ ہائے کلام مولانا ظفرعلی خان اشاعت پذیر ہوگئے بلکہ ان مجموعوں کو اشاعت اوّل کے بعد کا کلام بھی موضوعات کی مناسبت سے شامل ’’کلّیات ظفرعلی خان‘‘ ہوگیا۔ یہ ۲۰۰۷ء کی بات ہے۔

۳...... ’’<u>ارمغان قادیان</u>‘‘ آپ کے مجموعہ ہائے کلام میں سے ایک مجموعہ ’’ارمغان قادیان‘‘ بھی ہے جسے مولانا ظفرعلی خان نے ۱۹۳۴ء میں شائع کرنے کا ارادہ فرمایا۔ یہ

۱۹۳۶ء میں پہلی بار شائع ہوا۔ جناب چراغ حسن حسرت نے اس کا وقیع مقدمہ تحریر کیا۔ اس میں ردقادیانیت پر آپ کا کلام جمع کیا گیا۔ جگہ جگہ توضیح کے لئے جناب اصغر حسین خان نظیر لدھیانوی نے حواشی بھی تحریر کئے۔ یہ مجموعہ مسلم پریس ریلوے روڈ لاہور سے شائع ہوا۔ اس اشاعت اوّل میں بہت سارا کلام جو اس مجموعہ کی اشاعت کے بعد سے مولانا ظفرعلی خان کی وفات تک کا تھا، رہ گیا تھا۔ اس مجموعہ کا ایڈیشن ثانی مکتبہ کاروان لاہور سے شائع ہوا۔ جناب نظیر لدھیانوی نے اس اشاعت ثانی کا سرآغاز لکھا۔ اس میں بہت سارے مختصر حواشی آپ نے تحریر کئے۔ نیا کلام بھی شامل کرنے کا اعزاز حاصل کیا لیکن طبع اوّل میں بہت ساری نظمیں جو ایک شعر کی مناسبت سے ’’ارمغان قادیان‘‘ میں شامل کی گئی تھی، ان کو خارج کر دیا۔ شعری مجموعہ میں وہ ایک شعر دے دیا تو ٹھیک ہے۔ رہ گیا تو کوئی حرج نہیں کا معاملہ کر دیا گیا۔ اشاعت اوّل میں طویل حواشی تھے وہ بھی خارج کر دیئے گئے۔

قارئین محترم! ۱۹۳۶ء کے ’’ارمغان قادیان‘‘ کو ۲۰۲۲ء میں نئے سرے سے اس کی اشاعت کے لئے ہمارا کمر باندھنا محض ارادہ الٰہی اور اس کی مشیت کا مرہون منت ہے۔ اللہ رب العزت کی توفیق وعنایت، کرم ایزدی، فضل الٰہی اور احسان باری تعالیٰ سے مولانا عتیق الرحمٰن نے ’’ارمغان قادیان‘‘ کی اشاعت اوّل، دوم اور کلام ظفرعلی خان کے دوسرے مجموعوں کو سامنے رکھ کر نئے سرے سے اس کی ترتیب کے کام کا آغاز کیا۔ مولانا محمد وسیم اسلم، مولانا محمد عثمان سے بھی ضرورت کے وقت معاونت رہی۔

غرض کوشش کی کہ (۱) ارمغان قادیان کی اشاعت اوّل ودوم کی تمام نظمیں یکجاء ہو جائیں۔ دونوں ایڈیشنوں کے تمام حواشی بھی شامل ہو جائیں۔ دوسرے مجموعوں اور کلّیات سے ردقادیانیت پر کہیں بھی کچھ ہے، رہنے نہ پائے۔ اس جذبہ سے دن رات ایک کر کے مولانا عتیق الرحمٰن نے اپنے طور پر قابل رشک محنت کی۔ وہ اس میں کتنے کامیاب ہوئے، یہ اب قارئین کے فیصلہ پر چھوڑتے ہیں۔ لیکن اپنا کم از کم خیال یہ ہے کہ اس نئی ترتیب واشاعت میں ردقادیانیت پر مولانا ظفرعلی خان مرحوم کا اتنا کلام جمع ہو گیا ہے، جو پہلے کبھی نہیں ہوا تھا۔ الحمدللہ اوّلاً و آخراً!

۱۹۳۶ء کے ایڈیشن میں ’’ارمغان قادیان‘‘ کا پہلا حصہ اس کلام پر مشتمل تھا جو قادیانیوں کے خلاف مولانا ظفرعلی خان نے ارشاد فرمایا۔ اسی کے دوسرے حصہ میں نثر کا وہ

حصہ جو قادیانیوں کے خلاف مولانا ظفر علی خان کے مضامین کی شکل میں تھا۔ ان سے چند کا انتخاب کر کے شائع کیا گیا۔ ’’ارمغان قادیان‘‘ کی دوسری طبع میں نثر کا یہ حصہ نکال دیا گیا۔ اس اشاعت میں ہم نے نثر کا حصہ بھی پہلی اشاعت کا شامل کر دیا ہے۔

۴ ...... ’’حدیث قادیان‘‘ حضرت مولانا علامہ عبدالرشید طالوت کی خود مرتب کردہ ہے۔ لیکن اس کی فہرست اور مسودہ کی نظموں میں بہت تفاوت ہے۔ بہت ساری نظموں کے نام فہرست میں موجود لیکن مسودہ میں وہ نظمیں غائب ہیں۔ بظاہر یہی ہے کہ ان نظموں کو حضرت علامہ شامل کرنا چاہتے تھے۔ ان کے سرنامے (عنوان نظم) فہرست میں داخل کئے لیکن مسودہ کی تبییض کے وقت ان کو اس میں شامل کرنے کی بابت رائے بدل گئی۔

ہمیں ’’حدیث قادیان‘‘ کے اصل مسودہ کا عکس،

(۲) ’’تدوین کلّیات علامہ عبدالرشید نسیم طالوت‘‘ کے دونوں حصوں کا مقالہ مل گیا۔

(۳) ۱۹۴۱ء کا ہفت روزہ ’’تنظیم اہل سنت‘‘ لاہور کا مرزاغلام احمد قادیانی نمبر شائع شدہ ’’احتساب قادیانیت‘‘ جلد ۵۵۔

(۴) ماہنامہ ’’الصدیق‘‘ ملتان کی سولہ سالہ فائل سے ردقادیانیت پر علامہ طالوت مرحوم کا جو کلام ملا، ’’حدیث قادیان‘‘ میں جمع کر دیا گیا ہے۔ اس کی جمع وترتیب مولانا وسیم اسلم نے کی۔ یہ کتاب بھی ’’محاسبہ قادیانیت کی جلد ہذا (۲۰)‘‘ میں شامل اشاعت ہے۔ الحمدللہ!

۵ ...... ’’ردقادیانیت پر علامہ طالوت کے مضامین‘‘ ترتیب: مولانا عتیق الرحمٰن

ماہنامہ ’’الصدیق‘‘ ملتان کے وہ اداریئے اور شذرات جو علامہ طالوت مرحوم نے لکھے، تاریخ وار ان سب کو مولانا عتیق الرحمٰن نے جمع کیا۔ ترتیب لگائی اور تخریج کا کام مکمل کیا۔ اسی کے ساتھ اگر اس زمانہ میں دیگر قومی جرائد، اخبارات میں کوئی چیز ردقادیانیت پر شائع شدہ جسے علامہ طالوت نے ماہنامہ ’’الصدیق‘‘ میں جگہ دی، یا قارئین ’’الصدیق‘‘ نے کوئی خط یا خبر علامہ طالوت کو بھجوائی اسے آپ نے باتبصرہ یا بلاتبصرہ شائع کیا تو وہ سب اس کتاب میں جمع کر دیئے گئے، جو ’’محاسبہ قادیانیت‘‘ کی اس جلد (۲۰) میں شائع کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔

ستر سال قبل کے ماہنامہ میں شائع شدہ مضامین کو پہلی بار کتابی شکل میں شائع کیا جارہا ہے۔ باری تعالیٰ تیرا لاتعدّ ولاتحصی ہم مسکینوں پر شکر واجب۔ الشکر والحمد کلہ للہ تعالیٰ!

۶...... ’’ماہنامہ الصدیق میں ردقادیانیت پر مختلف علماء کرام واہل قلم کے مضامین‘‘

جمع وترتیب: مولانا عتیق الرحمٰن

ماہنامہ ’’الصدیق‘‘ ملتان (۱۹۵۱ء تا ۱۹۶۶ء) میں ردقادیانیت پر جن حضرات علماء کرام واہل قلم کے مضامین شائع ہوئے، اس کتاب میں ان سب کو جمع کر دیا گیا ہے تاکہ ’’الصدیق‘‘ میں شائع ہونے والا ردقادیانیت پر میٹر ایک ساتھ اس کتاب میں جمع ہو جائے۔ الحمدللہ!

’’الصدیق‘‘ میں (۱) مسک الختام مؤلفہ حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی۔ (۲) ایمان کے ڈاکو مؤلفہ حضرت مولانا محمد رفیق دلاوری بھی قسط وار شائع ہوتے رہے۔ لیکن یہ دونوں رسائل کتابی شکل میں بھی مطبوعہ ہیں اور یہ کہ ’’احتساب قادیانیت‘‘ جلد۲ اور ’’احتساب قادیانیت‘‘ جلد۵۶ میں (بالترتیب) یہ دونوں رسائل شائع کر چکے ہیں۔ اس لئے یہاں پر ان کو شامل اشاعت نہیں کرنا چاہئے تھا۔ چنانچہ ایسے کیا۔

اس کے علاوہ جن حضرات کے ’’جتنے‘‘ مضامین ’’الصدیق‘‘ میں شائع ہوئے ان کی تفصیل یہ ہے۔

۱......	حضرت مولانا مفتی محمد عبداللہ ڈیروی	۱۲	مضامین
۲......	مولانا عبدالحمید ارشد	۱	مضمون
۳......	مولانا ابورضوان	۱	مضمون
۴......	مولانا رحیم بخش	۱	مضمون
۵......	میر ظفر بی.ایس.سی بہاول پور	۱	مضمون
۶......	قاضی عبدالصمد سربازی	۱	نظم

’’الصدیق‘‘ کے جملہ مضامین ردقادیانیت کو ’’محاسبہ قادیانیت‘‘ کی جلد ہذا (۲۰) میں شامل ہونے پر اللہ رب العزت جل شانہ کا شکر ادا کرتے ہیں۔ ستر سال بعد پہلی بار کتابی شکل میں یہ شائع ہو رہے ہیں۔

محاسبہ قادیانیت جلد۲۰ کی امتیازی شان

(۱) اس جلد میں برصغیر پاک وہند کے دو ممتاز رہنما، دونوں دانشور، دونوں نامور شاعر، دونوں قادر الکلام ادیب ظفر الملّت والدین مولانا ظفر علی خان، مولانا علامہ عبدالرشید نسیم طالوت کا نظم ونثر کا جو کچھ میسر آیا اکثر پہلی بار کتابی شکل میں شائع ہو رہا ہے۔

(۲) اتفاق بلکہ حسن اتفاق کہ دونوں نے قادیانیت کے خلاف اپنے کلام کے قریباً ملتے جلتے نام تجویز کئے۔ مولانا ظفر علی خان کے کلام کا نام ''ارمغان قادیان'' اور علامہ طالوت کے کلام کا نام ''حدیث قادیان'' ہے۔

(۳) مولانا ظفر علی خان کی ردقادیانیت کے خلاف خدمات پر جنہوں نے کتاب جمع کی ان کے نام کا جز بھی نسیم ہے اور اس مجموعہ میں شامل ردقادیانیت پر علامہ طالوت کے نام کا بھی جز نسیم ہے۔ یعنی حکیم عنایت اللہ نسیم اور علامہ عبدالرشید نسیم طالوت۔

(۴) مولانا ظفر علی خان کے قادیانیت کے خلاف نثری رشحات قلم اور مولانا عبدالرشید نسیم طالوت کے بھی ردقادیانیت پر نثری رشحات قلم دونوں پہلی بار کتابی شکل میں شائع ہو رہے ہیں۔

(۵) مولانا ظفر علی خان کے مضامین جناب محمد متین خالد نے اور مولانا طالوت کے مضامین ''الصدیق'' کے دیگر حضرات کے مضامین جناب مولانا عتیق الرحمٰن نے مرتب کئے۔ ادھر جمع وترتیب ہوئے، ادھر ''محاسبہ قادیانیت'' میں شائع ہوئے۔ یہ بھی پہلی بار ہو رہا ہے۔

(۶) ''محاسبہ قادیانیت'' میں چھ کتب ورسائل ہیں، جن میں چار کتب ورسائل دو شخصیات مولانا ظفر علی خان اور مولانا علامہ طالوت کا فیضان علم ودانش ہے۔

گویا ''محاسبہ قادیانیت'' کی جلد بیس (۲۰) میں:

۱......	جناب حکیم عنایت اللہ نسیم سوہدروی	کی	۱	کتاب سے انتخاب
۲......	مولانا ظفر علی خان (ترتیب وتحقیق: جناب محمد متین خالد)	کی	۲	کتب
۳......	علامہ طالوت (ترتیب وتحقیق: مولانا وسیم اسلم)	کی	۱	کتاب
۴......	علامہ طالوت واہل قلم (جمع وترتیب: مولانا عتیق الرحمٰن)	کی	۲	کتب
	گویا ۴ حضرات کی	کل	۶	کتب

محاسبہ قادیانیت کی اس جلد میں شامل اشاعت ہیں۔ اللہ رب العزت قبول فرمائیں۔

محتاج دعاء: (فقیر) اللہ وسایا، ملتان

۱۶/ شوال المکرّم ۱۴۴۳ھ، ۱۸/ مئی ۲۰۲۲ء

انا خاتم النبیین لا نبی بعدی

میں آخری نبی ہوں، میرے بعد کوئی نبی نہیں

مولانا ظفر علی خان

اور

فتنہ قادیانیت

جناب حکیم عنایت اللہ نسیم سوہدروی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تفصیلی فہرست

(۱)مولانا ظفر علی خان اور فتنہ قادیانیت			۱۸
غیر مسلم اقلیت قرار دیئے جانے کی تجویز	۲۲	مختصر روئداد مقدمہ	۲۳
عدالت میں نعرۂ مستانہ	۲۵	مولانا کا تاریخی پیغام	۲۶
صور اسرافیل	۲۶	ملک کے طول وعرض میں ہیجان	۲۷
ناموس رسول ﷺ کے تحفظ کی قیمت	۳۲		
(۲)مسلم یونیورسٹی علی گڑھ اور قادیانیت			۴۱
علی گڑھ میں مولانا کا ورود مسعود اور عدیم النظیر استقبال	۴۵	ریلوے اسٹیشن کا منظر اور اسٹیشن کے باہر مولانا کی مختصر تقریر	۴۶
یونیورسٹی یونین میں ۲۴رنومبر(۱۹۳۴ء) کی تقریر	۵۰	پروفیسر محمد حاذق کی مداخلت	۵۲
سوشلزم، کمیونزم ایتھیزم وغیرہ	۵۴	مولانا عبدالحنّان کی تقریر	۵۴
۲۵رنومبر کی روداد	۵۶	جامع مسجد علی گڑھ شہر کا عظیم الشان جلسہ	۵۷
مولانا کی سادہ طبعی اور نوجوانوں سے محبت	۶۲	۲۶نومبر کو آفتاب ہوسٹل کا ہنگامہ اور بعد میں پرامن جلسہ	۶۲
مولانا کی تقریر اور تقریر کے دوران قادیانیوں کی طرف سے ہنگامے کی ناکام کوشش	۶۳	طبیہ کالج کے مسلمان اساتذہ اور طلباء کی طرف سے چائے کی دعوت	۶۵
’’سی‘‘ ہال کی دعوت طعام	۶۵	۲۷رنومبر کی متفرق مصروفیات	۶۵
مجلس شبّان المسلمین کا قیام	۶۶	تازہ کلام کا مطالبہ	۶۶
بعد از مغرب ایک پرلطف صحبت	۶۶	خان عبدالغفار خان کا علی گڑھ میں ورود اور یونیورسٹی یونین میں تقریر	۶۷
ایس ایس ہال کا ڈنر	۶۷	۲۸رنومبر مولانا کے قیام علی گڑھ کا آخری دن	۶۸
مولانا کے(پہلے) دورہ علی گڑھ کے عظیم نتائج	۶۸		
(۳)مسٹر ظفر اللہ خان اور قادیانیت کے سلسلہ میں مولانا ظفر علی خان کا مکتوب مفتوح بنام جارج پنجم شہنشاہ ہند تاجدار انگلستان			۷۰

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

جناب حکیم عنایت اللہ نسیم سوہدروی، علی گڑھ کے فاضل اور نامور اہل قلم تھے۔ آپ کی کتاب ’’مولانا ظفر علی خان اور ان کا عہد‘‘ ۱۹۸۲ء میں لاہور سے شائع ہوئی۔ اس کتاب میں مولانا ظفر علی خان کی قادیانی فتنہ کے خلاف جدوجہد کو تین مقامات پر تفصیل سے بیان کیا گیا ہے:

۱...... ’’مولانا ظفر علی خان اور فتنہ قادیانیت‘‘

(مولانا ظفر علی خان اور ان کا عہد ص۳۹۲ تا ۴۱۰)

۲...... کتاب مولانا ظفر علی خان اور ان کا عہد کے ص۴۳۸ سے ص۴۶۶ تک علی گڑھ اور قادیانی حوالہ سے حکیم عنایت اللہ سوہدروی نے حالات قلمبند کئے ہیں جسے ہم نے ’’مسلم یونیورسٹی علی گڑھ اور قادیانیت‘‘ کے عنوان پر شامل اشاعت کیا ہے۔

۳...... مذکورہ کتاب کے ص۴۷۵ سے ۴۷۸ تک کے مضمون کا عنوان ’’مسٹر ظفر اللہ خان اور قادیانیت کے سلسلہ میں مولانا ظفر علی خان کا مکتوب مفتوح بنام جارج پنجم شہنشاہ ہند تاجدار انگلستان‘‘ شامل اشاعت ہیں۔ (مرتب)

(۱) مولانا ظفر علی خان اور فتنہ قادیانیت

مولانا ظفر علی خان، برصغیر ہندو پاک کے وہ پہلے رہنما ہیں جنہوں نے برطانوی استعمار وملوکیت کی بیخ کنی کے ساتھ ہی ساتھ انگریز کے خود کاشتہ پودے یعنی مرزائیت کی پوری شدومد سے مخالفت کی اور ساری عمر اس کے خلاف مصروف جدوجہد رہے۔ اسی لئے نام نہاد روشن خیال وترقی پسند گروہ جسے دین حنیف کی روایات سے زیادہ لگاؤ نہیں اور اشترا کی حضرات جسے مذہب کے نام سے چڑ ہے۔ ظفر علی خان کو رجعت پسند، تنگ نظر ملاّ جیسے خطابات سے نوازتے رہے۔ جہاں تک اندازہ ہوتا ہے مولانا کے نزدیک اس فتنۂ ضالہ کی مخالفت کی وجوہ حسب ذیل تھیں:

۱...... اوّل یہ کہ وہ اسلام کی حقانیت وصداقت پر اور حضور ﷺ کی ختم المرسلینی پر سچے دل سے ایمان رکھتے تھے اور ملت کی چہاردہ سالہ پوری تاریخ پر نظر رکھتے تھے اور جانتے تھے کہ پوری ملت اسلامیہ اس امر پر متحد ہے کہ سرکار دوعالم تاجدار مدینہ ﷺ پر ہر قسم کی نبوت ختم ہوگئی۔ اب اس کے بعد ظلی وبروزی نبوت کا ڈھونگ حضور ﷺ کی شان میں گستاخی ہے۔ بلکہ صریحاً کفر ہے۔ چنانچہ ایک جگہ انہوں نے اس کا اظہار یوں کیا ہے:

آدم کی نسل پر ہوئی حجت خدا ختم ‌ ‌ دنیا میں آج دین کی تکمیل ہوگئی
اپنی مثال آپ تھی جو آخری نوید ‌ ‌ آفاق پر حوالۂ جبرئیل ہوگئی

۲...... ان کی مخالفت کی دوسری وجہ افرنگ دشمنی تھی۔ مولانا انگریز کے ازلی حریف ومخالف تھے۔ ان کا اس امر پر یقین تھا کہ انگریز ہی نے پوری دنیائے اسلام میں سازشوں کا جال بن رکھا ہے تاکہ ملت اسلامیہ بیدار ہوکر اپنے اصلی مقام سے آشنا نہ ہوجائے۔ بنابریں وہ خوب سمجھتے تھے کہ مرزائیت انگریز کا خود کاشتہ پودا ہے جس کا مقصد اپنے اغراض کے استعماری مقاصد کے لئے مسلمانوں کے دلوں سے جذبۂ جہاد کو ختم کر کے انہیں انگریزی حکومت کی اطاعت ووفاداری پر تیار کرنا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ مرزا بشیرالدین محمود (جسے مولانا نے ''موسیو'' کا خطاب دے رکھا تھا اور ان کے ابّا مرزا غلام احمد کو جو انگریزی حکومت کی وفاداری کو جزو ایمان سمجھتے اور اس لئے آیۂ رحمت قرار دیتے تھے کہ اس کے سایہ میں ان

کا کاروبار فروغ پا سکے) کو تحریک آزادیٔ ہند کی راہ میں زبردست روڑا سمجھتے تھے۔ لہٰذا اس کے فریب کارانہ عزائم سے مسلمانوں کو آگاہ کرنا اپنا ملّی فریضہ سمجھتے اور اس کی گوشمالی جزو ایمان تصور فرماتے تھے۔

یہی وجہ ہے کہ جب سے مولانا ظفر علی خان نے ’’زمیندار‘‘ سنبھالا اور سیاسی زندگی میں قدم رکھا۔ تحریر وتقریر اور نظم ونثر کے ذریعے عمر بھر اس فتنۂ ضالہ کے خلاف مصروف جہاد رہے۔ اپنے ہفت روزہ اخبار ’’ستارہ صبح‘‘ میں دلائل وشواہد عملی وعقلی سے ’’بعثت مجددین‘‘، ’’احمد کون ہے‘‘، ’’**الولد سرّ لابیه**‘‘، ’’**القادیان ماالقادیان**‘‘ جیسے معرکہ کے مضامین لکھے۔ نظم میں اس پر مولانا نے جو کچھ لکھا۔ اسے اہل علم خوب جانتے ہیں۔

گزشتہ جنگ عظیم اوّل (۱۴ تا ۱۹۱۸ء) میں ’’فتح بغداد‘‘ یعنی جب برطانیہ اس پر ’’قابض‘‘ ہوگیا۔ پر قادیان میں ...... چراغاں کیا گیا۔ پھر ترکیہ کی شکست پر قادیان میں جشن مسرّت منایا گیا۔ اس پر مولانا ظفر علی خان شعلہ بدامن ہوگئے اور اس فرقۂ ضالہ کے خلاف اور زیادہ شدت سے میدان میں اترے۔ اس دور میں ’’الفضل‘‘ نے ۱۳؍اکتوبر ۱۹۱۷ء کے پرچہ میں ’’زمیندار‘‘ اور ’’ستارہ صبح‘‘ کے زوردار مضامین سے بوکھلا کر ایک اپیل ’’صلح‘‘ شائع کی تو مولانا نے شرائط متارکہ کے طور پر جواب دیا کہ مرزائی حضرات:

☆...... ’’مرزاغلام احمد قادیانی کو نبی قرار دینا چھوڑ دیں۔

☆...... لسان شرح مبین میں چوں کہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا لقب انبیائے ذی شان کی طرح حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے لئے اسی طرح مخصوص ہے جس طرح بادشاہوں کے لئے ہزمیجسٹی۔ لہٰذا آئندہ مرزاغلام احمد کو ’علیہ الصلوٰۃ والسلام‘ نہ کہیں۔ ایسے ہی ازواج مطہرات حضور محمد مصطفیٰ ﷺ کی طرح مرزائی، مرزا قادیانی کی بیویوں کو ’’ام المؤمنین‘‘ کہہ کر اس مقدس نسبت کی توہین نہ کریں۔

☆...... اپنے کافرانہ اور انوکھے عقائد صرف اپنے اور اپنی جماعت تک محدود رکھیں۔ مسلمانوں میں اس کی قطعاً تبلیغ نہ فرمائیں۔ لیکن اگر آپ مرزائیوں کو یہ شرائط نامنظور ہیں تو پھر ناموس رسالت وشریعت مطہرہ کا تقاضا ہوگا کہ ہمارا قلم حرکت میں آئے اور پردۂ ضلالت چاک کرتا جائے۔‘‘ (ستارہ صبح یکم؍نومبر ۱۹۱۷ء)

چنانچہ اس پر مولانا نے:’’القادیان والقادیان وما ادراک ماالقادیان‘‘

خریدار متاع عدل اگر تم ہو ہم بھی ہیں

کے عنوان سے مندرجہ بالا شرائط پیش کیں، مگر جب وہ باز نہ آئے تو پھر علماء کو مخاطب کر کے یوں ارشاد فرمایا:

یہ فتنہ بڑھ چلا ہے اور تم خاموش بیٹھے ہو نہیں اے عالمان دیں میں تم سے بے سبب شاکی
بشیرالدین محمود آج پھیلاتا ہے بے کھٹکے فرنگستان میں جاکر خرافات اپنے باوا کی

اور مسلمانوں سے یوں خطاب کیا:

کہاں پنجاب میں اسلام! تیری اٹھ گئی غیرت بٹھایا کفر کو لاکر نبیؐ کے ہم نشینوں میں
حدیث اسمہٗ احمد غلام احمد پہ چسپاں ہو؟ پڑے خاک اس سلیقے پر، لگے آگ ان قرینوں میں
کھلونا قادیاں کا بن گئی وہ سطوت کبریٰ ہے اب تک شور جس کا آسمانوں اور زمینوں میں

(ستارہ صبح مؤرخہ ۲۴؍جنوری ۱۹۱۸ء)

اس سے قبل ’’قادیان کا تھیٹر‘‘ اور ’’قول فیصل‘‘ کے عنوان سے مولانا نے ایک معرکۃ الآراء نظم لکھی۔ جو ستارۂ صبح یکم؍نومبر ۱۹۱۷ء کی اشاعت میں شائع ہوئی۔ جس کے آخری دو تین شعر یہ ہیں:

اکملت لکم پڑھ کے زبان عربی میں ظلّی وبروزی کی نبوت کو مٹا دوں
ہے جن کو محمدؐ کی مساوات کا دعویٰ مثواہ جھنم کی وعیدان کو سنادوں
کچھ فرق بروز اور تناسخ میں نہیں ہے انکار ہو جن کو انہیں اقرار کرا دوں
اسلام سے جس قوم کو ہے کچھ بھی محبت میں اس کے لئے راہ میں آنکھوں کو بچھادوں

بلکہ اب مولانا کھلم کھلا اس خیال کا اظہار کرنے لگے کہ مذہبی مباحثوں اور مناظروں کی بجائے اس فتنہ کی اصل سیاسی ومذہبی حیثیت سے مسلمانوں کو آگاہ کیا جائے۔ چنانچہ انہوں نے اس فرقۂ ضالہ کے مقاصد، عزائم وافکار اس کے بانی کی تحریروں سے پیش کر کے ملت اسلامیہ کو ان ناپاک مقاصد سے آگاہ کیا اور دلائل سے ثابت کیا کہ اس استعماری ناپاک سازش کو کن وجوہ سے جامۂ عمل پہنایا جارہا ہے۔

اسی دوران جنگ عظیم کے خاتمہ کے کچھ دیر بعد مولانا حضرو ضلع اٹک میں ایک تقریر کی بناء پر پانچ سال کے لئے نذر زنداں ہوگئے۔ رہائی کے بعد ملک میں متعدد اہم

مسائل پیدا ہو گئے۔ مثلاً فتنہ شدھی و سنگھٹن جیسی اسلام دشمن تحریکیں اور فتنہ راجپال وارتمان، ادھر حجاز میں سلطان عبدالعزیز ابن سعودؒ کے برسر اقتدار آنے پر برعظیم ہندوپاک کے دو گروہوں میں جنگ برپا تھی۔ مولانا ابن سعود کے حامیوں میں تھے۔ ادھر کابل میں حکومت افغانستان نے دو مرزائیوں کو مرتد قرار دے کر قتل کرادیا تھا۔ جس پر بشیرالدین محمود بے حد برہم ہوئے۔ چنانچہ اسی غرض کے لئے لندن بھی گئے تاکہ حکومت برطانیہ کو حکومت افغانستان کے خلاف ابھارا جائے۔ مولانا نے اس پر ''زمیندار'' میں لکھا:

عناد اور بغض کی تصویر بن کر ... گئے لندن بشیرالدین محمود
یہ مقصد آپ کا ہے اس سفر سے ... کہ سرحد پر بچھا دی جائے بارود
دکھائے یورپ آکر اس کو بتی ... جہنم کی لپٹ جس میں ہو موجود
یہ ساری سرزمین پھر بھک سے اڑ جائے ... اور افغانوں کی جمعیت ہو نابود
کوئی اس دین کے دشمن کو بتائے ... کہ ساری کوششیں ہیں تیری بے سود
بھلا برطانیہ کو کیا پڑی ہے ... کہ دوزخ میں تری خاطر پڑے کود
ہے تو بھی کیا کسی کرنل کی میم ... بھگا کر لے گئے ہوں جس کو مسعود

مولانا نے اس دور میں حکومت افغانستان کے اس اقدام کی پوری حمایت کی۔ قتل مرتد کی تائید میں ''زمیندار'' میں متواتر دو ہفتہ تک مقالات لکھے۔ مولانا محمد علی جوہرؒ اور مولانا آزادؒ اس مسئلہ میں دوسری رائے رکھتے تھے۔ جس پر مولانا ظفر علی خان اور ان کے درمیان خاصی بحث ہوئی۔ تاآں کہ ۳۲،۱۹۳۱ء میں قادیانیت کے فتنہ نے پوری شدت اختیار کر لی۔ مثال کے طور پر، تحریک آزادی کشمیر کے دوران جب کشمیر کمیٹی بنائی گئی تو اس میں نہ صرف یہ کہ قادیانیوں کو شریک کیا گیا بلکہ مرزا بشیرالدین محمود صدر بنا لئے گئے۔ مولانا نے اس خطرہ کو پوری طرح بھانپ لیا اور اندازہ لگایا کہ اب یہ یہودیت کی طرح خطرناک تحریک بننے والی ہے۔ چنانچہ انہوں نے ''زمیندار'' میں سلسلۂ مضامین شروع کیا۔ ادھر ظفراللہ خان کی وائسرائے کی ایگزیکٹو کونسل میں شرکت کا مسئلہ تھا۔ جسے مولانا، بطور مسلمانوں کے نمائندہ کے قبول کرنے پر قطعاً تیار نہ تھے۔ چنانچہ ان کی تحریک پر پورے (متحدہ) ہندوستان میں ظفراللہ خان کے تقرر کے خلاف احتجاج شروع کیا گیا۔ جس پر (برطانوی) حکومت ہند کے کان کھڑے ہو گئے۔ مگر سر فضل حسین کی کوششوں سے ظفراللہ خان کو حکومت ہند کی ایگزیکٹو کونسل

کارکن نامزد کرلیا گیا۔ مولانا نے اس پر ہی شدید احتجاج نہ کیا بلکہ سر فضل حسین کی بھی خبر لے ڈالی۔ بس پھر کیا تھا اس جرم حق گوئی میں کسی مضمون کی آڑ لے کر ''زمیندار'' کی ایک ہزار روپیہ کی ضمانت ضبط کر لی اور مزید چار ہزار روپیہ طلب کرلیا گیا۔ جسے مولانا نے جلد ہی ادا کردیا اور ''زمیندار'' اپنی روایتی شان سے بدستور میدان عمل میں گامزن ہوگیا اور اعلان کیا:

سن لے جسے بخشی گئی ہو سننے کی توفیق ہوگی نہ کبھی بند ''زمیندار کی آواز

غیر مسلم اقلیت قرار دیئے جانے کی تجویز

اسی سال انجمن ''حمایت اسلام'' کے سالانہ کھلے اجلاس میں مولانا نے ارباب انجمن کی مرضی کے خلاف اس مضمون کی قرارداد منظور کرادی کہ ظفر اللہ خاں مسلمانوں کا نمائندہ ہرگز نہیں۔ نہ اس پر مسلمان عوام کو کوئی اعتماد ہے۔ اگر حکومت اسے ایگزیکٹو کونسل میں ضرور رکھنا چاہتی ہے تو قادیانی فرقہ کو غیر مسلم اقلیت قرار دے کر اسے ان کا نمائندہ سمجھا جائے۔ مسلمان اسے اپنا ترجمان کبھی تسلیم نہ کریں گے۔ اس طرح غیر مسلم اقلیت قرار دیئے جانے کی قرارداد سب سے پہلے مولانا نے اس اجلاس میں پیش کی۔ لطف کی بات یہ ہے کہ ظفر اللہ خان صاحب بھی ان دنوں اسی حق میں تھے کہ انہیں جداگانہ اقلیت قرار دیا جائے۔ میں ان کی نمائندگی کروں گا۔ نیز مولانا نے تقریر وتحریر کے ذریعے ملت اسلامیہ کو ان خدشات سے آگاہ کیا جو قادیانیوں کو مسلمانوں کا نمائندہ بنائے جانے سے لاحق ہو سکتے تھے۔ مگر سر فضل حسین، ظفر اللہ خان صاحب کے مؤید بن کے سامنے آگئے اور پوری قوت سے حکومت میں اس کی پشت پناہی کی جس پر مولانا نے ''زمیندار'' میں یوں لکھا:

قادیاں خوش ہو کہ فرماتے ہیں سر فضل حسین حضرت میرزا غلام احمد ہیں سرکاری نبی
غرق بیڑا کمتریں کا ہوگیا پنجاب میں گرچہ یہ فدوی ہے انگریزوں کا درباری نبی

یہ وہ دن تھے کہ ''زمیندار'' مسلسل اس فتنہ کی سرکوبی کے لئے خم ٹھونک کر سامنے آچکا تھا۔ ۱۹۳۲ء میں اسی ''جرم'' کی وجہ سے پولیس پر تنقید کے بہانے ''زمیندار'' کی ضمانت کا دو ہزار روپیہ ضبط کر کے مزید چار ہزار روپیہ طلب کرلیا گیا۔ پندرہ دن کی بندش کے بعد ''زمیندار'' ضمانت ادا کر کے ۱۴ جنوری ۱۹۳۳ء کو پھر آن موجود ہوا اور صفحہ اوّل پر مولانا یوں گویا ہوئے:

ملت بیضا کی عزت کا طلب گار آگیا سطوت کبریٰ کی شوکت کا علم دار آگیا
جس نے ہر میدان میں باطل کو شکست فاش دی شکر حق کا وہ شیر افگن علم دار آگیا

خم کے خم جس نے مئے یثرب کے خالی کردیئے آج پھر محفل میں وہ رند قدح خوار آ گیا
جس نے سیکھا موت سے راز حیات جاوداں اپنی قسمت کا وہ ہوکر آپ مختار آ گیا
امر حق کے واشگاف اعلان کا خمیازہ کش ہر مصیبت کے لئے پھر ہو کے تیار آ گیا
پندرہ دن بند رہ کر پھر کھلی میری زباں پھر نوا سنج فغاں ہو کے ’’زمیندار‘‘ آ گیا

اگرچہ ضمانت کی ضبطی اور طلبی میں میرزائیت کے خلاف تحریروں اور تقریروں کو بظاہر بہانہ نہیں بنایا گیا تاہم مولانا اور ’’زمیندار‘‘ کے قارئین جانتے تھے کہ اصل جرم کیا ہے۔ اسی لئے مولانا نے محسوس کیا کہ وقت آ گیا ہے کہ قوم کے ذہین وہونہار طبقہ کو مرزائیت کے ہولناک نتائج سے آگاہ کیا جائے۔ چنانچہ اس کے لئے مولانا نے ایک مستقل تنظیم ’’مجلس دعوت وارشاد‘‘ کے قائم کرنے کی داغ بیل ڈالی۔

چنانچہ ’’مجلس دعوت وارشاد‘‘ کے قیام کے بعد جامع مسجد مبارک اہل حدیث لاہور میں باقاعدہ جلسوں کا پروگرام بنالیا گیا۔ جس میں ہر طبقہ وخیال کے علماء وقائدین شریک تھے۔ مولانا احمد علی صاحب مرحوم امیر انجمن خدام الدین لاہور، مولانا محمد بخش مسلم، مولانا حبیب اللہ، مولانا لال حسین اختر مرحوم، مولانا عبدالحنان مرحوم اور خان احمد یار خان مرحوم جیسے لوگوں کے نام قابل ذکر ہیں۔ لیکن انگریزی حکومت کیسے برداشت کرسکتی تھی کہ ملّت کا ذہین وہونہار طبقہ اس فرقۂ ضالہ کے گمراہ کن وایمان سوز عزائم سے آگاہ ہوجائے۔ چنانچہ مارچ ۱۹۳۳ء میں حکومت نے ان جملہ حضرات کو ’’اندیشۂ نقض امن‘‘ کے سلسلہ میں گرفتار کرلیا۔ گویا قادیانی خلافت کے دجل کا پردہ چاک کرنا اندیشۂ نقض امن کے ذیل میں آتا ہے۔ جس پر مسلمان عوام بے حد مشتعل ہوئے۔ مگر رہنمایان کرام کے ارشاد کے تحت پرامن رہے۔

مختصر روئداد مقدمہ

۴؍مارچ ۱۹۳۳ء کو مولانا اور ان کے رفقاء کو ایک اعلیٰ مجسٹریٹ کی عدالت میں لایا گیا۔ جس کی روداد ’’زمیندار‘‘ ۷؍مارچ ۱۹۳۳ء کے ضمیمہ میں یوں درج ہے: ’’مجاہدین دین حق مولانا ظفر علی خان، مولانا عبدالحنان، مولانا لال حسین اختر، خان احمد یار خان جیل میں پرستاران رب کعبہ کو متنبیّ قادیان اور اس کی امت کے دجل وآزار سے بچانے کی سزا میں ایک منٹ کے کروڑویں حصہ کے لئے اعلان حق سے باز رہنے کو تیار نہیں۔‘‘

’’میں قانون محمدی ﷺ کا پابند ہوں، جیل کے درودیوار بھی یہی صدادیں گے کہ میرزا دجال ہے۔‘‘ ’’اعلائے کلمۃ الحق سے باز رہنے اور نیک چلنی کی ضمانت دینے سے صاف انکار۔‘‘

کمرۂ عدالت میں مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ فاتح قادیان اور مولانا داؤد غزنوی مرحوم بھی موجود تھے۔ مولانا احمد علی مرحوم، مولانا محمد بخش مسلم اور مولانا حبیب اللہ نے ضمانت داخل کرادی۔ مگر دوسرے چاروں حضرات نے انکار کردیا اور یوں مولانا ظفر علی خان اور ان کے رفقاء سب سے اوّل مرزائیت کے خلاف نذر زنداں ہوئے۔ (مولانا عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کی گرفتاری ۲/جون ۱۹۳۴ء کو اس کے بعد عمل میں آئی)

لاہور۴/مارچ ۱۹۳۴ء آج مولانا ظفر علی خان اور ان کے رفقاء مولانا عبدالحنان، مولانا احمد علی، مولانا لال حسین اختر، مولانا حبیب اللہ، مولانا محمد بخش مسلم اور خان احمد یار خان کے خلاف زیر دفعہ ۱۰۷۔ الف ضابطہ فوجداری سماعت کی تاریخ تھی۔ ٹھاکر کیسر سنگھ کی عدالت کے باہر مسلمانوں کا زبردست اجتماع تھا۔ صبح ہی سے مسلمان جوق در جوق آرہے تھے۔ ہر طرف ایک عجیب جوش وخروش تھا۔ کہا جاتا ہے کہ گورا فوج بھی موجود تھی۔ جو حفظ ماتقدم کے طور پر ضلع کچہری میں لاکھڑی کردی گئی تھی۔ پولیس کا کافی پہرہ تھا۔ ڈی.ایس. پی. سیڈلی، حسین شاہ کوتوال شہر، آغا عبدالرشید سب انسپکٹر، مہتہ ایشر داس نیز پولیس کے دوسرے افسر اور سپاہی موجود تھے۔ عدالت میں اسیران کے علاوہ مولانا داؤد غزنوی اور مولانا ثناء اللہ امرتسری فاتح قادیان، چودھری غلام حیدر خان اور دیگر حضرات موجود تھے۔ مولانا ظفر علی خان جونہی کمرۂ عدالت کے سامنے آئے۔ فضا اللہ اکبر، اسلام زندہ باد اور مولانا ظفر علی خان زندہ باد، مولانا عبدالحنان زندہ باد، مولانا لال حسین اختر زندہ باد کے فلک شگاف نعروں سے گونج اٹھی۔ اس موقع پر مولانا داؤد غزنوی کو ایک سپاہی نے پیچھے دھکیلنا چاہا اور گستاخی سے پیش آیا۔ مگر لیڈروں کے تدبر سے معاملہ رفع دفع ہوگیا، ورنہ حالات نازک ہوجاتے۔‘‘

ٹھیک گیارہ بجے ٹھاکر کیسر سنگھ مجسٹریٹ درجہ اوّل کی عدالت میں سماعت شروع ہوئی۔ سب سے اوّل زعمائے اسلام مولانا ظفر علی خان اور مولانا عبدالحنان وغیرہ کو ریڈر نے اس نوٹس کی عبارت پڑھ کر سنائی کہ چونکہ تمہارے اور احمدی جماعت کے درمیان اختلاف ہے۔ تم نے ان کے عقائد اور ان کے مذہبی پیشواء پر اپنے جلسوں میں حملے کئے ہیں۔ جس

سے نقص امن کا اندیشہ ہے۔ اس لئے وجہ بیان کرو کہ تم سے کیوں نہ نیک چلنی کی ضمانت طلب کی جائے۔ ادھر کمرۂ عدالت سے باہر مسلمان نعرہ تکبیر بلند کر رہے تھے۔ جس سے عدالت کی کارروائی میں خلل واقع ہورہا تھا۔ اس پر پولیس نے مولانا ظفر علی خان سے درخواست کی کہ وہ مجمع کو خاموش رہنے کی تلقین کریں۔ چنانچہ مولانا نے کمرۂ عدالت سے باہر نکل کر مسلمانوں کو امن و اسلام کا واسطہ دے کر (جو اسلام کا مقصد حقیقی ہے) اپیل کی کہ وہ خاموشی سے عدالت کے سائبان سے نکل جائیں۔ چنانچہ مجمع نے مولانا کے اس حکم کی تعمیل کی اور خاموش ہوگیا۔ استغاثہ کی طرف سے رائے بہادر ایشر داس ڈی. ایس. پی اور ملزموں کی طرف سے خواجہ فیروزالدین بارایٹ لاء، مسٹر فرخ حسین، خلیفہ شجاع الدین اور میاں احمد دین اور دیگر سرکردہ وکلاء موجود تھے۔ نوٹس سنائے جانے کے بعد عدالت نے تمام ملزموں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ: ''تا فیصلہ مقدمہ زیر دفعہ ۱۰۷۔ ضابطہ فوجداری تا سماعت مقدمہ حفظ امن کے طور پر دو ہزار کی ضمانت اور پانچ صد روپیہ حاضری دیں۔ اس دوران جب تک مقدمہ کی سماعت جاری ہے۔ کسی قسم کا جلسہ یا کارروائی ایسی نہ کریں جس سے امن میں خلل واقع ہو۔'' اس پر مولانا ظفر علی خان نے عدالت کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

عدالت میں نعرۂ مستانہ

''میں عدالت سے درخواست کروں گا کہ اس مقدمہ کا جلد از جلد فیصلہ کیا جائے تاکہ عدالت کا وقت ضائع نہ ہو۔ البتہ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ مسلمانوں کے ہاتھوں مرزائیوں کو کسی قسم کا گزند نہ پہنچے گا۔ البتہ ہم یہ حق محفوظ رکھتے ہیں کہ میرزا غلام احمد کو ایک بار نہیں، ہزار بار دجال کہیں گے۔ جس نے آنحضور ﷺ کی ختم المرسلینی میں اپنی نبوت کا ناپاک پیوند جوڑ دیا۔ ناموس رسالت ﷺ پر کھلم کھلا حملہ کیا۔ ہمارا عقیدہ ہے کہ محمد ﷺ پر رسالت ہمیشہ کے لئے ختم ہوگئی۔ جو شخص اسے نہ مانے وہ دجال ہے۔ میں اپنے عقیدہ کے اعلان سے ایک منٹ یا ایک منٹ کے کروڑویں حصہ کے لئے بھی دست کش ہونے کو تیار نہیں۔''

عدالت نے جواب دیا: ''میں قانون کا پابند ہوں، یہ ضمانت عارضی ہے۔ دوران مقدمہ آپ کو حق حاصل ہے۔ اسے منسوخ کر دیں۔ مولانا نے مخصوص انداز میں فرمایا: ''آپ انگریزی قانون کے پابند ہیں، میں محمدی قانون کا پابند۔ اس حق آزادی کے پیش نظر

میں ایسی ضمانت پر جو تحریر وتقریر پر پابندی عائد کرے، جیل کو ترجیح دیتا ہوں۔ یہ اصول کا سوال ہے۔'' مزید فرمایا کہ: ''میں مسلمان ہوں اور میرزا مذکور کو دجال کہنا اپنا فریضہ سمجھتا ہوں۔ جیل کے درودیوار یہی صدا سنیں گے کہ میرزا دجال تھا، دجال تھا، دجال تھا۔''

اس پر عدالت نے دوسرے ملزموں سے استفسار کیا۔ مولانا احمد علی، مولانا محمد بخش مسلم اور مولانا حبیب اللہ نے نیک چلنی کی درخواست داخل کردی۔ دوسرے چاروں نے انکار کردیا۔ خلیفہ شجاع الدین ثالث بالخیر بن کر مولانا کو سمجھانے گئے۔ مگر انہوں نے تسلیم نہ کیا۔ مولانا اور ان کے تینوں رفقاء (مولانا لال حسین اختر، مولانا عبدالحنان اور خان احمد یار خان) جیل چلے گئے۔ مولانا اور ان کے رفقاء کی روانگی پر مجمع کثیر ہوگیا اور دیر تک زندہ باد کے نعرے گونجتے رہے۔

مولانا کا تاریخی پیغام

کمرہ عدالت سے باہر آکر مولانا نے حسب ذیل تاریخی پیغام دیا ''ہم آج تک اپنا مذہبی اور دینی فرض سمجھ کر وطن وملت کی خاطر قید وبند کی صعوبتیں برداشت کرتے آئے ہیں۔ آج ہم خالصتاً دین اور ناموس رسول ﷺ کی خاطر جیل جارہے ہیں۔ ہم ایک منٹ کے کروڑویں حصہ کے لئے بھی یہ ضمانت دینے کو تیار نہیں کہ میرزا غلام احمد کے کفر وارتداد اور دجل کے اعلان سے باز آئیں گے۔ جیل کے درودیوار بھی میری یہی صدا سنیں گے کہ میرزا دجال تھا اور اس کے کفر وارتداد میں ایک لمحہ کے لئے بھی شبہ نہیں ہوسکتا۔ ہم نتائج وعواقب سے بے پروا ہوکر اس فریضہ کو سرانجام دے رہے ہیں۔ میں اس امر کی تصریح کی ضرورت نہیں سمجھتا کہ میرے اور میرے رفقاء کے جیل جانے کے بعد ان مسلمانوں کے کیا فرائض ہونے چاہئیں۔ جو آقا مدنی ﷺ کی ختم المرسلینی پر ایمان رکھتے ہیں اور ساڑھے تیرہ سو سال سے یہ ان پر روشن ہے۔''

صور اسرافیل

اس کے ساتھ ''زمیندار'' میں ''صور اسرافیل'' کے عنوان سے ایک زوردار مقالہ سپرد قلم فرمایا جو یہ ہے:

باز گلبانگ پریشاں مے زنم آتش اندر عندلیباں مے زنم

وہ آخری فتنہ جس کی رسول اللہ ﷺ نے خبر دی تھی۔ مشرق میں قادیانیت کی شکل پکڑ کر ظاہر ہوچکا ہے۔ ان کو جنہیں دیدۂ بینا دیا گیا ہے۔ صاف نظر آرہا ہے کہ اس فتنہ کی سرکوبی کے لئے آٹھ کروڑ (اس وقت متحدہ ہندوستان میں مسلمانوں کی تعداد اتنی تھی) مسلمانوں کی اجتماعی غیرت دینی اپنے پورے حجازی جوش اپنی پوری مدنی استقامت کے ساتھ نہ اٹھ کھڑی ہوئی تو اسلام کا خدا حافظ ہے۔ میں مسلمانوں کو اللہ کے نام پر جو لم یلد ولم یولد ہے۔ محمد مصطفیٰ ﷺ کے نام پر جو خاتم النّبیین ہیں۔ اسلام کے نام پر کہ وہی ایک دین ہے۔ درد بھرے دل سے صلائے عام دیتا ہوں کہ: ''مجلس دعوت وارشاد'' قائم کر کے اپنے جزوی اختلافات ان دو مقاصد کی خاطر مٹادیں۔ (۱)......فتنۂ قادیان کا استیصال، (۲)......فتنہ افرنج کی بیخ کنی۔ اگر مسلمان ان مقاصد میں کامیاب ہوگئے تو دین بھی ان کا ہے اور دنیا بھی۔ ورنہ خسران مبین کے سواء کچھ نہیں۔'' (زمیندار۷؍مارچ ۱۹۳۳ء)

ملک کے طول وعرض میں ہیجان

چنانچہ مولانا کی گرفتاری اوراس بیان اور مقالہ کے بعد پورے براعظم میں آگ لگ گئی اور جابجا ''دعوت وارشاد'' کی شاخیں قائم ہوگئیں۔ جن کی بعض تفصیلات درج ذیل ہیں:

☆...... باغ بیرون موچی دروازہ میں مسلمانان لاہور کا ایک عظیم الشان اجتماع ہوا جس میں اعلان کیا گیا کہ جن مقاصد کی خاطر مولانا اوران کے رفقاء جیل میں گئے۔ ہم ان سے کبھی دستبردار نہیں ہوں گے اور فتنہ قادیانیت کی سرکوبی کے لئے پوری قوم جسد واحد کی طرح سینہ سپر رہے گی۔ جلسہ سے مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ، مولانا داؤد غزنویؒ اور دیگر اکابر نے خطاب کیا۔

☆...... اگلے دن مجلس احرار اسلام کے زیراہتمام بیرون دہلی دروازہ میں ایک جلسہ عام کے ذریعے ان حضرات کو اس اقدام پر مبارکباد پیش کی گئی اوران کو پوری تائید کا یقین دلایا گیا۔ مسجد خیرالدین امرتسر، لدھیانہ، جالندھر، انبالہ اور پنجاب کے دوسرے شہروں گوجرانوالہ، سیالکوٹ میں بھی ان حضرات کی گرفتاری پر احتجاجی جلسے ہوئے۔

☆...... یادرہے کہ گرفتاری سے قبل باغ بیرون موچی دروازہ میں ایک جلسہ عام میں مولانا نے گرفتاری پر ضمانت نہ دینے کا فیصلہ کیا تھا۔ جس پر مسلمانان لاہور نے صاد مزید اور مولانا کو خراج تحسین ادا کیا تھا۔

☆...... ۱۰؍مارچ ۱۹۳۳ء دارالعلوم دیوبند میں بعد نماز جمعہ عظیم الشان اجتماع ہوا۔ جس میں حضرت علامہ انور شاہ صاحب کاشمیریؒ نے انتہائی رقت آمیز الفاظ میں ارشاد فرمایا:

’’آٹھ یوم سے متواتر بواسیر کا خون بدن سے خارج ہورہا ہے۔ ضعف ونقاہت مانع تقریر ہے اور دو وقت سے فاقہ بھی ہے۔ لیکن دجال قادیان کے ہذیانات اور خاتم الانبیاء والمرسلین ﷺ کی حقیقی محبت نے آپ حضرات کے سامنے چند گزارشات پیش کرنے کے لئے ممبر پر بیٹھنے کی جرأت دلادی۔ منشی غلام احمد قادیانی بلاشبہ مردود ازلی ہے۔ اس کے کفر میں احتمال کبھی پیدا نہ کرنی چاہئے۔ اس کو شیطان سے زیادہ سمجھنا جزو ایمان ہے۔ کیونکہ شیطان نے صرف ایک نبی کا مقابلہ کیا اور اس خبیث وبدباطن نے جمیع انبیاء علیہم السلام پر افتراء پردازی کی اور ان کی توہین پر لب کشائی کرکے فی النّار والسقر ہوگیا۔ جو لوگ اب تک میرزا اور اس کے متبعین کے کافر سمجھنے میں متأمل ہیں۔ ان کا علم صحیح نہیں ہے۔ شرعی نقطۂ نظر سے ایک وجہ بھی ایسی نہیں نکل سکتی۔ جس سے اس فرقۂ شیطانیہ کا اسلام ثابت ہوسکے۔‘‘

’’علمائے اسلام نے انفرادی حیثیت سے متواتر کوششیں اس فتنہ کے استیصال کے لئے کیں۔ لیکن دور حاضر میں جناب ظفر الملّت والدّین مولانا ظفر علی خان کا اقدام یقیناً لطف الٰہیہ ہے۔ ان کی یہ جدوجہد اور ان کے رفقاء کی قربانی خدا کے نزدیک ان شاء اللہ! مقبول ہوگی۔ دعاء ہے کہ وہ خدا جس نے پیغمبر آخرالزمان ﷺ کے لائے ہوئے دین مبارک کے لئے قرآن حکیم میں **الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی** ارشاد فرمایا۔ ان کو ثواب دارین عطاء فرمائے:

ایں دعا از من واز جملہ جہاں آمین باد

’’قادیانیوں کے مقابلہ میں یہ جنگ خالصتاً لوجہ اللہ کی جارہی ہے۔ یہ مذہبی اور سیاسی دونوں حیثیتیں رکھتی ہے۔ میں سیاسی پہلو کو بہت اچھا سمجھتا ہوں۔ اگرچہ کمزوریٔ اعضاء کی وجہ سے جیل جانے کی سکت نہیں۔ مگر ان حضرات سے جنہوں نے مجھ سے حدیث کا سبق پڑھا ہے۔ خصوصاً اور عالم اسلام سے عموماً دست بستہ درخواست کرتا ہوں کہ لاہوری فداکاروں کی طرح میرزائیت کے قصر بے بنیاد کو برباد کرنے میں ممکن سعی سے دریغ نہ فرمائیں۔ (زمیندار ۱۵؍مارچ ۱۹۳۳ء)

☆...... دریں اثناء اسی دن یعنی ۱۰/مارچ (۱۹۳۳ء) بروز جمعہ جامعہ اسلامیہ ڈابھیل ضلع سورت میں طلباء واساتذہ جامعہ کا عام اجتماع زیر صدارت جناب مولانا شبیر احمد عثمانی منعقد ہوا۔ جس میں مولانا ظفر علی خان اوران کے رفقاء کواس جہاد عظیم کے لئے مبارکباد پیش کی گئی۔ مولانا شبیر احمد عثمانی نے اخبار''عادل'' میں خواجہ حسن نظامی کے اس بیان پر سخت ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا۔ جس میں انہوں نے عامۃ المسلمین کے اتحاد کا واسطہ دے کر مولانا ظفر علی خان کواس سے باز رکھنے کی تلقین کی۔ مولانا شبیر احمد نے فرمایا کہ قادیانیوں سے اتحاد کو اتحاد المسلمین کہنا نہ صرف کہ گمراہ کن ہے بلکہ اسلامی تعلیمات کے منافی ہے۔

آخر میں مولانا شبیر احمد عثمانی نے ارشاد فرمایا:''مولانا ظفر علی خان بلاشبہ سیاسی مدبّر ہونے کے ساتھ ساتھ ایک مذہبی قائد بھی ہیں۔ انہوں نے ہمیشہ آڑے وقتوں میں نتائج سے بے پرواہوکر ملت اسلامیہ کی صحیح نمائندگی کی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی زندگی کا بیشتر حصہ قید وبند ودیگر مصیبتوں میں بسر ہوا ہے۔ مولانا اوران کے اخبار نے جو خدمات انجام دی ہیں، وہ میرے دل پر نقش ہیں۔ فتنۂ قادیان کے استیصال میں مولانا ظفر علی خان نے جو طرز عمل اختیار کیا ہے۔ وہ زمانۂ حال کے عین مناسب ومطابق ہے۔ اگرچہ ہمارے علماء نے اس فتنہ کی ابتداء سے اب تک قادیانیت کے خلاف جو عظیم الشان کام کئے ہیں وہ بھی قابل قدر ہیں۔ مگر مولانا ظفر علی خان نے چند سال میں اس فتنہ کی سرکوبی میں جو کامیابی حاصل کی ہے، وہ اپنی مثال آپ ہے۔ انہوں نے دیکھا کہ یہ فتنہ اب قیامت بن رہا ہے اور بحث ومناظرہ سے اب تک کوئی فائدہ نہیں ہوا تو انہوں نے وہ طرز عمل اختیار کیا جو نوجوان اور تعلیم یافتہ طبقہ کے دل میں گھر کر گیا۔ اس میں انہیں اتنی کامیابی ہوئی جو علماء کی متفقہ جدوجہد سے نہیں ہوئی۔ وہ مسلمانوں کو راستہ دکھا کر اپنے فرض سے سبکدوش ہو چکے ہیں۔ میری دعا ہے کہ ان کی خواہش پر طول وعرض ملک میں ہر جگہ ''دعوت وارشاد'' کی شاخیں قائم ہوں۔'' آخر میں ایک قرارداد کے ذریعے مولانا اوران کے رفقاء کو ہدیۂ تبریک پیش کیا گیا اور یقین دلایا گیا کہ جملہ مسلمان اس مہم میں آپ کے ساتھ ہیں۔'' (زمیندار ۱۵/مارچ ۱۹۳۳ء)

انہی دنوں مسلمانان دہلی کا عظیم الشان اجتماع زیر صدارت سید مرتضیٰ بہادر رکن اسمبلی منعقد ہوا۔ جس میں ایک قرارداد کے ذریعے حکومت پنجاب کے اس فعل کی مذمّت کی گئی اوراسے مداخلت فی الدین قرار دیا گیا اور حکومت کو متنبہ کیا گیا کہ مولانا اوران کے رفقاء

کا مقدمہ واپس لے کر جلد از جلد رہا کرے ورنہ نتائج کی ذمہ داری اس پر ہوگی۔

(الجمعیۃ مارچ ۱۹۳۳ء)

غرض سارے ملک میں طوفان کی ایک ایسی لہر دوڑ گئی کہ حکومت پریشان ہوگئی۔ مسلمان عوام کھل کر میدان میں آ گئے۔ جس پر گورنمنٹ نے چند ماہ بعد اپنا مقدمہ واپس لے لیا۔ مولانا اور ان کے رفقاء غیر مشروط طور پر رہا ہوگئے۔ دوران مقدمہ مولانا ظفر علی خان نے ۵/اپریل ۱۹۳۳ء) کو عدالت کو خطاب کرتے ہوئے حسب ذیل نظم پڑھی:

ہو رہی ہیں برکتیں نازل نئے آئین کی
مل رہی ہے خاک میں عزت نبی کے دین کی

باپ ''لندن''، ''شملہ'' بیٹا ''قادیاں'' روح القدس
اے مسلمانو! یہی تفسیر ہے والتین کی

قادیاں زادوں کے آگے آج کل پنجاب میں
عیسیٰ مریم کی چلتی ہے نہ الیاسین کی

آج وہ جاہل بھی کہلاتے ہیں سلطان القلم
چھین لی صحت زباں نے جن سے قاف اور شین کی

کل بنے پھرتے تھے جو اپنے زمانے کے نبی
آج چادر ان کے مرقد پر چڑھی سجین کی

بن گئے کافر مسلمان مٹ گئی رسم جہاد
عاقبت محمود ہے بے شک بشیرالدین کی

منکر ختم نبوت پر ہوا کیوں طعنہ زن
ہے یہی سب سے بڑی تقصیر مجھ مسکین کی

(عدالت فوجداری ۱۴۴، مؤرخہ ۱۰/اپریل ۱۹۳۳ء)

اب صورت یہ تھی کہ پورے ملک کے اہم شہروں وقصبات میں ''دعوت وارشاد'' کے ماتحت قوم اس فتنہ کے استیصال پر کمربستہ ہوگئی۔ مجلس احرار بھی تحریک کشمیر کے بعد اس فتنہ کے خلاف میدان عمل میں آ گئی۔ کشمیر کمیٹی میں قادیانیوں کی شرکت اور احرار کی تحریک کو ناکام بنانے میں ظفر اللہ خان اور قادیانیوں نے جو رول ادا کیا۔ اس نے احرار کو مجبور کردیا کہ وہ اس فرقۂ ضالہ کا سیاسی سطح پر مقابلہ کریں۔ مگر حکومت برطانیہ کب گوارا کرسکتی تھی کہ میرزائیت کا یہ شجرۂ خبیثہ جو اس کے استعماری مقاصد کے لئے وجود میں لایا گیا تھا۔ اسے کسی قسم کا گزند پہنچے۔ ظفر اللہ خان مرکزی حکومت کا ایک اہم پرزہ تھے۔ یہ جدوجہد جب شدت اختیار کرگئی۔ اگلے سال مجلس احرار نے قادیان میں کانفرنس کی تیاریاں شروع کردیں جس کی صدارت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری (مرحوم) نے کرنا تھی۔ کیونکہ شعبہ تبلیغ کے وہ صدر تھے۔ اس میں مولانا ظفر علی خان نے بھی شرکت کی اور اقلیت کی قرارداد پیش کی جو درج ذیل ہے:

قرار داد نمبر(۱) احرار تبلیغ کانفرنس قادیاں: چونکہ میرزا غلام احمد قادیانی نے صاف الفاظ میں یہ اعلان کیا ہے جو شخص مجھے نبی تسلیم نہیں کرتا وہ اسلام سے خارج ہے اور تمام دنیائے اسلام کے علماء مرزا غلام احمد قادیانی کو اس کے دعویٰ نبوت اور دیگر دعاوی اور عقائد کفر کی بنا پر اسے اسلام سے خارج ومرتد سمجھتے ہیں۔ اس لئے یہ کانفرنس حکومت سے مطالبہ کرتی ہے کہ تمام میرزائیوں کو مردم شماری میں مسلمانوں سے الگ کر دیا جائے۔

محرک: مولانا ظفر علی خاں۔ مؤید: مولانا ابوالوفا شاہجہان پوری، مولانا محمد مسعود الہڑوی، مولانا محمد بخش مسلم فاضل دیوبند!

قرارداد نمبر۲ میں، چوہدری ظفر اللہ کی تقرری کے خلاف احتجاج اور حکومت ہند کو انتباہ وتنبیہ، ان کے اس عہدہ سے مستعفی ہونے کا مطالبہ، سرفضل حسین پر عدم اعتماد کا اظہار کیا گیا۔ ان کے ہر فعل کو اسلام سے غداری پر مبنی قرار دیا گیا۔

محرک: مولانا حسین احمد مدنی۔ (زمیندار ۱ اکتوبر ۱۹۳۴ء)

اندریں حالات حکومت ہند کے اشارہ پر حکومت پنجاب نے زمیندار پر مشق ستم تیز کرنے کا فیصلہ کر لیا جو پہلے ہی جرم حق گوئی کا پرانا مجرم تھا۔ چنانچہ ایک بے ضرر فکاہی مضمون کی بناء پر اکتوبر ۱۹۳۴ء میں ''زمیندار'' سے چار ہزار روپیہ کی ضمانت طلب کر لی گئی۔ اس کے ساتھ ہی ''زمیندار'' کے ''کشمیر نمبر''، ''مجاہد نمبر'' اور ''شہید نمبر'' شائع کرنے کے جرم میں (جس میں قادیانیوں کی کشمیر کمیٹی میں شرکت اور اس کے نتائج سے بھی مسلمانوں کو آگاہ کیا گیا تھا) ''زمیندار'' کا منصور سٹیم پریس اور اس کے جملہ پتھر بھی ضبط کر لئے گئے۔ جس پر قادیاں میں بے حد خوشیاں منائی گئیں کہ اب ''زمیندار'' کی آواز ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائے گی۔ نہ ہی زرضمانت ادا ہوگا، نہ ہی کوئی پریس اسے چھاپنے پر راضی ہوگا۔ مگر خدا جزائے خیر دے شیخ عنایت اللہ مالک کریمی پریس کو جنہوں نے ''زمیندار'' چھاپنے کے لئے اپنی خدمات پیش کیں۔ ادھر بحمد اللہ! زرضمانت بھی داخل کر دیا گیا۔ ہفتہ عشرہ کے بعد ''زمیندار'' کریمی پریس سے طبع ہو کر دعوت جہاد دینے کے لئے پھر میدان میں آ گیا۔ ''زمیندار'' کے صفحہ اوّل پر مولانا یوں گویا ہوئے:

ناموس رسول ﷺ کے تحفظ کی قیمت

سرکار نے ضبط کیا ''زمیندار'' کا مطبع
میرزائیوں کے گھر میں جلے گھی کے چراغ آج
چمکائے گئے اندلسی اور دمشقی
روشن ہوئے اسلام کے سینے کے یہ داغ آج
کیا طرفہ تماشا ہے کہ ہوں آ کے معارض
کعبہ کی عنادل سے کلیسا کے کلاغ آج
خمیازہ کش عشق رسول عربی ہوں
میرے دل مضطر کو میسر ہے فراغ آج
توحید کی دہلیز پہ ہوں ناصیہ فرسا
پہنچا ہے مرا عرش معلیٰ پر دماغ آج
جو بوالہوسوں کو نہ ملی ہے نہ ملی گی
اس دولت سرمد کا ملا مجھ کو سراغ آج
ہے جس کی ہر ایک بوند میں کوثر کی ملونی
ساقی نے دیا مجھ کو وہ لبریز ایاغ آج
مرزائی بجاتے ہوئے بغلیں نکل آئے
خوش تھے کہ ہوا باغ ''زمیندار'' کا زاغ آج
لیکن یہ خوشی تھی فقط اک عشرہ کی مہماں
پھر رحمت باری سے وہی زاغ ہے باغ آج

(''زمیندار'' مؤرخہ ۱۴/نومبر ۱۹۳۱ء)

اسی پر بس نہیں حکومت اپنی حد تک پورے تشدد سے حملہ آور تھی۔ ادھر مولانا بھی ڈٹ گئے۔ چنانچہ ۲/نومبر ۱۹۳۴ء کو ملک معظم شاہ برطانیہ اور اس کے توسط سے پوری مسیحی دنیا کے نام کھلا خط اردو اور انگریزی میں شائع کیا گیا جس میں مرزا غلام احمد کے ان اقوال وخرافات کو پیش کیا گیا۔ جو انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام، حضرت مریم صدیقہ علیہا السلام اور دیگر بزرگوں کی شان میں کیں اور مطالبہ کیا گیا کہ اس فرقۂ ضالہ کو مسلمانوں سے الگ، غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے۔ جس کا مسلمانوں سے کسی قسم کا تعلق مذہبی نہ ہو۔ مولانا نے مکتوب مفتوح میں جو ''زمیندار'' کے ڈیڑھ دو صفحوں پر مشتمل تھا۔ آخر میں لکھا کہ:

۱...... قرآن مجید حضرت مریم علیہا السلام اور مسیح علیہ السلام کو صدیقہ اور کلمۃ اللہ کے القاب سے یاد کرتا ہے۔ اس کے خلاف میرزائے قادیاں کی بکواس کی تاب مسلمان نہیں لا سکتے۔ اس سلسلہ میں جو انسدادی تدابیر اختیار کی جائیں، مسلمان آپ کے سپاس گزار ہوں گے۔

۲...... ایک شاہی فرمان کے ذریعے ظفر اللہ خان کے تقرر پر خط تنسیخ کھینچا جائے۔ اس لئے کہ یہ شخص اپنے مذہبی عقیدہ کی رو سے مجبور ہو کر ساری دنیا کے مسلمانوں کو کافر سمجھتا ہے۔

۳...... قادیانیوں کو ایک جداگانہ غیر مسلم فرقہ قرار دیا جائے۔

(مؤرخہ ۲۲/نومبر ۱۹۳۴ء ظفر علی خان مالک ومدیر ''زمیندار'' لاہور)

اس سیدھے سادے اور بے ضرر مطالبہ کے جرم میں ’’زمیندار‘‘ کی دو ہزار کی ضمانت ضبط کر لی گئی اور مزید تین ہزار روپیہ ’’زمیندار‘‘ سے اور ایک ہزار روپیہ کریمی پریس سے طلب کیا گیا۔ جہاں ’’زمیندار‘‘ چھپتا تھا۔ یہ نوٹس ۸/دسمبر ۱۹۳۴ء کو موصول ہوا۔ مگر جنوری ۱۹۳۵ء میں ’’زمیندار‘‘ نئی آن سے پھر آموجود ہوا۔ جس کی وجہ اسلامیان (متحدہ) ہند کا ’’زمیندار‘‘ کو اپنا ترجمان سمجھنا اور اسے زندہ رکھنے کا جذبہ تھا۔ چنانچہ ۹/دسمبر ۱۹۳۴ء کے ’’زمیندار‘‘ میں ’’زمیندار کا نیا امتحان‘‘ کے عنوان سے یہ شعر لکھنے کے بعد:

دست از طلب ندارم تا کار من برآید   یا جاں رسد بجاناں یا جاں زتن برآید

مولانا ظفر علی خان اپنے نام سے یوں رقمطراز ہوئے: ’’میرزا غلام احمد کادیانی کی جھوٹی نبوت کا پول کھولنے کے جرم میں حکومت نے ’’زمیندار‘‘ سے تین ہزار روپیہ کی ضمانت لینے کے ساتھ اس کا بیس ہزار روپیہ کا (یہ اس زمانے کی رقم ہے) مطبع ضبط کرنے سے جو گہرا زخم لگایا تھا۔ اس کے مندمل ہونے کی کوئی شکل نہ نکلی تھی کہ اسی وضع کے ایک اور جرم کی پاداش میں آج اس نے چار ہزار روپیہ چہرہ شاہی کی ضمانت مانگی ہے۔ تین ہزار روپیہ ’’زمیندار‘‘ سے اور ایک ہزار روپیہ کریمی پریس سے جہاں ’’زمیندار‘‘ طبع ہوتا ہے۔ جرم یہ ہے کہ میں نے حضور تاجدار انگلستان اور حضور ممدوح کی وساطت سے ساری مسیحی دنیا کے نام وہ مکتوب مفتوح کیوں لکھا اور چھاپا۔ جس میں ممدوح سے بحیثیت حامیٔ دین مسیح یہ التجاء کی گئی ہے:

(اوّلاً) حضرت مسیح ابن مریم علیہ السلام اور حضرت مریم صدیقہ علیہا السلام کی عزت کو مرزا غلام احمد قادیانی کے فحش اور اشتعال انگیز حملوں سے بچانے کے لئے کوئی مؤثر کارروائی کی جائے۔ جو اس شخص کی کتابوں میں کئے گئے ہیں۔ جنہوں نے مسلمانوں اور مسیحیوں دونوں کا دل دکھانے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی۔ یعنی میرزا مذکور کی ان کتابوں کو ضبط کیا جائے۔

(ثانیاً) چوہدری ظفر اللہ خان کے تقرر پر خط تنسیخ کھینچا جائے کہ ان صاحب کے عقیدہ میں تمام مسلمان کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔ اس لئے ایسا شخص مسلمانوں کا نمائندہ نہیں ہوسکتا۔

(ثالثاً) قادیانیوں کو جداگانہ اقلیت قرار دیا جائے۔

اس افتتاحیہ کے آخر میں مولانا نے فرمایا: ’’مسلمانوں سے میرا ایک ہی سوال ہے۔ کیا آپ ’’زمیندار‘‘ کی ضمانتوں اور ضبطیوں سے ہیبت زدہ ہوکر حق اور باطل کے اس

معرکے میں جس میں ہم اور آپ سر دھڑ کی بازی لگا کر شریک ہو چکے ہیں، پسپا ہو جائیں گے اور غلام احمد قادیانی کو اپنا پیغمبر مان کر محمد مصطفیٰ ﷺ کی ختم المرسلینی کا دامن چھوڑ کر ہار جائیں گے؟ (زمیندار مؤرخہ ۹ردسمبر ۱۹۳۴ء)

ساتھ ہی ''سرشت مرد مومن'' کے عنوان سے حسب ذیل نظم انہی دنوں شائع ہوئی:

اگر چندہ کی حاجت ہے تو کر دعویٰ رسالت کا — بغیر اس ڈھونگ کے چندہ مہیا ہو نہیں سکتا
سنا ہے قادیاں میں بانسری بجتی ہے گوکل کی — مگر ہر بانسری والا کنہیّا ہو نہیں سکتا
یہ آساں ہے کہ بدلے جون اور چھوبنے لیکن — کبھی بھی شہد کی مکھی سے تتیا ہو نہیں سکتا
اگر مکہ سے بھی وہ ڈھیچوں ڈھیچوں کرتا آ جائے — قیامت تک خر عیسیٰ گویّا ہو نہیں سکتا
مجدد الف ثانی سے غلام احمد کو کیا نسبت — ثریٰ کتنا بھی اونچا ہو ثریّا ہو نہیں سکتا
برادر خواندگی کی شرط اگر ہے میرزائیت — قیامت تک بھی ہم سے یہ تو بھیّا ہو نہیں سکتا
سرشت مرد مومن کا بدلنا غیر ممکن ہے — چنبیلی کا یہ پودا بھٹ کٹہیا ہو نہیں سکتا
وطن کے پوجنے والو تعلق نوع انساں کا — تلاطم سے محبت کا تلیّا ہو نہیں سکتا
جسے اسلام کی عزت پہ کٹ مرنا نہ آتا ہو — مسلمانوں کے بیڑے کا کھویّا ہو نہیں سکتا

یہ وہ دور تھا کہ ادھر ''زمیندار'' اور ظفر علی خان پر عتاب ہو رہا تھا۔ ادھر ڈیرہ دون سے مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری کو احرار کانفرنس قادیان میں گرفتار کر کے گورداس پور لے جایا گیا اور جس پر مسلمانان لاہور کا ایک عظیم الشان جلسہ منعقد ہوا۔ جس میں حکومت کے ان اقدامات کی مذمت کی گئی اور اعلان کیا گیا کہ مسلمان اس فتنہ کا آخری دم تک مقابلہ کریں گے۔ انہی دنوں طلبائے مسلم یونیورسٹی علی گڑھ نے جن میں جناب شریف چشتی، انور صمدانی، راقم (نسیم سودھروی) سردار عبدالوکیل خان اور چند دوسرے احباب شامل تھے۔ یہ فیصلہ کیا گیا کہ مولانا کو علی گڑھ یونیورسٹی آنے کی دعوت دی جائے۔ کیونکہ ان دنوں مسلم یونیورسٹی، طبیہ کالج پر قادیانیوں کا قبضہ تھا۔ ڈاکٹریٹ پرنسپل کالج چن چن کر وہاں قادیانی جمع کر رہے تھے۔ ادھر ''الفضل'' میں یہ اعلان شائع ہو گیا کہ خلیفہ نورالدین (قادیانی) کے فرزند عبدالسلام عمر (قادیانی) اسی طرح علی گڑھ کو فتح کریں گے۔ جس طرح طارق نے ہسپانیہ پر قبضہ کیا تھا۔ راقم، یونین کے سیکرٹری عمران احمد انصاری کا خط لے کر لاہور پہنچا۔ جس میں مولانا کو علی گڑھ آنے کی دعوت دی گئی تھی۔ مولانا ان دنوں آئے دن ''زمیندار'' سے طلب

کردہ اور ضبط شدہ ضمانتوں اور پریس کی ضبطی کی وجہ سے کچھ پریشان تھے۔ مگر اس وجہ سے کہ مسلمانوں کی اس درس گاہ کو قادیانی اثرات سے محفوظ کرنا ضروری ہے۔ فوراً تیار ہوگئے اور دو دن بعد ۲۶ رنومبر کو علی گڑھ پہنچ گئے۔

مولانا کے دورۂ علی گڑھ کی روداد ''زمیندار'' کے خصوصی نمائندے کے قلم سے درج ذیل ہے: ''طلبائے مسلم یونیورسٹی کی دیرینہ آرزو تھی کہ علی گڑھ یونیورسٹی کا وہ مایہ ناز فرزند جس کے دم قدم سے ہندوستان میں اسلام اور ملت بیضا کی روایات زندہ ہیں۔ ایک مرتبہ آئے اور مردہ دلوں کو پیام زندگی سنائے۔ مگر مولانا کی ادبی، سیاسی وصحافی سرگرمیاں اور آئے دن کی دیگر مصروفیات ومشکلات ومصائب کے پیش نظران کی تشریف آوری از قبیل محالات معلوم ہوتی تھی۔ پھر زمیندار پر جو تازہ افتاد پڑی۔ اس نے مولانا کے آنے کو اور مشکل بنا دیا تھا۔ اب معلوم ہوتا تھا کہ طلباء کی آرزو آرزو کی حد سے تجاوز کر کے حسرت کی شکل اختیار کرے گی۔ مگر رب کعبہ کے الطاف کریمانہ کو کچھ اور ہی منظور تھا:

تقدیر اگر کچھ تھی تو تدبیر تھی کچھ اور

خیر تو ۱۷رنومبر (۱۹۳۴ء) کے ''زمیندار'' میں مولانا کی آمد کی خبر شائع ہوئی تو یہ خبر یونیورسٹی کے طول وعرض میں برقی رو کی طرح پھیل گئی۔ مگر دوسرے ہی روز اطلاع ملی کہ پروگرام منسوخ ہوگیا۔ چنانچہ ایک خاص قاصد (راقم: نسیم سوہدروی) کے ذریعے مولانا کو علی گڑھ آنے کی دعوت دی گئی۔ جسے انہوں نے قبول کرلیا اور ۲۶ رنومبر کو تشریف آوری کا پروگرام بن گیا۔ مولانا کی آمد پر یونیورسٹی کا عجیب سماں تھا۔ طلباء جوق در جوق ہار لئے اسٹیشن پر پہنچ رہے تھے۔ ٹرین کے آنے سے ایک گھنٹہ پہلے ہی پلیٹ فارم طلباء سے اٹ گیا تھا۔ شہر کے سربرآوردہ زعماء حافظ عثمان اور دیگر سبھی لوگ موجود تھے۔ جونہی ٹرین اسٹیشن کی حدود میں داخل ہوئی، فضا اللہ اکبر، ظفر علی خان زندہ باد کے نعروں سے گونج اٹھی۔ ان کا عدیم النظیر استقبال کیا گیا۔ طلباء موٹر کو سجا کر لائے تھے۔ جس کے سامنے یہ شعر آویزاں تھا:

نور خدا ہے کفر کی حرکت پر خندہ زن   پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

طلباء نے موٹر کا انجمن بند کر کے اپنے ہاتھ سے موٹر کو کھینچا اور تمام طلباء بلند آواز سے یہ شعر پڑھ رہے تھے:

عالم اسلام کے نور نظر بد دل نہ ہو   آج سارا عالم اسلام تیرے ساتھ ہے

مولانا کا رات یونیورسٹی یونین ہال میں استقبال کیا گیا۔ جناب شریف چشتی نے استقبالیہ نظم پڑھی اور مولانا پر پھول برسائے گئے۔ بعد میں مولانا نے اپنی تقریر میں مسائل حاضرہ پر تبصرہ کرتے ہوئے قادیانی فتنہ کا کھل کر ذکر کیا اور طبیہ کالج میں قادیانیوں کے غلبہ پر ارباب یونیورسٹی کو لتاڑا۔

ایک پروفیسر نے کچھ کہنا چاہا کہ کسی کے مذہب کے خلاف کچھ نہ کہا جائے۔ مگر ان کی آواز طلباء کے شور میں گم ہوگئی۔ انہیں بیٹھنا پڑا۔ اگلے دن مین سی ہال میں بھی تقریر کی۔ طلباء کے اصرار پر آفتاب ہال میں مولانا کی تقریر کا اعلان ہو چکا تھا کہ انگریز پرو وائس چانسلر اور پروفیسر حبیب نے اجازت دینے سے انکار کر دیا۔ مگر طلباء کے عزم وجوش کے سامنے ان کی ایک نہ سنی گئی۔ طلباء نے فیصلہ کر لیا کہ ہر قیمت پر تقریر ہوگی۔ چنانچہ مولانا تشریف لائے اور تقریر ہوئی۔ عبدالسلام عمر (قادیانی) نے مداخلت کرنا چاہی۔ طلباء میں اشتعال پیدا ہوگیا، مگر مولانا نے کمال تدبر سے اسے آغوش میں لے کر طلباء سے بچالیا۔

تحریک ترک موالات میں مولانا محمد علی جوہر کی تقریر کے بعد یہ دوسری تقریر تھی جو انتظامیہ کی ممانعت کے باوجود طلباء نے کروائی۔ اگلے دن جامع مسجد علی گڑھ میں مولانا نے خطاب کیا جس میں کھل کر اس فتنہ کے خلاف اظہار خیال کیا اور مسلمانوں سے مطالبہ کیا کہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں قادیانیوں کے تسلط کو یکسر ختم کیا جائے۔ چنانچہ مولانا کے اس دورے کا یہ اثر ہوا کہ یونیورسٹی کے ارباب کار اور طلباء اس فتنہ سے آگاہ ہوگئے۔ آئندہ قادیانیوں کی بھرتی بند ہوگئی اور قادیانیت ایک گالی بن گئی۔ قادیانیوں کو اقلیت قرار دینے کا مطالبہ شدت اختیار کر گیا۔ اس سلسلہ میں علمائے کرام مفتی کفایت اللہ، مولانا داؤد غزنوی، مولانا احمد علی، مولانا احمد سعید (جواب سب مرحوم ہو چکے ہیں) کی طرف سے قادیانیوں کے کفر کا فتویٰ جاری ہوا۔ ادھر مولانا ظفر علی خان، علامہ اقبال، مرتضیٰ احمد خان میکش اور دیگر بزرگوں کی طرف سے یونیورسٹی سے قادیانی کی علیحدگی کی اپیل شائع ہوئی۔

اس دورہ کے بعد مولانا ہر سال علی گڑھ جاتے بلکہ یونیورسٹی کورٹ کے ممبر بھی منتخب ہوگئے۔ ایک دفعہ ظفر اللہ خان (قادیانی) ممبر وائسرائے کونسل کانووکیشن کے جلسہ میں آرہے تھے کہ طلباء نے ان کا پروگرام منسوخ کرا دیا۔ غرض تقسیم ملک تک علی گڑھ یونیورسٹی نے انہیں اقلیت قرار نہیں دیا۔ تاہم ان اداروں میں قادیانی اثر ورسوخ بالکل ختم ہوگیا۔ (طلباء نے

اس سلسلہ میں جو کارنامے انجام دیئے فرزند علی گڑھ میں ان کا ذکر تفصیل سے درج ہے)

قصہ مختصر یہ کہ اب حالات یہ صورت اختیار کر چکے تھے کہ پوری ملت بیدار ہو چکی تھی۔ چنانچہ علامہ اقبال نے قادیانیوں کو نہ صرف انجمن حمایت اسلام سے علیحدہ کرایا۔ بلکہ اس کے خلاف کھل کر سامنے آ گئے۔ جسٹس سر ظفر علی مرحوم جیسے لوگوں نے مرزائیوں کی مخالفت میں بیان دیئے۔ انہی دنوں راقم الحروف (نسیم) کرم آباد حاضر ہوا۔ مولانا نے میری ڈائری پر حسب ذیل شعر لکھ دیئے:

بنائے وحدت اسلام ہے اگر منظور تو قادیاں کی نبوت کی روک تھام کرو
محمد عربی رحمت دو عالم ہیں تم امت ان کی ہو اس مرحمت کو عام کرو

اس اثناء میں ''زمیندار'' کا قادیانی نمبر شائع ہوا۔ جس میں علامہ اقبال نے اس فرقہ ضالہ کے دلائل کی قلعی کھول دی۔ جب علامہ اقبال مرحوم نے مضبوط دلائل سے مرزائیت کی حقیقت بیان فرمائی تو اس پر مولانا نے ایک زوردار مقالہ سپرد قلم فرمایا: جس کا ایک حصہ درج ذیل ہے: ''میں نے جب سے ہوش سنبھالا ہے۔ قادیانیت کا خطرہ میری آنکھوں سے اوجھل نہیں ہوا۔ میری ساری عمر اس ہولناک فتنہ کا مقابلہ کرنے میں گزری ہے۔ مسلمانوں نے اوّل اوّل قادیانی فتنہ کو اہمیت نہ دی۔ علمائے امت نے اتنا ضرور کیا کہ جس طرح غلام احمد قادیانی نے ان تمام مسلمانوں کو دائرہ اسلام سے خارج کر دیا۔ اسی طرح انہوں نے بھی اس پر اور اس کی امت قلیل الانفار پر کفر کا فتویٰ لگا دیا۔ ان کے مایۂ ناز مسئلہ حیات مسیح پر اس کے ساتھ یا اس کے اتباع والوں کے ساتھ ہنگامہ خیز مناظرے کرتے رہے، لیکن زہر کا یہ تریاق کچھ زیادہ سودمند ثابت نہیں ہوا۔ مرزائیوں کا یہ پروپیگنڈا اس مذہبی رواداری کے سائے میں جس کا حکومت وقت کو ادّعا ہے۔ پروان چڑھتا رہا۔ آخر میرے شوروغل اور میرے رفقاء کی ہاؤ، ہو، نے عام مسلمانوں کی آنکھیں کھول دیں۔ جب حکومت وقت نے مرزائیت کی پیٹھ پر علی الاعلان تھپکیاں دینا شروع کیں تو ان کو صاف نظر آنے لگا کہ جس فتنہ سے انہیں پالا پڑا ہے۔ وہ کتنا ہولناک ہے۔ میں پہلے دن سے پکار رہا ہوں کہ فرقۂ ضالہ مرزائیہ جو اسلام کے نام پر مسلمانوں کی جڑیں کاٹنے میں مصروف ہے۔ ہرگز یہ حق نہیں رکھتا کہ اس کا شمار مسلمانوں میں ہو۔ بلکہ سکھوں، پارسیوں، عیسائیوں یا دوسری اقلیتوں کی طرح اس فرقہ ضالہ کا شمار بھی سرکاری کاغذوں میں جداگانہ اقلیت کے طور پر ہونا چاہئے۔ جب حکومت کی امپریل مصلحتوں نے

چوہدری ظفر اللہ خان (قادیانی) جس کے عقیدہ میں تمام مسلمان مرزا غلام احمد قادیانی کو نہ ماننے کی وجہ سے دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔ وائسرائے کی کونسل میں مسلمانوں کی نمائندگی کے لئے مقرر کرنے کا فیصلہ کیا تو ''زمیندار'' نے مسلمانوں کو آگاہ کیا یہ کہ فتنہ اب قیامت بننے والا ہے۔ چنانچہ طول وعرض ملک میں اس پر احتجاج ہوا۔ مگر حکومت کے کانوں پر جوں تک نہ رینگی اور چودھری ظفر اللہ خان کا تقرر عمل میں آ گیا۔ اسی وقت سے مسلمان برابر پکار رہے ہیں کہ قادیانیوں کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ انہیں جداگانہ اقلیت قرار دیا جائے۔ حکومت ایک غیر مسلم کی حیثیت سے انہیں مراعات دے۔ لیکن انہیں اسلام کا نمائندہ نہ گردانا جائے۔ اس لئے کہ مسلمانوں سے ان کا کسی قسم کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

مسلمانوں کا یہ سارا شور حکومت کے بہرے کانوں پر پڑا۔ جس نے مسلمانوں کو بے چین کر رکھا ہے۔ اگر اس نے لب کشائی کی ضرورت محسوس کی تو مسلمانوں کو یہ کہہ کر ٹال دیا کہ یہ سارا شور متعصب اور غیر ذمہ دار لوگوں کا بپا کیا ہوا ہے۔ مسلمانوں کا ذمہ دار فہیم طبقہ مرزائیوں کو مسلمان سمجھتا ہے۔

آخر وہ وقت بھی آیا کہ جو لوگ ذمہ دار اور فہیم وغیر متعصب تھے۔ انہوں نے بھی عامۃ المسلمین کے جذبات واحساسات کی ترجمانی کرتے ہوئے لگی لپٹی رکھے بغیر حکومت کو بتا دیا کہ قادیانیت ایک جداگانہ مذہب ہے۔ جسے اسلام سے کوئی واسطہ نہیں۔ اگر حکومت نے قادیانیوں کو اقلیت قرار دینے میں کوتاہی کی تو مسلمانوں کا یہ شبہ یقین کے درجہ تک پہنچ جائے گا کہ حکومت مسلمانوں کی وحدت ملّی کو پارہ پارہ دیکھنے کی متمنی ہے۔ خدا بھلا کرے علامہ اقبال کا جن کے حکیمانہ بیان نے ان ساری حقیقتوں کو بکمال شرح وبسط الم نشرح کر کے مسلمانان ہند کی ایسی خدمت سرانجام دی ہے۔ جس کا صلہ اسے سرور کائنات کی ختم المرسلینی کی بارگاہ سے مل سکتا ہے۔''

آخر میں مولانا نے لکھا جس پر ان کی بصیرت کی داد دینی پڑتی ہے۔ فرمایا: ''ختم نبوت کے اس عقیدہ کو جھٹلانے کی جرأت اس ساڑھے تیرہ سو سال کے عرصہ میں اگرچہ متعدد پرستاران طاغوت کو ہوئی ہے۔ لیکن اس جرأت کا سب سے بے باکانہ مظاہرہ مرزا غلام احمد قادیانی اور اس کی قلیل الانفار ذریت کی طرف سے ہوا۔ میرا پختہ یقین ہے کہ اس تکذیب کی پاداش میں طائفہ قادیان جس کے نیم جان جسم میں حکومت وقت کے سیاسی معالج نے تھوڑی بہت حرکت پیدا کر رکھی ہے۔ اپنے وقت پر گردش روزگار میں دب کر فناء ہو جائے گا۔ جس

طرح اس سے پہلے مدعیان نبوت اور اس کی امتیں نابود ہوگئیں۔ (زمیندار ۹ مئی ۱۹۳۵ء)

اخبار ''زمیندار'' اور مولانا ظفر علی خان اس کے بعد متواتر اس طائفہ کے خلاف لکھتے رہے۔ ۳۶، ۱۹۳۷ء میں ''زمیندار'' کے قادیان نمبر شائع ہوئے۔ اگست ۱۹۳۷ء میں ایک قادیان نمبر پھر مولانا نے شائع کیا۔ جس میں ''قادیان کی پاپ بھری ناؤ'' کے عنوان سے تحریر فرمایا: ''مرزا غلام احمد قادیانی آنجہانی جس کی ناقابل رشک شخصیت تعارف سے بے نیاز ہے۔ اس آزادی سے کہ بقول اکبر:

گورنمنٹ کی خیر یارو مناؤ گلے میں جو اتریں وہ تانیں اڑاؤ
کہاں ایسی آزادیاں ہیں میسر انا الحق کہو اور پھانسی نہ پاؤ

جو فائدہ (مرزا قادیانی نے) اٹھایا وہ کسی اور شخص کے حصہ میں کم آیا ہوگا۔ وقت کے اس سب سے بڑے ملحد نے اسلام کے نام پر اسلام کی مقدس ترین روایات کو جس دیدہ دلیری سے رسوا کیا ہے۔ اسے دیکھ دیکھ کر خدا یاد آتا ہے۔ اس کی انمل بے جوڑ خرافات کی بناپر کسی نے اسے دجال کہا۔ کسی نے مراقی سمجھا۔ لیکن اس کی بکار خویش ہشیار دیوانگی اس رنگارنگ پھبتیوں پر حقارت کی ہنسی ہنستی رہی۔ اسلام کے سیزدہ صد (تیرہ سو) سالہ فیصلہ کو بیک جنبش قلم منسوخ کر کے اس نے اعلان کیا کہ میں آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کرنے والا خدا ہوں۔ اگرچہ میں ایک ہی وقت میں اس کا بیٹا بھی ہوں اور باپ بھی۔ اس نے ڈنکے کی چوٹ پکار کر کہا کہ دنیا میں جتنے رسول اور نبی آئے ہیں۔ میں ان سب میں افضل ہوں۔ اس کے شوخ چشمانہ تبختر کو اس ''عارفانہ'' تعلّی میں بھی تأمل نہ ہوا کہ شریعت کے جن اسرار تک محمد مصطفیٰ ﷺ کی رسائی نہ تھی وہ مجھ پر کھول دیئے گئے ہیں۔ اس نے کلام اللہ میں تحریف کی اور بعض کھلے ہوئے احکام کو اپنے خانہ ساز ''کن فیکونی'' اختیارات سے منسوخ کر دیا۔ اس نے انبیاء کو گالیاں دیں۔ اس نے اولیاء واتقیاء کی پگڑیاں اچھالیں۔ اس نے علماء امت پر فحش مغلّظات کا جھاڑ باندھا۔ اس نے نصاریٰ کو اولی الامر قرار دے کر حکومت کی ایسی گھناؤنی خوشامد کی کہ بڑے سے بڑے ٹوڈیوں کی پیشانیاں مارے شرم کے پسینے سے شرابور ہوگئیں۔ اس نے یہ کہہ کر کہ: ''مدینہ کی چھاتیوں کا دودھ خشک ہو چکا ہے۔'' قادیان کو اپنی امت کا کعبہ بنادیا ہے۔ اس نے میکائیل کی بجائے ''ٹیچی ٹیچی'' کو اپنا فرشتہ بنالیا اور عقل کے اندھوں اور گانٹھ کے پوروں سے چندے لے لے کر سیم وزر کے انبار فراہم کر لئے۔ فن محاکات (لفظی

گھوڑے دوڑانا) میں اس حد تک کمال بہم پہنچایا کہ حجاز کے جنت المعلیٰ کی جگہ بہشتی مقبرہ نے لے لی۔ خود تو (معاذ اللہ) صلی اللہ علیہ وسلم تھا ہی۔ اس کے گھر کی ہر لگائی (زوجہ) بھی ''ام المؤمنین'' بن گئی اور اس کا ہر حاشیہ بردار ''صحابہ کرام'' کا ہم مرتبہ ہوکر ''رضی اللہ تعالیٰ عنہ'' کے دعائیہ کلمے کا مستحق ہوگیا۔ قصہ مختصر یہ کہ انگریزوں کی بخشی ہوئی آزادی کے صدقہ میں اس نے جو کچھ کہا اور جو کچھ کیا۔ اس کی نظیر اسلام کی سیزدہ صد سالہ تاریخ میں نہیں ملے گی۔''

اس مقالہ کے آخر میں مولانا نے لکھا: ''قادیان کی کشتی اس وقت دریائے مکافات کے بھنور میں گھر گئی ہے اور ارباب بصیرت کو ایسا نظر آرہا ہے کہ یہ ''پاپ بھری ناؤ'' کوئی دم میں ہی غرق ہوجائے گی اور دنیا قادیانیت کا نام ونشان حرف غلط کی طرح مٹ جائے گا۔''

غرض مولانا مرحوم جہاں بھی رہے۔ مرزائیت کے خلاف مصروف جہاد رہے اور نہ صرف کہ مسلمانوں کو اس فرقہ ضالہ کے ناپاک عزائم سے متنبہ فرماتے رہے۔ بلکہ اسے غیر مسلم اقلیت قرار دینے کا مطالبہ بھی ہمیشہ کرتے رہے۔ مگر انگریزی اتحادی قوتوں نے ہمیشہ اس فرقہ کی پشت پناہی کی۔ تاآنکہ قیام پاکستان کے بعد جب مولانا کے قویٰ شل ہوچکے تھے اور قادیانیوں کو اقلیت قرار دینے کا مسئلہ ۱۹۵۳ء میں پوری شدت سے کھڑا ہوا۔ ''زمیندار'' اس جہاد میں شامل تھا۔ چنانچہ ''زمیندار'' کا ڈیکلریشن منسوخ اور پریس ضبط کرلیا گیا۔ بعد میں ''آثار'' کے نام سے روزنامہ شائع ہوا۔ یعنی حکومت نے زمیندار کی اشاعت پر بھی پابندی لگائی۔ اختر علی خان مرحوم نے افسوس جیل میں اس استقامت کا ثبوت نہ دیا جوان کے والد کا حصہ تھا اور چودہ سال قید بامشقت سے گھبرا گئے۔ مولانا اس دور میں ضعف ونقاہت اور جسمانی کمزوری کے باوجود دہلی دروازہ کے باہر ایک جلسہ میں تشریف لائے۔ مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری (مرحوم) ان کو دیکھ کر آبدیدہ ہوگئے اور گلے سے لگا کر گالوں کو تھپتھپا کر فرمایا کہ ظفر علی خان! تیرے ''ستارہ صبح'' نے میرے جگر میں آگ لگادی تھی۔

یہ ہے وہ مختصر داستان جو اس مرد مجاہد نے مرزائیت کے استیصال کے لئے کی اور الحمدللہ کہ آج پایہ تکمیل کو پہنچ کر رہی۔ مستقبل کا مؤرخ اسے کبھی فراموش نہیں کرسکتا کہ سماجی اور معاشرتی طور پر قادیانیت کی جڑیں کھوکھلی کرنے، اس طائفہ ناپاک کے سیاسی عزائم کو بے نقاب کرنے میں حضرت مولانا ظفر علی خان کا سب سے زیادہ حصہ ہے۔ ان اللہ بالغ امرہ قد جعل اللہ لکل شیٔ قدراً! (مولانا ظفر علی خان اور ان کا عہد از نسیم سوہدروی ص۳۹۲ تا ۴۱۰)

(۲) مسلم یونیورسٹی علی گڑھ اور قادیانیت

مذہبی میدان میں قادیانی سرگرم عمل تھے، متنبّی قادیان مرزاغلام احمد آنجہانی کے فرزند اور ''خلیفہ دوم'' مرزا بشیرالدین محمود نے علی گڑھ یونیورسٹی کو ''سپین'' سمجھ کر اور خلیفۂ اوّل حکیم نورالدین کے دو صاحبزادوں عبدالسلام اور عبدالمنان کو ''طارق'' بنا کر علی گڑھ اس مشن کے ساتھ بھیجا تھا کہ وہ تبلیغ کے ذریعے مسلم یونیورسٹی کو خلافت قادیان کے لئے ''فتح'' کرلیں۔ اس زمانے میں قادیانی حضرات ہر جگہ ہر سال ۲۱؍اکتوبر کا دن ''یوم تبلیغ'' کے طور پر مناتے تھے۔

۲۱؍اکتوبر ۱۹۳۳ء کو عبدالسلام (قادیانی) تبلیغی مقاصد کے لئے لکھے گئے کچھ پمفلٹ اور ہینڈ بلز سے مسلح ہوکر آفتاب ہال کے ایک قدیم ہوسٹل ماریسن کورٹ پر ''حملہ آور'' ہوئے۔ عجیب اتفاق ہے کہ ان کا پہلا ''وار'' کمرہ نمبر۲۱ پر ہوا۔ عبدالسلام (قادیانی) کی بدقسمتی سے تین نہایت خطرناک قسم کے دوست حافظ فضل الرحمٰن انصاری (متعلم بی.اے پیرلوئیس) حافظ صدیق احمد صدیقی اور محمد شریف چشتی (فرسٹ ایئر) اسی کمرے کے سکونتی تھے، یہ تینوں دوست اگرچہ ملک کے مختلف دور دراز علاقوں سے علی گڑھ گئے تھے۔ مگر دینی خانوادوں کے چشم وچراغ ہونے کے باعث اسلام کے شیدائی اور ہر دین دشمن تحریک کے مقابلے میں ڈٹ جانے والے لوگ تھے۔ فضل الرحمٰن انصاری (مرحوم) جو ۱۹۳۸ء میں علی گڑھ سے ایم.اے، بی.ٹی.ایچ کر کے گئے کچھ عرصہ بعد مشہور مبلغ اسلام مولانا عبدالعلیم صدیقی میرٹھی کے داماد اور مولانا شاہ احمد نورانی کے بہنوئی بن گئے۔ انصاری صاحب کو آغاز شعور ہی سے مذہبی تبلیغ اور تصنیف وتالیف کا شوق چلا آرہا تھا۔ بی.اے پاس کرنے تک متعدد انگریزی کتابچے مثلاً:

"Psewdo Prophet of Qadian", "Padre of Hong King", "Humanity Reborn"

وغیرہ لکھ کر چھپوا چکے تھے۔ شریف چشتی علی گڑھ میں آنے سے پہلے ایک ایسے دینی گھرانے اور حلقے کے تربیت یافتہ تھے جس میں ظفر علی خان اور ''زمیندار'' بے حد مقبول تھے۔ لہٰذا انہیں قادیانی لٹریچر پر خاصا عبور تھا۔ صدیق احمد صدیقی مدرسۂ فرنگی محل لکھنؤ سے فارغ التحصیل ہوکر علی گڑھ کے طالب علم بنے تھے۔ یہ اتحاد ثلاثہ ان تینوں کے شش سالہ قیام علی گڑھ کے دوران قائم رہا۔

جونہی عبدالسلام (قادیانی) پمفلٹ بدست جھومتے جھامتے ''السلام علیٰ من اتبع الھدیٰ'' کہہ کر کمرے میں داخل ہوئے۔ تینوں دوست تاڑ گئے کہ جس نے ''السلام علیکم'' کی بجائے وہ سلام پیش کیا ہے جو غیر مسلموں کے لئے مخصوص ہے، خود بھی مسلمان نہیں کچھ اور ہے۔ بہرحال عام اخلاق اور علی گڑھ کی حسین روایت کے مطابق انہیں عزت سے بٹھایا گیا۔ چائے پیش کی گئی۔ چائے کے بعد کچھ رسمی باتیں ہوئی۔ پھر ان کی تشریف آوری کا مقصد دریافت کیا گیا۔ جواب میں ایک لمبی تقریر، کلام پاک کی کچھ آیات، آیات کا مفہوم بہ پیرایہ تدلیس وتلبیس۔ حافظ انصاری (مرحوم) کا گوراچٹا، حسین وجمیل، انتہائی نرم ونازک قسم کی مختصر سی ڈاڑھی والا چہرہ حمیّت دینی سے تمتما اٹھا۔ ایسا معلوم دیتا تھا کہ تہیہ طوفان کر چکے ہیں۔ صدیق احمد صدیقی دلآویز زیرلب مسکراہٹ کے ساتھ عینک کے شیشوں سے پار ہوتی ہوئی دل میں اتر جانے والی نگاہ سے یہ منظر دیکھ رہے تھے۔ بقول چشتی بھائی اس خیال سے کہ کج بحثی قادیانیوں کی سرشت میں داخل ہے اور خواہ مخواہ قیمتی وقت ضائع ہوگا۔ عبدالسلام (قادیانی) کی طرف سے مرزا قادیانی کو ''مسیح موعود'' اور ''ظلی نبی'' مان لینے کی دعوت کے جواب میں چشتی صاحب نے صرف اتنا کہا کہ: ''صاحب! ہم مرزا قادیانی کو نبی، مسیح اور جو کچھ آپ چاہیں گے، مان لیں گے۔ پہلے یہ تو ثابت کیجئے کہ مرزا قادیانی ایک شریف انسان بھی تھے۔''

عبدالسلام نے سٹ پٹا کر کہا: ''توبہ توبہ، یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟'' ان کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ کوئی شریف اور مہذّب انسان دوسرے کو گالی نہیں دیتا۔ مگر مرزا قادیانی نے تو نہ صرف عام مسلمانوں، بلکہ علماء، صلحاء، ائمہ کرام اور خود انبیاء کرام پر بھی، (معاذاللہ) گالیوں کا جھاڑ باندھا ہے۔ ان کو مرزا قادیانی کی کتب سے حوالے دیکھ کر بتایا گیا کہ مرزا قادیانی نے کس کی شان میں کس طرح کی مغلظات ایجاد فرمائی ہیں، نظر آرہا تھا کہ مبلغ صاحب بے حد خفیف ہورہے ہیں، مگر وہ قادیانی کیسا جو چاروں شانے چت گر کر بھی ہار مان لے۔

قادیانی تبلیغ کا یہ واقع تینوں دوستوں کے لئے مہمیز عمل ثابت ہوا۔ ان میں سے ہر ایک نے حتیٰ الوسع عبدالسلام اور عبدالمنان کا اکثر وبیشتر پیچھا کیا۔ مگر یہ لوگ اپنی سرگرمیوں میں بے یارومددگار نہیں تھے۔ انہیں سٹاف کے اکا دکا قادیانی یا نیم قادیانی اساتذہ اور بعض سینئر قادیانی طلبا کے علاوہ یونیورسٹی کے طبیہ کالج کے پرنسپل عطاء اللہ بٹ کی مکمل پناہ اور ہر طرح کی اعانت بھی حاصل تھی۔ ان دنوں طبیہ کالج قادیانیوں کے خاصے مضبوط مورچے کی

شکل اختیار کرتا جارہا تھا۔ یہ صورت حال منظّم جوابی اور دفاعی کوشش کا تقاضا کررہی تھی۔

تیسرے اور مفاداتی گروہ کے بارے میں اتنا عرض کردینا کافی ہے کہ اس کے سامنے تعلیم کے بعد صرف اعلیٰ سرکاری عہدوں اور ملازمتوں کا حصول تھا۔ اس مقصد کے حصول کے لئے اس گروہ کے لوگ انگریزوں، قادیانیوں اور کیمونسٹوں تک کے ہاتھوں میں کھلونا بننے کے لئے تیار رہتے تھے۔ ان کی یہ سرشت توجہ طلب اور قابل اصلاح تھی۔

رفع التباس کے لئے یہ عرض کرنا ضروری ہے کہ یونیورسٹی کے طلبا کی غالب ترین اکثریت مذکورہ بالا تینوں قسم کے لوگوں کے شہ اور منفی سرگرمیوں سے بڑی حد تک بیگانہ ہونے کی وجہ سے تقریباً محفوظ تھی۔ لیکن اس خوش فہمی میں کہ فی الحال ''سب خیریت ہے'' ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ رہنا بھی درست نہ ہوتا۔

یہ تھے وہ حالات جن کے تحت مولانا ظفر علی خان کو۱۹۳۴ء اور ۱۹۳۶ء میں اور ایک بار مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری کو علی گڑھ کے دورے کی دعوت دی گئی۔

مولانا علی گڑھ کالج کی قرن اوّل کے اولڈ بوائے تھے، جنہوں نے فارغ التحصیل ہونے کے بعد اپنی چالیس سالہ بھرپور سیاسی زندگی میں ہر میدان اور ہر محاذ پر بڑے بڑے معرکے مارے تھے۔ بقول علامہ اقبالؒ مولانا کو قدرت نے وہ قلم عطا فرمایا تھا جس کی روانی دشمنان دین وملت کے فاسد مقاصد ومکائد کی کاٹ میں بڑے بڑے مجاہدین کی تلوار سے کم نہ تھی۔ جنگ بلقان، جنگ طرابلس، جنگ عظیم میں شکست کے نتیجے میں سلطنت عثمانیہ کے حصے بخرے، ترکان احرار کی مجاہدانہ عزیمت کے طفیل ایشائی ٹرکی کا دشمن کے پنجۂ خونیں سے بچ نکلنا، مصطفیٰ کمال کے ہاتھوں یونان کی شکست فاش اور فتح سمرنا، سرزمین حجاز سے برطانوی جاسوس کرنل لارنس کے مرغ دست آموز شریف مکہ کا فرار اور آل سعود کی کامیابی، جنگ عظیم میں یورپی اتحادیوں کی عالم اسلام پر تاخت وتاراج ۱۹۱۹ء کا مارشل لاء اور امرتسر کے جلیانوالہ باغ کا حادثۂ فاجعہ، مسجد کانپور کی شہادت، تحریک خلافت کے دوران اور بعد میں برطانیہ اور مسلمانوں کے درمیان ہر قسم کی محاذ آرائی، مغلپورہ کالج کے انگریز پرنسپل کے خلاف ایجی ٹیشن، شدھی اور سنگھٹن کے فتنے، ۲۹،۱۹۲۸ء میں غازی امان اللہ خان کے خلاف بچہ سقّہ کی بغاوت، اس میں جنرل نادر خاں کا کردار، کانگریس کی حمایت اور بعد میں مخالفت، تحریک

شہید گنج وغیرہ وغیرہ حادثات و واقعات میں سے کوئی ایک مسئلہ بھی ایسا نہیں جس میں مولانا نے مرکزی یا نمایاں طور پر مخلصانہ کردار ادا نہ کیا ہو۔

یہ سب کچھ باشعور اور بالغ نظر اساتذہ اور طلبائے مسلم یونیورسٹی کی لوح دل ودماغ پر نقش تھا۔ وہ لوگ جو یونیورسٹی کے وقتی جمود وسکوت سے کچھ پریشان اور کبیدہ خاطر تھے۔ مولانا کے گزشتہ روشن کارناموں کی بناء پر ہی ان سے عقیدت ومحبت نہیں رکھتے تھے بلکہ ان کی مجاہدانہ قیادت سے مستقبل کی توقعات بھی وابستہ کرتے تھے۔ سیاسی، فکری، علمی اور ادبی خدمات کے ساتھ خالص دینی خدمات میں بھی وہ مجاہدانہ عزیمت کے ساتھ قیادت کا حق ادا کر چکے تھے۔ فتنہ قادیاں کے استیصال کے لئے ہندوستان کے مسلمانوں کو پوری طرح بیدار اور متحرک کر دینے میں علماء کرام کی مساعی کے ساتھ ساتھ مولانائے موصوف اور ان کے اخبار ’’زمیندار‘‘ کا جہاد ختم نبوت کے تحفظ کی تاریخ کا ایک مستقل اور روشن باب ہے۔

مولانا کے ساتھ علی گڑھ والوں کی محبت وارادت صرف ایک بزرگ ’’اولڈ بوائے‘‘ ہونے کے باعث ہی نہیں بلکہ ایک عظیم مجاہد اور بلند کردار قائد کی حیثیت سے بھی تھی۔ علی گڑھ کا حق تھا کہ مولانا اس کے نوجوان فرزندوں کی رہنمائی کریں۔ عام واقعاتی پس منظر کے علاوہ جو اوپر بیان کیا گیا ہے کچھ ایسے فوری اسباب بھی پیدا ہوگئے تھے۔ جن میں مولانا کو علی گڑھ کے دورے کی دعوت دینا ناگزیر ہوگیا تھا۔ سر ظفر اللہ خان نہ صرف یونیورسٹی کورٹ کے ممبر تھے، بلکہ سر فضل حسین نے انہیں وائسرائے کی ایگزیکٹو کونسل کا رکن بھی بنوا دیا تھا۔ نتیجتاً یونیورسٹی کورٹ میں ان کا اثر ورسوخ بڑھ گیا تھا۔ اس نے علی گڑھ کے قادیانی اور قادیان نواز حلقوں کو اپنا مشن آگے بڑھانے کا ایک نیا حوصلہ دے دیا تھا۔ طیبہ کالج اور یونیورسٹی کے بعض ہوسٹلوں میں قادیانیوں کی سرگرمیاں خلاف معمول زیادہ تیز ہوتی نظر آنے لگی تھیں۔ یہ سب کچھ اسلامی ذہن رکھنے والے طلباء اور اساتذہ کو گوارا نہ تھا۔ لہٰذا ہم خیال دوستوں نے کافی غوروخوض کے بعد طے کیا کہ اس صورتحال کی اصلاح کے لئے مولانا ظفر علی خان کو یونیورسٹی یونین کی طرف سے مدعو کیا جائے۔ ان دنوں یونیورسٹی کا نظم ونسق انگریز پروائس چانسلر مسٹر رامزے بوتھم کے ہاتھ میں تھا جو ایک کٹر عیسائی اور یونیورسٹی حدود میں واقع گرجا میں ’’سنڈے سروس‘‘ (ہفتہ وار عبادت) کی قیادت کیا کرتے تھے۔ ایس ایس ہال کے پرووسٹ مسٹر ایم ایم شریف (مرحوم) ریڈر شعبہ فلسفہ، آفتاب ہال کے پرووسٹ پروفیسر محمد حبیب، صدر شعبۂ تاریخ

وسیاسیات اورسی ہال (منٹو سرکل) کے پرووومٹ پروفیسر عبدالمجید قریشی تھے۔ یہ چاروں واجب الاحترام ارباب اختیار اپنی افتادطبع اور قدرے مختلف سیاسی وفکری رجحانات کے پیش نظر سخت متفکر تھے کہ مولانا کی ہنگامہ پسند شخصیت کی تشریف آوری یونیورسٹی کوکہیں کسی انتظامی مسئلے سے دوچار نہ کردے۔ پرووائس چانسلر کی تحریری اجازت کے بغیر یونیورسٹی یونین کی طرف سے مولانا کو رسمی طور پر دعوت دینا بے حد نازک اور مشکل کام تھا۔ لیکن یونین کے عہدیداروں اوراسلام کے شیدائی طلباء نے جرأت قلندرانہ سے کام لے کر مولانا کوایک تحریری دعوت نامہ بھیج دیا اور ہر قسم کے عواقب ونتائج بھگت لینے کا تہیہ بھی کرلیا۔

یونیورسٹی کی انتظامیہ کی طرف سے مخالفت کا اندیشہ تو اپنی جگہ پر تھا۔ بڑی مشکل یہ آن پڑی تھی کہ عین انہی دنوں ''زمیندار'' مرزاغلام احمد کی ''نبوت'' کا تاروپود بکھیرنے کے ''جرم'' میں معتوب تھا۔ حکومت نے پریس ایمرجنسی پاورز ایکٹ کے تحت نہ صرف یہ کہ تین ہزار کی ضمانت طلب کر لی تھی بلکہ منصور سٹیم پریس جس میں یہ اخبار چھپتا تھا۔ ضبط کرلیا تھا، اس پریس کی مالیت اس سستے سمے بھی بیس ہزار روپے سے کم نہ تھی۔ پریس ایکٹ کے اس مہلک وار سے اخبار کو جانبر کرنے کے لئے مولانا کا لاہور موجود رہ کر تگ ودو کرنا ضروری تھا۔ اگر ''زمیندار'' اس ابتلاء کا شکار نہ ہوتا تو بھی مولانا کی صحافتی مجلسی اور سیاسی مصروفیتیں اتنی بے پناہ تھیں کہ بظاہر مولانا کی طرف سے علی گڑھ کے دورے کی دعوت قبول کر لینا محال نظر آرہا تھا۔ اندریں حالات یونین کے عہدیدار کسی ایسے قاصد کی تلاش میں تھے جو مولانا کو اپنے ذاتی اثر ورسوخ سے علی گڑھ پہنچنے پر مائل ہی نہیں بلکہ مجبور بھی کرسکے۔ مآل کار:

قرعہ فال بنام من دیوانہ زدند

جیسا کہ پہلے ذکر آچکا ہے۔ دعوتی خط لے کر راقم لاہور پہنچا۔ الحمدللہ! کہ دوتین روز کی کوشش کے بعد مولانا نے علی گڑھ کا وعدہ فرمالیا۔ یہ وعدہ لے کر شاداں فرحاں راقم واپس علی گڑھ پہنچا ہی تھا کہ اگلے روز لاہور سے مولانا نے بذریعہ تار یہ مژدہ سنایا کہ وہ ۲۴؍نومبر (۱۹۳۴ء) ساڑھے دس بجے میل ٹرین سے علی گڑھ پہنچ رہے ہیں۔

علی گڑھ میں مولانا کا ورود مسعود اور عدیم النظیر استقبال

علی گڑھ کالج نے یونیورسٹی بنتے اور یونیورسٹی نے تقسیم ملک تک کم وبیش ساٹھ ستر

سال کی مدت سے بے شمار بڑی بڑی ہستیوں کا استقبال کیا۔ جن میں مختلف ممالک کے سربراہ، ہندوستان کے متعدد وائسرائے، صوبائی گورنر، والیان ریاست، ملک گیر اور بین الاقوامی شہرت کے سیاسی لیڈر، شہرہ آفاق ارباب علم و ہنر اور مختلف روحانی پیشوا شامل ہیں۔ لیکن چشم فلک نے صرف تین ایسے استقبال دیکھے ہیں جن میں ''سرخ کارپٹ'' کی جگہ دیدہ ودل فراش راہ کئے گئے۔ یہ عدیم النظیر استقبال صرف تین فرزندان ملت کو نصیب ہوا اور یہ تین علی مرتبت ہستیاں ہیں (۱) علامہ اقبال، (۲) ظفر علی خان اور (۳) قائداعظم محمد علی جناح۔ حکیم الامت اقبال جب ورود فرمائے علی گڑھ ہوئے تو ان کو ریلوے ٹرین سے زمین پر قدم نہیں رکھنے دیا گیا تھا۔ یونیورسٹی تک لے جانے کے لئے ان کے دیوانوں نے انہیں اپنے شانوں پر اٹھا لیا تھا۔ قائداعظم اور ان کی واجب الاحترام ہمشیرہ جب ریلوے ٹرین سے اتر کر اسٹیشن کے باہر چار گھوڑوں والی وکٹوریہ گاڑی میں فروکش ہوئیں تو گھوڑے کھول کر الگ کر دیئے گئے تھے اور گاڑی کو طلباء خود کھینچ کر ایک منظّم اور منضبط جلوس کی صورت میں قائداعظم کے لئے مخصوص قیام گاہ تک لے گئے تھے۔

مولانا ظفر علی خان کو بھی اسی طرح ایک کھلی کار میں بٹھایا گیا تھا۔ کار کا انجن بند کر دیا گیا تھا، فرط عقیدت ومحبت میں ہزاروں طلباء نے کار کو خود دھکیل کر اولڈ بوائز لاج تک پہنچایا تھا۔

اگرچہ مولانا کے اس دورہ کی مختصر روداد (پہلے) دوسری جگہ دی جاچکی ہے۔ اب علی گڑھ کی مناسبت سے تسلسل درج ہے۔

ریلوے اسٹیشن کا منظر اور اسٹیشن کے باہر مولانا کی مختصر تقریر

مولانا کی آمد آمد کی خبر نہ صرف یونیورسٹی کی حدود میں بلکہ علی گڑھ شہر میں بھی ان کے پہنچنے سے ایک روز قبل آناً فاناً پھیل چکی تھی۔ درمیان میں صرف ایک رات تھی جو ''طول شب فرقت سے بھی دو ہاتھ بڑی'' دکھائی دے رہی تھی۔ یہ رات اکثر وبیشتر طلباء نے استقبالی کتبے اور نعرے تیار کرنے اور پھولوں کے ہار مہیا کرنے میں گزار دی تھی، انتظار کی گھڑیاں لمحہ لمحہ ختم ہوکر وہ صبح سعید طلوع ہوئی جو اپنی نورانی کرنوں کے فروغ کے ساتھ آفتاب ملت ظفر علی خان کو لائی وہ صبح عام صبح کاہے کو تھی، صبح عید تھی، یونیورسٹی کمپلیکس میں ہر طرف مسرت انگیز چہل پہل کا سماں تھا۔ طلبا اجلی وردیوں اور دمکتے چہروں کے ساتھ خوش رنگ پھولوں کے ہار

لئے مختلف ٹولیوں میں پیدل اور سوار ریلوے اسٹیشن کی طرف رواں دواں تھے۔ دوسری جانب شہر کی طرف سے اسٹیشن پہنچنے والوں کا بھی یہی حال تھا۔ٹرین کی آمد سے کوئی ایک گھنٹہ پیشتر ہی ریلوے اسٹیشن کا وسیع وعریض پلیٹ فارم طلبا سے اٹ چکا تھا۔ تا حدنگاہ ترکی ٹوپیاں، سیاہ شیروانیاں اور پھولوں کے ہاروں سے مزین ہاتھ نظر آرہے تھے۔ اسٹیشن کا عملہ اور آنے جانے والے مسافر حیران تھے کہ یہ کون خوش قسمت انسان ہے جس کے اعزاز میں رنگ ونور اور ذوق وشوق کا یہ طوفان امڈ رہا ہے۔

طلباء کے علاوہ شہر کے سیاسی کارکن اور معززین بھی جو پلیٹ فارم تک رسائی کے لئے زور بازو سے کام لے سکے، خاصی تعداد میں موجود تھے۔ استقبال کرنے والے اساتذہ اور طلبا میں خواجہ غلام السیدین (المعروف کے.جی سیدین) پرنسپل ٹریننگ کالج حکیم عبداللہ خان نصر، حکیم عبداللطیف فلسفی، یونیورسٹی یونین کے نائب صدر جناب عثمان احمد انصاری، یونین کے سیکرٹری جناب عمران حسین، محمد شریف چشتی، قاری محمد انوار صمدانی، مولانا عبدالقادر، حافظ محمد فضل الرحمٰن انصاری، حافظ صدیق احمد صدیقی، فرحت اللہ، منظور احمد، سمیع اللہ خان، شفیع اللہ خان، مسٹر ایم.این.ایم بدیع الدین ایڈیٹر ''علی گڑھ میگزین'' (انگریزی سیکشن) محمد امین کھوسو، ضیاء الدین ابرو، غلام نبی، عبدالعزیز فردوسی، شیخ نثار احمد، شیخ نذیر احمد، طبیہ کالج کے تقریباً تمام طلبا (چند قادیانیوں کو چھوڑ کر) مثلاً خاکسار مؤلف کتاب (حکیم عنایت نسیم سوہدروی)، عطاء اللہ حبیب، خالد سوہدروی، مہر محمد یعقوب وغیرہ خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔ اکابرین شہر سے حافظ محمد عثمان، مولانا ابویحییٰ امام خان نوشہروی اور دیگر چیدہ چیدہ سیاسی کارکن شہر سے استقبال کے لئے آنے والوں کے جم غفیر کے ساتھ موجود تھے۔ جو لوگ ریلوے پلیٹ فارم تک رسائی نہ حاصل کر سکے۔ وہ اسٹیشن کی ڈیوڑھی کے باہر انبوہ در انبوہ معزز مہمان کے باہر برآمد ہونے کا انتظار کر رہے تھے۔

جونہی گاڑی پلیٹ فارم پر رکی فضا نعرۂ تکبیر اور ظفر علی خان زندہ باد کے فلک شگاف نعروں سے گونج اٹھی۔ ہر فرد کی تمنا اور کوشش تھی کہ اس کا لایا ہوا ہار کسی نہ کسی طرح مولانا کے زیب گلو ہو کر رہے۔ ہزاروں ہار بردار نوجوانوں کی دھکم پیل سے آخر نومبر کا قدرے خنک موسم جولائی اگست کا حبس پیدا کر رہا تھا۔ بہر حال سٹاف کے معزز ارکان، یونیورسٹی یونین کے نائب صدر اور سیکرٹری، کابینہ کے ارکان اور چیدہ چیدہ طالب علم جو

استقبال کی تنظیم اور سلامت روی کے ذمہ دار تھے، پراکٹوریل عملے اور پولیس کی مدد سے مولانا کے کمپارٹمنٹ کے سامنے صف بستہ جمے ہوئے تھے۔ سٹاف اور یونین کے عہدیداروں نے رہنمائی کرتے ہوئے سب سے پہلے کمپارٹمنٹ کے اندر تشریف لے جاکر مولانا کو ہار پہنایا اور معانقہ ومصافحہ کے بعد مولانا کو کمپارٹمنٹ کے دروازے تک لے آئے۔ اس کے بعد پروفیسر کے جی سیدین نے ہار پہنایا۔ مصافحہ کیا اور یونین کے نائب صدر، سیکرٹری، ارکان کابینہ اور دیگر چیدہ چیدہ طلبا نے یکے بعد دیگرے تقلید کی۔ مولانا سے ان حضرات کا تعارف کرایا گیا۔ ان میں سے اکثر سے معانقہ اور مصافحہ کے بعد مولانا کو پلیٹ فارم سے باہر لے جانے کی کوشش شروع ہوئی جو ایک معرکہ سے کم نہ تھی، گاڑی سے ڈیوڑھی تک کا چند گز کا فاصلہ کوئی آدھ گھنٹہ کی تھکا دینے والی جدوجہد کے بعد طے ہوا۔

ڈیوڑھی کے دروازے کے ساتھ مولانا کی سواری کے لئے انتہائی سلیقے سے سجی ہوئی کار موجود تھی کار کی چھت پر ایک کارڈ بورڈ پر خوش خط جلی حروف میں ’’زمیندار‘‘ کی پیشانی کی زینت بننے والا مولانا ہی کا مشہور شعر:

نور خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن   پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

آویزاں تھا ’’زمیندار‘‘ اور مولانا گزشتہ ربع صدی سے استخلاص دین ووطن کی جدوجہد کے جرم میں پے درپے جن مصائب ومشکلات کا نشانہ بنے ہوئے تھے۔ ان کے پس منظر میں کار کی چھت پر آویزاں یہ شعر باطل کے مقابل میں حق کے ثبات کی خداء آواز معلوم ہورہا تھا۔

کار کے انجن کے سامنے گتے کی ایک اور تختی پر:

ملت اسلام کے نور نظر بد دل نہ ہو   آج سارا عالم اسلام تیرے ساتھ ہے

یہ روح پرور شعر، طلباء ایک مسحورکن آواز میں مل کر گارہے تھے۔ اسٹیشن سے باہر تشریف لاکر مولانا اپنی کار کے پائیدان پر کھڑے ہوگئے۔ ایک مختصر سی تقریر فرمائی ’’زمیندار‘‘ کے نامہ نگار خصوصی متعینہ علی گڑھ کے قلم سے اس تقریر کا جو خلاصہ ۹؍دسمبر ۱۹۳۴ء کی اشاعت میں چھپا بے حد ایمان افروز اور یقین پرور ہے:

’’عزیزان محترم وبزرگان ملت! میں اسی مادر تعلیم کی آغوش میں پلا ہوں جس میں آپ تعلیم پارہے ہیں۔ میری خاک کا ذرہ ذرہ خاک پاک علی گڑھ سے اسی طرح متعلق ہے جس طرح جسم روح سے یا روح جسم سے۔ میں اسی چشمۂ حیات کا ایک قطرہ ہوں جو سرسید کی

کوششوں سے آج سے پچاس سال قبل علی گڑھ کی زمین سے ابلا تھا۔ یہ سچ ہے کہ میں اپنی افتاد طبع کی وجہ سے نگہ عتاب فرنگ کا معتوب رہتا ہوں اور یہی سبب ہے کہ آئے دن کی مشکلات، صحافتی اور دیگر گراں بار مصروفیتوں نے علی گڑھ نہ آنے دیا۔ مگر اس کا آسمان اور زمین، اس کا چاند اور سورج، اس کی ہوا اور فضا، اس کے درخت اور سبزہ، غرضیکہ اس کی خاک کا ذرّہ ذرّہ ہمیشہ مجھے اپنی طرف کھینچتا رہا ہے۔ یہی وہ کشش ہے جو مجھے آج آپ تک لے آئی ہے۔''

''عزیزان محترم! آپ کے ولولہ اور جوش کو دیکھ کر جو جذبات میرے دل میں پیدا ہوئے ہیں۔ ان کے اظہار سے میری زبان قاصر ہے۔ میں نے علی گڑھ سے متعلق بہت کچھ سنا تھا، موافق بھی اور مخالف بھی، لیکن اگر علی گڑھ یہی ہے جس کا ایک مظاہرہ آج میری آنکھیں دیکھ رہی ہیں تو میں وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ علی گڑھ سے عنقریب حیات نو کا چشمہ پھوٹے گا اور گلستان اسلام کو سیراب کر کے اسے نیا رنگ وآب بخشے گا۔''

''میرے عزیزو! اسلام اور ملت کی بہت سی امیدیں تم سے وابستہ ہیں، آئندہ قوم کی فلاح و بہبود اور اس کے احیاء وبقا کا بوجھ تمہارے کندھوں پر پڑنے والا، اسلام اور وطن کو تم سے یہ توقع ہے کہ جب موقع آئے تم لبیک کہنے کے لئے تیار رہو۔'' مندرجہ بالا تقریر کے دوران فضا اللہ اکبر اور ظفر علی خان زندہ باد، زمیندار پائندہ باد کے نعروں سے مسلسل گونجتی رہی۔

تقریر کے بعد مولانا نے شہر سے آنے والی پبلک کا شکریہ ادا کیا اور طلباء کا جلوس کار کو دھکیلتا ہوا آہستہ آہستہ یونیورسٹی کی طرف، رینگنے لگا، ڈیڑھ میل کا راستہ ایمان افروز نعروں اور نغموں سے گونجتا رہا۔ اسٹیشن سے اولڈ بوائز لاج کے مہمان خانے تک پہنچتے پہنچتے تقریباً دو گھنٹے لگ گئے۔ جلوس کے وہاں پہنچنے سے پہلے ہی مولانا کی قیام گاہ پر ممبران سٹاف کی ایک بہت بڑی تعداد اور طلبا کا ایک عظیم مجمع موجود تھا۔ یہاں بھی حاضرین کو معزز مہمان نے ایک مختصر سی انتہائی بلیغ تقریر سے نوازا۔ آپ نے انہیں وہ بھولا ہوا سبق یاد دلایا جو آقائے عرب وعجم نے ساڑھے تیرہ سو سال پیشتر عالم انسانی کو دیا تھا۔ اساتذہ اور طلباء کو علی گڑھ کی دیرینہ روایات اور مسلمانوں کے فرائض یاد دلاتے ہوئے فرمایا کہ حق کی راہ میں جو اذیت پہنچے، برداشت کر کے ثابت قدم رہنے میں کامیابی ہے۔ مولانا نے خطاب کے بعد حاضرین کا شکریہ ادا کیا۔ بیشتر حضرات رخصت ہوگئے۔ مگر مغرب تک آنے جانے والے طلباء اور شہریوں کا تانتا بندھا رہا۔

یونیورسٹی یونین میں ۲۴ ؍نومبر (۱۹۳۴ء) کی تقریر

کم وبیش چالیس سال کی مدت کے بعد مولانا نے علی گڑھ کا یہ پہلا دورہ یونیورسٹی کی پراصرار دعوت پر کیا تھا۔لہٰذا اس دورہ کا مرکزی اجتماع اور حاصل کوئی دو گھنٹہ کا وہ خطاب تھا جو ۲۴ ؍نومبر کی شام کے آٹھ بجے آپ نے یونین ہال میں کیا تھا۔تقریر کے آغاز سے کوئی گھنٹہ بھر پہلے ہی سارا ہال، گیلریاں اور برآمدے کھچا کھچ بھر چکے تھے۔مولانا تقریر سے قبل ’’ممتاز ہاؤس‘‘ کی طرف سے کھانے پر مدعو تھے، کھانے سے فارغ ہونے کے بعد اپنے رفیق سفر مولانا عبدالحنان کے ساتھ یونین کے نائب صدر، سیکرٹری اور دیگر سرکردہ ارکان سٹاف وطلباء کی معیّت میں ٹھیک آٹھ بجے یونین ہال میں رونق افروز ہوئے۔گرم جوش تالیوں اور نعروں سے ہال گونج اٹھا، یہ حرارت بخش سلسلہ ختم ہوا تو نائب صدر جناب عثمان انصاری نے کرسیٔ صدارت کو زینت بخشی، پلول ضلع گوڑ گاواں کے مولانا عبدالقادر (متعلم بی.ٹی) نے اپنے لحن داؤدی میں تلاوت کلام پاک فرما کر سحر آگیں کیفیت طاری کردی۔اس کے بعد ایسے مواقع پر اکثر کام آنے والے خوش گلو جناب عبدالرحیم نے برادر مکرم جناب محمد شریف چشتی کی لکھی ہوئی دلکش استقبالی نظم انتہائی پرسوز لہجے میں پڑھی۔یہ نظم جو کئی سو کی تعداد میں چھپوالی گئی تھی۔جلسہ کے آغاز پر مجمع میں تقسیم ہو چکی تھی۔نظم کی شان نزول، لکھنے والے کے خلوص، پڑھنے والے کے ترنم، سننے والوں کے ذوق اور موقع ومحل نے مل جل کر ایک سماں باندھ دیا تھا جو دیر تک لوگوں کو یاد رہا۔نظم کی ایک مطبوعہ نقل سنہری فریم میں لگا کر ہدیہ عقیدت کے طور پر چشتی صاحب کی طرف سے مولانا کی خدمت میں پیش کی گئی جسے پرشور تالیوں کی گونج میں موصوف نے شرف قبول بخشا۔

اس کے بعد صدر جلسہ کی اجازت سے حکیم عبداللہ خان نصر صاحب نے ایک تعارفی تقریر میں مولانا کے زندگی بھر کے کارنامے اور قربانیاں گنانے میں ذرا طوالت اختیار کی تو مجمع بے تاب ہوگیا، شور مچ گیا، لوگ اپنے اور مولانا کے درمیان کسی اور کو دیر تک حائل دیکھنے کے موڈ میں نہیں تھے۔سامعین کا یہ رنگ دیکھ کر مجبوراً حکیم صاحب بیٹھ گئے۔حقیقتاً مولانا کی ذات گرامی کسی تعارف کی محتاج بھی نہیں تھی، صاحب صدر نے موقع کی نزاکت بھانپ کر مولانا سے التجا کی کہ وہ خطاب فرمائیں۔

مولانا کی تقریر جو کوئی دو گھنٹے جاری رہی، جتنی پر جوش تھی اتنی ہی مدلل اور بصیرت افروز بھی تھی، کامل سکوت، گہری عقیدت اور انتہائی دلچسپی سے سنی گئی۔ شریف چشتی کی استقبالی نظم میں مولانا کو مخاطب کر کے کہا گیا تھا:

آ ہمیں دے جا رسول اللہ کا کوئی پیام ہم میں وقف جانکنی دے جا حیات نو کا جام

مولانا کی تقریر ''رسول اللہ ﷺ کا پیام'' بھی تھی اور ''حیات نو کا جام'' بھی۔ اس جامع و مانع تقریر میں اسلامیان ہند اور عالم اسلام کو درپیش اہم مسائل پر فکر انگیز روشنی ڈالی گئی تھی۔ امت مسلمہ کے ناگفتہ بہ حال کے خدوخال، روشن ماضی کے آئینہ میں دکھا کر صرف احساس زیاں ہی کو تیز تیز نہیں کیا گیا تھا بلکہ ایک انتہائی تابناک مستقبل کی بشارت بھی دی گئی تھی۔ مولانا نے دوران خطاب واضح کیا کہ قرن اوّل کے مسلمان اگر انتہائی بے سروسامانی کے باوجود تھوڑی سی مدت میں آباد دنیا کے بہترین اور بیشتر حصے پر چھا گئے تھے تو اس کا راز دامن اسلام سے کامل وابستگی اور رسول اللہ ﷺ سے عشق تھا، آج بھی اگر ہم دنیا میں سر بلند ہونا اور رہنا چاہتے ہیں تو اسی ایمان، اسی ولولے اور جذبے سے کام لینا پڑے گا۔ جو ہمارے اسلاف کرام کا طرّہ امتیاز تھا۔ آپ نے فرمایا کہ اس یونیورسٹی کے نوجوان کا فرض ہے کہ ان روایات کو زندہ رکھیں جن کی وجہ سے یونیورسٹی اور اس کے عظیم بانی کا نام آج تک روشن ہے۔

پھر مولانا نے ان خطرات کی طرف اشارہ فرمایا جو ملت اسلامیہ عموماً اور اس کے نوجوان طبقے کو خصوصاً درپیش ہیں۔ یہ خطرات گناتے ہوئے آپ نے سب سے پہلے انگریز پرستی اور انگریز کی ساختہ پرداختہ قادیانی نبوت اور قادیانی امت کا خصوصی ذکر کیا۔ آپ نے فرمایا کہ قادیانی نبوت اسی دور کا سب سے بڑا فتنہ ہے، انگریز نے یہ فتنہ اپنے اقتدار کو استحکام اور دوام بخشنے کے لئے برپا کیا ہے۔ اگر قادیانی اپنے بے بنیاد، لچر اور لاطائل دعاوی اور نظریات اپنے آپ تک ہی محدود رکھتے تو شاہد ہم تعرض نہ کرتے۔ مگر انگریز کی مربیانہ سرپرستی میں ان لوگوں نے اب کھلم کھلا مسلمانوں کی متاع دین وایمان پر ڈاکہ ڈالنا شروع کر دیا ہے۔ قادیانیوں کا ایمان ہے کہ انگریز کی اطاعت نہ کرنے والا کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہے۔ (شیم شیم کے آوازے) ان کے نبی کا کہنا ہے کہ ہر وہ شخص جو اس کی (جھوٹی اور خودساختہ) نبوت پر ایمان نہیں لاتا، خواہ وہ قطب شمالی میں رہتا ہے یا قطب جنوبی

میں مشرق میں جی رہا ہے یا مغرب میں، خواہ اس نے مرزا قادیانی کا نام سنا ہے یا نہیں سنا، حرام زادہ اور ''ذریۃ البغایا'' (بازاری عورتوں کی اولاد) ہے۔ (شیم شیم شیم) مولانا نے فرمایا کہ جب قادیانیوں کے عقائد اصولی طور پر مسلمانوں کے معتقدات سے یکسر مختلف ہیں تو انہیں کیا حق پہنچتا ہے کہ وہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ جیسی اسلامی درسگاہوں میں اسلام کا پرفریب لبادہ اوڑھ کر آئیں اور اپنے ملحدانہ نظریات کے جراثیم کھلم کھلا پھیلاتے پھریں؟ (قہر میں ڈوبی ہوئیں آوازیں ''کوئی حق نہیں''، ''ہم ہرگز یہ گوارہ نہیں کریں گے) مولانا نے تقریر جاری رکھتے ہوئے کہا کہ قادیانی اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کر کے سرکاری حلقوں میں اعتماد حاصل کرتے ہیں اور اپنی انگریز پرستی اور رجعت پسندی کے صلے میں تمام اعلیٰ سرکاری مناسب اور آسامیوں پر ہاتھ صاف کر کے مسلمانوں کو ان کے جائز سے محروم کرتے ہیں۔

متنبّی قادیان کی تعلیمات کا ذکر کرتے ہوئے آپ نے بتایا کہ انگریز کو اپنے اقتدار کے استحکام کے لئے ضرورت تھی کہ مسلمان اپنے دل سے جہاد بالسیف کا عقیدہ نکال دیں۔ جب تک مسلمان کا قرآن پر ایمان اور اس کے دل میں قرآن لانے والے خدا کے آخری نبی کی محبت کا بے پناہ جذبہ موجود ہے، یہ کیوں ممکن ہے۔ انگریز نے ایک مغل زادے کی پیٹھ ٹھونک کر اس سے نبوت کا دعویٰ کرایا۔ اس (جھوٹے) نبی نے اپنی (نام نہاد) نبوت کا مقصد جہاد کو منسوخ کرنا بتایا۔ نبوت کے اس مدعی کو آسمان برطانیہ سے یہ ''وحی'' نازل ہوئی ہے ''**الیوم حرام علی المسلمین ان یحاربوا الدین** ''اس تک بند ''نبی'' نے اس عربی وحی کا ترجمہ اپنے ایک اردو شعر میں خود یوں کیا کہ:

چھوڑ دو اب دوستوں جہاد کا خیال　　دیں کے لئے حرام ہے اب جنگ اور جدال

(ضمیمہ تحفہ گولڑویہ ص۲۶، خزائن ج۱۷ص۷۷)

مولانا جب اس انداز میں قادیانی عقائد وتعلیمات کے بخئے ٹانکے ادھیڑتے جارہے تھے تو چند قادیانی طلباء نے جو یونین ہال کی پچھلی اور بغلی نشستوں پر دبکے بیٹھے تھے، اکا دکا کھسکنا شروع کر دیا تو پہچانے گئے اور عام لعن طعن کے ریلے میں روپوش نہیں بلکہ فرار ہوگئے۔

پروفیسر محمد حاذق کی مداخلت

اس مرحلے پر شعبہ فارسی کے پروفیسر محمد حاذق جو خود کٹر مسلمان اور انتہائی سلجھے

ہوئے اساتذہ میں سے تھے اٹھے اور مولانا سے بادب التجا کی کہ وہ یونیورسٹی یونین کی روایات، جس کے بانیوں میں سے وہ (مولانا) خود بھی ہیں، احترام کریں اور ایسے اختلافی مسائل پر اظہار رائے سے احتراز فرمائیں جو یونیورسٹی میں زیر تعلیم مختلف فرقوں کے درمیان تلخی پیدا کر کے یونیورسٹی کی فضا کو مکدر کرنے کا باعث ہوں۔ لیکن ننانوے فیصد طلبا کا جوش وخروش اور بگڑتے تیور دیکھ کر پروفیسر صاحب حرف مطلب پوری طرح ادا بھی نہ کر پائے تھے کہ خاموش ہوکر بیٹھ گئے۔ مولانا نے پروفیسر صاحب کو یقین دلایا کہ انہیں نہ صرف اس یونین کی روایات کا پورا پورا احترام ملحوظ ہے بلکہ وہ عقیدۃً مسلمانوں کے تمام فرقوں کے درمیان کامل یگانگت اور صلح وصفائی کے نہ صرف قائل ہیں بلکہ عادتاً اس کے مبلغ بھی ہیں۔ لیکن یہ کیوں کر ممکن ہے کہ محمد عربی کی ختم المرسلینی پر ایمان نہ رکھنے والے ایک باطل گروہ کو جس کا نبی الگ ہے جس کی وفاداری کا مرکز قادیان کی راہ سے لندن ہے، جس کا شعار انبیاء کو گالیاں دینا اور جس کا جزو ایمان نصاریٰ کی غلامی ہے، ان کو صرف اس لئے معاف کر دیا جائے کہ وہ اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں۔ جناب پروفیسر صاحب یاد رکھئے کہ مسلم یونیورسٹی ایک اسلامی ادارہ ہے۔ اگر اس کی آستین میں سانپ پلنے لگے تو نہ صرف یہ کہ اس ادارے کا اسلامی تشخص ہی ختم ہو جائے گا اس کی اس یونین کی وہ روایات بھی بے معنی ہوکر رہ جائیں گی جن کا آپ کو اس قدر پاس ہے۔

مولانا نے اپنے موقف کی مزید وضاحت کرتے ہوئے بتایا کہ انگریز کو تو خوب معلوم ہے کہ قادیانی نبوت کیوں وجود میں لائی گئی ہے اور قادیانی امت کیا ہے؟ ماتم کا مقام یہ ہے کہ بھولے بھالے مسلمان اس نبوت اور اس نبوت کی حلقہ بگوش امت کے مقاصد سے آشنا نہ ہونے کی وجہ سے ان کے ہاتھوں اپنی ہی تباہی وبربادی کو دعوت دے رہے، تقریر جاری رکھتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ سر ظفر اللہ خاں جو قادیانی ''نبی'' کے غالی پیروکاروں میں سے ہے، جو مسلمانوں کو کافر سمجھتا ہے۔ ''مسلمان'' کا لیبل اپنے ماتھے پر چسپاں کر کے خود مسلمانوں کی خود فراموشی کے طفیل وائسرائے کی ایگزیکٹو کونسل میں پہنچا ہے اور اس کونسل میں وہ مسلمانوں کی نہیں صرف قادیانیوں کی نمائندگی اور انگریزی استعمار کی جڑیں مضبوط کرنے کے لئے موجود ہے۔

سوشلزم، کمیونزم ایتھیزم وغیرہ

قادیانیوں کے مشئوم مقاصد اور طریق واردات کی سیر حاصل نقاب کشائی کے بعد آپ نے ’’سوشلزم‘‘، ’’کمیونزم‘‘، ’’ایتھیزم‘‘ (Atheism) اور اس قسم کے دیگر غیر اسلامی نظریات پر انتہائی فکر انگیز اور بصیرت افروز خیالات کا اظہار فرمایا۔ آپ نے وضاحت کی کہ یہ ساری ’’ازمیں‘‘ مغربی تہذیب اور طرز فکر کے شجر خبیث ہی کے برگ وبار ہیں اور صرف ان دلوں اور دماغوں میں راہ پاتی ہیں جن میں ایمان اور اسلام کی روشنی نے گھر نہیں کیا۔ آپ نے فرمایا کہ اگر آج کے نوجوان نے اسلام اور قرآن کا بغور مطالعہ کیا ہوتا یا محمد رسول اللہ ﷺ کی روشن سیرت پر ایک نگاہ ڈالی ہوتی تو وہ اس قسم کی آوارہ خیالی میں ہرگز مبتلا نہ ہوتا۔ آپ نے اس موضوع پر اپنے ارشادات کو جاری رکھتے ہوئے فرمایا کہ جہاں لینن اور مارکس کے دعاوی صرف زبانی جمع خرچ ہیں، محمد عربی ﷺ نے جو کہا کر دکھایا۔ جو تعلیم دی وہ اور ان کے صحابہؓ اس کا مکمل نمونہ تھے۔ آپ کی تعلیم کی حقانیت اور سیرت طیبہ کا اعجاز یہ ہے کہ اسود واحمر ایک ہوگئے۔ فساد بندہ وآقا مٹ گیا۔ محمود وایاز ایک ہی صف میں کھڑے ہوگئے۔ بلال حبشی اور سلمان فارسی ہم مرتبہ ٹھہرے، بڑائی کا معیار مال ودولت یا کوئی اور مادی برتری نہیں بلکہ صرف اور صرف خوف خدا اور عمل صالح قرار پایا۔ ’’ان اکرم عنداللہ اتقکم ‘‘ مولانا اس موضوع پر خاصی دیر تک حقائق ومعارف کا دریا بہاتے رہے۔ ہر ہر نکتے پر باذوق سامعین ’’واہ واہ‘‘ اور سبحان اللہ! کہہ کر اپنی تائید وتحسین کا اظہار کرتے رہے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ دل کی آواز دلوں میں گھر کر رہی ہے۔ علی گڑھ یونین نے یہ ایمان افروز سماں شاذ ہی دیکھا ہوگا۔

مولانا عبدالحنّان کی تقریر

مولانا ظفر علی خان کی تقریر کے بعد مولانا کے ہم سفر اور رفیق سیاست مولانا عبدالحنان تقریر کے لئے اٹھے۔ ان صاحب کی تقریر اس غلط فہمی پر شروع ہوئی تھی کہ (خدا نخواستہ) پروفیسر حاذق قادیانی ہیں یا قادیانی جماعت سے کوئی بالواسطہ یا بلاواسطہ تعلق رکھتے ہیں۔ یہ مفروضہ درست نہ تھا، بات صرف اتنی ہی تھی کہ موصوف عام پڑھے لکھے مسلمان کی طرح روایتی رواداری یا ’’وسیع القلبی‘‘ کا شکار تھے۔ مولانا حنّان نے پروفیسر حاذق کو بطور

خاص مخاطب کرتے ہوئے بتایا کہ قادیانی اپنے آپ کو مسلمان نہیں ''احمدی'' کہتے ہیں اور جس ''احمد'' کی نسبت سے وہ ''احمدی'' بنتے ہیں وہ ''وہ احمد'' نہیں جس کی نوید عیسیٰ علیہ السلام نے دی تھی بلکہ قادیان کا ''غلام احمد'' ہے جس نے ''غلام'' ہوتے ہوئے آقا کی مسند پر چھاپہ مارنے کی ناقابل معافی جسارت کر ڈالی ہے۔ قادیانی تمام مسلمانوں کو ''حرام زادہ'' اور ان کی ماؤں بہنوں کو سورنیاں اور کتیاں کہتے ہوئے نہیں جھجکتے۔ ان کے ''پیغمبر'' کی انہیں یہی تعلیم وتلقین ہے۔ مولانا نے پروفیسر حاذق سے سوال کیا کہ کیا آپ اس کے باوجود ان دریدہ دہن لوگوں کو جبراً کھینچ کھینچ کر دائرہ اسلام میں لانے اور اپنے سینے سے لگانے پر مصر ہیں؟ مولانا نے سلسلہ تقریر کو جاری رکھتے ہوئے حاذق صاحب کو بتایا کہ خود مسلم یونیورسٹی کے طبیہ کالج میں ان دنوں کیا ہو رہا تھا؟ مولانا نے ایک انتہائی تکلیف دہ واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے سامعین کو آگاہ کیا کہ طبیہ کالج کا ایک طالب علم اپنی کاپی پر مولانا ظفر علی خان کا مشہور شعر:

نور خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن ۔۔۔ پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

کلاس روم میں بیٹھا لکھ رہا تھا کہ پاس بیٹھے ایک قادیانی نے چیخ کر کہا ''خاک نور خدا پر'' (نعوذ باللہ) اور اس شعر کے لکھنے والے پر۔ یہ سن کر مسلمان طالب علم مشتعل ہوگیا۔ سخت الفاظ کے تبادلے کے بعد ہاتھا پائی تک نوبت پہنچ گئی۔ سوئے اتفاق سے کالج کا پرنسپل (ڈاکٹر عطاء اللہ بٹ) غالی اور زہریلے قسم کا قادیانی ہے اور سٹاف کی اکثریت بھی اسی کی ہم مذہب ہے۔ قادیانی طالب علم دوڑا دوڑا پرنسپل کے پاس پہنچا اور مسلمان طالب علم کے خلاف جا بے جا شکایت کی۔ پرنسپل صاحب جو مسلمانوں کی تذلیل پر ہمیشہ ادھار کھائے بیٹھے رہتے تھے۔ اس سنہری موقع کو کیوں ہاتھ سے جانے دیتے۔ جھٹ غریب مسلمان طالب علم پر دس روپے جرمانہ کر دیا اور دوسرے غیر قادیانی طلباء پر سختیاں شروع کر دیں گئیں۔

اب حالت یہ ہے کہ کالج کے مسلمان طلبا پر عرصہ حیات تنگ ہے اور قادیانی کھلے بندوں ہر طرح انہیں تنگ کرتے رہتے ہیں۔ مولانا حنان نے پروفیسر حاذق کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ جناب یہ آپ کی ''رواداری'' ہی کا نتیجہ ہے کہ ایک اسلامی ادارے میں بھی مسلمان بچوں کو چین اور اطمینان کی سانس لینا نصیب نہیں۔ مولانا نے اور بہت سی نئی اور مفید باتیں جن سے قادیانی اخلاق اور کردار پر روشنی پڑتی تھی، سامعین کو بتائیں اور کوئی دس بجے شب کے لگ بھگ دعا پر تقریر ختم ہوئی۔

آخر میں صاحب صدر نے پروفیسر حاذق ہی کو معزز مہمانوں کا شکریہ ادا کرنے کو کہا۔ حاذق صاحب نے اٹھتے ہی سب سے پہلے اس غلط فہمی کا ازالہ کیا جو مولانا ظفر علی خان کی تقریر کے دوران جناب حاذق کی مداخلت سے پیدا ہوگئی تھی۔ پھر آپ نے نہایت ہی باوقار اور دلکش انداز میں مولانا کے قوم پر احسانات اور ملت و وطن کے لئے بے بہا قربانیوں کا اعتراف کرتے ہوئے اساتذہ، طلبا اور عہدے داران یونین کی طرف سے مولانا کا شکریہ ادا کیا۔ جس کے بعد نعرہ ہائے تکبیر اور ظفر علی خان زندہ باد کے درمیان، صاحب صدر نے جلسہ برخاست کیا۔

۲۵؍نومبر کی روداد

۲۴؍نومبر (۱۹۳۴ء) یونین کے جلسہ کے اختتام پر ہی اعلان ہوچکا تھا کہ ۲۵؍نومبر کو دس بجے قبل از دوپہر ''وقار الملک'' ہال میں مولانا تقریر ارشاد فرمائیں گے۔ اس تقریر سے قبل ''آفتاب ہوسٹل'' کے طلبا کی استدعا پر مولانا نے ناشتہ پر تشریف لانا منظور فرما لیا۔ ہوسٹل کے وارڈن جناب ظہیر احسن اور شریف چشتی صاحب انہیں ان کی قیام گاہ سے لاکر ہوسٹل کے مین گیٹ پر پہنچے تو ہوسٹل کے تقریباً تمام طلبا نے آگے بڑھ کر پرتپاک استقبال کیا۔ طلبا مولانا کے ساتھ اور مولانا طلبا کے ساتھ اس طرح بے تکلف اور شیر و شکر نظر آرہے تھے کہ گویا وہ علی گڑھ سے کبھی گئے ہی نہ تھے۔ مولانا حقّہ کے رسیا تھے، ناشتہ کے بعد جب چشتی صاحب نے مولانا کا یہ شعر پڑھا:

حقّہ پیتا ہوں تو اڑ جاتے ہیں سکھوں کے دھوئیں ۔۔۔ خالصہ جی کی قضا میری کرامات سے ہے

تو حسن طلب کے انداز میں مولانا کے چہرے پر ایک دلآویز مسکراہٹ کھیل گئی۔ ہوسٹل کے مغربی ونگ میں ایک منجھے ہوئے ''حقّہ باز'' جناب غلام حسین کشمیری کے کمرے میں حقّہ تازہ کر کے مولانا کے سامنے رکھ دیا گیا۔ یہاں کوئی نصف گھنٹہ طلبا اور مولانا کی نشست رہی۔ دس بجے کے قریب مولانا ''وقار الملک ہال'' تشریف لے گئے۔ یہ ہال جو سٹریچی ہال کے بعد یونیورسٹی کے تمام ہالز میں سب سے بڑا ہال ہے۔ گیلریوں سمیت کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ محترم مہمان کا ہال اسی احترام اور گرم جوشی سے ہوا جس کا مظاہرہ گزشتہ شب یونیورسٹی یونین میں ہوچکا تھا۔ یہاں بھی طلبا کے علاوہ بہت سے ممبران سٹاف اور معززین شہر موجود تھے۔

اساتذہ میں پروفیسر محمود احمد صاحب، پروفیسر عمرالدین، پروفیسر عبدالمجید قریشی پرووسٹ ''سی'' ہال، مولانا محمد عقیل پروفیسر دینیات قابل ذکر ہیں۔ مسٹر جمیل احمد صدر ''سی'' ہال کے ایما پر ایک قاری طالب علم نے تلاوت کلام پاک سے جلسہ کی کارروائی کا افتتاح کیا۔ پروفیسر محمود احمد نے تعارفی کلمات ادا کئے۔ اس کے بعد صاحب صدر کی استدعا پر مولانا نعرۂ ہائے تکبیر کی گونج اور پرزور تالیوں کے شور میں تقریر کے لئے اٹھے۔

آپ نے خطبۂ مسنونہ کے بعد جلسہ گاہ کے نام کی مناسبت سے نواب وقارالملک مرحوم کا ذکر خیر کیا۔ پھر سیدؒ اور اپنے استاذ مولانا شبلی نعمانیؒ کی خدمات جلیلہ کی تفصیل بیان کی، اس ضمن میں آپ نے علی گڑھ کالج کے قیام اور مسلم یونیورسٹی کے بلند مقاصد کی طرف طلبا کی توجہ مبذول فرماتے ہوئے جلسہ میں موجود فرزندان اسلام کو وہ پیمان یاد دلایا جو تمام انسانوں کی روحوں نے روز الست اپنے پروردگار سے باندھا تھا۔ پھر فرمایا کہ مسلمان اور غلامی دو متضاد چیزیں، مسلمان نہ صرف خود آزاد رہنے کے لئے پیدا ہوا ہے بلکہ پوری نوع انسانی کو غیراللہ کی غلامی اور بندگی سے نجات دلانے کا بھی پابند ہے۔ جس طرح اس کا رسول ﷺ رحمت اللعالمین ہے۔ مسلمان بھی بنی نوع انسان کے لئے رحمت بن کر آیا ہے۔ ہندوستان مسلمان سے چھینا گیا ہے۔ اس کو آزاد کرانے کا فرض بھی سب سے بڑھ کر اسی پر عائد ہوتا ہے۔ تقریر اتنی مؤثر اور دل نشیں تھی کہ لوگ جھوم رہے تھے۔ آپ نے آخر میں طلباء سے ہاتھ اٹھوا کر حلف لیا کہ وہ رب کعبہ کے سوا کسی اور کے آگے اپنی گردن خم نہیں کریں گے اور حرمت رسول ﷺ پر کٹ مرنے کو اپنی سب سے بڑی سعادت سمجھیں گے۔ کوئی ساڑھے گیارہ بجے دعائے خیر پر مولانا کی تقریر ختم ہوئی۔ مسٹر جواہر بخش سیکرٹری ''سی'' ہال یونین نے معزز مہمان کا شکریہ ادا کیا اور صاحب صدر نے جلسہ برخاست ہونے کا اعلان کیا۔

جامع مسجد علی گڑھ شہر کا عظیم الشان جلسہ

شہر کے مسلمانوں کو حضرت مولانا کے ارشادات سننے کا کچھ کم اشتیاق نہ تھا۔ ان کی توکوشش یہ تھی کہ مولانا پہلے شہر تشریف لے چلیں، مگر طلبا کا جوش اور والہانہ عقیدت انہیں پہلے یونیورسٹی لے گئی اور مولانا کے نزدیک بھی طلبا کا حق فائق تھا۔ مولانا کے علی گڑھ وارد ہوتے ہی شہر اور یونیورٹی میں یہ اعلان ہوچکا تھا کہ ۲۵؍نومبر کو بعد از نماز عشاء شہر کی جامع مسجد میں

ان کی تقریر ہوگی۔ نماز عشاء تک کم وبیش دس ہزار شہری مسجد کے اندر اور باہر جمع ہوچکے تھے۔ ۹ بجے شب کے بعد طلبا یونیورسٹی کی حدود سے باہر نہ جاسکتے تھے، نہ رہ سکتے تھے بایں ہمہ جلسہ گاہ میں طلبا بھی خاصی تعداد میں موجود تھے۔ مقامی قومی کارکن حافظ محمد عثمان نے اتنے بڑے جلسہ کو کامیاب کرنے کے لئے ان تھک محنت کی تھی۔ اسٹیج کے چاروں طرف یونیورسٹی کے طلبا کا حلقہ تھا اور سامنے مسجد کے باہر کھلے چوک میں تاحدّ نظر شہر کے ہر حصے سے آنے والے ہزاروں سامعین مولانا کی ایک جھلک دیکھنے اور ان کی تقریر سننے کے لئے جمع تھے۔

جلسہ کی کارروائی تلاوت کلام پاک سے شروع ہوئی۔ ایک صاحب نے مولانا کی مشہور نعت ''وہ شمع اجالا جس نے کیا چالیس برس تک غاروں میں'' دل کش ترنم سے پڑھ کر سامعین کا ایمان تازہ کیا۔ حافظ عثمان نے لوگوں کے اصرار پر محمد شریف چشتی کی لکھی ہوئی استقبالی نظم جو یونیورسٹی یونین کے اجتماع میں پڑھی گئی تھی، عبدالرحیم صاحب ہی دوبارہ سنوائی۔ یہ نظم یہاں بھی بے حد مقبول ہوئی۔ نعت اور نظم کے بعد صدر جلسہ نے مولانا عبدالحنّان سے تقریر کی استدعا کی۔ مولانا حنّان نے حاضرین کو اہم مسائل حاضرہ سے آگاہ کیا اور ان مشکلات وخطرات کے مقابلے کے لئے تیاری کی تلقین کی جو ملک وملت کے دشمنان دین وملت کی طرف سے پیش آسکتے تھے۔

مولانا حنّان کی تقریر کے بعد مولانا ظفر علی خان کا خطاب شروع ہوا جو یونیورسٹی یونین کے مقابلے میں زیادہ آزاد فضاء کے لئے بہت زیادہ مناسب اور موزوں تھا۔ خطبۂ مسنونہ کے بعد فرمایا کہ میں اگرچہ مدت مدید کے بعد علی گڑھ آیا ہوں۔ لیکن علی گڑھ کی سدا بہار یاد میرے دل میں ہمیشہ تازہ رہی ہے۔ تعلیم تو میں نے (سرسید کے) کالج میں پائی ہے۔ مگر میں اس شہر کے کوچے کوچے سے واقف ہوں۔ اس شہر سے مجھے اتنی ہی محبت ہے جتنی آپ میں سے کسی کو ہوسکتی ہے۔ علی گڑھ کو جو شہرت اور اہمیت حاصل ہے۔ وہ صرف اور صرف مسلم یونیورسٹی کی رہین منت ہے۔ یونیورسٹی کی عزت ہی سے آپ کے شہر اور شہر کے مسلمانوں کی عزت، یونیورسٹی پر کوئی آنچ آئے تو اس سے آپ کی عزت پر بھی حرف آتا ہے۔ آپ کا فرض ہے کہ یونیورسٹی کے معاملات میں گہری دلچسپی لیں۔ آپ حضرات ہر ممکن حد تک اس بات کا خیال رکھیں کہ یونیورسٹی کورٹ یا دیگر شعبہ جات کوئی ایسا قانون پاس یا لاگو نہ ہو جس سے اسلام اور مسلمانوں کے کسی ادنیٰ سے ادنیٰ مفاد پر بھی کوئی زد پڑتی ہو۔

تقریر جاری رکھتے ہوئے آپ نے آیۂ استخلاف پڑھ کر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے ایمان اور عمل صالح کی شرط پر خلافت عطا فرمانے کا حتمی وعدہ کیا ہے۔ اگر آج کا مسلمان قرون اولیٰ کے مسلمان کے نقش قدم پر چل نکلے تو اقتدار اور حکومت خود بخود اس کے قدموں میں آجائے۔ اس مرحلے پر طلبا کی طرف سے چٹیں آنا شروع ہوگئیں جن میں استدعا کی گئی تھی کہ قادیانیت کے خطرے سے شہر کے مسلمانوں کو بھی خبردار کیا جائے۔ مولانا نے فرمایا میں اس طرف بھی آرہا ہوں۔

مولانا نے نہایت بھرپور انداز میں قادیانی دجل وفریب کا پردہ چاک کیا۔ آپ نے فرمایا کہ یہ باطل پرست اور گمراہ طائفہ اسلام کا جامہ اوڑھ کر اسلام ہی کی بیخ کنی کرنے نکلا ہے۔ قادیانیوں کے عقیدے میں ہر وہ مسلمان جو نبی اکرم ﷺ کی ختم نبوت پر ایمان رکھتا اور مرزا غلام احمد قادیانی کی جھوٹی نبوت پر ایمان نہیں لاتا۔ ''حرام زادہ'' اور دائرہ اسلام سے خارج ہے۔ ایک طرف تو ان بدزبانی اور سفلہ پن کا یہ عالم ہے اور دوسری طرف وہ مسلمانوں کے غم خوار بھی بنے پھرتے ہیں۔ اسلام کا لیبل لگا کر کونسلوں اور اسمبلیوں میں مسلمانوں کی نمائندگی کے لئے جا پہنچتے ہیں۔ ان کی یہ کوشش رہتی ہے کہ ہر اسلامی ادارے میں گھس کر قادیانیت کے جراثیم پھیلائیں اور تو اور علی گڑھ مسلم یونیورسٹی بھی جو عصری علوم وفنون کا واحد ملک گیر ادارہ ہے۔ قادیانیوں کی نقب زنی سے نہیں بچ سکا۔ اس پر بھی اب ان کی کھلم کھلا یورش ہورہی ہے۔ یونیورسٹی کا طبیہ کالج ان کی کمین گاہ بن چکا ہے۔ اس میں مسلمان طلباء پر میرا ایک شعر لکھنے پر دس روپے جرمانہ کر دیا جاتا ہے۔ اگر اس ستم ناروا پر مظلوم طالب علم فریاد کرے تو اس کی سزا یونیورسٹی سے اخراج ٹھہرتی ہے۔ میں آپ لوگوں سے پوچھتا ہوں کہ کیا علی گڑھ یونیورسٹی قادیانی یونیورسٹی ہے؟ اگر نہیں اور ہرگز نہیں تو اس قادیان نوازی کا کیا سبب ہے؟ بات صرف یہ ہے کہ سر ظفر اللہ قادیانی جس کو خود مسلمان کی بے حمیّتی نے وائسرائے کی ایگزیکٹو کونسل تک پہنچا دیا ہے۔ مرکزی حکومت اور اس کی وساطت سے صوبائی حکومتوں پر اثر انداز ہورہا ہے۔ ارباب یونیورسٹی اس خدشے میں مبتلاء نظر آتے ہیں کہ اگر ہم نے قادیانیوں کو لگام دی تو ظفر اللہ برہم ہوگا۔ اس کی برہمی انگریز کو ناراض کردے گی اور یونیورسٹی کو جو برائے نام گرانٹ ملتی ہے وہ کہیں کم یا بند نہ ہوجائے۔ اگر یونیورسٹی کے مسلمان طلباء کی متاع دین وایماں کو داؤ پر لگا کر ہی یونیورسٹی کامیابی سے چل سکتی ہے تو ایسی سوچ رکھنے والے اسلام اور

مسلمان بچوں پر ظلم کر رہے ہیں اور بے حد تباہ کن راستے پر پڑ لئے ہیں۔

پھر آپ نے مرزا غلام احمد کی اس دریدہ دہنی کا ذکر کیا جو اس نے عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ مریم علیہا السلام کے باب میں روا رکھی ہے۔ اس مرحلے پر مولانا نے ''زمیندار'' کے سنڈے ایڈیشن میں شائع شدہ وہ مکتوب مفتوح پڑھ کر سنایا جو آپ نے بزبان انگریزی ملک معظم جارج پنجم اور ان کی وساطت سے ساری مسیحی دنیا کے نام لکھا تھا۔ اس پر ایک قادیانی بلبلا اٹھا۔ وہ جمے ہوئے جلسہ کو درہم برہم کرنے کی نیت سے اٹھا تھا مگر مسلمانوں کے جوش وخروش نے اسے خاموش کر کے فوراً بٹھا دیا۔ مرزئے آنجہانی کی بدکلامی کا حال سن کر چاروں طرف سے لعنت ونفرین کے آواز بلند ہونا شروع ہوگئے۔ آخر میں مولانا نے مندرجہ ذیل مفہوم کے دو ریزولیوشن پیش کئے جو اتفاق رائے سے منظور ہوئے۔

اوّل: مسلم یونیورسٹی کے سٹاف سے تمام قادیانیوں کو نکال دیا جائے اور قادیانی طلبا کو یونیورسٹی میں مرزائے قادیاں کی خرافات پھیلانے کی اجازت نہ دی جائے۔

دوم: یونیورسٹی کورٹ سے ظفر اللہ خان قادیانی کو نکال دیا جائے۔ اس لئے کہ وہ تمام مسلمانوں کو کافر اور دائرہ اسلام سے خارج سمجھتا ہے۔ اس کو کوئی حق نہیں پہنچتا کہ ''کافروں'' کی درسگاہ کے معاملات میں کسی قسم کا دخل دے سکے۔ ان قراردادوں پر روشنی ڈالتے ہوئے مولانا نے فرمایا کہ سرسید مرحوم ومغفور نے علی گڑھ کالج کے لئے انتہائی جانفشانی سے ملک کے قریے قریے میں جا کر چندہ جمع کیا تھا۔ ان کی یہ دلی خواہش تھی کہ یہ کالج مسلمانوں کے تمام فرقوں کا مرکزی کالج ہو اور ان کے فرقہ وارانہ مناقشات مٹانے میں اہم رول ادا کر سکے۔ سرسید نے اسی نقطہ نظر کی پیروی میں تمام فرقوں سے چندہ لیا تھا اور سب فرقوں نے بطیّب خاطر چندہ دیا تھا۔ مرحوم کو چندہ اکٹھا کرنے میں خاص مہارت حاصل تھی۔ وہ امیر اور غریب ہر مسلمان تک پہنچے تھے۔ ان دنوں علی گڑھ میں ایک طوائف چندر بھاگا رہتی تھی، اس نے جب دیکھا کہ سید موصوف ایک انتہائی نیک اور بلند قومی مقصد کے لئے چند جمع کر رہے ہیں تو اس کا دل پسیجا اور اس نے بھی اس مد میں پانچ سو روپے کی (اس زمانے میں ایک خطیر) رقم پیش کر دی۔ چونکہ مذکورہ طوائف یہ رقم بڑے خلوص اور دلی عقیدت سے دی تھی۔ سرسید قبول کرنے سے انکار نہ کر سکے۔ موصوف نے اس رقم سے پکی بارک کے سامنے بیت الخلا تعمیر کروا دیئے۔ بخلاف اس کے مرزا قادیانی کا کردار ملاحظہ ہو کہ انہیں جب ایک طوائف نے ''تبلیغی مقاصد'' کے لئے ایک رقم دی تو اس رقم

سے آپ نے اپنا دستر خوان سجا کر اپنی شکم پری کا سامان کر لیا۔

چونکہ سرسید کی زندگی میں مرزا قادیانی نے اپنے آپ کو رتبہ نبوت پر فائز نہیں کیا تھا اور اس وقت تک محض ''مناظر و مبلغ'' اسلام کی حیثیت سے متعارف تھے۔ سرسید چندہ حاصل کرنے کی امید میں ان کے پاس بھی گئے اور کہا کہ آپ جو اس درجہ اسلام کی حمایت کا دم بھرتے ہیں۔ علی گڑھ کالج کے لئے کچھ امداد دیجئے۔ مرزائے آنجہانی سرسید کو جو جواب دیا۔ وہ مسلمانوں کو آج تک نہیں بھولا۔ اس نے کہا کہ ''میں اس مقصد کے لئے ایک کوڑی دینا بھی حرام سمجھتا ہوں'' سرسید نے کہا کہ بھئی ایک پائی ہی دے دو کہ نام تو ہو جائے اور علی گڑھ کالج پر تمام مسلمانوں کا کالج ہونے کا اطلاق ہو سکے۔ لیکن آفرین باد کہ مرزا قادیانی نے ایک پھوٹی کوڑی تک بھی نہ دی اور کیوں دیتے وہ تو کچھ عرصہ بعد تمام مسلمانوں کو'' کافر اور حرام زادہ'' قرار دے دینے والے تھے۔ مولانا نے یہ واقعہ بیان کر کے فرمایا کہ جب یہ حقیقت ہے کہ قادیانیوں کے ''نبی'' نے کالج کے لئے ایک کوڑی تک بھی نہیں دی تو انہیں کیا حق پہنچتا ہے کہ مسلم یونیورسٹی کے سٹاف میں اسلام کا لبادہ اوڑھ کر داخل ہوں اور ہزاروں روپے جو غریب مسلمانوں کی جیب سے نکلتے ہیں۔ ماہوار تنخواہ کے طور پر ہتھیا لیا کریں۔ ظفر اللہ کو کیا حق کہ وہ اس یونیورسٹی کی کورٹ کی ممبری کا لطف اٹھائے۔ اس ضمن میں آپ نے طبیہ کالج کے قادیانی پرنسپل کی ستم آرائیوں کا تذکرہ بھی کیا اور بتایا کہ ظالم مسلمان لڑکوں پر ظلم بھی ڈھاتا ہے۔ مگر ساتھ ساتھ یہ ہدایت بھی کرتا ہے کہ:

نہ اف کیجئے اور نہ بٹ کیجئے

اس پر ایک معمّر بزرگ نے اٹھ کر کہا کہ مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ ڈاکٹر بٹ کا مقاطعہ کریں۔ ان کو بغرض مشورہ وطبی امداد ہرگز اپنے گھروں پر نہ بلائیں اور نہ ہی ان کی فارمیسی سے دوائیں خریدیں۔ اس وقت جلسہ میں بے حد جوش وخروش کا عالم تھا اور نعرہ ہائے تکبیر مسلسل بلند ہو رہے تھے۔ آخر میں آپ نے مسلمانوں کو اپنی تجارتی بنیادیں استوار کر کے اقتصادی حالت بہتر بنانے کی بھی پرزور تلقین کی اور یہ مشورہ کہ روپے میں کم از کم بارہ آنے کا مال غیر مسلم کی بجائے مسلمان سے خریدا جائے۔ مقصد ہندو کا مقاطعہ نہیں بلکہ مسلمان کی مالی حالت سدھارنے کے لئے قلیل المیعار ترجیحی سلوک کی ایک صورت ہے، رات کے بارہ بجے دعا پر جلسہ ختم ہوا۔

مولانا کی سادہ طبعی اور نوجوانوں سے محبت

جلسہ اس رات بہت دیر تک جاری رہا تھا طلبا کو واپس یونیورسٹی پہنچنے کے لئے شہر میں کوئی یکّہ، تانگہ یا اور سواری نہ ملی تو پیدل بھی چل دیئے۔ چند قدم چل کر ایک آدھ تانگہ دکھائی دیا تو طلبا نے مولانا اور ان کے رفقاء کو سوار کرنا چاہا، مگر نوجوانوں سے محبت اور طبعی سادہ منشی کی وجہ سے آپ نے پیدل واپس جانے کو زیادہ پسند فرمایا۔ طلبا نے عرض کیا کہ آپ سفر مسلسل مصروفیت اور جلسوں میں تقریریں کے باعث خاصے تھک چکے ہیں، ازراہ کرم پیدل نہ چلیں۔ طلبا کے بے حد مجبور کر دینے کے بعد آپ بادل ناخواستہ تانگہ پر واپس اپنی قیام گاہ تک پہنچے۔

۲۶ رنومبر کو افتاب ہوسٹل کا ہنگامہ اور بعد میں پرامن جلسہ

۲۴ رنومبر کو یونیورسٹی یونین میں مولانا کے خطاب کے بعد اعلان ہوچکا تھا کہ ۲۶ رنومبر (۱۹۳۴ء) کو بعد نماز مغرب ''آفتاب مجلس'' کے زیر اہتمام آفتاب ہوسٹل میں بھی مولانا کا لیکچر ہوگا۔ یاد رہے کہ ''آفتاب مجلس'' یونیورسٹی یونین کے بعد طلبا کا سب سے بڑا منتخب ادارہ تھا۔ جو ''آفتاب ہال'' میں شامل تمام ہوسٹلوں (میکڈانلڈ ہوسٹل، وی.ایم ہوسٹل، ماریسن کورٹ، محمود انیکسی، ڈیوٹی ہوسٹل وغیرہ) کے ڈیڑھ دو ہزار اقامتی طلبا کی نمائندگی کرتا تھا۔ اس مجلس کا نائب صدر اور ارکان کابینہ ہر سال سرگرم انتخابی مہم کے ذریعے منتخب ہوا کرتے تھے۔ البتہ صدر، ہال کا پرووسٹ بلحاظ عہدہ (ox-officio) ہوتا تھا۔ ان دنوں آفتاب ہال کے پرووسٹ محترم پروفیسر محمد صاحب تھے۔ حبیب صاحب، مرنجان مرنج، خلیق، شفیق اور ملنسار قسم کے اساتذہ میں ممتاز تھے۔ ان کی تنخواہ کا خاصا بڑا حصہ نادار مگر ہونہار اور باکردار طلبا کی مدد امداد کی نذر ہو جاتا تھا۔ طبعاً ہنگاموں سے دور رہتے اور طلبا کو بھی ہمیشہ سلامت روی کا پابند رکھنے اور دیکھنے کے قائل تھے۔ موصوف ۲۴ رنومبر کے یونیورسٹی یونین کے پرخروش جلسے اور ۲۵ رنومبر والے شہر کے اجتماع کا حال سن چکے تھے۔ ان دونوں اجتماعات نے یونیورسٹی کے قادیانی اساتذہ اور طلبا کو انگاروں پر لوٹا رکھا تھا۔ ان کی کوشش تھی کہ یونیورسٹی حدود میں کوئی اور جلسہ نہ ہونے پائے۔ یہ لوگ مسٹر رامزے بوتھم پرووائس چانسلر اور حبیب صاحب کے پاس پہنچے۔ دونوں کے سامنے بات کا بتنگڑ بنایا گیا اور امن وسکون کا واسطہ دے دونوں کو اتنا بھڑکایا گیا کہ حبیب صاحب نے بلحاظ صدر آفتاب مجلس، اس مجلس کے زیر اہتمام ۲۶ رنومبر کے جلسے کی اجازت

دینے سے انکار کردیا۔ موصوف کا مؤقف یہ تھا کہ قادیانی جو کچھ بھی ہیں۔ بہرحال اقلیت میں ہیں۔ ان کی دلآزاری نہیں ہونی چاہئے۔ آفتاب ہال کے مسلمان طلبا کا ایک نمائندہ وفد بھی حبیب صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا۔ وفد کے ارکان نے ان پر واضح کیا کہ آپ جو دو اور صرف دو قادیانیوں (عبدالسلام اور عبدالمنان) کی دلآزاری پسند نہیں فرماتے، مجوزہ جلسہ روک کر آفتاب ہال کے ڈیڑھ دو ہزار مسلمان طلبا کی دل آزاری اور دل شکنی کیونکر گوارا کرسکیں گے؟ بڑی بحث وتمحیص اور ردّوکد کے باوجود حبیب صاحب نے جلسہ کی اجازت نہ دی۔ اس انکار نے آفتاب ہال ہی نہیں یونیورسٹی کے طول وعرض میں خفگی اور بےچینی کی لہر دوڑادی۔ ہر طرف سے اصرار تھا کہ جلسہ ضرور ہونا چاہئے۔ آفتاب مجلس کے منتخب نائب صدر سے مطالبہ کیا کہ طلباء نے بذریعہ ووٹ ان پر جس اعتماد کا اظہار کیا ہے اس کو ٹھیس پہنچا کر مجلس کے وقار کو برباد نہ کریں۔

یونیورسٹی کے طلبا کی غالب اکثریت جو جلسہ منعقد کرانے پر تلی ہوئی تھی۔ آفتاب ہال کے مرکزی بورڈنگ ہاؤس ’’آفتاب ہوسٹل‘‘ کے وسیع دالان میں جمع ہوچکی تھی۔ طلبا کا تہیہ تھا کہ اگر آفتاب مجلس کے ہال میں جلسہ کرنے کی اجازت کسی صورت بھی نہ ملی تو کھلے میدان ہی میں مولانا کی تقریر ضرور ہوگی۔ مولانا کو جب اس صورتحال سے آگاہ کیا گیا تو انہیں حبیب صاحب کے روّیہ پر افسوس ہوا۔ آپ چار بجے کے قریب آفتاب ہوسٹل تشریف لے آئے۔ طلباء نے آپ کا والہانہ استقبال کیا اور آپ کو آفتاب ہوسٹل کی بالائی منزل پر مسجد میں لے گئے جہاں کے اجتماع نے ہر رسمی تکلف کے بغیر جلسہ کی صورت اختیار کرلی۔

مولانا کی تقریر اور تقریر کے دوران قادیانیوں کی طرف سے ہنگامے کی ناکام کوشش

مولانا نے خطبہ مسنونہ کے بعد فرمایا کہ میں ایک بڑی لمبی مدت کے بعد اپنی شدید قسم کی مشکلات اور مصروفیات کے باوجود یہاں کے مسلمان طلباء کے پیہم اصرار پر علی گڑھ آیا ہوں جو لوگ یہ کہتے یا سمجھتے ہیں کہ میں مسلمان اور قادیانی طلبا کو آپس میں لڑانا چاہتا ہوں، مجھے غلط سمجھے ہیں اور میرے ساتھ شدید ناانصافی کررہے ہیں۔ میں تو فقط یہ چاہتا ہوں کہ جو مسلمان طالب علم ملک کے دور دراز گوشوں سے اس قومی درس گاہ میں علم ودانش حاصل کرنے آتے ہیں۔ یہاں سے سرمایہ دین وایمان لٹا کر واپس نہ جائیں۔ مسلمانوں کی متاع دین وایمان کو یونیورسٹی کے اسلام دشمن عناصر سے جو خطرات درپیش ہیں ان سے مسلم طلبا کو

خبردار اور محفوظ کرنا صرف میرا ہی نہیں خداوندان یونیورسٹی کا بھی مقدس فرض ہے۔ یہ کیسی مسلم یونیورسٹی ہے جہاں قادیانیوں، کیمونسٹوں، ملحدوں اور انگریز کے خوشامدیوں کو تو کھلی چھٹی ہے کہ ہر طرح کا شرّ پھیلاتے پھریں۔ مگر مسلم طلبا کو جو بلحاظ تعداد ننانوے (۹۹) فیصد ہیں۔ خاموش تماشائی بنے رہنے کی ہدایت کی جاتی ہے۔ یہ کیسی ''رواداری'' ہے کہ ''ختم نبوت'' اور دوسرے متفقہ دینی معتقدات کو پامال کرنے کی کوشش کو دیکھ کر بھی مسلمان اساتذہ اور طلبا ٹس سے مس نہ ہوں۔ تقریر جاری رکھتے ہوئے مولانا نے انگریز کی حکمت عملی، قادیانیت کی بنیاد، مرزائے قادیاں کی تعلیمات، قادیانیوں کے عقائد، اندرون اور بیرون ملک ان کی سازشوں، شعائر دین میں رخنہ اندازیوں اور طرح طرح کی فتنہ پردازیوں پر جب روشنی ڈالنی شروع کر دی۔ تو نبی قادیان کے خلیفہ اوّل حکیم نورالدین آنجہانی کا بڑا صاحبزادہ عبدالسلام عمر اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا کہ مولانا! مرزا قادیانی نے کب اور کہاں مسلمانوں کو ''حرام زادہ'' کہا ہے، ثابت کیجئے۔ ہماری کتابوں سے حوالے پیش کیجئے، آپ جو کچھ کہہ رہے ہیں، غلط ہے، غلط ہے۔

ایک اور کٹر قادیانی ڈاکٹر ابراہیم نے بھی جو یونیورسٹی طبیہ کالج کے سٹاف کا ممبر تھا۔ اٹھ کر اسی قسم کی رخنہ اندازی کی۔ اس نے کہا کہ مولانا اگر اس جلسہ کا کوئی صدر ہے تو اس کی اجازت سے میں بھی کچھ پوچھنا چاہتا ہوں۔ مولانا نے جواب میں فرمایا کہ یہ تقریر مسجد میں کر رہا ہوں، اس جلسہ کے صدر رسول اللہ ہیں اور نائب صدر میں ہوں، جو کچھ کہہ رہا ہوں، درست ہے اور اس کے ثبوت میں بے شمار حوالے مرزا قادیانی کی کتابوں، رسالوں اور اشتہاروں سے دیئے جا سکتے ہیں۔ آپ لوگ بیٹھ جایئے جلسہ کی کارروائی میں رخنہ نہ ڈالیں۔ مگر ان قادیانیوں کو کسی حوالے وغیرہ کی ضرورت نہیں تھی وہ تو آئے ہی اس غرض سے تھے کہ جلسہ نہ ہونے دیں۔ عبدالسلام عمر ایک بار پھر تلملا کر کھڑا ہو گیا اور چلّانے لگا کہ ہم یہ جلسہ ہرگز نہیں ہونے دیں گے۔ دائیں بائیں بیٹھے مسلمان طلبا نے اسے بٹھانے کی کوشش کی۔ مگر جب اس نے اپنا شور وشغب جاری رکھا تو لوگ مشتعل ہو کر دونوں قادیانی شرپسندوں پر پل پڑے۔ مولانا درمیان میں حائل ہو گئے تا کہ ان پر تشدد نہ ہو، لیکن یہ دونوں باز نہ آئے۔ مولانا کی کوشش تھی کہ ان قادیانیوں کو اپنے پاس ذاتی حفاظت میں بٹھالیں اور جلسہ جاری رہے۔ لیکن عبدالسلام تن کر مولانا کے سامنے کھڑا ہو گیا اور طرح طرح کی ہفوات بکنے لگا۔ اگر مولانا

اس کو مشتعل ہجوم سے بچا کر الگ نہ کر دیتے تو علی گڑھ کے ''سپین'' کو فتح کرنے کا داعیہ لے کر آنے والا یہ مرزائی ''طارق'' اس روز بری طرح پٹ گیا ہوتا۔ مآل کار دونوں قادیانی ''دگھس بیٹھے'' جلسہ چھوڑ کر چلے گئے تو مولانا نے اپنی نامکمل تقریر پوری کی۔ عصر کی نماز کا وقت ہو چکا تھا۔ مولانا نے خود اذان دی۔ مولانا عبدالحنان کی اقتداء میں سب شرکائے جلسہ نے نماز عصر ادا کی اور سرشار قسم کی دعائے خیر کے بعد سوا پانچ بجے جلسہ ختم ہوا۔

طبیہ کالج کے مسلمان اساتذہ اور طلباء کی طرف سے چائے کی دعوت

جلسہ کے فوراً بعد سومنگ باتھ ریسٹورنٹ میں، طبیہ کالج کے مسلمان اساتذہ اور طلبا نے مولانا کے اعزاز میں ایک شاندار ٹی پارٹی دی۔ جنہیں جناب حکیم عبداللہ خان نصر، حکیم عبداللطیف فلسفی، حکیم ظہیرالدین خان اور مولانا عقیل کے علاوہ کچھ ممتاز طلبا مثلاً عنایت اللہ نسیم (راقم)، محمد شریف چشتی، حافظ فضل الرحمٰن انصاری، خالد سوہدروی، محمد امین کھوسو وغیرہ بھی شریک ہوئے۔ چائے کے بعد گروپ فوٹو لیا گیا جو ۲۹ رنومبر ۱۹۳۴ء کے ''زمیندار'' کی اشاعت خصوصی کے سرورق کی زینت بنا اور مولانا کے اپنے دورے کی تاریخی یادگار کی اہمیت کا حامل ہے۔

''سی'' ہال کی دعوت طعام

اسی روز بعد از مغرب مولانائے موصوف اپنے رفقا، مولانا حنان اور مشہور نومسلم انگریز ڈاکٹر خالد شیلڈریک وغیرہ کی معیت میں ''سی'' ہال کے پرووسٹ پروفیسر عبدالمجید قریشی کی طرف سے دی گئی دعوت طعام میں شریک ہوئے۔ کھانے کے بعد مولانائے محترم، ڈاکٹر خالد شیلڈریک اور میزبان تقریب پروفیسر قریشی صاحب نے انگریزی میں تقاریر کیں، جنہیں ''سی'' ہال کے طلبا نے انتہائی عقیدت اور اشتیاق سے سن کر بھرپور استفادہ کیا۔

۲۷ رنومبر کی متفرق مصروفیات

اگرچہ ۲۷ رنومبر کو کہیں کسی اجتماع یا تقریر کا پروگرام نہیں تھا۔ مختلف النوع سرگرمیوں نے مولانا کو خاصا مصروف رکھا۔ یونیورسٹی کے سینئر طالب علم اور سیاسی لحاظ سے انتہائی فارورڈ ذہن کے مالک جناب محمد امین کھوسو صاحب نے مولانا اور ان کے رفقا کو اپنے ہاں صبح کی چائے پر مدعو کر رکھا تھا۔ اس نشست میں حافظ فضل الرحمٰن انصاری، محمد شریف چشتی، ضیاء

الدین ابرو، حافظ محمد نسیم بھی موجود تھے۔ ملکی سیاست، ہندو مسلم تعلقات، یونیورسٹی کے اندر بعض تخریبی عناصر کی سازشیں اور سرگرمیاں وغیرہ زیر غور آئیں۔ بلوچستان کے ہر دل عزیز قائد یوسف علی خان مگسی، مصطفیٰ کمال اور سلطان ابن سعود بھی موضوع گفتگو بنے۔ یہ خاصی پر لطف اور دلچسپ صحبت کوئی ڈیڑھ گھنٹہ جاری رہی۔ جس کے مولانا اپنی قیام گاہ پر تشریف لے گئے۔ جہاں نماز ظہر تک یونیورسٹی اور شہر سے آنے والے ملاقاتیوں کا تانتا بندھا رہا۔

مجلس شبّان المسلمین کا قیام

تحریکیں اٹھانے اور جماعتیں بنانے میں مولانا اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے۔ مولانا کی تقاریر اور ارشادات سے متاثر ہونے والے اکثر طلبا نے جب یہ تاثر دیا کہ وہ صرف ذہنی عیاشی ہی کے قائل نہیں بلکہ کسی تعمیری پروگرام پر عمل کرنے کے لئے بھی پوری طرح تیار ہیں تو مولانا نے وہیں ایک جماعت ''مجلس شبان المسلمین'' کی بنیاد رکھی اور اس کی کامیابی کے لئے دعا بھی فرمائی۔

تازہ کلام کا مطالبہ

سہ پہر تک کافی عقیدت مند جمع ہو چکے تھے۔ ان میں شعر وسخن سے دلچسپی رکھنے والے اساتذہ اور طلبا بھی موجود تھے۔ مولانا سے تازہ کلام کا تقاضا ہوا۔ لیکن موصوف گزشتہ چند روز سے بے حد مصروف ہونے کی وجہ سے کوئی نظم وغیرہ نہ لکھ سکے تھے۔ آپ نے اپنے مطبوعہ کلام ہی میں سے ایک دو نظمیں اور چند اشعار سنائے اور سخن فہم حضرات سے خراج تحسین وصول کیا۔ شعر وسخن کی اس مختصر سی نشست کے بعد اولڈ بوائز لاج کے سرسبز لان میں ایک گروپ فوٹو بھی لیا گیا۔

بعد از مغرب ایک پر لطف صحبت

فکر ونظر، علم وہنر، دین ودانش اور شعر وادب کی دنیا میں بلند مقام شخصیتوں سے آٹوگراف حاصل کرنے کا ''مرض'' عام ہے جو بیشتر پڑھے لکھے نوجوانوں اور کالج کے طلبا میں ہر جگہ پایا جاتا ہے۔ بڑے لوگ چھوٹوں کے لئے کم آمیز بھی ہوتے ہیں اور دیریاب بھی۔ خود مولانا جو بین الاقوامی شہرت کے سیاسی قائد ہونے کے علاوہ ''ممتاز اولڈ بوائے'' بھی تھے۔ کم وبیش چالیس برس کے بعد علی گڑھ والوں کے ہاتھ لگے تھے۔ ان سے آٹوگراف لینے کا شوق حسن ذوق کی دلیل تھا۔ مولانا نے جن درجن بھر طلبا کو آٹوگراف سے نوازا۔ ان میں شریف چشتی صاحب بھی شامل تھے۔ جب یہ سلسلہ ختم ہوا تو طلبا میں سے ایک صاحب نے

مولانا کے استقبال میں لکھی اور پڑھی گئی مقبول نظم کے حوالے سے کہا کہ چشتی صاحب کی قومی اورملّی نظمیں خوب ہوتی ہیں۔ مولانا نے ازراہ شفقت فرمایا کہ: ’’بھئی کچھ ہمیں بھی سناؤ‘‘ چشتی صاحب جو ابھی نومشن طالب عالم تھے۔ ایک شہنشاہ سخن، ارتجال گو اور قادر الکلام شاعر کی اس فرمائش پر کچھ سمٹے سکڑے تو آپ نے ازراہ حوصلہ افزائی فرمایا کیوں جی! سناتے کیوں نہیں؟ الامر فوق الادب! جناب شریف چشتی کو تعمیل کرنی پڑی۔ دو تین نظمیں سنائی گئیں، جو پسند کی گئیں۔ آخری نظم کا مقطع تھا۔

کچھ حمیّت ہے تو اس داغ غلامی کو مٹا ڈیڑھ سو سال سے ہے جو تیری پیشانی پر

ساری نظم خصوصاً مقطع میں خود مولانا کا رنگ جھلک رہا تھا، نظم مکمل ہوچکی تو فرمایا کہ آپ ایک شعر تو بھول ہی گئے۔ چشتی صاحب نے کہا ’’قبلہ وہ کیا؟ برجستہ فرمایا:

نسب حضرت عیسیٰ پر اچھالا کیچڑ زد یہ خود پڑتی ہے مرزائیوں کی نانی پر

یہ شعر سن کر ساری محفل کشت زار زعفران بن گئی۔

خان عبدالغفار خان کا علی گڑھ میں ورود اور یونیورسٹی یونین میں تقریر

سرخ پوش لیڈر خان عبدالغفار خان المعروف سرحدی گاندھی بھی ۲۷/نومبر کو دوپہر میل ٹرین سے علی گڑھ پہنچ گئے تھے۔ اسی روز شام کے سوا آٹھ بجے یونین ہال میں ان کی تقریر ہونا تھی۔ مولانا سے بھی شمولیت کی استدعا تھی۔ تقریر کے آغاز سے چند منٹ مولانا بھی یونین ہال تشریف لے گئے۔ جونہی موصوف عقبی دروازے سے ہال میں داخل ہوئے۔ تمام طلبا احتراماً کھڑے ہوگئے اور ان کے تشریف فرما ہونے تک پورا ہال تالیوں سے گونجتا رہا۔ اس بار بھی طلبا کی طرف سے تپاک اور گرم جوشی کا وہی عالم تھا جس کا مظاہرہ اسی ہال میں ۲۴/ کی شام کو ہوا تھا۔

ایس ایس ہال کا ڈنر

خان موصوف کی تقریر کے بعد دونوں رہنما ایس ایس ہال کے ڈنر میں شریک ہوئے۔ دونوں کی نشست ساتھ ساتھ تھی۔ ان کے دائیں بائیں صوبہ سرحد کے طلبا اور سامنے دوسرے طلبا اور چیدہ چیدہ ممبران سٹاف کی نشستیں تھیں۔ ڈنر کے بعد خان صاحب نے اپنے مخصوص لب ولہجہ میں ایک مختصر سی تقریر فرمائی۔ جب ساری تقریب مکمل ہوچکی تو خان صاحب نے ’’زمیندار‘‘ سے تازہ ضمانت طلبی اور اس کے پریس کی ضبطی پر زبانی اظہار ہمدردی کے

ساتھ ۵۰ روپے کی رقم بطور چندہ بھی مولانا عبدالحنّان کے ہاتھ میں تھما دی۔

۲۸/نومبر مولانا کے قیام علی گڑھ کا آخری دن

۲۸/نومبر علی گڑھ میں مولانا کے قیام کا پانچواں اور آخری دن تھا۔ اس روز دو بجے کی ٹرین سے مولانا کی واپسی کا پروگرام بن چکا تھا۔ لہٰذا ملاقاتیوں کا سلسلہ دیر تک جاری رہا۔ ملاقاتیوں مسٹر سمپسن (Simpson) ایک نوجوان نومسلم انگریز بھی شامل تھا۔ جو غالباً مسٹر خالد شیلڈریک (مشہور نومسلم انگریز) کی مساعی سے دائرہ اسلام میں داخل ہوئے تھے۔ دوپہر کے کھانے کے بعد مولانا نے رخت سفر بندھوایا، قیام گاہ سے ریلوے اسٹیشن تک الوداع کہنے والوں کا جم غفیر بگّوں اور سائیکلوں پر سوار آپ کے ہمراہ تھا۔ ٹرین کی آمد سے کچھ دیر پہلے ایک گروپ فوٹو اتارا گیا۔ مولانا نے سب حضرات نے معانقہ یا مصافحہ کرتے ہوئے گرم جوشانہ استقبال کیا۔ مہمان نوازی اور مخلصانہ الوداع کا شکریہ ادا کیا۔ طلبا اور پوری یونیورسٹی کے لئے نیک تمناؤں کا اظہار فرمایا۔ اتنے میں ٹرین آ چکی تھی۔ چیدہ چیدہ حضرات مولانا کے کمپارٹمنٹ تک ساتھ تھے، باقی تمام نیازمند ٹرین کے روانہ ہونے تک پلیٹ فارم پر مولانا کی نشست کے سامنے جمع رہے۔ گارڈ نے سبز جھنڈی اونچی کر کے سیٹی بجائی تو ایک بار پھر پورا اسٹیشن ''اللہ اکبر''، ''ظفر علی خان زندہ باد'' کے حیات بخش نعروں سے گونج اٹھا۔ ٹرین نے پلیٹ فارم چھوڑا تو تمام نیازمند ایک عمیق احساس وداع کے ساتھ اپنے اپنے ہوسٹلوں اور گھروں تک واپس جانے کے لئے منتشر ہو گئے۔

مولانا کے (پہلے) دورہ علی گڑھ کے عظیم نتائج

حضرت علامہ اقبالؒ کو مسلمان طالب علم سے شکایت تھی کہ وہ ''کتاب خواں'' ہے مگر ''صاحب کتاب نہیں'' اور دعا تھی کہ: ''خدا اسے کسی طوفان سے آشنا کر دے کہ اس کے بحر کی موجوں میں اضطراب نہیں'' (بتصرف قلیل) مولانا کے پہلے دورہ علی گڑھ کے اثرات ونتائج کے بارے میں یونیورسٹی کے مختلف حلقوں کے اندازے مختلف ہو سکتے ہیں۔ کیمونسٹ، سوشلسٹ، انگریز نواز اور خصوصاً قادیانی حضرات اگر اس دورے کو ناکام قرار دیں تو کوئی تعجب ہو سکتا ہے نہ افسوس! لیکن دیکھنے والی آنکھوں نے جن پر تعصب کی کوئی پٹی نہیں بندھی دیکھا کہ مولانا کے دورے سے علی گڑھ کے ساکن دریا میں موج در موج تلاطم کی کیفیت ہی

نہیں ہوئی بلکہ ایک مثبت انقلاب فکر ونظر بھی پیدا ہوا۔ مولانا کی ایمان افروز تقریروں نے جہاں لادین عناصر کے حوالے پست کئے۔ وہاں نام نہاد اسلام کا نقاب اوڑھ کر اسلام کی بیخ کنی کرنے والے ایک منظّم گروہ کے سارے منصوبے بھی خاک میں ملا دیئے۔ طلبا کی غالب اکثریت میں دین وملت کے لئے مرنے جینے کی تڑپ ہوگئی۔ یونیورسٹی کے اندر پرورش پانے والے تمام فتنوں کو بڑی حد تک استیصال ہوگیا۔ قلب ماہیت کی اس سے بڑھ کر اور کیا دلیل ہوگی کہ مولانا کی تقاریر سننے اور حقائق سے آشنا ہونے کے بعد یونیورسٹی میں قادیانیت کا طلسم ٹوٹ گیا اور اس شان سے کہ جب کسی بحث وتمحیص میں ایک نوجوان دوسرے کی کج بحثی سے پریشان ہوجاتا تو کج بحث کو خاموش کرنے کے لئے طنزاً کہتا کہ: ''تم انسان ہو یا قادیانی؟'' یا زیادہ بے تکلفی کے انداز میں ''ہٹ بے قادیانی کہیں کے'' اس سے بھی بڑھ کر یہ رنگ دیکھا کہ کسی مجلس میں شامل کوئی فرد جب اٹھ کر قضائے حاجت کے لئے بیت الخلا جانے لگتا تو یہ کہہ کر جاتا کہ ''بھی میں ابھی آیا۔ ذرا قادیان تک ہو آؤں۔''

نام نہاد ''ترقی پسند'' کیمونسٹ اور سوشلسٹ عناصر جو شعر وادب کی راہ سے لادینی اور آوارہ خیالی پھیلانے کے عادی تھے۔ اس دن سے بے وقار ہوگئے جب ''سی'' ہال کے ایک مشاعرے میں ایک نوجوان نے جوش ملیح آبادی کی ایک پوچ کفریہ نظم (خدا کے ساتھ ہم کھیلے ہوئے ہیں) سن کر جوش صاحب کی ٹوپی اتار لی اور دوسرے نے ان کی چمکدار چندیا کی تواضع تڑاخ پٹاخ چپتوں سے کردی۔ مولانا کے ایک مختصر سے دورے کے بعد یہ انقلاب جس قدر حیرت انگیز تھا اتنا ہی حوصلہ افزا بھی۔ طلبائے یونیورسٹی کا رخ مجموعاً ماسکو، لندن، قادیان اور وارادھا سے کعبہ کی طرف پھر گیا تھا اور جبیں خاک حرم سے آشنا ہوگئی تھی۔

مولانا کے دورے کے بعد قادیانی مفسدین کو یونیورسٹی کو یونیورسٹی طبیہ کالج یا کسی اور ادارے میں کھلم کھلا شر پھیلانے کی آئندہ جرأت نہ ہوئی۔ انتہاء یہ ہے کہ ڈاکٹر سر ضیاء الدین نے جب وائسرائے کی ایگزیکٹو کونسل کے رکن سر ظفر اللہ خان کو کچھ عرصہ بعد، علی گڑھ بلانے کا پروگرام بنایا تو سارے انتظامات مکمل ہوچکنے کے باوجود عین ایک دن پہلے بذریعہ تاریہ دورہ منسوخ کردیا۔ اسی طرح قادیانی سے آنے والے نام نہاد مرزائی ''طارق'' نے اپنی کشتیاں بھی جلائیں۔ مگر علی گڑھ کا ''سپین'' فتح کرسکنے کی بجائے خود ذلیل ہوا۔''

(مولانا ظفر علی خان اور ان کا عہد ص۴۳۸ تا ۴۶۶)

(۳) مسٹر ظفر اللہ خان اور قادیانیت کے سلسلہ میں مولانا ظفر علی خان کا مکتوب مفتوح بنام جارج پنجم شہنشاہ ہند تاجدار انگلستان

ظفر اللہ کا تقرر منسوخ کیا جائے اور قادیانیوں کو اقلیت قرار دیا جائے۔

مولانا ظفر علی خان پہلے فرد ہیں جنہوں نے سب سے پہلے احرار قادیان تبلیغ کانفرنس میں قادیانیوں کو اقلیت قرار دینے کی قرارداد پیش کی اور آپ نے اسی سلسلہ میں جارج پنجم کو بھی تاریخی مکتوب مفتوح تحریر کیا۔ جو زمیندار کی ۲۴ رنومبر ۱۹۳۴ء کی اشاعت میں شائع ہوا۔ جسے ضبط کر لیا گیا اور زمیندار کی بھی ضمانت ضبط کر کے مزید پانچ ہزار روپیہ کی ضمانت طلب کر لی گئی۔ اس تاریخی مکتوب کو ذیل میں درج کیا جارہا ہے۔ (اصل خط انگریزی میں تھا جس کا ترجمہ بھی ساتھ ہی شائع ہوا تھا)

''حضور والا! اس حیثیت سے کہ میں توحید کا ایک فرزند ہوں جس کے فرائض میں مسائل سیاسیہ پر قلم اٹھانا داخل ہے اور اس حیثیت سے کہ مجھے ہندوستان کے ان آٹھ کروڑ مسلمانوں کے عمیق ترین مذہبی احساسات پر عبور ہے جو حضور کو اپنا فرماں روا تسلیم کرتے ہیں، مجھے اجازت دیجئے کہ ایسے نازک اور اہم مسئلہ کے متعلق جس نے آج کل مسلمانان ہند کو بے حد پریشان کر رکھا ہے، حضور کی خدمت میں کچھ گزارش کروں۔

آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ ہم فرزندان اسلام جو قرآن مجید کو خدا کا آخری پیغام مانتے ہیں اور ان کتب سماوی پر بھی یقین رکھتے ہیں جو اس سے قبل نازل ہو چکی ہیں اور معتقدات مذہبی کے سلسلہ میں بہت سے امور ایسے ہیں جو ہمارے اور مسیحی اقوام کے درمیان قدر مشترک کا حکم رکھتے ہیں۔ مثلاً ہمارا یہ مذہبی عقیدہ ہے کہ بائبل بھی آسمانی کتاب ہے اور ہم حضرت عیسیٰ اور حضرت موسیٰ علیہما السلام کا اسلام کے اولوالعزم پیغمبروں کی حیثیت سے بدرجہ غائت احترام کرتے ہیں۔ مسیحیوں کی طرح ہمارا بھی عقیدہ ہے کہ حضرت مریم صدیقہ کے بطن سے حضرت مسیح معجزانہ طور پر انسانی ابوت کے منت کش ہوئے بغیر پیدا ہوئے۔ مسیحیوں کی

طرح ہمارا یہ مقدس فریضہ ہے کہ مریم صدیقہ کے جلیل القدر فرزند کی عزت کو ان تمام ناپاک دشمنان دین کے مفتریانہ اور کافرانہ حملوں سے بچائیں جو مریم صدیقہ پر فسق کی تہمت لگاتے ہیں اور مسیح ابن مریم کو ولدالزنا قرار دیتے ہیں۔ حضرت مسیح اور حضرت مریم صدیقہ کی مقدس ومبارک شخصیتوں پر گندہ دہان کفار کا یہ قرنہا قرن حملہ ہمارے دلوں میں غصہ اور غضب کا ایک طوفان بپا کر دیتا ہے اور ان کفرہ فجرہ کے اور ہمارے درمیان لامتناہی نفرت کی ایک ایسی خلیج حائل ہوچکی ہے جس پر کوئی پل نہیں باندھا جاسکتا۔

مسلمانان ہند کی طرف سے میں ادب کے ساتھ حضور کی توجہ ایک ایسے شخص کے اہانت آفرین ہذیانات کی طرف منعطف کرنے کی اجازت چاہتا ہوں جو ایک عامیانہ حیثیت سے تدریجی ترقی کرتا ہوا ناقابل رشک شدت کی بلندیوں پر پہنچ گیا اور جس نے قادیانیت کے نام سے ایک مبتدعانہ فرقہ کا پیشواء بن کر نہ صرف مسلمانوں بلکہ برعظیم ہند کی ساری آبادی کے مذہبی احساسات کو اپنی مغلّظ خرافات کا تختۂ مشق بنا کر اوران سب کی روحانی جمعیّت قلب میں ایک خلفشار عظیم پیدا کر دیا۔ اس شخص کا نام میرزا غلام احمد ہے جو صوبہ پنجاب کے ایک گاؤں قادیان میں پیدا ہوا تھا۔ اس نے دعویٰ کیا کہ مسیح موعود ہوں اور اس زمانہ میں بحیثیت پیغمبر کے مبعوث ہوا ہوں۔ اس نے سادہ لوح اور سریع الاعتقاد مریدوں کی ایک جماعت اپنے گرد جمع کر لی جو اس کے ہر لفظ کو وحی آسمانی کا درجہ دیتی ہے اور از بسکہ بڑا ہی چالاک تھا۔ اسی لئے غیر جانب دار سرکاری جرائم کی خفگی سے بچنے کے لئے اس نے تاج برطانیہ کی جان نثاری ووفاداری کے دعوے کو اپنی سپر بنا لیا۔ اس کے بعد اس نے کھلے بندوں اسلام، مسیحیت اور ہندودھرم پر جگر خراش حملے ایسے اشتعال انگیز الفاظ میں کرنے شروع کر دیئے جسے کوئی شریف آدمی جسے اپنے مذہبی جذبات کا ذرا سا بھی پاس ہو ان کی ہرگز تاب نہیں لاسکتا۔ مریم صدیقہ پر اس نے از راہ غایت دریدہ دہنی زنا کا الزام لگایا اور مسیح ابن مریم کی تصویر پر اس نے سر سے لے کر پاؤں تک سیاہی کی کونچی پھیر دی اور یہی قادیاں کے اس جھوٹے نبی کا سب سے بڑا شاہکار ہے۔ دنیائے اسلام نے بالاتفاق اسے اسلام کا سب سے بڑا دشمن قرار دیا اور طول وعرض عالم کے علمائے کرام نے اسے دجال کا لقب دیا۔ اس کے مرید جو پنجاب کی گزشتہ مردم شماری کے مطابق چھبیس ہزار نفوس ہیں۔ اس کے نقش قدم پر چل رہے ہیں اور اس کا موجودہ

جانشین مرزا محمود احمد جو مذہب کی حدود سے نکل کر سیاسیات عالیہ کے دنگل میں آن کودا ہے اور پنجاب گورنمنٹ سے دست وگریباں ہو رہا ہے۔ اسلام دشمنی اور مسیحی کی ان تمام روایات کو برقرار رکھے ہوئے ہے جو اسے ترکہ میں ملی ہیں۔

مرزا غلام احمد نے اکثر کتابیں لکھی ہیں اور اس کی تمام تصانیف میں جابجا اس بات کی شہادت ملتی ہے کہ اسلام کے معتقدات کے ساتھ اس کی دشمنی سوچی اور سمجھی ہوئی ہے۔ لیکن اس دشمنی کا سب سے نمایاں مظاہرہ وہ اس وقت کرتا ہے جب وہ مسیح علیہ السلام اور مریم صدیقہ پر حملہ آور ہوتا ہے۔ مثلاً اپنی کتاب ''چشمہ مسیحی'' میں میرزا غلام احمد حسب ذیل کفر بکتا ہے: ''مریم کو ہیکل کی نذر کر دیا گیا تھا۔ تاکہ وہ ہمیشہ بیت المقدس کی خادمہ ہو اور تمام عمر خاوند نہ کرے۔ لیکن جب چھ سات مہینے کا حمل نمایاں ہوگیا تب حمل کی حالت میں ہی قوم کے بزرگوں نے مریم کا یوسف نام ایک نجار سے نکاح کر دیا اور اس کے گھر جاتے ہی ایک دو ماہ کے بعد مریم کو بیٹا پیدا ہوا۔'' (چشمہ مسیحی ص۲۶، خزائن ج۲۰ ص۳۵۵،۳۵۶)

قرآن مجید کی صاف وصریح تعلیم کے خلاف مریم صدیقہ پر زنا کا کھلا ہوا الزام لگانے کے بعد میرزائے قادیاں مسیح علیہ السلام کی مقدس ذات پر جنہیں وہ ولدالزنا قرار دینے سے کبھی نہیں چوکتا۔ حسب ذیل اہانت آمیز حملہ کرتا ہے: ''ایسے ناپاک خیال اور متکبر اور راست بازوں کے دشمن کو ایک بھلا مانس آدمی بھی قرار نہیں دے سکتے تھے۔ چہ جائے کہ نبی قرار دیں۔'' (ضمیمہ انجام آتھم ص۹ حاشیہ، خزائن ج۱۱ ص۲۹۳)

''آپ کا خاندان بھی نہایت پاک اور مطہر ہے، تین دادیاں اور نانیاں آپ کی زناکار اور کسبی عورتیں تھیں جن کے خون سے آپ کا وجود ظہور پذیر ہوا۔''

(حاشیہ ضمیمہ انجام آتھم ص۷، خزائن ج۱۱ ص۲۹۱)

''عیسیٰ علیہ السلام شراب پیا کرتے تھے۔'' (کشتی نوح ص۶۶ حاشیہ، خزائن ج۱۹ ص۷۱)

''آپ کو گالیاں دینے اور بدزبانی کی اکثر عادت تھی ...... یہ بھی یاد رہے کہ آپ کو کسی قدر جھوٹ بولنے کی بھی عادت تھی۔'' (حاشیہ ضمیمہ آتھم ص۵ حاشیہ، خزائن ج۱۱ ص۲۸۹)

مریم صدیقہ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر میرزا غلام احمد کے ناپاک حملوں کی یہ صرف

چند مثالیں ہیں جس کا قلم برداشتہ اقتباس اس کی فحش کتابوں سے بمجوائے مشتے نمونہ از خروارے کیا گیا ہے۔ یہ کتابیں ہندوستان کے طول وعرض میں عمومی احتجاج کے علی الرغم کسی قسم کی روک ٹوک کے بغیر اشاعت پذیر ہورہی ہیں۔ کلیسائے عیسوی نے آپ کو حامی دین کا لقب کیا ہے اور ایک مسیحی تاجدار ہونے کی حیثیت سے آپ کا فرض اوّلین ہے کہ مسیح اور مریم کی عزت کو اس قسم کے ناپاک حملوں سے بچائیں۔ مسلمانان ہند کو یقین ہے کہ حضور اپنے نائب السلطنت لارڈ ولنگڈن کو یہ شاہانہ ہدایت فرما کر کہ اس بارہ میں بعجلت تمام تو مؤثر انسدادی تدابیر اختیار کی جائیں۔ اپنی مسلمان رعایا کو بطور خود مسیح ومریم علیہما السلام کی توہین کا سد باب کرنے کے قرآنی فریضہ سے سبکدوش ہوں گے۔

اس میں جناب کو ادب کے ساتھ اس واقعہ کی طرف متوجہ کرنا بھی میرا جسارت آمیز فرض ہے کہ جناب کے وزیر اہند سر سیموئیل میوز نے حال ہی میں سر فضل حسین کی جگہ جو نائب السلطنت کشور ہند کی کونسل میں حضور کی مسلمان رعایا کے مفاد کے نگہبان تھے۔ ایک قادیانی مسٹر ظفر اللہ خان کو نامزد کر دیا گیا ہے۔ یہ تقرر مسلمانان ہند کے ہمہ گیر احتجاج کو جس کا سلسلہ بدستور جاری ہے۔ یکسر نظر انداز کر کے عمل میں لایا گیا ہے کہ حضور کی مسلمان رعایا اس تقرر کی اس بناء پر مخالفت کر رہی ہے کہ مسٹر ظفر اللہ خان حلقہ اسلام سے خارج ہیں اور ظاہر ہے کہ نامسلمان ہو کر وہ وائسرائے کی کونسل میں مسلمانوں کی نمائندگی کرنے کا ہرگز ہرگز کوئی حق نہیں رکھتے۔ مسلمانوں کے اس احتجاج کی توثیق کے لئے یہ واقعہ موجود ہے کہ فرقہ قادیانیہ کا بانی اپنی کتاب حقیقت الوحی میں لکھتا ہے کہ: ''جو مجھ پر ایمان نہیں لاتا وہ کافر ہے۔'' (حقیقت الوحی ص۱۶۳، خزائن ج۲۲ ص۱۶۷ حاشیہ)

قادیانی عقائد کے ترجمان تشحیذ الاذہان ج۶ نمبر۸ میں قادیان کا جھوٹا نبی مسلمانوں کے ساتھ اپنے تعلقات کی نوعیت ذیل کے واضح اور پرزور الفاظ میں بیان کرتا ہے: ''ان مدعیان اسلام سے ہمارا کسی قسم کا کوئی تعلق نہیں۔ ان کے ساتھ ہمارے تعلقات کا انقطاع خود خدا کے احکام کے ماتحت عمل میں آیا ہے۔''

اپنی کتاب (آئینہ کمالات اسلام ص۵۴۷) پر میرزا غلام احمد اپنی عادت کے مطابق نہ صرف مسلمانوں بلکہ کل بنی نوع انسان کی تواضع ذیل کے مغلّظات سے کرتا ہے: ''تمام وہ

لوگ جو میری دعوت کو قبول نہیں کرتے حرام زادے ہیں۔‘‘

(آئینہ کمالات اسلام ص ۵۴۷، خزائن ج ۵ ص ۵۴۷، ۵۴۸)

قادیان کے اس جھوٹے نبی کا موجودہ خلیفہ میرزا محمود احمد اس ساری خرافات کی حرف بحرف تصدیق کرتا ہے اور اپنی کتاب آئینہ صداقت ص ۳۵ میں لگی لپٹی رکھے بغیر صاف اور غیر مشتبہ الفاظ میں اعلان کرتا ہے کہ تمام وہ لوگ جو میرے باپ کی نبوت پر ایمان نہیں لاتے کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔ حضور پر اب واضح ہو گیا ہوگا کہ سر سیموئیل میور، مسٹر ظفر اللہ خان کے لئے مسلمانان ہند کی نمائندگی کا مناسب تجویز کرنے میں ایک شدید غلط فہمی کا شکار ہوئے ہیں۔ اس لئے مسلمان قوم کی مخلصانہ گزارش واستدعا ہے کہ مسلمانوں پر جو ظلم عظیم روا رکھا گیا ہے۔ اس کی تلافی شاہی فرمان کے امضا سے فرمائی جائے۔ دنیائے اسلام نے اپنے خفیف بین الجماعتی اختلاف کو بالائے طاق رکھ کر مرزا غلام احمد اور اس کے پیروؤں کو دائرہ اسلام سے خارج کر دیا ہے اور مسلمانان ہند کو اس لحاظ سے حضور کی رعایا ہونے کی حیثیت سے حق پہنچتا ہے کہ فرقہ قادیانیہ کو ایک جداگانہ اقلیت قرار دیا جائے جس کو کسی حالت میں یہ اجازت نہ ہو کہ یہ برطانوی ہند کے شہری ہونے کی حیثیت سے اسلام کو اپنے دنیوی مفاد کا ذریعہ بنائیں۔ بالآخر مسلمانان ہند کی طرف سے معروضات کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

۱...... حضور حامئ دین ہیں۔ اس لئے حضور کا مقدس فرض ہے کہ اس کی عزت کی حفاظت کریں۔ جو بنی نوع انسان کا ایک بہت بڑا محسن اور ساری دنیا کے احترام کا مستحق ہے۔ قرآن مجید مریم صدیقہ اور مسیح علیہما السلام کو صدیقہ اور کلمۃ اللہ کے القاب سے یاد کرتا ہے۔ ان کی نسبت بکواس کی تاب مسلمانان ہند نہیں لا سکے۔ اس سلسلے میں جو تدابیر حضور عمل میں لائیں مسلمان بجاں سپاس گزار ہوں گے۔

۲...... ایک شاہی فرمان کے ذریعے ظفر اللہ خان کے تقرر پر خط تنسیخ کھینچا جائے۔ اس لئے یہ شخص مجبور ہے کہ اپنے عقیدہ کی رو سے ساری دنیا کے مسلمانوں کو کافر سمجھے۔

۳...... قادیانی ایک جداگانہ غیر مسلم فرقہ قرار دیا جائے۔ حضور کا نیازمند

خاکسار ظفر علی خان مدیر و مالک روزنامہ زمیندار ۲۲ر نومبر ۱۹۳۴ء

(مولانا ظفر علی خان اور ان کا عہد از نسیم سوہدروی ص ۴۷۵ تا ۴۷۸)

انا خاتم النبیین لا نبی بعدی

میں آخری نبی ہوں، میرے بعد کوئی نبی نہیں

اسلام اور قتل مرتد

مخالفین کے اعتراضات
اور
شریعت کی تصریحات

حضرت مولانا ظفر علی خان

ترتیب و تحقیق

جناب محمد متین خالد

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

افغانستان میں نعمت اللہ قادیانی کی سنگساری نے ان حلقوں میں جو آزادئ ضمیر کے نام سے شریعت غرّا کی سیزدہ صد سالہ روایات کو مسخ کرنے یا من مانی تاویلات کے سانچے میں ڈھالنے کے لئے ایک خاص قسم کی شہرت حاصل کر چکے ہیں۔ مخالفت کا ایک طوفان برپا کر دیا تھا اور پیروان دین حنیف کے کانوں میں یہ غیر مانوس صدائیں پڑنا شروع ہوگئیں کہ اسلام میں ارتداد کی سزا قتل نہیں ہے۔ شرع مبین کے علم برداروں کی غیرت اس سوفسطائی تحریف کی تاب نہ لاسکی اور انہوں نے قتل مرتد کے احکام شرح وبسط کے ساتھ پیش کر کے فریق ثانی کی غلط روش کو عالم آشکارا کر دیا۔ انکار واثبات اور ردوکد کا یہ جوش وخروش فریقین کو کچھ دیر تک گرم نزاع رکھ کر آخر امتداد زمانہ سے تھم گیا اور میرا خیال تھا کہ اب اس مسئلہ پر قلم اٹھانے کی ضرورت نہ پڑے گی۔ لیکن افسوس کہ کابل میں سنگساری کے جدید واقعات نے اس فتنہ خوابیدہ کو ازسرنو بیدار کر دیا ہے۔

پہلے واقعہ سنگساری پر تو مخالفت کی آواز علی العموم قادیانیوں اور بعض غیر مسلم حلقوں ہی کی طرف سے بلند ہوئی تھی لیکن موجودہ واقعہ پر بعض بلند مرتبت مسلمان بھی مخالفین کی ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے سنے جاتے ہیں۔ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ ان حضرات نے محض اجمالی مخالفت ہی پر کفایت نہیں کی بلکہ تفصیل وتشریح کا دامن تھاما اور امر وافتا کے منصب بلند کی حقیقی خصوصیات ولوازم سے بہت بڑی حد تک بے بہرگی یعنی علوم کتاب وسنت اور حقائق قرآن وحدیث سے ناواقفیت کے باوجود بزعم خود حجج وبراہین شرعیہ کے رو سے قتل مرتد کو غلط ثابت کیا۔ اپنی اس غیر مآل اندیشانہ روش سے انہوں نے ایک آزاد واسلامی سلطنت کے خلاف دشمنان اسلام کی فتنہ انگیزیوں کو دبانے کے بجائے اس آگ کو زیادہ بھڑکانے اور مشتعل کرنے کی راہ اختیار کی۔ ان حالات میں میرے لئے بجز اس کے اور کوئی چارہ نہیں کہ اس مبحث کے اطراف ونواحی پر ایک مبسوط مضمون سپرد قلم کروں۔

اس حقیقت کا شروع ہی میں بصد عجز اعتراف کر لینا ضروری ہے کہ میں مذہبی امور میں حکم بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا اور مصالح شریعہ پر مجھے ایسی نظر حاصل ہے کہ اس مسئلہ کو بہمہ وجوہ صحیح اور درست شکل میں قارئین کرام کے سامنے پیش کرنے کا دعویٰ زبان پر لاسکوں۔ یہ ان علمائے کرام کا کام ہے جن کی زندگیاں دینی علوم کے بے پایاں سمندر کی

شناوری میں بسر ہوچکی ہیں۔ محض عربی کے چند جملوں کو الٹا سیدھا پڑھ لینے یا مترجم قرآن ومترجم احادیث اور شروح وحواشی کتب دینیہ کی چندروزہ ورق گردانی سے یہ حیثیت حاصل نہیں ہوسکتی۔ تاہم دل اس بات کو گوارا نہیں کرتا کہ جن حضرات نے اپنے حقیقی دائرے سے متجاوز ہوکر شرعی امور کے فیصلے کا منصب اختیار کیا ہے اور قتل مرتد کے متعلق کتاب وسنت کی تصریحات، آئمہ وعلمائے اسلام کے متفقہ فیصلے اور اسلامی حکومتوں کے مستقل تعامل کے خلاف آواز بلند کی ہے، ان کے دلائل وبراہین کا اندازہ نہ کیا جائے اور یہ نہ دیکھا جائے کہ جو کچھ وہ فرمارہے ہیں اس کی حقیقی حیثیت کیا ہے؟

واقعہ سنگساری کے خلاف آواز بلند کرنے والوں کو سرسری طور پر تین گروہوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ پہلا گروہ مرزائیوں پر مشتمل ہے جس میں لاہوری اور قادیانی یکساں حیثیت سے شریک ہیں، دوسرا گروہ نامسلمانوں کا ہے جن میں سے بعض نے اپنے خیالات ومعتقدات کے مطابق نیک نیتی کے ساتھ اس کے خلاف احتجاج کیا ہے اور بقیہ اصحاب محض اس وجہ سے شور مچارہے ہیں کہ ان کے جذبہ معاندت اسلام اور داعیہ عداوت افغانستان کا تقاضا یہی ہے۔ تیسرے گروہ میں بعض مسلمان شامل ہیں، ان کے خیالات سامنے رکھنے سے یہ حقیقت الم نشرح ہوجاتی ہے کہ وہ قتل مرتد کے کچھ اس وجہ سے مخالف نہیں ہیں کہ شریعت کی تمام تصریحات وتوضیحات کا بہ امعان نظر مطالعہ کرنے کے بعد وہ اس نتیجہ پر پہنچے ہیں بلکہ اصلیت یہ ہے کہ ان کا دل دانستہ یا نادانستہ یورپ کے پیش کردہ مفہوم ''آزادی ضمیر'' سے متاثر ہوچکا ہے اور اس مادر پدر آزادی کی تائید کے لئے ان کی متفرنجانہ حیلہ جوئی نے بہ تکلف چند باتیں جمع کرلی ہیں جو ان کے نزدیک قتل مرتد کے عدم جواز کی تائید میں مسلّم الثّبوت شہادت کا حکم رکھتی ہیں۔

قادیانیوں کی مخالفت کو کسی طویل بحث کا موضوع قرار دینا سراسر موجب تضیع اوقات اور بالکل لاحاصل ہے۔ اس قوم کا یہ مخالفانہ روّیہ ارباب عقل وہوش کے لئے وجہ استعجاب بھی نہیں ہوسکتا۔ جو لوگ کسی وجہ شکایت کے بغیر آج تک ہمہ تن اسلام وجمعیۃ اسلامیہ کی مخالفت میں بازوئے کفر کی قوت وطاقت بنے رہے، جنہوں نے مسلمان کہلانے کے باوجود گزشتہ بیس پچیس سال کی مدت میں اپنے آپ کو کلیتہً طاغوت کے استحکام واستواری اور قوت حق کے استیصال وبیخ کنی کے لئے وقف رکھا، جو اسلام کی سب سے بڑی حکومت کو

پارہ پارہ کرنے والوں اور جزیرۃ العرب کے مختلف حصص پر قبضہ جمانے والوں کو آیہ ’’اولی الامر‘‘ کا صحیح مصداق (مصداق مان کر ان کی اطاعت) ان کی اطاعت وفرمانبرداری کو خدا اور رسول کی اطاعت وفرمانبرداری کا لاینفک جزو سمجھتے رہے، جن کی آنکھوں کے سامنے مولد وماورائے اسلام کفر کے سیلاب استعمار واستیلاء کی جولانگاہ بنا۔ مگر اس زہر گداز حادثہ پر ان کے دلوں میں دینی حمیّت کی کوئی خفیف سی تڑپ بھی پیدا نہ ہوئی بلکہ وہ اپنی سابقہ بے غیرتی میں زیادہ سخت وشدید ہوگئے۔ اگر آج وہ اپنے ہم مشربوں کی سنگساری پر روئیں، پیٹیں، چیخیں، چلّائیں، ایک آزاد، غیور اور خودمختار اسلامی سلطنت کے خلاف ناشائستہ کلمات استعمال کریں، اپنی دادرسی کے لئے نامرادانہ کفر کے دروازوں کی خاک چاٹتے پھریں تو اس پر تعجب کا کون سا مقام ہے؟

جب توقع ہی اٹھ گئی غالبؔ کیوں کسی کا گلہ کرے کوئی

رہا نفس قتل مرتد تو اس کی نسبت قادیانیوں سے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ابھی کل کی بات ہے کہ ان میں سے چند لوگ بہائی بن گئے تھے۔ ان بیچاروں کے ساتھ انتہائی بدسلوکیاں کی گئیں، ان پر نفرینوں اور لعنتوں کی بوچھاڑ کی گئی، انہیں مارا پیٹا گیا، بلکہ ایک روایت یہ ہے کہ انہیں مرتد قرار دے کر مستوجب قتل بھی مانا گیا۔ خدا نے گنجے کو ناخن ہی نہیں دیئے ورنہ اگر مرزابشیرالدین کے ہاتھ میں بھی امان الٰہی تلوار ہوتی تو نہ محض بہائیت اختیار کرنے والوں کے ساتھ بلکہ سارے مسلمانوں کے ساتھ وہی سلوک ہوتا جو قادیانیوں کے ساتھ کابل میں ہوا۔ عام مسلمانوں کے خلاف قادیانیوں کا بغض وعناد اور جوش غیظ وغضب خود اس امر کا قطعی ثبوت ہے کہ بہ حالت موجودہ قتل مرتد کے خلاف واویلا محض بے بسی وناداری کا ماتم ہے، ورنہ قوت ہو تو آج بلاتامل اسے شریعت کا لازمی ولاینفک جزو مان لیا جائے۔ جیسا کہ قادیانیوں نے ۲۷؍فروری ۱۹۲۵ء کو دہلی میں اپنے بھرے جلسے کے اندر علی الاعلان یہ کہہ کر مان لیا کہ: ’’اگر ہندوستان میں ہماری حکومت ہوتی تو بہائیوں کو قتل کردیتے۔‘‘ (’’کوکب ہند‘‘ دہلی ج۲ ص۷۷، مؤرخہ یکم؍مارچ ۱۹۲۵ء)

غیرمسلم معترضین میں سب سے پہلے مہاتما گاندھی کی تحریر قابل غور ہے جو میرے خیال کے مطابق ازسرتاپا ناواقفیت اور غلط اندیشی پر مبنی ہے۔

مہاتما جی لکھتے ہیں کہ: ’’عقل ودانش کے اس دور میں اگر کسی مذہب کی طرف سے

یہ مطالبہ پیش ہوگا کہ اس کا کوئی اصول موضوعہ عالمگیر حیثیت سے تسلیم کرلیا جائے تو پہلے اسے عقل کی حق وباطل کو پرکھنے والی کسوٹی پر کسے جانے کے لئے اپنے آپ کو پیش کرنا پڑے گا۔‘‘

اس اصول سے کسی کو انکار نہیں ہوسکتا اور تمام ادیان وشرائع میں اسلام سب سے پہلا مذہب ہے جس نے حق وباطل کے امتیاز کا یہ اصول پیش کیا اور اسی پر اپنی قبولیت وعدم قبولیت کا انحصار رکھا۔ لیکن سوال یہ ہے کہ ’’عقل کی حق وباطل کو پرکھنے والی کسوٹی‘‘ کیا ہوگی۔ کیا اس باب میں فیصلے کے لئے تنہا مہاتما گاندھی یا مرزا بشیرالدین محمود یا محمد علی لاہوری، یا مولانا محمد علی (جوہر) یا کسی دوسرے شخص کی عقل معیار قرار دی جاسکتی ہے۔ اگر ہر فرد کی عقل ہر دین وشریعت اور ہر نظام وآئین کی صحت وعدم صحت کی کسوٹی بن جائے تو آج دین میں ایک نظام اور ایک شریعت بھی قائم نہ رہے۔ ایک بت پرست اپنے ہاتھ سے پتھر کی مورت تراشتا ہے اور صبح وشام اس کے سنگ آستان پر پیشانی رگڑ رگڑ کر جلب منافع اور دفع مضار کی التجائیں کرتا ہے۔ پھر کیا اس بت پرست کی عقل رب المشرقین والمغربین اور فاطر السموات والارض کے تسلیم وعدم تسلیم کا معیار بن سکتی ہے؟ ایک چور اپنے ہم سایوں اور ہم جنسوں کے مال ومتاع کا احترام ملحوظ نہیں رکھتا اور اس کی عقل کبھی اس بات کو درست نہیں مان سکتی کہ رات کی تاریکی میں کسی کے مکان کی چھت پھاڑ کر یا اس مکان کی دیوار میں سیندلگا کر اثاث البیت کو لینا بھی ایک ناروا حرکت ہے، پھر کیا حد سرقہ کے لئے اس چور کی نادرست عقل کسوٹی بن سکتی ہے؟ انگلستان کے کسی باشندے کی عقل نہیں مان سکتی کہ انگریزوں کا ہندوستان پر کوئی حق نہیں ہے، دنیا جہان کے ارسطوؤں کی منطق سے بھی اس کے اس استدلال پر حرف نہیں آسکتا کہ اگر وہ اور اُس کی تہذیب نہ ہو تو ہندوستان جنت ہونے کے بجائے جہنم بن جائے۔ لیکن کیا اس عقل کے مطالبہ پر جہاد آزادی ہند ترک کیا جاسکتا ہے یا نادرست مانا جاسکتا ہے؟ ایک خونی کسی بات پر اپنے کسی ہم جنس سے ناراض ہوتا ہے اور اس کی عقل بھی کہتی ہے کہ اس ہم جنس کی گردن اُڑا دے۔ پھر کیا آپ اس خونی کی عقل کو معیار حق قرار دے کر قتل عمد کے قصاص کا قانون کتاب التعزیرات سے خارج کرسکتے ہیں؟ غرضیکہ اس قسم کی صدہا مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں جن کی بناء پر آپ کو تسلیم کرنا پڑے گا کہ حق وباطل کے پرکھنے والی عقل کی بھی خاص حدّیں ہیں اور اسے مطلق العنان چھوڑنے سے کام نہیں چل سکتا۔ کسی قانون یا دفعہ یا تعزیر کی اچھائی یا برائی کے فیصلے کے لئے کسی فرد واحد کا مزعوم عقیدہ خودساختہ معیار،

باطل خیال یا مسخ شدہ عقل معیار نہیں بن سکتی بلکہ ایک ایسی عقل کی تلاش کرنی پڑے گی جس کے پیش نظر کائنات انسانیت کی فلاح و بہبود ہو۔ جو بنی آدم کے امن وامان اور راحت وآسائش کی حفاظت کے فرائض کو پورے طور پر محسوس کرتی ہو اور فتنہ وفساد اور بغض وعداوت کی شرانگیزیوں کے سدباب میں انسانی دماغ، انسانی ذہنیت اور انسانی جذبات وحسیات سے تجاوز نہ کرتی ہو۔ یعنی انسانوں کو انسان سمجھتی ہو، ایسی ہی عقل کی بناء پر قتل مرتد کے حکم کا اندازہ کرنا چاہئے لیکن اس باب میں حکم بننے کے لئے اس عقل کا معیار کیوں کر صحیح مانا جاسکتا ہے جو کائنات انسانیت تو ایک طرف رہی، اس کے ایک ٹکڑے یعنی اہل ہند کے گزشتہ چار پانچ سال کے معاملات میں خود اپنے قول کے مطابق ہمالیہ جتنی بڑی غلطیاں کر چکی ہے۔

میں یہاں تک لکھ چکا تھا کہ ''ینگ انڈیا'' کا تازہ پرچہ (مؤرخہ ۵/مارچ ۱۹۲۵ء) ڈاک میں آیا۔ اس میں مہاتما گاندھی نے ''میرا جرم'' کے عنوان سے میرے اوّلین مکتوب کا جواب سپرد قلم کرتے ہوئے یہ تو تسلیم کیا ہے کہ جس چیز کو غلطی کہا جاتا ہے، وہ کوئی حقیقت مطلقہ نہیں بلکہ محض ایک اعتباری شے ہے جو مکان اور زبان کے تغیرات کے ساتھ بدلتی رہتی ہے لیکن اس کے ساتھ ہی آپ یہ بھی فرماتے ہیں کہ بعض غلطیاں ایسی ہیں جن کے قابل گرفت ہونے پر بنی آدم کے ضمیر کا یکساں صاد ہے اور کسی جرم کی پاداش میں خواہ وہ کیسا ہی سنگین اور گھناؤنا کیوں نہ ہو، مجرم کو عذاب کے ساتھ قتل کرنا اسی قسم کی غلطی ہے۔ قرآن اگر ایسی غلطی کرے گا تو آپ اس پر ضرور معترض ہوں گے۔ اسی کے ساتھ اپنے تازہ مقالہ میں آپ نے چند اور تصریحات بھی فرمائی ہیں جنہیں آپ کے ملفوظات مسترشدہ ۲۶/فروری ۱۹۲۵ء کے ساتھ اگر ملا کر پڑھا جائے تو مضطرانہ تناقض، مجبورانہ تباین اور بنجرانہ بے ربطیوں کا ایک حیرت انگیز منظر آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے اور میں آنکھیں مل مل کر اپنے دل سے پوچھتا ہوں کہ کیا واقعی ایسی انمل بے جوڑ تحریر اس شخص کے قلم سے نکل سکتی ہے جس کی زبردست انشاپردازی، اپنے منطقیانہ زور، اپنی دلفریب سلاست اور اپنے دلنواز تسلسل کی بدولت آج تک فلک سے ''احسنت'' اور ماہ ''زہ'' کا خراج وصول کرتی رہی ہے۔

فرماتے ہیں:

ا...... میں سمجھتا ہوں کہ صرف بعض حالات میں قرآن طریق سنگساری کا حکم دیتا ہے لیکن واقعات زیر بحث ان حالات سے خارج ہیں۔

۲...... میں قرآن اور تاریخ اسلام سے واقف ہوں اور جانتا ہوں کہ کثیر التعداد مفسرین نے آیات قرآنی کی تاویل اپنے ذہنی مفروضات اور پہلے سے قائم نمودہ خیالات پر کی ہے۔

۳...... (حضرت) محمد (ﷺ) کی زندگی اور اس زمانہ میں خواہ کچھ بھی ضروری اور مباح کیوں نہ ہو، لیکن اس طریق سزا کی حمایت محض اس وجہ سے نہیں کی جاسکتی کہ اس کا ذکر قرآن میں آیا ہے۔

۴...... میں یہ بھی کہہ دینا چاہتا ہوں کہ خود قرآن کی تعلیمات بھی نکتہ چینی سے مستثنیٰ قرار نہیں دی جاسکتی۔

۵...... مولانا نے میرے بیان کا وہ مفہوم پیش کیا ہے جو اس سے نہیں اخذ کیا جاسکتا۔ میں نے قرآن مجید کی تعلیمات پر مخالفانہ یا کسی دوسرے طریقہ پر نکتہ چینی نہیں کی۔ البتہ مفسرین قرآن پر ضرور اعتراض کیا ہے۔

ان پنجگانہ اقتباسات کے کھلے ہوئے نواقص اپنے شارح آپ ہیں۔ مہاتما جی یہ بھی دعویٰ کرتے ہیں کہ آپ قرآن اور تاریخ اسلام سے واقف ہیں لیکن ساتھ ہی اس واقفیت کا یہ انوکھا ثبوت بھی پیش کرتے ہیں کہ قرآن میں طریق سنگساری کا حکم دیا گیا ہے۔ حالانکہ جس شخص نے سرسری نظر سے بھی قران حکیم کو دیکھا ہو، اُسے معلوم ہوسکتا ہے کہ رجم کا حکم اس صحیفۂ مقدس میں کہیں بھی بالتصریح مندرج نہیں ہے۔ آپ علی روس الاشہاد یہ بھی کہے چلے جاتے ہیں کہ قرآن کی تعلیمات نکتہ چینی سے مستثنیٰ نہیں قرار دی جاسکتیں اور اس تاکید میں شان تاسیس پیدا کرنے کے لئے ڈنکے کی چوٹ یہ بھی اعلان فرمائے جاتے ہیں کہ کوئی قابل اعتراض فعل محض اس بناء پر جائز نہیں ٹھہر سکتا کہ اس کی حمایت قرآن میں کی گئی ہے۔ لیکن ساتھ ہی آپ کی خود فراموشی کا یہ عالم ہے کہ چند سطروں کے ایک مکتوب میں اپنی تردید آپ ہی اس اعتراف سے فرمادیتے ہیں کہ میں نے تو قرآن مجید کی تعلیمات پر مخالفانہ یا کسی دوسرے طریق پر کوئی نکتہ چینی نہیں کی۔ جب ایک شخص پکار کر کہہ رہا ہو کہ قرآن نکتہ چینی سے مستثنیٰ نہیں ہے تو پھر اُس کے اس قول میں کیا وزن ہوسکتا ہے کہ اُس نے اس صحیفہ پر کوئی نکتہ چینی نہیں کی۔

بہر حال میں اس سے پیشتر یہ عرض کرچکا ہوں کہ آسمانی صحائف اور منزل من اللہ کتب کے اوامر ونواہی کی اچھائی یا برائی کے اندازے کے لئے کسی ایک فرد کی محدود، ممسوخ (بہ

معنی صورت بگاڑنا) اور قدم قدم پر لغزش میں آنے والی عقل معیار نہیں بن سکتی اور یہ ایک ایسی صاف، واضح اور کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ مہاتماجی یا کسی دوسرے شخص کو اس سے ایک لمحہ کے لئے بھی انکار کی جرأت نہیں ہوسکتی۔ اب میں مہاتماجی کی تحریرات کے اُس حصے کی طرف متوجہ ہوتا ہوں جس سے کتب سماوی کی اس حیثیت پر زد پڑتی ہے کہ وہ ہر قسم کی غلطیوں اور خطاؤں سے پاک ہیں اور انسان کو اپنی ہدایت ورہنمائی کے لئے انہیں بے چون وچرا تسلیم کر لینا چاہئے۔

اگر میرا حافظہ غلطی نہیں کرتا تو مہاتماجی نے متعدد بار انجیل وتورات کی طرح قرآن کو بھی ایک آسمانی صحیفہ تسلیم کیا ہے۔ اگر کوئی شخص کسی انکار پر دلائل لائے تو بلحاظ اصول اس پر اعتراض نہیں ہوسکتا۔ لیکن ایک کتاب کو منزل من اللہ تسلیم کر لینے کے بعد اپنے چند لایعنی اوہام کی بناء پر اس کے کسی حکم کو غلط قرار دینا عقلاً مہمل ہے۔ ’’افتؤمنون ببعض الکتاب و تکفرون ببعض (البقرہ:۸۵)‘‘ ایک ادنی سی مخلوق کی عقل ودانش وبینش اور وسعت نظر، نشو وارتقا اور علم وفن کی کتنی ہی منزلیں طے کر جائے لیکن اس سے یہ حق حاصل نہیں ہوسکتا کہ اپنے خالق وفاطر کے مقرر کئے ہوئے راستوں اور معین کی ہوئی حدوں پر معترض ہو۔ مہاتماجی کو اس اعتراض سے پہلے یہ اعلان کر دینا چاہئے تھا کہ قرآن مجید خدا کا نہیں بلکہ انسان کا کلام ہے اور اسی لئے وہ غلطی، خطاء اور لغزش سے مبرّا ہونے کا دعویٰ نہیں کرسکتا۔ اس صورت میں آپ کا یہ انوکھا خیال ارباب دانش وبینش کے نزدیک معقول بھی ٹھہر سکتا تھا کہ یہ کتاب اور دوسری کتابیں کہ وہ بھی قرآن کی طرح انسانوں ہی کی تصنیف کی ہوئی ہیں۔ آپ کے یا کسی دوسرے انسان کے خودساختہ اور بودے عقلی مفروضات کی گرفت سے نہیں بچ سکتیں، لیکن یہ عجیب منطق ہے کہ قرآن کو خدا کا کلام بھی مانتے چلے جاتے ہیں اور انسان ضعیف البیان ہوکر رب المشرقین ورب المغربین کے آخری اور مکمل پیغام پر خردہ گیری (بہ معنی عیب جوئی) کرنے کا بھی داعیہ رکھتے ہیں۔

خاک کے پتلے نے دیکھ کیا ہی مچایا ہے شور

میں اوپر لکھ چکا ہوں کہ مہاتماجی نے میری اس گزارش کے حرف حرف سے اتفاق کیا ہے کہ غلطی ایک اعتباری اصطلاح ہے لیکن آپ ساتھ ہی فرماتے ہیں کہ: ’’بعض امور ایسے ہیں جن کے غلط ہونے پر ساری دنیا متفق ہے۔ مجھے امید ہے کہ عذاب کے ساتھ کسی کی جان لینا ایک ایسی ہی غلطی سمجھی جائے گی۔‘‘

اس کا مطلب یہ ہے کہ عذاب کے ساتھ کسی کی جان لینا ساری دنیا کے نزدیک مسلم طور پر غلطی ہے اور ابتدائے آفرینش سے لے کر آج تک قتل بالتعذیب ایک ناروافعل سمجھا جاتا رہا ہے۔ میں مہاتما جی کے اس دعوے پر کسی قدر تفصیل کے ساتھ بحث کرنا چاہتا ہوں۔ جس بحث پر میں نے قلم اٹھایا ہے، اس کی تہہ کو پہنچنے کے لئے یہ اصولی نکتہ ذہن نشین کر لینا ناگزیر ہے کہ کائنات انسانی کے نشو وارتقا میں جو قوتیں ابتدائے آفرینش سے حصہ لے رہی ہیں، ان میں مذہب کو نمایاں درجہ حاصل ہے اور اگر بنی آدم کی رہنمائی کے لئے مذہب موجود نہ ہوتو اس جہان رنگ و بو میں جو جنت نگاہ اور فردوس گوش ہے، خاک اڑتی ہوئی نظر آئے۔ مذہب کیا ہے، محض اُن تعلقات کا آسمانی شیرازہ ہے جو انسان کو ایک طرف اپنے خالق اور دوسری طرف اپنے ابنائے جنس سے وابستہ کئے ہوئے ہیں۔ یہ سچ ہے کہ عقل انسانی نے بھی اپنی ناچیز بساط کے مطابق ان دوگونہ رشتوں کو جوڑنے کی کوششیں کی ہیں لیکن آج تک تمام کوششیں بے سود ثابت ہوتی رہی ہیں اور اس دور تفلسف میں بھی جب کہ انسان کی عقل اپنے معراج کو پہنچ چکی ہے اور عقل مند انسانوں کا ایک طبقہ مذہبی احکام کو لا یعنی اوہام کا ایک بے سروپا مجموعہ سمجھنے لگا ہے۔ دنیا کا جزو غالب بدستور مذہب کی گرفت میں ہے اور تاقیام قیامت رہے گا۔

خدائے بزرگ و برتر نے اس تیرہ خاکدان میں جس کا ذرہ ذرہ اس کی حکمت کا گواہ ہے جس کے تمام اجزاء کی پیوستگی اس کے ازلی و سرمدی رابطہ کی استواری کی شہادت زبان حال سے دے رہی ہے جس کا ہمہ گیر قانون مہر و ماہ اور کوہ وکاہ (یعنی پہاڑ اور گھاس کی پتی) پر یکساں محیط ہے۔ انسان کی فطرت کی صحیح رہ نمائی کے لئے وقتاً فوقتاً اپنے خاص خاص بندوں کو بنی آدم کی ہدایت و رہنمائی کے منصب پر مامور کیا ہے، جنہیں ہم انبیا و مرسلین کہتے ہیں۔ خدا کی مشیّت انہیں برگزیدہ انسانوں کی وساطت سے دنیا پر ظاہر ہوئی ہے اور یہ مشیّت ترقی انسانی کے مختلف ادوار میں بعض کتابوں کی شکل اختیار کرتی رہی ہے جنہیں صحائف سماوی کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ افلاطون کی حکمت اشراقی افسانہ بن چکی ہے۔ ارسطو کی حکمت مشائی کے سربفلک قصر کی اینٹ سے اینٹ بج چکی ہے۔ فرفوریوس کی ''ایساغوجی'' کے محکم اصول کی دھجیاں اڑ چکی ہیں، نیوٹن کا ''پرنسپیا'' تقویم پارینہ کی طرح محض الماریوں کی زینت بنا ہوا ہے لیکن آسمانی کتابیں آج بھی ہر مقام پر دنیا کے لئے شمع ہدایت بنی ہوئی ہیں

اور کروڑوں بندگان خدا اپنی دنیوی فلاح اور اخروی نجات کو انہی کے دامن سے وابستہ سمجھ رہے ہیں۔ موجودہ دور کے الحاد، دہریت، تفلسف اور تشکک کی بادسموم نے انسانی رشد وہدایت کے ان آسمانی چمن زاروں پر جھلسنے، برباد کرنے اور اجاڑنے کی صدہا کوششیں کیں۔ مگر ان کی طراوت رنگینی، عطر بیزی اور بہار آرائی پہلے سے دوچند ہورہی ہے اور ان شاءاللہ! اسی طرح دن دگنی اور رات چوگنی ترقی کرتی جائے گی۔ ''یریدون ان یطفؤا نور اللہ بافواھھم ویابی اللہ الّا یتّم نورہ ولو کرہ الکافرون (التوبۃ:۳۲)''

ان صحائف سماوی کی تعلیمات پر غائر نظر ڈالی جائے اور ان کا باہم مقابلہ کیا جائے تو یہ حقیقت روز روشن کی طرح آشکار دکھائی دے گی کہ ان سب کا ماخذ، ان سب کا سرچشمہ اور ان سب کا اصل الاصول ایک ہے۔ بلاشبہ ان کی تعلیمات میں بلحاظ تغیر زمان ومکان اور بنظر ارتقائے ذہنیت انسانی کچھ نہ کچھ اختلاف ضرور پایا جاتا ہے لیکن اکثر معاملات میں صاف صاف اور کھلم اشتراک ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ تک کائنات انسانیت کے مامور من اللہ ہادیوں، قائدوں اور رہنماؤں کا جو سلسلہ قائم ہے، ان سب کی تعلیم ایک ہے۔ اگرچہ معلم جدا جدا ہیں، مظروف ایک ہے، اگرچہ ظرف مختلف ہیں، معانی ایک ہیں، اگرچہ حروف والفاظ کے صورت واشکال اور ادائے مطالب کے اسلوب وعنوان متنوع ہیں:

عباراتنا شتی و حسنک واحد   و کلّ الی ذاک الجمال یشیر

البتہ یہ ایک حقیقت ہے کہ ہدایت آسمانی کی یہ شراب مختلف خمستانوں میں رہتی ہوئی اور مختلف ادوار وازمنہ کی صافی میں چھنتی ہوئی ساقی بطحے ﷺ کے مینا میں پہنچ کر ایک ایسا آسمانی زلال بن گئی جس کے بعد اس کے لئے صفائی اور لطافت کا اور کوئی درجہ کوئی نئی دعوت اور کوئی غیر معروف تعلیم نہیں بلکہ تمام سابقہ تعلیمات کے بہترین پہلوؤں کا ایک ایسا جامع اور محتوی علی الکل مرقع ہے جو اکمال واتمام کی آخری حد پر پہنچ کر زمان ومکان کے تغیّرات سے بہت بالا ہو چکا ہے اور جس کے اندر ذہنیت انسانی کی تمام ممکنات ارتقا کا پورے طور پر حصر واحاطہ ہو چکا ہے۔

صحائف سماوی کی تعلیمات کے اصولی اشتراک کی نسبت اوپر جو دعویٰ کیا گیا ہے، وہ مختلف کتب کی مقررہ سزاؤں اور حدوں میں خاص طور پر نمایاں ہے۔ اس وقت ہمارے

سامنے معلومہ ومشہورہ کتب سماوی میں سے توریت، زبور، انجیل، ویداورشرح اوستا ہیں۔ تین کتابوں کے منزل من اللہ ہونے کے متعلق قرآن حکیم میں صراحت موجود ہے لیکن بقیہ کتب کے متعلق صاف طور پر کوئی ایسا ذکر نہیں کیا گیا۔ تاہم قرآن نے ہمارے سامنے یہ حقیقت پیش کردی ہے کہ: ’’**وان من امة الّا خلا فیها نذیر** ‘‘اور’’**ولکل قوم هاد** ‘‘اس اصول کی بناء پر ہم ویدوں کو آسمانی کتب تسلیم کرتے ہوئے یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ کیا ان میں مختلف جرائم کے متعلق ایسی سزائیں موجود ہیں یا نہیں جو قتل بالتعذیب کے تحت میں آتی ہیں۔

قتل بالتعذیب کے نظائر وامثلہ کی تلاش میں سب سے پہلے ویدوں کے ضابطہ تعزیرات کی ورق گردانی کرنی چاہئے جو مشہور مذاہب کی معلومہ ومتمسکہ کتب سماوی میں سب سے زیادہ قدیم اور بنی نوع انسان کے دورطفولیت وزمانہ حداثت سن کا دستورالعمل سمجھے جاتے ہیں۔ نیز ہنود کے معتقدات کا مرکز ومحور ہیں۔ اس کے لئے کسی دیدہ ریزانہ تفحص وتجسس اوردماغ سوزانہ تلاش وکنج کاوی کی ضرورت نہیں۔ اس لئے کہ میں قتل بالتعذیب کے تمام احکام کا حصرواحاطہ نہیں کرنا چاہتا بلکہ سرسری طور پر محض چندمثالوں کا پیش کردینا کافی سمجھتا ہوں مثلاً:

۱...... ’’اے راج پرش! آپ دھرم کے مخالف دشمنوں کو آگ میں جلا ڈالیں۔ اے جاہ وجلال والے پرش! وہ جو ہمارے دشمنوں کو حوصلہ دیتا ہے، آپ اس کو الٹا لٹکا کر خشک لکڑی کی طرح جلادیں۔‘‘ (یجر دید۔ باب۱۳ اشلوک۱۲)

’’منوسمرتی‘‘ قدیم ہندودھرم کا مستندترین شاستراورویدوں کی بہترین فقہی کتاب ہے۔ اس کے مندرجہ ذیل اقتباسات ملاحظہ فرمائیے:

۲...... ’’ذات وصفات کے غرور سے اپنے شوہر کو ترک کرنے والی عورت کو راجہ بہت سے آدمیوں کے روبرو کتوں سے بھوجن کرادے۔ دوسرے کی عورت مرقومہ بالا سے جماع کرنے والے آدمی کو لوہے کے پلنگ پر سلا کر چاروں طرف لکڑی رکھ کر آگ لگادے جس سے وہ پاپی جل جائے۔‘‘ (منو باب ۸، اشلوک ۳۷۱و۳۷۲)

ممکن ہے کہ موجودہ زمانہ کے بعض ’’روشن خیال‘‘ ہندوؤں کے نزدیک ’’منوسمرتی‘‘ کا حوالہ اس وجہ سے درخور پذیرائی نہ سمجھا جائے کہ سمرتی ایک ماضی مجہول کا ضابطہ تھی، ان کے لئے میں دورحاضر کے سب سے بڑے مصلح اورآریہ سماج کے بانی سوامی دیانند کی تحریر پیش کرتا ہوں جو’’ستیارتھ پرکاش‘‘ کے چھٹے باب میں منوسمرتی کی متذکرہ صدر

تعزیرات کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ:

۳...... ’’جو اس سزا کو سخت جانتے ہیں وہ انتظام ملکی کے اصول کو نہیں سمجھتے ......اگر نرم سزا دی جائے تو برے کام بہت بڑھ کر ہونے لگیں گے۔ بس جس کو تم نرم سزا کہتے ہو، وہ کروڑوں گنا زیادہ ہونے کی وجہ سے کروڑوں گنا سخت ہوتی ہے کیونکہ جب بہت آدمی برے کاموں کے مرتکب ہوں گے تو سب کو تھوڑی تھوڑی سزا ضرور دینی پڑے گی۔‘‘

(ستیارتھ پرکاش پانچواں ایڈیشن ص۱۸۸)

یہ تو ہندو دھرم کی کیفیت تھی۔ اسی طرح تورات میں قتل بالتعذیب کی مثالیں موجود ہیں۔ مثلاً:

۴...... ’’اگر تیرا بھائی یا تیری ماں کا بیٹا یا تیرا بیٹا یا بیٹی یا تیری ہم آغوش بیوی یا تیرا دوست جس کو تو اپنی جان کے برابر عزیز رکھتا ہے، تجھ کو چپکے چپکے پھسلا کر کہے کہ چلو ہم اور دیوتاؤں کی پوجا کریں جن سے تو اور تیرے باپ دادا واقف بھی نہیں۔ یعنی ان لوگوں کے دیوتا جو تمہارے گرداگرد تیرے نزدیک رہتے ہیں یا تجھ سے دور زمین کے اس سرے سے اس سرے تک بسے ہوئے ہیں تو، تو اس پر اس کے ساتھ رضامند نہ ہونا اور نہ اس کی بات سُنتا۔ تو اس پر ترس بھی نہ کھانا اور نہ اس کی رعایت کرنا اور نہ اسے چھپانا۔ بلکہ تو اس کو ضرور قتل کرنا اور اس کو قتل کرتے وقت پہلے تیرا ہاتھ اس پر پڑے۔ اس کے بعد سب قوم کا ہاتھ اور تو اسے سنگسار کرنا تاکہ وہ مرجائے۔‘‘ (استثناء: باب۱۳ فقرہ:۶ تا۱۰)

نیز تورات میں زانی کے لئے رجم کی سزا موجود ہے۔ یہ اقتباسات اس امر کی قطعی وحتمی شہادت ہیں کہ بعض جرائم ومعاصی کے مہلک، تباہی خیز اور اجتماع وعمران کی جڑیں کھوکھلی کر دینے والے اثرات کو ملحوظ رکھتے ہوئے قرآن سے پہلے کی تقریباً ان تمام آسمانی کتابوں میں قتل بالتعذیب کو ضروری ولازمی قرار دیا گیا ہے جو انجیل کی طرح محض متصوفانہ اخلاقی دعوت اور عارفانہ پندوموعظت کی حیثیت نہیں رکھتیں بلکہ قوم کے لئے ایک منضبط ومدون ضابطہ وقانون لے کر آئی تھیں۔ پھر کیا ان حقائق کی روشنی میں مہاتماجی کا یہ انوکھا اور بے بنیاد دعویٰ ایک لحظہ کے لئے بھی بجائے خود قرار پاسکتا ہے کہ قتل بالتعذیب کو عالمگیر طور پر ایک مسلمہ غلطی سمجھا جاتا ہے؟ اور کیا محوّلہ اقتباسات سے یہ واضح نہیں ہوتا کہ قتل بالتعذیب کو مسلمہ غلطی قرار دینا ایک افسوسناک غلطی اور حیرت انگیز غلط بیانی ہے۔ میں اس سلسلہ میں

موجودہ زمانہ کی مہذب ومتمدن سلطنتوں کے ضوابط وتعزیرات سے بھی خاص خاص حالات میں تعزیر بالتعذیب کی مثالیں پیش کر سکتا تھا لیکن میں نے محض صحائف سماوی کے حوالوں پر اس وجہ سے اکتفاء کیا کہ صحائف سماوی کی غیر خاطیانہ اور معصومانہ حیثیت سب کے نزدیک مسلم ہے۔اس کے خلاف عام دنیاوی ضوابط کی ہر دفعہ کو محل نظر قرار دیا جاسکتا ہے۔

جو کچھ اوپر عرض کیا گیا، اس سے یہ نتیجہ نہیں نکالنا چاہئے کہ میں قتل بالتعذیب کا کوئی بہت ہی بڑا اور سرگرم حامی ہوں۔ میرا حقیقی مقصود یہ ہے کہ جس چیز کو مہاتما جی بلاتأمل وتدبیر اور بدون غور وفکر ایک مسلمہ غلطی ظاہر کرتے ہیں، وہ قدیم صحائف سماویٔ کے نزدیک خاص خاص حالات میں اصلاح بنی نوع انسان اور حفظ عمران وتمدن کا ایک ضروری اور لازمی وسیلہ متصور ہوتی رہی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ہر جرم کی سزا گردوپیش کے حالات، جرم کے اثرات، قوم کی ذہنی ودماغی کیفیت اور تنبیہ وتادیب کے متوقع نتائج پر موقوف رہنی ہوتی ہے۔ اگر قوم بہت درشت مزاج اور درشت طبع ہے کہ کسی ہولناک جرم کی پاداش میں مرتکب جرم کی محض جان لے لینے سے عام افراد پر ایسا اثر نہیں پڑتا کہ وہ اس جرم کے اعادہ سے باز رہیں تو اس صورت میں قومی مفاد اور سدباب مفاسد کا اقتضا یہی ہوگا کہ سزا میں زیادہ سخت، زیادہ شدید اور زیادہ مؤثر طریقہ اختیار کیا جائے تاکہ عام لوگ عبرت حاصل کریں۔ کیا مہاتما جی کو یہ معلوم نہیں کہ کسی ضابطہ تعزیرات اور کسی مجموعہ آئین وقوانین میں آج تک سزا کو فی نفسہا مقصود قرار نہیں دیا گیا بلکہ یہ محض اعادہ جرم کے سدباب اور حفظ امن عامہ کا ایک مؤثر وسیلہ ہے اور اس کے طرق واشکال اور صور وانواع کے حسن وقبح کا اندازہ کرتے وقت یہ حقیقت نظر انداز نہیں کرنی چاہئے کہ سزا کسی حال میں بھی اپنے مقصود ومدعا کی تکمیل یا کم ازکم تکمیل کی مؤثر سے مؤثر کوشش میں ناکام نہ رہے۔ اس روشنی میں مہاتما جی واقعات سنگساری پر غائر نظر ڈالیں گے تو قتل بالتعذیب کے متعلق ان کے تمام عاجلانہ اضطرابات اور غیر محققانہ پریشانیاں یک قلم دور ہو جائیں گی۔

شاید مجھ پر یہ اعتراض کیا جائے کہ مہاتما جی نے تو صرف تعزیر بالتعذیب کے خلاف آواز بلند کی تھی۔ اصل مسئلہ یعنی نفس قتل مرتد کی نسبت نفیاً یا اثباتاً ایک حرف بھی نہیں لکھا تھا۔ پھر میں نے ان کی تحریر پر اس بسط وتفصیل کے ساتھ بحث کیوں کی؟ لیکن حقیقت حال کے

اعتبار سے یہ اعتراض صحیح نہیں ہوگا۔ بلاشبہ مہاتما جی کی ابتدائی تحریر میں ایسے فقرات موجود ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ صرف تعزیر بالتعذیب کے خلاف ہیں، نفس قتل مرتد کے متعلق کچھ نہیں کہتے، لیکن دراصل وہ باوجود ادّعائے غیرجانبداری غیرجانبدار نہیں رہ سکے۔ مثلاً وہ واقعات سنگساری پر قادیانی جماعت کے ساتھ ہمدردی کا اظہار کر رہے ہیں۔ پھر کیا یہ ہمدردی محض اس امر پر مبنی ہے کہ عدالت افغانستان نے قادیانیوں کو رجم کے ذریعے کیوں ہلاک کیا اور پھانسی پر کیوں نہ لٹکا دیا یا تلوار سے کیوں نہ قتل کر ڈالا؟ اظہار ہمدردی کی اس ''توجیہ'' کو غالباً کوئی صحیح العقل اور سلیم الفطرت انسان قبول نہیں کرسکتا۔ پھر کیا یہ ہمدردی مہاتما جی کے ادّعائے غیرجانبداری کے اندام ناموزوں پر راست اترتی ہے؟ پھر مہاتما جی نے لاعلمی وبے خبری کے باوجود بلند آہنگی کے ساتھ قرآن دانی کا صور پھونکتے ہوئے یہ بے بنیاد دعویٰ فرمایا ہے کہ قرآن خاص خاص حالات میں رجم کا حکم دیتا ہے۔ تیسرے انہوں نے اپنے چند خود تراشیدہ معتقدات یا باصطلاح قرآن حکیم ''اضغاث احلام'' کی بناء پر صحف سماویٰ کی ہادیانہ ومرشدانہ حیثیت کے حقیقی پاس ولحاظ سے بے پروائی برتی۔ ان وجوہ کے پیش نظر میرے لئے مہاتما جی کے بیان پر تفصیلی نقد وتبصرہ ضروری ہوگیا۔ لیکن میں ایک قدم اور آگے بڑھتا ہوں اور کہتا ہوں کہ مہاتما جی کا اس مسئلے کی نسبت اظہار خیال کرنا ہی ایک افسوس ناک غلطی تھی۔ انہیں ہندوستان میں بلندترین سیاسی رہنما کی حیثیت حاصل ہے اور ان سے بجا طور پر یہ توقع کی جاسکتی ہے کہ وہ بالواسطہ یا بلاواسطہ ہندوستان کے کسی باشندے کے مذہبی معتقدات سے تعرض نہیں کریں گے یا ایسے رنگ میں اپنے خیالات ظاہر نہیں فرمائیں گے جس سے کسی فرد یا جماعت کے دینی جذبات مجروح ہوں۔ وہ اپنے مذہبی معتقدات کے اظہار میں ہر طرح سے آزاد ہیں۔ ان کا بہار آفرین قلم صنم پرستی کے ''محاسن'' کی تشریح وتوضیح میں رواں ہو یا بتوں کے ''عظیم الشان'' کارناموں کی سرگزشت مدون کرے یا عدم تشدد کو دنیا بھر کے اعمال وافعال کا اصل الاصول قرار دے، کسی شخص کو بھی ان پر اعتراض نہیں ہوگا لیکن یہ مناسب نہیں ہے کہ وہ کسی دوسرے مذہب کے مسائل میں حکم کی حیثیت اختیار کریں۔ اس مذہب کے کثیرالتعداد حلقہ بگوشوں کے معتقدات کی تنقیص کریں۔ ان کے مسلّم علماء، مسلّمہ آئمہ اور مسلّمہ کتب کی صاف، واضح اور غیرمشتبہ تصریحات کے خلاف آواز اٹھائیں اور ایک حدیث العہد اور قلیل التعداد جماعت کی تائید وتمجید کا دامن تھامیں۔

اس صورت میں مہاتما جی کی سیاسی پیشوائی اور وطنی قیادت کا منصب محفوظ نہیں رہ سکتا۔ یہ ناروا داری، عدم مسالمیت یا عدم برداشت نہیں بلکہ بے خبرانہ، غیر مدبرانہ اور غیر محتاط نکتہ چینی کے نقصان رساں اثرات اور مضرت پرور نتائج کے سدباب کی مخلصانہ کوشش ہے۔

مہاتما جی اس مسئلہ کی نسبت اظہار خیالات کی ایک وجہ یہ قرار دیتے ہیں کہ ان سے بہ حیثیت صدر کانگرس اس قسم کی درخواست کی گئی تھی لیکن انہیں یہ حقیقت فراموش نہیں کرنی چاہئے تھی کہ نیشنل کانگرس کی مسند صدارت کسی شخص کے اندر دنیا جہان کے معاملات میں حکم بننے کی صلاحیت پیدا نہیں کر دیتی۔ آج مہاتما جی نے قادیانیوں کی ایک درخواست پر مذہبی حکم بن کر قتل مرتد کی نسبت اظہار خیالات کیا، کل وہ دوسری استدعاء پر اسلام کے حکم پر جہاد بالسیف کی نسبت قادیانیوں کی ''یہودیانہ تأویل'' کو اپنے عقیدہ عدم تشدد کے مطابق سمجھ کر اسے تعلیمات دینِ قیم کا لازم جزو قرار دیں گے۔ اسی طرح پرسوں کسی ایسے ہی دوسرے مذہبی مسئلے کی نسبت فیصلہ وتحکم کا قلم اٹھائیں گے اور اگر صدارت کانگرس کا ہمہ گیر اور ہمہ رس مفہوم اسی طرح وسعت اختیار کرتا گیا تو نہیں معلوم کل ہندوستان جنت نشان میں کیا کیا گل کھلیں اور لالوں کے کیسے کیسے باغ لہکیں۔ میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ منصب صدارت کا لحاظ رکھتے ہوئے مہاتما جی کے لئے اس باب میں خاموشی بہ درجہ اولیٰ ضروری تھی۔ قادیانیوں پر افسوس لاحاصل ہے کہ انہوں نے ایک خالص اسلامی معاملے میں مہاتما جی سے اظہار رائے کی استدعا کیوں کی؟ مہاتما جی تو پھر ہندوستانی ہیں، اور ان کی بارگاہ معلیٰ میں فریاد کرنا چنداں قابل اعتراض نہیں لیکن قادیاں والے تو ان لوگوں کے دروازوں پر پہنچتے ہوئے بھی نہیں جھجکے جو اسلام کے شدید ترین دشمن اور ملت بیضا کے سخت ترین اعدا واقع ہوئے ہیں۔ جو تیرہ سو سال سے اسلام کو مٹانے کی نامراد کوششیں کرتے چلے آئے ہیں۔ جو پیٹروی ہرمٹ سے لے کر گلیڈ اسٹن اور گلیڈ اسٹن سے لے کر لائڈ جارج کے عہد مشؤم تک اسلام کے دل وجگر کی تواضع اپنی نمکین اور میٹھی چھُریوں سے کرتے رہے ہیں۔ یہ قادیانی تو وہ ہیں جنہوں نے کبھی اپنی پیشانی کو ڈاؤننگ سٹریٹ کے سنگ آستان پر رگڑا۔ کبھی اپنے جزع وفزع سے وہائٹ ہاؤس کے درودیوار میں شگاف ڈالا۔ کبھی اپنے نالہ وشیون سے جمعیۃ الاقوام کے گنبد بے در میں الامان والغیاث کی گونج پیدا کرنے کی کوشش کی۔ ان لوگوں سے تو ہمیں یہی توقع تھی۔ لیکن افسوس کہ مہاتما جی نے اپنی حقیقی حیثیت اور حقیقی دائرے کی حدود ملحوظ نہ رکھیں۔ اگر کل سناتن دھرمیوں

اور آریوں کے کسی مختلف فیہ مسئلے میں کوئی جماعت مولانا ابوالکلام آزاد کو حکم تسلیم کر لے اور مولانائے ممدوح خدانخواستہ کاشی کے ودیا دانوں کا چولا پہن کر ویدوں اور شاستروں پر عبور کا دعویٰ کرتے ہوئے پرتی ندھی بن بیٹھیں تو کیا سلیم الفطرت دنیا ایسی لغویت کو تمسخر واستہزا کا ہدف بنانے میں حق بہ جانب نہ ہوگی؟ مہاتما جی اس حقیقت سے ناواقف نہیں ہوں گے کہ ان کے اظہار خیالات سے اصل مسئلہ کے تصفیہ کو تو کوئی مدد نہ پہنچی، البتہ ہندوستان کے کروڑوں مسلمانوں کے احسان پذیرائیوں کے نازک آبگینے کو اس سے ٹھیس لگ گئی۔

مہاتما جی کے علاوہ جو ہندو سنگساری کے خلاف شور مچا رہے ہیں، ان کا یہ افسوسناک رویہ زیادہ درخور اعتنا نہیں ہے۔ اس لئے کہ ان کا مخالفانہ شور محض اسلام وافغانستان کے خلاف ایک عمیق جذبہ بغض وعناد اور خدا واسطے کی عداوت وخصومت کا کرشمہ ہے۔ ان کی نظروں میں تو اسلام، افغانستان اور دوسری اسلامی سلطنتوں کا وجود ہی قابل اعتراض ہے۔ تابہ حسن وقبح افعال واعمال شان چہ رسد! اگر اسلام میں مرتد کے لئے قتل کی سزا موجود نہ ہوتی یا افغانستان کی امارت شرعیہ ایسی سزا کے نفاذ کا سلسلہ نہ اٹھاتی یا مسلمان اسے جائز تسلیم نہ کرتے تو ان ہندوؤں کا افغانستان کے خلاف مخالفانہ ومعاندانہ غوغا اس حالت میں بھی بدستور جاری رہتا جس طرح کہ واقعات سنگساری سے پہلے جاری تھا۔

تاہم میں ان کی خدمت میں چند اہم گزارشات پیش کرنے سے باز نہیں رہ سکتا۔ وہ شریعت اسلام میں مرتد کے لئے قتل کی سزا پر معترض ہیں لیکن اگر وہ اپنے دھرم کی کتابوں کا بہ امعان نظر مطالعہ کریں، ان کے احکام کو پس پشت نہ ڈالیں، ان کا حلقہ اپنی گردنوں سے نہ اتار پھینکیں، تو انہیں وہاں بھی مرتد کے لئے قتل ہی کی سزا ملے گی۔ مثلاً منوسمرتی کے آٹھویں باب کے اشلوک نمبر ۳۵ و ۱۵۳ میں ہے۔

۱...... ’’خواہ گرو یا نابالغ لڑکا اور بوڑھا وعالم براہمن ہی کیوں نہ ہو۔ لیکن اتہتائی ہونے کی حالت میں اس کو ضرور بلا سوچے قتل کر دینا چاہئے۔ ’’اتہتائی‘‘ کے قتل میں مارنے والے کو پاپ نہیں ہوتا۔‘‘ (منوسمرتی مترجمہ پنڈت آتمارام جی)

’’اتہتائی‘‘ اُس شخص کو کہتے ہیں جو دھرم کو چھوڑ کر ادھرم میں پھنس جائے یعنی مرتد ہو جائے اور یہ تعریف دور حاضر کے سب سے بڑے ہندو مصلح یعنی سوامی دیانند کی تحریر سے مستفاد ہے۔ (ملاحظہ ہوستیارتھ پرکاش پانچواں ایڈیشن ص۱۸۱) پھر شریعت اسلام میں تو مرتد

سرکاری عدالت میں پیش ہوتا ہے۔ اسے توبہ کے لئے مہلت دی جاتی ہے۔ نابالغ لڑکے کو سزا سے بری الذمہ سمجھا جاتا ہے لیکن ہندو دھرم میں صاف صاف مرقوم ہے کہ مرتد کو بلاسوچے سمجھے قتل کر دینا چاہئے، خواہ نابالغ لڑکا ہو اور مرتد کے قتل کرنے والے کو پاپ نہیں ہوتا۔ کیا اسلام کا ایک منظّم، منضبط اور اہم مصالح وحکم شرعیہ پر مبنی حکم ہندو دھرم کے اس اجازت نامہ قتل عام سے بھی زیادہ سخت ہے کہ ہندو اپنے مذہب پر غور کرنے اور سوچنے سمجھنے کے بغیر اس پر معترض ہو رہے ہیں؟

سوامی شردھانند قتل مرتد کے خلاف شوروغل مچانے میں حسب معمول سب سے پیش پیش ہیں۔ وہ براہ کرم فرمائیں کہ ''منوسمرتی'' کی محولہ بالا دفعہ اور سوامی دیانند کی طرف سے اس کی توثیق وتصدیق کی نسبت دنیا کیا رائے قائم کرے؟ پھر ہمیں بتائیں کہ وہ ویدوں کو خدا کا کلام سمجھتے ہیں یا نہیں سمجھتے؟ اگر سمجھتے ہیں تو کیا ویدوں میں مرتد کی سزا قتل ہے یا نہیں ہے اور اگر ہے اور یقیناً ہے تو اس کے جواز سے انکار کے بعد کیا ہم ان سے بجا طور پر اس بات کے متوقع نہیں ہوسکتے کہ وہ ایک کھلا ہوا اعلان کر کے اپنی حیثیت کو واضح فرمائیں اور دنیا کو بتادیں کہ ویدوں کی حکومت قلوب ہند سے اُٹھ چکی۔ آج واجب التسلیم اور واجب الامتثال صرف انسان کے تصنیف کئے ہوئے ضابطے ہیں اور ان ضابطوں میں قانون تعزیرات ہند کو وہ درجہ حاصل ہے جو رگ وید، شام وید، یجر وید، اتھر وا وید، منوسمرتی اور ستیارتھ پرکاش کو بھی حاصل نہیں۔

ہندوستان کی ہندو ریاستیں اگرچہ اپنی نیم آزادی اور نیم خودمختاری کی وجہ سے سمرتی کے محولہ بالا حکم کے نفاذ میں قاصر ہیں۔ تاہم انہوں نے دوسرے طریقوں سے اس کی تلافی کی کوششیں کر رکھی ہیں۔ مثلاً بعض ریاستوں میں ہندو سے مسلمان بننے والے کو ایک سال کی سزائے قید اور مسلمان بنانے والے کو تین سال کی سزائے قید دی جاتی ہے۔ علاوہ بریں تمام ہندو ریاستوں میں ذبح بقر ممنوع ہے۔ حالانکہ یہ ممانعت ہندو ریاستوں کی مسلم آبادی کے مذہبی معتقدات سے صریح متعارض ہے۔ بعض ریاستوں میں گاؤکشی کرنے والے کو سات سال کے لئے قید کر دیا جاتا ہے۔ قتل مرتد کا مطلب تو زیادہ سے زیادہ یہی ہے کہ جو شخص اسلام قبول کرتا ہے، اس کے احکام کو واجب التعمیل مانتا ہے، اس کے قانون کی پابندی اپنا فرض قرار دے لیتا ہے، وہ اگر دیدہ دانستہ اس کی تصریحات سے اعراض کر کے تحریف و تخریب دین کا باب مفتوح کرتا ہے تو اسے قتل کر ڈالا جائے۔ اس کے علاوہ ہندو ریاستیں

علانیہ اپنی مسلم رعایا کے مذہبی جذبات کو بیدردانہ پامال کرتی ہیں لیکن آزادی ضمیر، آزادی رائے، آزادی خیال اور آزادی مذہب کے بلند بانگ دعویداروں کی اس صف پر علی الکل موت کی خاموشی اور عدم کا سکوت طاری رہتا ہے جو قتل مرتد کے باب میں اسلام وافغانستان کے خلاف ہرزہ سرائی اور بے ہودہ گوئی کی دف زنی میں سب سے پیش پیش ہیں۔

اینگلو انڈین جرائد نے واقعات سنگساری کے سلسلے میں دولت بہیہ افغانستان کے خلاف جو کچھ لکھا ہے، وہ بھی دراصل ایک دیرینہ جذبۂ عناد وخصومت کا مظاہرہ ہے۔ اگر یہ مایہ ناز اسلامی حکومت مقررہ شرعی قانون وضابطہ کی تعمیل میں احیائے سنت ودین اور اضما وضلالت وارتداد کا یہ عظیم الشان کارنامہ انجام نہ دیتی تو اس صورت میں بھی اسے اینگلو انڈین حلقوں کی طرف سے کسی محبانہ اخلاص وارتباط، کسی مخلصانہ الفت ووابستگی اور کسی گرمجوشانہ تحسین وتمجید کی توقع نہیں ہوسکتی تھی۔ جن لوگوں کے عیب جو قلم اس موقع کی تلاش میں ہروقت بے تاب رہتے ہیں کہ حکومت افغانستان کے کسی فعل وعمل میں خوردہ گیری وطعن آرائی کا کوئی پہلو نکلے، اسے بدنام ورسوا کرنے کا کوئی حیلہ ہاتھ آئے، زہر عناد کے ابلتے ہوئے چشمے کے لئے کوئی مخرج ومنفذ پیدا ہو، ان کی مخالفانہ تعریضات وتنقیصات کتنی ہی رنجدہ اور کلفت زا کیوں نہ ہوں لیکن ان پر متحیر ومتعجب ہونے کا کوئی مقام نہیں۔

مملکت افغانستان کے ساتھ ملوکیت پرستان برطانیہ کی دشمنی کوئی نئی چیز نہیں ہے۔ یہ مملکت شمالی سمت میں تقریباً سو سال سے انگریزی ہوس استعمار کی سنگ راہ بنی ہوئی ہے اور اس سیلاب بلا کی گوناگوں روکو ناکام ونامراد پیچھے ہٹارہی ہے۔ پھر جو لوگ کائنات ارضی کی ہر بلندی پر یونین جیک کو لہراتا ہوا دیکھنے کے آرزومند ہیں، وہ افغانستان کے اس جرم ردودفع کو کس طرح معاف کر سکتے ہیں؟ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ ۱۹۰۷ء کے معاہدہ روس وبرطانیہ کی بدولت عساکر زار کے ہندوستان پر ہلّہ بول دینے کا جو خطرہ کسی حد تک کم ہوا تھا، وہ بولشویکوں نے برسراقتدار آنے اور علیٰ الرغم الفت ملوکیت پرستان برطانیہ اعلیٰ حضرت امیر امان اللہ خان غازی کے ساتھ گہرے دوستانہ وحلیفانہ تعلقات پیدا کر لینے کی وجہ سے ازسرنو تازہ ہوگیا ہے، بلکہ پہلے سے بہت زیادہ بڑھ گیا ہے۔ یہ محض میرا ہی خیال نہیں ہے بلکہ خود انگریز ارباب علم ورائے بھی اس بات میں میرے ہم آہنگ ہیں۔ چنانچہ انگلستان کے مشہور اخبار ''مانچسٹر گارڈین'' کے ایک نامہ نگار مسٹر آرتھر لنیم نے ماہ جولائی ۱۹۲۱ء میں جنگ

آزادی افغانستان کے اسباب بیان کرتے ہوئے ضمناً اس طرف بھی اشارہ کیا تھا۔

وسط ایشیا میں روس کے شاہنشاہانہ اقتدارات کی دوررس اور ہمہ گیر فوقیت کا تمہیدی حال قلمبند کرنے کے بعد مسٹر ریلنم لکھتے ہیں: ''روس کا انقلاب خواہ اشترا کی تفلسف کے پیرایہ سے عاری بھی ہوتا۔ ضعیف اقوام کے پیدائشی حقوق کو مسلم نہ بھی قرار دیتا اور نشر و تبلیغ کے کسی قسم کے وسائط اختیار نہ بھی کرتا، تاہم ضرور تھا کہ اس کے فوری نتائج سے ایک نازک صورت حالات پیدا ہو جائے۔ پرانے نظام سلطنت کے مٹتے ہی وہ دباؤ جو روس نے وسط ایشیا پر ڈال رکھا تھا، دفعۃً ہٹ گیا اور انگریزی فوجیں معاً خراسان میں مشہد تک پہنچ گئیں اور سرحد ایران سے گزر کر ترکستان میں عشق آباد سے مرو تک پھیل گئیں۔ پرانا توازن قوت یک بیک جاتا رہا اور افغانوں نے ایک نظر میں دیکھ لیا کہ ان کا کوہستانی نشیمن جس کی آزادی برقرار رکھنے میں دو عظیم الشان دشمن طاقتوں کی باہمی رقابت ان کی قوت بازو کی معاون تھی، اب سلامت نہیں رہا۔ ان دونوں میں سے ایک (روس) کا وجود دنیا سے ناپید ہو چکا تھا، دوسری طاقت (برطانیہ) آگے بڑھ رہی تھی اور بالکل نئی سمتوں سے پیش قدمی کرتی ہوئی افغانستان کو چاروں طرف سے گھیرتی ہوئی دکھائی دیتی تھی۔'' (فسانہ حجاز ص۱۱۸)

اینگلو انڈین جرائد کی قوت واہمہ کو پھر ماورائے پشاور کی بہ ظاہر آسودہ وساکن فضاء کے اندر ایک ہولناک طوفان آمادہ تموج و تلاطم نظر آرہا ہے، پھر اگر وہ واقعات سنگساری پر حکومت افغانستان کی تنقیص و تقبیح میں سرگرمی کا اظہار کرتے ہیں تو اس پر تعجب کا کون سا مقام ہے؟

البتہ یہ بات واقعی بے حد حیرت انگیز ہے کہ اس سلسلے میں اینگلو انڈین جرائد کی زبان پر بار بار ''آزادی ضمیر'' اور ''تہذیب'' کے الفاظ آرہے ہیں اور تہذیب انسانی کے یہ استاد نعمت اللہ اور اس کے جانشینوں کے انجام پر وحشیانہ سفک دم کے آوازے کس کس کر دنیا کو باور کرانا چاہتے ہیں کہ گویا ان کی برادری تو جناب مسیح علیہ الثنا کی شان جمالی کا مظہر اتم اور قدوسیان فلک الافلاک کی طرح منزہ عن الخطاء واقع ہوئی ہے جس نے کسی انسان کے ساتھ آج تک کوئی سختی نہیں کی اور کسی مجرم کو کبھی بھی عقوبت کے شکنجہ الیم میں نہیں کھینچا۔ اگر ایک اندھا صلاحیت دید سے فطری محرومی کے باعث آفتاب کے جہاں آرا جمال کا اعتراف نہ کرے تو دنیا قدرتی طور پر اسے معذور و مرفوع القلم تصور کرے گی۔ لیکن اگر وہ اپنی خلقی کو رسوداوی و بے بصری کے باوجود اس جمال میں عیب نکالے تو کوئی سلیم الفطرت انسان بھی

اس پر خاموش نہ رہ سکے گا۔ کاش اینگلو انڈین اصحاب افغانستان کی ''تہذیب'' اور، آزادی ضمیر کو معرض نقد واصاب میں لانے سے پیشتر اپنے قومی گریبان میں منہ ڈال کر دیکھتے اور اپنی حکومت کے اعمال وافعال کا بھی سرسری طور پر جائزہ لے لیتے۔ وہ واقعات سنگساری کے سلسلے میں جس آزادی ضمیر وتہذیب کے ''ماتم'' کا حق سینہ کوبی ادا کر رہے ہیں، کیا آج یہی آزادی ضمیر یہی تہذیب کینیا، مصر، آئرلینڈ، جنوبی افریقہ، فلسطین، عراق اور ہندوستان کے ایک ایک ذرے کے اندر اپنی تمام فناسامانیوں کے ساتھ کرشمہ سنج نہیں ہے؟ یا للعجب!

اگر ہندوستان کے غریب باشندے یہ کہیں کہ ان کے وطن عزیز ومحبوب پر انگریزوں کو قبضہ وتصرف کا کوئی حق حاصل نہیں ہے تو ان غریبوں پر دفعہ (۱۲۱) دفعہ (۱۲۴-الف) دفعہ (۱۳۵-الف) قیدیں، جرمانے، قرقیاں ڈگریاں، جلاوطنیاں، پھانسیاں اور نہیں معلوم کیا کیا بلائیں بلاتامل نازل ہو جاتی ہیں اور اس کے باوجود انگریزوں کے ادّعائے تہذیب واحترام آزادی ضمیر کو کوئی صدمہ نہیں پہنچتا۔ لیکن اگر افغانستان کی اسلامی حکومت ایک مقررہ ومسلمہ قانون شریعت نافذ کرتی ہے تو دفعۃً شور مچ جاتا ہے کہ افغان آزادی ضمیر کے دشمن ہیں۔ اس سرزمین کو مہذب ممالک کی صف میں جگہ پانے کا کوئی استحقاق نہیں ہے، کیا شریعتِ حقّہ اسلام کے ایک مستند اور مبنی علی الحکم قانون کو ایک آزاد وخودمختار اسلامی سلطنت میں وہ پایہ اور مرتبہ بھی حاصل نہیں جو لارڈ میکالے کے مرتبہ ضابطہ تعزیرات کو انگریزوں کے ایک متصرفانہ مقبوضہ ملک میں حاصل ہے؟ حکومت انگلشیہ کا ایک ذمہ دار افسر ایک نہتے مجمع پر کلدار توپوں کے ہلاکت بار دہانے کھول دے تو اسے قیام وتحفظ امن عامہ کا ایک ضروری وناگزیر وسیلہ قرار دیا جاتا ہے۔ حکومت انگلشیہ کے کارندے اگر سرحد اور عراق کے بے دست وپا بچوں، بوڑھوں، عورتوں اور مردوں کو بلاامتیاز مجرمیت ومعصومیت ہوائی جہازوں سے بم گرا کر فنا کریں تو اس سے ادّعائے تہذیب وشائستگی کا اجلا دامن ہرگز داغدار نہیں ہوتا۔ حکومت انگلشیہ اگر یونان کو اٹھا کر اور ابھار کر تھریس وانا طولیہ کی مستامن آبادیوں میں حشر برپا کرادے یا مصر کے چند نادان اشخاص کے جرم کی پاداش میں ساری مصری قوم کو شدید ترین عقوبت وتعزیر کے شکنجے میں کس دے تو اس صورت میں بھی انگریزوں کی تہذیب وآزادی ضمیر کی شان قدوسیت پر کوئی حرف نہیں آتا۔ لیکن حکومت افغانستان کو اپنے ایک مسلمہ قانون کے نفاذ پر فوراً تہذیب کے دائرے سے باہر نکال دیا جاتا

ہے۔ انگریزوں کو تو یہ حق حاصل ہے کہ محض اپنے وطن ہی میں نہیں بلکہ کائنات انسانیت کے چپے چپے میں جو چاہیں کریں، کسی کی آزادی سلب کریں، کسی کی دولت پر قبضہ جمائیں، کسی کے حقوق پاؤں تلے روندیں، کسی کو حکم داری کی زنجیروں میں جکڑیں اور یہ سب کچھ کر چکنے کے بعد بھی تہذیب وآزادی ضمیر کے آسمانی پیکر بنے رہیں۔ لیکن غریب افغانوں کی نسبت اتنا بھی گوارا نہیں کہ وہ اپنے ایک مذہبی قانون کو اپنی سرزمین کے اندر حسب صوابدید عمل میں لائیں۔ اینگلو انڈین جرائد کے دیدے اگر بالکل ہی پٹم نہیں ہوگئے ہیں تو وہ از برائے مسیح غور کریں کہ کیا انہیں افغانستان کے خلاف ایک حرف بھی زبان سے نکالنے کا حق پہنچتا ہے؟ کیا بے بصروں کو یہ حق پہنچتا ہے کہ دنیا کی بینائی میں نقص نکالیں؟ اور کیا بہروں کے لئے یہ موزوں ہے کہ وہ مرغان سحر کی ترانہ ریزیوں میں عیب چینی کرتے پھریں؟

اب میں ان مسلمانوں کے خیالات پر غور کرنا چاہتا ہوں جو افغانستان کے دشمن نہیں بلکہ دوست ہیں، مخالف نہیں بلکہ بہت بڑے حامی ہیں اور تہہ دل سے اس بات کے معتقد ہیں کہ اسلام دنیا کا بہترین مذہب، اس کا قانون دنیا کا بہترین قانون، اس کی تعلیمات دنیا کی بہترین تعلیمات اور اس کا راستہ دنیا کا مستقیم ترین راستہ ہے۔ اس مقام پر پہنچ کر میرا دل ٹکڑے ٹکڑے ہو رہا ہے اور میں حیران ہوں کہ کیا کہوں اور کیا لکھوں۔ میرے سامنے مسلمانوں کی ایک ایسی جماعت ہے جس کا اخلاص وایثار آفتاب کی طرح عالم آشکارا ہے اور جو اپنی زندگی شریعت اسلام اور ملت بیضا کے لئے وقف کر چکی ہے۔ لیکن آہ صد ہزار حسرت وآہ! کہ افرنجیت کے جس مرض نے میرے لاکھوں بھائیوں کے قوائے ذہنی ودماغی کو ماؤف کر ڈالا۔ اس کی دست برد سے یہ مخلص وممتاز جماعت بھی محفوظ نہیں۔ بلاشبہ اس کی نیت یہ نہیں کہ دین کے ساتھ تلعب اختیار کرے یا شرعی احکام میں استہزاء واستخفاف سے کام لے لیکن افسوس کہ عمل ونتائج کے اعتبار سے وہ اسی منزل میں پہنچی ہوئی ہے، جہاں عام فرنجیت پرست مسلمان بیٹھے ہیں۔ بے حد رنج اس بات پر ہے کہ اس جماعت نے دینی علوم کی تحصیل میں محنت ومشقت نہیں کی، کتاب وسنت کے حقائق ووثایق اور بصائر وحکم پر غور نہیں کیا، اسفار ودوّادین، تفاسیر واحادیث پر نظر نہیں ڈالی، آئمہ وعلماء کی تصنیفات ومدوّنات کا مطالعہ نہیں کیا، اجتہاد وافتاد اور تحکیم وفیصلہ امور شرعیہ کے لوازم وخصائص اور شروط واصول معلوم نہیں کئے۔ خلافت کی تحریک عامہ کے دوران میں علمائے کرام سے چند آیات سن کر وہ آج ہر

معاملہ میں مجتہد بنی بیٹھی ہے اور مسائل شرعیہ کے ردوقبول میں اپنے آپ کو کلیۃً آزاد اور خودمختار سمجھتی ہے۔ غالبؔ مرحوم نے اپنے زمانہ کی خیرہ ذوقی اور جوش ادّعا وتحکم سے متأثر ہو کر شاعری کے مستقبل کی نسبت یہ پیشگوئی کی تھی کہ۔

چشم کور آئینہ، دعویٰ بہ کف شواہد گرفت　　　دست شل مشاطہ زلف سخن خواہد شدن

لیکن آج علم وفن کا ہر دائرہ اسی پیش گوئی کا مصداق ومورد بنا ہوا ہے۔ علی الخصوص مذہب کے معاملہ میں تو اجتہاد کا یہ عالم ہے کہ آج ہر وہ شخص جسے قرآن کی چند آیات یا چند احادیث یاد ہیں، اپنے عہد کا ابوحنیفہ اور شافعی (رحمہما اللہ تعالیٰ) بنا بیٹھا ہے۔ پچاس پچاس ساٹھ ساٹھ روپے کی ملازمتوں کے لئے مسلسل ومتواتر پندرہ پندرہ سولہ سولہ سال انگریزی درس گاہوں میں بسر کئے جاتے ہیں۔ سرکاری عدالتوں کی سند وکالت حاصل کرنے کے لئے عمر کا ایک حصہ تحصیلات علمی وقانونی میں صرف ہو جاتا ہے۔ بیرسٹر و وکیل سالہا سال کی کامیاب وکالت کے بعد اس قابل بنتے ہیں کہ انہیں ججی یعنی قضا کا منصب ملے لیکن میرے نوتعلیم یافتہ مسلمان بھائی شرعی مسائل کے فیصلے کے لئے چند مہینے میں شرعی کتب کے فہم ومطالعہ کے لئے وقف کرنے کی ضرورت نہیں سمجھتے اور جب کوئی مسئلہ سامنے آتا ہے تو مولوی نذیر احمد کے مترجمہ قرآن سے ایک آدھ مفید مطلب آیت نکال کر آخری فیصلہ کر دیتے ہیں یا کسی نئی وضع کے مولوی کی خوشہ چینی کر کے بزعم خود مضامین تازہ کے انبار لگا دیتے ہیں۔ اتنی تکلیف بھی گوارا نہیں فرماتے کہ گزشتہ تیرہ سو سال کی مدت میں جن بزرگوں نے اپنی زندگیاں اس سمندر کی شناوری میں گزاریں۔ وہ کیا کہتے اور کیا سمجھتے ہیں۔ پہلے جمود کا یہ عالم تھا کہ حرکت وجنبش کے خیال پر بھی ہر طرف سے آوازیں اٹھنے لگتی تھیں۔

مژہ برہم مزن تا نشکنی رنگ تماشا را

اب حرکت شروع ہوئی تو ہر فرد نے بدحواسی کے عالم میں دوڑنا شروع کر دیا ہے اور گریزپائی کا یہ عالم ہے کہ شرع کی کاکل مشکیں سے دوبال بھی مستعار نہیں لئے جاتے کہ رسن کا کام دیں، نہ کسی کو یہ پاس ہے کہ حرکت کے اصول کیا ہیں، اجتہاد کے لئے کن کن خصائص ولوازم کی ضرورت ہے؟ تقویٰ، زہد اور پرہیزگاری کی کیا حالت ہونی چاہئے؟ دینی علوم میں تبحر کس درجہ لازمی ہے؟ مجتہدین آئمہ کرام کی حیثیت کیا تھی؟ گزشتہ گیارہ بارہ سو سال کی مدت میں ملت بیضا کے نادر روزگار ارباب علم وفضل نے کن وجوہ کی بنا پر جلیل القدر

آئمہ فقہ وحدیث کی تصریحات کو دلیل عمل بنائے رہے؟ زہد وتقویٰ تو رہا ایک طرف، نماز پنجگانہ کی پابندی تک قائم نہیں اور قرآن حکیم کا مطالعہ محض اردو تراجم وتفاسیر میں محدود رہ گیا ہے لیکن اجتہاد کا دعویٰ قائم ہے۔ ھم رجال ونحن رجال

یہ صدا ہر حلقہ سے برابر آرہی ہے۔ اس حرکت کے مقابلے میں تو شاید سابقہ جمود ہزار درجہ بہتر تھا۔ اس لئے کہ ہر حال میں دین کے خط وخال تو قائم تھے۔ یورپ کے ملحدانہ اصول مسائل شرعیہ کا معیار نہیں بنے تھے۔

''انما اشکوا بثی و حزنی الی اللّٰہ (یوسف:۸۶)''

میں اس مضمون کے آغاز ہی میں اپنی علمی فرومائیگی کا عاجزانہ اعتراف کر چکا ہوں۔ علی الخصوص دینی علوم میں تو میری قلیل البضاعتی کا یہ عالم ہے کہ جو کچھ اوپر عرض کر چکا ہوں۔ اس کا بھی اپنے آپ کو اہل نہیں سمجھتا۔ لیکن آہ! کہ درد دل کسی صورت چین نہیں لینے دیتا اور طبیعت یہ گوارا نہیں کرتی کہ دین کے ساتھ اس طرح استہزاء واستخفاف عمل میں آئے اور میں اس کے خلاف آواز بلند نہ کروں۔ من بہ ایں وادی زخود آیم جوان ارومرا

میں اس مقام پر اُن معترضین کے خیالات سے مزید تعرض کی ضرورت نہیں سمجھتا جن کے ایرادات سراسر تفرنج پر مبنی ہیں۔ یعنی وہ یورپ کی الحاد پرور تعلیمات اور خلیع الغدار حریت ضمیر کی بناء پر یہ عقیدہ قائم کئے بیٹھے ہیں کہ مذہبی معتقدات واعمال کو مستوجب تعزیر قرار دینا ظلم ہے۔ لیکن اس عقیدے کی توثیق وترصیص (مضبوطی) کے لئے وہ کوئی شرعی دلیل وبرہان پیش نہیں کرتے۔ البتہ جن لوگوں نے مخالفت میں شرعی استدلال کا شیوہ اختیار کیا ہے اور نفی قتل مرتد کے نصب واثبات میں بزعم خود حجج وبراہین کتاب وسنت سے تمسک کیا ہے۔ ان کے خیالات کا جائزہ ومحاسبہ اور ان کے دلائل کا امتحان واندازہ میرا اصل موضوع بحث ہے۔

خوش بود گر محک تجربہ آید بہ میان تاسیہ روئے شود ہر کہ در وغش باشد

جہاں تک مجھے معلوم ہے اس گروہ کی عنان راہنمائی میرے عزیز بھائی مولانا محمد علی (جوہر) کے ہاتھ میں ہے جنہوں نے ''ہمدرد'' کی ۱۹، ۲۰ اور ۲۱/ فروری (۱۹۲۵ء) کی اشاعتوں میں قتل مرتد کے اس فتنہ خوابیدہ کو از سرنو بیدار کیا جو نعمت اللہ (قادیانی) کی سنگساری کے سلسلے میں ارباب دانش وبینش کے حلقہ میں تقریباً دو ماہ تک ہل چل ڈالے رکھنے کے بعد خود بخود آسودۂ سکون ہوگیا تھا۔ ان مضامین میں مولانا محمد علی نے اوّل قرآن وحدیث کے رو سے

یہ ثابت کرنا چاہا ہے کہ شریعت اسلامی میں مرتد کے لئے قتل کی سزا تو درکنار، سرے سے کوئی سزا مذکور ہی نہیں۔ اس فرض سے سبکدوش ہوکر آپ نے قادیانیوں کو ارتداد کے الزام سے بری الذمہ قرار دیا ہے۔ یہی مضامین ہیں جن کی وجہ سے نوتعلیم یافتہ طبقہ میں سزائے قتل مرتد کی نسبت منکرانہ شکوک اور جاہلانہ اشتباہات کا مرض پھیلا اور مجھے یہ طویل الذیل سلسلہ مضامین مرتب کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ بنابریں میں اپنے نقد وتبصرہ اور رد وجرح کا دائرہ ''ہمدرد'' کے انہی تین مضامین میں محدود رکھوں گا اور ان شاءاللہ تعالیٰ! اسی سلسلے میں دوسرے معترضین ومنکرین کے اعتراضات وشکوک کا ازالہ بھی ہوجائے گا۔

سحر بامعجزہ پہلو نزندہ دل خوش دار سامری کیست کہ دست از ید بیضا ببرد

بعض دوسرے اسلامی جرائد میں بھی سزائے قتل مرتد سے انکار کیا گیا ہے۔ مثلاً روزنامہ ''خلافت'' کی ایک مختصر سی تحریر اس دعوے کے ثبوت میں پیش کی جاسکتی ہے لیکن میں سمجھتا ہوں کہ اس تحریر کو کوئی مستقل حیثیت حاصل نہیں ہے۔ بلکہ وہ ''ہمدرد'' کی صدائے مخالفت کی محض ایک اجمالی آرا و بازگشت ہے جس کے ہر ہر زیر وبم سے تقلید جامد کی لے پیدا ہورہی ہے۔ اس لئے اسے جداگانہ موضوع قرار دینا چنداں ضروری نہیں ہے۔

اصل بحث کا سلسلہ شروع کرنے سے پیشتر میں مولانا محمد علی (جوہر) سے معافی مانگتا ہوں۔ اس امر کی توضیح بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ ''ہمدرد'' کے محولہ بالا تین مضامین خود کوئی مستقل حیثیت نہیں رکھتے۔ ان میں سے پہلے دو مضامین محمد علی لاہوری قادیانی امیر جماعت احمدیہ لاہور کے ایک رسالہ کا خلاصہ ہیں۔ یہاں تک کہ تمام آیات، آیات کا ترجمہ، تفسیر، انداز استدلال شروع سے لے کر آخر تک اسی رسالہ سے ماخوذ ہے اور ایک حرف کا بھی اپنی طرف سے اضافہ نہیں کیا گیا۔ اسی طرح صحیح بخاری کی حدیث: ''من بدّل دینہ فاقتلوہ (صحیح بخاری باب حکم المرتد والمرتدہ)'' کے ایک راوی ابوالنعمان محمد بن فضل پر اعتراض، لفظ ''دین'' کی عالمگیر عمومیت کا دعویٰ، ہدایہ کی عبارت سے بے بنیاد استشہاد کہ مرتد صرف حربی ہونے کی صورت میں واجب القتل ہوتا ہے۔ صاف صاف محمد علی لاہوری قادیانی کے رسالہ سے اٹھا کر نقل کر دیا گیا ہے اور اتنی کوشش بھی نہیں کی گئی کہ ان ''دلائل'' کی نسبت کسی دوسرے واقف کار سے استصواب کرلیا جائے۔ حالانکہ اس مسئلہ کے آخری وقطعی فیصلے کے لئے کسی قادیانی کے دلائل کا درجہ اعتماد ووثوق ازسرتاپا محل نظر تھا۔ چہ جائیکہ خالصتہً انہی پر انحصار

رکھا جاتا اور انہیں اپنے دلائل قرار دے کر مسلمانوں میں ان کی اشاعت کی جاتی۔ مجھے ڈر ہے کہ جس ڈگر پر میرے بھائی مولانا محمد علی (جوہر) پڑھ لئے ہیں۔ اگر کچھ دن اور یہی راہ انہوں نے اختیار کئے رکھی تو قرآن مجید کی آیات بینات کے کھلے ہوئے معانی کی تحریف کا ایک نیا دروازہ کھل جائے گا اور مسلمانوں کے سر پر ایک نئی مصیبت نازل ہو جائے گی۔ مثلاً اگر کل کلاں کو مسئلہ ولادتِ مسیحؑ کی تشریح کے سلسلہ میں کسی نے یہ بحث چھیڑ دی کہ دودھ پیتے بچے کا ناطق ہونا محال عقلی ہے اور اپنے دعوے کی تائید میں محمد علی لاہوری قادیانی کی تفسیر قرآن سے یہ اقتباس پیش کر دیا کہ: ’’**فاتت بہ قومھا تحملہ** (مریم:۲۷) ‘‘ لازماً حضرت عیسیٰ کے زمانہ نبوت سے تعلق رکھتا ہے اور حضرت عیسیٰ اس وقت حضرت مریم کی گود میں نہ تھے بلکہ (گدھے پر سوار ہو کر یروشلم میں داخل ہوئے تھے) تو کیا مولانا اس انوکھے مفسرانہ اکتشاف پر صاد کرتے ہوئے تفسیر بالرائے کی وہ ذمہ داری اپنے سر لینے کے لئے آمادہ ہوں گے جس کے تصور سے ہی دنیائے اسلام کا دل لرزتا ہے۔

’’ہمدرد‘‘ کا تیسرا مضمون مولانا ابوالکلام آزاد کے اس استا پر مبنی ہے کہ متأول (تأویل کرنے والا) کافر نہیں ہوتا۔

سب سے پہلے میں ’’ہمدرد‘‘ کی پیش کردہ آیات پر بحث کروں گا۔ ان آیات کو باعتبار معانی ومفہوم دو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ ایک حصہ ان آیات پر مشتمل ہے جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ دین کے بارے میں جبر جائز نہیں ہے۔ اس سلسلے میں ’’**لا اکراہ فی الدین** (البقرہ:۲۵۶) **وقل الحق من ربکم فمن شاء فلیؤمن و من شاء فلیکفر** (الکہف:۲۹) ‘‘ اور ’’**ولو شاء ربک لا من من فی الارض کلھم جمیعا افانت تکرہ الناس حتٰی یکونوا مؤمنین** (یونس:۹۹) ‘‘ نقل کی گئی ہیں۔ دوسرا حصہ ان آیات پر مشتمل ہے جن میں منطوقاً یا مفہوماً ارتداد کا ذکر ہے۔ مگر اس کے ساتھ سزائے قتل مذکور نہیں۔ میں ان آیات پر علیحدہ علیحدہ نظر ڈالوں گا۔

بلاشبہ یہ صحیح ہے کہ ’’ہمدرد‘‘ کی پیش کردہ آیات میں مرتد کے لئے سزائے قتل کا ذکر نہیں ہے اور ذاتی طور پر میرا خیال ہے کہ غالباً کسی دوسری آیت میں بھی بالتصریح ایسا حکم نظر نہیں آتا، لیکن سوال یہ ہے کہ کیا سارا دین محض قرآن کی تصریحات ہی میں محدود ومحصور ہے اور مثلہ معہ یعنی حامل قرآن ﷺ کی تصریحات وتنبیہات اس باب میں کوئی درجہ، کوئی

منصب اور کوئی حیثیت نہیں رکھتیں؟

علاوہ بریں ان آیات سے یہ مطلب اخذ کرنا صریح زیادتی ہے کہ ان میں قتل مرتد کی نفی کی گئی ہے۔ مثلاً اس سلسلے میں یہ دو آیتیں پیش کی جاتی ہیں:

۱ ...... و قالت طآئفة من اهل الکتاب اٰمنو بالذی انزل علی الذین اٰمنوا وجه النهار واکفروا اٰخره لعلهم یرجعون (آل عمران:۷۲)

ترجمہ: اہل کتاب کی ایک جماعت نے کہا کہ جو کچھ مسلمانوں پر نازل ہوا ہے، صبح کو اس پر ایمان لے آؤ اور شام ہوتے ہوتے اس سے منکر ہو جاؤ۔ شاید اس تدبیر سے مسلمان بھی دین سے برگشتہ ہو جائیں۔

۲ ...... کیف یهدی الله قوماً کفروا بعد ایمانهم و شهدوآ ان الرسول حق و جآء هم البینٰت والله لایهدی القوم الظلمین اولٓئک جزاؤهم ان علیهم لعنة الله والملئکة والناس اجمعین (آل عمران:۸۶،۸۷)

ترجمہ: خدا اس قوم کو کیسے ہدایت کی راہ سمجھائے جنہوں نے ایمان کے بعد کفر اختیار کیا۔ انہوں نے گواہی دی کہ رسول سچا ہے اور (اس کی صداقت پر) انہیں کھلے نشان بھی مل گئے۔ (مگر اس کے باوجود وہ منکر ہوگئے) اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔ ایسے لوگوں کی سزا یہی ہے کہ ان پر اللہ، اس کے فرشتے اور تمام لوگوں کی لعنت ہو۔

ان آیات کو نفی قتل ارتداد کے اثبات میں پیش ہوتے دیکھ کر بے اختیار ہنسی بھی آتی ہے اور پیش کرنے والوں کی لاعلمی و بے خبری پر خون کے آنسو بہانے کو بھی جی چاہتا ہے۔ کسی شخص نے اس حقیقت پر غور نہیں کیا کہ ان آیات کا سیاق کیا ہے۔ خطاب کن لوگوں سے ہے، ذکر کس معاملہ کا ہے، صرف ایمان کے بعد کفر کا کلمہ دیکھا اور جھٹ آیت نقل کر دی کہ دیکھئے اس میں کہیں یہ ذکر نہیں ہے کہ ایمان کے بعد کفر اختیار کرنے والوں یعنی مرتدوں کو قتل کی سزا دی جائے۔ **فوا اسفا ثم واسفا!**

گر تو قرآں بدیں نمط خوانی ببری رونق مسلمانی را

حقیقت یہ ہے کہ ان آیات کا بہ سلسلہ ارتداد پیش کرنا ہی قرآن سے انتہاء درجہ کے جہل کا ثبوت ہے۔ یہ دونوں آیتیں سورۂ آل عمران میں آتی ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر کرنے کے بعد اس سورۃ کے ساتویں رکوع سے صاف صاف اہل کتاب مخاطب ہیں۔

قرآن اٹھا کر دیکھئے ہر دوسری یا تیسری آیت کے بعد خطاب کا اعادہ ہے۔ مثلاً:

۱ ...... قل یا اھل الکتاب تعالوا الی کلمة سواء بیننا و بینکم (آل عمران:۶۴)

۲ ...... یا اھل الکتٰب لم تحآجون فی ابراھیم (آل عمران:۶۵)

۳...... یا اھل الکتاب لم تکفرون بایت اللہ و انتم تشھدون یا اھل الکتاب لم تلبسون الحق بالباطل و تکتمون الحق و انتم تعلمون (آل عمران:۷۰،۷۱)

بعدازاں خطاب کو چھوڑ کر اہل کتاب کے حقیقی خصائص بیان کرنے شروع کردیئے ہیں۔اس سلسلے میں ارشاد ہوتا ہے:

۱ ...... وقالت طائفة من اھل الکتاب اٰمنوا بالذی انزل علی الذین (آل عمران:۷۲)

۲ ...... و من اھل الکتاب من ان تامنه بقنطار یؤده الیک (آل عمران:۷۵)

۳...... ان الذین یشترون بعھد اللہ و ایمانھم ثمنا قلیلا (آل عمران:۷۷)

۴ ...... و ان منھم لفریقا یلوٗن السنتھم بالکتٰب لتحسبوه من الکتٰب وما ھو من الکتٰب (آل عمران:۷۸)

اسی سلسلہ میں کیف یھدی اللہ قوماً کفروا بعد ایمانھم (آل عمران:۸۶)

فرمایا گیا ہے اور اس کفر بعد ایمان کی تصریح آیت مذکورہ سے چار آیتیں پہلے ملتی ہیں:

واذ اخذ اللہ میثاق النبین لمآ اتیتکم من کتٰب و حکمة ثم جآء کم رسول مصدق لما معکم لتؤمنن به و لتنصرنه قال ء اقررتم و اخذتم علی ذٰلکم اصری قالوا اقررنا قال فاشھدوا و انا معکم من الشھدین (آل عمران:۸۱)

جب اللہ تعالیٰ نے انبیاء کے ذریعہ عہد لیا کہ ہم تم کو کتاب اور حکمت میں سے دیں اور پھر وہ رسول آئے اور اس (کتاب) کی تصدیق کرے جو تمہارے پاس ہے تو ضرور اس پر ایمان لانا اور ضرور اس کی مدد کرنا اور (اللہ تعالیٰ نے) فرمایا کہ کیا تم اقرار کرتے ہو اور ان

باتوں پر جو ہم نے تم سے عہد و پیمان لیا ہے، اسے تسلیم کرتے ہو۔ انہوں نے کہا کہ ہاں ہم اقرار کرتے ہیں۔ کہا کہ تم گواہ رہو۔ ہم بھی تمہارے ساتھ گواہوں میں سے ہیں۔

بنابریں **کیف یھدی اللہ قوماً کفروا بعد ایمانھم** (آل عمران:۸۶) کا مطلب یہ نہیں کہ کسی جماعت نے دائرہ اسلام میں داخل ہونے کے بعد کفر اختیار کیا تھا۔

حقیقی مطلب یہ ہے کہ اہل کتاب حضور سرور کائنات ﷺ پر ایمان لانے کا اقرار اور عہد و پیمان کرنے کے بعد آپ ﷺ کی تشریف آوری پر تمام ''بینات'' سے منکر ہوگئے تھے۔ اسی کفر بعد ایمان کا اس آیت میں ذکر ہے۔

محمد علی لاہوری قادیانی اپنی تفسیر بیان القرآن میں خود اس آیت کو اہل کتاب سے متعلق قرار دیتے ہیں۔

چنانچہ آپ کی اصل عبارت یہ ہے: ''گو بعض نے کہا ہے کہ اس آیت میں ایک خاص گروہ کا ذکر ہے جو اسلام لا کر مرتد ہوگئے اور اہل مکہ سے جا ملے اور ان میں ابوعامر راہب کا نام بھی لیا گیا ہے۔ مگر حسن اور عباس سے روایات صریحہ ہیں کہ ان آیات میں اہل کتاب ہی کا ذکر ہے اور یہی سیاق وسباق عبارت چاہتا ہے...... **کفروا بعد ایمانھم** سے یہ مراد ہے کہ وہ پہلے انبیاء پر ایمان لائے اور اس کے بعد اب محمد رسول اللہ ﷺ کا کفر کرتے ہیں۔ **وشھد و ان الرسول حق** میں یہ اشارہ ہے کہ درحقیقت رسول اللہ ﷺ کی صداقت کا یہ لوگ اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر چکے ہیں...... بینات سے مراد وہ کھلے دلائل ہیں جن میں سے کئی ایک یہاں بھی بالتفصیل بیان ہوچکے ہیں۔'' (بیان القرآن جلد اوّل ص۳۵۶)

یہ اس وقت کی تحریر ہے جب کہ قتل مرتد کا مسئلہ سامنے نہیں آیا تھا اور امیر جماعت احمدیہ کے وہم وگمان میں بھی یہ بات نہ گزری تھی کہ **قوماً کفروا بعد ایمانھم** کا آسمانی آوازہ یہودیوں کے بجائے انہیں کبھی مسلمانوں پر بھی کسنے کی ضرورت پیش آئے گی، لیکن جس طرح زمانہ بدلتے دیر نہیں لگتی، اسی طرح قادیانیوں کی تاویل بھی ایک موم کی ناک ہے کہ جب چاہی اور جدھر چاہی موڑ لی۔ آج محمد علی اپنی تفسیر پر آپ ہی خط تنسیخ کھینچ کر اپنے بیان سے آپ ہی اعراض کر کے اس آیت سے نفی قتل مرتد پر استدلال کرتے ہیں اور مولانا محمد علی (جوہر) اس خندہ آفرین استدلال کو اٹھا کر بلاتأمل و بدوں تدبر ''ہمدرد'' میں نقل کر دیتے ہیں اور سمجھ لیتے ہیں کہ اس انطباق (چسپاں کرنا) سے نفی قتل مرتد کے دعوے پر قضاء

وقدر کی مہر تصدیق ثبت ہوگئی۔

وقالت طائفة من اهل الکتاب (آل عمران:۷۲) کا حوالہ دیتے ہوئے میں کنایۃً ظاہر کر چکا ہوں کہ اس آیت میں جس گروہ سے خطاب کیا گیا ہے، وہ گروہ اہلِ کتاب ہے جسے مشرف باسلام ہونے کی توفیق نہ بخشی گئی تھی اور اس لئے اس آیت کو اسلام سے برگشتہ ہونے والوں کے حسب حال سمجھ کر اس سے نفی قتل مرتد کا حکم مستنبط کرنا ایک افسوسناک غلطی ہے۔ اگرچہ کنایہ تصریح سے ابلغ ہوا کرتا ہے۔ لیکن خوردہ گیروں کی جس قوم سے مجھے پالا پڑا ہے، بلاغت کے اس انداز کو عجب نہیں کہ میرے اعتراف عجز کا پردہ دار خیال کرے، اس لئے تھوڑی سی تصریح وتوضیح ناگزیر ہے۔ اس آیت سے نفی قتل مرتد پر ان الفاظ میں استدلال کیا گیا ہے: ''اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس قسم کی شرارتیں کی جایا کرتی تھیں، مگر اس کے باوجود ان کے قتل کا حکم نہیں دیا گیا۔''

لیکن یہ آیت تو زیادہ سے زیادہ یہودیوں کا صرف یہ قول پیش کرتی ہے کہ بھائیو! قرآن پر صبح کو ایمان لے آؤ اور سورج ڈوبنے سے پہلے پہلے منکر ہو جاؤ، تاکہ اور نہیں تو اسی حیلے سے تمہاری دیکھا دیکھی مسلمان بھی اپنے دین سے برگشتہ ہو کر تم میں آملیں۔ بالفاظ دیگر اس آیت سے صرف اس قدر ثابت ہوتا ہے کہ اہل کتاب کی ایک جماعت نے مسلمانوں کو دین مبین کی صراط مستقیم سے منحرف کرنے کے لئے منافقانہ مومنیت کا دام تزویر بچھانے کی تجویز کی تھی۔ یہ ثابت نہیں ہوتا کہ یہ ریائی قبا، یہ نمائشی جامہ انہوں نے واقع میں پہن بھی لیا تھا اور اپنے ابلیسانہ منصوبہ کو وہ قوت سے فعل میں بھی لے آئے تھے۔

اس سلسلے میں اور جو آیات پیش کی جاتی ہیں وہ یہ ہیں:

۱ ...... **من کفر باللّٰہ من بعد ایمانه الا من اکرہ و قلبه مطمئن بالایمان ولکن من شرح بالکفر صدراً فعلیهم غضب من اللّٰہ ولهم عذاب عظیم** (النحل:۱۰۶)

جو شخص کفر پر مجبور کیا جائے مگر اس کا دل ایمان کی طرف سے مطمئن ہو اس پر کچھ مواخذہ نہیں، لیکن جو کوئی دل کھول کر کفر اختیار کرے تو ایسے لوگوں پر خدا کا غضب اور ان کے لئے بڑا (سخت) عذاب ہے۔

۲ ...... **ان الذین اٰمنوا ثم کفروا ثم اٰمنوا ثم کفروا ثم ازدادوا کفراً لم یکن اللّٰہ لیغفرلهم ولا لیهدیهم سبیلا** (النساء:۱۳۷)

جو لوگ ایمان لائے پھر کافر ہوئے، پھر ایمان لائے پھر کافر ہوئے، پھر کفر میں بڑھتے چلے گئے تو اللہ ان کو نہ بخشے گا اور نہ سیدھا راستہ بتائے گا۔

ایک اور آیت ہے جسے اگرچہ ''ہمدرد'' نے نقل نہیں کیا لیکن میں مناسبت موضوع کے لحاظ سے اس پر بھی اسی سلسلے میں نظر ڈال لینا ضروری سمجھتا ہوں۔ وھو ھذا!

۳...... **ولا یزالون یقاتلونکم حتٰی یردوکم عن دینکم ان استطاعوا ومن یرتدد منکم عن دینہ فیمت وھو کافر فاولٰئک حبطت اعمالھم فی الدنیا والاٰخرہ واولٰئک اصحٰب النار ھم فیھا خٰلدون** (البقرہ:۲۱۷)

اور (کفار ومشرکین) ہمیشہ تم سے لڑتے رہیں گے۔ یہاں تک کہ اگر ان کا بس چلے تو تمہیں دین سے برگشتہ کردیں اور تم میں سے جو شخص اپنے دین سے برگشتہ ہوگا اور کفر کی ہی حالت میں مرجائے گا تو ایسے لوگوں کا تمام کیا کرایا دنیا اور آخرت دونوں میں اکارت ہے اور یہی لوگ اہل دوزخ ہیں جو اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

پہلی دو آیتوں میں ارتداد کی مختلف صورتوں کا ذکر ہے۔ ایک میں اُن اشقیائے ازلی کا حوالہ دیا گیا ہے جو بشرح صدر کفر اختیار کریں۔ دوسری میں ان بدبختوں کا بیان ہے جو پہلی مرتبہ ارتداد سے تائب ہوکر دوبارہ مرتد ہوجائیں اور پھر اسلام کا دامن تھام کر از سرنو کفر کی چوکھٹ پر پیشانی رگڑتے ہوئے ہمیشہ کے لئے اپنے ہاتھ سے اپنے اوپر توبہ کا دروازہ بند کرلیں۔ لیکن ان آیات سے یہ کہاں ثابت ہوتا ہے کہ ان دونوں بدبخت گروہوں کو اس اُخروی وعید کے علاوہ جس کی سناونی انہیں دی گئی ہے، اس دنیا میں اور کوئی سزا نہ ملنی چاہئے۔

تیسری آیت میں بھی ''فیمت'' کا لفظ سزائے قتل کا منافی نہیں ہے۔ اس لئے کہ اوّل تو یہ لفظ موت بالقتل اور موت طبعی دونوں پر یکساں حاوی ہے اور اس کے استعمال سے مقصود یہ معلوم ہوتا ہے کہ عام مرتدین کے ساتھ ساتھ ان مرتدین کے متعلق بھی صراحت کردی جائے جو ارتداد اختیار کرتے ہی ہیبت حاکمہ اسلام کے دائرہ اثر واقتدار سے باہر نکل جائیں اور اسلامی حکومت کا محکمہ قضا ان پر حد جاری نہ کرسکے۔ اس کے علاوہ یہ آیت ان مرتدین کی حالت پر بھی منطبق ہوتی ہے جو کسی غیرمسلم حکومت کے ماتحت ہونے کے باعث شرعی سزائے قتل سے محفوظ رہتے ہیں۔ مثلاً جس طرح آج کل ہندوستان کے حلقہ ارتداد کے مرتدین محفوظ ومصئون ہیں۔

بلاشبہ ان تینوں آیات قرآنی میں سزائے قتل کا کوئی ذکر نہیں ہے لیکن ان سے سزائے قتل کی نفی کا بھی تو کوئی پہلو پیدا نہیں ہوتا۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ قرآن نے مرتد کی دنیوی سزا کے متعلق سکوت اختیار کیا ہے لیکن اس سکوت کو مرتد کی سزایابی کے خلاف ایک قطعی برہان کے طور پر پیش کرنا حامیان آزادی ضمیر کی سراسر دھاندلی ہے۔ قرآن حکیم حد شارب الخمر یا رجم زانی محصن کے باب میں بھی تو اسی طرح ساکت ہے پھر کیا نئی روشنی والے مفسرین اس سکوت کی بناء پر یہ دعویٰ بھی کر بیٹھیں گے کہ قرآن نے شراب پینے والے کو درّے لگانے اور زانی محصن کو سنگسار کرنے کا حکم نہیں دیا۔ اس لئے شرع کو اس قسم کے خاطیوں سے مواخذہ کرنے کا کوئی حق نہیں؟

دین کے بارے میں جبر کی ممانعت کے متعلق ''ہمدرد'' نے جو آیات پیش کی ہیں، انہیں میں اوپر نقل کر چکا ہوں۔ قارئین کرام کی سہولت کے لئے یہاں انہیں دوبارہ پیش کئے دیتا ہوں۔

۱ ...... ولو شآء ربک لاٰمن من فی الارض کلّهم جمیعا افانت تکره الناس حتی یکونوا مؤمنین (یونس:۹۹)

اگر تمہارا پروردگار چاہتا تو وہ تمام لوگ جو زمین پر بستے ہیں، ایمان لے آتے تو کیا تم سب کو مجبور کر سکتے ہو کہ وہ ایمان لے آئیں۔

۲ ...... قل الحق من ربکم فمن شآء فلیؤمن و من شآء فلیکفر (الکهف:۲۹)

اے پیغمبر کہہ دے کہ حق تو تمہارے پروردگار کی طرف سے ہے پس جو چاہے، ایمان لائے اور جو چاہے کفر اختیار کرے۔ دین میں کوئی جبر نہیں ہے۔ ہدایت اور گمراہی واضح ہو چکی۔

ان آیات کی تفسیر میں (اگر اس بلند پایہ لفظ کا اسی سلسلہ میں استعمال جائز سمجھا جائے) ''ہمدرد'' نے جس خلیع العذارانہ اسلوب و انداز سے کام لیا ہے، اگر اسے تھوڑی دیر کے لئے صحیح اور درست مان لیا جائے تو پھر شریعت کا کوئی قانون، کوئی قید، کوئی حد اور کوئی حکم بھی اپنی جگہ پر قائم نہیں رہ سکتا اور وہ سارا مجموعہ قوانین و ضوابط چشم زدن میں پارہ پارہ ہو جاتا ہے جسے کائنات انسانیت کی فلاح و بہبود کے لئے رسول اللہ ﷺ دنیا میں تشریف لائے اور جس سے بُعد و ہجر کے باعث آج مسلمان ذلت و نامرادی کے درک اسفل میں گرے ہوئے ہیں۔

ولو شآء ربک کا مفہوم قدسی صرف اس قدر ہے کہ پروردگار عالم وعالمیاں کے حیطۂ اختیار سے یہ بات باہر نہ تھی کہ وہ انسان کو ملکی القویٰ یعنی فرشتوں کی طرح بنا دیتا اوراس صورت میں آدمی زادہ اگر کافر ہونا بھی چاہتا تو نہ ہوسکتا مگر جناب باری کے مصالح نے فطرت بشری کو فرشتہ وحیوان کی صفات متضادہ کی طرفہ معجون بنا کر انسان کو اختیار دیدیا کہ چاہے تو فرشتہ سے بہتر ہو جائے اور چاہے تو حیوان سے بھی بدتر بن جائے۔ پھر کیا پیغمبر کی یہ خواہش درست ہوسکتی ہے کہ کافروں کو جبراً مسلمان بنالیا جائے، یہی معنی قل الحق من ربکم کے ہیں۔ پیغمبر کا فرض بس اتنا ہے کہ کفروایمان کی تصریح کر دے اوراس بات کو دنیا کی مرضی پر چھوڑ دے کہ وہ کفر اختیار کرتی ہے یا ایمان، انسان اپنے لئے راستی یا ناراستی کا شیوہ پسند کرنے میں بالکل آزاد ہے۔ لکم دینکم ولی دین

لیکن ان آیات بینات سے ''ہمدرد'' کی طرح یہ نتیجہ نکالنا کس طرح درست ہوسکتا ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے صراط مستقیم پر چلنا شروع کر دیں، وہ بھی ہر قسم کی تقیدات سے آزاد ہیں۔ جس بات کو چاہیں مان لیں اور جو بات ان کے اوہام واہوا کی مساعدت نہ کرے، اسے چھوڑ کر شتر بے مہار کی طرح اِدھر اُدھر بھاگے دوڑے پھریں۔ کوئی ان سے تعرض نہ کرے اور کوئی ان کا مزاحم نہ ہو۔ وہ جب چاہیں اور جس طرح چاہیں بعید سے بعید تاویلات اور سخت سے سخت تحریفات کی بناء پر اوامرونواہی کا حلقہ اپنی گردن سے اتار پھینکیں۔

میں اس سے بھی ایک قدم آگے بڑھتا ہوں اور تھوڑی دیر کے لئے بر سبیل فمن شآء فلیؤمن و من شآء فلیکفر (الکہف:۲۹) کے اس مفہوم کو صحیح مان لیتا ہوں کہ ہر شخص اسلام کے ترک واختیار میں ہر حیثیت سے آزاد ہے لیکن سوال یہ ہے کہ کیا یہ مفہوم زیر بحث معاملہ پر منطبق بھی ہوتا ہے؟ یعنی کیا اس وقت ہمارے سامنے کسی ایسی جماعت کا قضیہ درپیش ہے جو اسلام کے دامن سے منقطع ہوکر کسی دوسرے مذہب کا رشتہ اپنی گردن میں ڈال چکی ہے؟ اس سوال کا جواب ہر شخص نفی میں دے گا۔ یہی وجہ ہے کہ قادیانی بعض اہم امور شرعیہ میں سخت تحریف کرنے کے باوجود اس وقت تک اپنے آپ کو شریعت اسلامی سے منسوب کرتے ہیں۔ اسلام ہی کے قانون کو واجب الامتثال سمجھتے ہیں اور اسی کے ضابطہ کی پابندی کے دعویدار ہیں۔

''ہمدرد'' نے فمن شآء فلیؤمن و من شآء فلیکفر (الکہف:۲۹) کی جو تفسیر کی ہے، اس کی بناء پر زیادہ سے زیادہ یہ مانا جاسکتا ہے کہ اگر کوئی مسلمان ہندو یا عیسائی بن جائے

تو اس سے تعرض نہ کیا جائے لیکن مسلمان کہلا کر اور اپنے آپ کو مسلمان جتلا کر اسلام کی تحریف کرنے والوں کو تو باز پرس سے محفوظ رکھنے کی کوئی دلیل اور کوئی حجت اس سے نہیں نکلتی۔ مثلاً یہ تو تسلیم کیا جاسکتا ہے کہ جو شخص آج افغانستان میں سکونت پذیر ہے اور افغانستان کے قوانین کا پابند ہے۔ اگر کل نقل مکان کر کے ہندوستان میں چلا آئے تو اسے عدالت وقانون کے افغانی شکنجہ میں نہ جکڑنا چاہئے بلکہ اس کے ساتھ وہی سلوک کرنا چاہئے جو انگریزی رعایا کے ساتھ ہوتا ہے۔ لیکن کیا اس سے یہ نتیجہ نکالنا بجا ہوگا کہ ایک شخص ہندوستان میں رہے، ملک معظم جارج پنجم کی رعایا ہو اور پھر بھی وہ اس بات کا مجاز سمجھا جائے کہ تعزیرات ہند کی دفعات میں سے جسے چاہے مانے اور جسے چاہے ٹھکرادے۔ کیا کوئی اس سرزمین میں رہ کر ادر بغی، طغیان اور مخالفت حکومت کا سلسلہ اٹھا کر دفعہ ۱۲۰۔ ۱۲۱، اور دفعہ ۱۲۴ (الف) کے چنگل سے مصئون و ماموں رہ سکتا ہے؟ اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو پھر فمن شآء فلیؤمن و من شآء فلیکفر (الکھف:۲۹) کو پیش کر کے یہ توقع کیوں رکھی جاتی ہے کہ اسلام اپنے باغی، اپنے مخرب، اپنے ہادم اور اپنے مخالف سے کوئی مزاحمت نہ کرے، علی الخصوص اس حالت میں کہ وہ باغی باوجود بغی وعدوان اپنے آپ کو قانون اسلام کا پابند بھی ظاہر کرتا ہو؟

لا اکراہ فی الدین کی نسبت یہ عرض ہے کہ اوّل تو اس کا یہ مفہوم ہی محل نظر ہے جسے ’’ہمدرد‘‘ بہ شدومد پیش کر رہا ہے اور پھر اس پر اپنے سارے دعوے کی بنیاد رکھ رہا ہے۔ حجۃ الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ علوم کتاب وسنت کا ایک ایسا درخشاں آفتاب ہیں جس کی ضیاباریوں سے دنیائے اسلام کا ایک ایک ذرہ مستنیر (روشن) ہے اور جن کی نظیر سے کم از کم اسلامی ہند کی تاریخ علم وفضل یکسر خالی ہے وہ اپنے مشہور ترجمہ قرآن الموسوم بہ فتح الرحمٰن میں اس آیت کا ترجمہ یوں فرماتے ہیں: ’’نیست جبر کردن برائے دین، ہر آئینہ ظاہر شدہ است راہ یابی از گمراہی‘‘

اس کی تشریح وہ حاشیہ میں اس طرح فرماتے ہیں: ’’یعنی حجت اسلام ظاہر شد۔ پس گویا جبر کردن نیست اگرچہ فی الجملہ جبر باشد‘‘

اردو میں یہ مطلب اس طرح ادا کیا جاسکتا ہے کہ اسلام کے آتے ہی حق اور باطل کا معیار دنیا کے سامنے آ گیا اور انسان کے سامنے سچائی پیش کر دی گئی۔ اب اس کے لئے بجز اس کے چارہ نہیں کہ اس سچائی کے سامنے سر تسلیم خم کر دے اور اگر نہ کرے تو اس کی گردن

عدوان وطغیان کے جھکانے کے لئے کچھ طریقے ایسے اختیار کرنے پڑیں گے جن پر بہ ظاہر جبر کا گمان ہوگا لیکن وہ جبر دراصل جبر نہ ہوگا۔ حضرت شاہ ولی اللہ کی اس تفسیر سے معلوم ہوسکتا ہے کہ علمائے امت کا ایک برگزیدہ طبقہ تمسک بالحق کے معاملہ میں جبر اور کراہ کو کیا سمجھتا ہے۔

مشہور عالم ومحدث ابوبکر بن العربی صاحب ''احکام القرآن'' آلوسی بغدادی، صاحب روح المعانی اور امام ابن تیمیہؒ کے شاگرد رشید حافظ ابن قیمؒ بھی اسی طرف گئے ہیں۔ لیکن میں اس تصریح کو نظر انداز کر کے تھوڑی دیر کے لئے ''ہمدرد'' ہی کے ترجمے کو صحیح تسلیم کئے لیتا ہوں اور بپاس خاطر مولانا محمد علی مانے لیتا ہوں کہ لا اکراہ فی الدین سے حقیقت میں یہی مراد ہے کہ اگر کوئی شخص دائرہ اسلام میں داخل ہوجائے تو پھر بھی اسے یہ اختیار باقی رہتا ہے کہ جب چاہے اور جس طرح چاہے دین قیم کی اطاعت کا جوا اپنے کندھے سے اتار پھینکے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ کیا یہ معانی قرآن حکیم اور سنت رسول اللہ ﷺ سے بھی پیدا ہوتے ہیں؟ اور کیا لا اکراہ فی الدین کی کوئی مخصصات اور تفصیلات بھی کتاب وسنت میں موجود ہیں یا نہیں؟ آج ہر شخص بات بات پر لا اکراہ فی الدین کی رٹ لگا رہا ہے اور یہ چہار لفظی جملہ اپنی زبان سے نکال کر سمجھ لیتا ہے کہ وہ اپنے عہد کا ابوحنیفہ اور اپنے وقت کا بخاری ہے اور اسے یہ حق پہنچتا ہے کہ اس مختصر سے کلیہ کو لے کر علمائے دین قیم کے گزشتہ سیزدہ صد سالہ علمی کارناموں پر خط نسخ کھینچ دے۔ گویا اسلام کا یہ ایک ایسا آسمانی مرکز دریافت ہوا ہے جس کے گرد اس کا سارا نظام شمسی چکر لگا رہا ہے دوادین (دیوان کی جمع) فقہ وحدیث کی تو حیثیت ہی کیا ہے کہ اس کلیہ کے روبرو درخور وثوق واعتماد قرار پاسکیں۔ خود صدہا قرآنی احکام واوامر بھی اس کے سامنے بلاتأمل ٹھکرائے جاسکتے ہیں۔ افسوس! صد ہزار حسرت وافسوس!! کہ ہماری بدبختی ہمیں تسفل کی کیسی عمیق گہرائیوں میں گرا چکی ہے۔

''ہمدرد'' لا اکراہ فی الدین کی تفسیر کے سلسلے میں حافظ ابن کثیر کا یہ قول نقل کرتا ہے کہ: **لاتکرھوا احد علی الدخول فی دین الاسلام** (تفسیر ابن کثیر، البقرۃ:۲۵۶) (یعنی کسی شخص کو جبراً مسلمان نہ بناؤ)

اس سے وہ یہ نتیجہ نکالتا ہے کہ: ''جب جبر کے ذریعہ سے مسلمان بنایا نہیں جاسکتا تو مسلمان رکھنے کے لئے جبر کا کیوں حکم دیا جاسکتا ہے۔''

اس قول کی حیثیت ایسی ہی ہے جیسے کہا جائے کہ جب حکومت برطانیہ کا قانون

اناطولیہ کے باشندوں پر نافذ نہیں ہوسکتا تو اسے مقبوضات برطانیہ میں نافذ کرنا کیونکر جائز قرار پاسکتا ہے۔ ''ہمدرد'' کے مدبر علامہ از برائے خدا مجھے یہ بتائیں کہ آخر اس قانون کو جس کا نام اسلام ہے، بے حرمتی سے بچانے کے لئے وضع قانون کو کسی تدبیر کے اختیار کرنے کا حق بھی حاصل ہے یا نہیں؟ اسلام کی اس سلطنت کو جس کے اندر آج چالیس کروڑ نفوس بستے ہیں، بغی وعدوان کی فساد انگیز قوتوں سے محفوظ رکھنے کے لئے شارع کو کچھ تعزیری ضوابط کے نفاذ کا اختیار بھی ہے یا نہیں؟ دین مبین کو فتنہ پردازوں کی تخریب وتحریف سے مصئون رکھنے کے لئے کسی حد شرعی کا اجرا بھی اس سلطنت کی حدود کے اندر ضروری ہے یا نہیں؟ کیا دنیا جہان کی نرم وگرم تعزیرات صرف ان دنیوی حکومتوں کی رعایا میں امن وامان قائم رکھنے اور ان کی اخلاقی حالت کے سدھارنے کے لئے وقف ہوچکی ہیں جو ڈھلتی پھرتی چھاؤں کی طرح آج ہیں اور کل نہیں اور جو ہزاروں کی تعداد میں دنیا سے اس طرح مٹ چکی ہیں کہ گویا سطح روزگار کبھی ان کے وجود سے آشنا ہی نہ ہوئی تھی؟ کیا اس قسم کی تعزیرات وحدود سے صرف اسلام کی ہئیت حاکمہ ہی مستثنیٰ ہے جسے لیل ونہار کے انقلاب اور آئے دن کے تغیرات کا ردعمل کرنے کے لئے ان کی بہت بڑی ضرورت ہے؟

اگر **لاکراہ فی الدین** کا مطلب یہی ہے کہ ہر شخص جو چاہے کہے جو چاہے کرے اور جو چاہے بکے تو پھر آپ کے نزدیک شارب الخمر پر حد جاری کرنے کی کونسی دلیل ہے؟ تارک صلوٰۃ کو کس طرح سزا دی جاسکتی ہے؟ زانی کو کیوں کر تازیانے لگائے جاسکتے ہیں یا سنگسار کیا جاسکتا ہے؟ کیا یہ اور اس قسم کے صدہا دوسرے احکام آپ کے مفہوم لاکراہ فی الدین کے مقابلے میں ایک لحظہ کے لئے بھی ٹھہر سکتے ہیں؟ آج اگر آپ ایک متنبّی کی امت کو لاکراہ فی الدین کے اصول پر بازپرس سے بری الذمہ قرار دے سکتے ہیں تو پھر زنا، ترک صلوۃ، شراب نوشی وغیرہ جرائم کو کس طرح مستلزم سزا ثابت کرسکتے ہیں؟ پھر کیا آپ کے اس جوش اجتہاد وخروش افتاد کا مقصد ومدعا یہ ہے کہ اسلامی حکومت بھی ان تمام سیاہ کاریوں کا سرچشمہ بن جائے جو یورپ کے چپے چپے کو خباثت ولعنت کے آتشیں سیلاب میں غرق کرچکی ہیں۔ نہ آپ کسی مسلمان کو قماربازی سے روک سکتے ہیں، نہ سودخواری سے منع کرسکتے ہیں۔ اس لئے کہ ہر شخص آپ کے سامنے ہر بات کے لئے '**لاکراہ فی الدین**' کا زریں اصول پیش کرسکتا ہے۔ پھر فرمائیے کہ کیا قرآن حکیم میں یہ آیت اس غرض سے نازل ہوئی تھی کہ

’’متنور مجتہدوں‘‘ اور بیسویں صدی کے ’’شافعیوں‘‘ اور ’’مالکیوں‘‘ کے واسطے ہدم بنیان شریعت اور تخریب اساس دین کا آلہ بن جائے؟ کیا یہی وہ ’’آزادی ضمیر‘‘ ہے جس کا حق قائم کرنے کے لئے بقول آپ کے مسلمانوں کو قتال کی اجازت دی گئی تھی یا بالفاظ صحیح تر جس کے نصب وقیام کے لئے اسلام دنیا میں آیا تھا اور اس کائنات کا عظیم ترین انسان (بآبائنا ھو فداہ وامھاتنا) خلعت ختم رسالت ﷺ سے سرفراز ہوا تھا؟

اگر حقیقت یہی ہے اور آپ کے پیش کردہ مفہوم لااکراہ فی الدین کے مطابق اس کے سواء اور کوئی صورت نہیں تو میں حیران ہوں کہ تیس پاروں کا قرآن نازل کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ کیا صرف اتنا حکم کافی نہ تھا کہ دین کے معاملہ میں کوئی جبر نہیں؟ اگر آج آپ کو یہ حق پہنچتا ہے کہ لااکراہ فی الدین کے اصول کی بناء پر ہر دینی حکم کے امتثال وعدم امتثال کے خیالات سے بے پرواہو جائیں تو پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ ان تمام احکام کا نزول کیوں ضروری متصور ہوا؟

’’آزادی ضمیر‘‘ کا یہ غیر مقید وغیر مشروط مفہوم مہاتما گاندھی کے غیر مقید وغیر مشروط ’’معیار عقل ودانش‘‘ کا خواجہ تاش ہے۔ کاش مولانا محمد علی (جوہر) ایسی غیر محتاط بات کہنے سے پیشتر ذرا اس کے نتائج پر زیادہ اچھی طرح غور فرما لیتے اور سوچ لیتے کہ وہ اس طرح اسلام کی خدمت کر رہے ہیں یا اس کی بنیاد پر ایک کاری ضرب لگا رہے ہیں؟

بحث آیات کے بعد ’’ہمدرد‘‘ نے احادیث پیش کی ہیں اور ازراہ کفایت تحکیم احادیث کی صحت وعدم صحت کا فیصلہ کرنے کے لئے ذیل کا دنیا جہان سے نرالا کلیہ وضع کیا ہے:

سب سے پہلے یہ حقیقت ذہن نشین کر لینی چاہئے کہ کوئی حدیث خواہ وہ اصح الکتب بعد کتاب اللہ یعنی بخاری ہی میں کیوں نہ ہو، اگر وہ آیت قرآنی کے معارض ومتضاد ہوگی تو قابل قبول نہیں ہوسکتی۔

اوّل تو امام بخاری جیسے بزرگ کی نسبت جن کی کتاب کو خود ’’ہمدرد‘‘ کتاب اللہ کے بعد اس آسمان کے نیچے صحیح ترین کتاب تسلیم کرتا ہے، یہ خیال بھی دل میں لانا ایک حیرت انگیز جرأت ہے کہ امام موصوف اپنے مجموعہ میں کوئی ایسی حدیث درج کر سکتے ہیں جو قرآن مجید کے مخالف ہو۔ اس کے علاوہ یہ خیال کہ جو ’’حدیث صحت ودرستی کے مقررہ اور مفید یقین معیار پر پوری نہ اترے، اس کا معارض نص قرآنی ہونا اس کی پذیرائی کے مانع ہے۔‘‘ اہل علم کے نزدیک پرکاہ جتنی وقعت بھی نہیں رکھتا۔ سوال کیا جا سکتا ہے کہ اس بادی النظری تعارض

کے باب میں قول فیصل کا معیار کیا ہوگا اور احادیث کی صحت وعدم صحت کس طریقے سے جانچی جائے گی؟ آپ ایک حدیث کو صحیح مان رہے ہیں اور وہ آپ کے نزدیک کسی قرآنی نص سے معارض نہیں لیکن دوسرے کا فہم وتدبر اس پر تعارض کا حکم لگا رہا ہے۔ پھر کیا اس اختلاف کے ہوتے ہوئے دواوین حدیث کی کوئی حیثیت باقی رہ سکتی ہے؟ اگر ہر زید وبکر کے فہم ہی کو فیصلے کا معیار مان لیا جائے تو احادیث تو درکنار خود آیات میں بھی ظاہر بینوں کو تعارض کی کئی مثالیں مل سکتی ہیں۔ کیا ہمدرد کو معلوم نہیں کہ علما کے ایک گروہ نے اسی مزعوم تعارض کی بناء پر بیسیوں آیتوں کو منسوخات میں داخل کر دیا تھا؟

احادیث کی صحت وعدم صحت کے اصول وہی ہیں جن کی تصریح وتدوین محدثین کرام فرما چکے ہیں اور موجودہ زمانہ کی تمردکیش اور الحاد آئین عقل بھی آسمان میں جا کر پیوند لگا آنے کے ادّعا کے باوجود ان اصول کے خلاف لب کشائی کی جرأت نہیں کر سکتی جو حدیث ان اصول کے رو سے صحیح ثابت ہو جائے، اس کا معارض قرآن ہونا قطعاً غیر ممکن ہے۔ اگر بہ ظاہر تعارض معلوم ہو تو اسے خود اپنے فہم وبصیرت کا قصور سمجھنا چاہئے۔

ہر چہ ہست از قامت ناساز وبے اندام ماست ورنہ تشریف تو بر بالائے کس کوتاہ نیست

احادیث کے رد وقبول کا مسئلہ اتنا سہل نہیں ہے جتنا مدیر علامہ ''ہمدرد'' اسے سمجھے بیٹھے ہیں کہ جہاں فہم نارسا کی کمند کنگرۂ حقائق تک نہ پہنچی، وہاں جھٹ لانسلم کے نالے کو رسا باندھ دیا۔ ممکن ہے کہ بعض جلیل القدر راویوں سے بھی فہم حدیث میں بعض دفعہ غلطیاں ہوگئی ہوں۔ لیکن ان غلطیوں کی بناء پر یہ کلیہ قائم کر لینا کہ فی زمانہ ہذا ہر عامی وخاصی کو احادیث ماثورہ میں سقم نکالنے کا حق حاصل ہو جاتا ہے اور اس حقیقت کبریٰ کی طرف سے خالی الذہن ہو جانا کہ اس تیرہ سو سال کی مدت میں رواۃ کی ہر لغزش کی اصلاح حکیمانہ تنقید کے ساتھ ہو چکی ہے اور کوئی امکان احادیث متواترہ کے غلط ہونے کا باقی نہیں رہا، ایک بہت بڑی غلطی ہے جس سے بچے بغیر اسلام کا نظام ہی قائم نہیں رہ سکتا۔ اس کے علاوہ کسی دائرے میں حکم بننے کے لئے اس دائرے کے لوازم وخصائص سے بوجہ اتم نہیں تو کم از کم معقول واقفیت تو لازمی ہے۔ یہ تو نہیں ہونا چاہئے کہ کسی شخص کا مطبوعہ رسالہ سامنے آیا اور اسے صحیفہ آسمانی سمجھ کر رد وقبول احکام واوامر کا ایک سلسلہ شروع کر دیا جو درازی میں زلف یار کو بھی شرما رہا ہے۔

حضور آقائے دوجہاں ﷺ کی سنت مطہرہ سے قتل مرتد کے عدم جواز کا ثبوت بہم

پہنچانے کی دھن میں مولانا محمد علی (جوہر) کے خامۂ بداعت طراز (انوکھا پن) نے سب سے پہلے عکل والی حدیث نقل کی ہے۔ اس حدیث کا مفاد یہ ہے کہ عکل کے چند آدمی دربار نبوی ﷺ میں حاضر ہوکر اسلام لائے۔ کچھ دن بعد یہ لوگ قضا کار بیمار ہوگئے۔ حضور آقائے دو جہاں ﷺ نے انہیں تبدیل آب و ہوا کے لئے ایک صحت بخش مقام پر بھیج دیا جہاں صدقے کے اونٹ رکھے جاتے تھے۔ یہاں پہنچ کر ان لوگوں کی صحت بحال ہوگئی لیکن قلب کا چھپا ہوا مرض نہ جانا تھا نہ گیا۔ اسلام کا لبادہ اتار پھینکا، گلیم ارتداد اوڑھ لی اور لگے ہاتھوں اونٹوں کے چرواہوں کو قتل کر کے اونٹوں کی قطار لے کر چمپت ہوگئے۔ رسول اللہ ﷺ کو خبر ہوئی تو آپ نے ان اشقیائے ازلی کو پکڑوا منگایا، لوہے کی سلائیاں گرم کرا کے ان کی آنکھوں میں پھروادیں، ان کے ہاتھ پاؤں کٹوادیئے، زخموں کا خون روکنے کی بھی کوئی تدبیر نہ فرمائی، پھر انہیں دھوپ میں ڈال دیا۔ وہ پانی مانگتے رہے مگر پانی نہ دیا یہاں تک کہ وہ سسک سسک کر فنافی السقر ہوگئے۔

’’ہمدرد‘‘ اس واقعہ پر حسب ذیل حاشیہ چڑھاتا ہے:

اس حدیث سے نفس ارتداد کا پتہ نہیں چلتا بلکہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ چرواہوں کے قتل کا جرم ان سے سرزد ہوا تھا۔ اس لئے ان کو بطریق قصاص قتل کیا گیا۔ اگر ان کے بجائے کوئی مسلمان ہوتا تو وہ بھی قتل کیا جاتا۔

’’ہمدرد‘‘ کی اس منطق پر ارسطو کی بوسیدہ ہڈیاں بھی قبر میں کھڑکھڑا اٹھی ہوں گی۔ ایک کھلے ہوئے تاریخی واقعہ کے متعلق روایت اور درایت کے تمام مسلمہ مراتب کی نفی کرتے ہوئے ایسا انوکھا انداز استنباط اختیار کرنا اسی کا حصہ ہے۔ صاف ظاہر ہے کہ اگر عکل والے محض قتل رعاۃ (چرواہے) کے جرم کے مرتکب ہوئے تھے تو اس کے قصاص میں بجز ضرب عنق کے اور کوئی سزا ان کے حق میں تجویز نہ کی جاسکتی تھی۔ لیکن حدیث میں ان کی سزا کی جو تفصیل موجود ہے، وہ خود اس بات پر گواہ ہے کہ یہ سزا محض قتل رعاۃ کی پاداش میں نہیں دی گئی تھی۔ ورنہ کائنات انسانیت کی جس مقدس ترین ہستی کے سراپا رحمت ہونے کی شہادت خود کلام الٰہی ببانگ دہل دے رہا ہے، جس کی عفو و درگزر کا یہ عالم ہو کہ اس نے اپنے ذاتی دشمنوں سے عمر بھر انتقام نہ لیا ہو بلکہ ان کے حق میں دعائیں کی ہوں، وہ ایسی سخت سزا، ایسی دردناک عقوبت پر کبھی رضامند نہ ہوتی۔ حدیث پکار پکار کر کہہ رہی ہے کہ اہل عکل پر ایک

فقط قتل رعاۃ کا جرم ہی عائد نہیں ہوا تھا بلکہ بقول ابی قلابہ:

ھٰؤلاء قوم سرقوا و قتلوا و کفروا بعد ایمانھم و حاربوا اللہ ورسولہ (بخاری:۶۸۰۵، باب سمر النبی ﷺ اعین)

’’یہ وہ قوم ہے جو چوری، قتل، ارتداد اور اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ جنگ کرنے کی مجرم تھی۔‘‘ یہی وجہ تھی کہ صاحب آیۃ **وما ارسلناک الا رحمۃ للعالمین** نے اس شدید معذبانہ سزا کا حکم دیا۔

قرآن و حدیث کے مطالب کو اپنی خواہشات اور ضروریات کے سانچے میں ڈھال لینے و مقتضیات وقت کے لحاظ سے ان میں قطع و برید کرتے رہنے کا فن جیسا محمد علی لاہوری قادیانی کو آتا ہے، کسی کو کم نصیب ہوا ہوگا۔ حدیث عکل پر بحث فرماتے ہوئے لکھتے ہیں: ’’امام بخاری خود اسے ارتداد کی سزا قرار نہیں دیتے بلکہ قتل اور محاربہ کی سزا قرار دیتے ہیں۔ اوّل تو اس باب کا عنوان ہی یوں باندھتے ہیں **باب المحاربین من اھل الکفر والردہ**‘‘ (بخاری باب المحاربین من اہل الکفر)

گویا جس حد تک حدیث عکل کو تعلق ہے، محمد علی لاہوری قادیانی نفس ارتداد کو وجہ سزائے قتل نہ سمجھنے میں بزعم خود امام بخاری کو اپنا ہم عقیدہ تصور فرماتے ہیں۔ اس کوشش کی ناکامی کا حال ان لوگوں سے چھپا نہیں رہ سکتا جنہوں نے بخاری کو بامعان نظر دیکھا ہے۔ میں چند ہی سطر پہلے ابوقلابہ کا قول بحوالہ بخاری نقل کر چکا ہوں کہ اہل عکل پر چار جرم ثابت تھے۔ وہ قتل اور محاربہ ہی کے مجرم نہ تھے جن سے محمد علی لاہوری کے نزدیک ان کے جرائم کی فہرست پایہ تکمیل کو پہنچ جاتی ہے بلکہ سرقہ اور ارتداد کے بھی مرتکب ہوئے تھے۔

رہا صحیح بخاری کے عنوان کا معاملہ سو امام بخاری کے نزدیک تو نفس کفر وارتداد ہی اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ محاربہ کا حکم رکھتا ہے۔ چنانچہ امام ممدوح کتاب التفسیر میں **الذین یحاربون اللہ ورسولہ ویسعون فی الارض فساداً ان یقتلوا** (المائدہ:۳۳) ابوقلابہ کا مندرجہ ذیل قول لاتے ہیں:

ماعلمت نفسا حل قتلھا فی الاسلام الا رجل زنی بعد احصان او قتل نفساً بغیر نفس او حارب اللہ و رسولہ ﷺ

(بخاری:۴۶۱۰، باب انما جزاء الذین یحاربون اللہ ورسولہ)

اسلام میں بجز اس کے اور کسی کا قتل جائز نہیں جو احصان کے بعد زنا کرے یا کسی شخص کو قتل کر ڈالے یا اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ جنگ کرے۔

کتاب الآیات بالقیامۃ میں امام بخاری نے ابوقلابہ کا ایک اور قول پیش کیا ہے جس سے یہ بحث بالکل صاف ہو جاتی ہے کہ حارب اللہ و رسولہ کے مصداق وہ لوگ ہیں جو مرتد ہو جائیں۔ وہ قول یہ ہے:

فواللہ ماقتل رسول اللہ ﷺ احداً قط الا فی احدی ثلاث خصال: رجل قتل بجریرة نفسه فقتل او رجل زنی بعد احصان او رجل حارب اللہ رسوله وارتد عن الاسلام (بخاری:۶۸۹۹، باب القسامہ)

خدا کی قسم! رسول اللہ ﷺ نے ہرگز اس وقت تک کسی شخص کے قتل کا حکم نہیں دیا جب تک اس میں ان تین باتوں میں سے کوئی ایک بات نہ پائی گئی ہو۔ (۱) قتل عمد۔ (۲) زنا بعد احصان۔ (۳) خدا اور رسول کے ساتھ جنگ اور دین اسلام سے برگشتگی۔

اس مضمون کی متعدد احادیث مختلف طرق کے ساتھ ترمذی، نسائی، ابن ماجہ اور ابوداؤد میں بھی مروی ہیں جن میں بصراحت بتایا گیا ہے کہ **یحاربون اللہ و رسوله** سے مراد وہ لوگ ہیں جو ارتداد اختیار کریں اور اس لئے واجب القتل ہیں۔ ان تمام احادیث سے یہی واضح ہوتا ہے کہ نفس ارتداد بھی اللہ اور رسول کے ساتھ محاربہ کی حیثیت رکھتا ہے اور اس لئے مستلزم قتل ہے۔ اس سلسلے میں حدیث **المارق یا المفارق، من الدین التارک للجماعه** شہرت شہیرہ رکھتی ہے۔

محمد علی (لاہوری قادیانی) نے اس حدیث کے الفاظ سے حسب معمول اپنے ڈھب کا مطلب نکال لیا۔ مروق عن الدین اور ترک جماعت کی یکجائی آپ کے نزدیک اس بات کا ثبوت ہے کہ صرف کفر بعد اسلام یعنی ارتداد ہی وجہ قتل نہیں ہے۔ ''جب تک کہ ایسا شخص مسلمانوں کی جماعت کو ترک کر کے دشمن سے نہیں جا ملتا۔'' دہلی بھی لاہور کے اسی خرمن کی خوشہ چیں ہے اور مولانا محمد علی (جوہر) نے بھی بعینہٖ یہی خیال ظاہر کیا ہے لیکن سوال یہ ہے کہ ''دشمن سے جا ملنا'' حدیث کے کن الفاظ سے مستفاد ہے؟ کیا ہر تارک جماعت ہمیشہ اور ہر حال میں جماعت کے دشمنوں سے جا ملا کرتا ہے یا کیا محض ترک جماعت ہی کو شمولیت گروہ اعدا پر محمول کیا جا سکتا ہے؟

انسان جب جان بوجھ کر ایک غلطی کرتا ہے اور اس سے اس غلطی کے اعتراف کی توفیق چھین لی جاتی ہے تو وہ اس پر پردہ ڈالنے کے لئے ایک شدید تر غلطی کا مرتکب ہوتا ہے۔ یہ سلسلہ برابر جاری رہتا ہے تا آنکہ وہ سراپا غلطی بن جاتا ہے۔ یہی حال امیر جماعت احمدیہ کا ہے۔ وہ پہلے جی میں یہ بات ٹھان لیتے ہیں کہ ’’حارب اللّٰہ ورسولہ‘‘ کا مصداق ان لوگوں کو ہرگز ثابت نہ ہونے دیں گے جنہوں نے ارتداد اختیار کیا ہے۔ **انما جزؤا الذین یحاربون اللّٰہ و رسولہ ویسعون فی الارض فساداً** (المائدہ:۳۳) کے معانی کی شرح کرتے ہوئے آپ اپنی تفسیر بیان القرآن میں لکھتے ہیں کہ: ’’یہاں **یحاربون** سے مراد فی الواقع جنگ کرنے والے نہیں بلکہ مراد اس سے صرف معصیت ہے۔‘‘

اس شرح پر آپ نے آگے چل کر ذیل کا اضافہ فرمایا ہے: ’’یہاں **یحاربون اللّٰہ و رسولہ** سے مراد زمین میں فساد کرنے والے لئے گئے ہیں اور بالخصوص ڈاکو جو جان سے مار کر یا جان سے مارنے کا خوف دے کر لوگوں کا مال لوٹتے ہیں۔‘‘

لیکن قرآن حکیم کے اس مفسر نے اتنا نہیں سوچا کہ آیۃ محاربہ کے بعد کی آیت کا مفہوم اُس ساری عمارت ہی کو منہدم کئے دیتا ہے جو اس نے اس اہتمام سے کھڑی کی تھی۔ محاربہ کی سزائیں بیان کرنے کے بعد ارشاد ہوتا ہے:

۱ ...... **ذلک لهم خزی فی الدنیا ولهم فی الاخرة عذاب عظیم. الاّ الذین تابوا من قبل ان تقدروا علیهم** (المائدہ:۳۳،۳۴)

ترجمہ: ’’یہ ان کے لئے دنیا میں رسوائی ہے (یعنی سزائیں) اور آخرت میں بہت بڑا عذاب ہے۔ اس (دنیوی واخروی عذاب) سے وہ لوگ مستثنیٰ ہیں جو اس سے پہلے توبہ کرلیں کہ تم ان پر قابو پا جاؤ۔‘‘

بھولے سے یہاں تک تو محمد علی (لاہوری قادیانی) ٹھیک لکھ گئے تھے کہ **یحاربون** میں وہ لوگ داخل نہیں ہیں جو واقع میں شمشیر بکف ہوکر خدا اور رسول سے برسرپیکار ہوں بلکہ اس لفظ کا اطلاق صرف اس جماعت پر ہوتا ہے جو مبتلائے معصیت ہوگئی ہو۔ اگرچہ معصیت کے بجائے شاید عمداً آپ نے شرک کا لفظ استعمال نہیں کیا لیکن دوسرے ہی فقرے میں آپ نے یہ کہہ کر تلافی مافات کردی کہ **یحاربون اللّٰہ و رسولہ** سے مراد مفسدہ پردازوں اور خصوصاً قطاع الطریق کا گروہ ہے۔ تفسیر بالرائے کے سلسلے میں یہ آپ کی پہلی غلطی تھی۔

پہلی غلطی کی پردہ پوشی کے لئے آپ نے دوسری غلطی یہ کی کہ قتل سولی، **قطع الید وارجل من خلاف** کی گوناگوں تعزیرات کو صرف ڈاکوؤں اور لٹیروں سے مخصوص قرار دے کر اور **الا الذین تابوا من قبل ان تقدروا علیہم** کی روشن تصریح کی طرف سے آنکھوں پر پٹی باندھ کر اسلام کی تعلیم ہی کو مسخ کر کے رکھ دیا۔

فرماتے ہیں: ''یہ تعلیم صرف اسلام سے خاص ہے کہ جب سچے طور پر ایک شخص توبہ کر لے تو اسے معاف کر دیا جائے۔ گو کتنا ہی بڑا جرم ہو...... اور سچی توبہ کے لئے یہ شرط رکھ دی کہ ان پر قابو نہ پایا ہو اور انہوں نے ایسے افعال سے رجوع کر کے دوسری زندگی اختیار کر لی ہو، جب جرم کی حالت میں پکڑے جائیں تو توبہ بے معنی ہے۔''

جس تعلیم کو محمد علی (لاہوری قادیانی) نے اسلام سے منسوب کیا ہے، اسے اگر صحیح تسلیم کر لیا جائے تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ کسی اسلامی سلطنت میں کسی شخص کی جان مال اور عزت ایک لمحہ کے لئے بھی سلامت نہ رہ سکے گی۔ ہر ڈاکو، ہر قزاق، ہر بدمعاش دن دہاڑے راہ چلتوں کو لوٹا مارا کرے گا اور محکمہ احتساب کی آنکھ بچا کر بعد میں توبہ کر کے مواخذہ سے محفوظ ہو جایا کرے گا۔ لوگوں کی بہو بیٹیوں کی آبروریزی کرنے والوں، قاتلوں، چوروں، اٹھائی گیروں کو صرف اتنی احتیاط کرنی ہوگی کہ شریعت کے عمال کی نظر ان پر نہ پڑے۔ اس کے بعد وہ بدترین جرائم کے ارتکاب میں آزاد ہوں گے۔ کیونکہ قادیانی لاہوری جماعت کے امیر کے فتوے کے بموجب حقوق العباد کے پامال کرنے والوں کے لئے ہر وقت توبہ کا دروازہ کھلا ہوا ہے اور اسلام نے مجرموں کے لئے سزائیں صرف اس حالت میں تجویز کی ہیں کہ مجرم عین ارتکاب جرم کی حالت میں گرفتار کر لیا جائے۔ اگر نہ گرفتار ہو تو وہ جھٹ توبہ کا اعلان کر کے قتل اور زنا اور ڈکیتی کا خمیازہ بھگتنے سے محفوظ رہ سکتا ہے۔ **انا ﷲ و انا الیہ راجعون!**

کاش قادیانی لاہوری جماعت کے امیر آیات قرآنی کو اس قسم کی تاویلات رکیکہ سے یوں بازیچہ اطفال نہ بناتے! وہ اگر ذرا بھی تدبر فرماتے اور آیہ محاربہ کے مفہوم پر سلف صالحین کے ملفوظات نہ سہی، عقل سلیم ہی کی روشنی ڈالنے کی زحمت اٹھاتے تو انہیں صاف نظر آجاتا کہ اس آیت میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ جنگ کرنے سے خاص ارتداد مراد ہے اور فساد فی الارض کا مطلب یہ ہے کہ **ارتداد فی حد ذاتہ** ایک نہایت ہولناک فساد کا سرچشمہ ہے جس کو سختی اور شدت کے ساتھ بند نہ کیا جائے تو اسلامی جماعت اور وہ

شیرازہ جو رسول اللہ ﷺ کے دست اقدس کا باندھا ہوا ہے، دیکھتے دیکھتے پریشان ہو جائے۔

قادیانی لاہوری جماعت کے امیر نے عکل والی حدیث کی بحث میں دیدہ ودانستہ جس کتمان وتحریف والتباس سے کام لیا ہے، اس پر سر پیٹ لینے کو جی چاہتا ہے۔ امام بخاری اس حدیث کو چار مختلف ابواب میں لائے ہیں اور ان طرقِ متنوعہ سے انہوں نے مختلف مسائل کا استخراج کیا ہے۔ محمد علی لاہوری اپنے رسالہ میں حدیث عکل کو بخاری کے پہلے باب سے نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں: ’’خود بخاری کو ایک نظر دیکھ لیا جائے تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام بخاری خود اسے ارتداد کی سزا قرار نہیں دیتے بلکہ قتل اور محاربہ کی سزا قرار دیتے ہیں۔‘‘ (رسالہ مذکور ص۱۱)

اس رسالے کے (ص۱۴) پر وہ لکھتے ہیں کہ امام بخاری نے: ’’اس باب کی حدیثوں کے آخر پر ایسے الفاظ بڑھائے ہیں: ’’قال ابو قلابہ سرقوا وقتلوا وحاربو اللہ ورسولہ (بخاری:۶۸۰۴، باب لم یسق المرتدون المحاربون)‘‘

(انہوں نے مال چرایا، خون کئے اور اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کی)

حالانکہ ابوقلابہ کا یہ قول بخاری کے تیسرے باب کے آخر میں ہے اور میں اوپر عرض کر چکا ہوں کہ بخاری حدیث عکل کو چار بابوں میں لائے ہیں۔ چوتھے باب کے آخر میں اسی ابوقلابہ کا قول موجود ہے:

قال ابو قلابہ فھؤلاء سرقوا وقتلوا وکفروا بعد ایمانھم وحاربوا اللہ ورسولہ (بخاری:۲۳۳، باب ابوال الابل والدواب)

ان لوگوں نے مال چرایا، خون کئے، ایمان کے بعد کفر اختیار کیا یعنی مرتد ہوئے اور اللہ اور رسول ﷺ کے ساتھ جنگ کی۔

اب اہل نظر وانصاف فرمائیں کہ اس سے بڑھ کر کتمان اور تدلیس اور کیا ہوسکتی ہے۔ محمد علی لاہوری کو ابوقلابہ کا وہ قول تو نظر آ گیا جس میں کفر بعد ایمان کا لفظ نہ تھا لیکن اصل، جامع اور اس باب کی حدیثوں کا سب سے آخری قول وہ انتہائی دیدہ دلیری کے ساتھ پی گئے، پھر کیا اس طرح محض اپنے مفید مطلب پہلوؤں کا اظہار اور مخالف پہلوؤں کا کتمان انتہاء درجہ کی افسوسناک تحریف نہیں؟ اگر کتب (اسفار، بڑی ضخیم کتب، مجلدات) شریعت کی ورق گردانی صرف اس لئے کی جاتی ہے کہ دو جملے نکال کر لوگوں کے سامنے پیش کر دیئے

جائیں جن سے اپنے پنداو ہام، اہوا، وساوس اور ''اضغاث احلام'' کے لئے تنکے کا سہارا ملتا ہو اوراس کے خلاف تمام تصریحات بینہ تشریحات واضح سے غض بصر وغمض نظر کرلیا جائے تو پھر میں نہیں سمجھتا کہ شرعی کتب کا نام زبان پر لانے یا بروئے کتاب وسنت کسی معاملہ کے متعلق استدلال کا مہمل ولایعنی ادّعا پیش کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ فیصلہ امور شرعیہ کی یہ وہی شکل ہے جسے ایک مرتبہ غالب نے اوامر ونواہی قرآن کے متعلق پیش کرتے ہوئے کہا تھا:

لاتقربوا الصلوٰۃ زنہیم بہ خاطرست وز امر باد مانده کلوا و اشربوا مرا

ایک دنیا جانتی ہے کہ حضور سرور کون ومکان ﷺ کے اس دنیا سے پردہ فرمانے کے بعد عربوں کا ایک بہت بڑا گروہ اسلام کے پانچویں رکن یعنی زکوٰۃ کی فرضیت سے منکر ہو کر دین حنیف سے برگشتہ ہوگیا تھا اوران مرتدین کی سرکوبی کے لئے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو جن سے بڑھ کر شریعت مطہرہ کا رازداں اورکوئی نہ ہوسکتا تھا، علم جہاد بلند کر کے تیغ بکف ہونا پڑا تھا۔ اس کھلی ہوئی حقیقت کی من مانی تاویل ''ہمدرد'' نے حسب ذیل الفاظ میں کی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ تاویل کے علاوہ مسلمہ تاریخی واقعات کو توڑنے مروڑنے کے فن میں بھی اسے یدطولیٰ حاصل ہے۔

''وہ حکومت وقت سے بغاوت پر آمادہ تھے، زکوٰۃ کا ٹیکس دینے سے انکار کردیا تھا اور مدینہ پر چڑھائی کی تیاریاں کررہے تھے۔''

کتب تاریخ واحادیث اور تصریحات علماء وآئمہ اسلام متفقہ طور پر شہادت دے رہی ہیں کہ منکرین زکوٰۃ کے ساتھ انکار زکوٰۃ کے سوا اور کوئی وجہ قتال نہ تھی۔ مدینہ پر چڑھائی کی تیاریوں کا ادّعا بداہتہً غلط اور فاضل مدیر ''ہمدرد'' کے تخیل کا محض ایک کرشمہ ہے جسے حقائق نفس الامری سے دور کی نسبت بھی نہیں۔ حدیث میں صاف مذکور ہے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے قتال کا ارادہ فرمایا تو حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اس ارشاد نبوی ﷺ کی بناء پر مخالفت فرمائی کہ:

امرت ان اقاتل الناس حتیٰ یقولوا لا الہ الا اللہ فاذا قالوا لا الہ الا اللہ عصموا منی دماؤھم و اموالھم الا بحقھا (بخاری، باب قول اللہ تعالیٰ وامرہم شوریٰ بینہم)

مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ لوگوں سے اس وقت تک برابر جنگ کرتا رہوں جب تک کہ وہ اللہ کی وحدانیت اور محمد رسول اللہ ﷺ کی رسالت پر گواہی نہ دیں اور جب یہ گواہی

دے چکیں تو ان کا جان و مال میرے ہاتھ سے محفوظ ہے۔ الّا اس صورت میں کہ وہ اسلام کے حقوق کو تلف کریں۔

اگر مرتدین حقیقت میں مدینے پر چڑھ دوڑنے کی تیاریاں کر رہے ہیں تو حضرت فاروق اعظمؓ تہیہ قتال کی مخالفت کیوں فرماتے؟ کیا آپ نے قرآن حکیم میں یہ نہیں پڑھا تھا کہ:

فان قتلوکم فاقتلوھم (البقرہ:۱۹۱) اگر وہ تم سے جنگ کریں تو تم انہیں قتل کر ڈالو۔ یہ یا نص صریح آپ کی نظر سے نہیں گزری تھی کہ **فقٰتلوا التی تبغی حتیٰ تفیٓءَ الٰی امر اللہ** (الحجرات:۹)

جو لوگ بغاوت کریں ان سے اس وقت تک برابر لڑتے رہو یہاں تک کہ ان کی گردنیں اللہ کے فیصلے کے آگے جھک جائیں۔

لیکن حضرت صدیق اکبرؓ جانتے تھے کہ محض لا الہ الا اللہ اور محمد رسول اللہ کہہ دینے سے کوئی شخص مسلمان نہیں ہوسکتا جب تک کہ اس کے مخصصات کا قائل اور اس کے پنجگانہ لوازم کا عامل نہ ہو۔ قرآن کے تیسوں پاروں کا منکر بھی اسلام کا ویسا ہی باغی ہے۔ جیسا اس کی ایک آیت سے روگردانی کرنے والا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اس مرتبہ حضرت فاروقؓ کے شبہ کا ازالہ **الا بحقھا** یعنی **واتوا الزکٰوۃ** کے امر کی بناء پر اس عزم بالجزم سے فرمادیا کہ میں منکرین زکوٰۃ کے ساتھ برابر اُس وقت تک قتال جاری رکھوں گا جب تک کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک کی طرح زکوٰۃ کا ایک ایک حبہ ادا کرنے پر رضامند نہ ہوجائیں۔

اس حدیث کے آخری حصے سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت صدیق اکبرؓ نے فرمایا کہ:

واللہ لا قاتلن من فرّق بین الصلوٰۃ والزکوۃ (بخاری، باب وجوب الزکوٰۃ)

خدا کی قسم میں یقیناً اُس شخص کے ساتھ جنگ کروں گا جو نماز اور زکوٰۃ میں کوئی فرق سمجھے گا۔

رسول اللہ ﷺ کے بعد اسلام کے اس زندہ رکھنے والے کے ان اقوال کے برحق ہونے کا اعتراف حضرت فاروق اعظمؓ الفاظ ذیل میں فرماتے ہیں:

قد شرح اللہ صدر ابی بکر للقتال فعرفت انه الحق

(بخاری، باب الاقتداء بسنن رسول اللہ)

اللہ تعالیٰ نے قتال کے لئے حضرت صدیق اکبرؓ کو انشرح صدر کا مرتبہ بلند عطاء فرمایا۔ مجھے معلوم ہوگیا کہ جو کچھ انہوں نے فرمایا، بالکل درست و بجا تھا۔

فاروق اعظمؓ کے لئے جن کی سعید فطرت کو پیمبری جیسے منصب جلیل کے ساتھ ایک طرح کی مناسبت تھی، یہ اشارہ ہی کافی تھا۔ ورنہ اگر انہیں اپنے اختلاف پر اصرار ہوتا اور جیسا کہ ارباب تاویل آج کہہ رہے ہیں کہ مانعین زکوٰۃ واقع میں مدینہ پر فوج کشی کی تیاریاں کررہے تھے تو یقیناً حضرت صدیق اکبرؓ ''الا بحقها'' کی مزید توضیح یہ کہہ کر فرما دیتے کہ یہ لوگ تو تلوار ہاتھ میں لے کر مرکز اسلام کی طرف جارحانہ اقدام کررہے ہیں پھر اُن سے جنگ کرنے میں کیا تامل ہوسکتا ہے؟ لیکن یہ توضیح تو آپ اُس وقت فرماتے کہ مانعین زکوٰۃ کی فوج کشی کے افسانے کی کوئی اصلیت بھی ہوتی۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ نے اپنی معرکۃ الآ را کتاب 'منہاج السنۃ' میں اس مسئلہ پر بسط وتفصیل کے ساتھ بحث فرمائی ہے۔ امام ممدوح اس بارے میں بہت سے دلائل لائے ہیں اور آخر میں فرماتے ہیں:

ا ...... وهؤلاء لم يقاتلو هم لكونهم لم يؤدوها الى الصديق فانهم لوا عطوها بانفسهم لمستحقيها ولم يؤدوها اليه لم يقاتلهم هذا قول جمهور العلماء كأبى حنيفه و احمد و غيرهما

(منہاج السنہ ج۴،ص۴۹۵، باب عودالرافضی الی الکلام علی معاویہؓ)

ترجمہ: مانعین زکوٰۃ کے ساتھ قتال کی وجہ یہ نہیں تھی کہ وہ حضرت صدیقؓ کو زکوٰۃ نہیں دیتے تھے۔ اگر وہ خود بخود زکوٰۃ نکال کر مستحقین کو تقسیم کردیتے اور حضرت صدیقؓ کے پاس نہ پہنچاتے تو اس صورت میں بھی ان سے قتال نہ کیا جاتا۔ یہ ابوحنیفہ، احمد وغیرہما جمہور علما کا قول ہے۔

امام ابن تیمیہؒ کی اس تصریح سے یہ تاریخی حقیقت عالم آشکارا ہوجاتی ہے کہ زکوٰۃ کوئی سرکاری ٹیکس نہیں۔ جیسا کہ مدیر علامہ ''ہمدرد'' سمجھے بیٹھے ہیں کہ اس کا بیت المال اسلامی میں داخل کرنا شریعت کے دستور اساسی کے رو سے ہر مسلمان پر فرض ہو اور اس فرض کے ادا نہ کرنے سے خاطی پر خلاف ورزی یا سرکار کا سیاسی جرم عائد ہو بلکہ نماز کی طرح یہ فرض ہر صاحب نصاب پر منفرداً عائد ہوتا ہے اور اسے اختیار دے دیا گیا ہے کہ بطور خود اپنے مال

میں سے اڑھائی فیصدی نکال کر مستحقین میں تقسیم کردے اور اس فرض سے سبکدوش ہو جائے۔ چنانچہ حضرت عثمانؓ ذوالنورین کے عہد سے جب کہ دولت اسلامیہ دور دور پھیل گئی تھی، زکوٰۃ کا سرکاری طور پر وصول کرنا موقوف ہوگیا اور ہر شخص مجاز کر دیا گیا کہ زکوٰۃ خود ہی اداء کر دیا کرے۔ قرن اوّل کے مسلمان چونکہ مذہباً بہت ہی ذکی الحس واقع ہوئے تھے اور پابندی شعائر اسلام کا انہیں بدرجہ اتم احساس تھا اور بعد میں بھی صدہا سال تک خلافت اسلامیہ کی سطوت بالواسطہ اس فرض کی انفرادی بجا آوری میں ممدومعین بنی رہی۔ اس لئے حکومت کی طرف سے زکوٰۃ کی فراہمی کی ضرورت داعی نہ ہوئی، لیکن آجکل جب کہ قوائے اسلامیہ ہر طرف روبہ انحطاط ہیں۔ اس بات کی بہت بڑی ضرورت ہے کہ فراہمی زکوٰۃ کی خدمت جماعتی حیثیت سے انجام پذیر ہو، پھر بھی یہ ایک جداگانہ بحث ہے جسے میں کسی دوسری موزوں تر فرصت پر اٹھا رکھتا ہوں۔ اس وقت مجھے یہی ثابت کرنا تھا کہ زکوٰۃ کی حیثیت کبھی بھی ایک سرکاری ٹیکس کی نہ تھی، جیسا کہ مدیر ''ہمدرد'' کا خیال ہے۔ بلکہ نماز کی طرح یہ بھی اسلام کا ایک رکن تھا اور جس طرح تارک الصلوٰۃ باوجود کسی سیاسی جرم کا مرتکب نہ ہونے کے شرعی تعزیرات کے پنجے سے نہیں بچ سکتا۔ اسی طرح منکر الزکوٰۃ بھی شرعاً واجب التعزیر ہو جاتا ہے۔ علاوہ بریں اگر زکوٰۃ کو اسلامی حکومت کا ٹیکس مان لیا جائے تو ساتھ ہی یہ بھی ماننا پڑے گا کہ جو مسلمان غیر مسلم حکومت کے ماتحت آجائیں، وہ ادائے زکوٰۃ سے بری الذمہ ہو جاتے ہیں۔ اس لئے کہ جب حکومت نہ رہی تو ٹیکس کیونکر باقی رہا؟ پھر کیا مدیر ''ہمدرد'' یا ان کے دوسرے ہم خیال اصحاب بہ حالت موجودہ اپنے آپ کو زکوٰۃ سے بری الذمہ سمجھتے ہیں؟

فرض مانعین زکوٰۃ کے ساتھ قتال کی علت نہ بغاوت تھی اور نہ مدینے پر حملہ کی تیاری، حقیقی وجہ محض یہ تھی کہ انہوں نے حکم زکوٰۃ میں ایک محرفانہ تاویل کر لی تھی اور کہتے تھے کہ **خذ من اموالهم صدقه تطهر هم و تزكيهم بها** (توبہ:۱۰۳) اخذ زکوٰۃ کا حق صرف رسول اللہ ﷺ سے مختص تھا۔ اس لئے کہ آپ ہی تطہیر وتزکیہ کے خصائص سے ممتاز تھے۔ دوسروں میں نہ یہ خصوصیت پیدا ہو سکتی ہے اور نہ آیت میں ان سے خطاب ہے۔ یہاں یہ نکتہ بھی خاص طور پر قابل غور ہے کہ فرائض اللہ میں سے کسی ایک میں محرفانہ تاویل بھی موجب ارتداد اور مستلزم سزائے قتل ہے۔ چنانچہ امام بخاری نے حضرت صدیق اکبرؓ کے داعیۂ قتال اور حضرت عمرؓ کے اعتراض کے جواب والی حدیث پر مستقل باب باندھا ہے جس کا عنوان یہ

ہے کہ باب قتل من ابی قبول الفرائض وما نسبوا الی الردة
(بخاری باب قتل من ابی قبول الفرائض)

اس سلسلہ میں مسیلمہ کا واقعہ بھی خاص طور پر غور طلب ہے۔ تاریخ اس امر کی شاہد ہے کہ مسیلمہ رسالت یا وحدانیت کا منکر نہیں تھا۔ بلکہ حسب صراحت طبری اذان میں اشہد ان محمد رسول اللہ کا اعلان کراتا تھا۔ البتہ نبوت میں شرکت کا دعویدار تھا جس طرح کہ دوسرے رنگ میں باوجود قادیانیت کے دعاوی سے مستفاد ہوتا تھا یا کم از کم اس کے پیروؤں کی ایک جماعت اور بہت بڑی جماعت ایسا سمجھ رہی ہے اور کہہ رہی ہے۔ علاوہ بریں مسیلمہ نے بعض احکام میں تحریف کردی تھی۔ سجاح کے ساتھ نکاح کے مہر میں فجر وعشا کی نمازیں معاف کردی تھیں۔ ایسی تحریف اور تصرف فی الدین کا سلسلہ مسیلمہ کے پیمانے پر نہیں تو اس سے کسی قدر چھوٹے پیمانے پر مرزاغلام احمد قادیانی کے ہاں بھی موجود ہے۔ مثلاً جہاد کے متعلق لیکن افضل البشر بعد الانبیاء بالتحقیق نے مسیلمہ کے ساتھ قتال کیا اور لا اکراہ فی الدین کے اس مفہوم پر عمل نہ فرمایا جو ہتھیار رہے۔ تیرہ سو سال کے بعد محمد علی لاہوری قادیانی اور مولانا محمد علی جوہر نے پیش کیا ہے۔

اس کے بعد ''ہمدرد'' نے حدیث: من بدّل دینه فاقتلوه پر چند اعتراضات کر کے بزعم خود اسے قطعاً ناقابل قبول ثابت کیا ہے۔ ان میں سے پہلا اعتراض اپنی خندہ آفریں غرابت کے لحاظ سے علمی دنیا میں اپنی نظیر آپ ہے۔ فاضل مدیر ''ہمدرد'' بہ تقلید امیر جماعت احمدیہ لاہور فرماتے ہیں کہ اس روایت کے الفاظ عام ہیں اور ان کی عمومیت کی لپیٹ میں تمام انسان بلاتمیز مسلم وغیر مسلم آجاتے ہیں اور اس کا مطلب جہاں یہ ہوسکتا ہے کہ دین اسلام سے برگشتہ ہونے والے واجب القتل ہیں، وہاں یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اگر ایک ہندو اپنا مذہب تبدیل کر کے مسلمان ہوجائے تو فوراً اس کی گردن اڑادینی چاہئے۔ اگر ایک عیسائی اپنا دین بدل کر بدھ مت اختیار کرلے تو اسے معاً قتل کردینا چاہئے۔ افسوس! قادیانیوں کے رسوائے عالم انداز استدلال کے کورانہ اتباع نے مولانا محمد علی (جوہر) جیسے طباع اور نکتہ رس شخص کو کج بحثی کی کس بھول بھلیاں میں پھنسادیا۔ ''من بدّل دینه'' سے مسلمان کے سوا کوئی دوسرا شخص مراد لینا اور ''دین'' کو اس مقام پر بلحاظ سیاق وسباق اسلام کے علاوہ کوئی دوسرا مذہب بھی سمجھنا صرف اسی شخص کا حصہ ہوسکتا ہے جو اپنی کتاب عقل طاق قادیان پر رکھ چکا ہو۔ اگر مولانا محمد علی (جوہر) نے اپنے لاہوری ہمنام کے رسالے کے علماء وبزرگان سلف کے سفارو

دواوین کی ورق گردانی بھی کی ہوتی اور کم ازکم بخاری ہی کو کھول کر دیکھ لیا ہوتا تو انہیں ایک نظر میں معلوم ہو جاتا کہ حدیث زیر بحث اس موقعہ پر بیان کی گئی ہے۔ جب کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے حضور میں کچھ زنادقہ لائے گئے تھے اور آپ نے انہیں آگ کے دہکتے ہوئے الاؤ میں جھونک دیا تھا۔ یہ خبر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ تک پہنچی تو انہوں نے فرمایا کہ اگر میں علی رضی اللہ عنہ کی جگہ ہوتا تو ان لوگوں کے جلائے جانے کا حکم نہ دیتا بلکہ انہیں قتل کرا دیتا۔ اس لئے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ **من بدّل دینه فاقتلوه**۔ اس سارے واقعہ کو پیش نظر رکھ کر ''من'' پر غیر مسلم کا اطلاق کرنا قادیانیوں کے نزدیک تو جائز ہوسکتا ہے۔ کیونکہ اس قسم کی تحریف اور اس انداز کی تأویل ان کا شیوہ خصوصی ہے لیکن مولانا محمد علی (جوہر) سے مجھے ہرگز اس کی توقع نہ تھی۔ کاش ان کے پیش نظر امیر جماعت احمدیہ لاہور کا رسالہ نہ ہوتا جس کے مطالعہ نے ان کے لئے اس قسم کی مضحکہ خیز لغزش ممکن بنادی۔

دوسرا اعتراض بھی کچھ کم انوکھا نہیں ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ اس حدیث کے آخری راوی ابوالنعمان محمد بن الفضل اگرچہ امام بخاری کے شیوخ میں سے ہیں لیکن آخری عمر میں خلط ملط کرنے لگے تھے۔ اس دعوے کے ثبوت میں مدیر ''ہمدرد'' نے ''تہذیب التہذیب'' سے باحوالہ امیر جماعت احمدیہ لاہور، ابن حبان کا یہ قول نقل کر دیا ہے کہ: ''**اختلط فی آخر عمره**'' (تہذیب التہذیب باب محمد مع الفاء فی الاباء) کاش! مدیر علامہ ابونعمان کے متعلق مزید تفحص وتحقیق کی زحمت گوارا فرماتے۔ ''تہذیب التہذیب'' اس وقت میرے سامنے نہیں جس سے معلوم ہو کہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ ابن حبان کے اس قول کے متعلق کیا کہا ہے لیکن ''فتح الباری'' کے مقدمہ سے پتہ چلتا ہے کہ ابوالنعمان نے ۲۲۴ھ میں وفات پائی۔ مختلط وہ بے شک ہوگئے تھے لیکن وفات سے صرف دو سال پیشتر یعنی ۲۲۲ھ تک ان کا حافظہ بالکل صحیح تھا اور روایت حدیث میں اس وقت تک باتفاق جمہور محدثین ان سے خفیف سے خفیف لغزش بھی نہ ہوئی تھی۔ جو حدیث آج دہلی لاہور کے اعتراضات کی آماجگاہ بنی ہوئی ہے، وہ امام بخاری نے اپنے اس شیخ سے ۲۱۳ھ میں لی تھی۔ قادیانی جماعت کے امیر سے تو شکوہ لاحاصل ہے، لیکن مولانا محمد علی کی نظر اگر زیادہ وسیع ہوتی اور حافظ ذہبیؒ کی ''میزان الاعتدال'' کو انہوں نے دیکھا ہوتا تو اس میں ابوالنعمان کے متعلق خود بخاری کا یہ قول جلی حروف میں لکھا ہوا نظر آجاتا کہ **تغیّر عارم** (ابوالنعمان)'' **فی آخر عمره** '' (میزان الاعتدال باب ابومحمد بن

الفضل السدوسی) کیا اصح الکتب بعد کتاب اللہ کا مصنف جس کی غایت احتیاط کا یہ عالم ہے کہ چھ لاکھ حدیثوں میں سے بہ شمولیت مکررات صرف (۹۸۸۲) حدیثیں اپنی کتاب میں درج کرتا ہے اور حدیث کے ہر باب کے مرتب کرنے سے پہلے دو رکعت نفل پڑھ کر حضرت باری عزاسمہ سے بہزاراں خضوع وخشوع دعاء مانگ لیتا ہے کہ الٰہی تیرے حبیب ﷺ کا کلام پاک جمع کرنے میں کوئی لغزش مجھ سے سرزد نہ ہو جائے۔ اتنا گیا گزرا تھا کہ اسے ایک شخص کے ضعیف الحافظ ہونے کا علم ہو اور پھر بھی اس کی حدیثیں اپنی صحیح میں درج کر لے۔

ابوالنعمان کے علو مرتبت کا اندازہ کرنا ہو تو حافظ ذہبیؒ کا یہ قول پڑھ جاؤ جو (میزان الاعتدال، باب محمد بن الفضل السدوسی) میں درج ہے کہ: ''**حافظ صدوق، مکثر**'' اس سے بھی تشفی نہ ہو تو دارقطنی کے اس بیان سے اپنی تسکین کرو کہ اگرچہ آخر عمر میں ابوالنعمان کے دماغ کی حالت صحیح نہیں رہی تھی مگر **وما ظهر له بعد اختلاطه حديث منكر وهو ثقة** (یعنی مختلط ہو جانے کے بعد بھی انہوں نے ایک منکر حدیث بیان نہیں کی اور ان کے ثقہ ہونے میں کوئی کلام نہیں) ابوالنعمان کے متعلق اس سارے زمانہ میں اگر کسی نے شکوک وو ساوس پیدا کئے ہیں تو وہ ابن حبان ہے لیکن حافظ ذہبیؒ اس کی بڑے زور سے تردید کرتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ **لم يقدر ابن حبان ان يسوق له حديثا** (میزان الاعتدال، باب محمد بن الفضل السدوسی) (یعنی ابن حبان نکتہ چیں ہونے کے باوجود ایک منکر حدیث بھی ابوالنعمان نے منسوب نہیں کر سکے)

جب حالات یہ ہوں تو مولانا محمد علی (جوہر) کا محمد علی لاہوری قادیانی کی ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے ''ہمدرد'' میں تو یہ لکھ دینا کہ ابوالنعمان محمد بن الفضل کے آخر عمر میں مختلط ہو جانے کے باعث ان کی بیان کی ہوئی حدیث قابل اعتماد نہیں اور اس عدم اعتماد کے باوجود ''کامریڈ'' کے کالموں میں اس سے قتل بالتعذیب کی نفی پر استدلال کرنا ایک منطقی اچنبھا نہیں تو اور کیا ہے؟ جب تک ''**من بدل دينه**'' سے انکار ضروری معلوم ہوتا تھا۔ اس وقت تو اس حدیث کی صحت ہی سے انکار تھا۔ اس کا آخری راوی ضعیف الحافظہ بھی تھا، مسلوب الحواس بھی تھا، غلط ملط بھی کر دیا کرتا تھا اور خدا جانے کیا کچھ تھا۔ لیکن جب **قتل بالتعذيب** کی نفی پر استدلال کی ضرورت پیش آئی تو یک بہ یک ''اور دفعتہً اور بغتۃً ابوالنعمان محمد بن الفضلؒ سرآمد محدثین کبار اور رسا نشہ صہبائے اعتبار بن گیا۔

یہ لوگ بھی غضب کے ہیں دل پر یہ اختیار　　　شب موم کر لیا سحر آہن بنا دیا

لیکن اصل سوال یہ ہے کہ کیا ’’من بدل دینہ‘‘ کی حدیث کا یہی ایک سلسلہ روایت ہے اور اس کے علاوہ کسی دوسرے طریق پر اس کا ذکر نہیں آیا کہ فقط ابوالنعمانؒ پر اعتراض کر کے اسے مسترد کر دیا جائے اور اپنا پیچھا اس ساری بحث سے چھڑا لیا جائے؟ اس سوال کا جواب یقیناً نفی میں ہے۔ امام بخاریؒ ’’کتاب الجہاد، باب لایعذب بعذاب اللہ‘‘ میں اسی حدیث کو بہ اسناد ذیل لائے ہیں:

حدثنا علی بن عبداللہ حدثنا سفیان عن ایوب عن عکرمۃ ان علیاً حرق قوماً ...... من بدل دینہ فاقتلوہ (بخاری، باب لایعذب بعذاب اللہ)

اس کے علاوہ اس حدیث کے اور بھی متعدد سلاسل ہیں جسے اس دریائے بے کراں کی غواصی کا اشتیاق ہو، وہ نسائی، ابوداؤد، ترمذی، مسند امام احمدؒ بن حنبل، مستدرک حاکم، مصنف ابن ابی شیبہ، مصنف عبدالرزاق، معجم کبیر، معجم صغیر اور ابن ماجہ کے مجلدات کی ورق گردانی کر لے جن میں یہ حدیث دوسرے سلسلوں اور دوسرے واسطوں سے غیر مختتم تواتر کے ساتھ مروی ہے۔ ان سلاسل و وسائط کے باب میں آپ کا کیا ارشاد ہے؟ کیا ان میں بھی ابوالنعمان کی طرح شائبہ اختلاط موجود ہے؟

باقی رہا یہ دعویٰ کہ نفس ارتداد موجب قتل نہیں بلکہ جب مرتد محارب بن جائے تو صرف اسی حالت میں بفحوائے آیہ کریمہ: ’’**انما جزآؤ الذین یحاربون اللہ ورسولہ**‘‘ (المائدہ:۳۳) مستوجب قتل ہوتا ہے۔ سو اگر اس دعوے میں کچھ بھی وزن ہو تو مجھے استفسار کا حق ہے کہ حدیث میں سرے سے ارتداد کی بحث ہی کیوں چھیڑی گئی اور جابجا ’’ارتداد‘‘ اور ’’کفر‘‘ کی گردان کیوں کی گئی؟ کیا محض ’’حارب‘‘ کہہ کر ان پر قتل کا حکم نہیں لگایا جا سکتا تھا؟

اس سلسلہ میں فاضل مدیر ’’ہمدرد‘‘ نے حضرت عبداللہ ابن مسعود کی روایت: ’’**المارق من الدین التارک للجماعہ**‘‘ پر بھی قلم انقار اٹھایا ہے اور جیسا کہ مختصراً کسی دوسری جگہ بیان کیا جا چکا ہے، انہوں نے نغمہ سرایان قادیان کے ساتھ سُر ملاتے ہوئے حق ہم آہنگی اس طرح ادا کیا ہے کہ ’’**المارق من الدین**‘‘ اور ’’**التارک للجماعہ**‘‘ کی دوگونہ ترکیبوں کا اتصال اپنا شارع آپ ہے۔ دونوں جملوں کو ساتھ ملا کر پڑھنے سے صرف یہی معنی نکل سکتے ہیں کہ مرتد واجب القتل بے شک ہے لیکن محض بصارت محاربہ میں پہلے بھی کہہ چکا ہوں اور اب تحدی کے ساتھ پھر کہتا ہوں کہ یہ معنی بطن الشاعر میں ہوں تو ہوں حدیث

سے کسی طرح بھی متبادر نہیں ہوتے۔ قارئین کرام کی تشفی کے لئے محدثین و شارحین کی تصریحات ذیل میں پیش کی جاتی ہیں۔

سب سے پہلے حدیث زیر نظر کا متن سامنے رکھ لینا چاہئے تا کہ تصریحات کے ذہن نشین ہونے میں آسانی بھی ہو۔

لایحل دم امری مسلم یشهد ان لااله الا الله و انی رسول الله الا باحدی ثلاث (۱)النفس بالنفس، (۲)والثیب الزانی (۳)والمارق من الدین التارک للجماعه (بخاری، باب قال اللہ تعالیٰ ان النفس بالنفس)

جو مسلمان خدا کی وحدانیت اور میری رسالت کا مقر ہو، اس کا خون صرف تین صورتوں میں حلال ہے۔ پہلی صورت یہ ہے کہ وہ قتل عمد کا مرتکب ہو۔ دوسری صورت یہ ہے کہ وہ زنا کرے۔ تیسری صورت یہ ہے کہ وہ دین سے نکل جائے اور سنن ابوداؤد میں: ''**المفارق من الدین التارک للجماعة**'' کے بجائے ''**والتارک لدینه المفارق للجماعة**'' (ابوداؤد باب الحکم فیمن ارتداد) کے الفاظ آئے ہیں۔ اس حدیث کے ذیل میں فرماتے ہیں کہ اس سے مراد وہ شخص ہے جو جماعت مسلمین کو چھوڑے اور ردت اختیار کر کے اپنا تعلق ملت بیضاء سے منقطع کرلے۔ **المفارق للجماعة التارک لدینه** کی صفت موکدہ ہے۔

امام نوویؒ شرح صحیح مسلم فرماتے ہیں:

فهو عام فی کل مرتد عن الاسلام بای ردة کانت فیجب قتله ان لم یرجع الی الاسلام (شرح النوی علی مسلم باب مایباح بہ دم المسلم)

اس حدیث کے مثلث ثالث کا اطلاق عمومیت کے ساتھ ہر اس شخص پر ہوتا ہے جو دین اسلام سے برگشتہ ہو جائے اور اگر تائب ہو کر از سر نو اسلام نہ قبول کرے تو وہ واجب القتل ٹھہرتا ہے۔

صاحب عون الباری لکھتے ہیں کہ: مارق خارج کا مترادف ہے اور تارک جماعت کا مطلب یہ ہے کہ وہ جماعت مسلمین سے نکل جائے، ان کے زمرے سے باہر ہو جائے۔

جس طرح شہادت ''**لا اله الا الله وانی رسول الله**'' کی کوئی نئی مستقل صفت اس جگہ لفظ مسلم کی شرح ہے، اسی طرح ''**التارک للجماعه**'' **المارق من الدین** کا

کوئی جداگانہ وصف نہیں۔ بلکہ محض اس کی مزید تفصیل ہے۔ نسائی میں سند صحیح سے حضرت عثمانؓ کی جو حدیث آئی ہے، وہ اس خیال کی مؤکد ہے۔ اس حدیث میں ’’المارق من الدین‘‘ کے بجائے ’’اوکفر بعدا سلام‘‘ کے الفاظ ہیں۔ نسائی کی ایک اور حدیث میں ’’ارتد بعد اسلام‘‘ کے درج ہے کہ طبرانی نے حضرت ابن عباسؓ سے جو روایت نقل کی ہے۔ اس میں ’’مرتد بعد ایمان‘‘ کے الفاظ موجود ہیں۔

ان تمام تصریحات کے بعد جن سے مرتد کا مسلمانوں کی جماعت سے کٹ کر دشمنان اسلام کے ساتھ بغرض قتال جاملنا اور اس طور پر محارب بن جانا کہیں بھی نہیں پایا جاتا۔ حضرت ابن مسعود کی حدیث کو محض محارب مرتدین سے مخصوص کرنا کھلی ہوئی کج بحثانہ زیادتی ہے۔

اس بات پر بہت زور دیا جاتا ہے کہ بخاری نے اپنا عنوان ہی ’’باب المحاربین من اہل الکفر والردہ‘‘ قرار دیا ہے جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک مرتد صرف بصورت محارب واجب القتل ہے۔ قادیان اور دہلی کے غوّاص (غوطہ خور) خوش ہوں گے کہ ان کی محدثانہ شناوری ہی بڑی دور کی کوڑی لائی لیکن وہ اس دریائے زخار کی تہ میں ذرا اور ہاتھ پاؤں مارتے تو اپنے جیب و داماں کو خرمہرہ کی جگہ لالی شہوار سے بآسانی بھر سکتے تھے۔ بخاری نے آگے چل کر استتابۃ المرتدین والمعاندین وقتالھم‘‘ کا ایک اور بھی عنوان قائم کیا ہے جس کے نیچے باب حکم المرتد والمرتدہ میں دو حدیثیں درج ہیں۔ ان حدیثوں میں محاربہ کا ذکر تک نہیں۔ پھر آپ انہیں کس طرح نظرانداز کر سکتے ہیں؟

’’ہمدرد‘‘ نے ’’ہدایہ‘‘ سے اس بات کا ثبوت بہم پہنچانے کی ناکام کوشش کی ہے کہ احناف کے نزدیک بھی نفس ارتداد مستوجب قتل نہیں ہے۔ احناف کی کتب شہیرہ ومتداولہ کی موجودگی اور ان کے غیرمشتبہ تعامل کے ہوتے ہوئے اس قسم کا دعویٰ کرنا پرلے درجہ کی دیدہ دلیری کا کام ہے۔ تمام احناف اور دوسرے آئمہ کے پیرو نفس ارتداد کو موجب قتل قرار دینے میں بالکل متفق ہیں اور بلاخوف تردید کہا جاسکتا ہے کہ قادیانیوں یا اس عہد کے بعض متنورین (چمکدار روشن خیال) کے سواء جو امت مرزائیہ کی پیٹھ ٹھونکتے ہوئے دیکھے جاتے ہیں۔ ابتدائی اسلام سے لے کر آج کے دن تک ایک شخص نے بھی اس بارے میں اختلاف نہیں کیا۔ خفیف سا جزئی اختلاف اگر ہے تو مرتدہ کے بارے میں ہے۔ احناف مرتدہ کو قتل کے بجائے حبس دوام کی سزا دیتے ہیں اور اس کی وجہ ان کے نزدیک یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے

عورتوں کے قتل سے نہی فرمادی ہے۔ یہ نہی آئمہ احناف کی رائے میں ’’من بدل دینه‘‘ کی تعمیم کی مخصص ہے اور اس تخصیص میں حکمت یہ ہے کہ عورتوں میں خلقی ضعف کے بعث محاربہ بننے کی صلاحیت موجود نہیں ہوتی، صرف مرد میں یہ صلاحیت پائی جاتی ہے۔

محمد علی لاہوری قادیانی لکھتے ہیں کہ بعض آئمہ مجتہدین کی رائے میں مرتد کے لئے مرتے دم تک توبہ کا دوازہ کھلا ہوا ہے۔ اس رائے سے آپ نفی قتل مرتد پر استدلال کرتے ہیں۔ ان آئمہ مجتہدین کا قول یہ ہے کہ اگر ایک شخص بار بار مرتد ہو اور قاضی کے سامنے پیش ہوکر ہر دفعہ توبہ کرتا رہے تو اسے قتل نہیں کرنا چاہئے۔ اس کے خلاف عام آئمہ کا قول ہے کہ دوسری تیسری مرتبہ ارتداد واختیار کرنے والوں کو توبہ کے باوجود قتل کی سزا دینی چاہئے۔ الذین آمنوا ثم کفروا ثم آمنوا ثم کفروا ثم ازداد وا کفرا (النساء:۱۳۷) سے بھی یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ دوسری یا تیسری مرتبہ مرتد ہونے کے بعد توبہ بے سود ہے۔

قادیانیوں پر ارتداد کی تعریف کے صادق آنے یا نہ آنے کے بارے میں ’’ہمدرد‘‘ نے جو کچھ لکھا ہے، اس پر تفصیلی بحث کا یہ موقعہ نہیں۔ البتہ اس اصول کی حیثیت مطلقہ کے تسلیم کرنے میں مجھے کلام ہے کہ تاویل کرنے والا کافر نہیں ہوتا۔ بلاشبہ مؤولین اور منکرین یا محرفین الکلم عن مواضعه میں فرق ہے۔ لیکن جب تاویل اپنی حد مناسب سے متجاوز ہو جائے۔ اس میں اور انکار وتحریف میں کوئی تمیز باقی نہ رہے، دین کے اصول پر اس کے مہلک تیشہ کی ضرب تو برتو پڑنے لگے تو اس دعوے کی کوئی وقعت باقی نہیں رہتی کہ مؤول کافر نہیں ہوتا۔ اسی لئے مانعین زکوٰۃ زنادقہ، جہمیہ، قدریہ، باطنیہ، وغیرہ فرق باطلہ کی تاویلات سلف کے نزدیک بالاتفاق تحریف دین کی حیثیت رہی ہیں اور انہیں قتل وقتال کا مؤجب قرار دیا جاتا رہا ہے۔ آخر یہ لوگ بھی خدا اور رسول کے منکر تو نہ تھے اور کلام اللہ کی حقیقتوں سے سرتابی کا داعیہ تو نہ رکھتے تھے۔ صرف اپنی مسموخ عقل کے مطابق آیات ربانی کی تاویل ہی کرتے تھے۔ پھر کیا اس تاویل کی پاداش میں ان کے ساتھ وہی سلوک نہیں کیا گیا جو منکرین کے ساتھ کیا جاتا تھا؟

بات بات میں ’’لا اکراہ فی الدین‘‘ کی رٹ لگانے والے شرع کی بطش شدید سے تو پہلے ہی دامن جھٹک کر الگ ہو چکے ہیں۔ رہی سہی کسر حدیث العہد متنورین (جدید دور کے روشن خیال) کا یہ اصول موضوعہ پوری کر دے گا کہ مؤول کافر نہیں ہوتا۔ آج

ختم رسالت کی تاویل کی جاتی ہے۔ظل و بروز کی نامعقول حجت تراش کر کہا جاتا ہے کہ

ظاہرا گو سایہ عین نور نیست کج مبیں کز نور چنداں و در نیست

حکم جہاد کی تاویل کرتے کرتے اسے قرآن مجید سے بالکل ہی خارج کر دیا جاتا ہے اور اس پر قادیان کی شان جمالی کا پردۂ فاسق ڈال دیا جاتا ہے۔اسمہ احمد والی تاویل سب کے سامنے ہے۔کون کہہ سکتا ہے کہ آج جو احمد بنے پھرتے ہیں،کل کو احمد بے میم نہ بن جائیں گے یا نہ بنا دیئے جائیں گے؟

گر خدا خواہد پس از سالے خدا خواہد شدن

اس کے بعد نہیں معلوم کہ دین میں کیا باقی رہ جائیگا۔اگر یہی وہ آزادی ضمیر،یہی وہ روشن خیالی اور یہی وہ دین اجتہاد ہے جس پر بار بار زور دیا جاتا ہے تو میں سمجھتا ہوں کہ تہذیب انسانی کے ان بالغ نظر پروفیسروں سے تو وہ جامد مقلدین ہی ہزار درجہ بہتر ہیں جو اپنی جگہ سے بال برابر بھی ہٹنا گوارا نہیں کر سکتے۔اس لئے کہ بھلے یا بُرے طریقے سے دین کے اصول کو تو قائم رکھتے ہیں۔آپ کے عالم آشوب اجتہاد کا سٹیم رولر جس انداز سے متحرک ہو رہا ہے۔اس سے تو چند روز کے بعد کسی چیز کے بھی صحیح وسالم رہنے کی امید نظر نہیں آتی۔

’’**لا اکراہ فی الدین**‘‘ اور عدم تکفیر مؤول کے جو من مانے اصول’’ہمدرد‘‘ نے وضع کئے ہیں ان کو سامنے رکھ کر میں یہ عرض کرنے کی اجازت چاہتا ہوں کہ حدیث میں **من رای منکم منکراً فلیغیّرہ بیدہ**‘‘اور’’**من جاھد بیدہ فھو مومن**‘‘ کی جو تصریحات آئی ہیں۔ان کی نسبت بھی فیصلہ ہو جانا چاہئے کہ’’ید‘‘سے کیا مراد ہے؟ کیا یہ وہی چیز ہے جو کفر کے منہ پر طمانچہ مار کر اسے لال کر دیا کرتی ہے یا افلاطون کے عالم مثال کی کوئی محض مابعد الطبیعی حقیقت ہے؟ اگر شکل اوّل صحیح ہو تو پھر’’ید‘‘ کہاں کہاں استعمال ہوگا اور ’’امر منکر‘‘ کا وقوع کس صورت میں’’**لا اکراہ فی دین**‘‘ کے عالمگیر حصار سے باہر آئے گا،کیا’’امر منکر‘‘ کو روکنے کے لئے’’جہاد بالید‘‘ کا حکم بھی حقیقت میں واجب الامتثال ہے یا ’’**من بدّل دینہ فاقتلوہ**‘‘ کی طرح محض اوراق حدیث ہی کی تزئین کے لئے صاحب ’’**وما ینطق عن الھوی**‘‘ کی زبان الہام ترجمان پر جاری ہوا تھا؟

اب تک جو کچھ عرض کیا گیا،اس کی غایت محض یہ تھی کہ جن اصحاب نے تیرہ سو سال کی مدت میں سب سے پہلی مرتبہ قتل مرتد کی مخالفت میں آواز بلند کی ہے۔ان کے دلائل و

براہین کی قدر و قیمت اور حیثیت و مرتبت کا اندازہ کیا جائے۔ گزشتہ مباحث کے ملاحظہ سے قارئین کرام پر اچھی طرح آشکارا ہو چکا ہوگا کہ منکرین قتل مرتد کی تحریرات تمام تر آیات قرآنیہ کی غلط تفسیر وارشادات حضور سرور دو عالم ﷺ کی نادرست تاویل یا دیدہ ودانستہ تحریف پر مبنی ومتفرع ہیں۔ اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس ذیل میں شریعت کی تمام تصریحات، آئمہ کرام کے فیصلے اور علماء وشیوخ کتاب وسنت کے اقوال جمع کر دوں تاکہ منکرین قتل مرتد پر روشن ہو جائے کہ یہ معاملہ اتنا آسان اور معمولی نہیں ہے کہ چند آیات کا موافق مطلب ترجمہ کر کے یا ایک آدھ حدیث میں بزعم خود نقص نکال کر سمجھ لیا جائے کہ اب اس بات میں آخری، حتمی اور منصوص فتویٰ جاری ہوگیا۔ میرے مبحث کا یہ حصہ اس قدر وسیع اور اس درجہ فصیح ہے کہ مجھے اس کا حصر واستقصاء محال نظر آتا ہے۔ نہ سردست کتابوں کا پورا ذخیرہ میرے پاس موجود ہے، نہ اتنی فرصت ومہلت ہے کہ گزشتہ تیرہ سو سال کے ہر دور کی بلند ترین شخصیتوں کے فیصلے جمع کرسکوں اور نہ صحیح معنوں میں اپنے آپ کو اس عظیم الشان کام کا اہل پاتا ہوں۔ تاہم جو مواد اس وقت میرے پاس موجود ہے، اسے پیش کر دینے میں توقف وتامل مناسب نہیں سمجھتا۔ بہت ممکن ہے کہ میری یہ ناچیز مگر مخلصانہ کوشش اس میدان کے حقیقی شہسواروں کے ہاتھ میں مزید تگ وتاز کے لئے تازیانہ کا کام دے اور میری یہ چند غیر مکمل سی گزارشات ارباب علم و فضل کے اندر اس مبحث کی ہمہ وجوہ تکمیل کا جذبہ حقّہ وداعیہ صادقہ پیدا کردیں۔

مے گویم و بعد از من گویند بہ دستانہا

اس سلسلے میں سب سے پہلے قرآن حمید آتا ہے۔ بعض اصحاب نے ''انما جزواء الذین یحاربون اللہ و رسولہ'' (المائدہ:۳۳) سے قتل مرتد پر استدلال کیا ہے اور میں اس کی نسبت اجمالاً چند کلمات اوپر عرض کر چکا ہوں۔ مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی دیوبندی اپنے رسالہ ''الشھاب لرجم الخاطف المرتاب'' میں واقعہ عجل کی اس آیت سے قتل مرتد کا ثبوت پیش کرتے ہیں:

انکم ظلمتم انفسکم باتخاذکم العجل فتوبوآ الیٰ بارئکم فاقتلوا انفسکم (البقرہ:۵۴)

ترجمہ: اے بنی اسرائیل! تم نے گوسالہ کو معبود بنا کر اپنی جانوں پر سخت ظلم کیا، اب خدا کی طرف رجوع کرو پھر اپنے آدمیوں کو قتل کرو۔

مولانائے ممدوح فرماتے ہیں کہ اس استدلال پر یہ اعتراض وارد ہوسکتا ہے کہ یہ واقعہ شریعت موسوی سے تعلق رکھتا ہے۔ لہٰذا اس سے امت محمدیہ کے حق میں تمسک نہیں کیا جاسکتا، مگر اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ قرون خالیہ جن احکام وشرائع کو قرآن نے نقل کیا ہے۔ ان کی پیروی واتباع ہمارے لئے اس وقت تک ضروری ہے جب تک کہ کسی خاص حکم یا خاص معاملے کی نسبت کتاب یا سنت میں صاف ممانعت نہ آجائے۔ چنانچہ قرآن حکیم میں ایک مقام پر بہت سے انبیاومرسلین کا تذکرہ کرنے کے بعد فرمادیا گیا ہے کہ:

اولٓئک الذین ھدی اللّٰہ فبھداھم اقتدہ (الانعام:۹۰)

ترجمہ: یہ وہ لوگ ہیں جنہیں خدا نے ہدایت دی۔ پس آپ بھی ان کی ہدایت پر چلئے۔

لیکن اگر کوئی شخص ان استدلات کے قبول کرنے میں متامل ہو تو بدرجہ آخر اس سے انکار نہیں ہوسکتا کہ قرآن مقدس سزا کے باب میں ساکت ہے اور یہ ظاہر ہے کہ قرآن نے تمام جرائم کے لئے سزاؤں کی تخصیص نہیں کی مثلاً شاتم رسولؐ کے لئے کوئی سزا مذکور نہیں حالانکہ یہ جرم بہت ہی سخت ہے۔ قماربازی کے لئے کوئی سزا نہیں حالانکہ اس فعل شنیع کا ذکر قرآن میں موجود ہے۔ لواطت کی نسبت صرف اتنا فرمادیا گیا ہے کہ:

والذن یاتینھا منکم فاٰذوھماً (النساء:۱۶)

ترجمہ: اور تم میں سے جب دو مرد بے شرمی کے فعل کے مرتکب ہوں تو انہیں اذیت دو۔

لیکن اس اذیت کی تحدید وتعیین کوئی نہیں کی گئی۔ اس سے بھی بڑھ کر شراب کا معاملہ ہے، یہ سمجھتا ہوں کہ شراب کا ذکر قرآن میں متعدد دفعہ آیا ہے۔ ایک دفعہ یہ فرمایا گیا ہے:

یسئلونک عن الخمر و المیسر قل فیھمآ اثم کبیر و منافع للناس و اثمھمآ اکبر من نفعھما (البقرہ:۲۱۹)

ترجمہ: آپ سے شراب اور جوئے کے متعلق سوال کرتے ہیں، کہہ دیجئے کہ ان میں بڑا گناہ ہے اور کچھ فائدے بھی ہیں۔ لیکن گناہ فائدوں کے مقابلے میں بہت زیادہ ہے۔

دوسرے مقام پر ارشاد ہوتا ہے:

یایھا الذین اٰمنوا انما الخمر والمیسر والانصاب و الازلام رجسٌ من عمل الشیطٰن فاجتنبوہ لعلکم تفلحون (المائدہ:۹۰)

ترجمہ: اے ایمان والو! شراب، جوا، بت اور پانسے ناپاک چیزیں ہیں جو عمل شیطان سے ہیں پس ان سے بچو، تاکہ تمہیں فلاح نصیب ہو۔

دونوں مقامات پر شراب کا ذکر ہے مگر سزا کی طرف اشارہ تک نہیں اور طرفہ یہ کہ آیات ارتداد میں تو ہولناک عذاب اخروی کا تذکرہ ہے مگر شراب کی آیات میں اس کی نسبت بھی ایک حرف نظر نہیں آتا۔ حالانکہ حدیث میں اسے زنا اور سرقہ کے ساتھ رکھا گیا ہے جس طرح بحالت ارتکاب زنا وسرقہ ایمان کے مسلوب ہو جانے کی صراحت ہے۔ اسی طرح شراب کی نسبت بھی صاف صاف فرمادیا گیا ہے کہ **لایشرب الشارب حین یشرب وھو مومن**، علاوہ بریں تازیانوں کی سزا موجود ہے۔ پھر جو لوگ سزائے ارتداد کے متعلق قرآن حکیم کے سکوت کو نفی سزا پر محمول کرتے ہیں، وہ براہ کرم مجھے بتائیں کہ شرب خمر اور لواطت وغیرہ کی نسبت ان کا کیا ارشاد ہے؟

قرآن حکیم کے سکوت کی صورت میں ہمارے لئے احادیث کی طرف رجوع ہونا لازمی ہے۔ احادیث پر نظر ڈالی جائے تو ان میں قتل مرتد کی نسبت ایسی تشریحات وتنبیہات موجود ہیں جن کے متعلق ایک لحظہ کے لئے بھی شبہ، تامل یا تذبذب کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ میں یہاں چند احادیث وآثار نقل کرتا ہوں جن میں سے اکثر وبیشتر میں نے اصل کتابوں سے نکالے ہیں اور بعض کے سلسلے میں مستند علما کی تحریرات پر اعتماد کیا ہے۔ امید واثق ہے کہ یہ منقولات قارئین کرام کے لئے بے حد تسلی بخش اور تسکین افزا ثابت ہوں گی اور جو لوگ مولانا محمد علی (جوہر) اور محمد علی لاہوری قادیانی کے مضامین ورسائل کی تنگ بخشی کو دریا نوالی تصور کئے بیٹھے ہیں، ان کے وہم باطل وظن فاسد کا ان سے پورا ازالہ ہو جائے گا۔

۱...... بخاری کی حدیث ''**من بدل دینه فاقتلوه**'' کی مفصل بحث اوپر گزر چکی ہے اور میں بتاچکا ہوں کہ اس کے آخری راوی ابوالنعمان محمد بن الفضل کے متعلق ابن حبان کے معترضانہ قول کی حیثیت کس درجہ بودی اور ناقابل اعتناء ہے۔ صحابہؓ میں سے اس حدیث کو حضرت ابن عباسؓ، حضرت عائشہ صدیقہؓ اور حضرت معاویہؓ بن حیدہ نے روایت کیا ہے۔ بخاری میں یہ حدیث دو مختلف سندوں سے دو مختلف کتابوں یعنی کتاب الجہاد اور کتاب استتابہ المرتدین میں آئی ہے۔ علاوہ بریں مستدرک حاکم، مصنف ابن ابی شیبہ، مصنف عبدالرزاق، معجم کبیر، معجم صغیر، نسائی، ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ اور مسند امام احمد ابن حنبل میں موجود ہے۔ نیز

امت کے مشہورترین آئمہ وعلمانے اسے بہمہ وجوہ مستند مانا ہے۔ چنانچہ مثال کے طور پر یہ بلوغ المرام اور منتقی الاخبار میں بھی ملتی ہے۔ صاحب ''منتقی الاخبار'' فرماتے ہیں کہ رواہ الجماعہ الاسما۔ نسائی نے اسے پانچ مختلف اسناد سے روایت کیا ہے۔ میں یہاں ان تمام سلاسل کی تفصیل غیرضروری سمجھتا ہوں جو صاحب چاہیں سنن نسائی اٹھا کر ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔

ترمذیؒ اس حدیث کو اپنی جامع میں درج کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

۱ ...... والعمل علیٰ هذا عند اهل العلم فی المرتد واختلفوا فی المراة اذا ارتدت عن الاسلام فقالت طائفة من اهل العلم تقتل و هو قول الاوزاعی، واحمد و اسحاق. و قالت طائفة منهم تحبس ولا تقتل. وهو قول سفیان الثوری وغیره من اهل الكوفه (ترمذی باب ماجاء فی المرتد)

ترجمہ: مرتد کے بارے میں تمام اہل علم کا عمل اسی پر ہے۔ بس مرتدہ کی نسبت اختلاف ہے۔ اوزاعی، احمد، اسحاق وغیرہ کا فیصلہ ہے کہ اسے بھی قتل کیا جائے لیکن سفیان ثوری وغیرہ اہل الکوفہ فرماتے ہیں کہ مرتدہ کو قید کیا جائے، قتل نہ کیا جائے۔

۲ ...... ''ہمدرد'' اور محمد علی لاہوری قادیانی نے اس حدیث کے الفاظ کی عمومیت پر یہ اعتراض کیا ہے کہ اس کا اطلاق ان کافروں پر بھی ہوسکتا ہے جو اپنی ملت کو چھوڑ کر اسلام اختیار کریں۔ اس کا جواب میں اوپر عرض کر چکا ہوں لیکن ان کی مزید تسکین کے لئے ایک ایسی حدیث پیش کرتا ہوں جس میں عمومیت نہیں بلکہ تحدید وتخصیص موجود ہے۔ وہو ہذا:

من خالف دينه دين المسلمين فاضربوا عنقه

(المعجم الکبیر طبرانی روایات عکرمہ عن ابن عباس)

ترجمہ: جو شخص اپنے دین یعنی دین اسلام کی مخالفت کرے تو اس کی گردن ماردو۔

۳ ...... ''من بدل دینه'' کی ہم معنی ایک حدیث امام مالک، موطا کے باب ''من ارتد عن الاسلام'' میں لائے ہیں:

مالک عن زید بن اسلم ان رسول الله ﷺ قال من غير دينه فاضربوا عنقه (مسوّیٰ شرح مؤطا۔ ج۲ص۱۲۸)

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ، مسوّیٰ شرح موطا'' میں اس حدیث کے ذیل میں فرماتے ہیں۔

علیہ اهل العلم اذا کان المرتد رجلا واختلفوا فی المرتدة قال الشافعی تقتل وقال ابو حنیفه لاتقتل ولا کن تحبس حتیٰ تسلم

ترجمہ: قتل مرتد کے باب میں اہل علم متفق ہیں۔ البتہ مرتدہ کے متعلق اختلاف ہے۔ شافعیؒ فرماتے ہیں کہ مرتدہ کو بھی قتل کیا جائے۔ ابوحنیفہؒ کا قول ہے کہ قتل نہ کیا جائے، قید رکھا جائے یہاں تک کہ وہ اسلام لے آئے۔

۴...... نسائی باب ’’الحکم فی المرتدیہ‘‘ میں یہ روایت لائے ہیں:

عن ابن عمران عثمان قال سمعت رسول اللہ ﷺ یقول لایحل دم امری مسلم الا باحدیٰ ثلاث: رجلٌ زنی بعد احصانه فعلیه الرجمٌ او قتل عمداً فعلیه القود اوارتد بعد اسلامه فعلیه القتل (سنن نسائی باب الحکم فی المرتد)

ترجمہ: یعنی مسلمان کا خون تین صورتوں میں جائز ہے۔ اوّل یہ کہ کوئی مسلمان احصان کے بعد زنا کرے، اسے سنگسار کیا جائے یا قتل عمد کا مرتکب ہو، اس سے قصاص لیا جائے یا مرتد ہو جائے، اسے قتل کیا جائے۔

نسائی کی دو روایتوں میں ان خصائل ثلاثہ کی تفصیل یوں ہے:

الف: زنا بعد احصان. کفر بعد اسلام قتل

ب: کفر بعد اسلامه او زنا بعد احصانه قتل

(سنن نسائی باب ذکر ما یحل به دم المسلم)

۵...... حضرت عبداللہ ابن مسعود فرماتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مسلمان کا قتل جائز نہیں مگر تین قسم کے لوگ اس سے مستثنیٰ ہیں۔

النفس بالنفس والثیب الزانی والمارق من الدین التارک للجماعة (بخاری ومسلم باب ما یباح به دم المسلم)

یہ روایت ابوداؤد، ترمذی اور سنن دارمی میں بھی موجود ہے۔

۶...... نسائی کی ایک روایت میں ان تین قسم کے لوگوں کی تفصیل یہ ہے۔

التارک للاسلام مفارق الجماعه والثیب الزانی والنفس بالنفس (بخاری باب النفس بالنفس، مسلم باب ما یباح به دم المسلم)

۷...... حضرت ابوموسیٰ اشعری رسول اللہ ﷺ کی طرف سے یمن کے عامل تھے۔ بعدازاں حضرت معاذؓ وہاں پہنچے، اس وقت ایک شخص گرفتار ہوکر آیا۔ حضرت معاذؓ نے اس کی نسبت پوچھا تو معلوم ہوا کہ وہ پہلے یہودی تھا، پھر اسلام لے آیا، مگر بعدازاں پھر یہودیت کے حلقے میں داخل ہوگیا۔ حضرت معاذؓ سے کہا گیا ہے کہ آپ بیٹھئے، آپ نے فرمایا:

لااجلس حتیٰ یقتل قضاء اللہ و رسولہ ثلاث مرات فامر بہ فقتل

(بخاری باب حکم المرتد والمرتدہ)

ترجمہ: میں اس وقت تک نہیں بیٹھوں گا جب تک کہ اسے قتل نہ کرلوں، خدا اور رسول کا یہی حکم ہے۔ یہ تین مرتبہ فرمایا چنانچہ مرتد یہودی کو قتل کیا گیا۔

یہ حدیث بخاری، مسلم، ابوداؤد اور نسائی میں موجود ہے۔ صاحب منتقی الاخبار کے قول کے مطابق امام احمدؒ کی ایک روایت میں یوں ہے:

قضی اللہ و رسولہ ان من رجع عن دینہ فاقتلوہ

(مسند احمد باب حدیث معذ بن جبل)

۸...... ابوداؤد میں حضرت ابوموسیٰ اشعری کی ایک روایت ہے کہ:

قدم علی معاذ و انا بالیمن ورجلٌ کان یھودیا فاسلم فارتد عن الاسلام فلما قدم معاذ قال لا انزل عن دابتی حتی یقتل فقتل

(سنن ابی داؤد باب الحکم فیمن ارتد)

ترجمہ: میں یمن میں تھا کہ معاذ وہاں پہنچے۔ ایک یہودی مسلمان ہونے کے بعد مرتد ہوگیا تھا۔ معاذ وہاں پہنچے تو آپ نے فرمایا کہ میں سواری سے نہیں اتروں گا جب تک کہ مرتد کو قتل نہ کرالوں، چنانچہ اسے قتل کیا گیا۔

۹...... معاذ بن جبل کو یمن کی طرف گورنر بنا کر بھیجتے وقت رسول اللہ صلی علیہ وسلم نے فرمایا:

ایما رجل ارتد عن الاسلام فادعہ فان عاد والا فاضرب عنقہ وایما امراۃ ارتدت عن الاسلام فادعھا فان عادت والافاضرب عنقھا

(فتح الباری لابن حجر باب حکم المرتد والمرتدہ)

ترجمہ: جو شخص مرتد ہو جائے اسے اسلام کی طرف بلانا، اگر وہ توبہ کر لے تو توبہ قبول کر لینا ورنہ گردن مار دینا اور اگر کوئی عورت مرتد ہو جائے تو اسے بھی اسلام کی طرف بلانا، اگر توبہ کر لے تو فبہا۔ ورنہ اس کی بھی گردن مار دینا۔

یہ حدیث فتح الباری شرح صحیح بخاری (حافظ ابن حجر عسقلانیؒ) اور ''نیل الاوطار فی اسرار منتقی الاخبار'' (قاضی محمد بن علی الشوکانی) معجم طبرانی اور زرقانی میں موجود ہے۔ قاضی شوکانی ''نیل الاوطار'' میں قتل مرتدہ کے اختلاف پر بحث کرتے ہوئے اس حدیث کو درج کر کے فرماتے ہیں۔ **ھو نص فی موضع النزاع فیجب المصیر الیہ**

(نیل الاوطار باب قتل المرتد)

۱۰...... حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کے پاس ایک مرتد لایا گیا۔ آپ بیس رات تک یا اس کے قریب قریب اسے اسلام کی طرف بلاتے رہے۔ معاذ پہنچے تو آپ نے بھی اسے اسلام کی طرف بلایا۔ انکار پر اس کی گردن ماردی گئی۔ (ابوداؤد باب الحکم فیمن ارتد)

یہ روایت دوسرے سلسلے سے بھی درج ہے لیکن اس میں استابہ کا ذکر نہیں۔

۱۱...... **اذا ابق العبد الیٰ والشرک فقد أحلٰ دمہ** (ابوداؤد باب الحکم فیمن ارتد)

۱۲...... حضرت صدیق اکبرؓ کے زمانہ مبارک میں ام قرفہ نامی ایک عورت بوجہ ارتداد قتل کی گئی۔ (نیل الاوطار، عینی شرح بخاری وفتح الباری)

۱۳...... حضرت عمرؓ کے پاس بنی ثور کی طرف سے ایک آدمی آیا۔ حالات پوچھے تو معلوم ہوا کہ ایک مرتد کو قتل کیا گیا تھا۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا کہ کیا تم نے اسے تین روز کی مہلت دی تھی اور اس سے توبہ کرانے کی کوشش کی تھی؟ (یہ اثر کئی کتابوں میں مذکور ہے مثلاً مؤطا امام مالک اور مؤطا امام محمد میں)

۱۴...... **من کفر بعد ایمانہ طائعاً فانہ یقتل**

(کنز العمال بحوالہ بیہقی عن عثمانؓ باب الارتداد واحکامہ)

۱۵...... حضرت عبداللہ بن مسعود نے ایک مرتبہ اہل عراق میں سے ایک مرتد جماعت کو گرفتار کیا تھا۔ سزا کے مشورے کے لئے حضرت عثمانؓ کو لکھا تو ارشاد ہوا:

اعرض علیھم دین الحق وشھادۃ ان لا الہ الا اللہ فان قبلوھا فخل عنھم وان لم یقبلوھا فاقتلھم ان پر اسلام پیش کرو۔ اگر قبول کر لیں تو چھوڑ دو۔ ورنہ

قتل کر ڈالو۔ (کنزالعمال باب الارتداد واحکامہ)

۱۶...... حضرت محمد بن ابوبکر نے ایک مرتبہ چند مقدمات، ابتدائی تحقیقات کے آخری حکم کے لئے حضرت علیؓ کے ملاحظہ میں پیش کئے۔ ان میں دو زندیقیوں کا معاملہ بھی تھا۔ حضرت علیؓ نے فرمایا:

أما اللذان تزندقا فان تابا والا فاضرب اعناقهما.

ترجمہ: یعنی جن لوگوں نے زندیقہ اختیار کر لیا ہے اگر وہ توبہ کر لیں تو فبہا۔ ورنہ ان کی گردنیں مار دو۔ (مصنف عبدالرزاق، عن قابوس بن المخارق باب میراث ولد المکاتب)

۱۷...... حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے فتح الباری میں زنادقہ کے احراق کے واقعہ کی تفصیل پیش کی ہے۔ اس کا مفاد یہ ہے کہ لوگ ایک گروہ کو حضرت علیؓ کے پاس لائے جو آپ کو خدا سمجھتا تھا۔ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ میں تمہاری طرح کھاتا ہوں، تمہاری طرح پیتا ہوں، تم یہ کیا کہہ رہے ہو؟ پھر ان سے کہا کہ توبہ کرو، لیکن وہ انکار کرتے رہے۔ آخرکار حضرت علیؓ نے فرمایا کہ اگر تم باز نہ آئے تو میں تمہیں بہت برے طریقے سے قتل کر دوں گا۔ وہ اس پر بھی انکار کرتے رہے۔ حضرت علیؓ نے خندق کھدوائی، اس میں لکڑیاں بھروا دیں اور آگ سلگا دی، پھر زنادقہ سے کہا کہ اگر تم باز نہ آئے تو تمہیں اس الاؤ میں ڈال دوں گا وہ پھر بھی اپنے کفر پر جمے رہے۔ انجام کار حضرت علیؓ نے انہیں آگ میں ڈلوا دیا اور وہ جل گئے۔ حضرت نے فرمایا:

انی اذا رایت امرا منکرا. اوقدت ناری و دعوت قنبرا

(فتح الباری باب حکم المرتد والمرتدة)

حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ اس کے اسناد صحیح ہیں۔ قاضی شوکانیؒ نے بھی ''نیل الاوطار'' میں اسے درج کیا ہے۔

۱۸...... خلفائے راشدین کے ساتھ ساتھ اس بزرگ کے ارشاد کا تذکرہ بھی مناسب معلوم ہوتا ہے جس کے قلیل سے عہد حکومت کو خلافت علیٰ منہاج النبوت کے ساتھ ایسی گہری وابستگی ہے کہ گویا وہ اسی کا ایک حصہ اور اسی کا ایک ٹکڑا ہے۔ اس سے میری مراد حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ ہیں۔ موطا امام مالک میں ہے:

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے ابوسہیل بن مالکؒ سے قدریہ کے باب میں رائے پوچھی۔ ابوسہیل نے کہا کہ ان سے توبہ کرائی جائے۔ اگر وہ نہ مانیں تو انہیں قتل کر دیا جائے،

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے فرمایا کہ میری بھی یہی رائے ہے۔

(مصفٰی موسوم بہ مسوّیٰ شرح موطا جلد ثانی ص ۱۲۹)

آئمہ اربعہؒ کا فیصلہ معلوم کرنے کے لئے شیخ عبدالوہاب شعرانی کی کتاب المیزان اٹھالیجئے۔ شیخ موصوف فرماتے ہیں کہ قتل مرتد کے بارے میں تمام آئمہ متفق ہیں۔ یعنی نفس قتل میں کسی کو بھی اختلاف نہیں۔ البتہ مرتدہ کی نسبت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا فیصلہ یہ ہے کہ اسے قید رکھا جائے، قتل نہ کیا جائے۔ (ان کے نزدیک اس کی علت رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد ہے کہ عورتوں کو قتل نہ کیا جائے لیکن باقی آئمہ ''من بدل دینه'' کی عمومیت کے پیش نظر مرتد اور مرتدہ دونوں کو واجب القتل سمجھتے ہیں اور اس کی تائید میں حضرت صدیق اکبرؓ کے عہد میمنت مہد کا وہ واقعہ پیش کیا جاتا ہے جسے میں اوپر نقل کر چکا ہوں۔ (یعنی ام قرفہ کا قتل) مہلت کے باب میں بھی اختلاف ہے۔ امام اعظمؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک تین روز کی مہلت مستحب ہے۔ امام مالکؒ اور امام شافعیؒ وجوب مہلت کے قائل ہیں۔ امام احمدؒ سے دونوں قسم کی روایتیں منقول ہیں لیکن آخری فیصلہ سب کا یہی ہے کہ مرتد اگر توبہ نہ کرے تو اسے قتل کر دیا جائے۔ ''رحمة الامه فی اختلاف الائمه'' کے مصنف بھی یہی فرماتے ہیں کہ اتفقوا الائمة علٰی أن من ارتد عن الاسلام وجب علیه القتل

''فتح الباری''، ''سبل السلام'' اور ''نیل الاوطار'' میں اختلافات کے متعلق تفصیلی بحثیں موجود ہیں۔ میں یہاں انہیں بالاستیعاب درج کرنے سے قاصر ہوں۔ بغرض توثیق مزید میں آئمہ اربعہ کے مذاہب کی کتابوں سے ایک ایک دو دو قول یہاں نقل کرتا ہوں۔

۱...... فقہ حنفیہ کی مشہور و متداول کتاب کنزالدقائق' ملاحظہ فرمائیے:

یعرض الاسلام علی المرتد وتکشف شبهته ویحبس ثلاثة ایام فان اسلم والا قتل...... ولا تقتل المرتدة بل تحبس حتی تسلم

(کنزالدقائق باب المرتدین)

ترجمہ: مرتد پر اسلام پیش کیا جائے۔ اس کا شبہ دفع کیا جائے، اگر وہ اسلام قبول کر لے تو فبہا ورنہ قتل کر دیا جائے۔ مرتدہ کو قتل نہ کیا جائے بلکہ اسے قید رکھا جائے، یہاں تک کہ وہ اسلام قبول کر لے۔

علاوہ بریں ہدایہ، مختصر وقایہ، دارالمختار، ردالمحتار، عالمگیری وغیرہ کتب شہیرہ احناف سب اس امر پر متفق ہیں۔

۲...... اسی کے ساتھ امام محمدؒ کی جامع صغیر کی مندرجہ ذیل عبارت پڑھ لیجئے۔

ویعرض علی المرتد حراً أو عبدا الأسلام فان ابی قتل وتجبر المرتدة علی الاسلام و لاتقتل حرة أو امة (الجامع الصغیر باب الارتداد واللحاق)

ترجمہ: مرتد آزاد ہو یا غلام اس پر اسلام پیش کیا جائے۔ اگر وہ اسلام قبول کرنے سے انکار کرے تو اسے قتل کر دیا جائے۔ مرتدہ کو اسلام پر مجبور کیا جائے مگر قتل نہ کیا جائے، خواہ وہ آزاد ہو یا لونڈی ہو۔

۳...... امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ زنادقہ وغیرہ کا زندقہ ظاہر ہو جائے تو انہیں قتل کر دیا جائے اور توبہ نہ کرائی جائے۔ اس لئے کہ ان کی توبہ کی کوئی صورت سمجھ میں نہیں آتی۔ وہ لوگ دل میں کافر رہتے ہیں اور زبان سے اسلام کا اظہار کر دیتے ہیں۔

وامّا من خرج من الاسلام الی غیره واظهر ذالک فانه یستتاب فان تاب والاقتل (مؤطا مالک باب القضاء فی من ارتد عن الاسلام)

ترجمہ: جو شخص اسلام کو چھوڑ کر دوسرا مذہب اختیار کر لے اس سے توبہ طلب کی جائے اگر توبہ کرلے تو فبہا ورنہ قتل کر دیا جائے۔

۴...... قال الشافعی و من ارتد عن الاسلام الی ای کفر کان مولودا علی الاسلام اواسلم ثم ارتد قتل (مختار المزنی باب حکم المرتد)

ترجمہ: امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص اسلام سے مرتد ہو جائے۔ خواہ پیدائشی حیثیت سے مسلمان ہو یا دوسرے مذہب سے اسلام میں داخل ہوا ہو، اسے قتل کر دیا جائے۔

۵...... ویقتل مریض المرتد عن الاسلام والعبد والامة والمکاتب وأم الولد. والشیخ الفانی اذا کانوا یعقلون ولم یتوبوا

(کتاب الام الشافعی باب مال المرتد وزوجة المرتد)

ترجمہ: یعنی مرتد خواہ مریض ہو یا غلام یا لونڈی یا مکاتب، یا ام ولد یا شیخ فانی اور بصحت ہوش وحواس ارتداد اختیار کرلے اور توبہ نہ کرے تو اسے قتل کر دیا جائے۔

۶...... **ولایترک بحال حتی یسلم اویقتل**

(کتاب الام للشافعی باب مایحرم بہ الدم من الاسلام)

ترجمہ: مرتد کو علیٰ حالہ نہ چھوڑا جائے یا تو اسلام قبول کرے یا اسے قتل کر دیا جائے۔

۷...... فقہ حنبلی کی مشہور کتاب ''المغنی'' مؤلفہ عبداللہ ابن قدامہ (جزو ثانی) میں ہے:

ومن ارتد عن الاسلام من الرجال والنساء وکان بالغا عاقلا دعی الیہ ثلاثۃ ایام فان رجع والاقتل (المغنی لابن قدامۃ باب کتاب المرتد)

ترجمہ: جو شخص اسلام سے مرتد ہو جائے خواہ وہ مرد ہو یا عورت اور عاقل و بالغ ہو تو اسے تین روز تک اسلام کی طرف بلایا جائے اور اسے تنگ کیا جائے۔ اگر توبہ نہ کرے تو قتل کر دیا جائے، توبہ طلب کرنا واجب نہیں بلکہ مستحب ہے اور مرتد کو معاً قتل کر ڈالنا بھی جائز ہے۔

مشہور علماء کے فیصلے بھی بالتفصیل درج کرنے کے قابل ہیں لیکن افسوس کہ نہ تو میرے پیش نظر اتنی گنجائش ہے اور نہ تمام کتب واسفار (اسفار، بڑی کتب، مجلدات، عظیم وضخیم کتب) امت کی طرف رجوع کرنے کی فرصت ہے۔ لہٰذا میں یہاں صرف چند اقوال اور حوالوں پر اکتفاء کروں گا:

۱...... **قال ابن دقیق العید الردۃ سبب لأباحۃ دم المسلم بالاجماع**

(فتح الباری باب قول اللہ تعالیٰ ان النفس بالنفس)

۲...... **قال النووی یجب قتلہ ان لم یرجع الی الاسلام**

(فتح الباری باب قول اللہ تعالیٰ ان النفس بالنفس)

امام نوویؒ نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ اگر کوئی مرتد پیاس سے مر رہا ہو اور کسی شخص کے پاس طہارت کی ضرورت کے لئے پانی موجود ہو تو یہ جائز نہیں کہ وہ پانی مرتد کو پلا دے اور خود تیمّم کرے۔ اگر ایسی حالت میں کوئی ذمی یعنی ہندو یا عیسائی وغیرہ یا جانور ہو تو اسے پانی پلا دینا واجب ہے اور ایسے وقت میں پانی سے وضو جائز نہیں۔ (ملاحظہ ہو شرح صحیح مسلم)

۳...... **وقد اجمع العلماء علی قتل الرجل المرتد اذا لم یرجع الی الاسلام واصر علی الکفر.** (عینی)

۴...... شیخ الاسلام حضرت امام ابن تیمیہؒ نے فتاویٰ کی چوتھی جلد میں بسط وتفصیل کے ساتھ ارتداد یا خروج عن الاسلام کی صورتوں پر بحث کی ہے۔ فرمایا ہے کہ ایسے اشخاص کے

ساتھ باتفاق آئمہ مسلمین قتال واجب ہے۔ علاوہ بریں ان کی مشہور تصنیفات مثلاً ''الصارم المسلول علیٰ شاتم الرسول'' اور منہاج السنہ وغیرہ میں صاف صاف قتل مرتد کے وجوب کی صراحت ہے۔

۵...... شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کا ایک قول بحوالہ مستویٰ شرح مؤطا اوپر گزر چکا ہے۔ حجۃ اللہ البالغہ میں آپ نے ''من بدّل دینه'' کے ارشاد نبوی ﷺ کو اصل قرار دے کر قتل مرتد کی تائید فرمائی ہے اور ذیلاً اس کی حکمت ومصلحت بھی بیان کردی ہے۔ وہو ہذا:

مرضی اللہ تعالٰی ان تجعل الملّة السماویه بمنزلة الامر المجبول علیه الذی لاینفک عنه (حجۃ اللہ البالغۃ باب الحدود)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کی مرضی یہ ہے کہ ملت سماویہ یعنی اسلام کائنات انسانیت میں ایک جبلی اور فطری حیثیت اختیار کرنے اور اس سے انفکاک وعلیحدگی کا خیال تک بھی دل میں موجود نہ رہے۔

میں نے برسبیل ایجاز جو چند حوالہ جات قارئین کرام کے سامنے پیش کئے ہیں، ان کی روشنی میں ارباب نظر کے لئے مسئلہ زیر بحث کا ہر پہلو واضح ہوگیا ہوگا اور ان نیک نیت لوگوں کو جن کا مقصد کسی بحث میں پڑنے سے سخن پرورانہ ضد نہیں بلکہ احقاق حق ہوتا ہے۔ ان تمام تصریحات سے معلوم ہوگیا ہوگا کہ مرتد کے واجب القتل ہونے پر رازداران دین مبین اور علمبرداران شرع متین یکسر متفق ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ گزشتہ ساڑھے تیرہ سو سال کی مدت میں عالم اسلام کے ایک فرد نے بھی قتل مرتد سے انکار نہیں کیا اور اس پر امت کا ایسا اجماع ہے کہ شاید بہت کم مسائل میں ایسے اجماع کامل کے نظائر پیش کئے جاسکتے ہیں۔ پھر میں پوچھتا ہوں کہ کیا حضور سرور کون ومکاں ﷺ کو جن پر قرآن اترا، ان آیات ربانی کے معانی معلوم نہ تھے، جن کی بناء پر حضور ﷺ نے دین سے برگشتہ ہوجانے والے کے واسطے ضرب عنق کی سزا تجویز فرمائی؟ کیا خلفائے راشدینؓ، آئمہ اربعہؒ، محدثین کرامؒ اور علمائے کبارؒ سب کے سب غلطی پر تھے جنہوں نے اس فیصلہ نبوی ﷺ کے آگے سر جھکا دیا اور برابر اس پر عمل کرتے رہے؟ کیا قرآن کے اشارات کی تفسیر اور حدیث کی تصریحات کی تأویل کا حق جس کے مطالبہ کے شور سے دہلی ولاہور کی فضا متلاطم ہورہی ہے، صرف مقدسین قادیان اور ان کے خوشہ چینوں ہی کے لئے وقف ہوچکا ہے؟

بات یہ ہے کہ جن بزرگواروں کا خمیر مایہ خاک قادیان سے اٹھایا گیا ہے۔ وہ تہیہ کر چکے ہیں کہ کلام مجید کی تعلیمات کے اس حصے کو جو جہاد سے تعلق رکھتا ہے یعنی جس کے اندر مسلمانوں کی بقا کا راز چھپا ہوا ہے، دنیا سے مٹا دیں گے یا کم ازکم اساطیر الاوّلین بنا دیں گے۔ ان کا عقیدہ ہے کہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی دو شانیں ہیں جلالی اور جمالی۔ اسلام کا دور اوّل جس میں اسے اپنی حفاظت کے لئے تلوار بے نیام کرنی پڑی، شان جلالی کا مظہر تھا۔ یورپ کی تہذیب نے اسلام کو آزادی تبلیغ کا آسمانی حق بخش کر تلوار کی ضرورت سے بے نیاز کر دیا اور قادیان میں ''اسمہ احمد'' کے بروزی مصداق کے ظاہر ہوتے ہی محمدی دور جلالی ختم اور ''احمدی'' دور جمالی شروع ہوگیا جس میں ''سلطان القلم'' کے شاگرد شمشیر کا کام خامہ سے لیں گے۔ اپنے زور منطق سے مسلمانان عالم کو اوّل نصاریٰ کا حلقہ بگوش بنائیں گے۔ آزاد اسلامی ممالک میں جہاد کے خلاف پروپیگنڈا کر کے وہاں کے باشندوں کی حیات عسکری کو ایسا پامال کریں گے کہ مسیحی طاقتوں کے لئے ان پر قبضہ کر لینا آسان ہو جائے۔ پھر ان غلام مسلمانوں اور ان کے نصرانی آقاؤں کو امن وامان اور صلح وسلام والی ''احمدیت'' کی دعوت دے کر ایک نیا جہان بسائیں گے جس کا دینی مرکز اور شاید دنیوی پایہ تخت بھی قادیان ہوگا۔ قادیانیوں کو خوب معلوم ہے کہ ان کا یہ ملحدانہ عقیدہ صرف ان سرزمینوں میں نشوونما پا سکتا ہے جو صلیب ریاستوں کے زیرنگیں ہیں۔ وہ خوب جانتے ہیں کہ اگر کسی آزاد اسلامی حکومت میں انہوں نے اس قسم کے ناپاک خیالات پھیلائے تو حضرت محمد ﷺ کی شان جلالی ان کا سر قلم کرنے کے لئے موجود ہوگی اور ان کا کوئی حمایتی انہیں بچا نہیں سکے گا۔

مرزا بشیرالدین محمود کو تو شاید اس نکتہ پر غور کرنے کی توفیق سرے سے بخشی ہی نہیں گئی کہ کسی شخص کا جو اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہو، کسی اسلامی حکومت کے مزعومہ مظالم کے خلاف مسیحیوں کے دروازے پر جا کر آواز بلند کرنا عامہ مسلمین کے دل میں اس کی طرف سے ہمدردی کا کوئی جذبہ پیدا نہیں کر سکتا، خواہ وہ شخص حقیقت میں کیسا ہی مظلوم کیوں نہ ہو، لیکن لاہوری جماعت کے امیر فطرت انسانی کے پہچاننے میں زیادہ مہارت رکھتے ہیں۔ مرزا محمود کی طرح آپ نہ یورپ میں جا کر روتے پیٹتے ہیں نہ آپ نے مسیحی طاقتوں کو سنگسار شدہ قادیانیوں کا بدلہ لینے کے لئے افغانستان کے اندرونی معاملات میں مداخلت کرنے کی دعوت دی ہے بلکہ ایک نئی قسم کا حربہ استعمال کیا ہے جس کے مہلک اثرات کی شہادت مولانا

محمد علی (جوہر) کی نیم بسملی دے رہی ہے۔

مرتد کے واجب القتل ہونے کے باب میں اس وقت تک میں نے معترضین کے اس نقطہ نگاہ کو پیش نظر رکھا ہے کہ نفس ارتداد مستوجب تعزیر نہیں بلکہ صرف محاربہ کی صورت میں مرتد گردن زدنی ٹھہرتا ہے۔ میں اس دعوے کی تردید اب خود اُن لوگوں کے منہ سے کراتا ہوں جنہوں نے اس کی تائید میں تاویل وتحریف وتدلیس تک کو بطیّب خاطر گوارا کرلیا۔ قادیانی جماعت لاہور کے خیالات کا ترجمان اخبار ''پیغام صلح'' مؤرخہ ۱۵/اکتوبر۱۹۲۴ء کی اشاعت میں رقمطراز ہے: ''اس جگہ ہم بہت بڑے مغالطہ کو بھی دور کردینا چاہتے ہیں جو دیوبندی مولوی اس فقرے سے کہ مرتد حربی ہوتا ہے، پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ابتدائے اسلام میں جب کہ کفار مسلمانوں کو کسی طرح زندہ نہ دیکھ سکتے تھے اور جب کبھی موقع ملتا، ہر طرح سے انہیں نیست ونابود کرنے کی کوششیں کرتے تھے اور مسلمان اور کفار کے مابین لڑائی اور جنگ چھڑی رہتی تھی۔ اس وقت کسی کا مرتد ہوجانا ہی گویا حکومت سے بغاوت کرنا تھا...... ابتدائے اسلام میں بے شک کسی مسلمان کا ارتداد اسے حربی بنادینے کے لئے کافی تھا۔ کیونکہ زمانے اور ملک کے حالات اس کے متقاضی تھے۔لیکن آج یہ صورت نہیں۔''

یہ اُسی قادیانی جماعت کے پانچ مہینے پہلے کے الفاظ ہیں جس کا امیر آج اس بات کے ثابت کرنے کے لئے ایڑی سے چوٹی تک کا زور لگارہا ہے کہ قرآن وحدیث سے حربی ہونے کے سواء اور کسی صورت میں قتل مرتد کے جواز کا پہلو کہیں بھی نہیں نکلتا۔ ایسے لوگوں سے کوئی کیا بحث کرسکتا ہے جو کل تک تو یہ کہتے رہے ہوں کہ ابتدائے اسلام میں کسی کا مرتد ہوجانا ہی گویا حکومت سے بغاوت کرنا تھا اور اس طور پر حدیث ''من بدل دینه فاقتلوه'' کے کھلے ہوئے الفاظ کو تاویل کی ضرورت سے بے نیاز سمجھتے رہے ہوں۔ لیکن آج یہ بلند آہنگ دعوے کرتے سنے جاتے ہیں کہ اس حدیث کی صحت ہی مشکوک ہے۔ اسلام میں نفس ارتداد کبھی بھی مستوجب قتل نہیں ہوا۔ بہرحال لاہور والی قادیانی جماعت کم ازکم اتنا تو اپنے منہ سے تسلیم کررہی ہے کہ بعض اوقات ایسے حالات وواقعات رونما ہوجایا کرتے ہیں کہ نفس ارتداد ہی مرتد کو حربی بنادیتا ہے، خواہ وہ میدان محاربہ میں اُترے یا نہ اُترے:

عمرش دراز بادکہ ایں ہم غنیمت است

یہی اعتراف ایک اور موقع پر قادیانی جماعت کے ایک دوسرے فرد نے ’’ریویو آف ریلیجز‘‘ میں کیا ہے۔ اس مجلّہ کی فروری ۱۹۲۵ء کی اشاعت میں ڈاکٹر زویمر کی کتاب ’’اسلام کا قانون ارتداد‘‘ پر تبصرہ کرتے ہوئے دین محمد ایک مقام پر لکھتے ہیں کہ احادیث میں قتل مرتد کے متعلق جو تصریحات ملتی ہیں انہیں معرض غور میں لانے سے پہلے ابتدائے اسلام کی حالت سامنے رکھ لینی چاہئے۔ ابتداء میں کفار مسلمانوں پر بے حد ظلم کر رہے تھے۔ ہجرت کے بعد مسلمانوں نے مدینہ میں یہود نصاریٰ اور بت پرستوں کو ساتھ ملا کر ایک مشترک جمہوری حکومت قائم کی لیکن کفار مکہ کے جور وظلم نے انہیں وہاں بھی چین نہ لینے دیا۔ یہود اگرچہ بظاہر ضرورتاً مسلمانوں کے ساتھ اتحاد کر چکے تھے مگر باطن میں ان سے سخت بغض وعناد رکھتے تھے۔ کفار نے جب مسلمانوں پر چڑھائی کی تو یہود نے اتحاد کی تمام مقتضیات کو پس پشت ڈال کر مسلمانوں سے غداری کی اور آمادۂ فتنہ وفساد ہوگئے۔ یہ مسلمانوں کے لئے بے اندازہ مصائب کا زمانہ تھا۔ مدینہ سے باہر کفار ان کے استیصال کی تیاریاں کر رہے تھے اور مدینہ کے اندر فتنہ انگیز یہود کی آگ بھڑک رہی تھی۔

’’ایسی صورت میں پیغمبر ﷺ کے واسطے مؤمنین کی مختصر سی جماعت کی حفاظت کے لئے کیا چارہ کار ہوسکتا تھا جو اپنے عقیدے اور اصول کے مطابق خدائے بزرگ و برتر کی بلاتعرض عبادت گزاری کے لئے حصول مہلت وفرصت کی ناکام کوششیں کر چکی تھی۔ مجبوراً مارشل لا کا اعلان کر دیا گیا اور مرتدین کے ساتھ اسلامی فوج سے علیحدگی اختیار کرنے والوں کا سا سلوک ہونے لگا۔‘‘

اس عبارت سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ اگر کسی اسلامی سلطنت پر ایسی حالت طاری ہوجائے جیسی کہ رسول اللہ ﷺ کے ابتدائی زمانے میں مسلمانوں پر طاری تھی۔ یعنی سلطنت ہر طرف سے دشمنوں کے نرغے میں ہو، اعداء اسے مٹانے کی تدبیروں میں مصروف ہوں، ملک کے اندر ایک دشمن دین جماعت حفظ ودفاع کے سب سے بڑے ذریعہ یعنی جہاد کی جڑ پر ضرب لگا رہی ہو۔ ایک دوسرا احمق گروہ اغیار کی عیارانہ دراندازیوں سے متاثر ہوکر راہ بغی وطغیان اختیار کر چکا ہو، غرض سلطنت کے اندر اور باہر خطرے ہی خطرے اور فتنے ہی فتنے موجود ہوں تو اس صورت میں ہر مرتد نفس ارتداد ہی کی وجہ سے حربی بن جاتا ہے۔ افغانستان آج کل اسی پرآشوب دور میں سے گزر رہا ہے اور اسی لئے اس کا فعل سنگساری محل اعتراض نہیں ٹھہر سکتا۔

اس حقیقت سے آشنا ہونے کے لئے کچھ ایسی بہت بڑی حکیمانہ ژرف نگاہی کی ضرورت نہیں کہ افغانستان کی زندگی کا راز صرف اس کی انتہائی اسلامیت میں مضمر ہے۔ ایک شرذمۂ قلیل سے اگر قطع نظر کیا جائے تو اس کے تمام باشندے ایک مسلک رکھتے ہیں اور جذبہ جہاد جو اسلام کا نچوڑ ہے، ان کی کوہستانی فطرت کے اندر کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے۔ لاکھوں توپیں اور طیارے ایک طرف اور خدا اور رسول کے رستے میں ان کا والہانہ شوق سرفروشی ایک طرف۔ جبھی تو ایک چھوٹی سی قوم جو تعداد میں بمشکل ایک کروڑ کے کچھ ہی اوپر ہوگی، دنیا کی دو زبردست ترین طاقتوں کے مقابلہ میں آج تک اپنی آزادانہ ہستی برقرار رکھ سکی ہے اور اس کا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکا۔ اگر قادیانیوں کو افغانستان میں اپنے مجنونانہ عقائد کے نشر و تبلیغ کی بے روک ٹوک اجازت دے دی جائے اور وہ ہر پٹھان کو جہاد سے متنفر کرنے اور نصرانیت کا کاسہ لیس بنانے کے لئے شتر بے مہار کی طرح کھلے چھوڑ دیئے جائیں تو اسلام کے پاؤں کابل سے دو ہی دن میں اکھڑ جائیں۔ حکومت افغانستان انہیں یہ اجازت دیتی نہیں، وہ اپنے خبط سے باز آتے نہیں، حکومت بدرجہ مجبوری انہیں سنگسار کر دیتی ہے تاکہ دوسروں کو عبرت ہو، اس پر قادیان سے نوحہ ماتم بلند ہوتا ہے۔ لاہور اس نوحہ کی صدائے بازگشت بن جاتا ہے اور دہلی میں بھی اس کی گونج سنائی دینے لگتی ہے۔

بعض حضرت ازراہ استعجاب دریافت کریں گے کہ آیا واقع میں قادیانی ایسے سرپھرے ہیں کہ کابل میں بیٹھ کر جہاد کی مخالفت کرتے ہیں اور اس طور پر قرآن حکیم کی اُن آیات کو جھٹلاتے ہیں جن میں مسلمانوں کو حفاظت اسلام کے لئے کفار کے ساتھ قتال کا حکم دیا گیا ہے۔ ان حضرات کی توجہ مسٹر جی ایف ملک مبلغ قادیان متعینہ لندن کے ایک بیان کی طرف منعطف کی جاتی ہے جو اخبار ''مانچسٹر گارڈین'' کی مؤرخہ ۲۷؍فروری ۱۹۲۵ء کی اشاعت میں میری نظر سے گزرا ہے اور جس کا مفاد حسب ذیل ہے: ''ہم احمدی اسلام کی اس ابتدائی تعلیم کے پابند ہیں جو بالکل خالص اور ہر قسم کی آمیزش سے پاک تھی۔ ہم کامل مذہبی رواداری کے حامی ہیں۔ ہمارے نزدیک اسلام نے جہاد کی تعلیم نہیں دی، اسی لئے ہم اس کے مخالف ہیں۔ افغانستان میں جو کئی سال سے ہم پر ظلم ہو رہا ہے، اس کی وجہ محض ہمارا یہی عقیدہ ہے۔ امیر افغانستان کو انگریزوں یا روسیوں سے لڑنے اور اس جنگ میں اپنے حریفوں سے عہدہ برآ ہونے کے لئے اپنی رعایا کے جذبۂ جہاد پر بھروسا کرنا پڑتا ہے۔ ہم جہاد کی تعلیم

ہی کو باطل سمجھتے ہیں اس لئے ہمیں ستایا اور ہمارے آدمیوں کو سنگسار کیا جاتا ہے۔‘‘

حکومت کابل کے طرز عمل کو حق بجانب ثابت کرنے کے لئے ادلّہ و براہین کے دفتر کے دفتر بھی اگر پیش کئے جاتے تو اس قدر وزنی نہ ہوسکتے جتنا قادیان کے لندنی نمائندہ کا یہ مختصر سا بیان ہے۔ ناظرین خود انصاف کرسکتے ہیں کہ جو قوم ایک آزاد اسلامی سلطنت کو اس کی سب سے بڑی قوت یعنی جذبۂ جہاد فی سبیل اللہ سے محروم کردینا اپنا وظیفہ حیات سمجھتی ہو، جس کے نزدیک قرآن کا وہ حصہ جس میں مسلمانوں کو جہاد کا حکم دیا گیا ہے، ایک تقویم پارینہ کا حکم رکھتا ہو جو اپنے اس ناپاک عقیدے کو اپنے دل کے کسی گوشے تک ہی محدود نہ رکھتی ہو، بلکہ ایک شجاع اور دلیر اور باغیرت اور باحمیّت اسلامی آبادی میں کھلے بندوں اس کی تلقین کر کے اسے بھی اپنی طرح مخنث بنالینے کے حق کا مطالبہ کرتی ہو، اگر ایسی مفسدہ پرداز قوم کے دو چار شریر النفس افراد کے کاسہ سر کی تواضع اسلام کا سیاسی ہاتھ چند پارہ ہائے سنگ سے کردیتا ہے تو کیا برا کرتا ہے اور اس میں مہاتما گاندھی اور مولانا محمد علی اور محمد علی لاہوری قادیانی اوران کے ہندوستانی ہم خیالوں کا بگڑنا کہاں تک حق بجانب ہے؟

حکومت افغانستان نے قادیانیوں کے متعلق جو روش اختیار کی ہے، اس کی ایک اور حیثیت بھی ہے جس کے چہرے پر آج تک بعض مصلحتوں کا پردہ پڑا رہا ہے۔ ہر شخص کو معلوم ہے کہ قادیانی ہر اسلامی طاقت کے اشد شدید دشمن اور انگریزوں کے زبردست حامی ہیں۔ افغانوں کے متعلق تو کہا جاسکتا ہے کہ اُن کے خلاف قادیانیوں کو اپنے آقا و مولا مرزا قادیانی کے وقت ہی سے ایک وجہ شکایت چلی آتی ہے۔ قادیانی اگر رات دن افغانستان کی تباہی و بربادی کے لئے دست بدعا رہتے ہیں اوراس دارالاسلام میں اپنے نصرانی خداوندان ولی نعمت کی عسکری مداخلت کے خواب دیکھا کرتے ہیں تو اس کی وجہ صاف یہ ہے کہ حکومت کابل آئے دن سختی کے ساتھ ان کے اعمال کا جائزہ لیتی رہتی ہے لیکن ترکوں، عربوں اور ایرانیوں نے تو ان کا کوئی گناہ نہیں کیا تھا اور انہیں کوئی دکھ نہیں دیا تھا۔ تاہم گزشتہ سات آٹھ سال کے جاں فرسا مصائب میں قادیانیوں نے ان کے ساتھ جس ’’دینی موالات‘‘ اور ’’اسلامی مواخات‘‘ کا برتاؤ کیا، وہ سب پر روشن ہے۔ سقوط بغداد کی خبر ہندوستان میں آتی ہے تو اسلامی حلقوں میں کہرام مچ جاتا ہے اور مسلمان خون کے آنسو روتے ہوئے دیکھے جاتے ہیں لیکن قادیانیوں کے گھر میں گھی کے چراغ جلتے ہیں اور مرزا بشیرالدین محمود کا صحیفہ ’’الفضل‘‘ مسلمانوں کے

زخموں پر یہ کہہ کر نمک چھڑکتا ہے کہ ''ترک سور سے بھی بدتر ہیں۔ اچھا ہوا جوان کی حکومت عراق سے اٹھ گئی اور یونین جیک بغداد پر لہرانے لگ گیا۔'' کیا ترکوں نے بھی کسی قادیانی کو سنگسار کیا تھا کہ قادیان کو اپنے اخلاق فاضلہ کی اس نمائش کی ضرورت محسوس ہوئی؟ حقیقت یہ ہے کہ قادیانیوں کا مقصد ہی یہ ہے کہ دنیا کی ہر اسلامی حکومت نیست و نابود ہو جائے اور اس مقصد کے حصول کے لئے وہ انواع واقسام کی سازشیں کرتے رہے ہیں۔

نعمت اللہ قادیانی کی سنگساری کے سلسلے میں بعض ایسے امور منکشف ہوئے تھے جن سے اس قسم کی سازشوں کے شبہ کو تقویت پہنچی ہے اور حال میں جو قادیانی مارے گئے ہیں، ان کے متعلق بھی غیر ملکی اشخاص کے ساتھ خط وکتابت کرنے کی اطلاع شائع ہو چکی ہے۔ اگرچہ اس وقت تک بیرونی دنیا کو اس خط وکتابت کی نوعیت کا علم نہیں ہوا۔ کہا جاتا ہے کہ اگر ارتداد کے علاوہ بھی قتل کے کوئی مؤثر وجوہ ہیں تو حکومت افغانستان انہیں ظاہر کیوں نہیں کرتی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ بہت ممکن ہے کہ حکومت کے موجودہ مصالح اس راز کے اخفا کے متقاضی ہوں اور ان کے افشاء سے گردوپیش کی حکومتوں کے ظاہری حلیفانہ تعلقات میں خلل پڑنے کا اندیشہ ہو۔ اس نکتہ پر ذرا غور کیا جائے تو قتل کے خالص سیاسی پہلو کو پوشیدہ رکھنے کے کافی وشافی وجوہ معلوم ہو سکتے ہیں۔

قتل مرتد کے حکم ومصالح کا باب بہت وسیع ہے۔ لیکن میں سمجھتا ہوں کہ شریعت کی تصریحات پیش کر دینے کے بعد اس پہلو پر بسط وتفصیل کے ساتھ بحث کرنے کی چنداں ضرورت باقی نہیں رہتی۔ تاہم ایک نکتہ کی طرف اشارہ کر دینا ضروری ہے۔ اسلام کی بنائے قومیت مذہب ہے۔ دوسری اقوام کی طرح نسل، رنگ، زبان اور وطن اس کی قومیت کے اجزائے عاقدہ نہیں ہیں بلکہ ملت اسلامیہ اُن افراد کے مجموعہ کا نام ہے جن کے دماغ پر چند خاص وضع کے مذہبی تصورات کا گہرا نقش بیٹھا ہوا ہو۔ اسلام میں یہی تصورات نسل ورنگ اور وطن وزبان کے قائم مقام بن کر افراد ملت میں ربط پیدا کرتے ہیں اور اتحاد، اتفاق، جمعیت اور یکجائی کا وسیلہ بن جاتے ہیں۔ انہیں تصورات میں جنہوں نے تصدیق کے بعد معتقدات کی شکل اختیار کر لی ہے، دنیائے اسلام کی زندگی کا راز چھپا ہوا ہے اور اگر یہ مٹ جائیں تو اسلام ایک بے معنی لفظ رہ جاتا ہے۔ ہر کس وناکس کو آزادی ضمیر کا غیر مشروط حق دے کر مذہب کے اصول وفروع میں قطع وبرید کی اجازت دے دی جائے تو ملت بیضا کا (خاکم بدہن) دو ہی دن

میں جنازہ نکل جائے۔ جو لوگ آج غیر مشروط آزادی ضمیر کے دعوے زبان پر لا رہے ہیں، ان کے دل و دماغ میں افرنجیت کچھ ایسا گھر کر گئی ہے کہ خود اپنی روایات کے احترام کے لئے ان میں مطلق کوئی گنجائش باقی نہیں رہی۔ اُن (غلو کرنے والے) متفرنجین کے وہم وگمان میں بھی یہ بات نہیں گزر سکتی کہ اتحاد و اسلام کا جملہ جس سے کبھی کبھی وہ گرمی سخن اور آرائش گفتار کا کام لیا کرتے ہیں، اُن کی مغرب پرستی کے صدقے میں بے معنی ہوا جاتا ہے۔ نقارۂ آزادی ضمیر کی دوں دوں کی خاطر انہوں نے جو چوب مغرب سے مستعار لی ہے، اُس کی پیاپے ضربیں گوش حقیقت نیوش سے اُن لطیف نغموں کا احساس چھین رہی ہیں جو صرف ساز اسلام ہی سے نکل سکتے ہیں۔ کاش خدائے بزرگ و برتر انہیں اسلام کے تصور قومیت سے آشنا ہونے کی توفیق مرحمت فرمائے تاکہ یورپ کے تباہ کن اثرات سے انہیں دستکاری حاصل ہو سکے۔ پھر انہیں معلوم ہو جائے گا کہ جس طرح تعزیرات ہند کی دفعہ (۱۳۰)، (۱۲۱) اور (۱۲۴) (الف) ضروری ہیں۔ اسی طرح قتل مرتد ضروری ہے۔

علاوہ بریں جس غیر مشروط آزادئ ضمیر کے وہ مدعی ہیں، اس کی بناء پر بھی وہ حکومت افغانستان کے فعل سنگساری کو محل اعتراض قرار نہیں دے سکتے۔ وہ کہتے ہیں کہ ''لا اکراہ فی الدین'' کے مطابق کسی کے عقائد سے تعرض نہیں کرنا چاہئے، لیکن میں ان کی خدمت میں مؤدبانہ یہ عرض کرتا ہوں کہ جن لوگوں کی آزادئ ضمیر قتل مرتد کا فتویٰ دے رہی ہے، وہ اپنی آزادی کی نمائش کے لئے کہاں جائیں؟ اگر آزادئ ضمیر کا مطلب یہی ہے کہ ہر شخص جو چاہے کہے اور جو چاہے کرلے تو پھر افغانستان کے اُن لاکھوں باشندوں پر کیوں اعتراض کیا جاتا ہے جو تہہ دل سے قتل مرتد کے معتقد ہیں؟ کیا ان پر اعتراض ان کی آزادی ضمیر سے تعرض نہیں ہے؟ جو حضرات غیر مشروط آزادئ ضمیر کے حامی ہیں، کیا وہ ازراہ نوازش اس سوال کا جواب دینے کی زحمت گوارا فرمائیں گے؟

رہا یہ سوال کہ مرتد کو قتل کیا جائے یا سنگسار کیا جائے، سو میں سزاؤں کے فلسفے پر ابتدائے مضمون میں بحث کر چکا ہوں۔ مجھے اس سے انکار نہیں کہ قتل ایک جامع لفظ ہے جو جان لینے کی مختلف صورتوں کو شامل ہے۔ اگر کسی کو جلا دیا جائے تو وہ بھی قتل ہوگا، سولی پر لٹکا دیا جائے تو وہ بھی قتل ہوگا، تلوار سے مار دیا جائے تو وہ بھی قتل ہوگا لیکن احادیث وآیات پر غائر نظر ڈالنے سے یہی مستفاد ہوتا ہے کہ مرتد کو قتل کیا جائے۔ احادیث میں ''فاقتلوہ'' ''فاضربو

عنقہ سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ مرتد کی گردن ایک آلہ جارحہ سے ماری جائے۔ آیۂ محاربہ میں ''ان یقتلوا او یصلّبوا'' (المائدہ:۳۳) علیحدہ علیحدہ سزاؤں کا موجود ہونا بھی اسی کا مؤید ہے۔ ایک روایت میں زانی قاتل اور مرتد کی سزائیں علی الترتیب رجم، قصاص اور قتل بیان کی گئی ہیں۔ ان سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ مرتد کی گردن ماری جائے، اسے رجم نہ کیا جائے، لیکن یہ بہت معمولی سا معاملہ ہے اور مجھے امید ہے کہ حکومت اسلامیہ افغانستان اس معاملہ پر غور کرنے میں کوئی پس وپیش نہ کرے گی۔

یہ سزائے ارتداد کی وہ صورت ہے جو کتاب وسنت سے مستفاد ہوتی ہے۔ بعض بزرگوں کا خیال ہے کہ مرتد کے لئے قتل آخری اور انتہائی سزا ہے، لیکن یہ ضروری نہیں ہے کہ ہر حال میں یہی سزا دی جائے۔ مثلاً اگر اسلامی حکومت اور اسلامی ملت خطرات سے پاک ہو، دشمنوں کی سازشوں اور مخالفوں کی ریشہ دوانیوں کا چنداں اندیشہ نہ ہو یا اندرونی فتنہ انگیزی کی طرف سے کامل اطمینان ہو تو اس صورت میں امام وقت مرتد کو قتل کے سواء دوسری جسمانی عقوبتوں کے ذریعہ سے بھی اسلام لانے پر مجبور کرسکتا ہے لیکن اگر ارتداد خطرات وفتن کا سرچشمہ بن جائے تو اس صورت میں مرتد کو قتل کر ڈالا جائے۔ یہ ایک بالکل نئی رائے ہے اور گزشتہ تیرہ سو سال کے عرصہ میں اس قسم کی کوئی تفریق کسی عالم وامام نے نہیں کی لیکن چونکہ اس سے مسئلہ کی اصولی حیثیت پر کوئی زد نہیں پڑتی، اس لئے اسلامی حکومتیں اپنے مصالح وصوابدید کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس کے ماننے یا نہ ماننے میں آزاد ہیں۔

جو کچھ عرض کیا جاچکا ہے، اس سے یہ نتیجہ نہیں نکالنا چاہئے کہ قتل مرتد کے باب میں یہ قطعی اور آخری فیصلہ ہے۔ میرا مقصود یہ تھا کہ معترضین کے اعتراضات کی حقیقت اور شریعت کی تصریحات یکجاء کردیتا۔ وہ مقصد میں نے اپنی بساط کے مطابق پورا کردیا۔ دینی علوم سے پوری واقفیت کا مجھے دعویٰ نہیں ہے، بہت ممکن ہے کہ کہیں غلطی یا لغزش بھی سرزد ہوگئی ہو۔ بہرحال ان تصریحات سے بظاہر یہی متبادر ہوتا ہے کہ مرتد کو بلا سزائے قتل چھوڑنے کی کوئی صورت نہیں، ذاتی طور پر میرا عقیدہ یہی ہے کہ جن لوگوں کے پیش نظر ملک کا امن وامان، سوسائٹی کی استواری، قوم کی جمعیّت اور شیرازۂ اسلام کی پیوستگی ہے، وہ اس سزا کے حق بجانب ہونے میں ایک لحظہ کے لئے بھی شبہ نہیں کرسکتے۔ تاہم اگر موجودہ تحقیق کی بناء پر بہ دلائل ثابت کیا جاسکے کہ شریعت اسلام میں مرتد کے لئے کوئی سزا نہیں ہے تو مجھے یا کسی دوسرے

طالب حق کو اس کے قبول کر لینے میں تامل نہیں ہوسکتا۔ اس لئے کہ مقصود شریعت کا صحیح صحیح اتباع ہے نہ کہ اپنے اوہام اور ہوا یا نتائج ومستنبطات پر اصرار۔ جو لوگ اپنے محض چند غیر محققانہ اور بودے دلائل کی بناء پر اس وقت قتل مرتد کے مخالف ہیں۔ اگر ان کی محققانہ رائے یہی تھی تو افسوس کہ اس کے پیش کرنے کی وہ صورت نہ تھی جو اُنہوں نے اختیار کی۔ اُنہیں یہ تو دیکھ لینا چاہئے تھا کہ امت اسلامیہ گزشتہ تیرہ سو سال کی مدت میں سزائے قتل مرتد پر متفق رہی ہے۔ فقہ حنفی میں بالتصریح مرتد کے لئے قتل کی سزا موجود ہے۔ افغانستان فقہ حنفی کا پابند ہے، خود ہندوستان کے تمام جلیل القدر علماء احناف اب تک اسی عقیدے کے پابند ہیں۔ افغانستان میں بھی عالم موجود ہیں اور گو ہمارے ''محققین متنورین'' کے نزدیک ان کی کوئی حیثیت ہو یا نہ ہو، تاہم وہ بالکل جاہل نہیں ہیں۔ پھر حکومت افغانستان سے ہم نے کچھ سلسلہ موالات منقطع نہیں کر رکھا تھا اور ہم شرعاً مجبور نہ تھے کہ بات بات میں اس سے بیزاری کا اظہار کیا جائے۔ اگر بعض ''محققین'' کے نزدیک مرتد کے لئے سزائے قتل شرعاً ناجائز تھی تو اس کا نتیجہ یہ نہیں ہونا چاہئے تھا کہ اس گروہ کی تائید میں حکومت افغانستان کی مخالفت کا سلسلہ شروع کر دیا جاتا جو آج تک جمعیّت اسلامیہ کے ہر فعل سے الگ رہا، کفر کی قوت بازو بننے کو اپنا سب سے بڑا اشرف سمجھتا رہا، حکومت افغانستان کی مخالفت میں زہر آلود مضامین شائع کراتا رہا اور اسلام کے ایک مسلمہ ضابطہ تعزیرات کے بدلنے کے لئے انگلستان، جمعیۃ الاقوام، ''سول'' اور مہاتما جی کی دہلیزوں پر ناک گھستا رہا۔ بہتر یہ تھا کہ خود دولت افغانستان کے محکمہ شرعی کے ساتھ اس بارے میں افہام وتفہیم کی سلسلہ جنبانی شروع کی جاتی۔

سب سے آخر میں اُس ''اجتہاد'' کے خلاف آواز بلند کرتا ہوں جس کا سودا ہماری قوم کے ہر طبقے کے سر میں سمایا ہوا ہے۔ بلاشبہ اجتہاد کی ضرورت ہے اور زمانے کے حالات وتغیرات نے بعض معاملات پر از سرنو غور کرنا لازمی بنا دیا ہے۔ لیکن اجتہاد کے لوازم وخصائص اور شروط وخصائل کا لحاظ بھی ضروری ہے۔ یہ صحیح ہے کہ جمود سے ہمارا کام نہیں چل سکتا۔ لیکن اس کا نتیجہ یہ نہیں ہونا چاہئے کہ عام بے راہ روی شروع ہو جائے اور ہر شخص ''شافعیؒ'' اور ''ابوحنیفہؒ'' بن بیٹھے۔ ہمارے پاس بہ حالت موجودہ کوئی ہیئت حاکمہ نہیں ہے جو ہر ''مجتہد'' کی اجتہاد طرازیوں کے تباہی خیز اثرات کا اندفاع کر سکے۔ اس لئے اس معاملہ میں ہمیں انتہائی احتیاط سے کام لینا چاہئے۔ ایسا نہ ہو کہ شریعت کی جو بنیادیں گزشتہ تیرہ

سوسال کی مدت میں کسی نہ کسی صورت میں محفوظ رہی ہیں۔ موجودہ بے راہ روی کے سیلاب میں بہہ نکلیں۔ آج ہر شخص اجتہاد کا دعویدار ہے۔ میں اوپر لکھ چکا ہوں کہ ایک ادنیٰ درجے کی قانونی سند حاصل کرنے کے لئے بلا مبالغہ پندرہ پندرہ سولہ سولہ سال سکولوں اور کالجوں میں بسر کئے جاتے ہیں لیکن دین جو کائنات انسانیت کی سب سے ضروری، سب سے اہم اور سب سے اقدم شئے ہے، اس کے لئے عدم احتیاط کا یہ عالم ہے کہ کسی عالم سے چند آیات سن لیں اور قرآن میں ''لااکراہ فی الدین'' کا ترجمہ دیکھ لیا اور علی الصباح ابوحنیفہؒ وشافعیؒ کی مسند اُٹھا کر اپنے اجتہاد کی گدی بچھادی۔ اگر یہ سلسلہ اسی طرح طوالت پذیر رہا تو مجھے اندیشہ ہے کہ ہمارے مجتہدین کے ہاتھوں دین سلامت نہیں رہے گا۔ بہ حالت موجودہ یہ ادّعائے اجتہاد مذہب کے لئے سب سے بڑا خطرہ بنا ہوا ہے۔ میں چند کتابیں اٹھالیتا ہوں اور بلا خیال ایں وآں تحکیم کے منصب پر جابیٹھتا ہوں۔ مولانا محمد علی چند کتابیں سامنے رکھ لیتے ہیں اور مجتہد بن بیٹھتے ہیں۔ یہ دین کے ساتھ افسوسناک ہے۔ حیرت انگیز استہزا واستخفاف ہے۔ اللہ تعالیٰ علامہ اقبال کو جزائے خیر دے، وہ اس باب میں کیا خوب فرماتے ہیں:

اجتہاد اندر زمانِ انحطاط قوم را برہم ہمی پیچد بساط
ز اجتہادِ عالمانِ کم نظر اقتدا بر رفتگاں محفوظ تر
عقلِ آبایت ہوس فرسودہ نیست کار پاکاں از غرض آلودہ نیست
فکرِ شان ریسد ہمی باریک تر ورعشان با مصطفیٰؐ نزدیک تر
ذوق جعفرؒ کاوشِ رازیؒ نماند آبروئے ملتِ تازی نماند
تنگ برما رہگذارِ دیں شد است ہر لیئمے رازدارِ دیں شداست

ضرورت ہے کہ آج علماء کی ایک ایسی مجلس مقرر ہو جو امام کامل کی قائم مقامی کا حق ادا کر سکے اور افراد امت کی بے راہ روی کا سیلاب دین میں رخنہ اندازی نہ کر سکے۔ جمعیۃ العلماء کے قیام کی حقیقی غرض وغایت یہی تھی، لیکن افسوس صد افسوس کہ جن ہاتھوں نے اس مقدس عمارت کی بنیادیں رکھی تھیں، وہ ایک خاص وقت گزر جانے کے بعد خود اسے ڈھانے کے درپے ہوگئے اور ہر زید وبکر کے خیالات سن کر خود مجتہد بن بیٹھے۔ آہ! صد ہزار حسرت وآہ!! میں کیا عرض کروں کہ اس راہ ناشناسی کے نتائج وعواقب کا کیسا ہولناک منظر آنکھوں کے سامنے ہے اور کون کہہ سکتا ہے کہ یہ سیلاب تشتت وانتشار کہاں جاکر دم لے گا؟

بعض ہندو قتل مرتد پر یہ اعتراض کر رہے ہیں کہ اگر شریعت اسلام میں ایسی سزا ہے تو مسلمانوں کے ساتھ اتحاد نہیں ہوسکتا۔ میں اس بات کی ضرورت نہیں سمجھتا کہ ان کے تصور اتحاد کی بحث یہاں چھیڑوں۔ اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ یہ قانون اُسی مقام پر نافذ ہوگا جہاں حکومت اسلامی ہوگی، ہندوستان میں نافذ نہیں ہوسکتا۔ حکومت سوراج کا قانون مشترک ہوگا۔ اس لئے یہاں اس کے نفاذ کا کسی کو خیال بھی نہیں ہوسکتا۔ الّا اُس صورت میں یہاں خالص اسلامی حکومت قائم ہوجائے۔ سارے ہندو مسلمان بن جائیں پھر جیسا کہ ''من بدل دینہ'' کے انوکھے مفسر مہاتما گاندھی اور دوسرے ہنود کو سمجھا رہے ہیں۔ سزائے قتل اُن غیر مسلموں کے لئے نہیں ہے جو اپنا دین چھوڑ بیٹھیں بلکہ صرف ان لوگوں کے لئے ہے جو مسلمان ہوکر اسلام سے روگردانی اختیار کریں۔

میں نے اپنے علم وبصیرت کے مطابق دیانت کے ساتھ یہ مسئلہ بالتفصیل پیش کر دیا۔ اپنے علم، اپنی رائے اور اپنے فیصلے کو میں قطعاً درخور وثوق وشائستہ اعتماد نہیں سمجھتا۔ عالم نہیں ہوں کہ دنیا بھر کے ساتھ تحدّی (چیلنج مقابلہ) کروں۔ حقائق کتاب وسنت کا ماہر نہیں ہوں کہ اپنے فیصلے کی منصوصیت کا دعویٰ زبان پر لاؤں۔ ہاں! علمائے کرام کا ناچیز خادم اور اسلام کا ادنیٰ خدمت گزار ضرور ہوں۔ میں اپنی بے بضاعتی سے خوب واقف تھا اور جانتا تھا کہ ایک اہم دینی مسئلہ میں رائے زنی کرنے کا میں کسی طرح حقدار نہیں۔ لیکن اپنے بعض واجب الاحترام بھائیوں اور ملت بیضاء کے ہزاروں نونہالوں کے رنجیدہ خیالات نے مجھے زبان کشائی پر مجبور کر دیا اور میں اسی ازخود رفتگی کے عالم میں اس مسئلہ پر بحث کا سلسلہ شروع کر بیٹھا۔ ممکن ہے مجھ سے فروگزاشتیں بھی ہوگئی ہوں، لیکن نیت نیک تھی۔ اب یہ علماء کا کام ہے کہ میری گزارشات کی صحت وعدم صحت کا فیصلہ فرمائیں۔

ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم. ربنا لاتزغ قلوبنا بعد اذھدیتنا وھب لنا من لدنک رحمه انک انت الوھاب. ربنا لا تواٰخذنا ان نسینا او اخطانا. ربنا ولا تحمل علینا اصرا کما حملته علی الذین من قبلنا ربنا ولا تحملنا مالاطاقة لنا به واعف عنا. واغفرلنا وارحمنا انت مولانا فانصرنا علی القوم الکافرین. آمین یا ارحم الراحمین)

انا خاتم النبیین لا نبی بعدی

میں آخری نبی ہوں، میرے بعد کوئی نبی نہیں

ارمغانِ قادیان

حضرت مولانا ظفر علی خان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تفصیلی فہرست

مقدمہ			۱۵۷
سرآغاز (اشاعت ثانی)			۱۷۲
(۱)حمد رب اکبر	۱۷۳	(۲)حضور سرور کونین ﷺ، عرش اور فرش سے صلوٰۃ وسلام کی بارش	۱۷۳
(۳)ارمغان قادیان	۱۷۴	(۴)رون پرستی	۱۷۵
(۵) قادیان کا تھیٹر......قول فیصل	۱۷۵	(۶)تھوہر کے دودھ کی کھیر ارتقاء کی ہنڈیا میں	۱۷۷
(۷)خلافت قادیانیہ	۱۷۷	(۸)انّا اعطیناک الکوثر	۱۷۸
(۹)خدائے قادیاں اورزار روس	۱۷۸	(۱۰)ذالک مبلغھم من العلم	۱۸۰
(۱۱)انّ بعض الظن اثمٌ	۱۸۰	(۱۲)خاتم النّبیین ﷺ	۱۸۱
(۱۳)پیغام جنگ	۱۸۱	(۱۴)لیس کمثلہٖ شیٔ کی قادیانی شرح	۱۸۲
(۱۵)دور جاہلیت کی یاد	۱۸۲	(۱۶)پیغمبر قادیاں کا برزخی ترانہ	۱۸۳
(۱۷)خلیفہ قادیان لندن میں	۱۸۴	(۱۸) قادیان کا صلیبی کعبہ	۱۸۴
(۱۹)حدیث قادیاں (رواہ بخاری)	۱۸۴	(۲۰) قادیانی پراپے گنڈا	۱۸۵
(۲۱)ایمان کا بھاؤ	۱۸۵	(۲۲)مادیان قادیان	۱۸۵
(۲۳)الحذر	۱۸۶	(۲۴)درس آزادی	۱۸۷
(۲۵)چراغ تلے اندھیرا	۱۸۷	(۲۶)خنجر قادیان	۱۸۸
(۲۷)اسرار دربار قادیاں	۱۸۸	(۲۸)سید عطاء اللہ شاہ بخاری اور ان کے دیرینہ منظور نظر	۱۸۹
(۲۹)علمائے امت سے شکوہ	۱۸۹	(۳۰)خدا کے بے آواز لاٹھی	۱۸۹

(۳۱) قادیانی خرافات	۱۹۰	(۳۲) قادیان کے لئے فنا کا پیغام	۱۹۰
(۳۳) اسلام اور فقط اسلام	۱۹۱	(۳۴) قادیان کا ہیکل	۱۹۱
(۳۵) قادیانی اینٹ کا جواب بوقبیسی پتھر	۱۹۱	(۳۶) تہذیب نو کے ابلقی جلوے	۱۹۲
(۳۷) مینارہ قادیاں	۱۹۲	(۳۸) شرح تقصیر	۱۹۳
(۳۹) ہیکل قادیاں	۱۹۳	(۴۰) متنبّی قادیاں کی الماری	۱۹۳
(۴۱) نوجوان جموں کا نعرہ مستانہ	۱۹۴	(۴۲) کشمیر کمیٹی	۱۹۴
(۴۳) حضرت پیر کالون شاہ قدس سرہ	۱۹۴	(۴۴) الوہیت کا شعلہ اور نبوت کا دھواں	۱۹۵
(۴۵) حصار قادیاں پر اسلام کا بم	۱۹۵	(۴۶) انسان کا پتھر دل	۱۹۵
(۴۷) بڑے باپ کے بیٹے (اسلامیہ کالج امرتسر کے طلباء کی فرمائش پر)	۱۹۶	(۴۸) جے یا بھے	۱۹۶
(۴۹) مباہلہ	۱۹۷	(۵۰) اطالوی حسینہ	۱۹۸
(۵۱) قادیان والی	۱۹۸	(۵۲) اطالوی حسینہ مس روفو	۱۹۹
(۵۳) ہوٹل سیسل کی رونق عریاں	۱۹۹	(۵۴) حسن آباد بیاس	۱۹۹
(۵۵) قادیاں اور کشمیر	۲۰۰	(۵۶) فتنۂ آخر زماں	۲۰۰
(۵۷) فحّاش زماں میر قاسم علی قادیانی	۲۰۱	(۵۸) شیر کشمیر	۲۰۱
(۵۹) مداری کی پٹاری	۲۰۲	(۶۰) زمیندار بزبان انگریزی	۲۰۲
(۶۱) قادیاں کی نبوت	۲۰۲	(۶۲) چندے کا دھندا	۲۰۳
(۶۳) دعوت وارشاد	۲۰۳	(۶۴) حضور سرور کون ومکاں ﷺ کا جشن میلاد ۱۲/ربیع الاوّل	۲۰۴
(۶۵) متنبّی قادیاں کا ترانہ	۲۰۴	(۶۶) کتاب زندگی	۲۰۶
(۶۷) پناہ بخدا	۲۰۷	(۶۸) ناموس رسول ﷺ کے تحفظ کی قیمت	۲۰۷
(۶۹) تہذیب جدید کا انڈا	۲۰۸	(۷۰) جہانیاں	۲۰۸

(۷۱)منکر ختم نبوت کا حشر	۲۰۸	(۷۲)وفاداران مادرزاد	۲۰۹
(۷۳)زمیندار اور مجلس احرار کے ارباب بست وکشاد	۲۱۰	(۷۴)اپنی اپنی قسمت	۲۱۱
(۷۵)لندن کے قانون سے مدینہ کے آئین کی آویزش	۲۱۱	(۷۶)قادیانیات	۲۱۲
(۷۷)مانڈلے	۲۱۳	(۷۸)شان احمد مجتبیٰ	۲۱۳
(۷۹)ٹیچی ٹیچی	۲۱۴	(۸۰)سایۂ شمشیر	۲۱۴
(۸۱)نوید لا تقنطوا	۲۱۵	(۸۲)اللہ کی قدرت	۲۱۶
(۸۳)مرزائیوں کے حق میں قیامت ہے بٹالہ	۲۱۶	(۸۴)مسجد فروش	۲۱۷
(۸۵)بقائے وحدت اسلام کے وسائل	۲۱۷	(۸۶)قادیان ہوازیر	۲۱۸
(۸۷)لگاؤ اور لاگ	۲۱۸	(۸۸)تابوت قادیاں میں آخری میخ	۲۱۸
(۸۹)سرہربرٹ ایمرسن سے گلہ!	۲۱۹	(۹۰)سحر حلال	۲۱۹
(۹۱)حضرت پاپائے قادیاں کے حضور میں	۲۲۰	(۹۲)مرتد کی سزا	۲۲۰
(۹۳)گولیوں کا کھیل	۲۲۱	متفرق اشعار	۲۲۱
		ارمغان قادیان (حصہ نثر)	۲۲۳
(۱)احمد کون ہے؟	۲۲۳	(۲)متنبّی قادیان کی ناک	۲۳۸
(۳)قادیاں اور سید امیر علی مرحوم	۲۳۹	(۴)بعثت مجدّد دین	۲۴۴
(۵)ملنگ بہ اشتیاق ''گولے کے''	۲۵۸	(۶)الولد سرٌّ لابیہ	۲۶۱
(۷)علامہ اقبال اور مسئلہ ختم نبوت قادیانیت کے تابوت کی آخری میخ	۲۶۷	(۸)متنبّی قادیان اور اس کا لاہوری طنبورہ!	۲۷۲

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمہ

(از: مولانا چراغ حسن حسرت مرحوم)

اسلام میں فتنوں کا ظہور قرون اولیٰ ہی سے ہوگیا تھا۔ مسیلمہ کا فتنہ اپنی قسم کا پہلا فتنہ تھا اور مرزا غلام احمد قادیانی کا ادّعائے نبوت صدر اوّل کے اسی فتنے کی ایک ترقی یافتہ صورت معلوم ہوتا ہے۔ اس زنجیر کی درمیانی کڑیوں کے پیچ وخم میں وہ تمام تحریکیں آجاتی ہیں جو اسلام اور دوسرے مذاہب کے تصادم سے پیدا ہوئیں اور جن کی تاریخ مسلمانوں کی سیاسی قوت کے زوال اور اسلامی عقائد میں عجمی خیالات کی آمیزش کی تاریخ ہے۔ دراصل خود قادیانی تحریک بھی اپنی ہیئت وترکیب کے اعتبار سے مسیلمہ کذاب کے فتنے کے بجائے ان فتنوں سے زیادہ تعلق رکھتی ہے۔ جن کا بیج مسلمانوں کی غیرملکی فتوحات کے زمانے میں بویا گیا۔ مسیلمہ کا دعوائے نبوت قبائلی رقابت کا نتیجہ تھا اور ان عجمی تحریکوں کو مفتوح اقوام کے نسلی تعصب، کھوئی ہوئی حکومتوں کو حاصل کرنے کی خواہش اور یہودیوں اور مجوسیوں کے فکری رجحانات کی مخلوق سمجھنا چاہئے۔

اسلام نے اپنے ظہور کے ابتدائی سنین میں آہستہ آہستہ ترقی کی تھی۔ آنحضرت ﷺ کے مبارک عہد میں جو لوگ مسلمان ہوئے انہیں دربار نبوت میں رہنے اور اسلامی عقائد کو اچھی طرح سمجھنے کا موقع ملا تھا۔ آنحضرت ﷺ کے انتقال کے بعد فتوحات کا سیلاب اُمڈا، اور روم وایران اور مصر کی بادشاہتوں کو خس وخاشاک کی طرح بہا کر لے گیا۔ اس عہد میں لوگ نہایت کثرت سے مسلمان ہوئے۔ ہر طرف ’’یدخلون فی دین اللہ افواجا‘‘ کا منظر دکھائی دینے لگا۔ ان لوگوں میں اکثر ایسے تھے جو اپنے آباؤاجداد کے اکثر معتقدات اور اپنی قومی روایات ساتھ لے آئے۔ مشرکین کے بعد یہود اور نصاریٰ سے واسطہ پڑا، اور ان لوگوں کے متعلق علامہ ابن خلدون کا یہ قول نقل کردینا کافی ہے کہ ان میں سے اکثر ایسے تھے، جنہوں نے اسلام کو کوئی نیا دین سمجھ کر قبول نہیں تھا۔ کیونکہ اسلام انبیاء اور صحف سابقہ کی تصدیق کرتا ہے اور خود کو کوئی نیا دین نہیں بلکہ موسیٰ وعیسیٰ علیہما السلام کا دین کہتا ہے۔ اس لئے یہ لوگ اسلام قبول کر لینے کے باوجود بعض ایسے عقائد پر جمے رہے جو ان کے مقتدا یان

مذہب نے خود پیدا کر لئے تھے اور جنہیں ان کے اس کی دین سے کوئی تعلق نہیں تھا۔

اسرائیلیات کا دفتر جس سے علمائے حق نے مسلمانوں کو بچنے کی تلقین کی ہے۔ انہیں لوگوں کی تفسیر وعقائد کی کتابوں کا جزو بن گیا۔ یہود ونصاریٰ کے بعد مسلمان ایمان، مانویوں (ایک مصور تھا۔ پھر ایک فرقہ کا قائد بن گیا۔ ارژنگ ان بنیادی مذہبی کتاب ہے)، زرتشتیوں اور مزدکیوں سے روشناس ہوئے۔ ان لوگوں کو اپنی نسل اور وطن کی عظمت کا بڑا غرور تھا اور وہ یہودیوں کی طرح اپنے کو کائنات انسانی کی برگزیدہ ترین قوم اور مذہب کو ایک قومی متاع سمجھتے تھے۔ اس لئے ان میں کچھ لوگ تو ایسے تھے جو مسلمانوں کے غلبے کے بعد بھی اپنی قومی سلطنت کے قیام کی تدبیروں اور اندرونی سازشوں میں مصروف رہے۔ ان کے علاوہ ان میں بہت بڑی تعداد ان لوگوں کی تھی۔ جنہوں نے اسلام تو قبول کرلیا لیکن ہمیشہ اسلامی عقائد کو اپنے آباؤاجداد کے عقائد سے تطبیق دینے کی سعی کرتے رہے۔ اسی سعی تطبیق میں ان کے عقائد اسلام اور مجوسیت کا ایک عجیب وغریب مجموعہ بن کر رہ گئے۔ جسے نہ تو خالص اسلام کہا جاسکتا ہے اور نہ کوئی دوسرا نام دیا جاسکتا ہے۔

سب سے پہلے خدا کے تصور کے متعلق گمراہی پھیلی۔ پھر رسالت وامامت وغیرہ مسائل میں موشگافیاں ہونے لگیں۔ اسلام نے خدا کی تنزیہ وتوحید کا جو تصور پیش کیا ہے۔ اس سے فکر انسانی بالکل ناآشنا تھی۔ یہودی ایک حد تک خدا کے تجسم اور تشبّہ کے قائل تھے۔ عیسائی اس معاملے میں توریت کے متبع تھے۔ مجوسیوں نے الوہیت کو خیر وشر کی دو متقابل قوتوں میں تقسیم کر رکھا تھا اور خدا کی صفات میں تجسم وتشکل پر بھی اعتقاد رکھتے تھے۔ سب سے آخر مسلمانوں کو بودھوں اور ہندوؤں سے سابقہ پڑا اور تناسخ، موکھش (موکھش، نروان دونوں سنسکرت کے الفاظ ہیں۔ اس کے معنی ہیں ''نجات'' یہ جین مت اور بدھ مت کا اہم تصور ہے جو روح کی سمسار یعنی جنموں کے سلسلہ سے آزادی حاصل کرنے کو نروان کہتے ہیں)، کرم کانڈ (کرم کانڈ ہندوؤں کی مذہبی کتاب ''وید'' کا ایک جزء کرم کانڈ ہے جو کہ مذہبی رسومات سے متعلق ہے) اور نروان وغیرہ مسائل ان کے سامنے آئے۔ چونکہ بودھ، ہندو اور مجوسی ایک ہی درخت کے برگ وبار ہیں اور اپنے اساسی عقائد میں بہت حد تک ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں۔ اس لئے خدا کے تجسم وحلول کے عقیدے کا جو تمام مذاہب میں مشترک تھا۔ مختلف شکلوں میں نمودار ہونے اور پھیلنے کا موقع مل گیا۔

اگرچہ امویوں کے عہد حکومت ہی میں اسلامی عقائد کی نئی توجیہ وتعبیر کا سلسلہ شروع ہوگیا تھا۔لیکن چونکہ اس وقت تک عربوں کی قدیم سادگی اور دینی عصبیت بہت حد تک برقرار تھی۔اس لئے عجمیوں کے مخصوص افکار کو چنداں فروغ حاصل نہ ہوا۔عباسیوں کے عہد میں اباحت و مطلق العنانی کی ہوا زور سے چلنے لگی۔انہوں نے ایرانیوں کی مدد سے تخت وتاج حاصل کیا تھا۔دعوت عباسی کا سب سے بڑا نقیب ابومسلم خراسانی خود انہیں لوگوں میں تھا جو ایران میں ایک قومی حکومت قائم کرنے کے آرزومند تھے۔اگرچہ اسے اپنے ارادے میں کامیابی نہیں ہوئی۔لیکن حکومت میں عجمی اثر ونفوذ حد سے زیادہ بڑھ گیا۔اسی زمانے میں بودھوں اور ہندوؤں سے مسلمانوں کے تعلقات قائم ہوئے۔عباسیوں کے عہد میں بودھوں اور ہندوؤں کو بہت فروغ حاصل ہوا۔چنانچہ برامکہ جن کی فیاضی کے تذکروں سے کتابیں بھری پڑی ہیں۔ابتداء میں بدھ مت کے پیرو تھے۔مامون الرشید کے عہد میں ہندوستان کے فلسفی اور طبیب بھی بغداد پہنچے۔ان تعلقات کی وجہ سے نئے نئے مباحث پیدا ہوئے اور عربوں کی طبیعتیں نئے نئے سانچوں میں ڈھلنے لگیں۔

مجوسیوں نے منصور عباسی کے عہد ہی میں اپنے عقائد کی تبلیغ شروع کردی تھی۔ راوندیہ جو حلول اور جہت کے بڑے پرجوش مبلغ تھے۔اسی زمانے میں پیدا ہوئے۔یہ لوگ سمجھتے تھے کہ منصور کے جسم میں خدا کی روح اور اس کے وزیر عثمان بن نسیک کے قالب میں جبریل کی روح حلول کرگئی ہے۔بعد کے زمانے میں اس قسم کے عقائد کبھی تو شیعت کی راہ سے آئے۔کبھی تصوف کے لباس میں ظاہر ہوئے اور کبھی انہوں نے ادّعائے الوہیت اور رسالت کی صورت میں نمودار ہوکر فساد پیدا کردیا۔

عبیداللہ مہدی اور حسن بن صباح کی اسماعیلی دعوت نے شیعت کو مجوسی عقائد کی تبلیغ کا واسطہ قرار دیا۔حسین بن منصور حلاج نے جس کے خیالات پر ہندوؤں کے فلسفے کا بھی گہرا اثر پڑا تھا۔تصوف کے پردے میں وحدت وجود اور حلول وغیرہ عقائد کی تبلیغ کی اور بابک خرّمی اور مقنع خراسانی وغیرہ نے ادّعائے الوہیت ورسالت کا علم بلند کرکے حکومت کے خلاف علانیہ بغاوت کردی۔معتصم کے مشہور سپہ سالار افشین کی بغاوت سے صاف ظاہر ہوجاتا ہے کہ ان سب لوگوں کا مقصد ایک تھا۔یعنی عربوں کی حکومت کے بجائے عجمی حکومت

کا قیام۔ اگرچہ یہ تحریکیں اسلامی حکومت کو پوری طرح مٹانے میں کامیاب نہیں ہوسکیں، لیکن مسلمانوں کی سیاسی قوت کو ضعیف کرنے میں ان کا بہت بڑا حصہ ہے۔ اس کے علاوہ مسلمانوں کے معتقدات پر انہوں نے گہرا اثر ڈالا اور مجوسی افکار اسلامی عقائد کے جسم میں پیوست ہوگئے۔ عباسیوں کے عہد میں اکثر فتنے بالکل مٹ گئے۔ تاتاریوں کے فتنے نے جہاں عباسیوں کی شمع گل کردی۔ وہاں باطنیوں کا زور بھی توڑ ڈالا۔ لیکن یہ غیر اسلامی عقائد تصوف کے ذریعے سے برابر نئے نئے قالبوں میں ڈھلتے اور اہل خانقاہ کے توسط سے عام مسلمانوں میں پھیلتے رہے۔

ہمارے صوفیہ میں ایک تو ارباب حق کا وہ گروہ ہے جس کا مقصد محض تبلیغ دین تھا۔ علماء نے ہمیشہ لوگوں کو خدا کے قہر وغضب سے ڈرایا اور صوفیوں نے ہمیشہ اس کے جمال رحمت اور رأفت کو بے نقاب کر کے لوگوں کے دلوں میں محبت الٰہی کا بیج بونے کی سعی کی۔ لیکن اس کے علاوہ مدعیان تصوف کی ایک دوسری جماعت بھی تھی جو اسلام کو دوسرے مذاہب کے عقائد سے تطبیق دینے کی کوشش کر رہی تھی۔ متصوفین کے اس گروہ کی کوشش نے ان غیر اسلامی معتقدات کو نئی شکلوں میں نمودار کر دیا۔ یعنی وحدت وجود کے ساتھ ساتھ وحدت شہود کا تصور پیدا ہوا، اور حلول نے ظل وبروز کی صورت اختیار کر لی۔ راوندیہ منصور کے متعلق کہتے تھے کہ اس کے قالب میں خدا کی روح حلول کر گئی ہے۔ بعد میں بادشاہ کو ظل اللہ کہا جانے لگا اور اولیاء کو انبیاء کا ظل وبروز۔ پھر جس طرح خدا کے تمام اوصاف بادشاہوں سے منسوب ہونے لگے۔ اسی طرح اولیاء میں نبوت ورسالت کی تمام خصوصیات پیدا کر لی گئیں۔

یہ حالت کئی سو سال تک رہی۔ آخر سولہویں اور سترہویں صدی کا وہ زمانہ آیا جب کہ مسلمانوں کی سیاسی قوت میں زوال رونما ہو چکا تھا اور اقوام فرنگ مشرقی ممالک میں آہستہ آہستہ قدم بڑھا رہی تھیں۔ وہابی تحریک جو دین کے باب میں اپنے تشدد اور غلو کے اعتبار سے خوارج کی تحریک سے یک گونہ مشابہت رکھتی ہے۔ اسی زمانہ میں عالم وجود میں آئی۔ وہ عجمی اثرات کے خلاف عربوں کی سادگی کی ایک پرزور بغاوت تھی۔ جس سے کم وبیش سارا عالم اسلام متاثر ہوا۔ لیکن اس عہد میں سلالہ عثمانی اور دودمان بابری کی روح عظمت مٹ چکی تھی۔ ڈیڑھ سو سال کے اندر اندر ادھر اکبر اور جہانگیر کا گھر بے چراغ ہوگیا

اور ادھر سلطنت عثمانیہ کا تاجدار دول فرنگ کے ہاتھوں میں محض ایک کٹ پتلی بن کر رہ گیا۔

نئی تحریک کا نشو وظہور اسلامی حکومت کے زوال اور اقوام فرنگ کے اس غلبہ استیلاء کا لازمی نتیجہ تھا۔ ایران میں جو مجوسیت کا گہوارہ تھا۔ مزدکی اور مانوی عقائد پھرا بھرنے لگے اور وہابیت کے پیکر میں نمودار ہوئے۔ ہندوستان میں سید احمد بریلوی اور شاہ اسماعیل شہید نے خالص اسلامی حکومت قائم کرنے کے ارادے سے علم جہاد بلند کیا۔ اگرچہ انہیں اس مقصد میں ناکامی ہوئی۔ تاہم مسلمانوں پر ان کی تحریک کا نہایت خوشگوار اثر پڑا اور ان کے متبعین کی ایک ایسی جماعت پیدا ہوگئی۔ جو برابر غیر اسلامی حکومت اور غیر اسلامی عقائد کے برخلاف بغاوت کرتی رہی۔ اس زمانے میں دہلی کے تخت پر ایک برائے نام فرمانروا موجود تھا۔ ۱۸۱۷ء میں ہندوستان کی اسلامی حکومت کا یہ آخری نشان بھی مٹ گیا۔

یہ زمانہ مسلمانوں کے جذبات کی شورش اور اضطراب کا ایک ہیجانی دور تھا۔ دہلی کی حکومت برائے نام سہی بہرحال وہ مسلمانوں کی ہشت صد سالہ حکومت کی یادگار تھی۔ اس کا مٹنا ہی بابر کی عظمت وسطوت کا مٹنا تھا۔ اس لئے مسلمانوں کو اس برائے نام حکومت کے چھن جانے کا سخت صدمہ تھا اور وہ اپنے دلوں میں انگریزوں کے خلاف ایک عمیق جذبہ نفرت محسوس کر رہے تھے۔ انگریزوں نے ان کے جسم مسخر کر لئے۔ لیکن وہ ابھی تک ان کی روح کو مغلوب نہ کر سکے۔ یہ صحیح ہے کہ مسلمان بے بس اور مجبور تھے اور انگریزی حکومت کے خلاف بغاوت کر دینا ان کے لئے تقریباً ناممکن تھا۔ لیکن انہوں نے اپنی دلی نفرت کے اظہار میں کبھی تأمل نہیں کیا۔ یعنی اس زمانے میں جب ہندو انگریزی تعلیم حاصل کر کے سرکاری عہدوں پر قبضہ کر رہے تھے مسلمانوں نے مقاطعہ اور عدم تعاون کی راہ اختیار کی اور انگریزی زبان، انگریزوں کی ملازمتوں سے کوئی سروکار نہ رکھا۔ کیونکہ ان کے نزدیک اپنے جذبات کے اظہار کا اس سے زیادہ موزوں کوئی طریقہ نہ تھا۔ سید احمد بریلوی اور شاہ اسماعیل شہید کے پیرو جو عام طور پر وہّابی کے نام سے مشہور تھے۔ اس طریقہ پر قناعت کرنا نہیں چاہتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے شمالی ومغربی سرحد اور بنگال میں شورش برپا کر دی۔ اگرچہ یہ شورش ایسی خطرناک نہیں تھی کہ انگریزوں کے حاکمانہ اقتدار کو کوئی شدید صدمہ پہنچا سکتی۔ لیکن اس سے ملک کے عام اضطراب میں اضافہ ہوگیا اور انگریزی حکومت کے لغت میں لفظ ''وہابی'' خوفناک باغی اور مذہبی دیوانے کا مرادف سمجھا جانے لگا۔

اس قسم کے یاس انگیز موقعوں پر لوگ خود اپنی طبیعت کی تسکین کا کوئی سامان پیدا کر لیا کرتے ہیں جس طرح عیسائیوں کو قسطنطنیہ کی فتح کے موقع پر یہ یقین نہیں آتا تھا کہ بازنطینی حکومت اس آسانی سے مٹ جائے گی اور سلطان محمد فاتح کے داخلے کے وقت بھی وہ پادریوں کی اس روایت میں تسکین کا سامان تلاش کر رہے تھے کہ جب مسلمانوں کی فتح مکمل ہوجائے گی تو دفعۃً سینٹ صوفیہ کی دیوار شق ہوگی۔ ایک فرشتہ ہاتھ میں شمشیر برہنہ لے کر نکلے گا اور سارے مسلمانوں کو قتل کر دے گا۔ اسی طرح اس زمانے میں مسلمانوں کو یہ یقین نہیں آتا تھا کہ ان کی حکومت اس آسانی سے مٹ سکتی ہے۔ ان میں یہ خیال عام تھا کہ قیامت قریب آ گئی۔ عنقریب دجال کا لشکر ساری کائنات ارضی پر پھیل جائے گا۔ پھر مہدی کا ظہور ہوگا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نزول فرمائیں گے اور دجال کو قتل کر کے از سر نو اسلامی سلطنت قائم کر دیں گے۔ بعض لوگ ایسے بھی تھے جو انگریزی ملوکیت کے خدوخال میں دجال کے چہرے کی مشابہت تلاش کر رہے تھے۔

ظہور مہدی کے مسئلہ نے وہابیوں میں بھی دو گروہ پیدا کر دیئے تھے۔ ایک جماعت سید احمد بریلوی کو مہدی سمجھتی تھی۔ ان لوگوں کا خیال تھا کہ وہ زندہ ہیں اور پھر کبھی ظہور کریں گے۔ دوسرا گروہ وہ ایک نئے مہدی کا انتظار کر رہا تھا۔ افغانستان اور شمالی ہند میں فارسی کے بعض قصیدے جنہیں شاہ نعمت اللہ ولی سے منسوب کیا جاتا ہے اور جن میں مہدی کے ظہور کی پیش گوئی کی گئی ہے۔ گھر گھر پھیلے ہوئے تھے۔ یہ خیال بھی عام تھا کہ تیرہویں صدی کے خاتمے پر مجدد کا پیدا ہونا ضروری ہے۔ نواب صدیق حسن خاں بھوپالی اور مولوی عبدالحئ نے تجدید دین کے مسئلے اور اس کی ضرورت و اہمیت کو لوگوں کے ذہن نشین کرنے میں بہت بڑا حصہ لیا۔ ان دونوں بزرگوں کے مابین اس زمانے میں جو مباحثات ہوتے رہے ہیں۔ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ خود بھی مجدد ہونے کے مدعی تھے۔

افغانستان اور روس کے حالات نے بھی مسلمانوں کے اس انتظار و اضطراب میں معتدبہ اضافہ کر دیا۔ اس زمانے میں روس نے آہستہ آہستہ مشرق کی طرف قدم بڑھانا شروع کر دیا تھا اور سینٹ پیٹرزبرگ[1] اور لندن کے سیاسی حلقوں میں یہ خیال عام تھا کہ زار روس

[1] سینٹ پیٹرزبرگ اس زمانے میں روس کا دارالسلطنت تھا۔

ہندوستان پر حملہ کرنے کے لئے صرف موقع کا منتظر ہے۔ دفعۃً خبر آئی کہ روس نے تاشقند، مرواور خیوا پر قبضہ کر کے اپنی سلطنت کو دریائے جیحوں تک پھیلا دیا ہے۔ انگریز پہلے ہی مسلمانوں سے بدظن تھے۔ اس واقعے نے انہیں زیادہ بدگمان کر دیا۔ جہاد کا مسئلہ ان کے لئے سب سے زیادہ تشویش وفکر کا باعث بنا ہوا تھا۔ اس کے علاوہ ظہور مہدی کے مسئلے کی سیاسی حیثیت بھی ان کے پیش نظر تھی۔ سوڈان میں وہ ایک مہدی کی فوق السادت قوت کا مشاہدہ کر چکے تھے اور ابھی تک وہ اپنے وسیع ذرائع ووسائل کے باوجود مہدی سوڈانی اور ان کے درویشوں کو کچلنے میں کامیاب نہیں ہوسکے تھے۔ کلکتہ کے ایوان حکومت میں ہندوستان کا برطانی نائب السلطنت اور اس کے مشیر تخت اضطراب کے عالم میں ایک دوسرے سے پوچھ رہے تھے کہ اگر ایک اور مہدی نے ہندوکش کی بلندیوں سے اتر کر جہاد کا پرچم بلند کر دیا تو ہم کیا کریں گے؟ روس یقیناً اس موقع سے فائدہ اٹھالے گا۔ افغانستان پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔ باقی رہے ہندوستان کے مسلمان تو جہاد کے نفیر عام کے بعد شائد وہ بھی بغاوت پر آمادہ ہو جائیں۔ اس وقت ہر شخص کی زبان پر یہ چار الفاظ تھے۔ مہدی، جہاد، روس اور امیر کابل اور ہندوستان کے نائب السلطنت کی زبان بھی انہیں الفاظ کے اعادہ وتکرار کے لئے وقف ہو چکی تھی۔

اسی زمانے میں ڈاکٹر ہنٹر نے اپنا مشہور رسالہ ''انڈین مسلمان'' لکھا جس میں انہوں نے سلطنت امارت کے باب میں مسلمانوں کے معتقدات بیان کر کے حکومت کو مشورہ دیا تھا کہ اسے مسلمانوں کی جانب سے کبھی مطمئن نہ ہونا چاہئے۔ کیوں یہ قوم مذہباً اس امر پر مجبور ہے کہ کسی غیر مسلم فرمانروا کی اطاعت قبول نہ کرے۔ سرسید احمد خان نے اس کے ردّ میں ''اسباب بغاوت ہند'' کے نام سے ایک رسالہ لکھا۔ سرسید پہلے مسلمانوں کے لئے یہ ضروری سمجھتے تھے کہ وہ محکومی کی موجودہ حالت پر قناعت کر کے اپنی اندرونی اصلاح اور تعلیم کے مسئلے پر اپنی تمام توجہات صرف کر دیں۔ ''انڈین مسلمان'' کے مطالعہ کے بعد ان کے خیالات زیادہ پختہ ہوگئے اور وہ انگریزوں اور مسلمانوں کے مابین بہتر تعلقات قائم کرنے کی کوشش کرنے لگے۔ ساتھ ہی انہوں نے اسلام کو علوم جدیدہ کے مطابق کرنے کی سعی کی۔ مسئلہ جہاد کی تاویل کی، ظہور مہدی کے مسئلہ کا سختی سے انکار کیا اور اشاعت تعلیم کی کوششوں میں مصروف ہوگئے۔ لیکن سرسید مرحوم کا مقصود نہ تو یہ تھا کہ انگریزوں کے اقتدار کو کوئی فائدہ

پہنچایا جائے نہ وہ اپنے لئے کوئی دنیوی عزت حاصل کرنا چاہتے تھے۔ بلکہ انہوں نے انگریزوں کے تعاون کی راہ محض اپنی قوم کی فلاح و بہبود کے لئے اختیار کی تھی۔

وہ سالہا سال تک حکومت کے ملازم رہنے کے باوجود اپنے قلب میں حکومت کی اطاعت کا ایسا ذوق پیدا نہیں کر سکے تھے کہ اس کے سامنے کوئی سچ بات کہنے میں جھجک محسوس کر سکیں۔ ’’اسباب بغاوت ہند‘‘ میں انہوں نے جس جرأت اور بے خوفی سے حکومت اعمال حال پر نکتہ چینی کی ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے ان کے دل پر حکومت کی وفاداری کا نقش زیادہ گہرا نہیں تھا۔ انگریزوں کے نقطۂ نگاہ سے سرسید احمد خاں جیسا شخص چنداں مفید نہیں تھا۔ انہیں ایسے شخص کی ضرورت تھی جو مذہب کے حربے سے لوگوں کے دلوں پر ان کی وفاداری اور اطاعت منقوش کر دے۔ دنیوی فرماں رواؤں نے مذہب کو ہمیشہ اپنے مقاصد کے لئے استعمال کیا ہے۔ انگریز اپنے ملک میں مذہب کو ایک کارآمد سیاسی حربے کی حیثیت سے استعمال کر چکے تھے۔ کوئی وجہ نہیں تھی کہ ہندوستان جیسے ملک میں جہاں کے باشندوں کے دلوں پر مذہب کی گرفت ہمیشہ مضبوط رہی ہے۔ یہی حربہ استعمال نہ کیا جائے۔ اگر افریقہ میں ایک جہاد کی دعوت دینے والا مہدی سوڈانی ہوسکتا ہے تو یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ہندوستان میں حکومت کی وفاداری کا وعظ کرنے والا مہدی پیدا کر دیا جائے۔

غرض مرزا غلام احمد قادیانی نے جب اپنی تحریک کا آغاز کیا تو اس کی نشوونما کے لئے بے حد مساعد حالات اور سازگار فضا مہیا ہوچکی تھی۔ ابتداء میں وہ ایک اسلامی مُبلغ[۱] کی حیثیت سے روشناس خلق ہوئے۔ پھر انہوں نے اپنے آپ کو چودھویں صدی کا مجدد کہنا شروع کیا اور اس دعوے کے لئے انہیں کوئی تردد نہ کرنا پڑا۔ کیونکہ لوگوں کے کان تجدید دین کے دعوے سے پہلے ہی آشنا ہوچکے تھے اور خود اس زمانے میں ایک سے زیادہ مدعیان تجدید موجود تھے۔ ہاں! ان لوگوں کو الہام کا دعویٰ نہیں تھا۔ میرزا قادیانی نے الہام کا دعویٰ بھی کیا

۱؎ راقم الحروف کے نزدیک میرزا قادیانی کا ذوق تبلیغ بھی سیاسی مصالح کی پیداوار ہے۔ انگریزی حکومت کے استحکام کے لئے یہ ضروری تھا کہ مختلف مذاہب کے لوگوں کو آپس میں لڑایا جائے اور میرزا غلام احمد اور سوامی دیانند نے یہ خدمت جس خوش اسلوبی سے انجام دی ہے۔ اس کی تفصیل غیرضروری معلوم ہوتی ہے۔ (حسرت)

اوراس خیال سے کہ یہ دعویٰ الہام لوگوں کو برہم نہ کردے اور وہ کہیں بے قابو نہ ہو جائیں۔ انہوں نے اپنے اس ادّعا کو آریہ سماجیوں اور عیسائیوں کے مقابلے میں اسلام کی صداقت کی دلیل کے طور پر پیش کیا۔ یہ تدبیر بہت کارگر ثابت ہوئی۔ اکثر مسلمان علماء یہ سمجھ کر خاموش رہے کہ میرزا غلام احمد کے ادّعائے الہام سے انکار کرنا گویا آپ کو اسلام کی صداقت کی ایک عمدہ دلیل سے محروم کردینا ہوگا۔

اب میرزا قادیانی نے آگے قدم بڑھایا۔ یعنی مہدویت کا دعویٰ کردیا اور ظہور مہدی کے متعلق جو مجروح اور ناقابل اعتناء روایتیں احادیث میں موجود ہیں۔ ان سے استناد کرنے لگے۔ اس دعوے کا ثبوت فراہم کرنے میں انہیں بہت سی ضعیف اور ناقابل اعتماد حدیثوں سے مدد ملی جو مجوسیوں نے اپنے غلبہ واستیلاء کے زمانے میں وضع کرلی تھیں اور جن کا مفہوم یہ تھا کہ مہدی عجمی النسل ہوگا۔ خراسان سے مہدی کا ظہور، مہدی کا ابنائے فارس میں سے ہونا، مہدی کا حضرت سلمانؓ فارسی کی نسل میں سے ہونا۔ اسی قسم کی حدیثیں ہیں۔ میرزا قادیانی مغل تو تھے ہی انہوں نے فوراً اپنا سلسلہ نسب سلمانؓ فارسی سے ملا دیا۔

مسلمان عیسائیوں کے غلبے کو دجال کے خروج کی نشانی سمجھتے تھے۔ بلکہ بعض لوگوں کا خیال تھا کہ دجال سے انگریز مراد ہیں۔ میرزا قادیانی نے اس عام خیال سے فائدہ اٹھا کر انگریزوں کو دجال کہنا شروع کردیا۔ ساتھ ہی انہوں نے مسیحیت کا دعویٰ کیا اور اپنے آپ کو ظلی وبروزی نبی کہنے لگے اور فنا فی الرسول کے صوفیانہ عقیدے کا جوڑ ظل وبروز سے ملا دیا اور جب وہ اچھی خاصی جماعت فراہم کر چکے تو ظلی نبی کے بجائے اپنے لئے ''نبی'' کی اصطلاح آزادانہ استعمال کرنے لگے۔

یہ عجیب بات ہے کہ میرزا قادیانی کے حلقۂ ارادت میں سب سے پہلے وہ ہی لوگ شامل ہوئے جو فرنگی دشمنی کے باعث ہندوستان بھر میں مشہور تھے۔ یعنی وہابی جماعت کے لوگ جوق درجوق ان کے مریدوں میں شامل ہونے لگے۔ مہدویت اور مسیحیت کا دعویٰ کرنے سے پہلے خود میزا قادیانی اپنے عام عقائد کے اعتبار سے وہابی تھے۔ لیکن ان کی وہابیت پر تصوف کا گہرا رنگ چڑھا ہوا تھا۔ ان کے افکار میں کہیں کہیں وحدت وجود کی جھلک بھی پائی جاتی تھی اور وہ خدا کے تجسم وتشبہ کے بھی قائل معلوم ہوتے ہیں۔ خدا کا یعقوب علیہ السلام

سے کشتی لڑنا اور حضرت ابراہیم کا خدا کو ممرے کے بلوطوں میں دیکھنا۔ یہود[1] کے عام معتقدات میں سے ہے۔ میرزا قادیانی کا عقیدہ بھی توحید وتنزیہہ کے اسلامی عقیدہ کے بجائے یہود کے اس عقیدۂ تجسم سے ملتا جلتا ہے۔ چنانچہ انہوں نے ایک مرتبہ خدا کو تینددوے کی صورت میں اور دوسری جگہ ہاتھی دانت کی شکل میں پایا۔ اس کے علاوہ انہوں نے اسے بیداری کی حالت میں کاغذات پر دستخط کرتے بھی دیکھا۔ چنانچہ سب قدرت کی روشنائی سے مرزا قادیانی کے کپڑے داغدار ہوگئے۔

مرزا غلام احمد کے عقائد پر غور کیجئے تو معلوم ہوتا ہے کہ اسلام میں جتنے باطل تصورات پیدا ہوئے وہ سب اپنی ایک ترقی یافتہ صورت میں میرزا قادیانی کے ہاں موجود ہیں۔ ان میں وہابیت کا ظاہر تو ہے لیکن اس کے باطن یعنی ذوق جہاد سے کوئی سروکار نہیں۔ وہ سرے سے جہاد بالسیف کے منکر ہیں اور انگریزی حکومت کو واجب الاطاعت سمجھتے ہیں۔ وہ صوفی بھی ہیں لیکن ان میں نہ تو صوفیوں کی سی فراخ دلی اور وسعت نظر ہے، نہ بے نیازی اور قناعت۔ وہ اپنے منکروں کو کافر کہتے ہیں اور اپنے مخالفوں کو بے دریغ گالیاں دینے میں کوئی جھجھک محسوس نہیں کرتے۔ انہوں نے تصوف کے صرف انہی عقائد کو قبول کرلیا جو مجوسی عقائد کی صدائے بازگشت معلوم ہوتے ہیں اور جنہیں اسلامی تصوف سے کوئی تعلق نہیں۔ یعنی ظل وبروز تشبّہ وتجسم اور وحدت وجود۔ ان پر بابی[2] تحریک کا بھی کافی اثر پڑا ہے۔ چنانچہ چند مسائل کو مستثنٰی کرا لیجئے تو ان کے اور محمد علی باب کے دعوے میں کوئی فرق نہیں رہتا۔

وفات مسیح کا عقیدہ جس پر ان کے دعوے کی عمارت استوار ہے انہوں نے سرسید احمد خاں سے لیا ہے۔ اسلامی عقائد کی نئی تعبیر وتفسیر اور علوم جدیدہ سے ان کی تطبیق کے باب میں بھی وہ سرسید کے متبع ہیں۔ لیکن ان کی تحریک میں جو چیز سب سے زیادہ نمایاں نظر آتی ہے وہ تنسیخ جہاد اور انگریزوں کی خلافت الٰہیہ کے مسائل ہیں۔ ان کی کتابوں میں کوئی دوسرا مسئلہ ایسا نہیں جس کا ذکر انہوں نے اس جوش وخروش کے ساتھ بار بار کیا ہو۔ ان کے خیالات میں تضاد وتبائن بے حد ہے۔ وہ خود اپنے دعاوی کے متعلق ایسی متضاد باتیں کہتے ہیں کہ پڑھنے والا پریشان ہوجاتا

۱؎ بائبل کا جملہ ہے ''ممرے'' کسی جگہ کا اور ''بلوط'' کسی درخت کا نام معلوم ہے۔

۲؎ جدید تحقیق سے ثابت ہوگیا ہے بابی تحریک روس کے سیاسی مصالح کی پیداوار تھی (حسرت)

ہے۔لیکن تنسیخ جہاد اور حکومت انگریزی کی اطاعت کے متعلق انہوں نے جو کچھ لکھا ہے وہ ہر قسم کے ابہام وتضاد سے پاک ہے۔ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان مسائل کو اصل کی حیثیت حاصل ہے اور دوسرے تمام مسائل حتیٰ کہ ان کا دعویٰ مہدویت بھی فرع کی حیثیت رکھتا ہے۔

علماء نے میرزا غلام احمد کی پرزور مخالفت کی لیکن وہ وفات مسیح علیہ السلام، ظہور مہدی، علامات قیامت، نزول مہدی، خروج دجال وغیرہ مسائل میں الجھ کر رہ گئے اور قادیانی تحریک کے سیاسی پہلو کو بالکل نظر انداز کر دیا گیا۔اس کے علاوہ اس زمانے میں علماء کا مشغلہ تکفیر پورے شباب پر تھا۔ایک فرقے کے لوگ دوسرے فرقے کے لوگوں کو کافر کہتے تھے۔سرسید احمد خاں بھی اسی تلوار سے چورنگ ہو چکے تھے۔نئے تعلیم یافتہ لوگوں نے مرزا غلام احمد کی مخالفت اور کفر کے فتوؤں کو علماء کی اسی عادت تکفیر کا نتیجہ سمجھا اور اس کی پروانہ کی۔

دراصل قادیانیوں کی کامیاب مخالفت کی سعادت قدرت نے ایک ایسے شخص کے لئے مخصوص کر رکھی تھی جو خود بھی مسلمانوں کے اسی وسیع المشرب تعلیم یافتہ گروہ سے تعلق رکھتا تھا جس کی ساری کائنات یورپ کی نافہمانہ اور کورانہ تقلید تھی۔لیکن وہ جاذبہ توفیق الٰہی کے سہارے آگے بڑھا اور مجاہدین حق کی صف اوّل میں جا کھڑا ہوا:

کامل اس فرقۂ زہّاد سے اٹھا نہ کوئی　　　کچھ ہوئے تو یہی رندان قدح خوار ہوئے

مولانا ظفر علی خاں نے اگرچہ مدرسۃ العلوم علی گڑھ میں تعلیم پائی۔اس لئے وہ ابتداء میں کسی قدر سرسید کی تعلیمی تحریک سے بھی متأثر ہوئے لیکن درحقیقت ان کا تعلق سرسید سے زیادہ انیسویں صدی کی ایک عظیم الشان اصلاحی تحریک سے ہے جس کے بانی سید جمال الدین اسد آبادیؒ تھے۔سید مرحوم کا وجود گرامی تمام عالم اسلام کے لئے ایک حیرت انگیز موہبت الٰہی تھا۔اسلامی ملکوں میں گزشتہ نصف صدی کے اندر جتنی سیاسی تحریکیں پیدا ہوئی ہیں۔ان سب نے بلاواسطہ یا بالواسطہ سید جمال الدین سے اثر قبول کیا ہے۔دوسرے اسلامی ملکوں کی طرح انہوں نے ہندوستان پر بھی گہرا اثر ڈالا اور مجاہدین حق کی ایک جماعت پیدا کر دی ہے۔جو سب کے سب سید اسد آبادیؒ کے روحانی فرزند ہیں۔مولانا ظفر علی خاں کا تعلق بھی اسی گروہ سے ہے۔سید جمال الدینؒ کی تحریک اپنے اصول ومبانی کے اعتبار سے قادیانی تحریک کا بالکل الٹ ہے۔یعنی قادیانی تحریک کا مقصد یہ ہے سارے عالم اسلام کی گردنیں برطانیہ کے آستانۂ عظمت پر جھکا دی جائیں اور سید مرحوم یورپ کے ارباب استعمار

کے خلاف مسلمانوں میں ایک روح بغاوت پیدا کرنا چاہتے تھے۔

مولانا ظفر علی خان نے قادیانی تحریک کی طرف توجہ کی تو انہوں نے سب سے پہلے اس تحریک کے سیاسی پہلو کی جانب توجہ کی جسے علماء نے بالکل نظر انداز کر دیا تھا۔ اس کے علاوہ انہوں نے ختم نبوت کے مسئلے کی اہمیت کی جانب لوگوں کو توجہ دلائی۔ قادیانی تحریک کے عقائد کا تجزیہ کیا۔ ان عناصر وعوامل کے چہرے سے نقاب الٹ دیا۔ جو اس تحریک کو بروئے کار لے آئے ہیں۔ انہوں نے نہایت ناسازگار اور غیر مساعد حالات میں اس مسئلہ جانب توجہ کی جن دنوں انہوں پہلے پہل اس موضوع پر قلم اٹھایا۔ قادیانیوں کی تبلیغی سرگرمیوں خصوصاً ولایت کے تبلیغی مشن نے مسلمانوں میں ان کے متعلق ایک گونہ حسن ظن پیدا کر دیا تھا۔ اس کے علاوہ خود مسلمانوں کے اکابر بھی اسی راہ وفا کے جادہ سپار بن چکے تھے جسے طے کرنے میں قادیانی جماعت عرصے سے مصروف تھی۔ اس لئے مسلمانوں نے اس تحریک کی سیاسی مضرتوں کی جانب زیادہ توجہ نہ کی۔ لیکن مولانا کے پائے عزم وثبات کو لغزش نہ ہوئی اور وہ پورے تیس سال تک صبر واستقامت سے اس کام میں مصروف ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ آج ملک کے گوشے گوشے میں قادیانی جماعت کے خداع ومکر کا جو احساس پیدا ہو گیا ہے وہ مولانا ہی کی مساعی کا نتیجہ ہے۔

افسوس ہے کہ مولانا نے قادیانیوں کے متعلق جو مضامین لکھے وہ سب کے سب محفوظ نہیں رہے۔ اخبار کے بعض فائل جن میں یہ مضامین چھپے تھے۔ مولانا کی قید اور نظر بندی کے زمانے میں گم ہو گئے تھے۔ اس لئے جب پچھلے سال بعض احباب کے اصرار سے مجبور ہو کر مولانا نے انہیں کتابی صورت میں شائع کرنے کا ارادہ کیا تو بعض مضامین جو انہوں نے بڑی کاوش سے لکھے تھے نہ مل سکے۔ لیکن جو مضامین ''زمیندار'' اور ستارۂ صبح'' کے فائلوں میں ملے۔ وہ بھی اس قدر زیادہ تھے کہ انہیں ایک جلد میں شائع کرنا ناممکن تھا۔ آخر یہ طے پایا کہ فی الحال ان مضامین کا ایک مختصر سا انتخاب شائع کر دیا جائے۔ لیکن اسی زمانے میں ''زمیندار'' کے پریس کی ضبطی کا واقعہ پیش آیا اور اخبار سے ضمانت طلب کر لی گئی۔ ابھی اس مصیبت سے رہائی نہیں ہوئی تھی کہ مولانا کو کرم آباد میں نظر بند کر دیا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ ''ارمغان قادیان'' جسے اعلان کے مطابق ۱۹۳۵ء کے آغاز میں شائع ہو جانا چاہئے تھا۔ ۱۹۳۶ء شائع ہو رہی ہے۔

’’ارمغان قادیان‘‘ کو دو حصوں میں تقسیم کردیا گیا ہے۔ حصہ نظم اور حصۂ نثر۔ حصہ نظم میں آپ کو بعض نظمیں ایسی ملیں گی جن میں قادیانیوں کے متعلق ایک آدھ شعر آ گیا ہے۔ بعض نظمیں ایسی ہیں جن میں سنجیدگی سے قادیانی عقائد پر بحث کی گئی ہے۔ لیکن بیشتر نظموں میں طنز وہجو کا انداز غالب ہے۔ مولانا کی شاعری پر اس زمانے کے بعض نقّادوں کو سب سے بڑا اعتراض یہی ہے کہ وہ انوری وخاقانی کی طرح یا تو قصیدہ اچھا لکھ سکتے ہیں یا ہجو میں خوب چمکتے ہیں۔ لیکن دراصل یہ خیال مشرقی شاعری کے سطحی مطالعے اور کم نظری پر مبنی ہے۔ اگر مولانا ظفرعلی خاں کو انوری اور خاقانی کی طرح محض مدح طراز اور ہجو گو کہا جاسکتا ہے تو اردو اور فارسی کا کوئی شاعر اس اعتراض سے نہیں بچتا۔ ہمارے متغزلین کو لیجئے جن کی شاعری کے بھی یہی دو عنصر ہیں۔ یعنی وہ محبوب کی تعریف کرتے ہیں اور رقیب، واعظ، شیخ، زاہد، ناصح، محتسب کی ہجو اور اس معاملے میں وہ انوری اور خاقانی سے کم نہیں۔ اگر ہجو کا عنصر غزلوں سے خارج کردیا جائے تو ان میں کیا رہ جاتا ہے۔

لیکن مولانا اس معاملے میں بھی تمام قائم شعراء پر تفوّق رکھتے ہیں۔ قصیدہ نگار شعراء کے نزدیک مدح سلاطین وامراء کے تقرب کا وسیلہ اور معاش کا ذریعہ تھی۔ ہجو سے وہ لوگوں کو مرعوب کر کے کچھ نہ کچھ لے مرتے تھے یا پھر ممسک اور بخیل امرا کو گالیاں دے کر اپنا جی خوش کرلیا کرتے تھے۔ اسی طرح غزلوں میں بھی رقیب، شیخ اور ناصح کی ہجو ایک رسمی چیز بن کر رہ گئی ہے۔ دوسری جانب مولانا کے ہجو یہ کلام کو دیکھئے کہ اس میں ایک بلند مقصد نظر آتا ہے۔ وہ قادیانیوں کی ہجو اس لئے نہیں کرتے کہ انہیں اس جماعت سے کوئی ذاتی کاوش ہے یا کسی پرانی رسم کی پابندی مقصود ہے۔ بلکہ وہ اس جماعت کے وجود کو ساری کائنات انسانی کے لئے مضر سمجھتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ کی ذات گرامی مولانا ظفرعلی خاں کی عقیدت کا حقیقی مرجع ہے۔ ان کی نعتوں میں جس قسم کا جوش وخلوص پایا جاتا ہے۔ اس سے تقریباً تمام نعت گویوں کا کلام خالی نظر آتا ہے۔ ان کی شاعری کے متغزلانہ اوصاف انہیں نعتوں میں نمایاں ہوتے ہیں اور ارباب تغزل کی طرح ان کے قلم سے بھی کہیں کہیں ایک آدھ ہجو یہ شعر نکل جاتا ہے۔ انہوں نے میرزا غلام احمد قادیانی کو ہجو وطنز کا ہدف بننے کے لئے منتخب کیا ہے جو حضور ﷺ کی ہمسری کے مدعی اور ایک نعت گو شاعر کا نشانۂ غیظ وغضب بننے کے لئے بیحد موزوں ہیں۔

ان کے کلام پر ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ مرزا بشیرالدین محمود کی زندگی کے بعض مشاغل کا ذکر نہایت بے باکی سے کرتے ہیں۔ اس مجموعے کی بعض دل آویز نظمیں مثلاً اطالوی حسینہ، مس روفو، حسن آباد، بیاس وغیرہ۔ اسی قسم کے واقعات سے متعلق ہیں۔ میرے خیال میں مرزا قادیانی جیسے صاحب ادّعا لوگوں کے معاملے میں یہ طریقہ اختیار کرنا ہرگز معیوب نہیں۔ وہ مدعی الہام ہیں۔ اپنے آپ کو دنیا کا مقدس ترین انسان اور اپنی جماعت کو مقدس تریں گروہ سمجھتے ہیں۔ ان کے دعاوی کی صداقت کو جانچنے کا سب سے زیادہ آسان طریقہ یہ ہے کہ ان کے اعمال کو اخلاق کے مسلّمہ معیار پر پرکھا جائے۔ اگر وہ اور ان کے رفقاء جنہیں مسیح موعود کے صحبت یافتہ ہونے کا دعویٰ ہے باعتبار مکارم اخلاق عام لوگوں سے بہتر نہیں تو یہ نتیجہ نکال لینا نہایت سہل ہے کہ مرزا غلام احمد اپنے دعوؤں میں سچے نہیں تھے۔

میں نے بعض لوگوں کو یہ بھی کہتے سنا ہے کہ مولانا ظفر علی خاں کی شاعری ہنگامی ہے۔ اس لئے ان کا کلام زیادہ دیر تک زندہ نہیں رہ سکے گا۔ میں اس اعتراض کا کوئی جواب نہیں دے سکتا۔ اس کا فیصلہ تو مستقبل کرے گا کہ مولانا کی شاعری زندہ رہتی ہے یا مٹ جاتی ہے۔ تاہم انہیں یاد رکھنا چاہئے کہ بعض ہنگامی مسائل محض شاعر کے زور قلم کی بدولت حیات ودوام حاصل کر لیتے ہیں۔ کتنے ہی غیر معروف اشخاص ایسے ہیں کہ جنہیں تاریخ نے فراموش کر دیا۔ لیکن شاعری نے انہیں یاد رکھا اور آج محض شعراء کے طفیل ان کے نام بچے بچے کی زبان پر ہیں اور کتنے ہی معمولی واقعات جن پر صدیوں کی طویل مدت گزر چکی ہے۔ محض شعراء کی مسیحائی کے باعث آج تک زندہ ہیں۔ اس کے لئے زیادہ تلاش اور محنت کی ضرورت نہیں۔ انگریزی شاعری میں آپ کو اس قسم کی ہزاروں مثالیں مل سکتی ہیں۔ بہرحال یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جس کا فیصلہ ہم اور آپ نہیں کر سکتے۔ اسے مستقبل کے حوالے کر دینا چاہئے جو اس قسم کے مسائل کا بہترین جج ہے۔

’’ارمغان قادیان‘‘ میں جو نظمیں شامل ہیں وہ مولانا کے پورے کلام کا عشر عشیر بھی نہیں۔ اس لئے صرف انہیں نظموں کو پیش نظر رکھ کر شاعرانہ عظمت کا صحیح اندازہ نہیں کیا جاسکتا۔ بہرحال اس مجموعہ میں ان کی بہترین نظمیں شامل ہیں۔ جن کے ہر شعر سے ان کی قدرت کلام ظاہر ہے۔ میں یہاں نمونے کے طور پر ان کے اشعار نقل نہیں کرنا چاہتا۔ کیونکہ

ان میں اکثر مسلسل نظمیں ہیں۔ جنہیں تمام وکمال پڑھنے سے ان کی خوبیوں کا اندازہ ہوسکتا ہے۔ وہ درحقیقت اپنے عہد کے بہترین شاعر ہیں اور جہاں تک قدرت کلام کا تعلق ہے۔ ہندوستان میں ان کا کوئی مدمقابل نہیں۔ شاعری کے تمام اجزاوعناصر کو پیش نظر رکھا جائے تو علامہ اقبال کے بعد زبان قلم پر انہیں کا نام آتا ہے اور طنزیہ شاعری میں لسان العصر اکبر کے بعد انہیں کا درجہ ہے۔ لیکن مجھے ان کی جس خصوصیت نے سب سے زیادہ متأثر کیا ہے وہ بداہت وارتجال ہے۔ چنانچہ اس مجموعے میں بعض ایسی نظمیں بھی ہیں جو پانچ یا سات منٹ میں لکھی گئی ہیں۔ بسا اوقات ایسا ہوا ہے کہ کسی شخص نے ان سے شعر کہنے کی فرمائش کی اور انہوں نے نہایت بے تکلفی سے اس طرح شعر لکھوانے شروع کر دیئے۔ گویا پوری نظم انہوں نے پہلے ہی لکھ رکھی تھی۔

حصہ نثر میں ان کے بہت تھوڑے مضامین شامل کئے جاسکے۔ ان میں بعض مضامین ایسے ہیں جن میں طنز کا انداز نمایاں ہے۔ بعض مضامین میں سنجیدگی سے علمی بحث کی گئی ہے۔ بعثت مجددین نہایت بلند پایہ اور وقیع مضمون ہے۔ جو نہایت کاوش سے لکھا گیا ہے۔ نظم کی طرح وہ نثر میں بھی۔ صاحب طرز استاد ہیں۔ فارسی زبان کی پرشکوہ ترکیبوں اور نادر استعاروں اور تشبیہوں سے وہ الفاظ کا ایسا طلسم باندھتے ہیں۔ جس سے سامعہ بے اختیار مرعوب ہوجاتا ہے۔ اردو کے محاورات پر انہیں بے حد قدرت ہے اور ان کی زبان کی صحت ان لوگوں کے نزدیک بھی مسلم ہے جو پنجاب کے کسی ادیب یا شاعر کو شائستہ التفات نہیں سمجھتے۔ غرض مولانا ظفر علی خان نظم ونثر کے جامع ہیں اور اگر ان کی قومی وملّی خدمات سے قطع نظر کرے بھی دیکھا جائے۔ جب بھی محض کمالات شعروادب کے اعتبار سے ان کا وجود ملک کے لئے ایک گراں بہا نعمت ہے۔

مجھے اعتراف ہے کہ میرا قلم مولانا ظفر علی خاں کے کارناموں سے پوری طرح انصاف نہیں کرسکا۔ لیکن زمانے نے ان سے انصاف کرنے میں بخل سے کام نہیں لیا۔ ان کی عظمت کا یہ اعتراف کیا کم ہے کہ قادیانیوں کے متعلق انہوں نے جو تحریک شروع کررکھی تھی۔ اس سے آج سارا ہندوستان گونج رہا ہے اور وہ بجا طور سے کہہ سکتے ہیں:

مئے کہ تلخیٔ آنست درگلوئے دوکون کمینہ جرعۂ تہ بادہ ہائے دوش من است

سرآغاز

اشاعت ثانی

اصغرحسین خان نظیرلودھیانوی سینئرسب ایڈیٹرروزنامہ امروزلاہور

ارمغان قادیان پہلی بار۱۹۳۶ء میں شائع ہوئی لیکن کتاب کی ترتیب دینے والوں نے شائد عجلت سے کام لیا اور بہت سی نظمیں اس مجموعے میں شامل ہونے سے رہ گئیں۔ مولانا ظفرعلی خاں مرحوم کواس مجموعے کی اشاعت کا خیال ۱۹۳۴ء میں ہوا۔ جب کہ انہوں نے تعارف کے طور پر یہ نظم لکھی:

تم کو گر منظور ہے سیر جہاں قادیاں
اے مسلمانو! خریدو ارمغان قادیاں

لیکن لطف یہ ہے کہ مجموعہ میں یہ نظم بھی شامل نہ ہوسکی۔ اب اس مجموعے کو دوسری بارشائع کیا جارہا ہے اوراس میں وہ تمام نظمیں شامل کردی گئی ہیں جو مولانا نے اس موضوع پر وقتاً فوقتاً کہیں۔ لیکن اس اشاعت میں بھی ان کا ۱۹۴۵ء تک ہی کا کلام ہے۔ ہوسکتا ہے کہ انہوں نے اس موضوع پر بعد میں بھی کوئی نظم کہی ہو۔ جوہمیں تلاش کے باوجودنہیں ملی[۱]۔

اس موقع پرمولانا کی شاعری کے متعلق کچھ کہنے کی چنداں ضرورت نہیں۔ کیونکہ مولانا چراغ حسن حسرت مرحوم نے اپنے مقدمے میں مولانا کے کلام پر مختصرمگر جامع تنقید کردی ہے۔ اس لئے ’’ارمغان قادیان‘‘ کی تنگ دامانی کے باعث اس ضمن میں تفصیلی بحث کی گنجائش نہیں۔

[۱] لیکن اب اس کی محاسبہ قادیانیت ج ۲۰ میں اشاعت کے وقت مولانا ظفرعلی خان کے کلام کا ’’کلّیات مولانا ظفرعلی خان‘‘ سے بوقت نظر ردقادیانیت کے تمام کلام کوشامل اشاعت کردیا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(۱) حمد رب اکبر

پہنچتا ہے ہر ایک مکیش کے آگے دور جام اس کا
کسی کو تشنہ لب رکھتا نہیں ہے لطف عام اس کا
گواہی دے رہی ہے اس کی یکتائی پہ ذات اس کی
دوئی کے نقش سب جھوٹے، ہے سچا ایک نام اس کا
ہر اک پتہ چمن کا داستاں اس کی سناتا ہے
ہر اک جھونکا ہوا کا آ کے دیتا ہے پیام اس کا
نظام اپنا لئے پھرتا ہے کیا خورشید نور افشاں
کروڑوں ایسی دنیاؤں کو شامل ہے نظام اس کا
میں اس کو کعبہ و بتخانہ میں کیوں ڈھونڈنے نکلوں
مرے ٹوٹے ہوئے دل ہی کے اندر ہے مقام اس کا
سراپا معصیّت میں ہوں سراپا مغفرت وہ ہے
خطاء کوشی روش میری خطاء پوشی ہے کام اس کا
مری افتادگی بھی میرے حق میں اس کی رحمت تھی
کہ گرتے گرتے بھی میں نے لیا دامن ہے تھام اس کا
وہ خود بھی بے نشاں ہے زخم بھی ہیں بے نشاں اس کے
دیا ہے اس نے جو چرکا نہیں ہے التیام اس کا
عبودیت کو بھی کیا کیا مدارج اس نے بخشے ہیں
جہاں میں بن کے آتا ہے رسولؐ اس کا غلام اس کا
ہوئی ختم اس کی حجت اس زمیں کے بسنے والوں پر
کہ پہنچایا ہے ان سب تک محمدؐ نے کلام اس کا
بجھاتے ہی رہے پھونکوں سے کافر اس کو رہ رہ کر
مگر نور اپنی ساعت پر رہا ہو کر تمام اس کا
نہ جا اس کے تحمل پر کہ ہے بے ڈھب گرفت اس کی
ڈر اس کی دیر گیری سے کہ ہے سخت انتقام اس کا

(۲) حضور سرور کونین ﷺ، عرش اور فرش سے صلوٰۃ وسلام کی بارش

رونق بزم دودۂ آدم صلی اللہ علیہ وسلم
خواجۂ گیہاں سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم
جادہ شناس منزل وحدت جلوہ نمائے نور حقیقت
ہادیٔ اکبر مصلح اعظم صلی اللہ علیہ وسلم
خیر ممثّل فضل مجسّم صورت احساں پیکر رحمت
آیۂ لطف ربک الاکرم صلی اللہ علیہ وسلم
ہوگئی اس پر ختم رسالت دیتے گئے ہیں جس کی شہادت
موسیٰ عمراں عیسیٰ مریم صلی اللہ علیہ وسلم
خیل ملک تھا اس کے جلو میں یعنی قضا کا رخش تھا رو میں
تاکہ جہاں ہو درہم و برہم صلی اللہ علیہ وسلم
کہتے ہیں جس کو سطوت کبریٰ تھی وہ اک اس کی مشق سرپا
گردن ہرقل جس سے ہوئی خم صلی اللہ علیہ وسم
تیغ و کفن جب باندھ کے نکلے اس کے قشون قاہرہ گھر سے
بچھ گئی یورپ میں صف ماتم صلی اللہ علیہ وسلم
ہے عرب اس کا اور عجم اس کا تھامے ہوئے ہیں ہم علم اس کا
وہ ہے ہمارا اس کے ہیں سب ہم صلی اللہ علیہ وسلم
وقت پہ دے گا تشنہ لبوں کو ساغر کوثر بھی وہی ساقی
جس نے پلایا ہے انہیں زمزم صلی اللہ علیہ وسلم
جیت گئے اسلام کے غازی ہر گئی آخر کفر کی بازی
جھک نہ سکا توحید کا پرچم صلی اللہ علیہ وسلم

اس کی غلامی نے ہمیں بخشا تاج سکندر، فرۂ دارا
کوکبہ کئے مرتبہ جسم صلی اللہ علیہ وسلم
سب سے جب اونچا پایہ ہے اس کا اور ترے سر پر سایہ ہے اس کا
ملت بیضا پھر تجھے کیا غم صلی اللہ علیہ وسلم
عرش بریں سے فرش زمیں تک فرش زمیں سے عرش بریں تک
غلغلہ برپا ہے یہی پیہم صلی اللہ علیہ وسلم

(۳) ارمغان قادیان

تم کو گر منظور ہے سیر جہاں قادیاں
اے مسلمانو! خریدو ''ارمغان قادیاں''
جی کو بہلاؤ گے کیوں کر گر نہ لوگے یہ کتاب
کیوں کہ مٹ[۱] جانے کو ہے نام ونشان قادیاں
اس بجھارت کو نہ بوجھا آج تک کوئی ادیب
میں نے ہی آخر کو حل کی چیستان قادیاں
میرے ہی خامے کی رنگینی تھی جس کے فیض سے
ہوگئی سننے کے قابل داستان قادیاں
میں نے دی اس کو لگام اور ہوگیا اس پر سوار
ورنہ کس کو مانتی تھی مادیان قادیاں
کس طرح ممکن ہے دل پر ہو کسی کو اختیار
جب ہوں دل کے چھیننے والے بتان قادیاں
مجھ سے پوچھو، کیوں فدا[۲] ہے قادیاں کشمیر پر
مجھ سے بڑھ کر کون ہوگا رازدان قادیاں
جو مجاور ہیں بہشتی مقبرے کے آج کل
بیچتے پھرتے ہیں گھر گھر استخوان قادیاں
صرف غائب نحو عنقا اور سلاست ناپدید
ان سب اجزا سے مرکب ہے زبان قادیاں
''اک[۳] برہنہ سے نہ یہ ہوگا کہ تا باندھے ازار''
یہ کہ ''تا'' ہے شاہکار شاعران قادیاں
لوگ حیراں تھے کہ جب پھیکا ہے پکوان اس قدر
ہوگئی پھر اتنی اونچی کیوں دکان قادیاں
جو فروشی کے لئے گندم نمائی شرط تھی
تھا بڑا ہی کائیاں بازارگان قادیاں
کیا سلوک ان سے روا رکھتے ہیں منکر اور نکیر
قبر میں خود دیکھ لیں گے منکران قادیاں

۱ غالباً تیرہ سال کے بعد اگست ۱۹۴۷ء میں یہ پیش گوئی پوری ہوگئی۔ جب ہندوستان کی تقسیم کے وقت ریڈکلف ایوارڈ نے تحصیل بٹالہ، گورداسپور اور پٹھان کوٹ کو ہندوستان میں شامل کردیا۔ قادیاں تحصیل بٹالہ میں ہے۔ (نظیر)

۲ تحریک کشمیر کے ایام میں کشمیر کمیٹی کو اس کے صدر علامہ اقبالؒ نے محض اس لئے توڑ دیا تھا کہ اس پر قادیانی چھارہے تھے اور ان پر کشمیر میں مرزائیت کی تبلیغ کا الزام تھا۔ شعر میں اسی راز کی طرف اشارہ ہے۔ (نظیر)

۳ قادیانی تصانیف میں بیشتر زبان کی غلطیاں ہیں۔ اس شعر میں ''تا'' کے غلط استعمال کی طرف اشارہ ہے۔ (نظیر) لاہور ۱۱/اپریل ۱۹۳۴ء

(۴) رون پرستی[۱]

نہیں لنکا سے کچھ بھی کم ہے پنجاب
جسے دیکھو یہاں باون گزا ہے
ہوا تیار مذہب کا پزادہ
مگر جھگڑا وہی ڈیڑھ اینٹ کا ہے
خدا کو چھوڑ بیٹھے لالہ وشیخ
پڑا شیطان گھر گھر بچ رہا ہے
کوئی کرتا ہے احمدؐ کی غلامی
مگر بنتا بروز مصطفیؐ ہے
کوئی لیتا ہے منہ سے رام کا نام
مگر کہتا ہے راون ہی خدا ہے
ٹھٹک کر رہ گیا ہے پیکر عقل
تماشا پتلیوں کا ہورہا ہے

(بہارستان ص۴۸۲، مؤرخہ ۲۱ ؍ نومبر ۱۹۱۶ء)

(۵) قادیان کا تھیٹر......قول فیصل

’’ان تسخروا منّا انّا نسخر منکم کما تسخرون فسوف تعلمون من یاتیه عذاب یخزیه ویحل علیه عذاب مقیم (ھود:۴۰،۴۱)‘‘ (اگر تم ہمارا مضحکہ اڑاتے ہو تو ہم تمہاری ہی تضحیک تم پر ملے دیتے ہیں۔ تمہیں جلد معلوم ہو جائے گا کہ رسواء کرنے اور ہمیشہ قائم رہنے والا عذاب کس پر نازل ہوتا ہے۔ تم پر یا ہم پر)

اے طبع رسا آج ترا رنگ جمادوں
اور شوخی تحریر کا اعجاز دکھا دوں
پہلے سبق حق تجھے قرآن سے پڑھا دوں
تنہا تجھے پھر لشکر باطل سے لڑا دوں
جو حیلہ نہ سوجھا ہو کبھی تجھ کو سجھا دوں
جو چال نہ چلنی تجھے آتی ہو سکھا دوں
احسان کی بازی پہ اگر جان لگا دوں
شطرنج میں طاغوت پرستوں کو ہرادوں
گر مروحہ طیش سے غیرت کو ہوا دوں
اک پھونک میں طامات کی مشعل کو بجھا دوں
گر برق حمیّت کو تڑپ کر میں گرا دوں
اک آگ خرافات کے خرمن میں لگا دوں
مجھ میں جو یہ قدرت ہے کہ روتوں کو ہنسا دوں
کوشش نہ کروں کیوں یہ کہ سوتوں کو جگا دوں
ماروں اگر اک نعرہ ھواللہ احد کا
ہربت کدہ شرک کے گنبد کو ہلا دوں

[۱] یہی نظم ارمغان میں ’’پتلیوں کا تماشہ‘‘ کے عنوان سے تھی۔ (عتیق)

اک گرز کی قدرت ہے مرے خامے کے اندر
اس گرز سے البرز کو بھی سرمہ بنا دوں

مسلم ہوں میں طاقت ہے یہ میرے سرپا میں
رستے میں ہمالہ ہو تو ٹھوکر سے ہٹا دوں

میرے نفس گرم کے پف میں یہ تاثیر
گنگا مجھے روکے تو اسے پل میں سکھادوں

سوئے ہوئے فتنوں کو جگایا ہے جنہوں نے
آغوش عدم میں انہیں سیلی سے سلادوں

جس ہاتھ نے ''الفیل'' کو ''ماالفیل'' بنایا
طوطے اڑیں اس کے جو ابابیل اڑادوں

اسلام کی محفل میں اگر کفر ہو داخل
رستہ اسے دروازے کا انگلی سے بتادوں

خاطر میں نہ لائے اس اشارے کو اگروہ
میں کان پکڑ کر اسے مجلس سے اٹھا دوں

اس پر بھی وہ اکڑے تو اڑنگے ہی پہ لاکر
دوں پٹخنی ایسی کہ ثریا ہی دکھا دوں

ہے جن کو محمدؐ[1] کی مساوات کا دعویٰ
مثواہ جھنم کی وعید ان کوسنادوں

گل ان کے چراغ آج ہوں پگڑی بھی ہوغائب
اتنی ہی فقط دیر ہے چٹکی میں بجادوں

میرے لئے تفسیر تو ان کے لئے تاویل
خود کھاؤں میں رمّاں انہیں زقّوم کھلا دوں

میں قائل الہام تو وہ مائل ایہام
کوثر میں پیوں آب حمیم ان کو پلادوں

ہے میمنہ ومشمہ میں فرق مراتب
اللہ کے لفظوں میں یہ فرق ان کو بتادوں

اکملت لکم[2] پڑھ کے زبان عربی میں
ظلی و بروزی کی نبوت کو مٹا دوں

کچھ فرق بروز اور تناسخ میں نہیں ہے
انکار ہو جن کو انہیں اقرار کرا دوں

جن کو نہ ہو کچھ پاس پیمبرؐ کے ادب کا
چن چن کے میں اس قوم کو مٹی میں ملادوں

اسلام سے جس قوم کو ہے کچھ بھی محبت
میں اس کے لئے راہ میں آنکھوں کو بچھادوں

غصہ اگر آئے اسے آجائے مجھے پیار
دشنام وہ دے مجھ کو تو میں اس کو دعا دوں

لیکن جنہیں اسلام کی تضحیک ہے منظور
کس طرح میں اس قوم کی باتوں کو بھلا دوں

پھر کس لئے دریائے معانی نہ رواں ہو
جس میں انہیں مثل خس وخاشاک بہا دوں

انگشت شہادت ہے قضا لات وہبل کی
منہ کے بل انہیں ایک اشارے سے گرا دوں

(مؤرخہ یکم رنومبر ۱۹۱۷ء)

[1] محمد ﷺ کی مساوات۔ محمد ﷺ کی برابری۔ (نظیر)

[2] آیہ شریفہ اکملت لکم دینکم (میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا۔

(۶) تھوہر کے دودھ کی کھیر ارتقاء کی ہنڈیا میں

’’میرا انکار انبیاء کا انکار ہے۔‘‘ (بشیرالدین محمود)

طے کئے ہیں میں نے استدراج کے سب مرحلے
چھوڑ کر جسم اب میں جان ارتقاء ہو جاؤں گا
صبح کاذب نے خلافت دی نبوت سے بدل
دوپہر ڈھلتے ہی میں پورا خدا ہو جاؤں گا
میرے باوا جان تھے تمہید عرض مدّعا
مدّعا بن کر میں ان کا بھی چچا ہو جاؤں گا
میں نے پیدا حال میں کی شان استقبال کی
موسویت کی میں شرح انتہاء ہو جاؤں گا
بھول سکتی ہے مجھے کیوں کر حدیث ’’خاسئین‘‘[۱]
جلد ہی میں اس خبر کا مبتداء ہو جاؤں گا

(مؤرخہ ۳۰/ستمبر ۱۹۱۷ء)

(۷) خلافت قادیانیہ

خدا[۲] آباد رکھے قادیاں کو پھر غنیمت ہے
کہ مضمون غیب سے کوئی نہ کوئی آ ہی جاتا ہے
بشیرالدین محمود اس دبستاں کے معلم ہیں
مقنع[۳] جس میں فرط عجز سے گردن جھکاتا ہے

(مؤرخہ یکم/ستمبر ۱۹۱۷ء)

۱؎ آیہ شریفہ ’’کونوا قردة خاسئین‘‘ (پھر وہ پھٹکارے ہوئے بندر بن گئے)

۲؎ کسی استاد کا شعر ہے:

خدا آباد رکھے لکھنؤ کو پھر غنیمت ہے
نظر کوئی نہ کوئی اچھی صورت آ ہی جاتی ہے

۳؎ مقنّع: نقاب پوش۔ مقنع ۱۵۹ھ میں خلیفہ مہدی کے زمانے میں خراسان میں نمودار ہوا۔ اس نے خدا ہونے کا دعویٰ کیا تھا۔ ہزاروں بے وقوف اس کے پیرو ہوگئے۔ اگرچہ ان میں بہت سے عالم وفاضل بھی تھے۔ جب اس نے کئی علاقوں پر قبضہ کر لیا تو خلیفہ مہدی نے اس کے خلاف فوج کشی کی وہ سیام کے قلعے میں محصور ہوگیا۔ جب ہر طرح سے مایوس ہوگیا تو اس نے اپنے بچوں اور بیویوں کو زہر کے پیالے پلا دیئے اور بہت سی لکڑیاں اکٹھی کر کے ایک بہت بڑا الاؤ بنایا۔ پھر اس میں آگ لگا دی اور اعلان کیا کہ میں اب اس آگ میں کود کر خدا کے پاس جا رہا ہوں۔ جو میرے ساتھ جانا چاہے وہ اس آگ میں کود پڑے۔ یہ کہہ کر مقنع آگ میں کود پڑا اور اس کے پیچھے اس کے سب ہمراہی بھی آگ میں کود کر جل مرے۔ مقنع نہایت بدشکل، پست قامت اور ایک آنکھ سے کانا تھا۔ اس نے اپنے چہرے پر سونے کا چہرہ چڑھا رکھا تھا۔ اس نے یہ حرکت غالباً عیب پوشی کے لئے کی تھی۔ لیکن بے وقوف لوگ اس کے جمال جہاں آرا کے شیدائی بن گئے۔ (نظیر)

(۸)انّا اعطیناک الکوثر

بنام آں کہ نامش احمدؐ آمد
بنام آں کہ جامش کوثر استے

بنام آں کہ نقش امتثالش
نگار آرائے امر وانحر استے

بنام آں کہ نسل دشمنانش
ھـو الاقـطـع برمزابتـراستے

بنام آں کہ نعلین شریفش
کلاہ صد ہزار اسکندر استے

بنام آں کہ چینی از جبیـنـش
رگ طاغوتیاں را خنجر استے

بنام آں کہ ما اسلامیاں را
بذاتش ناز وفخر بے مراستے

بگفتم صبح گاہاں موسیو[۱] را
ترا در قادیاں یک دفتر استے

ہماں پارینہ تقویمش شارم
کہ بارش زینت پشت خر استے

بگوش مارسد صوت حمیرش
کہ بابائے تو شان داد راستے

رسولؐ اللہ پیکر ہست و او روح
بدنیساں او نبیؐ را مظہر استے

ظہور او شود ظاہر ز قرآں
غلام احمد آب کوثر استے

تو خود انصاف فرما ایں چہ سوداست
کہ اہل قادیاں را در سراستے

نہالے کاشتی در گلشن ما
کہ شاخش چوں صنوبر بے براستے

تمتع یافتیم از نص قرآں
کہ مارا فارق خیر و شر استے

رسالت ختم شد بر مصطفائےؐ
کہ مارا آخریں پیغمبر استے

(اکتوبر ۱۹۱۷ء)

(۹) خدائے قادیاں اورزار روس

قادیاں کے ایک الہامی قصیدے میں کبھی
بندھ گیا تھا قافیے کی بندشوں میں نام زار

زار کی لفظی رعایت نے سمجھایا تھا یہ قول
زار بھی ہوگا تو ہوگا اس گھڑی باحال زار

اس[۲] گھڑی کا تھا یہ مطلب خود بقول میرزا
اور اس مطلب کی ہے تفسیر ان کا اشتہار

۱؎ موسیو میرزا بشیرالدین محمود۔

۲؎ میرزائے قادیان نے ایک قصیدے میں ایک زلزلے کی پیش گوئی کی تھی اوراس زلزلے کی ہلاکت خیزیاں بیان کرتے ہوئے کہا تھا کہ اس گھڑی زار روس بھی باحال زار ہوگا۔(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

آئے گا اک زلزلہ کانپے گی جس سے کائنات
جس کے ہچکولوں سے گھر گھر میں پڑے گا خلفشار
لیکن اس بھونچال کے آنے کی یہ بھی شرط تھی
سرمہ کش اس کی ہو خود ملہم کی چشم انتظار
اس کے جیتے جی تو یہ بجلی نہ گردوں سے گری
پھونکتی جو آدمی کا خرمن صبر و قرار
بعد مرون اتفاقاً چھڑ گئی جنگ فرنگ
رنگ لائی مدتوں میں گردش لیل و نہار
زار سے چھنوادیا قسمت نے اس کا تخت و تاج
کیونکہ قسمت کا نہیں دنیا میں کچھ بھی اعتبار
ڈھلتی پھرتی چھاؤں ہے دولت کسی کی ہے یہ کب
صبح کو وہ ہیں گدا جو شام تک تھے تاجدار
ہوتی آئی ہے کہ جو راجا تھے پرجا بن گئے
سنتے آئے ہیں کہ آقا ہوگئے خدمت گزار
حال اسی کو غیب کے اسرار کا معلوم ہے
بادشاہی اور گدائی پر ہے جس کا اختیار
لیکن ان باتوں سے مطلب قادیاں والوں کو کیا
جن کی منطق نے کیا دامان دانش تارتار
موسیو محمود کہتے ہیں کہ زار روس پر
ان کے ابّا کے قصیدے کی پڑی ہے آکے مار
کوئی ان حضرت سے پوچھے ہے گر ایسا ہی تو کیوں
آپ ولیم[1] کو نہیں دیتے گدی سے اتار
فرڈنینڈ[2] اس وقت تک کیوں صوفیہ میں ہے مقیم
آپ کیوں ڈھاتے نہیں اس کا بھی قصر زرنگار
زار کی تو آپ نے پہلے ہی دے دی تھی خبر
بلجیم[3] کا قادیاں نے کیوں نہ بانٹا اشتہار
مانٹی[4] نگرو کی نسبت کیا ہے ارشاد آپ کا
غیب دانی آپ کی اس کی ہوئی کیوں پردہ وار
اب اس ہذیان سے للہ دست کش ہوجایئے
ورنہ کھو بیٹھیں گے سب آپ اپنا جالوتی وقار

(مؤرخہ ۱۶/۱۱/اکتوبر ۱۹۱۷ء)

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ) یہ بھی شرط تھی کہ یہ پیش گوئی میرزا قادیانی کی زندگی میں ہی پوری ہوگی۔ لیکن میرزا قادیانی تو برسوں پہلے مرگئے۔ یہ پیش گوئی پوری نہ ہوئی۔ اتفاق سے پہلی جنگ عظیم کے بعد روس میں انقلاب پیدا ہوا۔ اس انقلاب میں زار مارا گیا۔ میرزائیوں کو یہ کہنے کا موقع مل گیا کہ میرزا کی پیش گوئی پوری ہوئی۔ حالاں کہ پیش گوئی زلزلے کی تھی۔ انقلاب روس کی نہ تھی۔ (نظیر)

۱؎ قصیر ولیم۔ شاہ جرمنی جو پہلی جنگ عظیم میں شامل تھا۔ (نظیر)

۲؎ فرڈنینڈ شاہ آسٹریا جو جرمنی کا حلیف اور جنگ میں شریک تھا۔ (نظیر)

۳؎ بلجیم پہلی جنگ عظیم میں بالکل تباہ ہوگیا تھا۔ (نظیر)

۴؎ یورپ کی اس ریاست کا نام ونشان ہی مٹ گیا ہے اور اپنے ساتھ سرویا کو بھی لے ڈوبی۔ (نظیر)

(۱۰)ذالک مبلغھم من العلم

دیا گیا ہمیں پیرایۂ ظرافت ہے
ملا جناب کو سرمایۂ سخافت ہے
ہے آپ کے لئے مسند مجددیت کی
مگر ہمارے لئے کرسئ صحافت ہے
مضاف الیہ جو امروہہ ہے تو آپ مضاف
بزیر چرخ بریں قادیاں اضافت ہے
اگر پیالہ ہے کبریٰ تو ہے سبو صغریٰ
وہ کہہ رہے ہیں کہ تجدید کی خلافت ہے
پیام صلح اِدھر ہے تو ہے اُدھر تشحیذ
نبی کی شرح کے حق میں ہر ایک آفت ہے

(مؤرخہ ۱۰/نومبر ۱۹۱۷ء)

(۱۱)انّ بعض الظن اثمٌ

''ستارہ صبح'' میں ایک دفعہ سہو کتابت سے ''انّ بعض الظن اثمٌ'' کے بجائے ''انّ بعد الظن اثمٌ'' چھپ گیا۔ قادیاں والوں کو ایسی باتیں خدا دے ''مولویت ظفر علی خان کی'' کا عنوان قائم کر کے ''الفضل'' نے وہ وہ ملاحیاں سنائیں کہ اللہ دے اور بندہ لے۔ ان گالیوں کا جواب نظم ذیل میں دیا گیا:

مولویت ظفر علی خاں کی
سرخی الفضل کی ہے یہ بانکی
حضرت میرزا بشیرالدین
جو ہیں تصویر شان یزداں کی
ہم قلم ''الصباح''[1] کے ہوکر
بن گئے شکل رعد وطوفاں کی
طعنہ دیتے ہیں سہو کا ہم کو
ہجو لکھ کر ہمارے نسیاں کی
کہ کہا ہم نے بعض کو کیوں بعد
مسخ کیوں ہم نے شکل قرآں کی
بات یہ ہے کہ آپ کے گھر سے
ہم کو نسبت ہے دست و داماں کی
ہم کو مشاطگی ازل سے ملی
آپ کے کاکُلِ پریشاں کی
گالیاں ہم کو اور دے لیں آپ
جس سے رونق ہو تازہ دکّاں کی
قادیاں کے بجائے ہم کو پناہ
ملی یثرب کے میرؐ ساماں کی
فخر اپنے گناہ پر ہے ہمیں
کہ ہے رحمت حجاب عصیاں کی
کل رفو ہوگا آپ وہ دامن
آج جو شکل ہے گریباں کی

(مؤرخہ ۱۳/ستمبر ۱۹۱۷ء)

[1] لاہور کا روزنامہ جس کے ایڈیٹر مولانا عبداللہ عمادی تھے۔

(۱۲) خاتم النّبیین ﷺ

خواجۂ ما محمدؐ عربی — لقبش خاتم النّبیین است
مصطفیٰؐ ماہ و امتش پرویں — ماہ رونق فزائے پروین است
عرب آغوش عالمے باشد — بستہ دامنش دل و دین است
مذہب قادیاں بہ کیش حجاز — در خور صد ہزار نفرین است
مسلم از سجدہ گنج ہا اندوخت — دولت او جبین سیمین است
نعمت حق بماشد ارزانی — شرع ما را شعار و آئین است
ہست اسلام خوشتریں انجام — خنک آنکس کہ عاقبت بین است
بادہ اش قند و شکر افشاں ہم — شور در جاں فگند و شیرین است
جو شد اندر خم حجاز ایں مے — جام ایں مے مگر جہاں بین است
پارہ اش پردرد مراقش را — جرعہ اش ریزش لب چیں است
تو زینساں توقع یا داری — گوہر ما ز کان یاسین است

(مؤرخہ ۱۸؍نومبر ۱۹۱۷ء)

(۱۳) پیغام جنگ

کہہ دو یہ قادیاں کے نبی سے کہ خوش نہ ہو — دن رات شاد کام ہیں ناکامیوں میں ہم
امت رسولؐ کی ہیں امانت خدا کی ہیں — ہیں جنت النعیم کے انعامیوں میں ہم
بت خانۂ ممات کے ناقوسیوں میں تو — اور کعبۂ حیات کے احرامیوں میں ہم
سودائے شرع کی سر شوریدہ کی نوید — دیکھیں گے پختگی کو انہیں خامیوں میں ہم
اسلام امتیاز نسب کا حریف ہے — کیا کم ہے یہ شرف کہ ہیں اسلامیوں میں ہم
ہندوستاں عرب کے گھرانے میں شریک ہے — کل آریا تھے آج ملے سامیوں میں ہم
دنیا میں ہے بلند ہمارے نبیؐ کا نام — خود گرچہ ہیں مٹے ہوئے ناکامیوں میں ہم
گردش میں جام مصطفویؐ حشر تک رہے — کچھ کرکے نام جائیں مے آشامیوں میں ہم
طاغوتیوں سے جنگ تو یزدانیوں سے صلح — ہیں جنگ اور صلح کے پیغامیوں میں ہم

(۱۴)لیس کمثلہٖ شئٌ کی قادیانی شرح

معنیٔ لیـــــس کـــمثـلــــہ آپ ہیں
یعنی آپ اللہ میاں کے باپ ہیں

عرش کو جس نے کیا ہے پے سپر
آپ اسی گھوڑے کی برقی ٹاپ ہیں

جو سبق بھی دے دیا طاغوت نے
موسیو محمود دیتے چھاپ ہیں

قادیاں ہے چشمۂ آب حمیم
باپ پانی تھے تو بیٹے بھاپ ہیں

جو شجر ہے فتنۃ للعالمین
اصل اس کی درحقیقت آپ ہیں

فاتبعہٗ کی انگیٹھی گرم ہے
آگ اس کی آپ لیتے تاپ ہیں

دجل کا کنٹوپ دے گا کام کیا
ہر طرف سے پڑ رہے کنٹاپ ہیں

دیکھئے ملتی ہے کب ان سے نجات
اور کب کٹتے ہمارے پاپ ہیں

(ستمبر۱۹۱۷ء)

(۱۵)دور جاہلیت کی یاد

زندان کی تنہائی میں مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی پرانی گنہگاری اس طرح گنگناتی ہوئی سنی گئی اور سننے والے سر دھنتے ہوئے دیکھے گئے:

بتان قادیاں اس واسطے مجھ پر بگڑتے ہیں
کہ دور جاہلیت میں مرا دل ان پہ مائل تھا

زکوۃ حسن دینے میں ذرا وہ بخل کرتے تھے
مگر میں بے لئے ٹلتا نہ تھا ایسا ہی سائل تھا

پیمبر زادگی ان کی مرے آڑے تو آتی تھی
مگر میں اس نبوت کا نہ قائل ہوں نہ قائل تھا

میں رندلم یزل ہوں اس کی کچھ پروا نہ تھی مجھ کو
کہ ان کے اور میرے درمیاں اسلام حائل تھا

وہ ٹھکراتے رہے اپنے سرپا سے مجھے لیکن
مرا ہاتھ ان کی نور افروز گردن میں حمائل تھا

نگاہ رشک سے دیکھا مجھے ''الفضل'' نے برسوں
میں ان کے ابروئے خمدار کے خنجر کا گھائل تھا

انہیں ہے قادیاں میں آج کل دعویٰ خدائی کا
بتوں کی اس خدائی کا میں پہلے ہی سے قائل تھا

(مؤرخہ۱۴؍جولائی۱۹۲۰ء)

(۱۶) پیغمبر قادیاں کا برزخی ترانہ

تکمیل عمر بھر مرے القاب کی نہ ہو
ان پر اگر اضافۂ سی آئی ڈی نہ ہو

بغداد[۱] کے سقوط کا قصہ ہے ناتمام
جب تک کہ اس میں درج مری ڈائری نہ ہو

ہنستا ہے میرے حال پہ ظالم ابوالوفا[۲]
ڈرتا ہوں میں کہیں یہ قضا کی ہنسی نہ ہو

مارا کسی نے شملے سے میرے جگر میں تیر
لاہور کا کہیں یہ محمد[۳] علی نہ ہو

میری[۴] بلا سے مکہ لٹے کربلا لٹے
چندے سے ہے غرض مجھے اس میں کمی نہ ہو

یہ کس کتاب میں ہے کہ خیرالبشر کے بعد
ہرگز کسی کو دعویٰ پیغمبری نہ ہو

کیا مصطفیٰ کے بعد نہ آیا مسیلمہ
پھر قادیاں میں کس لئے مجھ سا نبی نہ ہو

اس اخرجوا الیہود کا قائل نہیں ہوں میں
برطانیہ سے جس کی سند مل چکی نہ ہو

پیش نظر اگر ہے خلافت کی کانٹ چھانٹ
پھر قادیاں ہی کس لئے کنٹر بری نہ ہو

جس کے ثمر مرے لئے اس درجہ تلخ ہوں
اسلام کی وہ شاخ خدایا ہری نہ ہو

(مؤرخہ ۲۲/جولائی ۱۹۲۰ء)

۱؎ سقوط بغداد: پہلی جنگ عظیم کے دوران میں جب انگریزوں نے ترکوں سے عراق چھین لیا تو قادیاں نے مسرت کا اظہار کیا تھا۔ شعر میں اسی حقیقت کی طرف اشارہ ہے۔ (نظیر)

۲؎ ابوالوفا مولوی ثناءاللہ امرتسری ایڈیٹر اہل حدیث مرزا قادیاں نے جن کی موت کی پیش گوئی کی تھی جو غلط نکلی اور مولانا ثناءاللہ کا انتقال مرزا کی موت سے ربع صدی بعد ہوا۔ شعر میں اسی پیش گوئی کی طرف اشارہ ہے۔ (نظیر)

۳؎ مولوی محمد علی۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی مرزائیوں کی لاہوری جماعت کے امیر تھے۔ ان سے قادیاں کی چپقلش رہتی تھی۔ (نظیر)

۴؎ پہلی جنگ عظیم کے بعد ممالک ترک وعرب پر اتحادیوں نے قبضہ کرلیا تھا اور بعض مقامات مقدسہ کی بے حرمتی کی گئی تھی۔ شعر میں اسی حقیقت کی طرف اشارہ ہے۔ (نظیر)

(۱۷) خلیفہ قادیان لندن میں

عناد اور بغض کی تصویر بن کر
گئے لندن بشیرالدین محمود
یہ مقصد آپ کا ہے اس سفر سے
کہ سرحد پر بچھا دی جائے بارود
دکھائے یورپ آکر اسی کو بتّی
جہنم کی لپٹ جس میں ہو موجود
یہ ساری سرزمیں پھر بھک سے اڑ جائے
اور افغانوں کی جمعیّت ہو نابود
کوئی اس دین کے دشمن کو سمجھائے
کہ ساری کوششیں تیری ہیں بے سود
بھلا برطانیہ کو کیا پڑی ہے
کہ دوزخ میں تیری خاطر پڑے کود
ہے تو بھی کیا کسی کرنیل کی میم
بھگا کر لے گئے ہوں جس کو مسعود
(۱۹۲۵ء)

(۱۸) قادیان کا صلیبی کعبہ

سورج سے بھی رخشندہ تر اک مطلع روشن کہوں
الحمد ﷲ الذی لم یتخذ ولدا کہوں
''جاتی'' ہے پٹڑی ریل کی کانٹا ہیں جس کا مالوی
اور سوامی شردھانند کو اس ریل کا انجن کہوں
فطرت میں جس کی رچ گئی اسلامیوں کی دشمنی
پھر کیوں نہ اس بدبخت کو اس دیش کا دشمن کہوں
پیروں کی خلوت گاہ پر پڑ جائے گر میری نظر
زانوئے فکر پیر کو میں کوک کا آسن کہوں
قابیں چنی جانے لگیں تنظیم اور تبلیغ کی
کچلو کی چٹنی کا بدل نیرنگ کا چورن کہوں
دوں نام کیا کیا قادیاں تیرے صلیبی کعبہ کو
روما کہوں برلن کہوں پیرس کہوں لندن کہوں
(بہارستان ص۵۱۹، مؤرخہ ۱۸؍جولائی ۱۹۲۶ء)

(۱۹) حدیث قادیاں (رواہ بخاری)

حقیقت قادیاں کی پوچھ لیجئے ابن جوزی سے
نکوکاری کے پردے میں سیہ کاری کا حیلہ ہے
یہ وہ تلبیس ہے ابلیس کو خود ناز ہے جس پر
مسلمانوں کو اس رندے اچھی طرح چھیلا ہے
پلی ہے مغربی تہذیب کے آغوش عشرت میں
نبوت بھی رسیلی ہے پیمبر بھی رسیلا ہے
نصاریٰ کی رضاجوئی ہے مقصد اس نبوت کا
اور ابطال جہاد انجاح مقصد کا وسیلا ہے
بیاس اور اس کی موجیں آئے دن کرتی ہیں غمازی
کہ پوتا قادیان کے رب اکبر کا رنگیلا ہے
(مؤرخہ ۱۷؍جون ۱۹۲۹ء)

(۲۰) قادیانی پراپے گنڈا

اپنی جیبوں سے رہیں سارے نمازی ہشیار
کچھ یہود آتے ہیں وہ جون کو چندے کے لئے

شاہ برطانیہ کی سالگرہ ہے اس دن
یہ اشارہ ہے ہر اللہ کے بندے کے لئے

گردن امت مرحوم کو پھر تاکا ہے
نام توحید پہ تثلیث کے پھندے کے لئے

قادیاں کو غرض اسلام کی تبلیغ سے کیا
یہ تگ ودو ہے فقط پیٹ کے دھندے کے لئے

اب بھی کیا دیجئے گا چندہ بشیرالدین کو
شیرمال اور کباب اور پسندے کے لئے

(مؤرخہ ۳۰/مئی ۱۹۲۹ء)

(۲۱) ایمان کا بھاؤ

گھر بھرا انگریز کا لندن میں دیکھ آیا ہے تو
چل کے دہلی میں ہماری خانہ ویرانی بھی دیکھ

تیج کے صفحوں پر کرگپتا کی پھلواڑی کی سیر
''الاماں'' میں مظہرالدینی گل افشانی بھی دیکھ

اس سے سن لے طنعہ ہائے دل فگاروجاں خراش
اور پھر اس کی گالیوں کی شان عریانی بھی دیکھ

ہندو و مسلم کے ''جوہر'' کھل گئے پیتے ہی چائے
اس کی دانائی تو دیکھی اس کی نادانی بھی دیکھ

تو نے دیکھا ہے کہ تھا بے حد گراں ایماں کا بھاؤ
ہم نشیں آج اس کی بے اندازہ ارزانی بھی دیکھ

بھائی پرمانند جی کی بس بھری پوتھی کے ساتھ
قادیاں کے میرزا جی کی مسلمانی بھی دیکھ

سن لیا تونے کنول کا خندۂ بستاں فروز
لالہ زار ہند میں نرگس کی حیرانی بھی دیکھ

اے کہ تو نے دیکھ لی ہے بچۂ سقا کی مشک
آنکھ کھول اور اس میں استعمار کا پانی بھی دیکھ

دیکھ لیں اپنے تمدن کی نگار آرائیاں
آدمیت سوزی تہذیب نصرانی بھی دیکھ

(مؤرخہ یکم/جون ۱۹۲۹ء)

(۲۲) مادیان قادیان

چیت ہوئی مذہب کی کوڑی اور کبھی پٹ ہوگئی
اک ہوا ایسی چلی داڑھی صفا چٹ ہوگئی

ہو نہیں سکتا کہ راج اس دیس کا چوپٹ نہ ہو
راج ہٹ سے جس میں تریاہٹ کی کھٹ پٹ ہوگئی

ٹاٹ مغرب میں گیا سرمایہ داری کا الٹ
کھاٹ مزدوروں کی مشرق میں چھپرکھٹ ہوگئی

بسکہ رگڑی سو برس تک ٹوڈیوں نے اس پہ ناک ‌ ‌ بے نشاں سرکار کے بنگلے کی چوکھٹ ہوگئی
ٹیڑھیاں گر وہ سناتے ہیں تو یہ تہذیب ہے ‌ ‌ کانگرس نے بات سیدھی کی تو منہ پھٹ ہوگئی
دختر زر گرچہ پہلے بھی غضب کی تھی شریر ‌ ‌ پڑ کے بھولا رام کے گھر اور نٹ کھٹ ہوگئی
تیز تھی پہلے ہی کیا کم قادیاں کی مادیاں ‌ ‌ ایڑ ارون کا بتانا تھا کہ فروٹ ہوگئی
قید سے جس دن رہا ہوں گے اسیران فرنگ ‌ ‌ دیکھ لینا تم کہ صلح اپنوں میں جھٹ پٹ ہوگئی
میری پھلواڑی میں لالہ بھی ہے نافرماں بھی ہے ‌ ‌ جس سے آرائش چمن کی تابہ سلہٹ ہوگئی

(مؤرخہ ۲۵/دسمبر ۱۹۳۰ء گجرات جیل)

(۲۳) الحذر

تم اپنے جبر پہ نازاں ہو وقت سے پہلے ‌ ‌ ہمارے صبر کی افتاد ناگہاں سے بچو
بچا لیا تمہیں توپوں نے اور تفنگوں نے ‌ ‌ مزا تو جب ہے کہ مظلوم کی فغاں سے بچو
خدا نے تم کو بصیرت اگر عطا کی ہے ‌ ‌ تو قادیانیوں کے تیر بے کماں سے بچو
دمشقیوں[1] سے خطرناک تر ہے اندلسی ‌ ‌ گر ان کی ایں سے بچے ہو تو ان کی آں سے بچو
جو بات بات میں تم کو حرام زادہ کہے ‌ ‌ ہر ایسے سفلۂ بداصل وبدزباں سے بچو
بچو فرنگ کے حیلوں کی بے پناہی سے ‌ ‌ اسی طریق سے جیسے ہو قادیاں سے بچو
نہ لاؤ دل میں وہ ظن جس سے شرع منع کرے ‌ ‌ گناہ جس میں ہو پوشیدہ اس گماں سے بچو
پیام دے کوئی احباب کو یہ جا کے مرا ‌ ‌ کہ جس میں پورے نہ اترو اس امتحان سے بچو
نہیں ہے خون شہید اس لئے کہ مفت بہے ‌ ‌ خدا کے واسطے ایثار رائیگاں سے بچو
بچو خدا کے غضب سے تو ایک بات بھی ہے ‌ ‌ یہ کیا یہ خطرۂ خشم خدائیگاں سے بچو
نبیؐ کی غصے میں ڈوبی ہوئی نگہ سے ڈرو ‌ ‌ عتاب حضرت آقائےؐ دوجہاں سے بچو
حذر ہیں اور بھی واجب مگر کہاں تک میں ‌ ‌ بتائے جاؤں یہ تم کو فلاں فلاں سے بچو

(مؤرخہ ۱۰/دسمبر ۱۹۳۱ء)

۱؎ ایک زمانے میں بنی امیہ کی دو خلافتیں تھیں۔ ایک دمشق میں دوسری اندلس میں۔ مولانا ظفر علی خان قادیانیوں کی قادیانی ''خلافت'' کو دمشقی اور لاہوری ''خلافت'' کو اندلسی کہتے ہیں۔ (نظیر لدھیانوی)

(۲۴) درس آزادی

خمیر مایۂ مسلم خدا نے
اٹھایا ہے عرب کی آب و گل سے
نبیؐ نے درس آزادی دیا ہے
نہیں ہم نے سبق سیکھا یہ مل سے
نہیں اسلام وہ دھنیا کہ پس جائے
مسیحیت کے بٹے اور سل سے
منافق کی محبت ہے زبانی
جو مومن ہے ملا کرتا ہے دل سے
کبھی تھا قادیاں کا ناک میں دم
ہمارے حملہ ہائے جاں گسل سے
اب ایسا انقلاب آیا جہاں میں
یہ چوہا بھی نکل آیا ہے بل سے
بہت جلد اس بلا کو ٹال دے گا
خدا خود اپنے فضل مستقل سے
اسی کی آنکھ ہے یہ جس کا جادو
ہمالہ کو چھپا لیتا ہے تل سے

(مؤرخہ ۱۰/جون ۱۹۲۹ء)

(۲۵) چراغ تلے اندھیرا

شمعؔ[1] کابل کی بجھ گئی جس رات
قادیاں میں چراغ گھی کے جلے
موسیو میرزا بشیرالدین
سجدہ کرنے کلیسا کو چلے
مغربیت ہے آپ کی انّا
دودھ پی پی کے جب کا آپ پلے
زندہ کیوں رہ گیا امان اللہ
موسیو اس سوال سے نہ ٹلے
جان بچا کر نکل گیا اسلام
کف افسوس کفر کیوں نہ ملے
کیوں نہ ''نقاشؔ[2]'' پر وہ جھنجلائیں
ان کی چھاتی پہ جس نے مونگ دلے
وہ ہے اوپر تو قادیاں نیچے
کیوں اندھیرا نہ ہو چراغ تلے

(مؤرخہ ۱۱/جولائی ۱۹۲۹ء)

[1] کابل میں شاہ امان اللہ خاں کے دور حکومت میں علمائے شرع اسلامیہ نے ایک قادیانی مبلغ نعمت اللہ کو سنگ سار کرادیا تھا۔ اس لئے اہل قادیان غازی امان اللہ خاں کے دشمن تھے۔ جب غازی امان اللہ خاں کی حکومت کو زوال آیا تو قادیانیوں نے خوشی کی تقریب منائی۔ شعر میں اسی حقیقت کی طرف اشارہ ہے۔ (نظیر)

[2] نقاش: مولانا ظفر علی خاں کا قلمی نام تھا۔ انہوں نے اخبار میں بعض فکاہی نظمیں اور مضامین نقاش کے نام سے لکھے تھے۔ (نظیر)

(۲۶)خنجر قادیان

حاجی محمد حسین سرعسکر رضا کارانِ اسلام بٹالہ ضلع گورداسپور ایک مخلص اور پرجوش مسلمان نوجوان تھے، جنہیں ۲۳/اپریل ۱۹۳۰ء کو ایک قادیانی محمد علی نے خنجر مار کر شہید کر دیا۔ موسیو میرزا بشیرالدین محمود نے قاتل کو غازی کا خطاب دیا۔ پریوی کونسل تک اس کے لئے لڑے۔ آخر قاتک کیفر کردار کو پہنچا اور پھانسی لٹکایا گیا۔ میرزا محمود نے اس کے جنازے کو کندھا دیا۔ اس کی نماز جنازہ پڑھائی اور اسے ''بہشتی مقبرہ[۱]'' میں دفنایا۔ یہ نظم اسی واقعے کی یادگار ہے۔

شہیدوں کا خوں رنگ لایا کرے گا — نشاں ظالموں کا مٹایا کرے گا
کہاں تک مسلماں کے قاتل کو شیطاں — خدا کے غضب سے بچایا کرے گا
بٹالہ میں اسلام کا زور بازو — حریفوں کے چھکّے چھڑایا کرے گا
دکھایا کرے گا جلال محمدؐ — علَم قادیاں کا جھکایا کرے گا
راہ حق میں او مٹنے والے ترا غم — ہمیں خوں کے آنسو رلایا کرے گا

(۲۷)اسرار دربار قادیاں

خدا شرمائے اس ظالم ثناء اللہ کو جس نے — نہ چھوڑا قبر میں بھی قادیانیت کے بانی کو
خدا نے عقد خود باندھا تھا جس کا اپنے باوا[۲] سے — اڑا کر لے گئے غیر اس عروس[۳] آسمانی کو
نشاط افروزیاں رود بیاس اور اس کے ساحل کی — دوبالا آئے دن کرتی ہیں لطف زندگانی کو
دبستانوں میں درس مشی فی النوم آج ملتا ہے — شبستانوں میں دہراتے ہیں اس رنگین کہانی کو
بخاری نے جسے تاکا تھا دور جاہلیت میں — وہ شان کودکی پہنچی ہے اب اپنی جوانی کو
''وفاداری بشرط استواری اصل ایمان ہے — مرے گر کعبہ میں لندن میں گاڑو قادیانی کو
مرے تخیل کی جولانیاں بھی دیکھتے جانا — اگر دیکھا تو کیا دیکھا سمندر کی روانی کو

(مدراس مؤرخہ ۱۵/جولائی ۱۹۳۱ء)

۱؎ میرزائے قادیاں نے ''مدینہ معظمہ ومنورہ کے قبرستان جنت البقیع'' کے جواب میں قادیاں میں ''بہشتی مقبرہ'' بنایا تھا۔ وہاں دفن ہونے والوں سے بڑی بڑی رقوم وصول کی جاتی تھیں اور انہیں بہشتی ہونے کی سندیں دی جاتی تھیں۔ (نظیر لدھیانوی)

۲؎ ''انا منک وانت منّی بمنزلة اولادی''
(مرزا غلام احمد متنبّی قادیاں کا الہام (اربعین نمبر۴ ص۲۰ حاشیہ، خزائن ج۱۷ ص۴۵۲)

۳؎ محمدی بیگم کے متعلق مرزا غلام احمد قادیانی نے کہا تھا کہ: ''میرا اس سے آسمان پر نکاح ہو چکا ہے۔'' (آسمانی فیصلہ ٹائٹل پیج نمبر۳، خزائن ج۴ ص۳۵۰) مگر زمین پر یہ نکاح عمر بھر نہ ہوا۔ (نظیر لدھیانوی)

(۲۸) سید عطاء اللہ شاہ بخاری اور ان کے دیرینہ منظور نظر

کس ناز سے فرماتے ہیں ''الفضل'' میں محمود
اسلام کا دشمن ہے یہ کم بخت بخاری
بھیجا یہ بخاری نے ''زمیندار'' کو پیغام
معشوق جو پیارا ہے تو گالی بھی ہے پیاری

(۲۹) علمائے امت سے شکوہ

خدارا آنکھ کھول اور دیکھ تو اے ملت بیضا
کہ تیری کیا روش ہے اور ہے کیا رفتار دنیا کی
ادھر دنیا ومافیہا سے تو اس وقت تک غافل
ادھر اسلام پر برسوں سے پیہم یورش اعداء کی
کھلانا چاہتے ہیں دشمنان کعبہ مسعیٰ میں
جولبرل کو کبھی پولو تو ٹوری کو کبھی ہاکی
بشیرالدین محمود اٹھ کے پھیلاتا ہے بے کھٹکے
فرنگستاں کے سائے میں خرافات اپنے باوا کی
چھپے ہیں سو[۱] حسینؓ ابن علیؓ جس کے گریباں میں
رسائی جس کی منزل تک نہیں ہوتی مسیحا[۲] کی
تمسخر رب[۳] اکبر سے تلعب دین برحق سے
کہاں تک بڑھ گئی اس دشمن ایماں کی بے باکی
محمدؐ سے خطاء ممکن مگر بے عیب ذات اس کی
خدایا تو کہاں ہے کیا ہوئی تیری غضبناکی
کبھی حج ہوگیا ساقط کبھی قید جہاد اٹھی
شریعت قادیاں کی ہے رضا جوئی نصاریٰ کی
قیامت بن چلا یہ فتنہ اور خاموش بیٹھے ہو
نہیں اے عالمان دین، میں تم سے بے سبب شاکی

(۳۰) خدا کے بے آواز لاٹھی

سدر لینڈ اور اس کا ظلم اگر نابود ہوجائے
تو کشمیری مسلمانوں کا دل خوشنود ہوجائے
مسلماں کو ملا کر خاک میں کیا اس کی خواہش ہے
کہ ذرہ ذرہ اس اقلیم کا بارود ہوجائے
کوئی ان ناخداترسوں سے پوچھے کیا قیامت ہے
کہ بچپن تک کا پیراہن بھی خون آلود ہوجائے
بخاری کی زبان سے گر حدیث قادیاں سن لو
عجب کیا ہے تمہاری عاقبت ''محمود'' ہوجائے
خدا کی شان ہے اک ریزہ چیں خوان نصاریٰ کا
گدائی کرتے کرتے مہدی موعود ہوجائے
نکالا جائے گر کشمیر سے ہر قادیانی کو
تو باب فتنہ اپنے آپ ہی مسدود ہوجائے
شہیدان وطن کے خون ناحق کے تصدق میں
عجب کیا ہے غلامی کا نشاں مفقود ہوجائے

۱؎ ''صد حسین است درگریبانم'' (نزول المسیح ص۹۹، خزائن ج۱۸ ص۴۷۷)
۲؎ ''عیسیٰ کجاست تا بہ نہد پا بمنبرم'' (ازالہ اوہام ص۱۵۸، خزائن ج۳ ص۱۸۰)
۳؎ ''الارض والسماء معک کما ھو معی'' (غلام احمد قادیانی کا الہام تذکرہ طبع سوم ص۶۵)

خداوندا مسلمانوں کے رسوا کرنے والوں میں
کوئی مخذول ہوجائے کوئی مطرود ہوجائے
خدا کے بھولنے والوں کا حشر اس وقت کیا ہوگا
وہ لاٹھی جو ہے بے آواز اگر موجود ہوجائے

(بہارستان ص۲۹۸، مؤرخہ ۲۰/اکتوبر ۱۹۳۱ء)

(۳۱) قادیانی خرافات

آسماں پر یوسف نجار کا بیٹا کہاں
کیا دھرا اس نیلے نیلے گنبد بے ور میں ہے
آ بسا تھا بھاگ کر کنعاں سے وہ کشمیر میں
آخری اس کا ٹھکانا بھی اسی کشور میں ہے
عیسیٰ مریمؑ کی اس توہین کا سودائے خام
ایک مدت سے سمایا قادیاں کے سر میں ہے
چھپ رہے ہیں جس کے اندر محشرستاں سینکڑوں
اے مسلمانو وہ فتنہ خود تمہارے گھر میں ہے
جس کی زد میں آچکا ہے خرمن دین مبین
وہ صلیب افروز چنگاری اسیٔ مجمر میں ہے
آج انصاف اس ستم کا جو ہوا اسلام پر
دست ربّ کعبہ میں یا دست پیمبر میں ہے
جن پچاس الماریوں پر تھا غلام احمد کو ناز
حشر ان کا کاتب تقدیر کے دفتر میں ہے
موسیو ''الفضل'' کی ڈھولک بجالے شوق سے
خیر کی رونق کا ساماں ہی ہجوم شہر میں ہے
ہم کو ان آتش زنوں ہیزم کشوں سے ڈر نہیں
نور ابراہیمؑ چمکا شعلہ آزر میں ہے
رک نہیں سکتی مرے خامے کی لاہوتی اڑان
طاقت جبریل جب تک اس کے بال و پر میں ہے

(مؤرخہ ۲۱/اکتوبر ۱۹۳۰ء)

(۳۲) قادیان کے لئے فنا کا پیغام

میں ترے واسطے پیغام بقا لایا ہوں
اور اسے کشتی ایماں میں لگا لایا ہوں
میں ترے سر کے لئے گنبد خضرا جاکر
کلہ سایۂ شاہ دوسراؐ لایا ہوں
تیری تاریخ کے اوراق کی زینت کے لئے
بدر سے سرخی خون شہدا لایا ہوں
احتیاطاً ترے لشکر کی کمک کے لئے میں
عرش اعظم سے فرشتوں کو بلا لایا ہوں
موج توحید کی طغانیوں میں کفر کا ٹھاٹھ
خس وخاشاک کی مانند بہا لایا ہوں
قادیاں کے لئے لایا ہوں فنا کا پیغام
اور ترے واسطے فرمان بقا لایا ہوں

(بہارستان ص۶۱ لاہور مؤرخہ ۴/نومبر ۱۹۳۱ء)

(۳۳) اسلام اور فقط اسلام

عجب انصاف ہے کالے کی تو گردن جھک جائے
لیکن اونچا رہے ہر حال میں سر گورے کا
ہم تو سمجھے تھے کہ یہ خطہ ہے کالوں کا وطن
آپ کہتے ہیں کہ کشمیر ہے گھر گورے کا
سر ہری سنگھ سمجھ لیں کہ اکھڑنا ہے محال
جم گیا آ کے یہاں پاؤں اگر گورے کا
قادیانی جو اڑے پھرتے ہیں ان کا کیا ہے
بال گورے کا رواں گورے کا پر گورے کا
فقط اسلام ہی دنیا میں ہے طاقت ایسی
ناطقہ بند جو کرسکتی ہے ہر گورے کا
اسی اللہ کے بندے کو مسلماں سمجھو
ڈوگرے کا ہو جسے خوف نہ ڈر گورے کا

(لاہور مؤرخہ ۱۳/نومبر ۱۹۳۱ء)

(۳۴) قادیان کا ہیکل

اہل نظر نے دیکھے اسلام کے کرشمے
پہنچے اسمبلی میں خالد لطیف گابا
سرکار کا سہارا کچھ بھی نہ کام آیا
کھا کر شکست نکلے حاجی رحیم بابا
ان کی مدد کو دوڑا وہ قادیاں کا ہیکل
فتنوں کی آگ جس میں پجتی ہے بے محابا
جن ان کے ووٹ سے بھی مشکل نہ ہوسکی حل
حاجی نے حسرتوں کا بستہ بغل میں دابا

(نگارستان ص۲۷۱ لاہور مؤرخہ ۱۶/نومبر ۱۹۳۴ء)

(۳۵) قادیانی اینٹ کا جواب بوقبیسی پتھر

قادیانیوں کے ترجمان ''الفضل'' مؤرخہ ۷/نومبر ۱۹۲۱ء میں ایک شاعر نے مولانا ظفر علی خاں مرحوم کو یوں مخاطب کیا تھا:

بری طرح قادیاں کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں ظفر علی خاں
سمجھ پہ کیوں پڑ گئے ہیں پتھر یہ کیسے فتنے اٹھا رہے ہیں
جناب محمود کو برا کہہ کے کیا ملے گا سوائے ذلت
یہی نہ جو کچھ رہی تھی عزت اسے بھی دل سے گنوا رہے ہیں
وہ اپنی مسجد الگ چنیں گے ہزار دنیا بنے مخالف
انہیں یہ ضد ہے کہ کیوں مسلمان ایک مرکز پہ آ رہے ہیں
نفاق کی آندھیوں سے اک دن مٹا کے رکھ دیں گے قصر مسلم
کسی کو ملحد بنا رہے ہیں کسی کو کافر بنا رہے ہیں
وہ کانگرس پر فدا کریں گے رسولؐ مقبول کی شریعت
وہ اپنے کاندھوں پہ آج اسلام کا جنازہ اٹھا رہے ہیں
وہ کانگرس جس کا مقصد اوّلین مٹانا ہے نام مسلم
اسی کی حرمت پہ کٹ رہے ہیں اسی کی عزت بڑھا رہے ہیں
بڑے بڑے کانگرس کے ہندو ہیں آج مسلم کے خوں کے پیاسے
یہ گیت ہندو کا گا رہے ہیں یہ الٹی گنگا بہا رہے ہیں

مولانا ظفر علی خاں نے ان اشعار کا جواب یوں ارشاد فرمایا:

یہ فتنہ پرداز قادیانی نئے نئے گل کھلا رہے ہیں
ادھر رقیبوں سے مل رہے ہیں ادھر ہمارے گھر آ رہے ہیں
منافقوں کی یہ ہے نشانی، زبان پہ دیں ہو تو کفر دل میں
اسی نشانی سے قادیانی تعارف اپنا کرا رہے ہیں
یہ ہمہمے سیرت النبی کے یہ زمزمے عشق مصطفیٰ کے
جنہیں سمجھتے ہیں دل سے کافر انہیں کو گھر گھر سنا رہے ہیں
رسول مقبول کی شریعت کے نام پر دیں ہمیں نہ دھوکا
اسی شریعت کی آڑ لے کر وہ سب کو الّو بنا رہے ہیں
پڑا ہے چندے کا جب سے پھندا گلے میں ان قادیانیوں کے
ہمارے ہی گھر سے بھک لے کر ہمی کو آنکھیں دکھا رہے ہیں
خبر پیغمبر نے جس کی دی تھی وہ فتنہ اٹھا ہے قادیانی سے
خلیفہ محمود قادیانی اسے قیامت بنا رہے ہیں
ظفر علی خاں کی آبرو پر نہ حرف آیا نہ آسکے گا
خدا نے جب دی ہے اس کو عزت تو آپ کیوں تلملا رہے ہیں
وہ کانگرس کا ہے گرچہ حامی خدا نہیں لیکن اس کا ٹامی
یہ وہ خدا ہے کہ قادیانی گن اس کے دن رات گا رہے ہیں

(مؤرخہ ۳۰/نومبر ۱۹۳۱ء)

(۳۶) تہذیب نو کے ابلقی جلوے

کان والو انکرالاصوات ہے صوت الحمیر
گر یہ ڈھیچوں ڈھیچوں سننی ہو تو جاؤ قادیاں
عیسیٰ مریمؑ کو گالی قادیاں دے لے مگر
یاد رکھے اس کی بھی ہیں نانیاں اور دادیاں
ملت بیضاء کے اجڑے گھر کی رونق ہوگئیں
امت پاپا کی تو برتو ستم ایجادیاں
ضبطیوں پر ضبطیاں ہیں قرقیوں پر قرقیاں
رونقیں تہذیب نو کی ہیں یہ مغرب زادیاں
ہونے والی ہے بلند آواز داروگیر کی
پھر طرارے ابھرنے والی ہے یہ ابلق مادیاں
کردیا خون شہادت سے زمین کو لالہ رنگ
یوں ہی ملتی آتی ہیں اسلام کو آزادیاں

(مؤرخہ ۲/دسمبر ۱۹۳۱ء)

(۳۷) منارہ قادیاں

شائگاں گنجے کہ عمر رائیگاں را حاصل است
قطرۂ خون امید ستے کہ ہنگامش دل است
دیدۂ منارہ برسر زمین قادیاں
آں کہ بنیادش زخشت اوّلین بابل است
باش تابینی کہ خاکش در جہاں برباد رفت
قادیان دنیائے سفلی است وخاکش سافل است

(مؤرخہ ۱۵/ستمبر ۱۹۳۱ء)

(۳۸) شرح تقصیر

ہو رہی ہیں برکتیں نازل نئے آئین کی
مل رہی ہے خاک میں عزت نبیؐ کے دین کی

باپ لندن، شملہ بیٹا، قادیاں روح القدس
اے مسلمانو! یہی تفسیر ہے والتین کی

قادیاں زادوں کے آگے آج کل پنجاب میں
عیسیٰ مریمؑ کی چلتی ہے نہ الیاسین کی

آج وہ جاہل بھی کہلاتے ہیں ''سلطان القلم''
چھین لی صحت زبان نے جن سے قاف اور شین کی

کل بنے پھرتے تھے جو اپنے زمانے کے نبی
آج چادر ان کے مرقد پر چڑھی سجین کی

بن گئے کافر مسلماں، مٹ گئی رسم جہاد
عاقبت محمود ہے بے شک بشیرالدین کی

منکر ختم نبوت پر ہوا کیوں طعنہ زن
ہے یہی سب سے بڑی تقصیر مجھ مسکین کی

(مؤرخہ۱۹/اپریل۱۹۳۲ء عدالت فوجداری لاہور)

(۳۹) ہیکل قادیاں

(یہ نظم ''شرک واسلام'' کے عنوان سے بھی چھپی تھی)

ہم مسلماں ہیں ازل سے شرک ہے جن کا حریف
قادیاں کا اس میں ہیکل ہو کہ متھرا کا دیر

بولہب کی شان ہو یا ہو غلام احمد کی آن
ملت بیضا کے ساتھ ان کا ہے پہلے دن سے بیر

ہم نے ان کے ساتھ نیکی کی انہوں نے کی بدی
اور کر سکتے تھے کیا اسلام سے برتاؤ غیر

تیر مونجے کا کبھی دل میں ترازو ہو گیا
اور کبھی سنگین چرچل کی گئی پہلو میں پیر

مشرق ومغرب کے احساں ہیں ہمارے سینے پر
اس کے نیزوں کے کچوکے اس کی بندوقوں کے فیر

خواجۂ دہلی کو جا کر کوئی دے میرا پیام
درمقامات طریقت ہر کجا کردیم سیر

عافیت را بانظر بازی فراق افتادہ بود

(مؤرخہ۱۹/فروری۱۹۳۳ء)

(۴۰) متنبّی قادیاں کی الماری

اے کہ ہے اپنی رواداری پہ تجھ کو فخر و ناز
قادیاں میں کافروں کی مومن آزاری بھی دیکھ

خواجۂ اجمیر کی درگاہ دیکھ آیا ہے تو!
اب بہشتی مقبرہ کی چاردیواری بھی دیکھ

ترمذی کو اور بخاری کو رٹا تو کیا ہوا
قادیاں جا اور غلام احمد کی الماری بھی دیکھ

تو نے اپنی فوج کی دیکھی قواعد مدتوں
اب نصاریٰ کے رضا کاروں کی تیاری بھی دیکھ
کاٹنا مقصود ہے جس سے شجر اسلام کا
قادیاں کے لندنی ہاتھوں میں وہ آری بھی دیکھ
مشیٔ فی النوم اور اس کے فلسفے پر کر نظر
قادیاں کے نازنینوں کی طرح داری بھی دیکھ
سن لے اپنے کان سے ''الفضل'' کی گالی گلوچ
لکھنؤ شرما گیا جس سے وہ بھٹیاری بھی دیکھ
آج آتا ہے نظر گر تجھ کو باطل سربلند
اپنی آنکھوں سے کل اس کی ذلت وخواری بھی دیکھ

(مؤرخہ ۸/مارچ ۱۹۳۳ء)

(۴۱) نوجوان جموں کا نعرہ مستانہ

(اللہ رکھا ساغر مدیر نوجوان اور سردار گوہر رحمان کی مشترکہ فرمائش پر)

مسلماں کی نہ مٹنے والی عظمت کا نشاں ہوں میں
نقیب دولت شاہنشہ کون ومکاںؐ ہوں میں
خریدا ہے خدا نے جن کو لیں تیغ وکفن مجھ سے
متاع کہنہ اسلام کا بازارگاں ہوں میں
ستمگر کی سیہ روزی کے ساماں ہوتے جاتے ہیں
کہ مظلوموں کی آتش گیر آہوں کا دھواں ہوں میں
چھپا راز الست اب تک مگر اب چھپ نہیں سکتا
جو کٹتی ہے تو کٹ جائے مسلماں کی زباں ہوں میں
نہ ضد مجھ سے مسیحی کو نہ دشمن برہمن میرا
قتیل ناوک ناز بتان قادیاں ہوں میں
نہ ہونے دوں گا ہمت پست کشمیر اور جموں کی
کہ ان کے ساعت افزوں حوصلوں کا ترجماں ہوں میں

(مؤرخہ ۳۰/مئی ۱۹۳۳ء)

(۴۲) کشمیر کمیٹی

باطل کا جنازہ تھا بڑی دھوم سے نکلا
قائم ہوئی جس دن نئی کشمیر کمیٹی
نابود ہوئے اندلسی اور دمشقی
دونوں نے بساط اپنی نحوست کی لپیٹی
مرزا کی نبوت کے لئے کھودی گئی قبر
گاڑی گئی جس میں یہ خرافات کی بیٹی

(۴۳) حضرت پیر کالون شاہ قدس سرہ

میں نے یوسف شاہ سے پوچھا کہ بیعت آج کل
آپ کو کشمیر کے پیروں میں کن صاحب سے ہے
ہنس کے بولے قادیاں سے ہو چکا ہوں بدگماں
اس لئے مجھ کو عقیدت کالون صاحب سے ہے

(مؤرخہ ۹/اگست ۱۹۳۳ء)

(۴۴) الوہیت کا شعلہ اور نبوت کا دھواں

خامہ پر حمد میں جس وقت رواں ہوتا ہے
بال جبریلؑ کی جنبش کا گماں ہوتا ہے
عرش والے اتر آئے ہیں سلامی کے لئے
کہ بلند آج محمدؐ کا نشان ہوتا ہے
باغ رنگون میں یثرب کی بہار آہی گئی
جلوہ اللہ کی قدرت کا عیاں ہوتا ہے
جس نے ناموس پیمبرؐ پہ کیا جاں کو نثار
اس کی عزت کا خدا خود نگراں ہوتا ہے
کہہ دو جاکر یہ غریبوں سے کہ مایوس نہ ہوں
بے زبانوں کی خدا آپ زباں ہوتا ہے
قادیاں ہو کہ ہو لاہور بچو دونوں سے
اس طرف ہوتی ہے ایں اس طرف آں ہوتی ہے
شعلہ اٹھتا ہے اگر اس سے الوہیت کا
تو بلند اس سے نبوت کا دھواں ہوتا ہے
ہیں خدا ان کے نصاریٰ یہ ہیں ان کے بندے
وہیں ہوتے ہیں یہ انگریز جہاں ہوتا ہے
میرے اشعار پلٹ دیتے ہیں کایا دل کی
ان میں جب صرف مرا زور بیاں ہوتا ہے

(رنگون مؤرخہ۲۶؍اکتوبر۱۹۳۳ء)

(۴۵) حصار قادیاں پر اسلام کا بم

کفر کا جھنڈا کریں گے آج مرزائی بلند
ہم بھی نکلیں ہاتھ میں لے کر علم اسلام کا
غیب سے کانوں میں پہنچی ہے یہ اڑتی سی خبر
قادیاں کے سر پہ پھٹنے کو ہے بم اسلام کا
سر چھپائیں گے کدھر جا کہ پرستارانِ کفر
جب عرب اسلام کا ہے اور عجم اسلام کا
گلشن رنگون میں فصل بہار آہی گئی
جھوم کر برسا ہے آج ابر کرم اسلام کا
دل گواہی دے رہا ہے ایک دن اس دیس میں
بھرنے والے ہیں تمام انسان دم اسلام کا
ایک برما ہی پہ کیا موقوف ہے سارا جہاں
سر جھکا دے گا جب اٹھے گا قدم اسلام کا
سر کو بیچا اور خریدی اپنے مولا کی رضا
اس تجارت ہی سے قائم ہے بھرم اسلام کا

(رنگون مؤرخہ۲۲؍اکتوبر۱۹۳۳ء)

(۴۶) انسان کا پتھر دل

ہلادیں زلزلے نے مشرق ومغرب کی بنیادیں
ادھر برطانیہ کانپا ادھر ہندوستاں لرزا
ہراک کشور کے ہرگوشہ میں ہیبت چھاگئی اس کی
فضائے باختر لرزی سواد قیرواں لرزا

گرفت اس کی جہاں پیا فشار اس کا جہاں افگن
جہاں کیا چیز ہے کون ومکاں کا ہر رواں لرزا
کرن سورج کی تھرّانے لگی گردون گرداں پر
حرم کے کنگروں پر طائروں کا آشیاں لرزا
نئی دنیا کا سقف زرنگار آیا تزلزل میں
نئی تہذیب کے ایواں کا برقی نبرد باں لرزا
بہشتی مقبرہ کی ہڈیوں کو بھی ہوئی جنبش
اور اس جنبش کی گیرائی سے سارا قادیاں لرزا
زمین و آسماں لرزے نشان حجت حق سے
لرزنا آدمی کے دل کو تھا لیکن کہاں لرزا

(مؤرخہ۲/فروری۱۹۳۴ء)

(۴۷) بڑے باپ کے بیٹے (اسلامیہ کالج امرتسر کے طلباء کی فرمائش پر)

(یہ نظم ’’طلباء سے خطاب‘‘ کے عنوان سے بھی چھپی ہے)

جس باپ کے بیٹے ہو بڑا نام ہے اس کا
کہلاتے ہو دنیا میں اسلام کے فرزند
گنگا کی طرف بھولے سے بھی رخ نہیں کرتے
زمزم کی طرف جاتے ہیں یثرب کے جگر بند
خیبر شکنی شیوہ ہے شیران خدا کا
بازو ہیں اسی واسطے ان سب کے تنومند
ایمان کی دولت ہے ادھر اور ہے ادھر کفر
ہے ایک طرف زہر تو ایک طرف قند
وقت آنے لگا ہے کہ ہو اسلام سرافراز
پنجاب میں اوہام کا یہ غلغلہ تاچند
ہر شعر مرا سقم سے تم پاؤ گے خالی
ریشم میں لگاتا نہیں میں ٹاٹ کا پیوند
اسلامیہ کالج کے تلامیذ کی خاطر
لکھی گئی یہ نظم دل آرا، ز رہ پند
توحید کے بیٹوں نے جلا رکھی ہے اک ’’شمع‘‘
اور جمع ہیں گرد اس کے وہ پروانوں کے مانند
بندہ ہوں محبت کا گواہ اس پہ ہے سالک
کافی ہے مرے واسطے ایک ان کا شکرخند
مرزائیوں سے قطع تعلق ہے مرا دیں
اس طائفہ سے کام نہیں رکھتے خرد مند

(نگارستان ص۱۳۰،۱۳۱مؤرخہ۷/فروری۱۹۳۴ء)

(۴۸) جے یا بھے

’’الفضل‘‘ مؤرخہ۱۱/فروری۱۹۳۴ء میں ایک ٹک بند شاعر نے غلام احمد کی جے کے عنوان سے ذیل کی خرافات شائع کرائی تھی:

دیکھ طغیانی زلازل پے بہ پے
اور قیامت خیز منظر پے بہ پے
قوت ادراک باقی ہے تو کہہ
اس جری اللہ غلام احمد کی جے

اس خرافات کا جواب ملاحظہ ہو:

سرور کونینؐ کے دربار سے
رات آیا قاصد فرخندہ پے
حجت حق کا سراپا تھا یہ پیک
مرحلے سارے کئے تھے جس نے طے
سن کے ذکر قادیاں کہنے لگا
یہ خرافات معنعن تابہ کے
پڑ نہیں سکتی اب اس طبلے پہ تھاپ
ٹوٹ جانے کو ہے یہ باطل کی لے
ان گویوں کے گلے پڑجائیں گے
وجد میں چرچل کو لائی جن کی لے
جب سنی میں نے یہ جاں پرور نوید
میں پکار اٹھا غلام احمد کی بھے

(مؤرخہ ۱۵/ فروری ۱۹۳۴ء)

(۴۹) مباہلہ

مجھے بھی انتساب ہے ادب کے اس مقام سے
ملی ہوئی ہے جس کی حد قدم گہ نظام سے
دکن کے تاجدار پر خدا کی لاکھ رحمتیں
ہماری سب روایتیں ہیں زندہ جن کے نام سے
ہوا غم جہاں کا قل پڑا ہے میکدہ میں غل
کہ عقد ساتگیں مل بندھا ہے دور جام سے
ٹپک رہی ہیں مستیاں شراب خانہ ساز کی
تتار وہند ومصر سے عراق ونجد وشام سے
اگر ہے شکوہ رند کو تو ہے تجھی سے ساقیا
شکست توبہ کو گلہ نہی ہے اہتمام سے
نبیؐ کی بارگاہ میں صبا یہ جاکے عرض کر
کہ سرگراں ہے آسماں حضور کے غلام سے
اگرچہ لغزشیں مری پنہ کی مستحق نہیں
نہیں ہوں ناامید میں خدا کے لطف عام سے
سنا ہے برق بن کے پھر گرے گی فرق کفر پر
وہ تیغ جو کبھی خجل ہوئی نہ تھی نیام سے
جہان اجتہاد میں سلف کی راہ گم ہوئی
ہے تجھ کو اس کی جستجو تو پوچھ ابوالکلام سے
میں بے نیاز مزد ہوں صلہ کی آرزو نہیں
کسی کو فکر نام کی مجھے غرض ہے کام سے
وہ بھاگتے ہیں اس طرح مباہلہ کے نام سے
فرار کفر جس طرح ہو مسجد الحرام سے
پکار کر یہ کہہ رہا ہے زلزلہ بہار کا
نہ بچ سکے گا قادیان خدا کے انتقام سے
مسیلمہ کے جانشیں گرہ کٹوں سے کم نہیں
کتر کے جیب لے گئے پیمبری کے نام سے
سنا بھی تو نے ہم نفس کہ مادیاں دمشق کی
ہوئی ہے جفت اندلس کے خنگ بدلگام سے
ٹچی ٹچی کے دوش پر سری نگر میں اٹھ گیا
جناب ''ٹل مسیح'' کا جنازہ دھوم دھام سے
میں قادیاں سے کیا لڑوں کہ فرصت آج کل نہیں
رکوع سے سجود سے قعود سے قیام سے

(مؤرخہ ۲۱/ فروری ۱۹۳۴ء)

(۵۰) اطالوی حسینہ

ہوٹل سیسل لاہور کی ایک اطالوی منتظمہ جو ہوٹل میں موسیو بشیر الدین محمود کے ایک روزہ قیام کے بعد اچانک غائب ہوگئی اور دوسرے دن قادیاں مقدس سرزمین میں دیکھی گئی۔اس واقعہ پر مولانا نے ذیل کی نظم سپرد قلم کی۔(نظیر)

اے کشور اطالیہ کے باغ کی بہار
لاہور کا دمن ہے ترے فیض سے چمن
پیغمبر جمال تری دل ربا ادا
پروردگار عشق ترا چلبلا چلن
الجھے ہوئے ہیں دل تری زلف سیاہ میں
ہیں جس کے ایک تار سے وابستہ سوختن
پروردۂ فسوں ہے تری آنکھ کا خمار
آوردۂ جنوں ہے تیری بوئے پیرہن
پیمانۂ نشاط تیری ساق صندلی
بیعانۂ سرور ترا مرمری بدن
رونق ہے ہوٹلوں کی ترا حسن بے حجاب
جس پر فدا ہے شیخ تو لٹو ہے برہمن
جب قادیاں پہ تیری نشیلی نظر پڑی
سب نشۂ نبوت ظلی ہوا ہرن
میں بھی ہوں تیری چشم پر افسوں کا معترف
جادو وہی ہے آج جو ہو قادیاں شکن

(لاہور مؤرخہ ۸/مارچ ۱۹۳۴ء)

(۵۱) قادیان والی

(بتقریب جلسۂ تبلیغ الاسلام)

کیا ہے ابر نے گلیوں میں پابگل ہم کو
بہار دیکھنے آئے تھے ہم چونڈہ کی
بٹھائے جائیں گے جلسہ میں خاکسار کہاں
زمین جب کئی دن سے ہے نم چونڈہ کی
اگر رہا یہی یاروں کا شیوۂ ایثار[1]
تو رونقیں نہ کبھی ہوں گی کم چونڈہ کی
نہ آریا ہی نظر آئیں گے نہ مرزائی
اگر علم ہوئی تیغ دو[2] دم چونڈہ کی
یہاں کا تحفہ سوا اس کے اور کیا ہوگا
میں ساتھ لے کے چلا ہوں چلم چونڈہ کی
علی الصباح ملی مجھ کو قادیاں[3] والی
فضائیں ہوگئیں رشک ارم چونڈہ کی
خدا کرے کہ بجز اس کے آستاں کے کبھی
کسی کے آگے نہ گردن ہو خم چونڈہ کی

(چونڈہ ضلع سیالکوٹ مؤرخہ ۱۱/مارچ ۱۹۳۴ء)

[1] حاجی سر رحیم بخش جنہوں نے میری ایک نعت سے متاثر ہوکر انجمن تبلیغ الاسلام چونڈہ کو دوسو روپے دیئے۔
[2] تبلیغ اسلام۔
[3] چونڈہ سے دومیل کے فاصلہ پر ایک گاؤں کا نام ہے۔

(۵۲) اطالوی حسینہ مس روفو

تمہیں مشی فی النوم کی بھی خبر ہے
زمانے کے اے بے خبر فیل سوفو
ملے گا تمہیں یہ سبق قادیاں سے
جہاں چل کے سوتے ہیں آئی ہے روفو
دبستاں میں جانا نہیں چاہتے ہو
تو پہنچو شبستاں میں اے بے وقوفو
بہار آرہی ہے خزاں جارہی ہے
ہنسو کھل کھلا کر دمشقی شگوفو
کرشن اور خورسند کیا اس کو سمجھیں
تمہیں داد دو اس کی عبدالرؤفو
جب اوقات موجود ہے قادیاں کی
کہاں مر رہی ہو تفو اور زوفو

(مؤرخہ۱۳/مارچ۱۹۳۴ء)

کرشن سے مراد مہاشے کرشن ایڈیٹر روزنامہ پرتاب لاہور اور خورسند سے لالہ خوشحال چند ایڈیٹر ملاپ لاہور ہیں۔ عبدالرؤفو سے مراد مسلمان۔ (نظیر)

(۵۳) ہوٹل سیسل کی رونق عریاں

عشاق شہر کا ہے ''زمیندار'' سے سوال
ہوٹل سیسل کی رونق عریاں کہاں گئی
اس کے جلو میں جاں گئی ایماں کے ساتھ ساتھ
کیا کیا نہ تھا جو لے کے وہ جان جہاں گئی
خوف خدائے پاک دلوں سے نکل گیا
آنکھوں سے شرم سرورؐ کون ومکاں گئی
بن کر خروش حلقۂ رندان لم یزل
لے کر گئی وہ حشر کا ساماں جہاں گئی
رومہ سے ڈھل کے برق کے سانچے میں آئی تھی
اب کسی حریم ناز میں وہ جان جاں گئی
یہ چیستان سنی تو ''زمیندار'' نے کہا
اتنا ہی جانتا ہوں کہ وہ قادیاں گئی

(مؤرخہ۱۵/مارچ۱۹۳۴ء)

(۵۴) حسن آباد بیاس

ضلع گورداس پور میں موضع کاہنواں کے قریب دریائے بیاس کے کنارے ایک بہت بڑی جھیل ہے جسے جھیل کاہنواں کہا جاتا ہے۔ یہاں موسم سرما میں لاتعداد مرغابیاں ہوتی ہیں اور دور دور سے شکاری مرغابی کے شکار کے لئے آتے ہیں۔ تقسیم سے پہلے وہاں دیکھا گیا کہ قادیاں کی خواتین بھی بندوق سے مرغابی کا شکار کھیلتی تھیں۔ ذیل کی نظم میں اسی حقیقت کی طرف اشارے ہیں۔ (نظیر)

آئی ہیں جب سے موٹریں رسم حجاب اٹھ گئی
اب نہ وہ پردہ والیاں اور نہ وہ ان کی ڈولیاں
شرع کی قید ہے کدھر آنکھ کی شرم ہے کہاں
بول رہی ہیں بلبلیں کن چمنوں کی بولیاں
رنگ ہے بو نہیں مگر، گل کدۂ فرنگ میں
جس سے ہماری مالنیں لائی ہیں بھر کے جھولیاں
جلوہ گہ بیاس کو لگ گئے چار چار چاند
بھیج رہا ہے قادیاں، ماہ وشوں کی ٹولیاں
دل زدگان بے بصر جن سے لگا رہے ہیں دل
حور کی بچیاں نہیں، سانپ کی ہیں سنپولیاں
آپ کو کچھ خبر بھی ہے، کون ہیں یہ گورنسیں[1]
دیکھنے کو ہیں رس بھری، چکھنے میں ہیں نبولیاں
ان کو بھی منہ بسور کر آج یہ ماننا پڑا
یہ ہیں اطالوی مسیں زہر کی میٹھی گولیاں

(مؤرخہ ۱۸/ مارچ ۱۹۳۴ء)

(۵۵) قادیاں اور کشمیر

قادیاں خوش ہو کہ بر آئی ترے دل کی مراد
آخر آ ہی گئی کشمیر میں فوج انگریز
اگر انگریز ہے دولہا تو ہے تو اس کی دلہن
مل گیا تجھ کو ہری سنگھ کی دولت کا جہیز
کیوں نہ اب اڑنے لگے تیری نبوت کا سمندر
چھیڑتی ہے جسے یورپ کی صلیبی مہمیز
خون اسلام سے چندے کا نہ کر لقمہ طلب
جب کہ چن دی گئی ہے تیرے لئے کفر کی میز
چاک کر شوق سے ایماں کا گریباں کہ ہوا
بالکل آزاد ترا دست گریباں آویز
دھجیاں نامۂ سرکار دو عالمؐ کی اڑا
اے کہ تجھ کو نہ رہا یاد مآل پرویز
ہر وہ قوت جو ہوئی سطوت کبریٰ کی حریف
اس کو میدان دغا میں نہ ملی راہ گریز
آج تک خاک میں ملتی ہی چلی آئی ہے
ہر وہ طاقت جو مسلماں سے ہوئی گرم ستیز

(مؤرخہ ۹/ دسمبر ۱۹۳۱ء)

(۵۶) فتنہ آخر زماں

اے قادیاں اے قادیاں تیرے بڑے لنگور کو
لپٹا لیا کرتا ہے جو ہر شب نئی اک حور کو
جس نے ہنسایا ناچ کر کشمیر اور میسور کو
جس کی ترش روئی ملی نیبو کو اور اچور کو
لکھوں دمشقی گورخر یا اندلس کی مادیاں
اے قادیاں، اے قادیاں اے فتنہ آخر زماں

[1] مس روفو جو سیسل ہوٹل لاہور سے غائب ہوئی اور اگلے روز قادیاں کی مقدس سرزمین میں دیکھی گئی۔ وہاں گورنس کی خدمات انجام دیتی تھی۔ اس شعر اور اگلے شعر میں یہی حقیقت بیان کی گئی ہے۔ (نظیر لدھیانوی)

پیشہ تر ایماں ہے گالی تری پہچان ہے ۔۔۔ جنس نفاق وکفر سے چمکی تری دکّان ہے
بہتان خدا پہ باندھنا تیرے نبی کی شان ہے ۔۔۔ الہام جو بھی ہے تیرا آوردہ شیطان ہے
یہ بھی خدا کا آخری اسلام پر احسان ہے ۔۔۔ نقاش کی مٹھی میں گر پوشیدہ تیری جان ہے
اے قادیاں اے قادیاں، اے دشمن اسلامیاں اے فتنہ آخر زماں

(۵۷)فحّاش زماں میر قاسم علی قادیانی

محمد غوث کی مسجد میں کل شب ۔۔۔ ادھر میں پڑھ رہا تھا سورۃ الناس
ادھر اپنے بہشتی مقبرے میں ۔۔۔ یہ سازش کر رہے تھے چند خنّاس
کہ جس کو قادیان سے دشمنی ہو ۔۔۔ کرو سب مل کر اس کا ستیاناس
ہمارے ہاتھ سے بچنے نہ پائے ۔۔۔ کوئی نقّاش ہو یا کوئی عکّاس
مغلظ گالیاں وہ وہ انہیں دو ۔۔۔ کہ بھولیں اپنی نستعلیق بکواس
جب ان سودائیوں کو میں نے دیکھا ۔۔۔ لگا کر حکمت یثرب کی کمپاس
تو بھیجا ان کے پاپا کو یہ پیغام ۔۔۔ علاج اس خلط کا بھی ہے مرے پاس
کھلاؤں گا تمہیں پہلے میں گلقند ۔۔۔ پلاؤں گا تمہیں پھر میں المتاس

(مؤرخہ۱۰/دسمبر۱۹۳۲ء)

(۵۸)شیر کشمیر

تنگ جب آئے شیخ عبداللہ ۔۔۔ میرے چبھتے ہوئے سوالوں سے
تو کہا مجھ کو اختلاف نہیں ۔۔۔ میرواعظ کے ہم خیالوں سے
میں بھی پیتا ہوں ان کی طرح شراب ۔۔۔ رات دن یثربی پیالوں سے
مذہباً قادیاں سے ہوں بیزار ۔۔۔ خوب واقف ہوں ان کی چالوں سے
ہوں سیاست میں لیکن اس کا مرید ۔۔۔ اور یہ رشتہ ہے چند سالوں سے
میں کلیسا سے لڑ نہیں سکتا ۔۔۔ ضد ہے کہ مجھ کو فقط شوالوں سے
شیر کشمیر بن گیا ہوں میں ۔۔۔ فقط ’’الفضل‘‘ کے مقالوں سے
آہ کیا انقلاب ہے کہ شریف ۔۔۔ گلے ملنے لگے رذالوں سے
اتفاقات ہیں زمانے کے ۔۔۔ شیر دبنے لگے شغالوں سے

(مؤرخہ۱۱/ستمبر۱۹۳۲ء)

(۵۹) مداری کی پٹاری

قسم ہے قادیاں کے گل رخوں کی گل عذاری کی
غلام احمد کی الماری پٹاری ہے مداری کی
پرستاں کو نہ شرمائے بھلا قصر خلافت کیوں
کہ فصل گل ہے اور آمد ہے ابر نوبہاری کی
بشیرالدین اور کشمیر کی ہمدردیاں چھوڑے
نظر نخچیر سے تم پھیرتے ہو اک شکاری کی
جواب ''الفضل'' کا ترکی بہ ترکی دے تو دیں ہم بھی
اتاریں کیسے لیکن نقل اصوات حماری کی
مرے ہر شعر کی زد کاسۂ سر پر ہی پڑتی ہے
نہ لائے گا کبھی محمود تاب اس ضرب کاری کی
یہ مانا بھول جائے قادیاں میرے تحائف کو
مگر کیا بھول سکتا ہے وہ سوغاتیں بخاری کی

(مؤرخہ ۱۵/ اکتوبر ۱۹۳۳ء)

(۶۰) زمیندار بزبان انگریزی

نکل آیا زمیندار آج انگریزی زباں میں بھی
یہ جنس یثربی پہنچی ہے مغرب کی دکاں میں بھی
پڑا ہے اک نئی آفت سے استعمار کو پالا
پڑی ہے کھلبلی آتے ہی جس کے قادیاں میں بھی
نہ سمجھا ہو تو اب سمجھے گا انگریز اس حقیقت کو
کہ زور اسلام کا ٹوٹا نہیں ہندوستاں میں بھی
کیا تھا جس کی گیرائی نے تسخیر ایک عالم کو
وہ قدرت ہے مرے اس خامۂ معجز بیاں میں بھی
سنا ہے تم نے میری مشرقی فریاد کو برسوں
یہی جادو ہے میری مغربی طرز فغاں میں بھی
مذاق فتنہ میں ہر حرف میرا جاگزیں ہوگا
وہ فتنہ جو نہیں اغیار کے وہم وگماں میں بھی
ترا فضل وکرم شامل رہا ہر آزمائش میں
الٰہی مجھ کو کردے کامیاب اس امتحان میں بھی

(مؤرخہ ۲۵/ ستمبر ۱۹۳۲ء)

(۶۱) قادیاں کی نبوت

بروزی ہے نبوت قادیاں کی
برازی ہے خلافت قادیاں کی
عداوت حق سے باطل سے محبت
ہے اتنی ہی حقیقت قادیاں کی
ہیں احمق جس قدر ہندوستاں میں
ہے آباد ان سے جنت قادیاں کی
نصاریٰ کی پرستش کے سب اسرار
سکھاتی ہے شریعت قادیان کی

دمشق اور اندلس کے بھاگ جاگے
بٹی جس وقت لعنت قادیاں کی
مسلمانوں کی آزادی ہو نابود
الم نشرح ہے نیت قادیاں کی
لگے رونے بشیرالدین محمود
بنائی میں نے وہ گت قادیاں کی

(۶۲) چندے کا دھندا

اگر چندے کی حاجت ہے تو کر دعویٰ رسالت کا
بغیر اس ڈھنگ کے چند امہیا ہو نہیں سکتا
سنا ہے قادیاں میں بانسری بجتی ہے گوکل کی
مگر یہ بانسری والا کنہیا ہو نہیں سکتا
یہ آساں ہے کہ بدلے جون اور بچھو بنے لیکن
کبھی بھی شہد کی مکھی تتیّا ہو نہیں سکتا
مجدد الف ثانی سے غلام احمد کو کیا نسبت
ثریٰ کتنا بھی اونچا ہو ثریّا ہو نہیں سکتا
اگر مکے سے بھی کرتا وہ ڈھینچوں ڈھینچوں ہو آئے
یہ ظاہر ہے خر عیسیٰ گویّا ہو نہیں سکتا
برادر خواندگی کی شرط اگر ہو مرزائیت
قیامت تک بھی ہم سے یہ تو بھیّا ہو نہیں سکتا
سرشت مرد مومن کا بدلنا غیر ممکن ہے
چنبیلی کا یہ پودا بھٹ کٹیّا ہو نہیں سکتا
وطن کے پوجنے والو! تعلق نوع انساں کا
سمندر ہے محبت کا تلیّا ہو نہیں سکتا
جسے اسلام کی عزت پہ کٹ مرنا نہ آتا ہو
مسلمانوں کے بیڑے کا کھویّا ہو نہیں سکتا

(مؤرخہ ۲۷/مارچ ۱۹۳۴ء)

(۶۳) دعوت وارشاد

ہاتھ استعمار کا شل ہو رہا ہے ہر طرف
ساری دنیا کے غلام آزاد ہو جانے لگے
دھجیاں تہذیب مغرب کی فضا میں اڑ چلیں
یہ قبالے زاید المیعاد ہو جانے لگے
زیر دستوں نے ادھر فریاد کی اللہ سے
زیر دست آزار ادھر برباد ہو جانے لگے
کوئی دن جاتا ہے دے گا یہ خبر خود بالفور
پھر فلسطیں میں عرب آباد ہو جانے لگے
دین قیّم بن گیا بازیچہ اہل ہوا
سو بسو مذہب نئے ایجاد ہو جانے لگے
منکر ختم نبوت ہو کے اہل قادیاں
اپنے وقتوں کے ثمود و عاد ہو جانے لگے
کالجوں میں پڑھ کے انگریزی ہمارے نوجواں
رفتہ رفتہ مائل الحاد ہو جانے لگے
کاش میں سن لوں کہ علم دیں کے حلقے جابجا
حلقہ ہائے دعوت و ارشاد ہو جانے لگے

(مؤرخہ ۵/اپریل ۱۹۳۴ء)

(۶۴) حضور سرور کون ومکاں ﷺ کا جشن میلاد ۱۲/ربیع الاوّل

آدم کی نسل پر ہوئی حجت خدا کی ختم
دنیا میں آج دیں کی تکمیل ہو گئی
اپنا جواب آپ تھی جو آخری دلیل
افلاک پر حوالۂ جبریل ہو گئی
بطحاء میں رحمت دو جہاں کا ہوا ظہور
منشاء کردگار کی تعمیل ہو گئی
آ کر محمدؐ عربی نے لگائی مہر
اللہ کے قبالہ کی تسجیل ہو گئی
تورات کا فسانہ سنانے کو رہ گیا
منسوخ اس کے آتے ہی انجیل ہو گئی
پیشینیوں کی سلک میں دولت تھی جس قدر
اسلام کے خزانہ میں تحویل ہو گئی
ایماں کو جن سے شکوۂ اجمال تھا کبھی
قرآں میں ان نکات کی تفصیل ہو گئی
سوتے ہوؤں کو اس کی صداء نے جگا دیا
آواز اس کی صور اسرافیل ہو گئی
دنیا کی محفلوں کے دیئے سارے بجھ گئے
روشن جب اس کی بزم کی قندیل ہو گئی
آفاق اعتدال کے سانچے میں ڈھل گیا
ارکان کائنات کی تعدیل ہو گئی
ہیبت سے کفر لرزہ براندام ہو گیا
باطل کی روح خوف سے تحلیل ہو گئی
اصحاب فیل ارض حرم سے ہوئے فرار
ہر کنکری حجارۂ سجیل ہو گئی
نقشہ زمین کا چشم زدن میں بدل گیا
اور ہیئت آسمان کی تبدیل ہو گئی
مرزائیوں کا نام ذرا دیر میں مٹا
حق کے جلال سے یہی اک ڈھیل ہو گئی
میلاد خواجہ دوسرا کا ہے آج جشن
اور اس کی مہتمم مری تخییل ہو گئی

(۶۵) متنبّی قادیاں کا ترانہ

مل گئے ہیں مجھے کچھ عقل کے اندھے ایسے
جن کی دولت سے مرا کیسۂ[1] زر اپناشتہ ہے

[1] ’’ہماری معاش اور آرام کا تمام مدار ہمارے والد صاحب کی محض ایک مختصر آمدنی پر تھا اور بیرونی لوگوں میں سے ایک شخص بھی مجھے نہیں جانتا تھا اور میں ایک گمنام انسان تھا جو قادیان جیسے ویران گاؤں میں زاویۂ گمنامی میں پڑا ہوا تھا۔ پھر بعد اس کے خدا نے اپنی پیش گوئی کے موافق ایک دنیا کو میری طرف رجوع دے دیا اور ایسی متواتر فتوحات سے مالی امداد کی کہ جس کا شکریہ ادا کرنے کے لئے میرے پاس الفاظ نہیں۔ مجھے اپنی حالت پر خیال کر کے اس قدر بھی امید نہ تھی کہ دس روپے ماہوار بھی آئیں گے۔ مگر خدا تعالیٰ جو غریبوں کو خاک سے اٹھاتا اور متکبروں کو خاک میں ملاتا ہے۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

دیں کے پردے میں دنیا کو چھپایا میں نے — کہ اسی پردے میں اچھی یہ مری[۱] داشتہ ہے
لیکن اس دین کی ہے یہ شرط کہ خوش ہو انگریز — جس کا اقبال جہاں میں علم[۲] افراشتہ ہے

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ) اس نے ایسی دستگیری کی کہ میں یقیناً کہہ سکتا ہوں کہ اب تک تین لاکھ کے قریب روپیہ آچکا ہے اور شاید اس سے بھی زیادہ ہو۔ اگر میرے اس بیان کا اعتبار نہ ہو تو بیس برس کے سرکاری رجسٹروں کو دیکھو تا کہ معلوم ہو کہ کس قدر آمدنی کا دروازہ اس تمام مدت میں کھولا گیا ہے۔ حالاں کہ یہ آمدنی صرف ڈاک کے ذریعے تک محدود نہیں رہی بلکہ ہزارہا روپے کی آمدنی اس طرح بھی ہوئی ہے کہ لوگ خود قادیاں میں آکر دیتے ہیں اور نیز ایسی آمدنی جو لفافوں میں نوٹ بھیجے جاتے ہیں۔''

(حقیقت الوحی ص ۲۱۱، ۲۱۲، خزائن ج ۲۲ ص ۲۲۰، ۲۲۱)

۱؎ ''میں یقین رکھتا ہوں کہ جیسے جیسے میرے مرید بڑھیں گے ویسے ویسے مسئلہ جہاد کے معتقد کم ہوتے جائیں گے۔ کیونکہ مجھے مسیح اور مہدی مان لینا ہی مسئلہ جہاد کا انکار ہے۔''

(تبلیغ رسالت ج ۷ ص ۱۷، مجموعہ اشتہارات ج سوم ص ۱۹)

۲؎ ''والد صاحب کے انتقال کے بعد یہ عاجز دنیا کے شغلوں سے بکلی علیحدہ ہو کر خدا کی طرف مشغول ہوا اور مجھ سے سرکار انگریزی کے حق میں جو خدمت ہوئی۔ وہ یہ تھی کہ میں نے پچاس ہزار کے قریب کتابیں اور رسائل اور اشتہارات چھپوا کر اس ملک نیز دوسرے بلاد اسلامیہ میں اس مضمون کے شائع کئے کہ گورنمنٹ انگریزی ہم مسلمانوں کی محسن ہے۔ لہٰذا ہر ایک مسلمانوں کا یہ فرض ہونا چاہئے کہ اس گورنمنٹ کی سچی اطاعت کرے اور دل سے اس دولت کا شکر گزار اور دعا گو رہے اور یہ کتابیں میں نے مختلف زبانوں اردو، فارسی، عربی میں تالیف کر کے اسلام کے تمام ملکوں میں پھیلا دیں۔ یہاں تک کہ اسلام کے دو مقدس شہروں مکہ اور مدینہ میں بھی بخوبی شائع کر دیں اور روم کے پائے تخت قسطنطنیہ اور بلاد شام اور افغانستان کے مختلف شہروں میں جہاں تک ممکن تھا اشاعت کر دی گئی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لاکھوں انسانوں نے جہاد کے وہ غلط خیالات چھوڑ دیئے جو نافہم ملاؤں کی تعلیم سے ان کے دلوں میں تھے۔ یہ ایک ایسی خدمت مجھ سے ظہور میں آئی کہ مجھے اس بات پر فخر ہے کہ برٹش انڈیا کے تمام مسلمانوں میں اس کی نظیر کوئی مسلمان نہیں دکھا سکتا۔''

(ستارہ قیصریہ ص ۳، ۴، خزائن ج ۱۵ ص ۱۱۴)

کھا رہا ہوں غم بے مہری آقائے فرنگ
سترہ سال سے یہ غم ہی مرا ناشتہ[1] ہے
سوکھ جائے نہ کہیں میری نبوت کا درخت
یہ وہ پودا ہے جو سرکار کا خود[2] کاشتہ ہے

(٦٦) کتاب زندگی

(مؤلفہ چودھری افضل حق صاحب رکن مجلس احرار اسلام)

کھل گیا ہر ذی بصیرت پر معمائے حیات
جب سے افضل حق نے لکھی ہے کتاب زندگی
لفظ لفظ اس کا ہے ملت کے لئے درس عمل
حرف حرف اس کا ہے غوغائے رباب زندگی
ساقی افضل حق ہے اور خمخانہ ہے احرار کا
کیوں نہ چھلکے بزم میں جام شراب زندگی
حسن تھا بازیچۂ آویزش عشق وہوس
بس یہی اک نکتہ ہے تعبیر خواب زندگی
کفر کیا ہے؟ قادیانیت کی رسوائی کی لاش
منہ پہ جس نے ڈال رکھا ہے نقاب زندگی
زندگی کا لطف اسی میں ہے کہ ہم آزاد ہوں
غیر کا محکوم ہونا ہے عذاب زندگی
رات اندھیری تھی بھٹکتا پھر رہا تھا کارواں
دفعۃً نکلا چمک کر آفتاب زندگی
موت کے ڈر سے کیا فارغ رسولؐ اللہ نے
جن کی رحمت سے ہوا مفتوح باب زندگی
وقت پر جن کی شفاعت کا سہارا مل گیا
پیش جب کرنا پڑا ہم کو حساب زندگی

(نگارستان ص۱۶۴ لاہور مؤرخہ ۷/ستمبر ۱۹۳۴ء)

۱؎ ’’پھر میں پوچھتا ہوں کہ جو کچھ میں نے سرکار انگریزی کی امداد اور حفظ امن اور جہادی خیالات کے روکنے کے لئے برابر سترہ سال تک پورے جوش سے پوری استقامت سے کام لیا۔ کیا اس کام کی اور اس خدمت نمایاں کی اور اس مدت دراز کی دوسرے مسلمانوں میں جو میرے مخالف ہیں کوئی نظیر ہے۔‘‘ (مجموعہ اشتہارات ج۲ ص۴۶۳)

’’بارہا دل میں یہ بھی گزرتا ہے کہ جس گورنمنٹ کی اطاعت اور خدمت گزاری کی نیت سے ہم نے کئی کتابیں مخالفت جہاد اور گورنمنٹ کی اطاعت میں لکھ کر دنیا میں شائع کیں اور کافر وغیرہ اپنے نام لکھوائے۔ اسی گورنمنٹ کو اب تک معلوم نہیں کہ ہم دن رات کیا خدمت کر رہے ہیں...... میں یقین رکھتا ہوں کہ ایک دن یہ گورنمنٹ عالیہ ضرور میری ان خدمات کی قدر کرے گی۔‘‘
(تبلیغ رسالت ج۱۰ ص۲۸، مجموعہ اشتہارات ج۳ ص۴۴۵)

۲؎ ’’التماس ہے کہ سرکار دولت مدار...... اس خود کاشتہ پودے کی نسبت نہایت حزم اور احتیاط اور تحقیق اور توجہ سے کام لے اور اپنے ماتحت حکام کو اشارہ فرمائے کہ وہ بھی اس خاندان کی ثابت شدہ وفاداری اور اخلاص کا خیال رکھ کر مجھے اور میری جماعت کو ایک خاص عنایت اور مہربانی کی نظر سے دیکھیں۔‘‘ (تبلیغ رسالت ج۷ ص۱۹، ۲۰، مجموعہ اشتہارات ج۳ ص۲۱)

(۶۷) پناہ بخدا

نبیؐ کے بعد نبوت کا ادّعا ہو جسے ہر ایسے بطل خرافات سے خدا کی پناہ
نئے صنم کدوں میں آگئے نئے نئے بت نئے بتوں کی نئی گھات سے خدا کی پناہ
پُچی پُچی ہے ادھر اور ادھر غلام احمد ہزار بار ان آفات سے خدا کی پناہ
خدا بچائے ہمیں ان کے ساتھ ملنے سے منافقوں کی موالات سے خدا کی پناہ
جو بن کے بوعلی آئے حکیم نورالدین تو بوعلی کی اشارات[۱] سے خدا کی پناہ
کسی خدا کا تو قائل ہے قادیاں بھی ضرور جو مانگتا ہے فکاہات[۲] سے خدا کی پناہ
بنے جو باپ خدا کا اور اس کی بیوی بھی ہر ایسے مسخرے کی ذات سے خدا کی پناہ
ان ابلہانہ حکایات پر نبیؐ کی سنوار ان احمقانہ روایات سے خدا کی پناہ
وزیر ہند کا لطف کہن معاذاللہ اور ان کی تازہ عنایات سے خدا کی پناہ
وہی ہے مرتبہ ایماں کا جو ہے درجہ کفر اس آج کل کی مساوات سے خدا کی پناہ
اگر کرامت پیر حرم سے استدراج تو پیر اور اس کی کرامات سے خدا کی پناہ

(لاہور مؤرخہ ۲۰/اکتوبر ۱۹۳۲ء)

(۶۸) ناموس رسول ﷺ کے تحفظ کی قیمت

(زمیندار پریس کی ضبطی اور اخبار سے تین ہزار روپے کی ضمانت)

سرکار نے چھینا ہے زمیندار کا مطبع مرزائیوں کے گھر میں جلے گھی کے چراغ آج
چمکائے گئے اندلسی اور دمشقی روشن ہوئے اسلام کے سینے کے یہ داغ آج
کیا طرفہ تماشا ہے کہ ہوں آ کے معارض کعبے کے عنادل سے کلیسا کے کلاغ آج
خمیازہ کش عشق رسولؐ عربی ہوں میرے دل مضطر کو میسر ہے فراغ آج
توحید کی دہلیز پہ ہوں ناصیہ فرسا پہنچا ہے مرا عرش معلّٰی پہ دماغ آج
جو بوالہوسوں کو نہ ملی ہے نہ ملے گی اس دولت سرمد کا ملا مجھ کو سراغ آج
ہے جس کی ہر اک بوند میں کوثر کی ملونی ساقی نے دیا مجھ کو وہ لبریز ایاغ آج
لیکن یہ خوشی تھی فقط اک عشرے کی مہماں پھر رحمت باری سے وہی راغ ہے باغ آج

(لاہور مؤرخہ ۱۴/نومبر ۱۹۳۴ء)

۱ اشارات اور شفا بوعلی سینا کی تصنیف سے ہیں۔ (نظیر لدھیانوی)
۲ فکاہات روزنامہ زمیندار کے مزاحیہ کالم کا عنوان ہوتا تھا۔ (نظیر لدھیانوی)

(۶۹) تہذیب جدید کا انڈا

تبلیغ کانفرنس چونڈہ، ضلع سیالکوٹ میں یہ اشعار ارتجالاً کہے گئے:

اسلام کی تبلیغ کا مرکز ہے چونڈہ
اڑتا ہے یہاں شرع کے ناموس کا جھنڈا
جب تک نہ زمانے سے نشاں کفر کا مٹ جائے
ہوگا نہ کبھی جوش مسلمان کا ٹھنڈا
مرزائیوں کے ہوش لگے ہونے فرو
جس وقت بخاری نے لیا ہاتھ میں ڈنڈا
کرتے ہوئے چوں چوں نکل آئے متنبّی
یورپ نے دیا جب نئی تہذیب کا انڈا

(نگارستان ص۱۷۷ چونڈہ، ضلع سیالکوٹ مؤرخہ یکم/اپریل ۱۹۳۵ء)

(۷۰) جہانیاں

جو دیدہ ور ہیں اک دکھا دے جہانیاں
دین محمد عربی کی نشانیاں
ہندوستاں میں پھر اسی دریا کی موج لا
زمزم کی رو سے اٹھی تھیں جس کی روانیاں
اسلامیوں کے کان میں ناسور پڑ گئے
سن سن کے قادیانیوں کی بد زبانیاں
ان میرزائیوں کی خرافات تابکے
اسلام کی سنا ہمیں رنگین کہانیاں
باطل کے زیر کرنے کی تدبیر ہے یہی
قربان حق کی راہ میں ہوں زندگانیاں

(نگارستاں ص۱۷۸ جہانیاں مؤرخہ ۱۲/اپریل ۱۹۳۵ء)

(۷۱) منکر ختم نبوت کا حشر

یہ اشعار تبلیغ کانفرنس جموں میں نکتہ دان احباب کے اصرار پر ارتجالاً زبان پر آ گئے:

قادیانیت پر کرسکتا وہی ہے انتقاد
منقل جاں میں جس کی شعلہ زن جوش جہاد
جو رہا ہے عمر بھر زندانی زلف فرنگ
جس کو انگریزوں نے دی رہ رہ کے اس جذبے کی داد
جو رسولؐ اللہ کے ناموس پر قربان ہوا
نامرادی میں بھی جو ثابت ہوا ہے بامراد
جانتا ہے جو غلام احمد کی الماری کا بھید
پرزے پرزے کردیا مرزا کا جس نے اجتہاد
جان سکتا ہے وہی مرزائیوں کی عاقبت
جس کے ہے پیش نظر حشر ثمود انجام عاد
منکر ختم نبوت کے مقدر میں ہے درج
ذلت وخواری ورسوائی الیٰ یوم التناد

(جموں مؤرخہ ۲۰/اپریل ۱۹۳۵ء)

(۷۲)وفاداران مادرزاد

مرزا سرظفرعلی نے قادیانیوں کو ازروئے شریعت دائرہ اسلام سے خارج سمجھ کر حکومت سے انہیں ایک جداگانہ جماعت قرار دینے کا مطالبہ کیا کیا بھڑوں کے ایک چھتّے کو چھیڑ دیا۔ ہر چھوٹے بڑے مرزائی کی زبان جو قینچی کی طرح چلنے کی خوگر ہے۔ ان غریب کو بھانت بھانت کی گالیاں اور رنگ رنگ کی ملاحیاں سنانے کے لئے وقف ہوگئی۔ لیکن اس سارے سب وشتم کا نچوڑ خلیفہ قادیاں مرزا بشیرالدین محمود کا وہ الہامی خطبہ ہے جو آپ نے ۲۶/اپریل ۱۹۳۵ء کو اپنے دربار کے جی حضوریوں کے بھرے مجمع میں ارشاد فرمایا۔

اس خطبے میں جس کی درازی حسب معمول معلم الملکوت کی آنت کی روایتی طوالت کو شرمندہ کررہی ہے۔ آپ نے پہلے کفر اور اسلام کا فرق بتایا۔ یعنی اپنی ذات والا صفات اور اپنی امت قلیل الانفار کو اسلام کا واحد اجارہ دار بتا کر کفر کی گھٹڑی کا سارا ہمالیائی بوجھ مسلمانوں کے مظلوم سر پر رکھ دیا۔ پھر کلام اللہ کی تغلیط اور تحمیق کی طرف متوجہ ہوئے اور اس نص صریح کو سامنے رکھ کر **ان اللہ لا یغفر ان یشرک ویغفر من دون ذالک من یشاء** (اللہ شرک کا گناہ تو کبھی نہ بخشے گا لیکن دوسرے گناہ جو چاہے بخش سکتا ہے) اس قرآن شریف کی رو سے جو قادیاں شریف میں نازل ہوا ہے۔ اعلان فرمایا کہ جنت کا دروازہ مشرکوں اور دہریوں کے لئے بھی کھلا ہے۔ خدائے بزرگ وبرتر کے قول کو جھٹلانے کا مقدس قادیانی فرض ادا کرنے کے بعد آپ مرزا سرظفرعلی کی طرف متوجہ ہوئے اور ان پر گوناگوں مطاعن اور بوقلموں ملاعن کا جھاڑ باندھ دیا اور ظاہر ہے کہ یہ وہ فن ہے جس میں آپ سے آج تک اگر کوئی بازی لے جاسکا ہے تو وہ آپ کے آں جہانی باوا تھے۔ اس سارے خطبے کے لفظی اور بین السطوری مفہوم کو اگر کلام موزوں میں ادا کرنے کی کوشش کی جائے تو اس کوشش کا ماحصل ذیل کے اشعار ہوسکتے ہیں جو بے اختیار زبان قلم پر جاری ہوگئے:

رسول وقت کی اولاد ہم ہیں ۔۔۔ وفاداران مادر زاد ہم ہیں
پچاس الماریاں ہیں قادیاں میں ۔۔۔ سبق ان کا ہے جن کو یاد ہم ہیں
بہشتی مقبرے کی ہڈیوں کا ۔۔۔ تبرّک بانٹ کر دل شاد ہم ہیں

پرستاران خاک کعبہ سن لیں
کہ زیب مسند ارشاد ہم ہیں
نگارستان ایماں کی کروسیر
کہ اس کے مانی و بہزاد ہم ہیں
جسے اسلام سمجھے ہو وہ ہے کفر
اور اس پر کرنے والے صاد ہم ہیں
پرانی ہو چکی مکے کی تہذیب
نئی تہذیب کے استاد ہم ہیں
فضا گونجی ہے جس کی گالیوں سے
وہ بستی کررہے آباد ہم ہیں
شریعت بن گئی جن کا کھلونا
وہی مادر پدر آزاد ہم ہیں
خدا کا لوگ کر لیں بے شک انکار
کہ ان کو دینے والے داد ہم ہیں
نبوت ہے ہمارے گھر کی لونڈی
خدا کے آخری داماد ہم ہیں
غم استعمار کی دیوار کو کیا
جب اس دیوار کی بنیاد ہم ہیں
نصاریٰ کی ہری کیوں ہو نہ کھیتی
کہ ان کا کھیت ہے اور کھاد ہم ہیں
کوئی جا کر مسلمانوں سے کہہ دے
کریں گے جو تمہیں برباد ہم ہیں
حکومت سے الجھتے کس لئے ہو
پڑی ہے تم پہ جو افتاد ہم ہیں
دماغ ان کا نہ پہنچا جن کی تہ تک
وہ نکتے کر رہے ایجاد ہم ہیں

(لاہور مؤرخہ ۳/مئی ۱۹۳۵ء)

(۷۳) زمیندار اور مجلس احرار کے ارباب بست وکشاد

’’زمیندار‘‘ کی ایک اشاعت میں جناب نسیم سودھروی کا ایک اپیل شائع ہوا تھا جس میں آپ نے مجلس احرار کے ارباب حل وعقد سے دریافت کیا تھا کہ آپ حضرات نے اسلامیان ہند بلکہ اسلامیان عالم کے اس دیرینہ خادم کی مشکلات کے ازالہ کے لئے کوئی قابل ذکر عملی اقدام اب تک کیوں نہیں کیا؟ اس سوال کا جواب جناب نسیم کو ملے یا نہ ملے لیکن ’’زمیندار‘‘ کی خودداری سے وہ اپنی محبت بھری التجا کا جواب اگر سننا چاہیں تو سن لیں:

اے ’’زمیندار‘‘ دم لیا تو نے
وعدۂ اوّلیں وفا کر کے
مار کر ایک نعرۂ یا ہو
رکھ دیا غیر کو جدا کر کے
دل سے باطل کا ڈر نکال دیا
حق کا اظہار برملا کر کے

مشکل اسلامیوں کی حل کر دی ماسواء اللہ سے ابا کر کے
دیدہ ور کو دکھا دیا تو نے تھے جو جھوٹے انہیں بڑا کر کے
نام اچھالا نبیؐ کی امت کا درد سے دل کو آشنا کر کے
خرمن کفر کو لگا دی آگ چمن اسلام کا ہرا کر کے
گل کیا تو نے قادیاں کا چراغ روشن ایماں کا دیا کر کے
ناؤ مرزائیوں کی ڈوب گئی تو نے چھوڑا اسے فناء کر کے
تجھے بخشی گئی حیات ابد جان اسلام پر فداء کر کے
سر بلندی ہوئی نصیب تجھے سر فروشی کا حق ادا کر کے
تیری عزت میں چار چاند لگے دل و جان نذر مصطفیٰؐ کر کے
تجھ کو جو کچھ ملا خدا سے ملا نہ کہ بندوں سے التجاء کر کے
کوئی جا کر نسیم سے کہہ دے کیا ملا عرض مدعا کر کے
بات بھی کھوئی التجاء کر کے

(نگارستان ص۱۷۹-۱۸۱لاہور مؤرخہ ۱۰/جون ۱۹۳۵ء)

(۷۴)اپنی اپنی قسمت

قادیاں پہلے تو پاپا کا بڑا بھائی بنا پھر وہ انگریزوں کے گھر کا معتبر نائی بنا
مذہبی صرّافے میں نرخ اس کا گرتا ہی گیا پیسے سے دھیلا ہوا اور دھیلے سے پائی بنا
دیکھ لو جا کر بہشتی مقبرے والوں کا حال کوئی بھتنا ہو گیا کوئی پچھلپائی بنا
شرک ان پچکے ہوئے گالوں کا پوڈر ہو گیا کفر کی اکڑی ہوئی گردن کی نکٹائی بنا
اک نیا کذاب جب پیدا ہوا پنجاب میں قادیاں اس طفل ناہموار کی دائی بنا
اپنا اپنا ہے مقدر اپنا اپنا ہے نصیب ہو گیا کوئی مسلماں کوئی مرزائی بنا

(۷۵)لندن کے قانون سے مدینہ کے آئین کی آویزش

کام انگریز کو دنیا سے مجھے دین سے ہے اس کے قانون کی ٹکّر مرے آئین سے ہے
خون اسلام سے گلرنگ ہوا حوضۂ قدس خبر اڑتی ہوئی آئی یہ فلسطین سے ہے

سینۂ توحید کے بیٹے کا مشبک ہے اگر
تو وہ تثلیث کے فرزند کی سنگین سے ہے

جس سے گلرنگ ہوا مسجد لاہور کا صحن
نسبت اس خون کو میری ہی شرائین سے ہے

کب دبا سکتی ہے اس نعرہ کو توپوں کی گرج
جو بلند آج مراکش سے تو کل چین سے ہے

قادیاں مردہ ہے اور زندۂ جاوید ہوں میں
عشق قرآں سے مجھے اس کو ''براہین'' سے ہے

خوف مونجی کو نہیں آج ہمارے لٹھ کا
اس کو ڈر ہے تو پٹھانوں کی قرابین سے ہے

ہے طبیعی یہ وہ ڈر جس سے نہیں کوئی مفر
یہ وہ خطرہ ہے جو کنجشک کو شاہین سے ہے

کانگرس میں بھی ہیں کچھ مرد مگر حق ہے یہی
گرم ہنگامۂ ہند ان کی خواتین سے ہے

کیوں ہم آغوش اجابت نہ دعا ہو میری
جا ملی عرش پہ جبریل کی آمین سے ہے

چمنستان معانی میں اگر ہے رونق
تو وہ میرے ہی دل افروز مضامین سے ہے

چودھویں رات کا چاند آپ ہے، سامان اپنا
مطلب اس کو نہ پرن سے ہے نہ پروین سے ہے

(چمنستان ص۱۱،۱۲ کلکتہ مؤرخہ ۱۱/اگست ۱۹۳۶ء)

(۷۶) قادیانیات

پکڑ فولاد سے بھی ہے مری سخت
میرا سینہ ہے چکلا اور چوڑا

غلام احمد مرا لوہا گیا مان
اٹھایا میں نے جب دیں کا ہتھوڑا

ہر اک میداں سے بھاگے قادیانی
کہ ان کا پیشواء بھی تھا بھگوڑا

بشیرالدین کا ٹٹو تھا مریل
لگے چابک نہ لیکن پھر بھی دوڑا

چڑھی گھی کی کڑھائی قادیاں میں
کنہیا نے تلا اپنا پکوڑا

اگر منہ زور ہے باطل کا گھوڑا
تو میرے پاس بھی ہے حق کا کوڑا

چلی پنجاب میں جب دیں کی گاڑی
تو اٹکا قادیانیت کا روڑا

کیا مرزا نے بدنام انبیاءؑ کو
محمدؐ مصطفیٰ تک کو نہ چھوڑا

دیئے اسلام کو چرکے جنہوں نے
انہیں سے اس نے اپنا رشتہ جوڑا

نبوت لنگڑی اور اندھی خدائی
ملا ہے خوب ان دونوں کا جوڑا

یہی ان کی نبوت کی ہے پہچان
کہ مر کر بھی نہ منہ لندن سے موڑا

(رنگون مؤرخہ یکم/ستمبر ۱۹۳۶ء)

(۷۷) مانڈلے

رسولؐ اللہ کی عزت کا لہراتا ہوا پرچم
میں آ پہنچا کہ چھڑکوں قادیاں کے زخم پر مرچیں
نئی تہذیب کا بہروپیا نکلا جو روما سے
ہزاروں آشنا کشتے ہیں جس شفتل کے غمزوں کے
گئوماتا کی آنکھیں لگ رہی تھیں جس پہ مدت سے

میں کلکتہ سے رنگون اور وہاں سے مانڈلے پہنچا
مسلمانوں کا منہ بھرنے کو گھی اور کھانڈلے پہنچا
تو اپنی ذات کے کچھ بھڑوے اور کچھ بھانڈلے پہنچا
ہمارے گھر بھی مغرب وہ پنوتی رانڈ لے پہنچا
چلا لندن سے لنلتھ[۱] گاؤ اور وہ سانڈ لے پہنچا

(چمنستان ص ۱۷، ۱۸ رنگون مؤرخہ ۲؍ستمبر ۱۹۳۶ء)

(۷۸) شان احمد مجتبیٰ

جو رونق عرب کی ہوئی شان احمدؐ
خدا کی محبت کی گیرائیوں نے
فرشتے یہ کل عرش پہ کہہ رہے تھے
نہ دیکھی ہو تصویر رحمت کی جس نے
ہوئے ریزہ چیں گبرو ترسا بھی اس سے
ارسطو کی حکمت ہے یثرب کی لونڈی
بنا ماہ نو جھک کے نعل اس کے سم کی
یہ قصہ نہ ہو ختم شام ابد تک
یہاں جنس توحید کی بیچتے ہیں
ہوئی ظلمت کفر کافور جب سے
مجھے دین و دنیا کی دولت ملی ہے
مری مدح کرتی ہے ساری خدائی
ترانے مرے عرش پر گونجتے ہیں

تو زینت عجم کی ہوئی آن احمدؐ
قسم جس کی کھائی وہ ہے جان احمدؐ
کہ کسریٰ و قیصر ہیں دربان احمدؐ
وہ دیکھے سراپا رخشان احمدؐ
وسیع اس قدر ہوگیا خوان احمدؐ
فلاطوں ہے طفل دبستان احمدؐ
بڑھا جب سوئے بدر یکران احمدؐ
گنانے پر آؤں جو احسان احمدؐ
چمکتی اسی سے ہے دکان احمدؐ
ہے روشن چراغ شبستان احمدؐ
کہ ہے میرے ہاتھوں میں دامان احمدؐ
ہوا ہوں میں جب سے ثنا خوان احمدؐ
میں ہوں عندلیب گلستان احمدؐ

[۱] لارڈ لنلتھ گاؤ ہندوستان کے وائسرائے تھے اور انہیں بیل پالنے اور گائیوں کی پرورش کرنے کا بہت شوق تھا۔

یہود و نصاریٰ کو رہنے نہ دیں گے
عرب میں کبھی جان نثاران احمدؑ
نکالیں گے چن چن کر ان کو یہاں سے
کہ پہنچا ہے ہم کو یہ فرمان احمدؑ
ہے الٹی عجب کھوپڑی قادیاں کی
نبی بن گئے ہیں غلامان احمدؑ
اڑائیں گے پرزے ''براہین'' کے ہم
کہ برہان قاطع ہے برہان احمدؑ
مبارک ہو رندان ہندوستاں کو
کہ پھر جوش میں ہے خمستان احمدؑ

(چمنستان ص۱۹،۲۰ رنگون مؤرخہ ۴؍ستمبر ۱۹۳۶ء)

(۷۹) ٹیچی ٹیچی

نبوت مجھے بخشی انگریز نے
یہ پودا اسی کا ہے خود کاشتہ
پلومر[۱] کی بھٹی سلامت رہے
ہے جس کی صبوحی مرا ناشتہ
کنہیا بھی ہوں اور مہدی بھی ہوں
ہے دونوں کی عزت مری داشتہ
دکھائے نہ توحید آنکھیں مجھے
کہ تثلیث ہے پرچم افراشتہ
یہ ہے ٹیچی[۲] ٹیچی کی بروقت پچ
جو ہے میری تھیلی زر انباشتہ

(رنگون مؤرخہ ۵؍ستمبر ۱۹۳۶ء)

(۸۰) سایۂ شمشیر

مری آنکھوں کو منظور آج مشق خونچکانی ہے
جگر سے تا بموگاں مجھ کو رود سرخ لانی ہے
کبھی موسم بھی آ ہی جائے گا پرہیزگاری کا
شراب تیز لاساقی کہ ہنگام جوانی ہے
روایات سلف کو زندہ رکھنا اس زمانہ میں
نشان کامگاری ہے دلیل کامرانی ہے

[۱] ای پلومر مال روڈ لاہور کی مشہور دکان جہاں ادویہ کے علاوہ اعلیٰ درجے کی غیر ملکی شرابیں فروخت ہوتی تھیں۔ مرزا غلام احمد آں جہانی اور مرزا بشیر الدین محمود مدت العمر تک اس دکان سے شراب خریدتے رہے ہیں۔ شعر میں اسی حقیقت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

(خطوط امام بنام غلام ص۵، از حکیم محمد حسین قریشی قادیانی)

[۲] مرزا غلام احمد قادیانی کا فرشتہ خاص جو تنت کے وقت آسمان قادیان سے اتر کران کی جیب روپوں اور نوٹوں سے بھر دیا کرتا تھا۔ (تذکرہ طبع سوم ص ۵۲۹)

علیؓ کے بازوئے زور آزما کی ہے قسم مجھ کو
کہ پنہاں سایۂ شمشیر میں صاحقرانی ہے
محمدؐ کی غلامی کا شرف جس کو ہوا حاصل
سکندر کا وہ ہمتا ہے سلیماںؑ کا وہ ثانی ہے
ہزاروں مستیاں پیدا ہیں بطحا کے خمستاں سے
نہ ہو کیوں یہ شراب اچھی کہ صدیوں کی پرانی ہے
وہ خون لاہور کی گلیوں کو گلگلوں کردیا جس نے
مرے مضمون کا عنواں اسی سے ارغوانی ہے
کروں گا انقلاب اس ملک میں اک روز میں برپا
کہ نیلی پوش ہوں میں اور مرا رنگ آسمانی ہے
ہمیں ایک روز ہوں گے جلوہ گر اس کے سنگھاسن پر
کہ صدہا سال سے دہلی ہماری راجدھانی ہے
کٹایا جس نے راہ حق میں سر جنت میں جا پہنچا
بشارت یہ سنی میں نے بزرگوں کی زبانی ہے
میں دیتا جاؤں گا یہ مشورہ رنگون والوں کو
کہ برما میں بساط ان کو اخوت کی بچھانی ہے
مبّرا ہے کلام آورد کے اسقام سے میرا
مرے اشعار کی آمد میں دریا کی روانی ہے

یہ نظم جب ایک محفل میں پڑھی جاچکی تو کچھ مسلمانوں نے اصرار کیا کہ دو ایک شعر اسی زمین میں قادیاں شریف پر بھی ہوجانے چاہئیں۔اس فرمائش کی تعمیل اسی وقت یوں کی گئی:

انہیں ڈھب چندہ لینے کے ہیں یاد اتنے کہ میں سمجھا
یہ چندہ مانگنے والا یقیناً قادیانی ہے
پلومٹرؔ کا وہ آب آتشیں اب مجھ کو پلوا دے
دو بالا جس سے ہو جاتا نشاط زندگانی ہے

(چمنستان ص۲۳،۲۴ رنگون مؤرخہ ۱۰ر ستمبر ۱۹۳۶ء)

(۸۱) نوید لا تقنطوا

کفر کی رخشندہ بستی میں اندھیرا کردیا
تین سو تیرہ نے اس کو تین تیرہ کردیا
میں شتر باں تھا جہاناں کردیا اسلام نے
مرتبہ اس نے بلند اس درجہ میرا کردیا
مانگتا میں اس سے بڑھ کر اور کیا تجھ سے مراد
تیری رحمت نے خدایا مجھ کو تیرا کردیا
اپنے بندوں کو سنایا مژدہ لاتقنطوا
تو نے آباد ان سیہ بختوں کا ڈیرا کردیا
سیکھ لے مجھ سے کوئی آنکھوں میں راتیں کاٹنا
میری آنکھوں نے اندھیرے کو سویرا کردیا

ل مال روڈ لاہور پر مسٹر ای پلومر کی انگریزی ادویات کی دکان تھی جس میں اعلیٰ درجہ کی انگریزی شراب بھی ہوا کرتی تھی اور میرزا غلام احمد آنجہانی اور میرزا بشیرالدین محمود اس دکان سے مدت العمر تک یہ شراب خریدتے رہے ہیں جس کی طرف مولانا نے اپنے شعر میں اشارہ کیا ہے۔

دی کسی کو حق نے ذلت اور بنایا مالوی[1] بخش کر عزت کسی کو ڈی ویلیرا[2] کردیا
اندلس میں جا ہی پہنچے پھر مراکش کے جواں قصر الحمرا پہ نصب اپنا پھریرا کردیا
میرزا جی کا خدا بھی خوب ہے جس نے انہیں پہلے پیغمبر بنایا پھر لٹیرا کردیا

(چمنستان ص۲۷ رنگون مؤرخہ ۱۳ر ستمبر ۱۹۳۶ء)

(۸۲) اللہ کی قدرت

اللہ کی قدرت کا نشان ہے مری قسمت جس کی چمک انگریز کی سنگین سے نکلے
نکلیں گے مرے دل کے سب ارماں بھی اسی طرح جس طرح یہود ارض فلسطین سے نکلے
وہ آگ میں ڈوبے ہوئے نالے ہیں قیامت جن کی عربی لے عجمی بین سے نکلے
گم تھے نئی تہذیب کے فرسودہ قبالے ڈھونڈا تو وہ پٹرول کے اک ٹین سے نکلے
مرزائیوں کے جہل مرکب کے سبھی ڈھنگ ان کے متنبّی کی ''براہین'' سے نکلے
اللہ کے شیروں سے یہ جنگل نہیں خالی کچھ ان میں تمائیں سے کچھ انسین سے نکلے
جس میں ہے سہارا تو فقط گائے کی دم کا اچھا ہوا امید کر اس دین سے نکلے
پنجاب میں الفاظ کی تہذیب کے انداز نکلے تو مرے قاف سے اور شین سے نکلے
ہیں جس قدر انسان کی ترقی کے مراتب پیغمبرؐ اسلام کے آئین سے نکلے

(چمنستان ص۴۶، ۴۷ رنگون مؤرخہ ۲۹ر ستمبر ۱۹۳۶ء)

(۸۳) مرزائیوں کے حق میں قیامت ہے بٹالہ

احرار کے بت خانہ سے مظہر کو بلا لا منظور بنانا ہو جو مسجد کو شوالا
مرزائیوں کے حق میں قیامت ہے بٹالہ کافر کا جنازہ اسی بستی نے نکالا
ہر بچہ بٹالہ کا ہے مرد مجاہد جو سوئی یہاں کی ہے وہ بن جاتی ہے بھالا

۱؎ پنڈت مدن موہن مالویہ ان ہندوستانی لیڈروں میں سے تھے جو انگریز کے زیرسایہ ہندو اکثریت کی حکومت کے زبردست حامی تھے۔

۲؎ ڈی ویلیرا آئرلینڈ کے انقلابی رہنماء تھے جنہوں نے آئرلینڈ کو انگریز کی غلامی سے آزاد کرا دیا اور جہاں جمہوریت قائم کی جس کے وہ آج تک صدر چلے آرہے ہیں۔

ملتی ہیں بچارے کو شکستوں پہ شکستیں
اسلام سے پڑتا ہے جہاں کفر کو پالا
لالہ سے یہ کہہ دو کہ مسلمان سے نہ الجھے
معبود مسلماں کا ہے اللہ تعالیٰ
اسلام کی دولت کے کرشموں پہ نظر کر
آتے ہی اچھوتوں کا ہوا رتبہ دوبالا
سرکار مدینہؐ سے ملا مجھ کو بھی کمّل
انہوں نے بخاری کو جو بخشا ہے دوشالا
زندہ رہے پائندہ رہے نور محمد
اسلام کا نام اس نے بٹالہ میں اچھالا

(چمنستان ص۶۳،۶۴ بٹالہ مؤرخہ ۲۰؍دسمبر۱۹۳۶ء)

(۸۴) مسجد فروش

سراپا ڈھل کے نکلا ہے مرا بطحاء کے سانچے میں
مرا مسلک براہیمی مری فطرت حجازی ہے
زمیں سے آسماں تک میری دارائی کے چرچے ہیں
مراسارا سروساماں خدا کی کارسازی ہے
میں رنگ ونسل کی لعنت کا پہلے دن سے دشمن ہوں
مسلمان زادہ ہوں میری یہ شان امتیازی ہے
مری کوتاہیوں کا طعنہ گھر رکھ لیں وطن والے
کہ قائم رہنے والی میری رشتہ کی درازی ہے
نہیں قائل ہوا میں آج تک ان کی شریعت کا
خدا جن کا بروزی ہے نبی جن کا برازی ہے
خدا شرمائے مسجد بیچنے والوں کی ٹولی کو
لگائی جس نے کونسل کے لئے سردھڑ کی بازی ہے
بھرم کھولا ''مچھندر مولوی'' کا خاکساروں نے
کہ اس مسجد شکن کا کام ہی شاہد نوازی ہے

(چمنستان ص۶۴ لاہور مؤرخہ ۲۶؍دسمبر۱۹۳۶ء)

(۸۵) بقائے وحدت اسلام کے وسائل

جو چاہتے ہو کہ روشن بڑوں کا نام کرو
تو جس نے ان کو بڑا کردیا وہ کام کرو
کرو خدا پہ بھروسا جو سب سے اچھا ہے
پھر اپنی قوت بازو سے اقتصام کرو
غلام احمدؐ مختار ہو، خدا کے لئے
نہ اپنے آپ کو اغیار کا غلام کرو
اس ابتلاء سے خدا کی ہزار بار پناہ
کہ جھک کے تم کسی نااہل کو سلام کرو
کبھی صلیب کی شہ رگ کو جس نے کاٹا تھا
پھر اس ہلال کے خنجر کو بے نیام کرو
نہیں ہے اس میں عرب اور عجم کی کچھ تخصیص
وہی وطن ہے تمہارا جہاں مقام کرو
بقائے وحدت اسلام ہے اگر منظور
تو قادیاں کی نبوت کی روک تھام کرو

(چمنستان ص۷۱،۷۲، مؤرخہ ۲۶؍فروری۱۹۳۷ء)

(۸۶) قادیان ہوا زیر

جب ’’مدینہ‘‘[1] کے قلمکار یہودی ہوجائیں
کیوں نہ پھر اس کو بھی تابوت سکینہ کہئے

کالی ماتا کی اسے لکھئے چہیتی بیٹی
یا مہادیو کی اولاد نرینہ کہئے

قادیاں جس سے ہوا زیر سسل ہوٹل میں
اس کو اٹلی کی وہ سفّاک حسینہ کہئے

گاندھوی رنگ میں اسلام کی کیجئے تعبیر
یعنی اس کو ہوس نان شبینہ کہئے

کانگرس جس سے مسلمان کو لیتی ہے خرید
اپنے سینہ کو اسی زر کا خزینہ کہئے

اڑ رہا جس پہ ہے نہرو کا ترنگا جھنڈا
اپنے اخبار کو اس بام کا زینہ کہئے

وہ دعا آپ کو دے آپ اسے گالی دیں
آپ ہیں یا ہے ’’زمیندار‘‘ کمینہ کہئے

(چمنستان ص۸۶، مؤرخہ ۱۹؍جولائی ۱۹۳۷ء)

(۸۷) لگاؤ اور لاگ

گرمی ادھر اگست کی اور چائے کی ادھر
اوپر اگر ہے آگ تو نیچے بھی آگ ہے

ہے مذہب حجاز کی ضد دین قادیاں
اس سے مجھ لگاؤ ہے اور اس سے لاگ ہے

منہ زور ہو رہی ہے خلافت کی مادیاں
ملتانیوں کے ہاتھ میں آج اس کی باگ ہے

گل موسیو بشیر کے گھر کا ہوا چراغ
آج ان کی نو عروس کا لٹتا سہاگ ہے

اسلام تاکتا ہے محمد[2] علی کو اب
باقی جو رہ گیا ہے پرانا یہ گھاگ ہے

(کرم آباد مؤرخہ ۴؍اگست ۱۹۳۷ء)

(۸۸) تابوت قادیاں میں آخری میخ

نبیؐ کی شرم نہ ہو خوف لا الٰہ نہ ہو
ہوس نہ جس کی ہو ایسا کوئی گناہ نہ ہو

اگر چھنے بھی تو گاڑھی چھنے یہود کے ساتھ
نہ ہو تو شرع نبیؐ ہی سے رسم وراہ نہ ہو

امان ہو وہی بخشے کلیسا نہ ہو جس کو
پناہ ہو وہی کعبہ کی جو پناہ نہ ہو

[1] اخبار مدینہ بجنور۔

[2] محمد علی جماعت مرزائیہ کی لاہوری پارٹی کے امیر تھے۔

نجات سے رہے محروم تابہ شام ابد
وہ بد گہر جو نصاریٰ کا خیرخواہ نہ ہو
شراب آئے تو تثلیث کے خمستاں سے
نہ ہو تو بادۂ توحید ہی کی چاہ نہ ہو
ٹیچی کی پچ پہ جو بارش ہو نقرہ وزر کی
تو پھر خزانۂ قاروں پر بھی نگاہ نہ ہو
سواد عرش سے اترے محمدی بیگم
قیامت آئے اگر اس دلہن سے بیاہ نہ ہو
خدا کہے کہ انا منک ایھا المرزا
تو لنگ ہو وہ زبان جس پہ واہ واہ نہ ہو
کرے جو بعد میں مئی اصرار انت منی پر
تو قدسیوں کو بھی یارائے اشتباہ نہ ہو
نہ لطف بیٹھ کے بجرے میں دے بیاس کی سیر
اگر بغل میں کوئی ماہ نیم ماہ نہ ہو
غرض صحیفۂ اعمال پر پڑے جو نظر
نہ کوئی گوشہ بھی ایسا ہو جو سیاہ نہ ہو
جب اس میں جمع ہیں یہ سب جہنمی صفتیں
غضب ہے پھر بھی اگر قادیاں تباہ نہ ہو

(مؤرخہ ۴/اگست ۱۹۳۷ء)

(۸۹) سرہربرٹ ایمرسن سے گلہ!

کفر کی شوخی جھانک رہی تھی استعمار کے روزن سے
ملت بیضاء کو یہ گلہ ہے سرہربرٹ ایمرسن[۱] سے
امت مرزا جھاڑ کی صورت لپٹی ہے دین کے دامن سے
برق کلیسا کھیل رہی ہے یثربیوں کے خرمن سے
کس سے کریں فریاد مسلماں کیسے زباں پر آئے فغاں
چھید رہی ہے جن کو حکومت استبداد کے سوزن سے
جو نہ ہوئی مکہ میں میسر اور نہ مدینے ہی میں ملی!
آئے بہشتی مقبرے والے لے کے وہ عزت لندن سے

(لاہور مؤرخہ ۸/اکتوبر ۱۹۳۷ء)

(۹۰) سحر حلال

پناہ اللہ کی مرزائیوں کے پیشواؤں سے
امام ان کا ہے گٹھ کترا نبی ان کا لٹیرا ہے
وہ افعی بانبیاں ضحاک کے شانوں میں تھیں جن کی
بروز اس عہد میں ان کا غلام احمد سپیرا ہے
ہوئی ہے قادیاں کی مادیاں کی پرورش جس میں
بشیرالدین محمود اس طویلے کا بچھیرا ہے
مخالف لیگ کے تھے جس قدر اب وہ بھی کہتے ہیں
اگر تیری طلب صادق ہے پاکستان تیرا ہے
وہ نوزائیدہ دولت نام پاکستان ہے جس کا
فضائے ہند میں لہرا رہا اس کا پھریرا ہے

(لاہور مؤرخہ ۲/مارچ ۱۹۴۵ء)

[۱] سرہربرٹ ایمرسن متحدہ پنجاب کے گورنر تھے۔

(۹۱) حضرت پاپائے قادیاں کے حضور میں

مسرت کی تانیں اڑائے چلا جا
محبت کی پینگیں بڑھائے چلا جا

غنیمت سمجھ کر فرصت عاشقی کو
حسینوں سے آنکھیں لڑائے چلا جا

تری بات پر گر نہ ایمان لائے
مسلماں کو کافر بنائے چلا جا

سنا جاہلوں کو نبوت کی باتیں
پیمبرؐ کا رتبہ گھٹائے چلا جا

بھلائے چلا جا خدا کے غضب کو
شریعت کی بنیاد ڈھائے چلا جا

ترے مقبرے کے بہشتی بھی سن لیں
میرے شعر چمٹے پہ گائے چلا جا

(۹۲) مرتد کی سزا

کھلنے کو ہیں پنجاب کے گلشن میں نئے پھول
دینے کو پیام آئی صبا اور ہی کچھ ہے

تکبیر کے نعروں نے ہلایا ہے فلک کو
آج آرہی گنبد سے صدا اور ہی کچھ ہے

پو پھٹنے نہ پائی کہ ہوئی نور کی بارش
لاہور کی گلیوں کی فضا اور ہی کچھ ہے

شوریدہ سری کا تو ہے الزام ہی الزام
اللہ کے بندوں کی سزا اور ہی کچھ ہے

ہے تاج کی خواہش نہ تمنا ہے نگیں کی
اسلام کا مقصد بخدا اور ہی کچھ ہے

مغرب میں بھی اچھوں کو برا کہتے ہیں لیکن
اس جرم کی مشرق میں سزا اور ہی کچھ ہے

فرعون نے بچوں کو تہ تیغ کیا تھا
پر آپ کا انداز جفا اور ہی کچھ ہے

مانا کہ ہیں ٹیگور کے اشعار دل آویز
اقبال کے نغموں میں مزا اور ہی کچھ ہے

یہ سچ ہے کہ اٹلی کے حسین آفت جاں میں
بنگالہ کے جادو کی ادا اور ہی کچھ ہے

دیتے ہیں قرار آپ نصاریٰ کو اولی الامر
فرمودۂ شاہ دوسرا اور ہی کچھ ہے

توحید کے پرچم کو جھکانے وہ چلے ہیں
پر فیصلۂ کلک قضا اور ہی کچھ ہے

ہم سنتے ہیں کچھ اور ہی راوی کی زباں سے
یاروں نے اٹک پار کیا اور ہی کچھ ہے

یہ وہم خدا ہی ہے جو زائل ہو دلوں سے
تنظیم کے پردہ میں چھپا اور ہی کچھ ہے

یہ وہم خدا ہی ہے جو زائل ہو دلوں سے
تنظیم کے پردہ میں چھپا اور ہی کچھ ہے

تلوار کا شکوہ ہے نہ جزیہ کی شکایت
کافر کو مسلماں سے گلہ اور ہی کچھ ہے
تم کہتے ہو ہرگز نہیں مرتد کی سزا قتل
ہم نے تو شریعت سے سنا اور ہی کچھ ہے
ان آریہ پرشوں کو خدارا کوئی سمجھائے
خود ان کے منوجی کی کتھا اور ہی کچھ ہے
ویدوں کی بیوستھا ہے ادھرمی کو جلا دو
آج آپ یہ کہتے ہیں کہ ''لا'' اور ہی کچھ ہے
چرخے سے علاج مرض ہند نہ ہوگا
یہ درد وہ ہے جس کی دوا اور ہی کچھ ہے

(بہارستاں ص۱۰۵)

(۹۳) گولیوں کا کھیل

جیل کے افسر ہیں خوگر بربریت ہی سے کیوں
آدمی ہو کر ہیں عاری آدمیت ہی سے کیوں
''بدمعاشی'' شیوہ ہے زنداں میں سب احرار کا
اس قدر ضد پھر حکومت کو ہے حسر ہی سے کیوں
کچھ بھی گر ہوتا شریف بے شرف کو پاس دیں
جا کے یہ کمبخت ٹکراتا خلافت ہی سے کیوں
قادیاں جب حجت ''اکملت'' کا منکر نہیں
پھر اسے انکار ہے ختم رسالت ہی سے کیوں
روس کی طاقت سے جب برطانیہ خائف نہ ہو
لرزہ براندام ہے ترکوں کی ہیبت ہی سے کیوں
چین میں تو چار سو ملین نفوس آباد ہیں
یہ ڈر افغانوں کی مٹھی بھر جماعت ہی سے کیوں
جب ہمارا سینہ حاضر ہے تو ان کی گولیاں
کھیلتی ہیں خواجہ کی دیوار تربت ہی سے کیوں
چور اگر دل میں نہ ہوتا پھر حکومت جانچتی
ہند کے طرز عمل کو اپنی نیت سے ہی کیوں

(حبسیات ص۱۱۱،۱۱۲)

متفرق اشعار

(اس عنوان کے تحت بہت سے ایسے اشعار بھی تھے جو پہلے نظموں میں گزر چکے تھے تکرار کے سبب حذف کر دیئے گئے)

ہے مسیلمہ کی دولت جو ملی ہے میرزا کو
یہ غراب آخریں ہے جو وہ تھا کلاغ پہلا
وہ اگر عرب کی ضد تھا تو یہ قادیاں کی ہٹ ہے
یہ الاغ دوئی میں ہے جو وہ تھا الاغ پہلا

(مؤرخہ ۲۲؍ستمبر ۱۹۳۶ء)

(غراب کوّا، کلاغ جنگلی کوّا، الاغ کشتی کو کہتے ہیں۔مرتب)

آشکارا کر دیا جمعیت اسلام نے
قادیانیت کی روز افزوں پریشانی کا راز

منکر ختم نبوت ہو رہا ہے قادیان
آ گیا وقت جہاد ایمان کا خنجر نکال

کہہ دو مرزا سے کہ خاک کعبہ اڑ سکتی نہیں
اپنے دل سے یہ تمنائے جنون پرور نکال

جھوٹی پیمبری نے سہادا دیا جنہیں
کیوں لڑکھڑا نہ جائیں ان اوہام کے قدم

فتنے نئے نئے ہوئے پیدا جہاں گئے
پنجاب کے نبیٔ بدانجام کے قدم

(مؤرخہ۱۱/ستمبر۱۹۳۶ء)

لندن سے جو بچا تھا وہ شملے میں لٹ گیا
اور اس پہ مستزاد ہوئی قادیان کی لوٹ

(مؤرخہ۱۲/ستمبر۱۹۳۶ء)

بک چکیں گی جب بہشتی مقبرے کی ہڈیاں
ٹیکس لگ جائے گا میش قادیاں کی اون پر

(مؤرخہ یکم/جنوری۱۹۳۷ء)

طوق استعمار مغرب خود کیا زیب گلو
اور گواہ اس پر ہیں مرزا کی پچاس الماریاں

ارمغان قادیان

(حصہ نثر)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

(۱) احمد کون ہے؟

حضور سرورکون ومکاں ﷺ یا میرزائے قادیاں

قادیان اور لاہور کے گروہوں میں جنہیں عرف عام اندلسی اور دمشقی یعنی کمالی اور محمودی کا لقب امتیازی دے چکا ہے۔ بڑی وجہ افتراق ظاہر ہے کہ میرزا غلام احمد قادیانی کی شان مامور من اللّٰہی کی نوعیت کی تعیین ہے۔ میرزا بشیرالدین محمود اپنے والد ماجد کو نبیٔ برحق مانتے ہیں اور دوسروں سے بھی منوانا چاہتے ہیں کہ اس نبی پر ایمان نہ لانا منکر کو مستوجب خسران وخذلان قرار دے گا اور اس بدنصیب کو نجات کبھی نہ ہو سکے گی۔

بخلاف اس کے خواجہ کمال الدین اور ان کے ہم عقیدہ بزرگ میرزا غلام احمد قادیانی کو ایک ظلی اور بروزی نبی مانتے ہیں اور اگرچہ حضرت صدیق اکبرؓ، حضرت فاروق اعظمؓ، حضرت عثمان ذی النورینؓ اور حضرت علی مرتضٰی کرم اللہ وجہہ کو جناب موصوف سے کمتر درجہ عنایت کرتے ہیں۔ لیکن پھر بھی غالباً ان کا یہ خیال نہیں ہے کہ جو شخص صرف محمد مصطفٰی ﷺ کی نبوت پر ایمان لائے اور میرزا قادیانی کا معتقد نہ ہو، اس کے لئے دارالبوار کے سواء اور کوئی ٹھکانہ ہی نہیں۔

میرزا قادیانی کی نبوت کی تشریعیت یا بروزیت کی یہ بحث قادیاں اور لاہور کے ان دو بڑے مقتدر گروہوں ہی کو مبارک ہو۔ ہم پرانے عقیدہ کے دقیانوسی مسلمان تو یہی سمجھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ خاتم النّبیین ہیں۔ دین اسلام کو حضور علیہ السلام کامل ومکمل کر کے گئے اور خدائے قدوس کے حیّ اور قیوّم (قرآن مجید وفرقان حمید) کو اپنی نبوت بالغہ وکاملہ کی ابدی

نشانی اپنے پیچھے چھوڑ کر دل اور دماغ اور آنکھ رکھنے والے مسلمان کو کسی نبی یا کسی مجدد کی طرف سے مستغنی کرتے گئے۔ اس لئے کہ جیتا جاگتا اور زندہ وتوانا مجدد ہم میں خود کلام اللہ موجود ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ جن کا درجہ مقام الوہیت سے صرف دوسرے درجہ پر ہے ہم کسی انسان کے مقابلے میں ظلاً یا بروزاً لاتے ہوئے بھی خواہ وہ انسان میرزا غلام احمد قادیانی کا ہم مرتبہ ہی کیوں نہ ہو ڈرتے ہیں:

باخدا دیوانہ باش وبا محمدؐ ہوشیار

تشریعیت اور بروزیت کی بحث نے اپنے منطقی اثرات کے لزوم قاطع کے لحاظ سے اب ایک نئی شکل اختیار کی ہے یعنی میرزا بشیرالدین محمود قادیانی نے اپنے والد ماجد کے ملفوظات کے حوالہ سے یہ دعویٰ فرمایا ہے کہ سورۃ الصّف میں: ’’**مبشّراً برسول یاتی من بعدی اسمہ احمد**‘‘ کی بشارت کے مصداق حضور سرور کائنات ﷺ نہیں بلکہ خود آپ کے پدر بزرگوار ہیں۔ اس دعویٰ کی توضیح آپ نے یہ کہہ کر فرمائی ہے کہ بلحاظ نام کے تو یہ پیش گوئی میرزا غلام احمد قادیانی پر چسپاں ہوتی ہے اور باعتبار صفت بھی اس کے موضوع وہی ہیں گو صفت احمدیت کے اوّلین مظہر حضور سرور کائنات ﷺ ہی کیوں نہ ہوں۔

اس دعویٰ کو مولوی محمد علی لاہوری نے جو میرزا بشیرالدین محمود قادیانی کی جماعت مخالف کے ایک سربرآوردہ رکن ہیں ’’احمد مجتبیٰ ﷺ کا انکار‘‘ خیال کیا ہے اور اس کی تردید میں ایک مضمون بھی لکھا ہے جس کی نسبت فریق ثانی کو الفاظ کی تلخی اور لہجہ کی درشتی کی شکایت ہے۔

اس تو تو میں میں کا نتیجہ اس وقت تک صرف اس قدر مترتب ہوا ہے کہ میرزا بشیرالدین محمود نے اعلان فرمایا ہے کہ اگر مولوی محمد علی قرآن کریم اور احادیث صحیحہ سے ثابت کردیں کہ: ’’(الف) احمد رسول کریم ﷺ کا نام تھا نہ کہ صفت (ب) جو نشانات قرآن کریم میں احمد موعود کے آئے ہیں۔ وہ رسول کریم ﷺ پر چسپاں ہوتے ہیں۔‘‘

تو آپ پانچ سو روپیہ بطور تاوان انہیں دینے کے لئے تیار ہیں۔

چونکہ میرزا بشیرالدین محمود قادیانی کے دعویٰ کی تحدّی صرف مولوی محمد علی لاہوری ہی کے لئے نہیں ہے بلکہ ہم مسلمانوں کی طرف بھی اس باب میں آپ کا روئے سخن ہے۔ اس لئے مختصراً چند جملے میں بھی عرض کرنے کی اجازت چاہتا ہوں۔

پوری آیت زیر بحث کے الفاظ حسب ذیل ہیں: ’’واذ قال عیسٰی ابن مریم یا بنی اسرائیل انّی رسول اللہ الیکم مصدقاً لما بین یدیّ من التوراۃ ومبشراً برسول یأتی من بعدی اسمہٗ احمد فلمّا جاء ھم بالبیّنات قالوا ھذا سحرٌ مّبین‘‘ (الصف:۶)

ترجمہ: عیسٰی ابن مریم نے بنی اسرائیل سے کہا کہ میں تمہاری طرف خدا کا رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں تا کہ ان امور کی تصدیق کروں جو تورات میں مجھ سے پہلے درج ہیں اور ایک ایسے رسول کی خوشخبری دوں جو میرے بعد آئے گا اور اس کا نام احمد ہوگا۔ پس جب وہ رسول روشن نشانیوں کے ساتھ ان میں آیا تو انہوں نے کہا کہ یہ تو کھلا ہوا جادو ہے۔

میرزا بشیرالدین محمود قادیانی اگر غور فرمائیں تو ان کا جواب خود اس آیت کریمہ کے الفاظ میں موجود ہے۔

(الف) آپ فرماتے ہیں کہ: ’’احمد‘‘ حضور سرور کائنات ﷺ کا نام نہ تھا صفت تھی، لیکن قرآن کہتا ہے کہ ’’اسمہ احمد‘‘ (اس کا ذاتی نام احمد ہے) یہ نہیں کہتا کہ اس کی صفت احمد ہے۔ میں ممنون ہوں گا اگر آپ عربی ادب یا عربی صرف ونحو سے مجھے قایل فرما سکیں کہ ’’اسم ذات‘‘ کے معنی ’’صفت‘‘ بھی ہوا کرتے ہیں۔

اس کے علاوہ آپ کے والد ماجد کا نام ’’غلام احمد‘‘ تھا ’’احمد‘‘ نہ تھا۔ اگر قرآن کی بشارت جناب میرزا غلام احمد قادیانی سے متعلق ہوتی تو سمجھ میں نہیں آتا کہ اللہ میاں کو ’’یأتی من بعد اسمہٗ غلام احمد‘‘ لکھ دینے میں کیا تکلّف تھا؟

(ب) قرآن مجید میں لفظ ’’احمد‘‘ صرف ایک جگہ اسی آیت میں آیا ہے۔ ایسی حالت میں میں نے اگر قرآن کریم کے ان نشانات کو بالتفصیل درج کیا جو رسول اللہ ﷺ کی تصدیق کرتے ہیں۔ یعنی دوسرے لفظوں میں قرآن مجید کا ایک نیا ایڈیشن لاہور کے کسی مطبع سے چھپوا کر آپ کی خدمت میں بھیج دیا تو آپ فرمائیں گے کہ یہ نشانات تو محمد ﷺ پر منطبق ہوتے ہیں احمد سے ان کا واسطہ نہیں۔ اس لئے میں اوّل تو اسی آیت کے الفاظ: ’’فلمّا جاء

ھم بالبیّنات قالوا ھذا سحرٌ مّبین ‘‘ کی طرف آپ کو توجہ دلاتا ہوں جن میں ارشاد ہوا ہے کہ جب احمد روشن نشانیوں کے ساتھ آیا تو منکروں نے کہا کہ یہ تو کھلا ہوا جادو ہے اور اس کے بعد آیت: ’’**ھو الذی ارسل رسوله بالھدیٰ ودین الحقّ لیظھرهٗ علی الدّین کلّه ولو کرہ المشرکون** (الصف: ۹) ‘‘ کی طرف آپ کو متوجہ کرنے کی اجازت چاہتا ہوں جو پہلی آیت کے شارح ہونے کے لحاظ سے احمد کے نشانات کا اظہار اس طرح کرتی ہے کہ خدا نے اپنے اس رسول (احمد) کو راہ ہدایت دکھانے اور دین حق کے پھیلانے کے لئے بھیجا تا کہ وہ تمام ادیان پر غالب آ جائے خواہ مشرکوں کو برا ہی کیوں نہ لگے۔

اب ارشاد ہو کہ یہ علامتیں رسول اللہ ﷺ کی ہیں یا مرزا غلام احمد قادیانی کی؟

رسول اللہ ﷺ اسلام کے علمبردار بن کر تشریف لائے اور دیکھتے دیکھتے یہ جھنڈا عرب، ایران، شام، مصر میں لہرانے لگا اور اس کے بعد دنیائے معلومہ کے بڑے حصہ میں باوجود ادیان مخالف کی مزاحمت کے اسلام پھیل گیا۔ پھر کیا اس احمدیت کے مصداق محمد ﷺ ہیں یا غلام احمد؟

رسول اللہ ﷺ نے جب اشاعت اسلام فرمائی تو جہاں آپ پر کفار کی طرف دوسرے آوازے کسے گئے۔ وہاں آپ کو جادوگر بھی کہا گیا۔ یہ خطاب ’’احمدیت‘‘ کی دوسری علامت تھا۔ جیسا کہ آیت قرآنی بتا رہی ہے۔ کیا مرزا غلام احمد قادیانی کو بھی کبھی جادوگر کہا گیا؟ میں نے مولوی ثناءاللہ صاحب کی تحریرات بھی دیکھیں جن کی زندگی کا بڑا حصہ اس کام کے لئے وقف ہے۔ سید جماعت علی شاہ صاحب کے خیالات سے بھی واقف ہوں۔ قادیاں کے عقائد سے بیزاری کا اظہار کرنے والے اور بھی بہت سے علما سے مجھے ملنے کا اتفاق ہوا۔ لیکن کسی کی زبانی میں نے نہ سنا کہ مرزا غلام احمد صاحب کو ’’سحر مبین‘‘ میں بھی دخل تھا۔ کفر کے فتوے ان پر لگائے گئے اور بجا طور پر لگائے گئے۔ لیکن قرآن والے احمد ﷺ کو اس کے بندوں نے کبھی کافر نہیں کہا۔ پس اگر قرآن ہی اس بحث میں حکم بن سکتا ہے تو ’’اسمهٗ احمد‘‘ والی بشارت کے مصداق صرف حضور سرور کائنات ﷺ ہیں۔

(۲)

جو کچھ اوپر لکھا جاچکا ہے، اس سے از روئے قرآن ثابت ہے کہ ''اسمہٗ احمد'' والی پیش گوئی کے مصداق حضور سرور کائنات ﷺ اور صرف حضور سرور کائنات ﷺ ہیں۔ میرزا بشیرالدین محمود قادیانی کی تحدّی کے دو اجزاء کی تنقید کرتے ہوئے میں ثابت کر چکا ہوں کہ:

(الف) ''احمد'' رسول کریم ﷺ کا نام تھا نہ کہ صفت۔

(ب) جو نشانات قرآن کریم میں احمد موعود کے آئے ہیں وہ رسول کریم پر چسپاں ہوتے ہیں۔ لیکن جناب ممدوح کے صحیفۂ مقدسہ ''الفضل'' کی دوہری تنزیل مزّینہ ۲و۵، دسمبر ۱۹۱۶ء کے مطالعہ سے معلوم ہوا کہ آپ اپنے حریف مولوی محمد علی لاہوری کو اس وقت تک پانچ سو روپیہ مرحمت فرمانے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ جب تک کہ مولوی لاہوری آپ کی تحدّی کے جزو ثالث سے بھی بحسن الوجہ عہدہ برآمد نہ ہوسکیں۔

تحدّی کا جزو ثالث یہ ہے کہ اس بات کو احادیث صحیحہ سے ثابت کر دیا جائے کہ:

(ج) رسول اللہ ﷺ نے یہ پیش گوئی اپنے اوپر چسپاں فرمائی ہے۔

اگرچہ ایسی حالت میں کہ خود قرآن مجید نہایت صاف اور روشن الفاظ میں بتا رہا ہو کہ احمد سے مراد صرف محمد رسول اللہ ﷺ ہی ہیں۔ اس بشارت بیّنہ کی تصدیق کے لئے کسی حدیث سے ثبوت طلب کرنا صرف میرزا بشیرالدین محمود احمد قادیانی ہی کا حصہ ہوسکتا ہے۔ جو کلام اللہ میں سے ایک آیت نکال کر اسے اپنے والد بزرگوار کے سر پر چپکے دیتے ہیں۔ لیکن اس خیال سے کہ مبادا وہ یہ سمجھیں کہ فریق ثانی صرف قرآن ہی سے استدلال کرسکتا ہے۔ حدیث میں درخور نہیں رکھتا یا کوئی صحیح حدیث ہی اس بارہ میں موجود نہیں ہے۔ یہ چند سطور مجھے پھر قلمبند کرنی پڑیں۔

حضرت امام مالکؒ کے اسم گرامی سے ہمارے میرزا محمود احمد قادیانی ناواقف ہوں گے اور امام صاحب کے محدثانہ فضائل کا بھی آپ کو علم ہوگا۔ امام صاحب کی معرکۃ الآراء تالیف مؤطا بھی قادیان کے مقدس کتب خانہ میں موجود ہوگی اور ایک ایسے مامور من اللہ باپ کے مجتہد العصر بیٹے کو ترکہ میں ضرور مؤطا کا وہ نسخہ بھی پہنچا ہوگا جو بروایت یحییٰ بن یحییٰ تمیمی مرتب ہوکر دنیائے اسلام میں نظر افروز علمائے فن حدیث ہوا ہے۔

میرزا بشیرالدین محمود قادیانی اس نسخہ کا آخری باب ملاحظہ فرمائیں۔ جس کا موضوع اسماء حضور سرور کائنات ﷺ ہے۔اس میں یہ حدیث آپ کی نظر سے گزرے گی۔

’’**مالک عن شهاب عن محمد بن جبیر بن مطعم ان رسول الله ﷺ قال لی خمسة اسماء انا محمد وانا احمد وانا الماحی الذی یمحو الله بی الکفر وانا الحاشر الذی یحشر الناس علی قدمی وانا العاقب**‘‘ (یعنی مالکؒ شہاب سے اور شہابؒ محمد بن جبیر بن مطعمؓ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور رسول مقبول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میرے پانچ نام ہیں۔ (۱) محمد (۲) احمد (۳) ماحی (۴) حاشر اور (۵) عاقب۔ ماحی میں اس لئے کہلاتا ہوں کہ اللہ جل جلالہٗ نے میری وساطت سے کفر کے نقش کو مٹا دیا اور حاشر مجھے اس لئے کہتے ہیں کہ قیامت کے دن انسان میرے نقش قدم پر چلیں گے اور میرا نام عاقب بھی ہے۔

اس حدیث نے تو بحث کا خاتمہ ہی کر دیا۔ ہاں! یہ ممکن ہے کہ میرزا محمود قادیانی اپنے کسی خانہ ساز اصول تنقید سے اس کی تضعیف فرمادیں۔ اس وقت کے لئے میں چشم براہ ہوں اور دیکھنا چاہتا ہوں کہ میرزا قادیانی اس میں کیا مین میکھ نکالتے ہیں۔

(۳)

اس وقت ’’الفضل‘‘ کا سینتالیسواں صحیفہ جو قادیاں کے آسمان سے ۱۶/دسمبر ۱۹۱۶ء کو نازل ہوا میرے سامنے ہے۔ اس خیال سے کہ ’’اسمہٗ احمد‘‘ والی بشارت کے متعلق کلام مجید اور موطّائے امام مالکؒ سے جو معقولی اور منقولی دلائل میں پیش کر چکا ہوں ان کی یا تو کوئی معقول تردید کی گئی ہوگی یا اگر انصاف کوئی چیز ہے تو ان کے آگے سر تسلیم خم کر دیا گیا ہوگا۔ میں نے میرزا بشیرالدین محمود قادیانی کے مقدس صحیفہ پر بار بار نگاہ تفحص ڈالی۔ لیکن ’’انوار خلافت‘‘ کے تحدّی آمیز اشتہار کے سوا اور کچھ دیکھنے میں نہ آیا۔ جس میں جناب ممدوح کے انوکھے دعویٰ کا اعادہ اس طرح کیا گیا ہے۔

’’حضرت امیرالمؤمنین خلیفۃ المسیح ثانی نے گزشتہ سالانہ جلسہ پر اسمہٗ احمد کے

متعلق جو تقریر فرمائی تھی۔ وہ حضور کی دوسری تقریروں کے ساتھ چھپ کر تیار ہوگئی ہے۔ اس تقریر میں تمام دنیا کے عالموں اور فاضلوں کو چیلنج دیا گیا ہے۔ اس میں حضرت مسیح موعود کا نام احمد ہونے کے متعلق بڑے زبردست دلائل دیئے گئے ہیں جن کا توڑنا ناممکن ہے۔‘‘

یہ تو بعید از قیاس ہے کہ جو کچھ میں نے اس موضوع پر لکھا ہے وہ جناب مرزامحمود کے ملاحظہ سے نہ گزرا ہوا۔ اس لئے کہ ’’ستارۂ صبح‘‘ ہر ہفتے آپ کی خدمت بابرکت میں بلاناغہ حاضر ہوتا ہے۔ یہ بھی ممکن نہیں کہ میرے پیش نمودہ دلائل پر اعتناء کرنے سے آپ کو اس خیال نے باز رکھا ہو کہ اگر دلائل مذکورہ کی تردید نہ ہوسکی تو کہیں پانچ سو روپیہ گرہ سے نہ جائیں۔

اس لئے مجھے خیال ہوتا ہے کہ مرزامحمود قادیانی غالباً قادیاں کے منارۂ شریف سے روح القدس کے نزول کے منتظر ہیں تاکہ لاہوتی تجلیات سے ضیاء اندوز ہونے کے بعد کوئی روشن حجت میری تشفی کے لئے پیش فرماسکیں۔

چونکہ میں نہیں کہہ سکتا کہ میرے دلائل کی تنقید کب ہوگی۔ اس لئے یاددہانی کے طور پر میں ایک اور حدیث نبوی ﷺ جو مسلم میں جناب ابوموسیٰ ؓ سے مروی ہے۔ میرزا بشیرالدین محمود کے تدبّر کے لئے نقل کئے دیتا ہوں: ’’انا محمد واحمد والمقفی والحاشر ونبی التوبة ونبی المرحمة‘‘ یعنی جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں محمد ہوں اور احمد ہوں اور مقفی ہوں اور حاشر ہوں اور نبی التوبہ ہوں اور نبی المرحمۃ ہوں۔

اس حدیث شریف میں حضور سرورکائنات ﷺ نے اپنے جو اسمائے مبارک گنائے ہیں ان میں سے مقفی کے معنی خاتم الانبیاء کے ہیں۔ یعنی سب پیغمبروں کے آخر میں آنے والا، حاشر سے مراد ہے کہ سب کا حشر آپ کے قدم پر ہوگا۔ نبی التوبہ سے عبارت ہے وہ نبی جس کے ہاتھ پر بیشمار لوگوں نے توبہ کی اور جس کی امت کی توبہ مقبول ہے۔ نبی المرحمۃ سے مراد وہ پیغمبر رحمۃ اللعالمین ہے جس کی شرع کے احکام میں کسی قسم کی سختی نہیں اور محمد کے معنی تو ظاہر ہی ہیں کہ ’’بہت تعریف کیا گیا‘‘ کے ہیں۔

لیکن میرزامحمود قادیانی اور آپ کے ہم عقیدہ بزرگوں کے لئے سب سے زیادہ

غور کے قابل لفظ احمد کے معنی ہیں۔ فارقلیط اوراس کے معانی کی بحث میں میں سردست نہیں پڑتا۔ میرزامحمود قادیانی سے صرف اسی قدر پوچھا جاتا ہے کہ کیا احمد کے معنی ''سب مخلوقات سے زیادہ تعریف کے لائق'' نہیں ہیں؟ اگر یہی معنی ہیں تو اس کے مصداق احمد مدنی ﷺ ہوسکتے ہیں یا ان کے والد غلام احمد قادیانی؟ **فافهم و تدبّر !**

(۴)

میں نے ''ستارۂ صبح'' میں میرزا بشیرالدین محمود قادیانی کی صلائے عام کے لحاظ سے ''اسمہٗ احمد'' کی بشارت کا مصداق حضور سرور کائنات ﷺ کو ثابت کرنے کے لئے قرآن وحدیث سے کیا استدلال کیا بہت سے غیر متعلق مباحث کا دروازہ بھی کھول دیا کہ قادیاں شریف کی منطق کا قصر رفیع ومنیع (بلنداور طاقتور) ایسے بہت سے فراخ پھاٹکوں سے آراستہ ہے۔

اس بحث میں میرا روئے سخن خاص میرزا محمود قادیانی ممدوح کی جانب تھا۔ میں نے آپ سے بہ کمال ادب ومتانت یہ عرض کیا تھا کہ قرآن شریف میں جو نص صریح وارد ہے اس کے الفاظ ومعانی سے کسی طرح یہ بات ثابت نہیں ہوسکتی کہ اس آیت کا موضوع جناب کے والد ماجد ہیں۔ پھر یہ گزارش کی تھی کہ اگر قرآن شریف کے الفاظ میں تاویل کی کوئی گنجائش بھی باقی رہ گئی ہوتو خود حضور سرور کائنات ﷺ کا یہ ارشاد اقدس کہ احمد آپ ہی کا اسم مبارک ہے اس بحث کو صاف کئے دیتا ہے۔ اس ضمن میں میں نے مؤطا اور مسلم سے دو صحیح احادیث بھی اپنے دعوے کی تائید میں پیش کی تھیں اور مجھے انتظار تھا کہ میرزا بشیرالدین محمود میری گزارشات کے جواب میں اس بات کو ثابت کردیں گے کہ:

(الف) ''اسمہٗ احمد'' میں ''اسم'' کے معنی ''صفت'' کے ہیں۔

(ب) جو احادیث قولی میں نے پیش کی ہیں وہ اسناداً مشتبہ الروایت یا وضعی ہیں۔

اور یا اپنے دعویٰ سے دست بردار ہوکر اس امر کا ثبوت دیں گے کہ انصاف قادیاں شریف سے بالکل ہی اٹھ نہیں گیا ہے۔

میں قادیاں سے جواب کا انتظار کررہا تھا کہ لاہور سے ''پیغام صلح'' کا پرچہ مؤرخہ

۱۷/دسمبر ۱۹۱۶ء میرے نام آیا۔ شاید صلح کا پیغام ایسا ہی ہوتا ہو۔ میرے حق میں تو یہ اچھا خاصہ پیغام جنگ تھا۔ میں حیران تھا کہ مخاطب تو میں میرزا بشیرالدین محمود سے ہوں اور جواب مجھے مل رہا ہے جناب خواجہ کمال الدین کی جماعت کی طرف سے کہ اگر ذرا غور سے دیکھا جائے تو میں نے بھی ''اسمہٗ احمد'' کی تفسیر میں وہی پہلو اختیار کیا ہے جو آج کل اس جماعت کا مطمح نظر ہے۔ پھر ان دو لمبے لمبے کالموں کی شان نزول کیا ہوسکتی ہے۔ جن میں ''**لاتنابزوا بالالقاب**'' اور ''**لاتقف مالیس لک به علم**'' کی دوگونہ نہی کلام اللہ سے میرے حق میں مستعار لے کر یہ بتایا گیا ہے کہ میں خاصان خدا پر سوقیانہ آوازے کستا ہوں اور کسی بات کی تحقیق کے لئے بغیر اناپ شناپ جو جی میں آتا ہے لکھ مارتا ہوں۔ لیکن اس نگارخانۂ حیرت میں جس کو دنیائے قادیاں کہتے ہیں۔ عام اس سے کہ اس دنیا کے باشندے اپنی اصطلاحات مقدسہ کے اعتبار سے دارالخلافہ دمشق (قادیاں) کے رہنے والے ہوں یا دارالسلطنت اندلس (لاہور) کے ساکن ہوں۔ بہت سے عجائبات ایسے ہیں جنہیں بقول شیکسپیئر ہمارا فلسفہ خواب میں بھی نہیں دیکھ سکا۔

غیرمتعلق بحثوں میں پڑ کر میں اپنا اور اپنے ناظرین کا وقت ضائع نہیں کرنا چاہتا اور جناب ایڈیٹر صاحب ''پیغام صلح'' نے جو کچھ اپنے صحیفۂ گرامی میں ارشاد فرمایا ہے۔ اس پر ایک تفصیلی نظر ڈال کر مفت کا جھگڑا مول لینا نہیں چاہتا صرف ایک دفعہ اور شاید آخری دفعہ بخیال تفنن طبع اس منطق کی ایک جھلک ناظرین کو دکھاتا ہوں جو ''پیغام صلح'' نے استعمال کی ہے۔

''پیغام صلح'' کو شکوہ ہے کہ اس اختلاف عظیم کا ذکر کرتے ہوئے جس نے میرزا غلام احمد قادیانی کی امت دو بڑے گروہوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ عرف عام کے تتبع میں میں نے اس گروہ کو کمالی کیوں کہا جس کا نمائندہ ''پیغام صلح'' ہے۔ لیکن اگر ''کمالی'' کا لقب امتیازی کوئی گالی ہے تو:

این گناہیست کہ در شہر شما نیز کنند

''پیغام صلح'' کی اشاعت زیرنظر کے تیسرے صفحہ کے پہلے کالم کے نیچے آپ نے

مرزا غلام احمد قادیانی کی امت کی اس بڑی شاخ کو جو میرزا بشیرالدین محمود کی خلافت کی قائل ہے اور اپنے آپ کو''احمدی'' کہتی ہے''محمودی'' کے نام سے یاد کیا ہے جو عرف عام کا کھلا ہوا تتبع ہے۔ایسی حالت میں جب کہ''دمشق'' والے بھی احمدی ہوں اور''اندلس'' والے بھی احمدی ہی کے لقب کو اپنے لئے تجویز کرتے ہوں تو عرف عام کے لئے علامت امتیاز بجز اس کے اور کیا باقی رہ جاتی ہے کہ اس بٹی ہوئی خلافت کو اس کے مدعیوں کے نام ہی سے نسبت دے کر خلط مبحث سے محفوظ رہے۔باقی رہا یہ امر کہ آپ کا گروہ طائفہ حقہ ہے اور اس کو''کمالی'' کہتے ہی قائل پر ''لا تنابزوا بالالقاب'' کا آسمانی تازیانہ برس جاتا ہے۔سو بہتر یہ ہوگا کہ آپ اوّل میرزا بشیرالدین محمود سے اس بحث کا تصفیہ کرلیں کہ آپ کا طائفہ''حقہ'' ہے یا ان کا۔

اسی اشاعت میں''پیغام صلح'' نے اپنے عرف عام کے تتبع میں ہم مسلمانوں سے ہمارا سیزدہ صد سالہ پرغرور لقب''مسلم'' چھین کر ہمیں''غیراحمدی'' لکھا ہے۔حالانکہ کسی زمانہ میں میں بھی کسی مسلمان نے اپنے لئے یہ نام تجویز نہیں کیا۔کیا میں جناب خواجہ کمال الدین کی جماعت سے اس عنایت کی توقع رکھ سکتا ہوں کہ وہ آئندہ ہمیں مسلمان کے نام سے یاد کیا کرے۔''غیراحمدی'' نہ لکھا کرے۔احمد سے مراد اگر حضور سرور کائنات ﷺ ہیں اور ''ی'' نسبت کی ہے تو پھر ہم کو''غیراحمدی'' قرار دینا یعنی چہ؟ لیکن ہماری توحید کا پایہ تو اس قدر اونچا ہے کہ جب ہم کو نامسلمان''محمدی'' لکھتے ہیں تو ہم کو برا معلوم ہوتا ہے۔اس لئے اگر آپ لوگوں کے لئے''مسلم'' کا لقب کافی عزت وامتیاز کا باعث نہیں ہے اور آپ ''احمدی'' ہی کہلانا پسند کرتے ہیں تو براہ کرم ہمیں تو''غیراحمدی'' نہ لکھا کیجئے۔

''پیغام صلح'' باوجودیکہ میرا روئے سخن اس کی طرف نہ تھا مجھ پر''سبزۂ خودرو'' کی پھبتی اڑاتے ہوئے چیں بہ جبیں ہے کہ کیوں میں نے عامی وجاہل ہوکر دو ایک آیات کی تفسیر کی جرأت کی۔اس گرہ کی کشایش کے لئے تو''طائفہ حقّہ'' ہی کے نکتہ اندوز ناخن مخصوص ہو چکے ہیں۔لفظ''کمالی'' کے استعمال پر''لا تنابزوا بالالقاب'' کی آسمانی ڈانٹ بتا کر معاصر ممدوح نے نہی عن المنکر کی خدمت میرے حق میں انجام دینا بھی اس قدرت کا کرشمۂ

خاص تصور کیا ہے جو اسے ’’طائفہ حقہ‘‘ کے دوسرے مقدس مطوفین کی طرح تدبّر فی القرآن میں حاصل ہے۔ اگرچہ معاصر موصوف یہ بھول گیا کہ اس قسم کی زجروتوبیخ کرنے والے دوسروں پر ’’سبزۂ خودرو‘‘ کا آوازہ کس کران سے یہ توقع نہیں رکھ سکتے کہ وہ ان ادب ناآشنا کمالیوں کے لئے ’’قادیاں کے بند پانی کی کائی‘‘ کا خطاب تجویز کرنے میں کوئی قباحت سمجھیں گے۔ بہرحال ’’لم تقولون مالا تفعلون ‘‘ کا حوالہ دے کر ’’تخلّقوا باخلاق اللہ‘‘ کے ان سبق آموزوں سے میں یہ دریافت کرنے کی جرأت کرسکتا ہوں کہ چند ہی سطر کے بعد آپ نے جو بیچارے مفتی محمد صادق قادیانی کی فراست کے لئے محض اختلاف رائے کی پاداش میں ’’شیطان داد‘‘ کی ابلیسی صفت تجویز کی ہے اوران غریب پر تین حرف بھی بھیجے ہیں۔ یہ کون ساخدائی اور کہاں کا مصطفائی اخلاق ہے۔

(۵)

معلوم ہوتا ہے کہ جس مضمون میں مجھ پر نگاہ غلط انداز کا یہ جلالی گوشہ مبذول کیا گیا ہے۔ اسے سپردقلم کرتے وقت معاصر ’’پیغام صلح‘‘ نے قرآن مجید کھول کر اپنے سامنے رکھ لیا تھا اور جی میں یہ بات ٹھان لی تھی کہ اس میں جس قدر ’’لا‘‘ آتے ہیں وہ سب کے سب ایک ہی دفعہ میرے سرپر برسا دیئے جائیں گے۔ ’’لاتنابزوا‘‘ کے بعد مجھے ’’لاتقف ما لیس لک بہ علم‘‘ کی جھڑکی دی گئی ہے اوراس ضمن میں نصیحت کے لآلی منشوریوں بکھیرے گئے ہیں: ’’بہتر ہو کہ ایسے مسائل پر قلم اٹھانے سے پیشتر ان کو پورے طور پر تحقیق کرلیا کریں اور فریقین کے دلائل سن کران پر رائے قائم کریں کیونکہ یوں اندھیرے میں ٹامک ٹوئیے مارنا بہت سید دقّت و پریشانی کا موجب ہوجاتا ہے۔‘‘

یہ ارشاد مقدس میرے سرآنکھوں پر۔ لیکن ناصح مشفق نے ذرا یہ تو سوچ لیا ہوتا کہ اس نصیحت کی ضرورت مجھ کو ہے یا خودان کو۔ میرزا بشیرالدین محمود کے کھلے ہوئے عقائد کے لحاظ سے جو قادیان ولاہور کے افتراق وانشقاق کا باعث ہورہے ہیں۔ میں نے مرزامحمود قادیانی اورصرف میرزا محمود قادیانی کو مخاطب کرتے ہوئے لکھا تھا کہ: ’’رسول اللہ ﷺ کو جن

کا درجہ مقام الوہیت سے صرف دوسرے درجہ پر ہے۔ ہم کسی انسان کے مقابلہ میں ظلاً و بروزاً لاتے ہوئے بھی خواہ وہ انسان مرزاغلام احمد قادیانی ہی کا ہم مرتبہ کیوں نہ ہو ذرا جھجکتے ہیں۔''

اگر ذوق سلیم کا جنازہ دنیائے ادب سے نہیں اٹھ چکا ہے تو سخن شناسوں پر ظاہر ہوگا کہ میرا یہ قول برسبیل تنزل ہے جس کا مفہوم صرف اس قدر تھا کہ رسول اللہ ﷺ کو مسلمان خدا کے بعد کائنات کی بزرگ تریں ہستی سمجھتے ہیں۔ حضور اقدس علیہ السلام کے مقابلہ میں کسی انسان کو ان کے بعد ظلی وبروزی نبی بھی قرار دینا اپنی دیوانگی کا ثبوت دینا ہے۔ ظلیت وبروزیت کی ٹوپی میں ایک اور بھی کلغی لگا دینے کا تو ذکر ہی کیا؟

معاصر ''پیغام صلح'' کی سخن فہمی ملاحظہ ہو کہ میرے اس قول کا مخاطب اس نے اپنی جماعت کو قرار دے کر دشت ظلمت میں ہمارے بھٹکنے کا دل خوش کن تماشا ''طائفہ حقہ'' کو یوں دکھایا ہے: ''جماعت احمدیہ کا کوئی فرد سوائے مردین میاں محمود کے رسول اللہ ﷺ کو ظلاً بروزاً بھی کسی انسان کے مقابلہ میں نہیں لاتا۔ بلکہ صالحین امت کا آنحضرت ﷺ کے فیض اتباع سے ظلّی اور بروزی طور پر آپ کے رنگ میں رنگین ہونا یا بالفاظ دیگر مکالمہ الٰہیہ سے مشرف ہونا مانتا ہے اور انہیں میں سے میرزاغلام احمد قادیانی بھی ہیں اس کے خلاف کہنا اگر جان بوجھ کر افترا کرنا نہیں تو کم ازکم غلطی پر مبنی ضرور ہے۔''

یہ قادیان ولاہور کی خاص منطق ہے اور اس کے محیرّ العقول ضغطہ (جھٹکا) میں پڑ کر انسان پر وہ عجیب وغریب حالت طاری ہو جاتی ہے جس میں وہ نہیں جانتا کہ ہنسے یا جھنجلائے۔ اگر اردو زبان عبرانی یا لاطینی نہیں ہے۔ اگر الفاظ معانی سے بالکل عاری نہیں ہوگئے ہیں تو میں تو قادیاں اور لاہور کا بڑا فرق آج تک صرف یہی سمجھتا رہا ہوں اور مجھ پر کیا موقوف ہے۔ ہر ایک شخص نے مرزاغلام احمد قادیانی کے معتقدین کی ان دونوں جماعتوں میں بڑی وجہ افتراق یہی سمجھی ہے کہ قادیان والے اپنے پیشواء کو مستقل اور حقیقی نبی سمجھتے ہیں اور لاہوری گروہ ان کی نبوت کو بتفاوت الفاظ مجازی یا ظلّی یا بروزی خیال کرتا ہے۔ ممکن ہے کہ میں نے اور عام مسلمانوں نے ایسا سمجھنے میں غلطی کی ہو۔ لیکن یہ غلطی ایسی ہے جس میں لاہور

کی احمدیہ انجمن اشاعت اسلام بھی برابر کی شریک ہے کہ بفحوائے ’’صاحب البیت ادریٰ بما فیہ ‘‘اس سے بڑھ کر قادیانی عقائد کے اسرار وخفایا کی حقیقت اور کوئی نہیں سمجھ سکتا۔ اس انجمن کے گزشتہ اجلاس مؤرخہ ۲۶/دسمبر ۱۹۱۶ء میں سید محمد احسن امروہی قادیانی نے جو میرزا غلام احمد قادیانی کے ایک فرشتے بتائے جاتے ہیں اور ’’دمشق‘‘ سے ہجرت کر کے ’’اندلس‘‘ تشریف لے آئے ہیں۔ یعنی مرزا محمود احمد سے گسیختہ ہوکر خواجہ کمال الدین کی جماعت میں پیوست ہوگئے ہیں۔ اپنے عقائد کا اعلان فرماتے ہوئے بہ بانگ دہل ارشاد فرمایا تھا کہ:

’’قادیاں کی احمدی جماعت کا یہ دعویٰ کہ حضرت مسیح موعود حقیقی اور اصلی نبی ہیں صحیح نہیں۔‘‘

اس سے صاف ظاہر ہے کہ میں نے قادیان سے وہی عقائد منسوب کئے ہیں جو خود لاہوری جماعت اس سے منسوب کرتی ہے۔ رہے لاہوری جماعت کے عقائد۔ سو اس کا فیصلہ خود میرزا غلام احمد قادیانی کا یہ قول کئے دیتا ہے کہ: ’’سمیت نبی من اللہ علی طرف المجاز ولا علیٰ وجہ الحقیقت ‘‘(الاستفتاء ضمیمہ حقیقت الوحی ص۶۵، خزائن ج۲۲ ص۶۸۹) یعنی اللہ تعالیٰ نے میرا نام مجازی نبی رکھا ہے۔ حقیقی نبی نہیں رکھا۔

اس تشریح کے بعد میں حیران ہوں کہ معاصر ’’پیغام صلح‘‘ کی تحریر کے اضداد ونواقض پر کن الفاظ میں نقد وجرح کروں۔ معلوم ہوتا ہے کہ: ’’لاتقف ما لیس لک بہ علم ‘‘ کے اقتباس کرنے والے بھی اپنے اور اپنے حریفوں کے صحیح عقائد کا علم نہیں رکھتے۔ فاضل امروہی فرماتے ہیں کہ اہل قادیان میرزا غلام احمد قادیانی کو حقیقی نبی سمجھتے ہیں۔ فاضل مدیر ’’پیغام صلح‘‘ کا ارشاد ہے کہ بجز میرزا بشیر الدین محمود کے مبایعین کے میرزا غلام احمد قادیانی کو ان کی جماعت کا کوئی فرد ظلّی وبروزی نبی نہیں سمجھتا۔ میرزا غلام احمد قادیانی کا دعویٰ ہے کہ میں مجازی نبی ہوں۔ یعنی ظلّی وبروزی۔ ان میں سے کوئی کس کو سچا سمجھے اور کس کو جھوٹا؟ اور لطف یہ ہے کہ فاضل مدیر ’’پیغام صلح‘‘ ایک طرف تو یہ کہتے ہیں کہ لاہوری جماعت میرزا غلام احمد قادیانی کو حضور سرور کائنات ﷺ کے مقابلہ میں ظلاً وبروزاً نہیں لاتی۔ لیکن ساتھ ہی اجتماع نقیضین کی شان یوں دکھاتا ہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی ’’ظلّی وبروزی طور پر آپ کے

رنگ میں رنگین‘‘ ہیں۔ یہ ویسی بات ہے جیسے کوئی گڑ کی نفی یہ کہہ کر کہے کہ میٹھا تو نہیں لیکن اس میں مٹھاس ضرور ہے۔ شاخ نبات نبوت کی حلاوت کے ان باریک مدارج کو میں اپنے شکر خام معاصر کی خاطر سے تسلیم تو کرلوں اور اس بات کا معترف ہو جاؤں کہ میرزا غلام احمد قادیانی نبی نہیں ہیں بلکہ محض مجدّد ہیں۔ لیکن اس میں مشکل یہ آن پڑتی ہے کہ خود جناب ممدوح کا یہ صریح دعویٰ موجود ہے کہ آپ مجازی نبی تھے۔

محترم معاصر ’’پیغام صلح‘‘ کے خواہ مخواہ مجھ سے دست وگریباں ہونے کی صرف ایک وجہ میری سمجھ میں آئی ہے۔ میری جو شامت آئی ایک فقرہ میرے قلم سے یہ بھی نکل گیا کہ خواجہ کمال الدین اور ان کے ہم عقیدہ بزرگ مرزا غلام احمد قادیانی کو حضرت ابوبکرؓ، حضرت فاروق اعظمؓ، حضرت عثمان ذی النورینؓ اور حضرت علی مرتضیٰؓ اور تمام برگزیدگان امت محمدیہ علیٰ صاحبہا الف الف تحیّات سے افضل سمجھتے ہیں۔ یہ ایک حقیقت نفس الامری ہے۔ اس میں بگڑنے کی کوئی بات نہ تھی۔ بجائے اس کے کہ یا تو اسی وضع کی اخلاقی جرأت سے کام لے کر جو میرزا بشیرالدین محمود کے حصہ میں آئی ہے۔ صاف صاف الفاظ میں اعتراف کرلیا جاتا کہ ہاں مرزا غلام احمد قادیانی یقیناً تمام اہل بیت تمام صحابہ تمام تابعین اور تمام تبع تابعین کے سرتاج ہیں اور یا اسی اعتزال کے تدریجی لہجہ میں جس نے مرزا غلام احمد قادیانی کی نبوت کو رفتہ رفتہ مجددیت کے معمولی اعزاز میں منتقل کرادیا۔ تھوڑی سی مزید تاویل سے یہ بھی کہہ دیا جاتا کہ مرزا قادیانی ممدوح کا درجہ کسی صورت میں خلافت راشدہ کے برگزیدہ اراکین سے زیادہ نہیں۔ آپ اس اصولی حقیقت کو تو گومگو میں رکھتے ہیں اور پینترا بدل کر مجھ سے میرے عقائد کا احتساب کرنے لگتے ہیں۔

میں نے لکھا تھا کہ ان مسلمانوں کے لئے جو دل اور دماغ اور آنکھ رکھتے ہوں۔ حضور سرور کائنات ﷺ اپنے دین کامل اور شریعت غرّا کی روشن نشانی ہمیشہ کے لئے قرآن مجید کی شکل میں چھوڑتے گئے اور انہیں کسی مجدّد کی طرف سے مستغنی کرتے گئے۔ اس لئے کہ جیتا جاگتا اور زندہ وتوانا مجدّد ہم میں خود کلام اللہ موجود ہے۔ ہم سے کہا جاتا ہے کہ یہ عقیدہ عام اسلامی معتقدات کی نفی کرتا ہے۔ اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کی حدیث صحیح موجود ہے۔

جس میں آپ فرماتے ہیں: ’’انّ اللہ یبعث فی ھذا الامت علٰی رأس کلّ مائۃ سنۃ من یجدّدلھا دینھا ‘‘یعنی اللہ تعالیٰ امت محمدیہ میں ہر صدی کے شروع میں ایک مجدد مبعوث کرے گا جو اس امت کے لئے دین کی تجدید کرے گا۔ ساتھ ہی مجھ سے فرمائش کی گئی ہے کہ اس مسئلہ پر زیادہ روشنی ڈال کر اپنے اصل اعتقادات کو واضح کروں۔ چونکہ میرا یہ شیوہ نہیں ہے کہ کسی مصلحت کے پردہ میں اپنے اصلی معتقدات کو چھپائے رکھوں۔ اس لئے میں نہایت خوشی سے اپنے خیالات اس مسئلہ پر ظاہر کرنے کے لئے آمادہ ہوں۔ لیکن یہ بحث کسی قدر اطناب وطوالت کی محتاج ہے۔ میں گنجائش نہیں نکال سکتا۔

سردست اتنا عرض کر دینا ضروری ہے کہ جو دعویٰ میں نے کیا ہے۔ اس سے دست کش ہونے کی میں اب بھی کوئی وجہ نہیں دیکھتا۔

’’پیغام صلح‘‘ نے اس قدر زیادہ جگہ لے لی کہ میں میرزا بشیرالدین محمود قادیانی کے لئے جو اس بحث میں میرے مخاطب صحیح تھے کوئی گنجائش نہیں نکال سکتا۔

’’انوار خلافت‘‘ کے نسخہ کا بھی مجھے انتظار تھا جس کے متعلق مدیر جریدہ ’’الفضل‘‘ کا ایک عطوفت نامہ میرے پاس بدیں مضمون موصول ہوا ہے کہ جو براہین ودلائل ’’اسمہٗ احمد‘‘ کی بشارت کے بارے میں میرزا بشیرالدین محمود قادیانی نے مخالفین کے لئے فراہم کئے ہیں اور جن کا کوئی جواب نہیں ہوسکتا۔ وہ سب کی سب اس میں درج ہیں۔ کیا اچھا ہوتا اگر ’’انوار خلافت‘‘ بھیجنے کے بجائے جو ہنوز غیر موصول ہے۔ مجھے دو لفظوں میں صرف اتنا جواب دے کر یہ جھگڑا چکا دیا جاتا کہ جناب رسالت مآب ﷺ کے جن ارشادات اقدس سے میں نے استناد کیا ہے۔ ان کی صحت کا جناب ممدوح کو اعتراف ہے یا نہیں۔ اسی ضمن میں اس امر کا اظہار خالی از لطف نہ ہوگا کہ قادیان کے اخبار ’’فاروق‘‘ کے پرچہ سے جو ابھی موصول ہوا۔ معلوم ہوتا ہے کہ میرزا بشیرالدین محمود قادیانی اور ان کی جماعت میرزا غلام احمد قادیانی کو ظلّی وبروزی نبی مانتی ہے۔ حقیقی نبی تسلیم نہیں کرتی۔ جیسا کہ فاضل امروہی اور لاہوری جماعت نے بیان کیا ہے۔ یہ عجب گتھی ہے جو سلجھنے میں ہی نہیں آتی:

حدیث از مطرب ومے گو وراز قادیاں کم جو   کہ کس نکشود ونکشاید بحکمت ایں معمّا را

(۲) متنبیؔ قادیان کی ناک

میرزا غلام احمد قادیانی جہاں اور بہت سے رنگارنگ کمالات کے جامع تھے۔ وہاں شاعر بھی تھے۔آپ کا ایک شعر ہے:

ابن مریم کے ذکر کو چھوڑو　　اس سے بہتر غلام احمد ہے

(دافع البلاء ص۲۰، خزائن ج۱۸ ص۲۴۰)

اس پر جب یہ اعتراض ہوا کہ جناب مسیح علیہ السلام تو ایک اولوالعزم صاحب شریعت نبی ہیں جن کی بزرگی وعظمت کی گواہی قرآن مجید کی آیات دے رہی ہیں۔ ان سے میرزا غلام احمد کا مرتبہ کیوں کر بڑا ہوسکتا ہے تو میرزا قادیانی کے مریدان باصفا نے جوفن تاویل میں یدطولیٰ رکھتے ہیں، جواب دیا کہ حضرت اقدس نے ''غلام احمد'' میں صفت ایہام ملحوظ رکھی ہے۔شعر کا حقیقی مفہوم یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی ایسی اونچی شان ہے کہ ان کا ایک غلام بھی مسیح ابن مریم پر فوقیت لے جاتا ہے۔شرع کی نظروں میں اگرچہ یہ عذر بدتر از گناہ تھا۔اس لئے کہ امت محمدیہ علیٰ صاحبہا الف الف تحیاۃ کا کوئی فرد کسی حالت میں بھی خدا کے کسی پیغمبر سے درجہ میں بڑھ نہیں سکتا۔لیکن چونکہ اس جواب سے اسلام کی بڑائی کا ایک شاعرانہ پہلو نکلتا تھا اس لئے کچھ دیر کے لئے مسلمان خاموش ہوگئے۔

لیکن میرزا قادیانی انہیں کب خاموش بیٹھنے دیتے تھے۔ بے چارے حضرت مسیح علیہ السلام چوتھے آسمان پر تھے۔میرزا قادیانی انہیں وہاں بھی نیچا دکھا کر ہی رہے۔یعنی ایہام سے گریز کر کے تعلّی کے پانچویں آسمان پر پہنچے اور وہاں سے پکارے کہ:

عیسیٰ کجا ست تا بنہد پا بمنبرم

(ازالہ اوہام ص۱۵۸، خزائن ج۳ ص۱۸۰)

مسلمانوں میں پھر ایک کھلبلی سی پڑ گئی کہ ان کے ایک ذی شان نبی کی یوں علانیہ توہین کی جارہی ہے۔لیکن یہ منصور وسرمد کا زمانہ نہیں تھا۔ بلکہ اس کامل آزادی کا دور تھا۔ جس میں ہر شخص کو اختیار رہے کہ اگر چاہے تو نبوت کیا خدائی کا بھی مدعی ہوجائے۔

پادری آتھم کا غصہ حضرت مسیح علیہ السلام پر نکال کر اور خدا کے اس برگزیدہ رسول کو جامع ومانع گالیاں دے کر مسیحیت کی بدشگونی کے لئے اپنی رہی سہی اسلامی ناک جس طرح میرزا غلام احمد قادیانی نے کٹوائی ہے وہ انہیں کا حصہ ہے۔

(۳) قادیاں اور سید امیر علی مرحوم

یادش بخیر میرزا غلام احمد قادیانی کے مریدان باصفا میں جنہوں نے لندن میں ’’اسلام‘‘ کی تبلیغ کا ٹھیکہ لے رکھا ہے۔کوئی نہ کوئی بزرگ ’’بی.ٹی‘‘ (ب،ت) ضرور ہوتے ہیں۔’’اندلس‘‘ (لاہور) کے قادیانی حضرات کی طرف سے ایک ’’ب،ت‘‘ اپنی خدمات مقدسہ انجام دے کر اپنے مقر اصلی کو لوٹ آئے۔اب دارالخلافہ دمشق (قادیان شریف) کے ایک ’’ب،ت‘‘ انگلستان میں کلمۃ القادیاں کا اعلاء فرمانے میں مصروف ہیں۔

پنجاب یونیورسٹی کی اصطلاح میں ’’بی‘‘ (ب) بیچلر کا مخفف ہے اور ’’ٹی‘‘ (ت) سے مراد ’’ٹریننگ‘‘ ہے۔لیکن عام روحانیات میں یہ حروف مقطّعات معنویت کی ایک جداگانہ شان لئے ہوئے ہیں۔’’ب‘‘ سے مراد بیچم ہے اور ’’ت‘‘ سے مراد تابع کی الہامی علامت ہے۔جس طرح بیچم صاحب کی عدیم النظیر کامیابی کا راز اشتہارات میں چھپا ہوا تھا کہ ایک پنس کی پونجی کو اقصائے عالم میں پہنچانے کے لئے مدت العمر گرہ سے ایک شلنگ لگانے کے خوگر رہے اور جب رہ گرائے عالم باقی ہوئے تو لاکھوں پاؤنڈ کا ترکہ اپنے جانشینوں کے لئے چھوڑتے گئے۔اسی طرح قادیاں شریف کے تابعان بیچم اپنے زندہ اشتہارات کے تھیلے ڈاک کے جہازوں میں لاد کر ولایت بھیج دیتے ہیں تاکہ یہ مرزائی گولی ہاتھوں ہاتھ بک سکے کہ:’’پھر بہار آئی خدا کی بات پھر پوری ہوئی۔‘‘ (تذکرہ ص۴۵۶ طبع ۴)

مؤرخہ ۲۴؍مارچ ۱۹۱۷ء کے ’’الفضل‘‘ میں دمشقی ’’ب،ت‘‘ جناب قاضی عبداللہ صاحب کی ایک چٹھی چھپی ہے جس میں جناب ممدوح نے رائٹ آنریبل مسٹر سید امیر علی سے اپنی ملاقات کی پرلطف کیفیت قلمبند کی ہے۔میں میرزا بشیرالدین محمود کی اخلاقی جرأت کا ابتداء ہی سے قائل ہوں۔جو مداہنت کی آلائش سے بالکل پاک ہے۔وہ اپنے والد ماجد کی تعلیم کا منطقی نتیجہ ہیں اور رسول اللہ ﷺ کو خاتم النّبیین نہ ماننے پر گو ان کو دنیائے اسلام کی مخالفت ہی مول لینی پڑی ہو۔لیکن کسی سنہری یا روپہلی مصلحت سے اس دھن کے پکّے نے اپنا عقیدہ نہیں بدلا اور اگر اپنے عقائد پر غیر متزلزل عزم کے ساتھ ثابت قدم رہنا سزاوار تحسین ہو تو میں انہیں سراہے بغیر نہیں رہ سکتا۔ان کے ہاتھ پر جن لوگوں نے بیعت کی ہے وہ بھی لگی لپٹی نہیں رکھتے اور لومۃ لائم کی مطلق پرواہ نہیں کرتے۔اپنے مرشد کی طرح وہ نہ

صرف ’’دارالامان‘‘ قادیاں کے مینارہ پر کھڑے ہوکر مرزاغلام احمد کو نبیٔ برحق پکارنے کے لئے تیار ہیں بلکہ خواجہ اینڈ کمپنی کی ہر مصلحت کے سر پر خاک ڈالتے ہوئے خاص نلسن کے چوک میں کھڑے ہوکر تمام لندن کے سامنے میرزا قادیانی کی نبوت کا وعظ کرنے کے لئے آمادہ ہیں اور کر ہی رہے ہیں۔

ایک دن بیٹھے بیٹھے جناب قاضی صاحب بہادر کو خیال آیا کہ چھوٹی چھوٹی چڑیوں کو اگر جال میں پھنسالیا تو کیا بڑا کمال کیا۔ کسی بڑے شہباز کو دام قادیاں میں پھانسنا چاہئے۔ خواجہ کمال الدین کی نظر لارڈ ہیڈلے پر پڑی تھی۔ ہمارے قاضی صاحب زیادہ اولوالعزم تھے۔ انہوں نے رائٹ آنریبل امیر علی کو تاکا کہ ایک ذی بصیرت وصاحب حشمت سید اگر اپنے نانا کی عبائے رسالت میں اپنے ہاتھوں قادیاں کا پیوند ٹانک دے تو اس سے بڑھ کر کامیابی نہیں ہوسکتی۔

غرض گھر میں ہنٹلے پامر کے بسکٹوں کا ٹین چھوڑ کر ایشیا کے خیالی پلاؤ کی خوشی میں جناب قاضی صاحب مسٹر امیر علی کے کلب میں جا پہنچے اور ’’اسپرٹ آف اسلام‘‘ کے مصنف سے دو دو ہاتھ کرنے کے لئے آستینیں چڑھالیں۔ سید صاحب نے باتوں باتوں میں اس بات پر افسوس ظاہر کیا کہ مسلمانوں میں بہت سے فرقے ہوگئے ہیں۔ جو شخص اٹھتا ہے نیا فرقہ بنالیتا ہے۔ دنیا میں ایک شخص (ﷺ) آیا جس نے پیغام حق پہنچایا۔ مگر اب لوگ اس کو بھول گئے ہیں یا چھوڑ بیٹھے ہیں۔ قاضی صاحب سفسطہ کے بہت سے ڈھیلے قادیاں شریف کے کلوختسان سے اپنے تبلیغی ابنان میں ڈال کر لیتے گئے تھے۔ ایک ڈھیلا تاک کر سید صاحب پر مارا اور کہا: ’’ہاں سچ ہے بہت فرقے ہوگئے جب حق کی گرفت چھوٹ جاتی ہے تو ہر شخص دین میں دخل درمعقولات دینے لگتا ہے اور لوگ سیدھی راہ سے دور جا پڑتے ہیں۔ اسی لئے خداتعالیٰ کی طرف سے ایک مرسل (علیہ ما علیہ۔ راقم) اس زمانہ میں آیا تاکہ لوگوں کو پھر حق پر قائم کرے اور تفرقوں کو دور کر کے ایک جماعت بنادے اور ان کے سامنے وہی اسلام پیش کرے جو محمد ﷺ لائے تھے۔‘‘

قاضی صاحب نے قانون جذب ودفع کا فلسفہ اچھی طرح نہیں پڑھا تھا۔ جو ڈھیلا آپ نے اپنے حریف کے سر پر کھینچ مارا تھا۔ وہ ایجاز کی جامعیت میں لپٹا ہوا اچھلنے زور

کے ساتھ پلٹا اور آپ کے فرق مبارک میں اس طرح پیوست ہوا: ’’آپ جانتے ہیں میں مسلمان ہوں، میں اسی پر فدا ہوں جو خاتم النّبیین ہے۔ روحی فداک یارسول اللہ‘‘

لیکن قاضی صاحب بھلا کہاں مانتے تھے۔ آپ نے ایک اور لمبا چوڑا قصیدہ اس زمانہ کے نبی کی شان میں فی البدیہہ تصنیف کر کے فرفر پڑھنا شروع کر دیا۔

لندن کے بسنے والوں کے اخلاق اعلیٰ درجہ کے ہوتے ہیں اور سید امیر علی کی ایک عمر وہیں بسر ہو چکی ہے۔ انہوں نے جب دیکھا کہ قاضی صاحب ہاتھ دھو کر پیچھے پڑ گئے ہیں اور نئی نبوت کی گولی زبردستی ان کے حلق میں ٹھونسا چاہتے ہیں تو بے چارے نے یہ کہہ کر پیچھا چھڑانا چاہا کہ جناب والا مجھے یہ سب باتیں معلوم ہیں۔ کسی اور مسئلہ پر گفتگو فرمائیے۔

لیکن قاضی صاحب کچی گولیاں نہ کھیلے تھے اور گھر سے لنگر لنگوٹ کس کر یوں ہی نہیں آئے تھے۔ اس سے بہتر موقع پریوی کونسل کے ایک رکن رکین کو قائل کرنے اور مبائعین دمشق کے مقدس حلقہ کی طرف کھینچے کا اور کون سا ہو سکتا تھا۔ سید امیر علی ہزار کہتے ہیں کہ حضرت تانت باجی راگ بوجھا اب کوئی اور دھن چھیڑیئے۔ لیکن قاضی صاحب سنی ان سنی ایک کر کے اپنا طویل و بسیط قصیدہ ’’بہاریہ‘‘ برابر سنائے جاتے ہیں اور تاکید وتاسیس کے لئے ہر مصرح مکرر پڑھتے ہیں۔ جب مطلع حسن مطلع تشبیب گریز اور بالآخر مقطع رسالت میرزا پڑھا جاچکا اور قصیدۂ نگار کی پھولی ہوئی سانس اپنا آخری فرض مرزا غلام احمد کی مسیحیت ومہدویت وکرشنیت کی توثیق وتقدیس کے متعلق ایک آدھ تازہ رباعی کے افاضہ سے پورا کر چکی تو سید امیر علی نے چپکے سے یہ شگوفہ چھوڑ دیا کہ جناب قاضی صاحب منطق تو آپ کی لاجواب ہے اور آپ بڑی دور کی کوڑی لائے ہیں۔ لیکن میرے ایک سوال کا جواب مرحمت فرمائیے کیا میں بھی آپ لوگوں کی طرح ایک نیا فرقہ بنالوں؟

قاضی صاحب دل میں تو بہت جھنجلائے کہ عجب چکنے گھڑے سے سابقہ پڑا ہے جس پر ایک بوند بھی نہیں ٹھہرتی۔ لیکن اس حجت کے اتمام کے خیال سے جو آپ کی پیٹھ پر تھپکی دینے کے لئے مفتی محمد صادق صاحب کو سات سمندر پار سے لندن لا رہی تھی۔ آپ پھر سنبھلے اور ایک لمبی چوڑی تقریر سے مسٹر امیر علی کے کان میں میرزا بشیرالدین محمود کی مبایعت کا حلقہ ازسرنو ڈالنا چاہا۔ اس لطیف ونظیف ارشاد کے جستہ جستہ نکتے یوں دہرائے جاسکتے ہیں۔

’’اوّل تو ہمارا فرقہ کوئی نیا فرقہ نہیں بلکہ اسلام اگر اصلی وحقیقی شکل میں موجود ہے تو فقط اسی میں ہے۔ دوسرے اگر ہر شخص ایسا ہی فرقہ بنالے تو پھر سچ اور جھوٹ میں تمیز کہاں رہ سکتی ہے۔ جو شخص نبوت کا جھوٹا دعویٰ کرتا ہے وہ ذلت سے ہلاک ہوتا ہے۔ لیکن حضرت مرزا کی کامیابی روز روشن کی طرح آشکارا ہے جو ۳۸ سال تک خدا سے ہم کلام رہے اور ان کی تائید ہزارہا آسمانی نشانات سے ہوتی رہی۔ کیا ایسی کامیابی کسی جھوٹے نبی کو حاصل ہوسکتی ہے۔ حضرت نے لاکھوں[1] کی جماعت بنادی۔ وہ بھی کوئی معمولی جماعت نہیں بلکہ ان میں حقیقی اسلام کی روح پھونک دی۔‘‘

پتھر کا دل بھی ہوتا تو اس جامع ومانع اس فصیح وبلیغ اس مؤثر دل نشین خطبہ سے پسیج جاتا۔ لیکن سید امیر علی نے اس انداز سے کہ گویا پوری تقریر کے دوران میں آپ ’’نائین ٹینتھ سینچری‘‘ کے لئے کوئی آرٹیکل سپرد قلم فرمانے میں مصروف تھے۔ خاتمۂ تقریر پر سر اٹھایا اور خلیفۂ قادیان کے نائب منیب کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا کہ آپ نے میری کتاب ’’اسپرٹ آف اسلام‘‘ بھی پڑھی ہے۔ بہتر ہو کہ آپ اسی کا درس اہل انگلستان کو دیجئے اور اس کے مطالب ومعانی سے لوگوں کو آگاہ کیجئے۔

اب تو قاضی عبداللہ صاحب کا پیمانۂ صبر لبریز ہوگیا کہ غلام تو آب جولانے کے لئے آیا ہے اور آب جو غلام ہی کو بہالے جانے کی فکر میں ہے۔ دبی زبان سے دو ایک جلے کٹے جملے تو قاضی صاحب نے سید امیر علی کو اسی وقت سنادیئے تھے۔ جب انہوں نے پوچھا تھا کہ ہم بھی ایک نیا فرقہ بنالیں؟ اور مرسل من اللّٰہی کے کاذب مدعیوں کے عبرتناک انجام کا حوالہ دیتے ہوئے گویا ان کو یہ دھمکی دی تھی کہ اگر آپ مرزاغلام احمد کو نبی نہ مانیں گے تو آپ کا حشر اچھا نہ ہوگا۔ لیکن یہ دیکھ کر کہ اس شخص کا ’’راہ راست‘‘ پر آنا محال ہے۔ قاضی صاحب نے اس گدائے مبرم کی طرح جو جواب صاف ملنے پر گالیوں پر اتر آیا کرتا ہے۔ سید امیر علی کو کھل کھلا ٹیڑھیاں سنانی شروع کیں۔ پینترا بدل کر کہنے لگے کہ جناب سید صاحب آپ نے

[1] یہ تحریر ۱۹۱۷ء کی ہے جس کو اٹھارہ سال ہوگئے۔ اس وقت قادیانیوں کی تعداد گزشتہ مردم شماری پنجاب کے سرکاری اعداد کے لحاظ سے کل پچپن ہزار نفوس ہے۔ اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ۱۹۱۷ء میں قادیانی کتنے ہوں گے۔ ظفر علی خاں!

اسلام کا فلسفہ بھی بیان کیا اور اس کے حقائق ومعارف پر بھی لسانی وعذاب البیانی کے دریا بہائے۔ لیکن یہ تو فرمایئے اس سے فائدہ کیا ہوا۔ کیا آپ کی کتاب پڑھ کر کسی میں روحانیت آگئی یا کوئی سیدھے رستہ پر آ گیا؟ آپ کی باتوں سے کسی پر کچھ اثر نہ ہوا۔ یہ اثر صرف ہمارے حضرت اقدس مسیح موعود کی ذات تک محدود ہے۔ جن میں حقیقی ایمان وعرفان تھا اور جنہیں خدا کے ساتھ براہ راست تعلّق تھا۔ آپ اس وادی کے مرد میدان نہیں۔

سید امیر علی کے پاس اس منطق کا حقیقت میں کوئی جواب نہ تھا۔ انہوں نے قاضی عبداللہ سے صرف اتنا کہہ کر اپنا پیچھا چھڑایا کہ آپ کو کیا معلوم کہ میرا خدائے تعالیٰ سے کتنا تعلق ہے اور قاضی صاحب کلب سے ٹھنڈے ٹھنڈے گھر کو رخصت ہوئے۔

سید صاحب کی قاضی صاحب سے باتیں تو بہت سی ہوئیں لیکن ایک سوال یا تو انہوں نے قاضی صاحب سے کیا ہی نہیں اور یا اگر کیا بھی ہوگا تو قاضی صاحب اپنی رپورٹ میں اسے قلم انداز فرما گئے۔ وہ سوال یہ ہے کہ حضرت آپ جو اپنے پیشواء کے مرسل یزدانی ومامور ربّانی ہونے کا راگ ہر جگہ الاپتے پھرتے ہیں اور ہم سے خواہ مخواہ اس بات کا اقرار کرانے کے درپے ہیں کہ ساڑھے تیرہ سو سال پہلے کا اسلام صرف مرزا غلام احمد قادیانی کی وجہ سے زندہ ہوا ہے۔ آخر اس زندگی کی علامات کیا ہیں اور اس وقت تک کہ مرزا قادیانی کو پیوند خاک ہوئے نو سال کی مدت مقتضی ہوچکی ہے۔ آپ کی تحریک نے دنیا کی ذہنی وروحانی معلومات میں وہ کون سا محیرّ العقول اضافہ کیا ہے جس پر آپ کو مبارک باد دی جاسکے؟ ہم تو ان ہزارہا آسمانی نشانات کی جن پر آپ کو اس قدر ناز ہے۔ بجز اس کے اور کوئی علامت نہیں دیکھتے کہ دنیا کے پچاس کروڑ مسلمانوں کے مقابلہ میں آپ کی مٹھی بھر بے حقیقت جماعت آپس ہی کی خانہ جنگیوں میں مبتلاء ہے اور افتراق اور انشقاق کے طبعی اثرات سے متأثر ہوکر قعر خمول میں گر رہی ہے۔ آپ دوسروں کو کیا مسلمان کریں گے۔ پہلے آپ خود مسلمان بنئے اور اپنے گھر کی خبر لیجئے جس میں سر پھٹول ہورہی ہے۔ ایک طرف کمال الدین ہیں دوسری طرف بشیرالدین محمود جن کی آویزش آپ کی خانہ ساز رسالت کی دھجیاں بکھیر رہی ہے۔ آپ اپنی اندرونی اصلاح تو کرنہیں سکتے۔ دوسروں کی اصلاح آپ سے کیا خاک ہوگی۔

تو درون در چہ کردی کہ برون خانہ آئی

(۴) بعثت مجدّ دین

(۱)

پچھلے ہفتہ کی ولایتی ڈاک میں مجھے جناب خواجہ کمال الدین کا ایک مطوّل ومبسوط عطوفت نامہ موصول ہوا، جس میں جناب ممدوح نے نہایت ٹھنڈے دل سے اس مسئلہ پر بحث کی ہے کہ اسلام میں فرقہ بندی ہے یا نہیں۔ آپ اس بحث میں اس نتیجہ پہنچے ہیں کہ اسلام تفرقہ سے پاک ہے۔ اس لئے کہ گو وہ جماعتیں جو شیعہ سنی، مقلد غیر مقلد کے مختلف امتیازی لقبوں سے ملقب ہیں۔ فروع میں ایک دوسرے سے اختلاف رکھتی ہوں۔ لیکن اصول پر کہ وہی حقیقی معیار اسلام ہے سب کا اتفاق ہے۔ سب خدا کو ایک مانتے ہیں۔ سب رسول اللہ ﷺ کی رسالت اور دوسرے انبیاء علیہم السلام کی مامور من اللہی کے قائل ہیں۔ سب ملائکہ، کتب سماوی، یوم آخرت، بعث بعدالموت اور قدر خیر وشر کی صداقتوں کے سامنے سر تسلیم کرتے ہیں۔ پس اگر ان سب حقائق کا اعتراف کرتے ہوئے جن پر ایمان کا دارومدار ہے۔ کوئی شخص یا کوئی جماعت اشخاص کسی ایسے عقیدہ کی گرویدہ ہوجائے جس سے ایمان کی اصولی سچائیوں کی نفی نہ ہوتی ہو تو کوئی وجہ نہیں کہ اس کے اسلام پر کوئی حرف آسکے۔

ان معارف لطیفہ کی توضیح کے سلسلہ میں خواجہ صاحب ارشاد فرماتے ہیں کہ آپ کی جماعت کے پیشواء مرزاغلام احمد قادیانی کی ذات گرامی بھی اسلام کے فروع سے تعلق رکھتی ہے جن پر ایمان لانا یا نہ لانا ایک امر اختیاری ہے، جو مقصد خواجہ صاحب کو انگلستان لے گیا ہے۔ اس کی تکمیل اسی دانش مندانہ وعاقبت پژدہانہ روش کی مستلزم ہے جو خواجہ صاحب نے اختیار کی ہے۔ چنانچہ ان انگریزوں کو جو اس وقت تک آپ کی مساعی جمیلہ سے مشرف باسلام ہوئے ہیں، شاید مرزاقادیانی کا نام بھی معلوم نہ ہوگا۔ لیکن انگلستان اور ہندوستان میں بہت بڑا فرق ہے۔ کوئی وجہ نہیں کہ اس سرزمین میں امیدواران امتحان اسلام مضامین لازمی کے ساتھ اس اختیاری مضمون کو بھی نہ لیں جس کا پرچہ اس قدغن سے قادیاں شریف میں مرتب کیا گیا۔

اس لئے خواجہ صاحب نے اس سوءظن کو رفع کرنے کے لئے جو مرزا غلام احمد قادیانی کی تحریک نے اکثر مسلمانان ہند کے دل میں پیدا کر رکھا ہے۔ جناب ممدوح کی رسالت کی نفی اور مجددیت کا ادّعا اس طرح فرمایا ہے: ''ایک مسلمان کسی ایسے شخص کو رسول نہیں مان سکتا جو آنحضرت ﷺ کے بعد پیدا ہوا ہو۔ یہی مذہب ہمارے مرشد مرزا غلام احمد کا ہے۔''

''آنحضرت کے ساتھ تعلیم مذہب ختم ہو چکی۔ کسی گروہ کی کسی خاص بزرگ سے محبت ہو تو اسے مبارک، کسی کی رائے کسی بزرگ اسلام کے خلاف ہو تو وہ اس کے لئے خدا کے آگے ذمہ دار ہے۔ ان باتوں کو اسلام کے اصول سے کیا تعلّق ہے۔''

''ایک تعلیم بھی حضرت مرزا قادیانی کی مجھے ایسی نظر نہیں آتی جسے میں فرقہ بندی کے ماتحت لاسکوں۔ ان کا ایک بھی عقیدہ ایسا نہیں جس کے لحاظ سے سلف صالحین میں سے کوئی نہ کوئی بزرگ ان کے ساتھ نہ ہو۔''

''وہ اس صدی کے مجدّد اپنے آپ کو ظاہر کرتے ہیں۔ اگر مجدّد والی حدیث کو غلط ثابت کر دو تو ان کا دعویٰ خود بخود غلط ہو جائے گا۔''

(۲)

خواجہ کمال الدین کے گرامی نامہ کا جو اقتباس میں نے درج کیا ہے وہ اپنے مطالب کے لحاظ سے تین حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

(الف) حضور سرور کائنات ﷺ پر نبوت ختم ہوگئی۔ دین اسلام مکمل ہوگیا اور کوئی شخص آپ کے بعد کسی کی رسالت کا قائل ہو کر مسلمان نہیں رہ سکتا۔

(ب) مرزا غلام احمد قادیانی کا ایک بھی عقیدہ ایسا نہیں جس میں امّت محمدیہ کا کوئی نہ کوئی برگزیدہ فرد ان کا ہمنوا نہ ہو۔

(ج) مرزا غلام احمد قادیانی اپنے کو رسول نہیں بلکہ اس صدی کا مجدد ظاہر کرتے ہیں اور ان کا دعویٰ مخبر صادق علیہ السلام کی اس بشارت پر مبنی ہے کہ اسلام کی تجدید کے لئے ہر صدی کے شروع میں ایک مجدد مبعوث ہوا کرے گا۔

شق الف کے لحاظ سے میں خواجہ صاحب کو مبارک باد دیتا ہوں کہ ان کے ذوق سلیم نے ان سے ایک ایسی صداقت کا اعتراف کرالیا جس میں سوا تیرہ سو سال سے کسی مسلمان کو مجال چون وچرا نہیں ہوسکی۔ لیکن اس کے ساتھ ہی آپ نے یہ جو دعویٰ فرمایا ہے کہ آپ کے مرشد مرزا غلام احمد کا بھی یہی عقیدہ ہے۔ سو افسوس ہے کہ میں آپ کے اس ادّعا کو خود مرزا قادیانی ممدوح کے صاف وصریح الفاظ کے ہوتے ہوئے تسلیم کرنے سے قاصر ہوں۔ مرزا قادیانی نے نبوت ورسالت کا دعویٰ ایسے کھلے ہوئے الفاظ میں کیا ہے کہ اب ان کی جماعت کے لئے صرف دو ہی چارۂ کار رہ گئے ہیں۔ یعنی یا تو ان کے صاحبزادہ مرزا بشیرالدین محمود کی طرح اعلانیہ مان لیں کہ مرزا قادیانی ’’ویسے ہی نبی ہیں جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام، عیسیٰ علیہ السلام، محمد مصطفیٰ ﷺ تھے۔‘‘ (الفضل مؤرخہ ۳۰؍دسمبر ۱۹۱۶ء ص۱۰ کالم۱) اور یا مرزا قادیانی غلطی کے معترف ہوکر اپنی حق پسندی کا ثبوت دیں۔

مرزا قادیانی ببانگ دہل کہہ رہے ہیں: ’’میں اپنی نسبت نبی یا رسول کے نام سے کیونکر انکار کرسکتا ہوں اور جب کہ خود خداتعالیٰ نے یہ نام میرے رکھے ہیں تو میں کیونکر رد کروں یا کیونکر اس کے سواء کسی دوسرے سے ڈروں۔‘‘ (ایک غلطی کا ازالہ ص۳، خزائن ج۱۸ ص۲۱۰)

ان الفاظ کے موجود ہوتے ہوئے میں خواجہ صاحب کے اس قول کو کس طرح صحیح باور کروں کہ ان کے مرشد کا بھی یہی مذہب تھا کہ کوئی مسلمان کسی ایسے شخص کو رسول نہیں مان سکتا جو آنحضرت ﷺ کے بعد پیدا ہوا ہو۔

شق ثانی (ب) میں بھی افسوس ہے کہ میں خواجہ صاحب کا ہم آہنگ نہیں ہوسکتا۔ خواجہ صاحب کا بیان ہے کہ مرزا غلام احمد کا ایک بھی عقیدہ ایسا نہیں جس کے لحاظ سے سلف صالحین میں سے کوئی نہ کوئی بزرگ ان کے ساتھ نہ ہو۔ ’’حقیقت الوحی‘‘ کا تلاوت کرنے والا خواجہ صاحب سے بڑھ کر اور کون ہوسکتا ہے۔

اس کے اس اقتباس پر مکرر غور فرمایا جائے: ’’یہ بات ایک ثابت شدہ امر ہے کہ جس قدر خداتعالیٰ نے مجھ سے مکالمہ ومخاطبہ کیا ہے اور جس قدر امور غیبیہ مجھ پر ظاہر فرمائے

ہیں۔ تیرہ سو برس ہجری میں کسی شخص کو آج تک بجز میرے یہ نعمت عطاء نہیں کی گئی۔ غرض اس حصہ کثیر وحی الٰہی اور امور غیبیہ میں اس امت میں سے میں ہی ایک فرد مخصوص ہوں اور جس قدر مجھ سے پہلے اولیا اور ابدال اور اقطاب اس امت میں سے گزرے ہیں ان کو یہ حصہ کثیر اس نعمت کا نہیں دیا گیا۔ پس اس وجہ سے نبی کا نام پانے کے لئے میں ہی مخصوص کیا گیا۔''

(حقیقت الوحی ص۳۹۱، خزائن ج۲۲ ص۴۰۶)

(۳)

شق الف اور شق ب پر ایک سرسری نظر ڈال کر میں شق ج کی طرف متوجہ ہوتا ہوں کہ اس مضمون میں مجھے اسی سے سروکار ہے۔

میں خواجہ کمال الدین اور ان کے ہم عقیدہ بزرگوں کی مصلحت فہمی اور زمانہ شناسی کی داد دیئے بغیر نہیں رہ سکتا، جنہوں نے یہ دیکھ کر کہ میرزا غلام احمد قادیانی کی رسالت کا اعتراف (عام اس سے کہ یہ رسالت ظلّی ہو یا بروزی، اصلی ہو یا ظلّی، جوہری ہو یا عرضی) بہت سی اندیشہ ناک غلط فہمیوں کا باعث ہوگی اور اس سے اسلام میں بہت سے نئے فتنے اٹھ کھڑے ہوں گے۔ مرزا قادیانی کے دعوائے رسالت ہی کو غت ربود کر دیا اور اس کے بجائے صرف اس دعویٰ پر قناعت کرنی مناسب سمجھی کہ مرزا قادیانی اس صدی کے مجدد ہیں۔

اس دعویٰ کی بنیاد اس حدیث پر رکھی گئی ہے کہ: ''**عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ: انّ اللہ یبعث لھذہ الامۃ علٰی رأس کلّ مائۃ سنۃ من یجدّدلھا دینھا**'' یعنی حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ جناب رسالت مآب ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ آپ کی امت میں ہر صدی کے سرے پر ایک ایسا شخص اللہ تعالیٰ کی طرف سے مبعوث ہوا کرے گا جو دین اسلام کی تجدید کرے گا۔

حضور سرور کائنات ﷺ نے جن کی فطرت سلیم پر ان تمام خطرات کا عکس پڑ چکا تھا جو اسلام کو غلط یا مشکوک روایتوں کی اشاعت سے پیش آنے والے تھے۔ اس فتنہ کا سدباب اس ارشاد قدس سے کرنا چاہا تھا کہ: ''**لا تکتبوا عنّی ومن کتب عنّی غیرالقرآن**

فلیمحه وحدّثوا عنّی ولا تکذّبوا ‘‘یعنی میری کسی حدیث کوقلم بند نہ کرو جس نے مجھ سے علاوہ قرآن کے کوئی بات سن کر لکھی ہو اسے چاہئے کہ ایسی بات کو مٹا ڈالے اور میرے اقوال کی لوگوں میں زبانی اشاعت کرو اور مجھ پر افتراء نہ باندھو۔ یہ حدیث جناب ابوسعید سے مسلم اور بخاری میں مروی ہے۔

علامہ رضی الدین حسن بن صنعانی جو ساتویں صدی ہجری کے ایک بڑے محدّث ہیں اپنی معرکۃ الآ راء تصنیف ’’مشارق الانوار النبویه من صحاح الاخبار المصطفویه ‘‘میں اس حدیث کے متعلق لکھتے ہیں کہ صحابہ قرآن اور حدیث کو ایک ساتھ قید کتابت میں لایا کرتے تھے۔ حضور سرور کائناتﷺ کو اندیشہ ہوا کہ مبادا قرآن اور حدیث کی عبارات مخلوط ہو جائیں۔ اس لئے آپ نے حدیث کے سپرد قلم کئے جانے کی ممانعت فرما دی۔ لیکن جب قرآن لوگوں میں خوب مشہور ہو گیا اور خلط مبحث کا خوف جاتا رہا تو حضور ممدوح نے اپنے اس حکم کو منسوخ فرما دیا اور حدیثوں کی کتابت کی اجازت مرحمت فرمائی۔ علامہ صنعانی نے اس حدیث کے جزو اوّل کی تنسیخ کی وجہ قلمبند کرتے ہوئے جزو ثانی کو پیش نظر نہیں رکھا جس میں حضور سرور کائناتﷺ نے تاکید فرمائی ہے کہ آپ سے کوئی ایسا قول منسوب نہ کیا جائے جو آپ نے ارشاد نہ فرمایا ہو اور اس تاکید میں حضور ممدوح کو یہاں تک اہتمام ہے کہ آپ دوبارہ فرماتے ہیں کہ ’’لاتکذبوا علیّ فانّه من یکذب علیّ یلج النار ‘‘یعنی مجھ سے جھوٹی باتیں منسوب نہ کرو۔ جو مجھ پر افتراء باندھے گا وہ دوزخ میں جائے گا۔ یہ بھی ایک حدیث متفق علیہ ہے جو مسلم اور بخاری میں حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ رسول اللہﷺ کو اپنی زندگی ہی میں یہ خوف دامن گیر ہو گیا تھا کہ دنیائے اسلام میں اکاذیب واباطیل کا ایک طومار خرافات احادیث کے نام سے شائع ہو جائے گا اور بہت سے فتنوں کا موجب ہوگا۔ واقعات مابعد نے ثابت کر دیا کہ رسول اللہﷺ کا اندیشہ بے وجہ نہ تھا۔ ہجرت نبوی کے دو صدی بعد حالت یہ ہو گئی تھی کہ صحیح

احادیث میں جن کی تعداد چند ہزار سے زیادہ نہ تھی۔ لاکھوں ضعیف احادیث جن میں موضوعات کی بھرمار تھی مل گئی تھیں۔ چنانچہ جب امام بخاریؒ نے اپنے مجموعۂ احادیث کی ترتیب کا کام شروع کیا جو اپنی قسم کی پہلی کتاب ہے تو چھ لاکھ حدیثوں میں جو انہیں حفظ تھیں سولہ سال کی لگاتار محنت کے بعد انہوں نے کل چار ہزار احادیث منتخب کیں جن کی صحت میں کسی کو کلام نہیں۔ کلام مجید کے بعد اگر کوئی ایسی کتاب ہے جس کے خطا سے منزّہ ہونے پر مسلمانوں کا اجماع ہے تو وہ صحیح بخاری ہے۔

صحیح بخاری کے بعد امام ابوالحسین مسلم بن الحجاج بن مسلم قشیری نیشاپوری کی کتاب دنیائے اسلام میں حدیث کا مستند ترین مجموعہ سمجھی جاتی ہے۔ مسلم بخاری کے معاصر تھے اور انہوں نے تین لاکھ احادیث میں سے بارہ ہزار ایسی حدیثوں کو چنا تھا جن میں اسناد کی صحت کے جملہ مراتب یعنی رواۃ کے عادل وثقہ ہونے اور شہادت کے جملہ قرائن کو ملحوظ رکھنے کا التزام کیا گیا تھا۔

جو احادیث مسلم اور بخاری دونوں میں مندرج ہوں انہیں اصطلاح محدّثین میں متفق علیہ کہتے ہیں اور ان کی صحت میں چون و چرا کی بہت ہی کم گنجائش ہے۔ ان کے علاوہ مؤطّا، ترمذی، نسائی، ابی داؤد اور ابن ماجہ وغیرہ بھی بڑے پایہ کی تالیفات ہیں۔ لیکن ان میں رطب ویابس سبھی طرح کا مواد موجود ہے۔

(۴)

خیال ہوسکتا تھا کہ خواجہ کمال الدین اور ان کے خواجہ تاش مرزا غلام احمد قادیانی کو ان کے منصب رسالت سے بحسرت سبکدوش کرنے کے بعد مجددیت کی معمولی مگر پھر بھی پرغرور مسند ان کے لئے بہت ہی احتیاط کے ساتھ تجویز کریں گے اور اگر اس نئے منصب کے لئے کسی حدیث ہی سے استناد کرنا ضروری ہوگا تو صحیحین سے استناد کریں گے۔ لیکن حدیث بعثت مجدّد دین برسر ہر مأتہ کے لئے یہ حضرات مستدرک حاکم اور سنن ابوداؤد کے مرہون منت ہیں کہ یہ حدیث انہیں میں مروی ہے۔

مولانا شاہ عبدالعزیز دہلویؒ اپنی بے مثل کتاب بستان المحدّثین میں حاکم کی صحیح پر جسے مستدرک بھی کہتے ہیں رائے زنی کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ حاکم حضرت عثمان ذی النورین رضی اللہ عنہ سے حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کو افضل سمجھتے تھے۔ چونکہ اس قسم کا تفضیلی میلان خواجہ کمال الدین اور ان کی جماعت کے نزدیک جو مرزا غلام احمد قادیانی کو علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کیا، عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے بھی بڑھائے دیتی ہے۔ حاکم کی ثقاہت یا اس کے محدّثانہ کمال کی تنقیص نہیں کرسکتا۔ لہٰذا میں صرف علامہ ذہبی کی اس رائے کے اظہار پر قناعت کرتا ہوں کہ مستدرک میں بہت سی غیر صحیح حدیثیں درج ہیں اور بعض موضوعہ بھی ہیں۔ جن کی وجہ سے تمام مستدرک معیوب ہوگئی۔

سنن ابوداؤد ایک بلند پایہ کتاب ہے لیکن صحیحین کی شان اس میں کہاں، پانچ لاکھ حدیثوں کے مجموعہ میں سے ابوداؤد نے چار ہزار آٹھ سو حدیثیں منتخب کیں۔ لیکن ہر شخص بخاری یا مسلم نہیں ہوسکتا۔ ابوداؤد کے انتخاب کی شان ان کی اس روایت میں جھلک رہی ہے۔ جو سنن ابوداؤد میں مذکور ہے کہ: ''میں نے مصر میں ایک ککڑی دیکھی جو پورے تیرہ بالشت لمبی تھی اور ایک ترنج دیکھا جسے کاٹ کر اونٹ پر لادا گیا تو دونوں طرف اس کے دونوں حصے دو بڑے نقاروں کی طرح نظر آتے تھے۔''

ابوداؤد اور حاکم کی نسبت جو کچھ میں نے لکھا اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ میں خدانخواستہ ان بزرگوں کی منقصت یا ان کے فضل وکمال کا تخطیہ کرنا چاہتا ہوں۔ میرا مقصد صرف یہ ہے کہ ایک ایسی حدیث جو اصحّ الکتب بعد القرآن کے مؤلف کی نظر انتخاب سے بچ گئی اور جس پر امام مسلم جیسے آفتاب آسمان تحقیق کی نگاہ پر نہ پڑی ایسی نہیں ہے جس کی صحت میں اگر میں تامل کروں تو کسی بڑے گناہ کا مرتکب ہوجاؤں اور خواجہ کمال الدین اور ان کے ہمنواؤں کے لئے تو یقیناً مرزا غلام احمد قادیانی کی مجدّدیت کا مدار علیہ ایسی غیر متفق علیہ حدیث کو ٹھہرانا کچھ بہت زیادہ فخر یا اطمینان کا موجب نہیں ہوسکتا۔

(۵)

اس حدیث: ''انّ اللہ یبعث لہذہ الامۃ علیٰ رأس کلّ مائۃ سنۃ من یجدّد لھا دینھا'' کو اگر صحیح الروایت مانا جائے تو درایت قدم قدم پر سنگ راہ ہوتی ہے۔

رسول اللہ ﷺ سے کوئی ایسا قول منسوب نہیں کیا جا سکتا جو از روئے واقعات قابل گرفت ٹھہرتا ہو اور جس پر تاریخ نکتہ چینی کر سکتی ہو۔ اگر حقیقت میں حضور مخبر صادق ﷺ نے پہلے فرما دیا تھا کہ آپ کے واقعۂ ہجرت کے بعد ہر سو سال کے آغاز پر ایک مجدّد مبعوث ہوا کرے گا۔ جو کتاب وسنت کے احیاء عمل سے دین اسلام کی تجدید کیا کرے گا تو اولوالالباب کے لئے چند غور طلب سوال اس ضمن میں خود بخود پیدا ہو جاتے ہیں۔

(الف) ضرور ہے کہ اسلام کی صورت ہجرت نبوی ﷺ کے بعد ہر صدی کے خاتمہ ہی پر ایسی مسخ ہو جایا کرے اور دنیائے اسلام سے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کا رواج اس عرض مدت میں اس حد تک اٹھ جایا کرے کہ احیائے دین کے لئے ایک مصلح یا مجدّد کی ضرورت خدائے تعالیٰ کو پیش آئے۔

(ب) ضرور ہے کہ یہ مجدّد جس کا نام ہمیں رسول اللہ ﷺ نے نہیں بتایا، ہر صدی کے شروع پر تمام دنیائے اسلام کے لئے ایک ہی ہو۔

(ج) چونکہ ایسے مجدد کی کوئی علامات امتیازی بھی نہیں بتائی گئیں۔ اس لئے ضرور ہے کہ اجماعت امت ہی اس کی شناخت کا ذریعہ ہو۔

(د) ضرور ہے کہ ایسا مجدد ابطال باطل اور احقاق حق پر قادر ہو۔

گزشتہ تیرہ صدیوں کے واقعات ہمارے سامنے ہیں اور ان کی روشنی میں ہم کو صاف نظر آ سکتا ہے کہ یہ شرائط چہارگانہ جو حدیث زیر بحث کے منطقی نتائج ہیں کہاں تک حرف بہ حرف پوری ہوئی ہیں۔

محدّثین کے جس گروہ کو حدیث زیر بحث کی صحت پر اصرار ہے اور ان میں ابوداؤد وحاکم کے علاوہ بیہقی اور حافظ ابن حجر اور جلال الدین سیوطی وغیرہم شریک ہیں۔ ہمیں بتاتا ہے کہ مجدّد اوّل حضرت عمر ابن عبدالعزیز تھے جن کو باری تعالیٰ نے اس فتنہ کے سدّ باب کے لئے مامور کیا جو حجاج بن یوسف ثقفی کے جور واستبداد سے دنیائے اسلام میں اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ لیکن ان بزرگوں نے شاید یہ خیال نہیں کیا کہ حضرت ممدوح گو صلحائے امت میں ایسا اونچا درجہ رکھتے ہیں کہ آپ کا عہد خلافت راشدہ کا ایک ضمیمہ تصوّر کیا جاتا ہے اور آپ عمر ثانی کے لقب کے مستحق سمجھے گئے ہیں۔ لیکن آپ مسند خلافت پر ۹۹ھ میں رونق افروز ہوئے جس کو پہلی صدی

کا سال اخیر تو کہہ سکتے ہیں لیکن دوسری صدی کا سال آغاز نہیں قرار دے سکتے۔ حالانکہ ایسے مجدد کے لئے جس کا زمانۂ عمل صرف دو سال پانچ مہینے ہو کہ وہ اسی میں ابطال باطل اور احقاق حق پر قدرت رکھتا تھا ایک سال کی تقدیم وتاخیر بھی حدیث کی رو سے اگر وہ صحیح ہو، روا نہیں۔

اس کے علاوہ ان بزرگوں نے یہ خیال نہیں کیا کہ تجدید کی ضرورت تو اسلام کو رسول اللہ ﷺ کے بعد ہی پیش آ گئی تھی۔ اس سے بڑا فتنہ اور کیا ہوسکتا تھا کہ قبائل عرب نے ازراہ تمرد زکوٰۃ کے ادا کرنے سے انکار کر دیا تھا اور قصر اسلام کے پانچ شاندار میناروں میں سے ایک کو شہید کر دینے پر تلے ہوئے تھے۔ اگر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا جلال وجبروت اس فتنہ کا سر نہ کچل دیتا تو اسلام ابھرنے سے پہلے ہی دب گیا ہوتا۔ پس اگر مجدّدیت کوئی چیز ہے تو سب سے پہلے مجدّد حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہیں۔

مجدّدیت کا دوسرا حق جناب امام حسین رضی اللہ عنہ کو پہنچتا ہے جنہوں نے یزید بن معاویہ کی ناپاک قوت کے خلاف جو جور واستبداد اور فواحش وذمایم کا ایک عفونت انگیز مرکز بنی ہوئی تھی، علم احتجاج بلند کیا اور حق کی راہ میں اپنی جان دے کر اسلام کو زندہ کرتے گئے۔

جو بزرگوار حضرت عمر ابن عبدالعزیز کو حدیث زیر بحث کا مصداق اوّل قرار دیتے ہیں وہ یہ نہیں سوچتے کہ جن دو عظیم فتنوں میں اسلام کو پہلے رسول اللہ ﷺ کی وفات پر اور پھر زمانۂ یزید ابن معاویہ مبتلاء ہونا پڑا۔ ان سے اس حدیث کی تضعیف کا پہلو آپ سے آپ نکل رہا ہے۔ اس لئے کہ ان سے یہ بات ثابت ہو رہی ہے کہ صدی کے خاتمہ سے بہت پہلے احکام دین کی بجا آوری سے لوگ پہلوتہی کرنے لگے تھے اور منکرات وبدعات کا عمل شروع ہوگیا تھا۔ اسلام نے جو اپنی بقا کے لئے صدی کے خاتمہ کا انتظار نہ کرسکتا تھا کہ عمر ابن عبدالعزیز رونما ہوں اور تجدید دین کریں۔ وقت کے مقتضیات کے لحاظ سے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حسین ابن علی رضی اللہ عنہما کو اپنی خدمت گزاری سپرد کی۔ جنہوں نے اٹھ کر مردہ دلوں کو زندہ، بہرے کانوں کو شنوا اور اندھی آنکھوں کو بینا کر دیا۔

پھر جب عمر ابن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کا وقت آیا تو اپنے حصے کا کام انہوں نے کیا اور اسی طرح ہر وقت اور ہر زمانہ میں ہر دل اور دماغ رکھنے والے مسلمان نے قرآن مجید کو اپنی اور اپنے ہم چشموں کی تمام مادّی اور روحانی ضرورتوں کا کفیل سمجھا۔ مسلمانوں کی اصلاح

حال کے لئے سو سال کے مرور اور اس کے آغاز پر ایک فرد واحد کے ظہور کی تعیین کر دینا کہ اس کے بھی ہر ایک گوشہ سے ابہام سر نکال نکال کر جھانک رہا ہو اور اس تعیین کو علیٰ رغم بخاری ومسلم رسول اللہ ﷺ سے منسوب کرنا نہ صرف تاریخ کے حقائق کی طرف سے آنکھوں پر پٹی باندھ لینا ہے۔ بلکہ آنحضرت ﷺ کی حکیمانہ فطرت کا غلط اندازہ لگانا ہے۔

حدیث زیر نظر کو واقعات پر منطبق کرتے وقت ہمارے علماء کو نئی نئی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ جب وہ یہ دیکھتے ہیں کہ دنیائے اسلام کوئی ایک چھوٹا سا ملک نہیں جس کی ضرورتیں اس کے مختصر رقبہ کی طرح محدود ہوں بلکہ ربع مسکون کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک چھائی ہوئی ہے اور ہر اقلیم اور ہر کشور میں مسلمان آباد ہیں جن کی اصلاح کا کام ایک واحد شخص انجام نہیں دے سکتا اور ساتھ ہی جب وہ دیکھتے ہیں کہ حدیث کے الفاظ سے صرف ایک ہی مجدّد کی بعثت کی طرف اشارہ ہوتا ہے تو وہ شش وپنج میں مبتلاء ہو جاتے ہیں اور اس مشکل کو الفاظ میں کھینچ تان کرنے سے حل کرنے کی کوشش کرتے ہوئے دل کو یہ سمجھ کر تسلی دے لیتے ہیں کہ مجدّد سے مراد فرد ہی نہیں بلکہ جماعت بھی ہے اور ہر صدی کے سرے پر نہ صرف یہ کہ ایک شخص یا جماعت اشخاص ایک ملک میں من جانب اللہ احیاء دین وتجدید شرع مبین کے لئے مبعوث ہو سکتی ہے بلکہ مختلف ممالک میں مختلف مجددین کا ظہور بھی جائز ہے۔

واقعات عالم پر جب ان کی نظر پڑتی ہے اور کسی ایک صدی میں دو بڑے مسلمانوں کو وہ دیکھتے ہیں جنہیں منصب مجدّدیت حاصل ہو سکتا ہے تو وہ ان میں سے صرف اسی شخص کو اس حدیث کا مصداق ٹھہرا لیتے ہیں جس کا ظہور صدی کے سرے پر ہوا ہو اور جس طرح انہوں نے حضرت صدیق اکبرؓ اور جناب امام حسینؓ کا نام مجدّدیت کی فہرست سے محض اس لئے اڑا دیا تھا کہ یہ نام حدیث کے معیار میں پورے نہیں اترتے۔ اسی طرح امام ابوحنیفہؒ کے نام کو بھی جن کے اجتہاد کے سامنے آج تک دنیائے اسلام کے جزو غالب کا سر عقیدت جھکا ہوا ہے وہ شاید اس لئے قلم انداز کرنے پر مجبور ہوتے ہیں کہ امام صاحب کا انتقال دوسری صدی کے وسط یعنی ۱۵۰ھ میں ہوا، اور دوسری صدی کے شروع میں حضرت عمر ابن عبدالعزیز کا ظہور بحیثیت مجدّد ہو چکا تھا۔ لیکن مجدّدیت میں انفراد کا لزوم ایک ایسا تصوّر رہے جو مابعد کی صدیوں میں قائم نہیں رہا۔

امام شافعی ؒ کواس حدیث کے صحیح ماننے والے فہرست مجدّ دین میں داخل کر لیتے ہیں محض اس لئے کہ تیسری صدی کے شروع میں انہوں نے چار سال کا زمانہ پایا۔ گو انہوں نے اپنا اصلی کام تدوین فقہ شافعی کا دوسری صدی کے حصۂ اخیر ہی میں انجام دیا ہو۔ لیکن امام محمد بن اسماعیل بخاری ؒ کو جنہوں نے سب سے اوّل رسول اللہ ﷺ کی صحیح احادیث کا ایک کتابی مجموعہ مرتب کر کے جھوٹی اور وضعی حدیثوں کے فتنہ کا ہمیشہ کے لئے سدّ باب کرتے ہوئے ایک مجدّ داعظم کی اصلی شان دکھائی ہے۔ باوجود ۱۹۴ھ میں پیدا ہونے اور ۲۵۶ھ میں وفات پانے اور اس طور پر صریحاً تیسری صدی کے سرتاج ہونے کے مطلقاً نظرانداز کر دیا ہے۔

نواب صدیق حسن خاں مرحوم ومغفور نے اپنی کتاب ’’حجج الکرامہ فی آثارالقیامہ‘‘ میں اسی حدیث کے حوالے سے امام شافعی ؒ کو مجدّ د دوم قرار دیتے ہوئے لکھا ہے کہ دوسری صدی کے قریب فتنۂ مامون نے سر اٹھایا جو لوگوں کو اس عقیدہ پر مجبور کرتا تھا کہ قرآن مخلوق ہے اور دوسری بدعتیں بھی اس کے زمانہ میں مروّج ہوئیں۔ جو شخص قرآن کو مخلوق نہ مانتا تھا۔ اسے سزائے تازیانہ وقید وقتل دی جاتی تھی اور اس کے لئے ایک سرکاری محکمہ ’’محنہ‘‘ کے نام قائم کیا گیا تھا۔ چونکہ ایسا بڑا فتنہ اسلام میں کبھی پیدا نہ ہوا تھا۔ اس لئے حق تعالیٰ نے اس کے دبانے کے لئے امام شافعی ؒ کو مامور کیا۔

اگر نواب مغفور نے تاریخ پر نظر غائر ڈالی ہوتی تو وہ اپنے بیان میں زیادہ محتاط ہوتے۔ مامون عباسی نے قرآن مجید کے مخلوق ہونے کے متعلق فرمان خلافت ۲۰۲ھ میں جاری کیا اور اس عقیدہ کو جبراً اشاعت دینے کے لئے ’’محنہ‘‘ کا قیام ۲۱۸ھ میں عمل میں آیا۔ ایسی حالت میں جب کہ امام شافعی ؒ کا انتقال ۲۰۴ھ میں ہو چکا ہو سمجھ میں نہیں آسکتا کہ اس فتنہ اور اس محنہ کے قلع وقمع پر امام صاحب کس طرح مامور ہو سکتے ہیں۔ اعتزال کا چراغ جس کی جاں سوز روشنی مامون کی وفات ہی سے مدھم پڑ گئی تھی معتصم اور واثق کے عہد خلافت میں ٹمٹماتا ہوا آخر متوکّل کی خلافت کے دوسرے سال یعنی ۲۳۴ھ میں گل ہو گیا اور حکومت کی طرف سے اعلان عام کر دیا گیا کہ پہلا حکم منسوخ کیا جاتا ہے اور قرآن غیر مخلوق قرار دیا جاتا ہے۔ احیاء سنت کا سہرا اس تمام جدوجہد میں خود واثق اور امام احمد بن حنبل ؒ کے سر

رہتا ہے۔ چونکہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے نمایاں کارنامے اس بارہ میں نظرانداز نہ ہوسکتے تھے۔ اس لئے صاحب حجج الکرامہ نے دوسری صدی (یعنی تیسری صدی کے آغاز) کی مجدّدیت میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ امام حنبل رحمۃ اللہ علیہ کو بھی شریک کرلیا ہے جن کا سال وفات ۲۴۱ھ ہے۔

حدیث بعثت مجدّد دین کو صحیح تسلیم کرلینے کے بعد یہ بات لازمی ہوگئی کہ اکابر اسلام میں سے کسی ایک شخص کو جس کا زمانۂ پیدائش یا وفات یا حیات صدی کے آغاز سے دور یا قریب کی نسبت رکھتا ہو تک سے تک ملانے کے لئے مجدّد مان لیا جائے اور اس اعتراف کے وقت دوسرے تمام اعاظم رجال امت محمدیہ ﷺ کی خدمات کی طرف سے خواہ ان کی مصلحانہ مساعی کیسی ہی شاندار کیوں نہ ہوں، محض اس لئے چشم پوشی کرلی جائے کہ انہوں نے صدی کے شروع کا زمانہ نہیں پایا۔ اگر اس حدیث کو آنکھیں بند کر کے صحیح مان لینے والوں میں امام بخاری یا امام مسلم کا ذوق سلیم ہوتا جو تیسری صدی کے شروع میں موجود تھے اور جن سے زیادہ رائج الوقت حدیثوں کی چھان بین کوئی نہ کرسکتا تھا اور اگر انہوں نے اس عقلی ہل چل کے نتائج پر نگاہ امعان ڈالی ہوتی جو مسئلہ خلق قرآن اور اس کے عقوبت انگیز عواقب نے تیسری صدی ہجری کے شروع میں ڈال رکھی تھی تو وہ یقیناً اس نتیجہ پر پہنچ گئے ہوتے کہ حدیث بعثت مجدّد دین اسی دور کے کسی جلے دل کا پھپھولا ہے اور شکنجۂ اعتزال میں کھینچے جانے والوں کی اس آرزو کا عکس ہے کہ عمر ابن عبدالعزیز کی طرح کوئی اور شخص اٹھے اور اپنے زور اجتہاد سے مامون کے فتنہ کا سر کچل ڈالے اور اس لئے رسول اللہ ﷺ سے اسے منسوب کرنا ایک بہت بڑی بے باکی ہے۔

میرے اس قیاس کی توثیق ابوبکر بزار کے قول سے ہوتی ہے جو اپنی سند پر امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کرتے ہیں کہ امام ممدوح نے حدیث بعثت مجدّد دین بلاحوالہ نقل کرتے ہوئے کہا کہ: ’’کان عمر ابن عبدالعزیز علیٰ رأس المائة وارجوا ان یکون الشافعی علیٰ رأس المائة الاخریٰ ‘‘(یعنی عمر ابن عبدالعزیز پہلی صدی کے سر پر تھے اور مجھے امید ہے کہ شافعی صدی دوم کے سر پر ہوں گے) جب یہ دیکھا جاتا ہے کہ مسئلہ خلق قرآن کی مخالفت کرنے والوں میں امام بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سب میں پیش پیش تھے اور

انہیں بڑی بڑی ایذائیں اٹھانی پڑیں تو ان کی اس امید کے معنی سمجھ میں آ جاتے ہیں۔ خصوصاً جب کہ وہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد رشید ہوں۔ ان کی ثقاہت سے یہ گمان تو نہیں ہوسکتا کہ معاذ اللہ! خود انہوں نے اس حدیث کو گھڑ لیا تھا۔ لیکن یہ خیال البتہ ہوسکتا ہے کہ جس طرح ڈوبتے کے لئے تنکے کا سہارا کافی ہوتا ہے، اسی طرح انہوں نے کسی سے یہ حدیث سن کر اس کو صحیح باور کر لیا۔

ابو اسماعیل الہروی سے ایک اور حدیث مروی ہے جو میرے قیاس کی مزید تائید کرتی ہے۔ وہ حدیث جس کی سند خود ابو اسماعیل ہی ہیں۔ یہ ہے کہ: ’’انّ اللّٰہ یمنّ علٰی اھل دینہٖ علٰی رأس کلّ مائۃ سنۃ برجل من اھل بیتی لیبیّن لھم امر دینھم ‘‘یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے مسلمانوں پر ہر صدی کے آغاز میں یہ احسان ہوگا کہ میرے اہل بیت میں سے ایک شخص مبعوث کیا جائے گا جو مسلمانوں کی ان کے امور دینیہ میں رہنمائی کرے گا۔

اس حدیث کو صحیح ثابت کرنے میں بھی ہمارے علماء کے ایک گروہ نے جس حد تک کہ حضرت عمر ابن عبدالعزیز اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کو تعلق ہے پوری کوشش صرف کی ہے اور یہ کہہ کر تک سے تک ملائی ہے کہ عمر ابن عبدالعزیز اور شافعی رحمۃ اللہ علیہ دونوں قرشی ہیں۔ لیکن یہ تک بندی آگے چل کر قائم نہیں رہتی۔ اس لئے کہ تیرہ صدیوں کے جن مجدّد دین کی فہرست ہمارے مطالعہ کے لئے پیش کی گئی ہے۔ ان میں اہل بیت کی یہ خصوصیت بھی نہیں پائی جاتی۔

میں اس لمبی چوڑی فہرست کو جو عرب اور ہندوستان کے علاوہ دنیائے اسلام کے باقی حصوں سے کوئی سروکار نہیں رکھتی اور طرح طرح کی خامیوں سے بھری ہوئی ہے۔ یہاں درج کر کے اپنے مضمون میں حد سے زیادہ طوالت پیدا کرنا نہیں چاہتا۔ جن ناظرین کو اس بحث سے مزید دلچسپی ہو وہ نواب صدیق حسن خان صاحب مرحوم کی کتاب ’’حجج الکرامہ فی آثار القیامہ‘‘ میں اس فہرست کو ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔ جب یہ کتاب لکھی گئی تھی تو تیرہویں صدی کے ختم اور چودہویں صدی کے شروع ہونے کو دس سال باقی تھے اور مصنف کتاب کے عقیدہ کے لحاظ سے چودہویں صدی کے آغاز میں مہدی علیہ السلام کا ظہور اور عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ہونے والا ہے۔ اگرچہ ساتھ ہی یہ لکھ کر مصنف ممدوح نے اپنے عقیدہ کو ایک عجیب لغزش میں مبتلاء کر دیا کہ اگر یہ ظہور و نزول نہ ہوا تو پھر ہندوستان کا کوئی اور عالم باعمل چودہویں صدی کا مجدد ہوگا۔

(۶)

روایت نے چودہویں صدی کے لئے مجدّدیت کی جوگنجائش رکھ چھوڑی تھی۔اس سے مرزا غلام احمد قادیانی جیسے ذہن وطبّاع بزرگ (گھاگ) کا فائدہ اٹھانا ایک بالکل قدرتی بات تھی۔مرزا قادیانی ممدوح کا دعویٰ اگر ویسا ہی ہوتا،جیسا علامہ جلال الدین سیوطی کا تھا۔جنہوں نے حدیث وتفسیر وتاریخ میں گراں بہا تصانیف کی اشاعت سے ایک بڑی حد تک مسلمانوں کے خیالات کی اصلاح کی یا اگر مرزا قادیانی ممدوح حافظ ابن حجر عسقلانی، قاضی ابوبکر باقلانی، امام فخرالدین رازی، شیخ احمد سرہندی، شاہ ولی اللہ دہلوی جیسے مقدس بزرگوں کا کمال ہی دکھاتے تو دنیائے اسلام کا سرعقیدت ان کے آگے جھک جھک جاتا۔لیکن ان کے عنقائے فکر کا آشیانہ بہت بلند تھا۔غزالی ورازی اور عمرابن عبدالعزیز وشاہ ولی اللہ تو کس شمار وقطار میں ہیں۔وہ علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہ تک جیسے سلف صالحین کو روحانیت کی دوڑ میں پیچھے چھوڑتے ہوئے بیک جنبش قدم اس مقام پر پہنچ گئے جہاں پہنچتے ہوئے فرشتوں کے بھی پر جلتے ہیں۔یعنی مہدی آخرزماں اور مسیح موعود کا روپ دھارنے اور بھگوان کرشن کا اوتار بننے کے بعد آپ نے دعویٰ کردیا کہ آپ حضور سرور کائنات ﷺ کی تمام روحانی تجلّیوں کا عکس اور اس خلاصہ کائنات وزبدۂ ممکنات کی قدوسیت کے مظہراتم ہونے کے لحاظ سے بروزختم المرسلین ہیں۔

دنیا میں کسی شخص نے آج تک کوئی ایسا دعویٰ نہیں کیا جس کو صحیح تسلیم کرنے والی ایک جماعت نہ پیدا ہوگئی ہو۔مرزا غلام احمد قادیانی کا خمیر مایہ خاک پاک پنجاب سے اٹھایا گیا تھا جو ایک بہت ہی سریع الاعتقاد خطّہ واقع ہوا ہے۔ایک جماعت نے انہیں بھی ذوق وشوق سے لبیّک کہا اور ان کے انتقال کے بعد اب اس جماعت کے ایک بڑے گروہ نے جس کے پیشواء ان کے صاحبزادے صاحب ہیں۔تمام دنیا کو برسبیل تحدّی صلائے عام دی ہے کہ ان کے اس دعویٰ کو ردکرے کہ قرآن مجید کی آیت:’’مبشّراً برسول یأتی من بعدی اسمہٗ احمد‘‘ کا روئے سخن ان کے والد ماجد کی طرف ہے۔

(۷)

صاحبزادہ بشیرالدین محمود قادیانی تو شاید ایک حد تک معذور بھی متصور ہو سکتے ہیں۔ اس لئے کہ ان کی نظر رفعت میں قادیاں شریف کے مینارہ اور وسعت میں اپنے ’’دارالامان‘‘ کی چاردیواری سے آگے نہیں بڑھنے پائی۔ لیکن ہمیں جماعت مذکور کے دوسرے گروہ کے پیشواء خواجہ کمال الدین پر ضرور تعجب ہے۔ جو ایشیا سے چل کر یورپ کی عقلی سرزمین میں پہنچنے اور وہاں کے تفلسف نواز باشندوں میں اسلام کی تبلیغ کا بیڑا اٹھانے کے باوجود ابھی تک قادیاں کا خواب دیکھے جارہے ہیں۔ یہ سچ ہے کہ کچھ تو واقعات کی منطق سے مجبور ہوکر اور کچھ اس ذوق سلیم سے منفعل ہوکر جو مبدأ فیاض سے ان کے حصہ میں آیا ہے وہ مرزا قادیانی کی رسالت کے قائل نہیں رہے اور اپنے مرشد کی ظلّی نبوت کی بھی تاویلیں کرنے پر مجبور ہوئے ہیں۔ لیکن اب تک بھی ایک ایسی حدیث کی بناء پر جو غیر متفق علیہ ہے انہیں مجدد تسلیم کئے جارہے ہیں اور اگرچہ اپنے عقائد کا اعلان کرتے وقت اپنے آپ کو حنفی ظاہر کرتے ہیں لیکن اپنے مرشد کے اس عقیدے کا کہیں تخطیہ نہیں کرتے کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد آپ اشرف تریں انسان ہیں۔ حالانکہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی فقہ میں یہ کہیں بھی نہیں لکھا کہ مسلمانوں کو اپنے مرشد ایسے لوگ بنانے چاہئیں جو اپنے آپ کو حضرت ابوبکر صدیق رحمۃ اللہ علیہ سے بھی افضل بتاکر نبوت کا ادّعا کرتے ہوں۔ (۱۶رجنوری ۱۹۱۷ء)

(۵) ملنگ بہ اشتیاق ’’گولے کے‘‘

عرب کے سب سے بڑے ادیب سہل بن ہارون نے کذب وناراستی وبطالت کی تحسین وتمجید میں ایک رسالہ لکھا تھا۔ جاحظ نے سیاہ رنگ سودانی حبشیوں کے فضائل میں ایک تالیف شائع کی تھی کہ جمال صورت ومعنی انہیں میں ہے۔ مبارک بن خضر ناگوری نے ایک فتویٰ مرتب کرایا تھا کہ اکبرشاہ کو منصب اجتہاد حاصل ہے اور مصالح مقتضیہ کی بناپر وہ شریعت کے احکام غیر منصوصہ میں ترمیم وتغیرّ بھی کرسکتا ہے۔ عربوں نے ’’محاسن واضداد‘‘ کا ایک فن اختراع کیا تھا کہ جس بات کو چاہتے ایک پہلو سے تو اس کے شرائف ومحامد دکھاتے اور دوسرے رخ سے اسی کے قبائح ورذائل ظاہر کرتے۔ طوفان تاتار جب متموّج ہوا ہے۔ ان

دنوں بخارا کے سوفسطائی اس نقض وابرام میں سرگرم تھے کہ انسان کو اشتراک جنسی کے باعث ’’لاحیوان‘‘ نہیں کہہ سکتے اور اس لاحیوانیت کے ایجاب جنسی کو ملحوظ رکھتے ہوئے اسی قیاس پر ’’لاحمار‘‘ بھی نہیں مان سکتے۔ لہٰذا منطقی نتیجہ یہ نکلا کہ جو انسان ’’لاحمار‘‘ نہیں ہے۔ یعنی حماریت کی نفی اس سے نہیں ہوسکتی بلکہ حماریت کا اطلاق ایجابی اس پر ہوسکتا ہے وہ ’’حمار‘‘ ہے۔ اہل بخارا میں یہ بحث بڑے جوش وخروش سے چھڑی ہوئی تھی اور اس پر متعدد رسائل بھی تالیف ہورہے تھے کہ سیلاب آیا اور بحث ومباحث کو بہا لے گیا۔ ’’**فما بکت السماء علیهم**‘‘ (زمین پر ان کی خاک برباد ہوگئی تو آسمان تک ان پر نہ رویا)

تاریخ نے اپنی تکمیل سنت کے لئے ہندوستان حاضر میں اپنا اعادہ کیا ہے کہ وہ ملک جس میں اسلام کے بالمقابل (بعہد سلطنت فرخ سیر) ایک نیا فربودی مذہب ایجاد ہوا تھا اور بادشاہ تک اس کے پیشواء کی زیارت کو گیا تھا۔ وہی سلسلۂ فربودیت اب مکمل ہوکر سیل فناء کا جاذب ہو کہ فربود بھی نیست ونابود ہوجائیں اور قوم مظلوم بھی ان کے شوم سے محفوظ نہ رہ سکے۔ ’’**واذا اردنا ان نهلک قریة امرنا مترفیها ففسقوا فیها فحق علیها القول فدمّرنا ها تدمیراً**‘‘

قادیاں شریف سے ایک ماہانہ رسالہ شائع ہوتا ہے جس کا نام نامی ’’تشحیذ الاذہان‘‘ ہے اور جناب ’’قاضی ظہورالدین اکمل آف گولے کے‘‘ اس کے ایڈیٹر ہیں۔ اس رسالہ کے نومبر ۱۹۱۷ء کے پرچے میں سب سے پہلا مضمون یہ ہے کہ ’’استہزاء رسولوں کے صدق کا نشان ہے۔‘‘

جناب مضمون نگار اس میں تحریر فرماتے ہیں: ’’ہمارا ایمان ہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی خدا کے برگزیدہ رسول ہیں اور اس پر ہم علیٰ وجہ البصیرت قائم ہیں۔ جب تک اس دنیا سے گزر جائیں۔ یہ عقیدہ کسی الحاد یا تقلید کی بنا پر نہیں بلکہ خدا کے فضل سے ہم اس کے لئے اتنے دلائق قاطعہ اور براہین ساطعہ رکھتے ہیں کہ کسی میدان میں شرمندہ نہیں ہوسکتے۔ کیونکہ میرے مولیٰ میرے ہادی کے ہاتھ پر اس قدر نشانات صداقت ظاہر ہوئے کہ: ’’اگر وہ ایک ہزار نبی پر بھی تقسیم کئے جائیں تو ان کی نبوت بھی ان سے ثابت ہوسکتی ہے۔‘‘

منجملہ ان نشانات کے ایک یہ بھی ہے جو اس آیت قرآنی سے مستفاد ہے: ’’ما

یأتیھم من رسول الّا کانوا بہٖ یستھزؤن ’’بے شک دنیا میں کئی ایسے لوگ ہیں جنہیں حقیر سمجھا جاتا ہے اور ان سے تمسخر واستہزاء ہوتا ہے۔ مگر اس حرکت کے مرتکب علی العموم ادنیٰ طبقہ کے لوگ ہوتے ہیں۔ پس خدا کے رسولوں کا یہ نشان ہے کہ ان کے مقابلہ پر متین سے متین اور سنجیدہ سے سنجیدہ شخص بھی استہزاء سے کام لیتا ہے۔ دیکھئے سرسید کیسی زبردست شخصیت کے بھاری بھرکم آدمی تھے۔ وہ بھی ہمارے رسول کے دعویٰ کی طرف متوجہ ہی نہ ہوئے اور جب ہوئے تو آپ نے ایک تمسخر آمیز پیغام بھیجا جو ان کی شان سے بالکل بعید تھا۔ مگر کیا کرتے رسولوں کے مقابل میں متانت اور سنجیدگی اسی طرح جواب دے جایا کرتی ہے۔ ایسا ہی بعض ہیں جو انگریزی یا عربی کی سند فضیلت رکھتے ہیں کئی کتابوں کے مصنف اور مؤلّف ہیں، مشہور انشاء پرداز ہیں۔ یہ بھی دعویٰ ہے کہ کتاب وسنت سے واقف ہیں بلکہ اس پر عامل۔ مگر سلسلۂ احمدیہ پر جب کچھ لکھیں گے تو متانت اور سنجیدگی کو یک دم جواب دے کر بالکل ایک ٹھٹھول آدمی بن جائیں گے۔ ظرافت ایک اور چیز ہے، استہزاء وتمسخر اور چیز۔ مجھے نہ تو ان کی مخالفت کا شکوہ ہے کیونکہ جب کوئی بات ان کی سمجھ میں نہیں آتی یا وہ اسے خلاف کتاب وسنت سمجھتے ہیں تو ان کا حق ہے کہ وہ اس کی مخالفت کریں اور نہ ان کی انشاء پردازی کا خوف۔ مگر یہ کیا شرافت ہے کہ علم کی بات تو کچھ بھی نہ ہو محض سفیہانہ مکاء وتصدیہ۔‘‘

میں اس مضمون کا جواب نہیں دینا چاہتا۔ البتہ جناب قاضی ظہورالدین صاحب اکمل آف گولے کے سے استفتا کرتا ہوں کہ:

(۱) آثار ماثورہ میں کیا یہ بھی وارد ہے کہ: ’’سیکون فی امّتی کذّابون ثلاثون کلّھم یزعم انّہ نبیّ اللہ وانا خاتم النّبیین لا نبیّ بعدی. ولا تزال طائفۃ من امّتی علی الحقّ ظاھرین لا یضرّھم من خالفھم حتّٰی یأتی امر اللہ ‘‘ (یعنی عنقریب میری امت میں تیس کذاب ودجال ہوں گے جن میں سے ہر ایک اپنی نسبت یہی زعم رکھے گا کہ وہ خدا کا پیغام بر ہے۔ حالانکہ میں خاتم الانبیاء ہوں۔ میرے بعد کوئی پیغام بر نہیں۔ میری امت کا ایک گروہ ہمیشہ حق پر رہے گا، غالب رہے گا۔ اس گروہ کی جو مخالفت کرے گا وہ اسے کچھ ضرور نہ پہنچا سکے گا تا آنکہ خدا کا حکم آئے۔

کیا جن لوگوں کو حدیث میں کذاب ودجال کہا گیا ہو، ان کو یا ان کے متبعوں کو

اس شکایت پر بگڑنے کا حق ہوگا کہ حدیث کے ساتھ استہزاء کریں اور پھر اسی استہزاء کو اپنے ’’صدق رسالت‘‘ کے ثبوت میں پیش کریں؟

(۲) اس نظم کا کیا مطلب ہے:

سخن چیں را توانم چارۂ کرد — کہ تا من خود نگویم او چہ چنید
ولے از مفتری نتواں بر آمد — کہ او از خود سخن می آفرید

(۶) الولد سرٌّ لابیہ

موسیو بشیرالدین محمود کا سرکاری گزٹ ’’الفضل‘‘ مؤرخہ ۲۲؍ستمبر ۱۹۱۷ء اپنے وقت پر مسئلہ ارتقاء کے ایک نئے انکشاف کا کاشف ہوا۔ کیا کہیں اب تو موسیو موصوف نے نئے نئے ہاتھ پاؤں نکالنے شروع کر دیئے۔ دوسرے ہی صفحہ پر آپ نے ببانگ دہل منادی کی ہے کہ جو شخص آپ کا منکر ہے وہ تمام انبیاء کا منکر ہے۔

فرماتے ہیں: ’’جس طرح مسیح موعود کا انکار تمام انبیاء کا انکار ہے، اسی طرح میرا انکار انبیائے بنی اسرائیل کا انکار ہے، جنہوں نے میری خبر دی۔ میرا انکار رسول اللہ کا انکار ہے، جنہوں نے میری خبر دی۔ میرا انکار شاہ نعمت اللہ ولی کا انکار ہے، جنہوں نے میری خبر دی۔‘‘

سچ ہے: ’’**الولد سرٌّ لابیہ**‘‘ باپ صاحب پہلے ایک معمولی ملاّ تھے جو دفعۃً قلم دوات ہاتھ میں لے کر مجتہد بن بیٹھے۔ مجتہد سے یک بیک مسیحا ہوگئے۔ مسیحیت ادنیٰ درجہ کی چیز تھی۔ یکایک مہدویت کا دعویٰ کیا۔ مہدویت بھی ایک معمولی سی بات تھی۔ مصطفائی کے مدعی بن بیٹھے۔ خدائی رہ گئی تھی اس کا بھی لگّا لگا ہی دیا اور اپنے اختراع کے قرع انبیق میں ایک انوکھے الہام کا ہفتاد آتشہ زلال ٹپکا کر خدا کے قول اپنے حق میں دہرایا کہ: ’’**انت منّی بمنزلۃ اولادی انت منّی وانا منک**‘‘ (تذکرہ ص۳۴۵ طبع چہارم) یعنی تو مجھ (خدا) سے ہے اور میں تجھ سے ہوں تو مجھ سے بمنزلہ میری اولاد کے ہے۔

منصور دار پر اس لئے لٹکائے گئے تھے کہ آپ نے نعرہ اناالحق لگایا تھا۔ ان کے ایک روحانی بھائی کو جہانگیر اس علت میں سولی پر لٹکاتے رہ گیا تھا کہ آپ نے رسول اللہ ﷺ کی توہین یہ کہہ کر کی تھی کہ:

من چہ پروائے مصطفیٰ دارم — پنجہ در پنجۂ خدا دارم

لیکن کسی مدعیٔ اسلام نے آج تک خدا کا بیٹا بننا تو ایک طرف رہا۔ خدا کے باپ بننے کا دعویٰ نہ کیا تھا۔ یہ شرف موسیو بشیرالدین محمود کے والد ماجد کے لئے مقدر ہو چکا تھا۔ ’’انت منّی وانا منک‘‘ فرما کر آپ نے کس اخلاص سے سورہ ’’قل ھو اللہ احد‘‘ کے اس ٹکڑے کی تفسیر کی ہے جس میں جناب باری نے اپنی شان میں ’’لم یلد ولم یولد ولم یکن لہٗ کفواً احد‘‘ بتائی ہے۔

بیٹے صاحب کل تک صرف باوا جان کی نبوّت منوانے پر زور دیتے تھے اور خود محض ان کے خلیفہ تھے۔ آج اچک کر خلافت کی صندلی سے نبوت کی مسند پر جا بیٹھے اور اگر کوئی بدنصیب آپ کا منکر ہو تو وہ نہ صرف حضرت آدم، نہ صرف حضرت نوح، نہ صرف حضرت ابراہیم، نہ صرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا منکر ہوگا بلکہ خود حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ سے بھی انکار کرے گا۔ اب دنیا کے کان کو ایک بالکل نئے رنگ میں قادیاں کے دعویٰ کی شنوائی کے لئے تیار رہنا چاہئے کہ موسیو بشیرالدین محمود جو شملہ کی چوٹیوں سے ہوتے ہوئے ساتویں آسمان تک پہنچ ہی چکے ہیں۔ ایک جست میں عرش اعظم پر نظر آئیں گے اور خدا کو کان پکڑ کر اس کے اریکہ جلال سے نیچے اتار رہے ہوں گے۔ ’’نعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیّات اعمالنا من یھدی اللہ فلا مضل لہٗ ومن یضللہ فلا ھادی لہ‘‘

قادیاں کے کاتب وحی ’’الفضل‘‘ نے اپنے نبی کی اس شملوی تحریر کو درج کرتے ہوئے جس میں نبی صاحب نے اس شدّ ومد کے ساتھ نقارہ ’’انا ولا غیری‘‘ بجایا ہے داد کاسہ لیسی یوں دی ہے۔

’’اس وقت خدا کے کئے ہوئے محمود کو کوئی اور طاقت بلا رہی تھی۔ تقریر میں زور اور بجلی کی سی طاقت تھی۔ آواز مسیح موعود کی آواز تھی۔ لہجہ حضرت جری اللہ فی حلل الانبیاء کا لہجہ تھا۔‘‘ حضرت جری اللہ فی حلل الانبیاء سے قادیاں کی اصطلاح میں مرزاغلام احمد مراد ہے۔ میرے مددگار مولوی عبدالحیٔ صاحب جن کو میں یہ عبارت لکھائے جاتا ہوں آتش غیرت سے جل رہے ہیں۔ ان کی حالت بری ہو رہی ہے۔ غصہ میں آ کر دانت پیستے ہیں۔ ہونٹوں کو اتنا چباتے ہیں کہ دل وجگر کے لہو کی بوندیں ان پر آ کر جمع ہو جاتی ہیں۔ میز پر زور زور سے ہاتھ مارتے ہیں۔ پھر اس ہنسی کا زہر جس میں حقارت ابل رہی ہے بے اختیار ٹپکا دیتے ہیں کہ: ’’یہ کیا ہو رہا ہے یہ کیوں ہو رہا ہے۔‘‘

پھر مجھ سے پوچھتے ہیں کہ حضرت اس ’’خدا کے کئے ہوئے‘‘ کی انوکھی ترکیب کا مطلب تو للہ سمجھا دیجئے کہ کیا ہے۔ میں جواب دیتا ہوں کہ مولانا اس سوال کا جواب موسیو بشیرالدین محمود ہی سے پوچھئے یا ان کے کاتب وحی سے کہ خدا نے انہیں کس طرح کیا تھا۔

اس تمام خرافات کی ابتداء یوں ہوئی کی بتاریخ ۱۶؍ستمبر ۱۹۱۷ء شملہ کی چوٹیوں کو بھی دارالامان قادیاں کا مینارہ سمجھ کر موسیو بشیرالدین محمود نے ایک خطبہ ارشاد فرمایا جس کا موضوع ’’رسول اللہ کی دوسری بعثت‘‘ تھا۔ اس خطبہ میں فاطمیّین مصر کے دعاۃ کی باطنی شان کی تأویل قرمط اور بابک کے رنگ میں غوطہ کھا کر جھلکتی نظر آتی ہے۔ قرآن مجید کی آیتوں کو توڑ مروڑ کر اپنے ڈھب کے معنی زنادقہ نے ہمیشہ نکالے ہیں۔ لیکن موسیو بشیرالدین محمود اور انہیں پر کیا موقوف ہے تمام قادیاں والے آیات قرآنی کے مفہوم کو اپنی اغراض مشؤمہ کے لئے جس بری طرح سے مسخ کر رہے ہیں۔ اس کو دیکھ دیکھ کر خدا یاد آ جاتا ہے اور دوبارہ کہنا پڑتا ہے کہ الٰہی: ’’یہ کیا ہو رہا ہے یہ کیوں ہو رہا ہے۔‘‘

موسیو بشیرالدین محمود جنہوں نے رجعت اور حلول اور اتحاد اور صیرورۃ اور ظل اور بروز اور تناسخ کے مشرکانہ تصوّرات کا مبتدیانہ سبق ایران اور ہندوستان بلکہ یوں کہئے اپنے والد ماجد سے پڑھا ہے، ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ایک دفعہ تو عرب میں مبعوث ہوئے تھے۔ لیکن اب دوسری مرتبہ حضور اقدس نے میرزا غلام احمد کا جنم قادیاں میں لیا ہے۔ نعوذ باللہ من تلک الھفوات والخرافات

اس دعویٰ کے ثبوت میں آپ نے اپنے باوا جان کا منطقی رنگ اختیار کر کے پہلے قران مجید کی یہ آیت پڑھی: ’’ھوالذی بعث فی الامّیّین رسولاً منھم یتلوا علیھم آیاتہٖ ویزکّیھم ویعلّمھم الکتاب والحکمۃ وان کانوا من قبل لفی ضلال مبین واٰخرین منھم لمّا یلحقوا بھم وھو العزیز الحکیم‘‘

ترجمہ: خدا وہی ہے جس نے امّیوں میں سے ایک رسول کو پیدا کیا جو خدا کی آیات انہیں پڑھ کر سناتا ہے اور ان کا تزکیہ کرتا ہے اور انہیں کتاب وحکمت کا درس دیتا ہے۔ گو وہ امی اس سے قبل صریح گمراہی میں بھٹکتے پھرتے تھے اور (اس کا یہ فیضان) ان دوسرے لوگوں کو جو انہیں میں سے ہوں گے (یعنی حلقہ بگوش اسلام ہوں گے) اس وقت پہنچے گا۔ جب وہ ان سے آ کر ملحق ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ غالب حکمتوں والا ہے۔

’’الفضل‘‘ کو اتنی تو توفیق دی نہ گئی تھی کی پوری آیت لکھ دیتا رسولاً اور آخرین کے درمیان جتنی عبارت تھی اس کی جگہ نقطے دے کر موسیو بشیرالدین محمود کے کاتب وحی نے ثابت کر دیا ہے کہ دوسروں کو گالیاں دینے کے لئے تو یہ فرقہ مقدسہ اپنے آسمانی گزٹ کے کالم کے کالم سیاہ کرتا چلا جاتا ہے۔ لیکن قرآن مجید کی آیات کے اندراج میں اس قدر بخیل ہے کہ ایک سطر کی گنجائش نہیں نکال سکتا۔ لیکن یہ ایک جداگانہ بحث ہے۔

میرے پیش نظر اہل قادیاں کی وہ لغو ومہمل تأویل ہے جس سے موسیو بشیرالدین محمود اینڈ کو نے الفاظ: ’’**آخرین منهم لمّا يلحقوا بهم**‘‘ کا مصداق مرزاغلام احمد قادیانی اوران کی امت قلیل الانفار کو بتایا ہے۔

پہلے تو آپ فرماتے ہیں کہ ایمان دنیا سے اٹھ گیا تھا۔ اس کا نام بھی باقی نہ رہا تھا۔ شریعت زمین سے رخصت ہو چکی تھی اور ثریا پر چلی گئی تھی۔ محمد مصطفیٰ (معاذ اللہ) میرزا غلام احمد قادیانی کا روپ دھار کر آئے اور ثریا سے ایمان کو پھر نیچے اتار لائے اور اب اس ایمان کا چشمہ قادیاں میں ابل رہا ہے اور جو اس چشمہ کا پانی نہیں پیتے وہ مسلمان ہی نہیں۔

اس کا جواب میں سوائے اس کے کیا دے سکتا ہوں کہ آپ کا دعویٰ بلا دلیل ہے۔ اسلام کو جھٹلانے والا ہے۔ اس کی حقیقتوں کی تردید کرنے والا ہے اور اس لئے میں آپ کے دماغ شریف کی کوئی اصلاح نہیں کر سکتا کہ: ’’**من يضلله فلا هادی له**‘‘ ہاں! اگر میں امیر عبدالرحمٰن خاں خلد آشیاں کی جگہ ہوتا تو آپ سے صرف اتنا کہتا کہ: ’’ایں جابیا۔‘‘

معلوم ہوتا ہے کہ چوہے کو کہیں سے ہلدی کی کوئی گرہ ہاتھ آ گئی ہے اور اب وہ پنساری بننا چاہتا ہے۔

قاضی اکمل آف گولیکے نے موسیو بشیرالدین آف قادیان کے سامنے سالہا سال کی کنج کاوی کے بعد ضرور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی یہ روایت جو بخاری و مسلم کے علاوہ ترمذی اور نسائی میں بھی درج ہے انٹ کا سنٹ ترجمہ کر کے رکھ دی ہوگی۔ اصل روایت کے الفاظ یہ ہیں: ’’**عن ابی هريرة رضی اللہ عنہ قال كنّا جلوساً عندالنبی صلی اللہ علیہ وسلم اذ نزلت سورة الجمعة فتلاها فلمّا بلغ و آخرين منهم لمّا يلحقوا بهم قال رجل يا رسول**

الله من هٰولاء الذین لم یلحقوا بنا فلم یکلّمه حتی سأله ثلاثاً قال وسلمان الفارسی فینا فوضع رسول الله ﷺ یدهٗ علی سلمان وقال والذی نفسی بیده لو کان الایمان بالثّریّا یتناوله رجال من هٰولاء‘‘

(بخاری ج۲ ص۷۲۷، مسلم ج۲ ص۳۱۲، مشکوٰۃ ص۵۷۶، نسائی ج۵ ص۷۵)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے دربار میں بیٹھے ہوئے تھے کہ سورۂ جمعہ کا نزول ہوا۔ آپ نے اس کی تلاوت فرمائی۔ جب آپ الفاظ ولمّا یلحقوا بھم پر پہنچے تو ایک شخص نے کہا کہ یارسول اللہ یہ لوگ جو ہم سے ملحق نہیں ہوئے ہیں کون ہیں؟ لیکن آپ نے اس کے جواب میں سکوت فرمایا۔ اس نے پھر سوال کیا۔ آپ پھر بھی خاموش ہی رہے۔ تیسری مرتبہ بھی آپ نے مہر خموشی نہ توڑی۔ اس وقت سلمان فارسی ہمارے مجمع میں تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے یک بیک اپنا ہاتھ اٹھا کر ان کے سر پر رکھ دیا اور فرمایا مجھے اسی کی قسم ہے جس کی مٹھی میں میری جان ہے اگر ایمان ثریّا پر ہوتا تو انہیں لوگوں میں سے کسی کا ہاتھ اس تک پہنچ جاتا۔

قربان ہوجائے رسول اللہ ﷺ کے ذوق سلیم کے کہ آپ ﷺ نے صاف فرمادیا کہ عرب وعجم یعنی دنیا کے مسلمانوں میں سے وہی لوگ کتاب وسنت کے لطائف کو سمجھ سکتے ہیں جنہیں مذاق سخن فہمی دیا گیا ہو۔ آخرین منهم لما یلحقوا بهم کے معنی صاف یہی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی بعثت کی غایت تمام دنیا کے نفس کا تزکیہ اور کتاب وحکمت کو تمام روئے زمین کے انسانوں تک پہنچانا ہے۔ بالفاظ دیگر آپ ﷺ کے درس وحدت کا روئے سخن نہ صرف آدمیوں کی طرف ہے جن میں آپ ﷺ بجسد عنصری مبعوث ہوئے بلکہ وہ تمام لوگ بھی جو تاقیام قیامت نسلاً بعد نسلٍ اور بطناً بعد بطنٍ آپ ﷺ کے صحابہؓ کے ساتھ سلک اسلام میں منسلک ہونے کے باعث ملحق ہوتے رہیں گے۔ یعنی تمام تابعین تمام تبع تابعین وھلمّ جراً آپ کی بعثت کی منشاء میں داخل ہیں اور ان ہی کا نام آخرین منهم ہے۔

لیکن ذوق سلیم قادیاں کہاں سے لائے اور اس کے علاوہ اسے تو اپنا الّو سیدھا کرنا ہے۔ آیت: ’’ھوالذی بعث‘‘ کے معنی قادیان نے یہ کئے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی دو

بعثتیں ہیں۔

(الف) بعثت مدنی۔ (ب) بعثت قادیانی۔

پہلی مرتبہ آپ عرب میں محمد ﷺ بن کر ظاہر ہوئے۔ دوسری مرتبہ سوا تیرہ سو سال بعد ''غلام احمد'' کا روپ دھار کر قادیان میں تشریف لائے اور اس نئے مجسمہ نے ہاتھ بڑھا کر ایمان سے خوشۂ انگور کو جو ثریّا پر لٹک رہا تھا نیچے اتار لیا۔

اس ناپاک خرافات سے خدائے ذوالجلال کی پناہ!

حدیث شریف میں سلمان فارسی کا نام آیا تھا اور ثریا کا ذکر بھی آ گیا تھا۔ اگرچہ ''لــو کـــان'' کی امکانی شرط سے مشروط تھا۔ موسیو بشیرالدین کو ابلیس ایسا موقع دیں۔ دونوں لفظوں کو لے اڑے اور دیر تک کی سوچ بچار کے بعد ایک دور کی کوڑی لائے۔ یعنی ثابت تو آپ کو یہ کرنا تھا کہ آپ کے والد ماجد نے معاذ اللہ! رسول اللہ ﷺ کا روپ قادیان میں دھارا اور آیت قرآنی میں آخرین کا لفظ تھا۔ جس کے معنی آپ صرف ''عجم'' ہی لے سکتے تھے۔ اس لئے ضرور ہوا کہ آپ کے ابّا جان کا تعلق ایران سے ہو۔ اگر اتنا ہی کہہ دیتے کہ مرزا غلام احمد سلمان فارسی کی نسل سے ہیں تو تک سے تک خیر مل بھی سکتی تھی۔ لیکن قادیان میں الٹی گنگا ہمیشہ سے بہتی چلی آئی ہے۔ موسیو بشیرالدین حال کا استعمال استقبال میں کرتے ہوئے کس مزے سے مؤخر کو مقدم اور مقدم کو مؤخر فرماتے ہیں کہ: ''سارا ایران آپ کے باوا جان کی اولاد ہے۔''

مجھ سے تو موسیو بشیرالدین اور ان کے یاران سرپل اس لئے بگڑتے ہیں کہ میں برسبیل تمسخران کے دعاوی کا استخفاف کرتا ہوں۔ لیکن کیا فرمائیں گے وہ اپنے والد ماجد کے ''اندلسی'' یعنی لاہوری مریدوں کے باب میں جنہوں نے آپ کے اس نئے دعوے کو کہ آپ کا انکار تمام انبیائے بنی اسرائیل علیہم السلام کا انکار ہے، کفر سے تعبیر کیا ہے اور ۲۶/ستمبر ۱۹۱۷ء کے ''پیغام صلح'' میں ''شملہ کی گھاٹیوں پر سے اشاعت کفر'' کی سرخی قائم کر کے ایک ایسا کرارا مضمون آپ کے خلاف لکھا ہے کہ آپ مدتوں اس کے مزے لیتے رہیں گے۔

مؤرخہ ۳۰/ستمبر ۱۹۱۷ء

(۷) علامہ اقبال اور مسئلہ ختم نبوت

قادیانیت کے تابوت کی آخری میخ

اس سرمدی حقیقت کا تکرار مسلمان کے ایمان کو ہر بار ایک نئی تازگی بخشتا ہے کہ حضرت خیرالبشر بآبائنا ھو وامھاتنا کے وصال کے ساتھ بنی آدم پر حق کی حجت ہمیشہ کے لئے ختم ہوگئی۔ فطرت انسانی کو ذہنی اخلاقی اور روحانی عروج کے انتہائی نقطہ پر پہنچانے کے لئے خدائے بزرگ وبرتر کی ارحم الراحمینی نے جو آسمانی ضابطہ مرتب کیا تھا کامل ومکمل ہوگیا جو نعمتیں انسان کو اپنے پروردگار کی طرف سے ملنے والی تھیں، ان میں کسی مزید اضافہ کی گنجائش باقی نہ رہی۔ یعنی اس کی دینی ودنیوی فلاح کا وہ دستور العمل جس کا جامع نام اسلام ہے اپنی آخری شکل میں اس کے سامنے آگیا۔

رب اکبر کے اسی احسان عمیم، اسی انعام عظیم کا نام ختم نبوت ہے۔ جو ملت بیضاء کے اوراق کی شیرازہ بند اور اس کی حیات جاودانی کی سرمدیت کی ضامن ہے۔ جس زادۂ توحید کو مبدأ فیاض سے سوچنے اور سمجھنے کی کچھ بھی توفیق ارزانی ہوئی ہے اس کو یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ اگر رسول اللہ ﷺ کے بعد نبوت کا سلسلہ بدستور جاری رہے تو اس کے یہ معنی ہوں گے کہ خدا کا آخری پیغام جسے حضور ﷺ نے اس کے بندوں تک پہنچایا ہنوز تشنۂ تکمیل تھا۔ ابھی انسان کو اپنی دنیوی فلاح اور اخروی نجات کے لئے کسی نئی ہدایت، کسی جدید رہنمائی کی ضرورت تھی اور اس شریعت پر جس کے آخریں علم بردار حضور خواجۂ دوجہاں ﷺ تھے کسی نئی شریعت کا اضافہ ہونے والا تھا۔ ظاہر ہے کہ نبوت کے ارتقاء جاری کا یہ امکان اگر تسلیم کرلیا جائے تو پھر مسلمانوں کی قومی وحدت اور ان کے نظام اجتماعی کا پارہ پارہ ہوجانا چند دن کی بات ہے۔ اسی خطرہ کو حضور سرور کون ومکان ﷺ کی چشم جہاں بین نے جس کے لئے علّام الغیوب کے فیضان نہائی نے سراپردۂ غیب کا ایک گوشہ سرکا دیا تھا۔ پہلے سے دیکھ کر اپنی امت کو متنبہ کردیا کہ: ’’سیکون فی امتی ثلثون دجّالون کذّابون کلّھم یزعم انّہ نبی اللہ وانا خاتم النّبیین لا نبیّ بعدی‘‘

یہ ناقابل رشک شرف پنجاب کی قسمت میں لکھا تھا کہ اس کی الحاد پرور خاک سے ایک شخص جس کا نام مرزاغلام احمد ہے اٹھے اور ازراہ غایت شوخ چشمی یہ دعویٰ کردے کہ نبوت محمد مصطفیٰ ﷺ پر ختم نہیں ہوئی بلکہ بدستور جاری ہے اور میں اس زمانہ کا نبی ہوں جس پر وحی آتی ہے اور جس کا کلام قرآن مجید کی طرح خطاء سے پاک اور لغزشوں سے منزّہ ہے اور جو مجھ پر ایمان نہ لائے وہ صحیح معنوں میں مسلمان نہیں ہوسکتا۔ اسی کے ساتھ اس شخص نے کلام اللہ کی آیات کو من مانی تاویلوں اور سوچی سمجھی ہوئی تحریفوں سے کچھ کا کچھ کردیا۔ رسول اللہ کی شریعت غرّا کے احکام کو اپنی خرافات واہیہ کا بازیچہ بنادیا اور امت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ میں ایک ایسا خوفناک فتنہ پیدا کردیا کہ دنیائے اسلام کے طول وعرض میں شور قیامت بپا ہوگیا۔ اس شخص نے دنیا کے ستر کروڑ مسلمانوں کو جو اس کے مزخرفات لایعنی کے منکر تھے بیک کشش قلم دائرہ اسلام سے خارج کردیا اور اپنی مٹھی بھر جماعت کو جس کی تعداد اس کے انوکھے دعوے کے بعد سے لے کر اس وقت تک کلہم چھپن ہزار تک پہنچی ہے اسلام کا واحد اجارہ دار قرار دیا۔

ہندوستان میں اگر حکومت اسلامی ہوتی تو ممکن نہ تھا کہ ملت اسلامیہ کی وحدت کو پارہ پارہ کرنے کے لئے اس قسم کا خطرناک ملحد جو نہ خدا کا قائل ہو، نہ قرآن کا اور جو حطام دنیاوی کی خاطر اسلام کی سیزدہ صد سالہ روشن حقیقتوں کو جھٹلانے اور مسلمانوں کی مجاہدانہ فطرت کو غلامانہ دنائت کے زہریلے جراثیم سے آلودہ کرنے میں ذرا باک نہ کرتا ہو، یوں کھلے بندوں چھوڑ دیا جاتا۔ لیکن مسلمانوں کی شومیٔ قسمت اور اس کی خوبیٔ تقدیر سے حکومت اغیار کی تھی جسے مسلمانوں کی تہذیب اور مسلمانوں کی نفسیات سے طبعاً کچھ بہت زیادہ ہمدردی نہ ہوسکتی تھی۔ مرزاغلام احمد کی عیاری نے حکومت وقت کو باور کرادیا کہ صرف مرزائی ہی اس کے وفادار ہوسکتے ہیں۔ جن کا مذہب اس وفاداری کو جزو ایمان قرار دیتا ہے۔ باقی تمام وہ لوگ جو مسلمان کہلاتے ہیں اگر بالفعل باغی نہ ہوں تو بالقوّۃ ضرور باغی ہیں اور ان کی بغاوت کے استقبالی خطرہ سے بچنے کی یہی سبیل ہوسکتی ہے کہ تمام مسلمانوں کو مرزائیت کا حلقہ بگوش بنادیا جائے۔

میں نے جب سے ہوش سنبھالا ہے، قادیانیت کا یہ خطرہ میری آنکھوں سے اوجھل نہیں ہوا، اور میری ساری عمر اس ہولناک فتنہ کا مقابلہ کرنے میں گزری ہے۔ مسلمانوں نے

اوّل اوّل قادیانی خطرہ کو کچھ بہت زیادہ اہمیت نہ دی۔ علماء امت نے اتنا ضرور کیا کہ جس طرح غلام احمد قادیانی نے ان کو اور باقی تمام مسلمانوں کو دائرہ اسلام سے خارج قرار دیا۔ اسی طرح انہوں نے بھی اس پر اور اس کی امت قلیل الانفار پر کفر کا فتویٰ لگا دیا یا اس کے مایۂ ناز مسئلہ ممات مسیح پر اس کے ساتھ اور اس کے اتباع واعوان کے ساتھ ہنگامہ خیز مناظرے کر لئے۔ لیکن زہر کا یہ تریاق کچھ بہت زیادہ سودمند ثابت نہ ہوا، اور میرزائیوں کا پروپیگنڈا اس مذہبی رواداری کے سایہ میں جس کا حکومت وقت کو ادّعا ہے پروان چڑھتا رہا۔

آخر میرے شوروغل اور میرے رفقاء کی ہائے وہو نے عام مسلمانوں کی آنکھیں کھولیں اور جب حکومت نے میرزائیت کی پیٹھ پر علی الاعلان تھپکیاں دینی شروع کیں تو ان کو صاف نظر آنے لگا کہ جس فتنہ سے انہیں پالا پڑا ہے وہ کس قدر ہولناک ہے۔ میں پہلے دن سے پکار رہا ہوں کہ فرقہ ضالۂ مرزائیہ جو اسلام کے نام پر مسلمانوں کی جڑیں کاٹنے میں شب وروز مصروف ہے۔ ہرگز یہ حق نہیں رکھتا کہ اس کا شمار مسلمانوں میں ہو بلکہ سکھوں، پارسیوں، عیسائیوں اور دوسری اقلیتوں کی طرح اس فرقہ کا شمار بھی سرکاری کاغذوں میں ایک جداگانہ اقلیت کے طور پر ہونا چاہئے۔ جب حکومت کی امپیریل مصلحتوں نے چوہدری ظفر اللہ خاں قادیانی کو جس کے عقیدہ میں تمام مسلمان مرزا غلام احمد قادیانی کو نبی نہ ماننے کی بناء پر دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔ وائسرائے کی کونسل میں مسلمانوں کی نمائندگی کے لئے مقرر کرنے کا فیصلہ کر لیا تو ’’زمیندار‘‘ نے مسلمانوں کو آگاہ کیا کہ قادیانی فتنہ اب خطرناک تر ہونے والا ہے۔

چنانچہ طول وعرض ہند میں اس کے خلاف احتجاج ہوا مگر حکومت کے کان پر جوں تک نہ رینگی اور چوہدری ظفر اللہ خاں کا تقرر عمل میں آ ہی گیا۔ اس وقت سے لے کر آج تک مسلمان برابر پکار رہے ہیں کہ قادیانیوں کا اسلام سے ہرگز کوئی تعلق نہیں۔ انہیں ایک جداگانہ اقلیت قرار دیا جائے، حکومت ان کے ساتھ ایک غیر مسلم اقلیت کی حیثیت سے جو مراعات چاہئے کرے، لیکن انہیں اسلام کا نمائندہ سمجھ کر نہ کرے۔ اس لئے کہ مسلمانوں سے ان کا کسی قسم کا کوئی واسطہ نہیں۔

مسلمانان ہند کا یہ سارا شور حکومت کے بہرے کانوں پر پڑا۔ اس اہم مسئلہ پر جس نے مسلمانوں کو ایک عرصہ سے بے چین کر رکھا ہے۔ اگر اس نے کبھی لب کشائی کی ضرورت

بھی محسوس کی تو مسلمانوں کو یہ کہہ کرٹال دیا کہ یہ سارا شور غیر ذمہ دار اور متعصب لوگوں کا بپا کیا ہوا ہے۔ مسلمانوں کا ذمہ دار اور فہیم طبقہ مرزائیوں کو پکا مسلمان سمجھتا ہے۔

آخر وہ وقت بھی آیا کہ حکومت کی نگاہ میں جو لوگ ذمہ دار اور فہیم اور غیر متعصب تھے انہوں نے عامہ مسلمین کے جذبات واحساسات کی ترجمانی کرتے ہوئے لگی لپٹی رکھے بغیر حکومت کو جتا دیا کہ قادیانیت ایک بالکل جداگانہ مذہب ہے جسے اسلام سے کوئی واسطہ نہیں اور اگر حکومت نے قادیانیوں کو ایک علیحدہ اقلیت قرار دینے میں کوتاہی کی تو مسلمانوں کا یہ شبہ یقین کے درجہ کو پہنچ جائے گا کہ حکومت مسلمانوں کی وحدت ملی کو پارہ پارہ ہوتا ہوا دیکھنے کی خود متمنی ہے۔

خدا بھلا کرے علامہ اقبال کا جن کے حکیمانہ بیان نے ان ساری حقیقتوں کو بکمال شرح وبسط الم نشرح کر کے مسلمانان ہند کی ایک ایسی عظیم الشان خدمت انجام دی جس کا صلہ انہیں حضور سرور کون ومکاں ﷺ کی ختم المرسلینی ہی کی بارگاہ سے مل سکتا ہے۔

علامہ اقبال کا یہ دعویٰ کہ ختم نبوت کا عقیدہ جو دین حجازی کے آغوش میں پرورش پا کر ملت بیضاء کی وحدت واکتناز کا حصار عافیت بن گیا۔ بنی آدم کی ثقافت کی تاریخ میں اپنے اچھوتے پن کے لحاظ سے اپنا جواب آپ ہے۔ ایک روشن وتابناک حقیقت ہے، جسے تاریخ آج تک نہیں جھٹلا سکی۔ توحید اور رسالت کا صحیح تصور دنیا کے سامنے پیش کرنے کی توفیق صرف سامی تہذیب کو میسر ہوئی ہے۔ یہ تہذیب جس کا دور ابوالانبیاء حضرت ابراہیم علیٰ نبینا علیہ السلام کے وقت سے شروع ہوتا ہے کوئی پانچ ہزار سال پرانی ہے اور اس کی ورق گردانی سے مذہب کے طالب علم کو یہ پتہ تو چلتا ہے کہ ہر نبی نے جو خدائے بزرگ وبرتر کا پیغام اس کے بندوں تک پہنچانے کے لئے من جانب اللہ مامور ہوا۔ اس پیغام کی تکمیل کے لئے اپنے کسی جانشین کے آنے کی پیشین گوئی کی اور اس کی امت اپنے قوائے ذہنی واخلاقی وروحانی کو درجۂ کمال تک پہنچانے کی امید میں کسی آنے والے نبی کی آمد کی منتظر رہی۔ لیکن ہزار جستجو کے بعد بھی اس واقعہ کا سراغ ابداً نہیں ملتا کہ کسی رسول یا نبی نے یہ دعویٰ کیا ہو کہ دین کامل ومکمل ہوگیا۔ حق کی صحبت تمام ہوگئی۔ میرے بعد ابدالآباد تک کے لئے نبوت کا دروازہ بند ہوگیا۔ یہ دعویٰ انسان نے آج سے کوئی ساڑھے تیرہ سو سال پہلے اوّل اوّل وادیٔ بطحا میں سنا جب کائنات کا ذرّہ

ذرّہ اس آسمانی حقیقت کی شہادت دیتا ہو پایا گیا کہ: ''ما کان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول اللہ وخاتم النّبیین''

ابراہیم علیہ السلام آذر آئے اور دنیا والوں کو یہ خوشخبری دیتے گئے کہ: ''میں (خدا) نے اسماعیل کی نسبت تیری سنی دیکھ میں نے اسے برکت دی ہے۔ میں اس کو بارآور کروں گا۔ اس کی نسل بے شمار ہوگی۔ اس سے بارہ سردار ہوں گے اور میں اسے ایک بڑی قوم بناؤں گا۔'' (تورات کتاب پیدائش باب ۲۷ آیت ۲۰)

موسیٰ عمران آئے اور دین قیم کے نور کے اتمام کا مژدہ اہل عالم کو یہ کہہ کر سناتے گئے کہ: ''خداوند جو تیرا خدا ہے تیرے بھائیوں میں سے تیرے لئے ایک نبی میری مانند پیدا کرے گا۔ تم اس کی سنیو اور خدا نے مجھ سے کہا کہ میں تیرے بھائیوں میں سے تیری مانند ایک نبی پیدا کروں گا۔ میں اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا۔ جو کچھ میں حکم دوں گا وہ میرے نام سے ان کو سنائے گا اور ایسا ہوگا کہ جو کوئی میرا کلام جو وہ نبی کہے گا نہ سنے گا میں اس سے مواخذہ کروں گا مگر جو نبی ایسی دلیری کرے گا کہ میری طرف وہ احکام منسوب کرے گا جس کی نسبت میں نے حکم نہیں دیا یا میرے سواء کسی اور معبود کی نسبت گفتگو کرے گا وہ نبی ہلاک کیا جائے گا۔'' (تورات کتاب پنجم باب ۱۸ آیات ۱۵،۱۸،۱۹،۲۰)

عیسیٰ مریم آئے اور جب گئے تو اپنی امت کو یہ بشارت دیتے گئے کہ: ''میں تم سے سچ سچ کہتا ہوں کہ میرا جانا تمہارے لئے ضرور ہے۔ کیونکہ اگر میں نہ جاؤں تو فارقلیط نہیں آئے گا مگر اگر میں جاؤں تو میں اس کو تمہارے پاس بھیج دوں گا۔'' (انجیل یوحنا باب ۱۶ آیت ۷)

اسی قسم کی اور بیسیوں منقولی شہادوں سے جن پر معقولی دلائل کا اضافہ کیا جاسکتا ہے۔ یہ حقیقت آفتاب عالمتاب کی روح روشن ہے کہ امم عالم کی کم ازکم چار ہزار سال کی تاریخ میں ختم نبوت کے عقیدے سے کسی قوم کا دماغ آشنا نہیں ہوا۔ اس عقیدہ کے عالم وجود میں آنے کا ایک وقت مقرر تھا۔ وہ ساعت موقوت حضور خواجہ کون ومکان ﷺ کے مسند رسالت پر فائز ہونے کے ساتھ آئی جو حق کے نقطۂ اوج اور باطل کے نقطۂ حضیض پر پہنچنے کی ساعت تھی۔

ختم نبوت کے اس عقیدہ کو جھٹلانے کی جرأت اس ساڑھے تیرہ سوسال کے عرصہ میں اگرچہ متعدد پرستاران طاغوت کو ہوئی ہے لیکن اس جرأت کا سب سے زیادہ بے باکانہ

مظاہرہ مرزاغلام احمد قادیانی اور اس کی قلیل الانفار ذرّیت کی طرف سے ہوا اور میرا پختہ یقین ہے کہ اسی تکذیب کی پاداش میں طائفہ قادیانیہ جس کے نیم جان بدن میں حکومت وقت کے سیاسی مصالح نے تھوڑی بہت حرکت پیدا کر رکھی ہے۔ اپنے وقت پر اسی طرح گرد روزگار میں دب کر ہمیشہ کے لئے فناء ہو جائے گا۔ جس طرح اس سے پہلے دوسرے جھوٹے مدعیان نبوت اور ان کی امتیں نیست و نابود ہو چکی ہیں۔ (مؤرخہ ۹رمئی ۱۹۳۵ء)

(۸) متنبّیٔ قادیان اور اس کا لاہوری طنبّورہ!

سید عطاء اللہ شاہ بخاری کے مقدمہ میں جہاں قادیانی مرزائیوں کی شہادتیں ہوئیں، وہاں اس طائفہ ضالّہ کی لاہوری شاخ کے نمائندہ پادری محمد علی نے بھی عدالت میں بحیثیت گواہ ایک بیان دیا جس کا ایک ٹکڑا ’’زمیندار‘‘ کی اشاعت مؤرخہ ۸/اپریل ۱۹۳۵ء میں بایں الفاظ درج کر دیا گیا کہ: ’’جو لوگ مرزا قادیانی کو مسیح موعود نہیں سمجھتے میں ان کو مسلمان نہیں سمجھتا۔‘‘

مرزائیت کی کھلی ہوئی تعلیم اور پادری محمد علی کے عالم آشکار عقیدہ کے لحاظ سے یہ قول بالکل صحیح تھا اور روزنامہ ’’زمیندار‘‘ کے نامہ نگار نے اس میں خفیف سے خفیف معنوی تحریف بھی نہ کی تھی لیکن از بسکہ پادری سادہ لوح مسلمانوں کی آنکھوں میں خاک جھونکنے کا ایک خاص سوفسطائی سلیقہ رکھتے ہیں اور انہیں ڈر ہے کہ مسلمانوں کو متنبّیٔ قادیاں کے انکار کی بناء پر کھلم کھلا کافر کہہ دینے سے کہیں اس چندہ میں کمی واقع نہ ہو جائے جو وہ اسلام کے نام پر فرزندان توحید سے بٹور رہے ہیں۔ لہٰذا ’’زمیندار‘‘ کے خلاف ان کے منافقانہ غیظ وغضب کا پارہ معاً کھولاؤ کے درجہ تک پہنچ گیا اور انہوں نے ساری جماعت سمیت پہنچنا شروع کر دیا کہ ’’زمیندار‘‘ مفتری ہے اور کذاب ہے جس نے ایک ایسی بات: ’’حضرت امیر جماعت احمدیہ لاہور‘‘ سے منسوب کر دی جو حضرت کے مقدس منہ سے ہرگز نہ نکلی تھی۔ ’’حضرت اقدس ایدہ اللہ‘‘ نے تو صرف اسی قدر فرمایا تھا کہ: ’’جو لوگ مسلمان مرزاغلام احمد کو مجدد نہیں مانتے ہیں میں ان کو غلطی پر سمجھتا ہوں۔‘‘

اس پر پادری کی خدمت میں گزارش کی گئی کہ آپ کی منافقانہ مصلحتیں گو مرزاغلام

احمد آنجہانی کو مجدّد قرار دیں لیکن دل سے آپ کو بھی مرزا بشیرالدین محمود کی طرح اقرار ہے کہ یہ آنجہانی بزرگوار مجدّد نہیں بلکہ اچھے خاصے نبی تھے جن کی نبوت کا انکار ''غلطی'' ہی نہیں بلکہ کفر ہے اور وہ بھی کفر بواح جو اگر آپ بھولے نہ ہوں تو آپ ہی کے الفاظ میں ''عنداللہ قابل مواخذہ ہے۔''

میرزائیوں کا عام اس سے کہ وہ دمشقی (قادیانی) ہوں یا اندلسی (لاہوری) قاعدہ ہے کہ کسی ہی دندان شکن منطق سے ان کے دعاوی کو ملیامیٹ کیوں نہ کر دیا جائے وہ برابر اپنی ہی رٹ لگائے جاتے ہیں اور ان کی خرافات کا پرنالہ وہیں رہتا ہے، جہاں ان کے آنجہانی پیشواء کے دست باطل نے اسے نصب کیا تھا۔ ''زمیندار'' کا سارا استدلال وہ روایتی بوند ثابت ہوا جو چکنے گھڑے پر پڑتے ہی پھسل جاتی ہے۔ ۴؍جون ۱۹۳۵ء کے ''پیغام صلح'' میں ''زمیندار'' کی غلط بیانی اور ''بہتان عظیم'' کی جلی سرخی کے ساتھ ایک طویل وعریض دشنام نامہ شائع ہوا ہے جس میں ''زمیندار'' کو کذاب اور غلط نگار اور شیوۂ شرافت سے عاری قرار دے کر استفسار کیا گیا ہے کہ کیا ''زمیندار'' اخلاقی جرأت سے کام لے کر اپنی غلط بیانی کو واپس لے گا؟''

اس استفسار کی ضرورت دجل وتلبیس کے اس واحد لاہوری اجارہ دار کو اس لئے پیش آئی ہے کہ آج کل اپنے چندہ کی پوٹ کی فربہی کو مائل بہ لاغری دیکھ کر پادری محمد علی کی طرف سے باہتمام بلیغ اعلان کیا جارہا ہے کہ ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کو خاتم النّبیین مانتے ہیں۔ حضور ﷺ کے نبوت کے ہر مدعی کو کافر جانتے ہیں۔ ہر کلمہ گو ہمارے نزدیک مسلمان ہے اور ہم اس کے جنازہ میں شریک ہونے کو بھی تیار ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس اعلان کے سرسری مطالعہ کے بعد بھولے بھالے مسلمان پادری کے جھانسے میں آسکتے ہیں اور کہہ سکتے ہیں کہ جس شخص یا جماعت کے یہ عقائد ہوں وہ بھلا کس طرح دائرہ اسلام سے خارج ہوسکتی ہے۔ لیکن جنہیں دیدۂ بینا دیا گیا ہے اور جو لاہوری مرزائیوں کی منافقانہ گھاتوں سے واقف ہیں۔ ان کے اس سوال کا کوئی جواب پادری محمد علی اور ان کے حواریوں سے بن نہیں پڑتا کہ جب آپ رسول اللہ ﷺ کی ختم المرسلینی کے قائل ہیں اور حضور علیہ السلام کے بعد ہر مدعی نبوت کو کافر خیال کرتے ہیں اور ہر کلمہ گو آپ کے نزدیک مسلمان ہے تو پھر دنیا کے ساٹھ کروڑ کلمہ گوؤں کا

مرزاغلام احمد قادیانی کے دعاوی سے مجرد انکار ''غلطی'' کیوں ہے اور یہ غلطی خدا کے کس قول اور رسول اللہ ﷺ کے کس ارشاد کی رو سے ''قابل مواخذہ'' ہے؟

''زمیندار'' نے براہین قاطعہ اور حقائق ثابتہ سے واضح کردیا کہ ''غلطی'' سے آپ کی مراد ''کفر بوّاح'' ہے۔ آپ کو اس سے انکار ہے تو ہوا کرے۔ ہم آپ کو مرزاغلام احمد قادیانی سے بڑا مرتبہ دینے کے لئے تیار نہیں اور شاید آپ بھی اس مرتبہ کے مدعی ہونے میں ذرا تأمل کریں۔ اپنے ان گوروگھنٹال ہی سے ''غلطی'' کا مفہوم دریافت کر لیجئے۔ سنئے وہ کیا کہتے ہیں: ''کفر دو قسم پر ہے ایک کفر یہ کہ ایک شخص اسلام ہی سے انکار کرتا ہے اور آنحضرت ﷺ کو رسول نہیں مانتا۔ دوسرے کفر یہ کہ مثلاً وہ مسیح موعود کو نہیں مانتا اور اس کو باوجود اتمام حجت کے جھوٹا جانتا ہے جس کے ماننے اور سچا جاننے کے بارے میں خدا اور رسول نے تاکید کی ہے اور پہلے نبیوں کی کتابوں میں بھی تاکید پائی جاتی ہے۔ پس اس لئے کہ وہ خدا ورسول کے فرمان کا منکر ہے کافر ہے اور اگر غور سے دیکھا جائے تو یہ دو قسم کے کفر ایک ہی قسم میں داخل ہیں۔'' (حقیقت الوحی ص۱۷۹، خزائن ج۲۲ص۱۸۵)

یہ متنبیٔ قادیان کا قول فیصل ہے اور اس کی رو سے دنیاجہان کے مسلمان جو اس شخص کو مسیح موعود نہیں مانتے کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔ پادری محمد علی اگر منافق نہیں بلکہ ایک مومن مرزائی ہیں تو ان کے لئے اپنے پیشواء کی تحریر کا لفظ لفظ: آیت من آیات اللہ ہونا چاہئے۔ پھر وہ ان کلمہ گوؤں کی نسبت جو مرزاغلام احمد قادیانی کی مسیحیت کے منکر ہیں کس منہ سے یہ بات کہنے کے مجاز ہیں کہ ہم انہیں مسلمان سمجھتے ہیں اور جب خود غلام احمد قادیانی نے اپنے منکر کے انکار کو ''غلطی'' نہیں کہا بلکہ لگی لپٹی رکھے بغیر ''کفر'' سے تعبیر کیا ہے تو آپ کون ہیں جو اپنے پیشوائے اعظم کے الفاظ میں ردوبدل کریں اور آپ کو کیا حق ہے کہ اگر ''زمیندار'' آپ کی ''غلطی'' کی تصحیح خود آپ ہی کے ''مسیح موعود'' کی تصریحات کی روشنی میں کرے تو آپ لکھنؤ کی بھٹیاریوں کی طرح اس پر رنگارنگ گالیوں کا جھاڑ باندھ دیں۔ آپ کی اس منطق نے مرزاغلام احمد قادیانی کو دارالبوار میں جہاں وہ آج کل تشریف فرما ہیں ضرور پریشان کر دیا ہوگا اور وہ جھنجلا کر کہہ رہے ہوں گے کہ:

من چہ سرائم وطنبورۂ من چہ می سراید

انا خاتم النبیین لا نبی بعدی

میں آخری نبی ہوں، میرے بعد کوئی نبی نہیں

حدیث قادیان

حضرت مولانا علامہ عبدالرشید نسیم طالوت

ترتیب وتحقیق

مولانا محمد وسیم اسلم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تفصیلی فہرست

سرمہ قادیان	۲۸۱		
لآلی حمد و نعت	۲۸۱		
حمد	۲۸۱		
نعت	۲۸۱		
رحمۃ اللعالمین ﷺ	۲۸۱		
سرمہ چشم قادیان	۲۸۲		
(۱) قادیانی مہاراج	۲۸۲	(۲) لاٹ صاحب کے بیٹے	۲۸۲
(۳) زمیندار کی معجزانہ نشأت	۲۸۳	(۴) تمغوں کے ٹوکرے	۲۸۳
(۵) واوجس فی نفسہٖ خیفۃ	۲۸۵	(۶) قادیان کا معیار شرافت	۲۸۵
(۷) یادش بخیر	۲۸۵	(۸) حدیث قادیاں	۲۸۶
(۹) بڑا مداری	۲۸۶	(۱۰) سنبوسۂ بیسن	۲۸۶
(۱۱) بیسوی صدی کا معیار نبوت	۲۸۸	(۱۲) مشاغل خصوصی	۲۸۸
(۱۳) لب بیاس	۲۸۹	(۱۴) نہ رہا	۲۸۹
(۱۵) تیرا گھر قادیاں نہ ہو جائے	۲۹۰	(۱۶) دیکھ لیا	۲۹۰
(۱۷) لاالٰی ھٰؤلاء ولا الٰی ھٰؤلاء	۲۹۰	(۱۸) یہ امرتسر نہیں ہے قادیاں ہے	۲۹۱
(۱۹) ائمۂ تلبیس	۲۹۱	(۲۰) الماریوں کا فیض	۲۹۱
(۲۱) سرکۂ جبیں مرزائی	۲۹۲	(۲۲) باقیات السیّات	۲۹۲
(۲۳) قلمی نبی	۲۹۳	(۲۴) انبیائے زمان	۲۹۳
(۲۵) تختۂ مشق	۲۹۴	(۲۶) موسیو بشیر اور عبدالرحمان مصری	۲۹۴

(۲۷)قادیان!عیب سے جملہ بگفتی ہنرش نیز بگو	۲۹۵	(۲۸) انّ ہذالشئی عجاب	۲۹۵
(۲۹) قادیاں کی قبائے رنگیں	۲۹۶	(۳۰) اے بادصبا ایں ہمہ آوردۂ تست	۲۹۶
(۳۱) الکفر ملّة واحدة	۲۹۶	(۳۲) حدیث بخاری	۲۹۷
(۳۳) انقلاب	۲۹۷	(۳۴) دارالامان	۲۹۸
(۳۵) مصطلحات کا فرق	۲۹۹	(۳۶) حریم خلافت کی رنگین فضائیں	۲۹۹
(۳۷) یہ لوگ؟	۳۰۰	(۳۸) بتان قادیان	۳۰۰
(۳۹) قادیاں کی آذر آئینی	۳۰۰	(۴۰) وہ زمانہ ہوا ہوُا	۳۰۱
(۴۱) داستان پاستاں	۳۰۱	(۴۲) باز گواز نجد وزیاران نجد	۳۰۱
(۴۳) مزے ہی مزے	۳۰۲	(۴۴) دنیائے قادیاں	۳۰۲
(۴۵) قند مکرر	۳۰۴	(۴۶) ایک مرزائی دوست	۳۰۴
(۴۷) تأثرات	۳۰۵	(۴۸) قادیانی صباحت وملاحت	۳۰۵
(۴۹) عشق کی کہانی،مرزا کی زبانی	۳۰۶	(۵۰) آں چہ پدر نتواند پسر تمام کند	۳۰۶
(۵۱) ایضاً	۳۰۷	(۵۲) دارالفتن	۳۰۷
(۵۳) مقام ماؤف	۳۰۸	(۵۴) دیکھتے جاؤ	۳۰۸
(۵۵) علامات نبوت قدنیہ	۳۰۹	(۵۶) بھان متی کا کنبہ	۳۰۹
(۵۷) ’’وغیرہ‘‘	۳۰۹	(۵۸) فبهت الذی کفر	۳۱۰
(۵۹) سپوت	۳۱۰	(۶۰) ایسے کو ملا تیسا	۳۱۰
(۶۱) داعیان کفر	۳۱۱	(۶۲) رکابی مذہب	۳۱۱
(۶۳) نکاح آسمانی کا سہرا	۳۱۱	(۶۴) آہ کیا سمجھا تھا میں	۳۱۲
(۶۵) ان کے خدا و رسول	۳۱۲	(۶۶) مطلع الانوار	۳۱۲
(۶۷) تلک بتلک	۳۱۳	(۶۸) قادیانی مذہب	۳۱۳
(۶۹) حقیقت قادیاں	۳۱۴	(۷۰) چودھویں صدی کے نبی کا لال	۳۱۴

(۷۱) خضاب آلود جوانی	۳۱۴	(۷۲) یاقوتیوں کا زور	۳۱۵
(۷۳) کرائے کے ٹٹو	۳۱۵	(۷۴) شباب آور ہوائیں قادیاں کی	۳۱۶
تغزل جدید			۳۱۷
(۱) مجاز قادیاں پر آئے کیا دل	۳۱۷	(۲) کبھی زمزم کی پوجا ہے......الخ	۳۱۷
(۳) مجھ کو پیوند خاک ہونے دو	۳۱۸	(۴) حسن پر سے نثار ہونے دو	۳۱۸
(۵) فرق پست و دراز کیا معنی؟	۳۱۹	(۶) دین وملت کا ترجمان نہ رہا	۳۱۹
(۷) بےکسی و بےسری پر تین حرف	۳۲۰	(۸) اے فریب خوردۂ سوز دل	۳۲۰
(۹) پی لے ٹانک شراب ہے پیارے	۳۲۱	(۱۰) حسن تعلیم ناز رہنے دے	۳۲۱
(۱۱) ہے آج کون سالب......الخ	۳۲۱	(۱۲) گل کے صدقے بہار کے صدقے	۳۲۲
(۱۳) نہ اپنا سلیقہ نہ اپنا قرینہ	۳۲۲	(۱۴) بہار زندگانی کے دن آئے	۳۲۳
(۱۵) طروں کی بلندی	۳۲۳	(۱۶) نام وننگ کے بدلے	۳۲۳
(۱۷) لنگڑوں سے مروت ہے	۳۲۴	(۱۸) رات کی بات	۳۲۴
(۱۹) کاک ٹیل	۳۲۴	(۲۰) خصوصیت اس میں نہیں آپ کی	۳۲۵
(۲۱) آ گئے صد شکر ہم چنیوٹ سے	۳۲۵	(۲۲) علیٰ رغم غلام احمد	۳۲۵
(۲۳) گھٹ گئی قدر میرے قدغن کی	۳۲۶	(۲۴) کچھ تملق اور کچھ تخویف	۳۲۶
(۲۵) دیکھتے شان تم ہو کیلے کی	۳۲۶	(۲۶) انہیں اک خریدار کی آرزو ہے	۳۲۷
(۲۷) پوچھو نہ مجھ سے اس کی خرابی	۳۲۷	(۲۸) بہار آئی آیا خوشی کا زمانہ	۳۲۷
نبات شیراز			۳۲۸
(۱)	۳۲۸	(۲)	۳۲۹
(۳)	۳۲۹	(۴)	۳۳۰
(۵)	۳۳۰	(۶)	۳۳۰

بادۂ کہن بجام نو			۳۳۱
(۱) قادیاں کا ترانہ	۳۳۱	(۲) مرزا کی روح سے	۳۳۲
(۳) جنگی ترانہ	۳۳۲	(۴) نشید ارتحال	۳۳۳
(۵) درازی دجل	۳۳۳	(۶) بمبلغ اور با	۳۳۳
(۷) مقام مقبرۂ بہشتی	۳۳۴	(۸) پند	۳۳۴
(۹) نہ اینجا باش و نے آنجا	۳۳۴	(۱۰) ترانۂ بہار	۳۳۵
(۱۱) تمثیل	۳۳۵	(۱۲) خطاب بہ نامروان قادیاں	۳۳۵
(۱۳) قطعۂ ترش شیریں	۳۳۶	(۱۴) ’’قریب ایں وآں‘‘	۳۳۶
(۱۵) گدائے بے حیاء	۳۳۷	(۱۶) دولت عریاں سسل	۳۳۷
شعر پارے			۳۳۸
(۱)	۳۳۸	(۲)	۳۳۸
(۳)	۳۳۸	(۴)	۳۳۸
(۵)	۳۳۸	(۶)	۳۳۸
(۷)	۳۳۹	(۸)	۳۳۹
(۹)	۳۳۹	(۱۰)	۳۳۹
(۱۱)	۳۳۹	(۱۲)	۳۳۹
(۱۳)	۳۳۹	(۱۴)	۳۳۹
(۱۵)	۳۴۰	(۱۶)	۳۴۰
(۱۷)	۳۴۰	(۱۸)	۳۴۰
(۱۹)	۳۴۰	(۲۰)	۳۴۰
(۲۱)	۳۴۰	(۲۲)	۳۴۰

(۲۳)	۳۴۱	(۲۴)	۳۴۱
(۲۵)	۳۴۱	(۲۶)	۳۴۱
(۲۷)	۳۴۱	(۲۸)	۳۴۱
(۲۹)	۳۴۱	(۳۰)	۳۴۱
احراریات			۳۴۲
(۱) احرار اسلام	۳۴۲	(۲) ترانۂ احرار	۳۴۲
(۳) ہم	۳۴۳	(۴) پچاس الماریوں کی حکومت	۳۴۴
(۵) سرفروش جماعت	۳۴۵	(۶) نذر بخاری	۳۴۵
(۷) سرکار کے سر	۳۴۶	(۸) خدا کی پناہ	۳۴۶
(۹) الآن حصحص الحق	۳۴۶	(۱۰) مولانا غلام غوث	۳۴۷
(۱۱) مولانا قاضی احسان احمد	۳۴۷	(۱۲) مولانا حبیب الرحمٰن اور سحر البیان بخاری	۳۴۷
(۱۳) حضرت امیر شریعت کی خدمت میں	۳۴۸	(۱۴) صاحبزادہ سید فیض الحسن	۳۴۸
تکملہ			۳۴۹
(۱) واردات تازہ	۳۴۹	(۲) تجھے قادیاں سے سوا چاہتا ہوں	۳۴۹
(۳) کیا ہی کہنے اس نبی کے	۳۵۰	(۴) سرمہ چشم تاریک	۳۵۰
(۵) رشک پیرس ہوگئے تھے کوچہ ہائے قادیاں	۳۵۰	(۶) مفسر اس کی آزادی کی ہے چرچل کی دانائی	۳۵۱
(۷) گھٹائیں چھائی ہیں آموں کے دن ہیں	۳۵۱	(۸) محمد مصطفیٰ نور خدا خیر الوریٰ آئے	۳۵۱
(۹) کمترین کا بیڑا غرق	۳۵۱	(۱۰) تنظیم اہل سنت	۳۵۲

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سرمہ قادیان

بنمائے بہ صاحب نظرے گوہر خود را — عیسیٰ نتواں گشت بہ تصدیق خرے چند

لآلی حمد ونعت

حمد

حسن مطلق کی اداء ہے لاجواب — میرے مولیٰ کی عطاء ہے لاجواب
دستگیری بندے کی کرتا ہے وہ — عاصیوں سے یہ وفاء ہے لاجواب

نعت

ہر ادائے مصطفیٰ ہے لاجواب — حسن محبوب خدا ہے لاجواب
ہوگئے مولائے کل ختم الرسل — ابتداء وانتہا ہے لاجواب

رحمۃ اللعالمین ﷺ

افتخار ایں قرآن ہیں رحمۃ اللعالمین — بادشاہ دو جہاں ہیں رحمۃ اللعالمین
شان رحمت دیکھئے آن نبوت دیکھئے — نازش کون ومکاں ہیں رحمۃ اللعالمین
آپؐ کے قانون کا ہردوسرا میں ہے نفاذ — قائد ہردو جہاں ہیں رحمۃ اللعالمین
تائب ونادم کو کیا ڈر حشر کے میدان میں — نادموں پر مہرباں ہیں رحمۃ اللعالمین
لاالہ کے سواء آیا نہ لب پر لا کبھی — ہر سخی کا امتحاں ہیں رحمۃ اللعالمین
وحی ان کے مہر ہے اہل زمیں سے منقطع — یعنی ختم مرسلاں ہیں رحمۃ اللعالمین
ہیں بشر، کیسے بشر؟ فخرالبشر خیرالبشر — خواجۂ کل خواجگاں ہیں رحمۃ اللعالمین
بصدحق ہے مرتبہ ان کا ہراک شئے سے بلند — عظمت کون ومکاں ہیں رحمۃ اللعالمین
کاروان ہیں بوذرؓ وصدیقؓ وفاروقؓ وعلیؓ — راہ نمائے کارواں ہیں رحمۃ اللعالمین
جسم ہے اک فرض کیجئے کارگاہ ہست وبود — جسم کے روح رواں ہیں رحمۃ اللعالمین

(تدوین کلیات ص۳۰۲ حصہ دوم)

سرمہ چشم قادیان

(جناب پروفیسر ڈاکٹر مختار ظفر صاحب کی کتاب ’’علامہ طالوت خطۂ ملتان کی علمی وادبی روایت کا ایک معتبر حوالہ‘‘ ص۱۱۶ کے مطابق سرمہ چشم قادیان میں ۷۱ منظومات ہیں۔ مگر ایم فل زکریا یونیورسٹی ملتان کے مقالہ ’’تدوین کلّیات علامہ عبدالرشید نسیم طالوت‘‘ ص۴۵ تا ۸۰ میں ان کی تعداد ۷۴ ہے۔ جو یہ ہیں:)

بکوئے تو گداز یک نوا بس　　مرا ایں ابتداء ایں انتہاء بس
خراب جرأت آں رند پا کم　　خدا را گفت مارا مصطفیٰؐ بس

(اقبالؒ)

(۱) قادیانی مہاراج

کل ریا کاروں کے جو سرتاج ہیں　　قادیاں میں آج وہ مہراج ہیں
رشک صد جم ہیں بشیرالدین بھی　　ہاں مگر افسوس ہے بے تاج ہیں
قادیاں کی برکتوں سے آج ہم　　بندۂ بیدام ہیں تاراج ہیں
یہ مسیح وقت کی بھیڑیں نہیں　　حضرت دجال کی افواج ہیں
دین و ایمان ان کا کیا جو ہر گھڑی　　قصر استعمار کے محتاج ہیں
’’مصلح چوبیں‘‘ نہ کیوں محمود ہو　　جب خدائے پاک ان کے ’’عاج‘‘ ہیں
پادری کے سر پھرے کچھ کم نہیں　　فرق اتنا ہے کہ یہ محتاج ہیں
چٹے بٹے ایک ہی تھیلی کے ہیں　　قادیانی چھلنی ہیں یہ چھاج ہیں
نکتہ سنجی ملک ہے طالوت کا　　قادیانیت اس کا باج ہیں

(۲) لاٹ صاحب کے بیٹے

باپ کی ’’نبھتی تھی‘‘ چکر کاٹ کے　　پوت پٹھو بن گئے ہیں لاٹ کے
مخملی فرش اس جگہ مبسوط ہیں　　جس جگہ بچھتے تھے بستر ٹاٹ کے
ساتھ لایا ’’قصرابیض‘‘ کا پیغام　　’’ٹیچی ٹیچی‘‘ آیا چکر کاٹ کے
کرتے ہیں ثابت حقوق بندگی　　قادیانی بوٹ کی ٹو چاٹ کے
آلۂ اغیار بن کر بے محل　　گھر کے رہتے ہیں نہ ظالم گھاٹ کے

(۳) زمیندار کی معجزانہ نشأت

دسمبر۱۹۳۴ء میں ''زمیندار'' کچھ دن بند رہا۔ دوبارہ اجراء پر میں نے مذکورہ بالا عنوان سے ذیل کی نظم لکھی جو ۷/دسمبر کے پرچے میں شائع ہوئی۔

موجۂ بحر حوادث کے تھپیڑوں کا شہید — پھر نرالی شان سے کھلا ہے ہوکر سربکف
پھر نئے انداز سے آیا ہے جولان گاہ میں — ترکش ناسازئ قافع کے تیروں کا ہدف
رہتی دنیا تک یہ آویزش رہے گی یادگار — خیل طاغوت اک طرف تنہا ''زمیندار'' اک طرف
حق کے جلوے صفحۂ گیتی پہ چھا جانے لگے — خانۂ باطل میں بچھ جانے لگی ماتم کی صف
ہوگیا کافور رنگ چہرۂ تلبیس آج — سینہ کوبی کررہا ہے قادیان ناخلف
عزم راسخ نے فنا کر ڈالے بے شک گماں — ہوگیا پیش نظر الحق یعلو کا سماں

مولانا ظفر علی خان صاحب قبلہ نے اس نظم کی داد ان الفاظ میں دی: ''زمیندار کے پاس شاہجہان کا خزانہ تو ہے نہیں کہ جس طرح اس نے ایک غزل کہنے پر کلیم کو سونے چاندی میں تلوا دیا تھا۔ اسی طرح زمیندار بھی اس نظم کے صلہ میں ''طالوت'' پر سیم وزر نچھاور کرے۔ البتہ ادب کا گنج شائیگاں اے بعد فیاض سے ضرور ارزانی ہوا ہے۔ دو شعر حاضر ہیں۔ جناب طالوت قبول فرمائیں اور اپنی نظم کے تیسرے شعر کے بعد ان کا اضافہ کردیں۔''

اس کے سر پہ سایہ ہے شام وبگاہ اللہ کا — اس نے پایا ہے محمدﷺ کی معیّت کا شرف
کیوں نہ اس کے حوصلے آ کر بڑھائے جبرئیل — کیوں نہ پہنچے عرش سے اس کو نوید لاتخف

(زمیندار مؤرخہ ۷/دسمبر۱۹۳۴ء بہرہ فکاہات)

(۴) تمغوں کے ٹوکرے

کیوں نہ ناچیں قادیانی چھوکرے — پشت پر ہیں ٹل مسیحی ٹوکرے
ویسرائے ہند نے ''بیس'' کہلایا — قادیاں پھر کہئے کیوں کر ''نو'' کرے
میرزا[۱] محمود کو منظور ہے — غیر شرعی فیصلہ جج گو کرے

۱؎ ملاحظہ میرزا محمود فرماتے ہیں: ''اور میں اب بھی آمادہ ہوں کہ ایک انگریز جج کے سامنے تمام کاغذات رکھ دو اور پھر وہ جو فیصلہ کردے (یہاں شرعی غیر شرعی کی کوئی قید نہیں) راقم اسے منظور کرلے گا۔'' (الفضل مؤرخہ ۱۱/نومبر۱۹۳۴ء)

مقصد تبلیغ ہی جب ہے ریا قادیاں پھر کیوں نہ اس کی ''شو'' کرے
باپ کو الماریوں کا تھا گھمنڈ پوت کا ہیں فخر چند اک ٹوکرے
قادیانی لاکھ سر پٹکیں مگر ہوگا آخر کو وہی ''ناحق'' جو کرے

(زمیندار مؤرخہ ۲۵/جنوری ۱۹۳۵ء)

(اکتوبر) ۱۹۳۴ء کی احرار تبلیغ کانفرنس قادیان کے بعد موسیو محمود کچھ بوکھلا سے گئے تھے اور اس کانفرنس کے بعد آپ نے ''فصیح وبلیغ'' خطبے ارشاد فرمائے وہ اپنی علمی اور تاریخی سے زیادہ ''مدوجزری'' حیثیت سے ایک طرفہ یادگار تھے۔ مرزا (محمود) کے والد آنجہانی نے جس طرح انگریزوں سے اپنی نبوت کا لوہا منوانے کے لئے ''پچاس الماریوں'' کا تذکرہ کیا تھا بعینہٖ اسی انداز میں باپ کے بروز اتم موسیو محمود ایں جہانی نے چرچل کے ہم قوموں سے اپنی خلافت کی تصدیق کرانے کے لئے ان خطبات میں تمغوں اور خطوں کے ٹوکروں کا ذکر کیا ہے۔

چنانچہ نہایت ہی فدویانہ اور جی حضوریانہ انداز میں ارشاد ہوا: ''ہم ملک معظم کی وفادار رعایا ہیں اور کئی ٹوکرے خطوط کے ہمارے پاس ایسے جو میرے نام یا میری جماعت کے سیکرٹریوں یا افراد جماعت کے نام ہیں، جن میں گورنمنٹ نے ہماری جماعت کی وفاداری کی تعریف کی ہے۔ اسی طرح ہماری جماعت کے پاس کئی ٹوکرے تمغوں کے ہوں گے۔ ان لوگوں کے تمغوں کے جنہوں نے اپنی جانیں گورنمنٹ کے لئے فدا کیں۔ یہ اتنے ٹوکرے ہیں کہ ایک افسر کے وزن سے بھی ان کا وزن زیادہ ہے۔'' (الفضل مؤرخہ ۱۱/نومبر ۱۹۳۴ء)

دیکھا آپ نے، باپ کی نبوت کا مدار دجال کی مدح سرائی میں پچاس الماریوں کے بھر دینے پر تھا تو بیٹے کی خلافت کا وقار دجال کی طرف سے عطاء کئے ہوئے تمغوں کے ٹوکروں میں بھرا ہوا ہے۔ اب تک مرزائی مبلغ (خزلھم اللہ مثل امثالھم) صرف الماریوں کے تذکرے کیا کرتے تھے۔ مگر اب وہ ان ٹوکروں کے متعلق بھی فخریہ لہجے میں ذکر کرتے ہوئے پائے جاتے ہیں۔ اوپر کی نظم انہیں واقعات کی اثر پذیری کا نتیجہ ہے۔ چھوکروں سے مراد وہ ''نوخیز مرزائی مبلغ'' ہیں جن میں سے اکثر کی ''حقائق ومعارف کی دکانیں'' دن رات کھلی رہتی ہیں۔

(۵) واوجس فی نفسہٖ خیفۃ

بنیں کیوں نہ محمود ان کے خلیفہ
ہیں [1] اسحاق جس قوم کے بوحنیفہ
بغایا کی اولاد ہیں سب مسلماں
پھر اور ان کا ذبیحہ یقیناً ہے جیفہ
غم روزگار ان کو کیوں کر ہو لاحق
مقرر ہے سرکار سے جب وظیفہ
بنے پھر حجامت مسلماں کی پوری
اٹھا لائے کسوت جو اپنی خلیفہ
خداوند لندن سے سر پر مسلط
ہو طالوت کو کیوں نہ ایجالس خیفہ

(زمیندار مؤرخہ ۱۰رمئی ۱۹۳۶ء)

(۶) قادیان کا معیار شرافت

شرافت کو سمجھے ہیں وہ شر و آفت
ستم کو عطوفت مظالم کو رأفت
الف آم تک سے جو واقف نہیں ہیں
غضب ہے سنبھالے ہوئے ہیں خلافت
وہ اخلاق کے کیسے پابند ہوں گے
نہیں جن کو اللہ سے کچھ مخافت
جو مہمل کو ملہم سمجھتے رہے ہوں
صحافت کو سمجھیں نہ کیوں وہ سخافت
شراب حقیقت میں زاہد کہاں ہے؟
پلومر کی ٹانک میں ہے جو لطافت
انہیں میں حسیں کیسے کہہ دوں کہ جن کی
نہیں قادیان کی طرف کچھ اضافت
میرے دل کا ہے درد بھی اس میں شامل
اسے آپ سمجھیں نہ خالی ظرافت

(زمیندار ۱۹۳۸ء)

(۷) یادش بخیر

خیر سے پھرتے ہیں اب تو پاٹ میں
لاٹ صاحب بن گئے ہیں ٹھاٹ میں
ہوگئے ہیں گیدڑوں کے بادشاہ
جب سے منہ ڈال آئے نیلے ماٹ میں
دیدنی ہیں یاس کی رنگینیاں
موسیو جب جلوہ گر ہوں پاٹ میں
آج ہیں انگریز کی دکان پر
کل تک تھے بانٹے کے ہاٹ میں
چھوٹ سکتی ہے بڑھاپے میں کہیں
دھت لگی جو بچپنے کی چاٹ میں
میرزا مرسل تو ٹیچی جبرئیل
مونج کا بخیہ لگا ہے ٹاٹ میں
بن گئے ہیں آج نکٹے بھی نبی
کیا اثر ہے استرے کی کاٹ میں

[1] میر محمد اسحاق مرزا محمود کے ماموں، جنہیں قادیانی سب سے بڑا محدث اور فقیہ مانتے ہیں۔

(۸) حدیث قادیاں

سنو مختصر قادیاں کی سٹوری — نبوت ہے لنجی خلافت لنڈوری
جو طوطی صفت غیر کے بول بولے — نہ لبرل ہے وہ سورما اور نہ ٹوری
پھنسایا ہے احرار نے ان کو ایسا — کہ ملتی نہیں اب کھلنے کو موری
کوئی جا کے قدیاں کے مرجا سے کہہ دو — رہی ساکھ جالم جرا بھی نہ توری
دلائل سے جب ہم نے دانت ان کے توڑے — تو کرنے لگے میرزا سینہ زوری
ہوا میں نہ ٹوڈی بہ ایں خام سوزی — بنے وہ نہ حق گو بہ آں شورا شوری
سلا دے، جو اے مادر ہند! جلدی — سنا کودک قادیاں کو وہ لوری

(۹) بڑا مداری

بھونچکے رہ گئے سارے مداری — غلام احمد نے کھولی جب پٹاری
نیا پائپ لگا ہے قادیاں میں — ہے پانی جس کا کڑوا اور کھاری
شجر اسلام کا اب کاٹتے ہیں — وہ لے کر زندقہ کی تیز آری
کریں کیوں کر نہ وہ تحریف قرآں — رگ وپے میں جب الحاد ساری
پھلے پوتوں وہ اور دودھوں نہائے — رہے زندہ قیامت تک بخاری
یوں ہی بس ایک ہی انچھر میں گانٹھی — خر دجال پر جس نے سواری

(۱۰) سنبوسۂ بیسن[۱]

زمرۂ عشاق کے ہیں آج جو میر سپاہ — مانے جاتے تھے وہ حسن کے بھی بادشاہ
آج جو ''تیر نظر'' کے ہوگئے صید زبوں — کل تلک تھی عاشق افگن ان کی بھی ترچھی نگاہ
سادگی پر وعظ کی جوان دنوں کرتے ہیں مشق — بانکپن ان کا رہا ہے مرکز صد اشتباہ
سید احمد جعفری کی داستان عشق پر — ذرہ ذرہ سرزمین قادیان کا ہے گواہ
میرزا محمود کی رگ ہائے جاں میں جذب ہے — گرمئ ''سنبوسۂ بیسن'' کی برق بے پناہ
اللہ اللہ آج وہ بھی بن گئے ہیں پاکباز — جو کسی کے بد ارادوں کی رہے آماج گاہ

۱ دانائے رومؒ نے وہ جو کسی زمانے میں کہا تھا:

خوشتر آں باشد کہ دلبراں — گفتہ آید در حدیث دیگراں

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ) تو یار لوگوں نے اس سختی سے اس پر عمل کیا کہ آیہ ''لاتزر وازرۃ وزر اخریٰ'' کا مضمون بھی غتر بود ہو کر رہ گیا اور بہت سی نا کردہ گناہ ہستیاں دوسروں کے معاصی کے ساتھ ملوث سمجھی جانے لگیں۔

انہیں بے گناہوں میں سے ایک مولانا سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری بھی ہیں، جنہیں مولانا ظفر علی خان صاحب کے خامۂ معجز بیان نے موسیو بشیر الدین محمود کے معاملہ میں دانستہ کچھ ایسا بدنام کیا ہے کہ قادیانیت کے سلسلہ میں اب حضرت بخاری کی نا کردہ معصیت کا ذکر شعرائے عصر کے لئے ایک ضروری مضمون قرار پا گیا ہے اور ہر شاعر قادیاں پر کچھ لکھنے سے پہلے تبرکاً مضمون کی آورد کے لئے مولانا کا یہ شعر ضرور گنگنا لیتا ہے:

بخاری نے جسے تاکا تھا دور جاہلیت میں وہ شان کودکی پہنچی ہے اب اپنی جوانی کو

حالانکہ جہاں تک واقعات کا تعلق ہے بخاری نے اپنے ایاز کو، اے توبہ محمود کو گورداس پور والے مشہور مقدمہ سے پہلے کبھی نظر بھر کے دیکھا تک بھی نہ تھا۔ چہ جائے کہ ان کے لب کسی کے لبہائے عقیقی سے آشنا یا ان کے ہاتھ کسی کی نورافرز گردن میں حمائل ہوتے۔ پھر آپ خود ہی انصاف فرمائیں کہ جس شخص نے اپنے ''دلربا'' کو نظر بھر کر دیکھا تک بھی نہیں۔ اس کے لئے یہ دعویٰ کہاں تک صحت پر مبنی ہو سکتا ہے:

مگر میں بن لئے ٹلتا نہ تھا کچھ ایسا سائل تھا

حقیقت یہ ہے کہ مولانا نے ''سر دلبراں'' کو ''حدیث دیگراں'' میں کہنے کے لئے جب نظر دوڑائی تو انہیں ''بخاری'' کے سواء کوئی ایسا جانباز نظر نہ آیا جو اس بدنامی کو اپنے سر لے سکتا۔ کیوں کہ:

اس سے پہلے اعتبار شان رسوائی نہ تھا

اس لئے انہوں نے ''محمود'' کی ''ایازی'' کے سلسلے میں ''بخاری'' کو ''غزنوی'' کا مرتبہ دے کر ناموس سرکار دو عالم (بآبائنا ھو وامھاتنا) کے دشمنوں کے اسرار درون پردہ کو طشت از بام کرنا شروع کر دیا۔

مگر جب کہ قادیانی شعراء خود ان حقائق کو عالم آشکار کرنے لگ گئے ہیں اور موسیو مرزا کے ''زہد شکن حسن'' اور ان کی ''ناز آفرینیوں'' کے تذکرے کو مزے لے لے کر بیان کر رہے ہیں، وقت آ گیا ہے کہ بخاری کی بجائے اصلی ناموں کا استعمال عام کیا جائے۔ ہم یہ کام سیالکوٹ پولیٹیکل کانفرنس کے معاً بعد ہی شروع کر دیا تھا اور مقام شکر ہے کہ اس کا خاطر خواہ اثر ظاہر ہو رہا ہے اور قادیانیت سے دلچسپی لینے والے حضرات اب بخاری کے ساتھ ساتھ دوسرے نام بھی استعمال کرنے لگ گئے ہیں۔

ان ناموں کی فہرست اگرچہ طویل ہے مگر فی الحال ایک شخصیت سے واقفیت حاصل کیجئے۔ نام ہم بتائے دیتے ہیں اور متعلقہ واقعات کی تشریح خود انہی حضرت سے پوچھئے یا پھر رنگیلے رسیلے عثمان نواز محمود سے۔

(۱۱) بیسوی صدی کا معیار نبوت

یہ کیا ضرور ہے، عبد شکور بن کے رہے
نبی تو وہ ہے جو کلب عفور بن کے رہے
جہاں[1] میں مرکز تکذیب وزور بن کے رہے
ہر[2] ایک طالب حق سے نفور بن کے رہے
بلاغت اس کی ہو وقف غرور و سبابی
بداعت اس کی رہین شرور بن کے رہے
یہ[3] قادیان ہے اور احمقوں کی جنت ہے
ہر ایک بچہ رشک حور بن کے رہے
غضب ہے دیق تصنع ہو جس کے کندھوں پر
وہ چور شافع یوم النشور بن کے رہے
قصور[4] سارا پٹھانوں کا ہے دوست! مگر
مغل بتایئے کب ''بے قصور'' بن کے رہے
شعور[5] چھین کے لے جا چکا جب افضل حق
تو ٹل مسیح نہ کیوں بے شعور بن کے رہے
بچے نہ پھر بھی بخاری کی بذلہ سنجی سے
حضور اگرچہ مجسم حضور بن کے رہے

(۱۲) مشاغل خصوصی

دشمنی دین میں مصروف ہیں
کفر سے مانوس[6] اور مالوف ہیں
قادیانی ان کے ہیں معطوف علیہ[7]
پادری کے سر پھرے معطوف ہیں
دین و دانش سے وہ کورے کیوں نہ ہوں
جب دماغ ان کو ملے ماؤف[8] ہیں
نام ہے اسلام کا لب پر رواں
اور دعاوی کفر کے محذوف ہیں
ریشمیں پھر کیوں نہ ہو ان کا مزاج
جب کہ ریشم ہی میں وہ ملفوف ہیں
دربدر مانگیں گی چندے بیبیاں
موسیو کس شغل میں مصروف ہیں

۱؎ دیوان میں یہ شعر کچھ ایسے بھی درج ہے ''جہاں میں وہ کیوں نہ مرکز تکذیب وزر بن کے رہے۔''
۲؎ اسی شعر میں؟ ''ہر'' کی جگہ ''جو'' بھی درج ہے۔
۳؎ یہ قادیان نہیں ہیں یہ جنت الحمقاء۔
۴؎ یوپی کے حضرات اس شعر سے لطف اندوز نہ ہوسکیں تو وہ ''بے قصور'' ہیں کیونکہ ''قصور سارا پٹھانوں کا ہے'' ایک خالص پنجابی محاورہ ہے اور اس کو وہی حضرات سمجھ سکتے ہیں جو پنجاب میں رہے ہوں۔
۵؎ چوہدری صاحب کی ایک تصنیف کا نام۔
۶؎ بیاض میں ''اور'' کو کاٹ کر ''ہیں'' لکھا ہوا ہے۔
۷؎ علیہ کی عین کا فاتحہ پڑھ کر ''سلطان القلم'' کی غلط عربیت کے صلے میں ان کی روح مونس کو بخش دیا گیا۔
۸؎ بیاض میں مصرع کچھ اس طرح درج ہے۔ ''جب دماغ و دل سبھی ماؤف ہیں۔''

(۱۳) لب بیاس

رہین عفت و عصمت شباب ہو نہ سکا
لب بیاس کسی سے حجاب ہو نہ سکا

شباب ونور کی موجیں نہ چھپ سکیں آخر
اُور ان کا حسن اسیر نقاب ہو نہ سکا[1]

بہار آئی ہے اور ان کو غصہ ہے اس پر
پیالہ چائے کا جام شراب ہو نہ سکا

اچھالا نام بہت عقد آسمانی کا
غلام عشق مگر کامیاب ہو نہ سکا

ہمارا عشق ملوث ہے معصیت سے اگر
تو ان کا حسن بھی عفت مآب ہو نہ سکا

ہماہمی تو بہت دعوہائے دجل میں تھی
جہان کفر میں یہ انقلاب ہو نہ سکا

وہ منہ چڑاتے رہے اور کر گئے کافر
میرے گناہوں کا جب کچھ حساب ہو نہ سکا

(۱۴) نہ رہا

سرّ مستور درمیاں نہ رہا
قادیاں اب وہ قادیاں نہ رہا

عشق مجبور جب نہاں نہ رہا
راز دل زیب داستاں نہ رہا

جل چکا قلب اور دھواں نہ رہا
ہم کو اندیشہ زیاں نہ رہا

زاغ باغوں پہ ہوگئے قابض
ٹیچی ٹیچی جو نغمہ خواں نہ رہا

سر کٹانے کو ہم تو حاضر ہیں
ان کا پرعزم امتحاں نہ رہا

کون باندھے گا پھر ''کہ تاباندھے''
جب وہ مرزائے نکتہ داں نہ رہا

عشق ہے دلدہ وفا اب بھی
حسن کیا ہے جو دلستاں نہ رہا

بوڑھے غمزوں سے اب چلائیں کام
ناز محمود گر جواں نہ رہا

لوگ کہتے ہیں چل بسا طالوت
قادیاں کا وہ نوحہ خواں نہ رہا

[1] بیاض میں ''اوران'' کی جگہ ''کسی'' درج ہے۔

(۱۵) تیرا گھر قادیاں نہ ہو جائے

صبر سے بدگمان نہ ہو جائے
یار پھر مہرباں نہ ہو جائے
بیکسوں پہ ستم نہ کر پیارے
تیرا گھر قادیاں نہ ہو جائے
ہم زباں سے تو کچھ نہیں کہتے
شکل ہی داستاں نہ ہو جائے
غمزے محمود کے نرالے ہیں
ڈر ہے جان جہاں نہ ہو جائے
بن رہے ہیں وہ رستم دستاں
قادیاں سیستاں نہ ہو جائے
مشی فی النوم سر مخفی تھا
اب یہ قصہ عیاں نہ ہو جائے
پھر پلومر کے جام گلگلوں سے
کوئی بوڑھا جواں نہ ہو جائے
ذکر رنگیں ہو جب تو کیوں طالوت
آج رنگیں بیاں نہ ہو جائے

(۱۶) دیکھ لیا

عشق میں تلملا کے دیکھ لیا
شمع غم کو جلا کے دیکھ لیا
قادیاں میں نہیں ہے بوئے وفا
دل ہر ایک سے لگا کے دیکھ لیا
کلمۂ حق وہ سن نہیں سکتے
ہم نے کو سنا کے دیکھ لیا
مے پلومر کی خوب ٹانک ہے
بارہا پی پلا کے دیکھ لیا
قصۂ عشق سن کے شوخی سے
حسن نے مسکرا کے دیکھ لیا
حسن اور حسن خلق میں ضد ہے
حسن کو آزما کے دیکھ لیا
''احمدیت'' میں کس قدر حق ہے
ہم نے یہ گھر جلا کے دیکھ لیا

(۱۷) لاالٰی ھٰؤلاء ولا الٰی ھٰؤلاء

نہ اِلّــلّــذی ہیں نہ اُلّــلّــذی ہیں
جو پوچھو تو حضرت بروزی نبی ہیں
اللّے تللّے اڑاتے ہیں ہر دم
ہوس رانیوں میں بہت ہی فری ہیں
جو چکھے تو ہیں شحم حنظل سے بدتر
مگر سونگھیئے جب تو مسک ذکی ہیں
خدا سے بھی خلوت صحیحہ ہے ان کی
غلط کوشیوں میں وہ اتنے جری ہیں
سناتے ہیں کیوں گالیاں مولوی کو
کہ جب خود بدولت نرے مولوی ہیں
خدائی[1] کے جھوٹے فریبی کہیں کے
یہی کیا شناسائے رمز خفی ہیں

[1] دیوان میں ''خدائی کے جھوٹے'' کی جگہ ''زمانے کے لوفر'' بھی کاٹ کر لکھا گیا ہے۔

(۱۸) یہ امرتسر نہیں ہے قادیاں ہے

جہاں عشق سرگرم فغاں ہے
کسی کا حسن پھر آتش بجاں ہے
کوئی پھر آہ وزاری میں ہے مصروف
میاں محمود! کس سے بدگماں ہے
جہاں لوگوں کے گھر پھونکے گئے ہوں
اسی کا نام کیا ''دارالاماں'' ہے
کہا کس نے کہ بوڑھی ہوگئی ہے
ابھی تک ان کی رعنائی جواں ہے
سنبھل کر یاں قدم رکھیں بخاری
یہ امرتسر نہیں ہے قادیاں ہے
تصدق میں پچاس الماریوں کے
جہاں کہا بچہ بچہ نکتہ داں ہے
خدا چندے میں برکت دے کہ اس سے
انہیں حاصل بہار جاوداں ہے
تیری رنگین بیانی سن کر طالوت
وہ بولے یہ ہماری داستاں ہے

(۱۹) ائمۂ تلبیس[1]

دجل میں کامیاب ہیں یہ لوگ
کتنے خدعت مآب ہیں یہ لوگ
کہئے ان کو ائمۂ تلبیس
کذب میں انتخاب ہیں یہ لوگ
دجل و مکر و ریاء کی دنیا میں
سامری کا جواب ہیں یہ لوگ
کھاتے یاقوتیاں ہیں چندے میں
پیتے ٹانک شراب ہیں یہ لوگ
وقف رنگینی خلافت ہیں
محو حسن و شباب ہیں یہ لوگ
دور ادبار کی نشانی ہیں
دورۂ انقلاب ہیں یہ لوگ
مرکز ''گاؤخر'' ہے دل جن کا
وہ تقدس مآب ہیں یہ لوگ

(۲۰) الماریوں کا فیض

الماریوں کا جب سے کوئی قدرداں ہوا
شملے کی چوٹیوں پر مرا آشیاں ہوا
دجال کی ستائش بے جا کے فیض سے
منارۃ المسیح بھی رفعت نشاں ہوا
چندے پہ چندے آئے تو معجون بن گئے
تبلیغ ہو نہ ہو یہ مبلغ جواں ہوا
گھر میرا جل کے راکھ ہوا جب تو اس کا گھر
صدقے میں اس کی راکھ کے دارالاماں ہوا
تمغوں کے ٹوکروں نے بڑھایا تھا جو وقار
وہ ساحل بیاس پہ نذر بتاں ہوا

[1] بیاض میں اس غزل کا عنوان ''یہ لوگ'' درج ہے جس کو کاٹ کر ''ائمہ تلبیس'' لکھا گیا ہے۔

بچپن میں اس کے فیض سے تھے بہرہ یاب
آئی جوانی جب تو وہ مہرباں ہوا
جائیں نہ ان کے گھر میں بخاری تو ہم نہیں
اور گھر بھی ان کا گھر نہ ہوا قادیاں ہوا
ان پر بہار آئی تو دل کی کلی کھلی
دل پر بہار آئی تو گھر گلستاں ہوا

(۲۱) سرکہ جبیں مرزائی

میرزائی ہم سے لڑتے ہی رہے
دین پہ الزام جڑتے ہی رہے
کر کے پیشانی پہ سر کے کلا
ہر مسلمان سے جھگڑتے ہی رہے
پڑھ کے مرشد کی پچاس الماریاں
جوش وحشت سے اکڑتے ہی رہے
مذہبی اس کو فریضہ جان کر
ٹامیوں کے پاؤں پڑتے ہی رہے
بوٹ کی ٹو چاٹ کر ٹٹ پونجیئے
ناک چوکھٹ پر رگڑتے ہی رہے
پھیری والے لدو ٹٹو کی طرح
کھا کے جوتے بھی وہ اڑتے ہی رہے
سوزن تدبیر تکتی رہ گئی
ان کے بخئے یاں ادھڑتے ہی رہے
قادیانی گل رخوں کے ذکر میں
اپنے منہ سے پھول جھڑتے ہی رہے

(۲۲) باقیات السیّٔات

قدر کیا ہو میرے دل میں ظاہری اوراد کی
اصل میں جب وہ اشاعت کرتے ہیں الحاد کی
ہم ہیں ’’کھدر‘‘ موسیو محمود صاحب ’’نین سکھ‘‘
’’نین سکھ‘‘ بھی وہ جو ’’صاحب لوگ‘‘ نے ایجاد کی
پھر ہمارا اور اس کا میل کیا پیوند کیا؟
بخیہ گر، رہنے دین یہ بخیہ گری اضداد کی
جب نبوت آ گئی قابوچیوں کے ہاتھ میں
قلتبانی لگ گئے کرنے وہ استبداد کی
ہیں غنیمت کفر کی یہ باقیات السیّٔات
میرزائی اک نشانی ہیں ثمود و عاد کی
ڈارون کے قول پر ہم نے بھی آمنا کہا
ہر کہ ومہ نے اتاری نقل جب اوتاد کی
پہلے بکتے ہیں ہمارے حق میں وہ ملاحیاں
اور توقع بھی ہمیں سے رکھتے ہیں پھر داد کی
کیوں بشر کی جائے نفرت ہوں نہ وہ الحاد باز
خود[1] نہیں بنتے ہیں جو اولاد آدم زاد کی

[1] مرزا قادیانی کے اس شعر کے طرف اشارہ ہے جس میں وہ ببانگ دہل اپنی آدمیت سے انکار کرتے ہوئے کہتے ہیں:

کرم خاکی ہوں میرے پیارے نہ آدم زاد ہوں
ہوں بشر کی جائے نفرت اور انسانوں کی عار

(۲۳) قلمی نبی

دشمنوں کو کیوں نہ دیں اب گالیاں گندی نبی
جب کہ ہونے لگ گئے قلمیؔ و پیوندی نبی

گر مجدد کو نبی کا نام دینا تھا روا
کہلوائے کیوں نہ پھر وہ شیخ سرہندی نبی

انبیائے کرزنی کا دور ہونے کو ہے ختم
اب تو ہوں گے یاں ''کرشنی'' اور خورسندی'' نبی

قادیاں کی سیر ہم بھی اب کے کر آتے ضرور
واں اگر بنتی کوئی اللہ کی بندی نبی

یہ ''بیاسی'' آب آسا ہی ٹپک کر رہ گئے
اب بنائیں میرزائی کوئی الوندی نبی

صالحؑ و ہودؑ و محمدؐ یا شعیبؑ و نوحؑ و لوطؑ
یہ ہیں قرآنی، غلام احمد ہیں پاژندی نبی

طعنہ زن پنجابیوں پہ حسرت و میکش نہ ہوں
ہونے ہی والے ہیں کشمیریؔ و مہندی نبی

(۲۴) انبیائے زمان

کچھ ہیں شب کے اور کچھ دن کے نبی
رکھتی ہے سرکار گن گن کے نبی

آشیاں کفر کی تعمیر کو
چن رہے ہیں آج کل تنکے نبی

کیوں نہ ہوں کان ملاحت وہ حسیں
ہوں مجسم[۱] نون ہی جن کے نبی

اک نکٹا ایک کانا اک شل
ہیں بڑے اعجوبہ زا ان کے نبی

سید احمد جعفری بھی ہوں مرید
ہوں اگر محمود کے سن کے نبی

۱؎ احمد نور صاحب کابلی ولد اللہ نور صاحب جو آج کل ''دارالامان'' قادیان شریف میں مقیم ہیں اور ''اعجاز نبوت'' میں ناک تک غائب کر چکے ہیں اور ''نکٹوں کے نبی'' کے نام سے مشہور ہیں۔ مقدمہ بخاری میں جب ان سے ان کا اور ان کے والد کا نام پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا ''احمد نون ولد انہا نون'' شاہ صاحب قبلہ نے اس پر بے ساختہ ارشاد فرمایا تھا کہ ''نون علی نون'' (یعنی نور علی نور) ناک نہ ہو گھر کا گھر کا لانمک ہے۔ سبحان اللہ نکٹا ہونے کے بھی کیا کیا فائدے ہیں۔

(۲۵) تختہ مشق

معصیت سے کس طرح ہوگا بری
تختۂ مشق جفائے جعفری
دیکھ لینا اگر بشیرالدین کو
بھول جاتا سامری بھی ساحری
عشق کیا ہے اعتراف عاجزی
حسن کیا ہے افتخار برتری
اڑتی چڑیا کے جو گن لیتے ہیں پر
کیوں نہ لندن کی کریں پیغمبری
شہ جو پائی مغربی شہباز کی
بڑھ گئی مرزائیوں کی خود سری
شام کے مردے کو کب تک رویئے
کر لیں جب تک کرسکیں وہ آذری
رنگ لائیں جب میری بے تابیاں
بھول جائیں گے وہ اپنی دلبری
قادیاں کے باب میں کہتا ہوں میں
بات وہ جو سولہ آنے ہو کھری

(۲۶) موسیو بشیر اور عبدالرحمان مصری

حق جو کہہ دے ہو گیا وہ کشتنی
حق سے ان کو اس قدر ہے دشمنی
کب تلک یہ تیرہ کاری کا جنوں
تابہ کے ایلاف دنیائے دنی
کلکلانا[۱] کلنیوں[۲] سے کب تلک
تابہ کے یہ نخوت ماؤ منی
گھر کی جورو کی کہاں تک چوکسی
راز دانوں سے کہاں تک دشمنی
آسرا اسباب کا بیکار ہے
ہیں یہ سب اسباب دنیا رفتنی
گھر میں چوہے لوٹتے تھے جن کے کل
آج کیوں کہ بن گئے ہیں وہ غنی
جیب میں جب جھنجھی کوڑی تک نہ تھی
بھوک سے ان کی کمر تھی منحنی
کس طرح پھر ہوگئے قارون وقت؟
اور ریاست سندھ میں کیسے بنی؟
پوچھی تھی مصری نے بس اتنی ہی بات
وہ پھلا بیٹھے ہیں جس پر تھوتھنی

[۱] کلکلانا چڑ چڑانا، کاٹ کھانے کو دوڑانا۔

[۲] کلنی: چچڑی جو جانوروں کے جسم میں ہوتی ہے۔

(۲۷) قادیان! عیب سے جملہ بگفتی ہنرش نیز بگو

عیب اس کے کہہ چکا ہے خوبیاں بھی کچھ گنا
قادیاں کے باب میں اتنا نہ ہو بے اعتنا
قادیاں ہے رہ کش بیت الحرم اور دار امن
اور ہر تو وہ وہاں کا رشک عرفات و منا
کھودتے ہیں ''چشم بدنزدیک'' ہر نیکی کی جڑ
رکھ رہے ہیں ''چشم نیکی دور'' ہر شر کی بنا
قادیاں میں غیر کا ہر خیر سے[1] مملو ہے ظرف
اور خلافت کا شرافت تک سے ہے خالی[2] انا
پیرس ولندن کی آزادی کا واں پر ذکر کیا
[3] بارہ جوتے مزنیہ کے ہوں جہاں حد زنا
آرہے ہیں بہر قتل عاشقاں خنجر بکف
اڑ نہ جائے دست رنگیں سے کہیں رنگ حنا
گھر یقیناً اور جتا ہوگا صد محشر بصحن
ساحت محشر سے بھی بڑھ کر ہو جس گھر کی[4] فنا

(۲۸) انّ ہذا لشئی عجاب

ٹیٹھر لگے بولنے فارسی
ٹٹھری لگی دیکھنے آرسی
نبوت ہوئی قادیان میں مقیم
ہوئے بے زباں آج رشک کلیم
جواں مرد کہلاتے ہیں ہیجڑے
جوانوں کے منہ آتے ہیں ہیجڑے
زیاں ہی کا نام آج کل سود ہے
جو مذموم تھا آج محمود ہے
سمجھنے لگے شہد وہ زہر کو
لگے کہنے ''الفضل'' القہر کو
مراقی لگے کرنے جب اجتہاد
بنا خانۂ امن دارالفساد
وہ اٹھ اٹھ کے چلنے لگے نیند میں
حقائق مچلنے لگے نیند میں
پلومر کی ٹانک جو[5] پینے لگے
تو چندے کے پیسے[6] قرینے لگے
ہوئی بند آمد جو مضمون کی
لگے کھانے معجون افیون کی
وہ اپنوں سے رہنے لگے جب جدا
حکومت لگی بننے ظل خدا
''چھچھوندر کے سر میں چمیلی کا تیل
عجب تیری قدرت عجب تیرے کھیل''

۱؎ مملو: بھرا ہوا۔ ۲؎ انا: ظرف۔

۳؎ قارئین کو یاد ہوگا کہ میاں محمود کی سالی کی شکایت پر ایک کمپونڈر کی سزا بارہ جوتے مقرر ہوئی تھی۔

۴؎ فنا گھر سے باہر کا میدان۔ ۵؎ بیاض میں شعر میں ''پینے'' کی جگہ ''لانے'' لکھا ہوا ہے۔

۶؎ بیاض میں شعر میں ''قرینے'' کی جگہ ''ٹھکانے'' لکھا ہوا ہے۔

(۲۹) قادیاں کی قبائے رنگیں

خوبصورت بلا کو دیکھ لیا — فتنۂ حشر زا کو دیکھ لیا
با وفا ان کو کون کہتا ہے — ہم نے ان کی وفاء کو دیکھ لیا
کفر کا عرض زندقہ کا طول — ان کی رنگین قباء کو دیکھ لیا
حسن مجبور معصیت ہے یاں — عشق کے اتقاء کو دیکھ لیا
ان کی ترچھی نظر کے نخرے میں — ہم تیر قضاء کو دیکھ لیا
ناک رکھتے نہیں اس کے — قادیاں کے خدا کو دیکھ لیا
کوئی پیغام بھی نہ واں پہنچا — ہم نے پیک صبا کو دیکھ لیا

(۳۰) اے باد صبا ایں ہمہ آوردۂ تست

سید احمد جعفری سے لیجئے یہ فیصلہ — میرزا محمود کی بیعت کہاں تک ہے درست
مکر و دجل و زور کی وہ دلربا رنگین قبا — آ گئی ہے قادیانیت کے قد پر خوب چست
سنت سباب اکبر پر عمل کرتے ہوئے — مشرقی بھی کہہ رہے ہیں آج ہم کو سخت سست
ہرزہ سنجی فحش گوئی کا ہے جو بازار گرم — اے صبائے قادیاں ایں جملہ از تصریف تست

(۳۱) الکفر ملّة واحدة

دکھائے، دیکھئے کیا کیا نہ دور چرخ کبود — ابھی تو خیر سے چلتے ہیں نیند میں محمود
خلاف لاکھ سہی دمشق و اندلس میں — مگر ہے دونوں کا لندن ہی کعبۂ مقصود
غضب خدا کا ہے ان پر تو یہ ہیں ضالّین — ہے کفر ملت واحد وہ عاد ہیں یہ ثمود
مباہلہ سے نہ کیوں کر وہ جی چرائیں گے — کہ واں رب بکنگھم یہاں ہے رب ودود
وہ اپنے بھاڑے کے ٹٹو سے بھاڑ جھنکوائے — یہاں خلیل پہ ہے سرد آتش نمرود
ہمارے ہاتھ میں قرآن وہ ژند کے پابند — ہمارا کام حقیقت اور ان کا فعل نمود
انہیں یقین ہے اور پھر یقین بھی کامل — کہ رب کعبہ کے ہاں ان کی ہے دعا مردود

(۳۲) حدیث بخاری

(جو گورداسپور میں ''مسند حاکم'' کے سامنے پڑھی گئی)

پلا دے شیشۂ محبس میں گر ہے کچھ مئے باقی
انا المسموم ما عندی بتریاق ولا راقی
میری اور قادیانی کی صلح ناممکن ہے ناممکن
کجا میں اور کجا محمود احمد کی بد اخلاقی
اسے ہے خواب میں چلنے کی عادت وہ ہے مشائی
میرے دل پر عیاں اس کے خبائث میں ہوں اشراقی
نبوت میرے نانا کی اصولی اور اصلی ہے
نبوت اس کے باوا کی فروعی اور الحاقی
میں ایک قیّوم و دانا کی ربوبیت کا قائل ہوں
دکھاتی ہے نیا رب اس کو ہر روز اس کی براقی
نظر جاتی ہے اس کی آستان سرایرسن تک
جہاں سارے کو لیکن دیکھتا ہے مرد آفاقی
میرے اس کے عقائد میں ہے بعد مشرق و مغرب
تو پھر کیونکر ہے ممکن ختم ہوجائے یہ ناچاقی
ہوائے دہر راس آئی نہ میرے جذبہ دل کو
مجھے پھرے چلے محبس کو احساسات اعماقی
بہشتی مقبرے کی ہڈیاں بھی وجد میں آئیں
سنیں میری زباں سے گر حکایت ہائے مشتاقی

(۳۳) انقلاب

انقلاب اے انقلاب!!

غیر کرتا ہے ہمیں سے مایۂ علم اکتساب
اپنی آنکھوں پر ہے لیکن پردۂ صدار تیاب
انقلاب! انقلاب اے انقلاب!
کوکب درّی کی تابانی سے ہم ہیں بے نصیب
خانۂ اغیار میں روشن ہے نور خانہ تاب
انقلاب! انقلاب اے انقلاب!
خانماں بربادیوں کے کر کے ساماں سب بہم
شاہد مغرب سے ہوا ہے جلوہ فرما بے نقاب
انقلاب! انقلاب اے انقلاب!
دیوتاؤں کی زمین ہے صید استعمار و جور
اور ملیچھوں کے بسیرے بن گئے کیواں جناب
انقلاب! انقلاب اے انقلاب!
عرش استخلاف پر عیسیٰ کی بھیڑیں ہیں مکیں
اور شیران محمدؐ ہیں تعبد میں خراب
انقلاب! انقلاب اے انقلاب!
جانشیں دجال کا بیدار ہے ہشیار ہے
خواجۂ کونینؐ کے وارث ہیں لیکن محو خواب

انقلاب! انقلاب اے انقلاب!

استواری دیکھئے باطل کی، حق کے سامنے — تن کے سینۂ ہو رہا ہے آج کل گردوں مآب

انقلاب! انقلاب اے انقلاب!

نوشدار داس کو سمجھے ہیں جو بے نیش زبوں — زہر سمجھے ہیں اسے واقع میں جو ہے شہد ناب

انقلاب! انقلاب انقلاب!

شپّر بے مایہ کی خاطر کبھی تم نے سنا؟ — یوں چھپایا جا رہا ہو ظلمتوں میں آفتاب

انقلاب! انقلاب اے انقلاب!

خاک راہ کعبہ کی جاروب کش تھی جو کبھی — بچھ گئی راہ صنم خان میں وہ چشم خراب

انقلاب! انقلاب اے انقلاب!

قادیاں سے دین قیّم کے خلاف اٹھے صدا — اور پھر برہاں میں اس کے پیش ہوام الکتاب؟

انقلاب! انقلاب اے انقلاب!

خاک ذلت پرنا موت سے رگڑتے تھے جو چونچ — کارگاہ زندگی میں اب وہی ہیں کامیاب

انقلاب! انقلاب اے انقلاب!

(۳۴) دارالامان

نوشتہ قادیان کو دیکھ لیا — ترچھے بانکے جواں کو دیکھ لیا

ہو رہی ہے نماز پہرے میں — ہم نے دارالاماں کو دیکھ لیا

کشتہ ابروئے بلالی نے — تیری ترچھی کماں کو دیکھ لیا

باغ میں زاغ جلوہ فرما ہیں — ہم نے اس گلستاں کو دیکھ لیا

کوئی دل عشق سے نہیں محفوظ — ان کے دارالاماں کو دیکھ لیا

بال بیکا رقیب کا نہ ہوا — گردش آسماں کو دیکھ لیا

دل نثار جمال ہونے دو — ہم نے سود و زیاں کو دیکھ لیا

سحر المارپوں کا طاری ہے — ان کے ہر نکتہ داں کو دیکھ لیا

بات استاد ہی کی دہرائی — طوطیٔ نغمہ خواں کو دیکھ لیا

عنکبوتی ہے ساخت سب اس کی — ہم نے ان کے مکان کو دیکھ لیا

(۳۵) مصطلحات کا فرق

جس کو عاشق فراق کہتے ہیں — لوگ اس کو طلاق کہتے ہیں
پالسی کو زبان شرع میں ہم — مکروخدع ونفاق کہتے ہیں
خلط مبحث سے زور سودا کو — خلط کا احتراق کہتے ہیں
وہ جسے کہہ رہے ہیں ضعف دماغ — ہم اسی کو مراق کہتے ہیں
مدعی جو بھی ہو نبوت کا — دین سے اس کو عاق کہتے ہیں
سید احمد سے ان کے ملنے کو — اہل دن انطباق کہتے ہیں
خوش عقیدت وہ جو ہیضے کو — ’’بخت اور اتفاق‘‘ کہتے ہیں
قادیاں سے میری محبت کو — میرزائی شقاق[1] کہتے ہیں

(۳۶) حریم خلافت کی رنگین فضائیں

گزر جاؤں گا میں یہاں اپنی جاں سے — تیرا کوچہ ملتا ہے کچھ قادیاں سے
خدا عشق کی خیر رکھے کہ نکلا — وہ خنجر بکف حسن دارالاماں سے
حریم خلافت کی رنگیں فضائیں — بہت کچھ مماثل ہیں باغ جناں سے
بنے جب نہ مومن وہ لاہور آ کر — تو ہجرت کا کیا فائدہ قادیاں سے
نہاں دل میں رکھتے ہیں بغض وعداوت — جتاتے ہیں لیکن محبت زباں سے
قصور ان کا کچھ بھی نہیں تو کیوں پھر — وہ گھبرا رہے ہیں ہماری فغاں سے
’’شراب جفا‘‘ کو برا کہہ نہ واعظ — منگائی ہے ہم نے ’’نبی کی دکاں‘‘ سے
میری جاں نثاری میں بھی ان کو شک ہے — یوں ہی بدگماں ہیں وہ اک قدرداں سے
میری بت پرستی کے صدقے کہ اب بھی — محبت ہے مجھ کو بت قادیاں سے

[1] دیوان میں ’’شقاق‘‘ کی جگہ ’’نفاق‘‘ بھی درج ہے۔

(۳۷) یہ لوگ؟

رشک ماہ و شہاب ہیں یہ لوگ
گویا کیواں جناب ہیں یہ لوگ
آسمان نفاق و بدعت کے
تابدار آفتاب ہیں یہ لوگ
ہٹلری آن بان رکھتے ہیں
نازیوں کا جواب ہیں یہ لوگ
بطن گیتی میں ہر بشر کے لئے
اب مجسم عذاب ہیں یہ لوگ
خط غلط ہے تو نسخ انشا ہے
قادیانی کتاب ہیں یہ لوگ
فضل دجال سے بظاہر گو
ہر طرح کامیاب ہیں یہ لوگ
پر حقیقت میں سطح دنیا پر
مثل موج و حباب ہیں یہ لوگ

(۳۸) بتان قادیان

دل لگا بیٹھا ہے زاہد کیا بہشتی حور سے
بزم روشن کر بتان قادیاں کے نور سے
دل دہی کی کاہشوں کو گر سمجھ سکتا نہیں
درس لے اس کے غوامض کا کسی مامور سے
نام رکھا جاتا ہے ''فضل عمر'' محمود کا
کام لینا چاہتے ہیں شہد کا اچور سے
قادیاں کی چھاتیوں سے دودھ چوسیں تشنہ لب
اب نہ فاراں سے ملے گا کچھ نہ کوہ طور سے
گر میسر آ نہ سکتی ہو پلومر کی شراب
کام لو شب مستیوں کا بادہ انگور سے
رب لندن مہرباں جب ہوگیا محمود پر
مرتبہ اس کا بڑھایا قیصر و فغفور سے
وہ خدا تھا اور یہ والد خدا کے بن گئے
حضرت زاہد بہت ہی بڑھ گئے منصور سے

(۳۹) قادیاں کی آذر آئینی

وہ سمجھو لٹ گئے ہیں آشیاں میں
اماں جن کو ملتی دارالاماں میں
جھلکتی ہے خلافت کی تباہی
کس مہوش کی سچی داستاں میں
بہشتی مقبرے میں کیوں نہ ہوں دفن
جنہیں حوریں ملی ہیں اس جہاں میں
جناب عشق کی برکت ہے ساری
یہ جنتی بھی رونق قادیاں میں
پلومر کی شراب لالہ گوں کی
کرامت دیکھئے ''بوڑھے جواں'' میں
میں اس کی آذر آئینی کے صدقے
لگائی آگ جس نے آشیاں میں
دکھائی دیتے ہیں نشتر ہی نشتر
انہیں طالوت کے طرز بیاں میں

(۴۰) وہ زمانہ ہوا ہوا

عشق کی بیماریاں جاتی رہیں / حسن کی سرداریاں جاتی رہیں
ہو گئی معلوم قدر عافیت / ان کی ندرت کاریاں جاتی رہیں
ہے سواری کے لئے عیسیٰ کا خر / لال بیگی لاریاں جاتی رہیں
تا بکے چندوں پر کٹتی زندگی / ان کی خاطر داریاں جاتی رہیں
گل کھلا ''ڈوئی'' کے جب ایوان میں / مذہبی گل کاریاں جاتی رہیں
پوت کے جب ٹوکرے آنے لگے / باپ کی الماریاں جاتی رہیں
لال پانی کی ہے یہ تاثیر دیکھ / زرد سی بیماریاں جاتی رہیں
حسن کے ادنیٰ کرم کے فیض سے / عشق کی ناچاریاں جاتی رہیں

(۴۱) داستان پاستاں

اپنا ہے آستاں الگ ان کا ہے آستاں الگ / دیر و حرم کی قید سے ہے مسلک قادیاں الگ
کرتے ہیں نت نئے نئے فتنے بپا جہان میں / ان کی زمین جور کا ہوتا ہے آسماں الگ
ان کو کوئی برا کہے کانپ کے ٹوٹ پڑتے ہیں / دہلی کی سرزمیں الگ شملے کا آسماں الگ
حسن گراں بہا نہیں عشق گراں وفا نہیں / مسکن ٹل مسیح بھی گویا ہے اک جہاں الگ
فلسفۂ شناوری رکھتی ہے یاد ہر پری / سیر منام کی بھی گو حفظ ہے داستاں الگ
حور میں دلکشی سہی غمزۂ و برتری سہی / ماہ وشوں کی دلبری رکھتی ہے اک سماں الگ
قصر فراعنہ پہ گو مصر کو فخر ہے بہت / شان و خصوصیت میں پر اپنی ہے قادیاں الگ
حوروشاں قادیاں جان بیاں ہوں جب تو پھر / کیوں نہ ہو شاعروں سے یہاں طرز الگ بیاں الگ

(۴۲) باز گو از نجد و زیاران نجد

نظر میں مہربانی ہے، زباں پر لن ترانی ہے / ادھر خوش اعتقادی ہے ادھر سے بدگمانی ہے
گرائیں بجلیاں دل پر جگر پر دین و ایمان پر / نگاہ ناز بھی گویا نگاہ قادیانی ہے
شباب و حسن کی موجوں سے بچ نکلی تو میں جانوں / ادھر تقویٰ ہے میرا اور ادھر ان کی جوانی ہے
پلاتے ہیں وہ ہر مہمان کو آب خنجر برّاں / انوکھے میزباں ہیں یہ نرالی میزبانی ہے
پلومر کی شراب لالہ گوں زاہد نے منگوائی / رگوں میں اس کی باقی اب تلک جوش جوانی ہے
پچاس الماریاں ازبر ہیں جن کو ان کے ہاں سچ مچ / ادائے بدزبانی انتہائے نکتہ دانی ہے
بخاری کی زباں پر، جعفری کے دل میں سے جو کچھ / کسی کہ حسن رنگیں کی وہ ایک رنگین کہانی ہے

(۴۳) مزے ہی مزے

موسیو محمود سے پوچھو جوانی کے مزے
چیرہ دستی کے حقائق کامرانی کے مزے

گول کمرے کے مشاغل نیند میں چلنے کے ڈھنگ
دل دہی کی کاہشی اور دلستانی کے مزے

حسن پر صبر آزما جبر وتشدد کی خوشی
چینا بیگم کی رکاوٹ سرخ پانی کے مزے

عورتوں کے جمگھٹے میں وہ لب آب بیاس
دید بازی کی مسرت خوش بیانی کے مزے

مسجد اقصیٰ میں جا کر خطبہ بازی کا سرور
قبر پر ابّا کی جا کر نوحہ خوانی کے مزے

صنف نازک میں وہ نشر دین کا حسن مآل
احمقوں کے سامنے وہ لن ترانی کے مزے

حضرت اعلیٰ سے پوچھو عشق کی کیفیتیں
دل ہی دل میں وہ نکاح آسمانی کے مزے

وہ اتار اور چڑھاؤ عشق کے جذبات کا[1]
صورت الہام میں شوق بنانی کے مزے

حضرت طالوت جانیں یا عطاء اللہ شاہ
گل رخان قادیاں کی مدح خوانی کے مزے

(۴۴) دنیائے قادیاں

مہ و مر کی اور ستاروی کی دنیا
گل و مل کی دنیا بہاروں کی دنیا

نگاروں کی اور ماہ پاروں کی دنیا
یہ فتنوں کی اور فتنہ کاروں کی دنیا

یہ دنیا ہے سرمایہ داروں کی دنیا
غریبوں کا جس میں ٹھکانہ نہیں ہے

سیہ کاریوں میں یہ بے باک دنیا
یہ بدبین و بدکار و چالاک دنیا

یہ خون ریز و خوں خوار وسفاک دنیا
خطا کوش و عیاش و ناپاک دنیا

یہ دنیا ہے سرمایہ داروں کی دنیا
غریبوں کا جس میں ٹھکانہ نہیں ہے

یہ فرعون سامان بندوں کی دنیا
یہ نمرود سے خود پسندوں کی دنیا

یہ پھندوں کی دنیا کمندوں کی دنیا
یہ سب[2] گندگیوں اور گندوں کی دنیا

یہ دنیا ہے سرمایہ داروں کی دنیا
غریبوں کا جس میں ٹھکانہ نہیں ہے

[1] عشق کے دریا میں مدوجزر وہ جذبات کا ...... کشتی دل میں ہوس کی بادبانی کے مزے

[2] دیوان میں ’’گیدیوں کی جگہ ’’گندگیوں‘‘ درج ہے اور ’’یہ سب گیدیوں کی دنیا اور‘‘ کی جگہ ’’یہ پلیدوں کی دنیا یہ‘‘

یہ قارون صفت پرستوں کی دنیا
یہ ابلیس سے شرّ پرستوں کی دنیا
یہ مینا و ساغر پرستوں کی دنیا
یہ اپنے گورنر پرستوں کی دنیا
یہ دنیا ہے سرمایہ داروں کی دنیا
غریبوں کا جس میں ٹھکانہ نہیں ہے
تلاش گنہ میں پریشان دنیا
ہوا و ہوس میں حیران دنیا
مروت سے خالی یہ حیوان دنیا
یہ بے حس و بے عقل و بے جان دنیا
یہ دنیا ہے سرمایہ داروں کی دنیا
غریبوں کا جس میں ٹھکانہ نہیں ہے
یہ بجلی کے لمپ اور ہنڈوں کی دنیا
یہ کیکوں کی بسکٹ کی انڈوں کی دنیا
یہ پرچم کی دنیا یہ جھنڈوں کی دنیا
یہ پولیس کی اور ڈنڈوں کی دنیا
یہ دنیا ہے سرمایہ داروں کی دنیا
غریبوں کا جس میں ٹھکانہ نہیں ہے
یہ پوڈر لونڈر یہ میک اپ کی دنیا
یہ تفریح جوک اور گپ شپ کی دنیا
یہ بوتل کی شیشے کی اور کپ کی دنیا
یہ کم آن کی اور ہری اپ کی دنیا
یہ دنیا ہے سرمایہ داروں کی دنیا
غریبوں کا جس میں ٹھکانہ نہیں ہے
یہ قبّوں کی دنیا مزاروں کی دنیا
یہ لاکھوں کروڑوں ہزاروں کی دنیا
یہ عظمت فروش اعتباروں کی دنیا
یہ خلوت گزیں بادہ خواروں کی دنیا
یہ دنیا ہے سرمایہ داروں کی دنیا
غریبوں کا جس میں ٹھکانہ نہیں ہے
یہ ریش مرصع کے پھندوں کی دنیا
یہ مرقد فروشی کے دھندوں کی دنیا
یہ تجدید دیں اور چندوں کی دنیا
یہ بے کار و اوباش بندوں کی دنیا
یہ دنیا ہے سرمایہ داروں کی دنیا
غریبوں کا جس میں ٹھکانہ نہیں ہے
یہ جلسوں میں جا جا کے تقریر کرنا
جرائد میں پھر اس کی تشہیر کرنا
کچھ ایسی انوکھی ہی تدبیر کرنا
کہ ہر فنڈ کو قوم کے تیر کرنا
یہ دنیا ہے سرمایہ داروں کی دنیا
غریبوں کا جس میں ٹھکانہ نہیں ہے
یہ ہامان و شیطان کے پیر بھائی
جنہیں سیدھے منہ بات کرنی نہ آئی
بظاہر تو جتلا رہے ہیں صفائی
مگر دل میں ان کے چھپی ہے برائی
یہ دنیا ہے سرمایہ داروں کی دنیا
غریبوں کا جس میں ٹھکانہ نہیں ہے

(۴۵) قند مکرر

وہ جھٹلاتے ہیں سچی داستاں کو — دبا کر زور سے میری فغاں کو
پڑھاتے ہیں پرستاران باطل — سبق الحاد کا سارے جہاں کو
گھٹا ادبار کی اٹھی تو تھی پر — نہ تاکا بجلیوں نے آشیاں کو
وہ کہتے ہیں نہ چھیڑو فصل گل میں — پلومر کی رنگیلی داستاں کو
مسلماں مار کھا کر بھی ہمیشہ — دعا دیتا ہے ''دارالاماں'' کو
سکھاتا ہے رواداری جو ایسی — خدا سمجھائے ایسے نکتہ داں کو
مزا قند مکرر کا ہے اس میں — نہ چھیڑیں کس طرح اس داستاں کو

(۴۶) ایک مرزائی دوست

[۱]انتم الاعلون کی ہے شرط کنتم مؤمنین — اور ہے بنیاد ایمان [۲]ثم لایجدوا حرج
حکم غیراللہ پر تیری ترقی کا مدار — تا ثریا کس طرح جائے نہ پھر دیوار کج
تھا حقیقت میں حکم، حکم نبی ہر دو کون — تو سمجھتا ہے مگر انگریز ہی کو اپنا جج
ہے مدار فکر اسلامی تو تسلیم نفوس — اور تو اسلام کو سمجھا صلوٰۃ وصوم وحج
آہ رفت آں فکر وشرط از پردۂ پندار تو — [۳]تکیہ دار وبر شکست توبہ استغفار تو

۱؎ آیت قرآنی: انتم الاعلون ان کنتم مؤمنین

۲؎ آیت قرآنی: فلا ربک لایؤمنون حتی یحکموک فیما شجر بینم ثم لایجدوا فی انفسھم حرجا مما قضیت ویسلموا تسلیما

۳؎ غالب کا شعر:

خستۂ عجزیم و ازما جز گنہ مقبول نیست — تکیہ دار وبرشکست توبہ استغفار

(۴۷) تأثرات

(سالانہ جلسہ میں شرکت کے بعد)

کس طرح ان کے کام نہ ہوں خود بخود درست
مرزائیوں سے بڑھ کو جو مرزائیں ہیں چست

ڈل[1] جن کا ہر طرح سے غلاظت مآب ہے
کرتے ہیں وہ لباس عقائد کی شوٗ وشست

فیض غلمدیت سے بت سیم تن بھی آج
کہتا ہے عاشقوں کو بلا وجہ سخت سست

ملبوس حق اتار کے مرزا کی سعی ہے
مرزائیت نے دجل کی اوڑھی قبائے چست

بے شک حصول علم اگرچہ فریضہ بود
مغ بچۂ بیاس مرا درا مگر نہ جست

انجام کار او ز مراق وجنوں گزشت
آں کس کہ کرد دعوئ تجدید دیں نخست

(۴۸) قادیانی صباحت وملاحت

ہو گئے عاشق وہ جب ’’میمون‘‘ پر
لگ گئے کرتے یقیں مظنون پر

عشق کا اظہار آساں ہو گیا
بات کہہ دی ان سے ٹیلی فون پر

ریڈیو پر یار لوگوں کے ہیں کان
گر گئی بجلی گراموفون پر

بن گئے دھوتی کے شیدا آج وہ
ناز کل تک تھا جنہیں پتلون پر

پڑ گیا چندے کا پھندا حلق میں
جب بلا آئی کسی ’’مغبون‘‘ پر

اس نبوت کا بھلا کیا اعتبار
جو چلے دجال کے قانون پر

’’ظل‘‘ ہے یاقوتی کا شیدائی مگر
تھا گزارا ’’اصل‘‘ کا زیتون پر

عشق الہامی ہے ان کا اور شباب
سر بسر موقوف ہے معجون پر

ہے صباحت مجتمع محمود میں
اور ملاحت ختم احمد[2] نون پر

(زمیندار مؤرخہ ۲۷/اپریل ۱۹۴۵ء)

۱؎ دل جب پلید ہیں تو طہارت فضول ہے۔

۲؎ احمد نور کابلی، قادیانی متنبّی کا مدعی نبوت چیلا، جو ناک نہ ہونے کی وجہ سے اپنا نام احمد نور کی بجائے احمد نون بتلایا کرتا ہے۔

(۴۹) عشق کی کہانی، مرزا کی زبانی

(میر کی ایک غزل پر تضمین اور علامہ ''نقاش'' سے خطاب)

لوگ کہتے تھے مجھ کو سودائی ۔۔۔ تنگ تھی مجھ پہ ساری پہنائی
مل سکی جب نہ وہ ''بہن جائی'' ۔۔۔ ہو گئی شہر شہر رسوائی
اے میری موت تو بھلی آئی ۔۔۔ تھا میں مشہور ایک پاک نفس
چوس لیتا تھا ہر مرید کا رس ۔۔۔ ہو گیا ہوں مگر یہاں بے بس
یک بیاباں برنگ صورت جرس ۔۔۔ مجھ پہ ہے بے کسی و تنہائی
میں نے مانا کہ تو نے نیک معاش ۔۔۔ راز محمود کردیا ہے فاش
سب سمجھتے ہیں اب اسے بناش ۔۔۔ پر کھچیگی نہ ایک جا ''نقاش''
اس کی تصویر وہ ہے ہرجائی ۔۔۔ مجھ کو پیغام یہ ملا رب سے
کر لوں میں بے تعلقی سب سے ۔۔۔ رہ سکوں گا مگر نہ اس ڈھب سے
میر جب سے گیا ہے دل تب سے ۔۔۔ میں تو کچھ ہوگیا ہوں سودائی

(۵۰) آں چہ پدر نتواند پسر تمام کند

عشق کی بنیاد رکھی باپ نے ۔۔۔ فسق تک بیٹے اجرا کر دیا
باپ نے معجون لی افیون کی ۔۔۔ پوت نے چائے کو صہبا کر دیا[۱]
گالیوں پر باپ کی اوقات تھی ۔۔۔ پوت نے لوگوں پہ دھاوا کر دیا
باپ کا تھا دید بازی پر مدار ۔۔۔ کچھ نہ پوچھو پوت نے کیا کر دیا
بس یہ سمجھو مختصر الفاظ میں ۔۔۔ جو نہ کرنا تھا وہ گویا کر دیا
بات سے جو کام باقی رہ گیا ۔۔۔ آ کے بیٹے نے وہ پورا کر دیا

۱؎ اس مصرع کو بیاض میں کچھ اس طرح بھی لکھا گیا ہے:

''چائے کو بیٹے نے صہبا کردیا''

(۵۱) اینما

مقام ان کا ماؤف جب سے ہوا ہے — مسلط ہے ان پر عذاباً عظیماً
مرض نے کیا ان کو معذور ایسا — ''سلیم'' ان سے راضی نہ خوش ہے ''سلیمہ''
تقاضائے عادت سے مجبور ہو کر — کراتے ہیں راتوں کو اب وہ اینما
دعاؤں میں مصروف ہیں سید احمد — زباں پر ہے اب ''رحم کن اے رحیما''
بخاری بھی پڑھتے ہیں اونچے سروں میں — ''بہ بخشائے برحال بندہ کریما''
ادھر گنگناتا ہے نقاش بھی کچھ — محبت کا جس نے کرایا تھا بیمہ
مگر زخم و مندمل کس طرح ہو — جہاں کھپ سکے سیر دو سیر قیمہ
''ہوا ان کی خارج'' ابھی اور ہوگی — ابھی تو دھماکہ ہوا محض دھیما

(۵۲) دارالفتن

قادیاں کی ہوگئی ہے اب فضا اتنی کثیف — رہ نہیں سکتا وہاں پر آج کل کوئی شریف
عشق میں محمود ہے اگرچہ راجہ اندر کا مثیل — حسن میں ہے قادیاں اس کے اکھاڑے کا حریف
کھل گئے ہیں عشرتستان خلافت کے رموز — آ رہا ہے یاد پھر مصری کو اب دین حنیف
حرف علت واں تھا اختریاں[1] ہیں مصری[2] اور فخر[3] — اندلس ان کا ہے ناقص اور دمشق ان کا لفیف
کیوں نہ ہو انگورہ کو وجہ خلاف اس کا نفاق — قادیاں جب بن گیا قصر بکنگھم کا حلیف
گالیوں پر قادیاں کی ہے نبوت کا مدار — گو دلائل ہیں قوی پر اصل دعویٰ ہے ضعیف
جب صحافت اور سخافت ایک ہیں ان کے لئے — کیوں نہ ہوں ''الفضل'' کے شذرات پھر سارے سخیف
من سلویٰ پر جو ماتھے تک چڑھا جاتے ہیں ناک — رشک صد ''لحماً طریاً'' ان کے آباء کو تھا بیف
آج ریشم بھی ہے ان کے واسطے تکلیف دہ — ڈھونڈتے تھے ستر عورت کے لئے کل تک جو لیف
کاسہ لیسوں کو پسند آئے نہ کیوں کروہ غزل — قافیہ محمود، ظفر اللہ ہو جس کی ردیف

[1] مولانا لعل حسین اختر جو کبھی لاہوری مرزائی تھے۔
[2] شیخ عبدالرحمٰن مصری۔
[3] فخرالدین ملتانی۔

(۵۳) مقام ماؤف

ملاقات میں گر وہ مصروف ہو گا
مقام اور بھی اس کا ماؤف ہو گا
جو مفعول موجود ہے، فعل بھی ہے
تو فاعل یقیناً ہی محذوف ہو گا
اگر ظرف میں ان کی وسعت بہت ہے
سطبری میں اتنا ہی مظروف ہو گا
عطوفت ہو عشاق کی جس پر غالب
کسی پل میں وہ معطوف ہو گا
اینما ہے جس کی خبر، مبتداوہ
عبارت میں طفلی کی محذوف ہو گا
شغف آج تو ہے اینمے سے ان کو
خدا جانے کل کس سے مشغوف ہو گا
یہ مجہول باتوں سے ہے فائدہ کیا
میرے یار کا فعل معروف ہو گا
ہوا پر لگا کر گرہ وہ پری رو
ہوا کے اڑانے میں مصروف ہو گا
جہاں پر ہوا میں تنغص ہو پیدا
وہیں پر ہی بیٹھا وہ موصوف ہو گا

(۵۴) دیکھتے جاؤ

(دسمبر کے جلسہ پر قادیان جانے والے سے)

رقیب قادیاں کی کامرانی دیکھتے جاؤ
ذرا حشر نکاح آسمانی دیکھتے جاؤ
نہیں دیکھی اگر تم نے کبھی تلبیس ابلیسی
تو تاویل ''غلام'' قادیانی دیکھتے جاؤ
نمونہ دیکھنا ہو کچھ جو اعجاز تکلم کا
پچاس الماریوں کی بدزبانی دیکھتے جاؤ
رگ باطل پھڑک اٹھتی ہے جس پرزور دینے سے
دبی ہے قادیاں میں وہ کمانی دیکھتے جاؤ
چلو آئے ہو تو ہو دارالفتن کی سیر کرنے کو
یہیں ہے حضرۂ ابلیس ثانی دیکھتے جاؤ
پرستان خلافت تک اگر قسمت نہ لے جائے
تو قصر میرزائے آنجہانی دیکھتے جاؤ
انوکھا ان کے غمزے ہیں نرالے ان کے نخرے ہیں
یہاں کے دلبروں کی دلستانی دیکھتے جاؤ
لکھی محمود کی پیشانی پر ہے صاف لفظوں میں
بخاری کی محبت کی کہانی دیکھتے جاؤ
خیال ملت وحرمت مٹایا جس کی کوشش نے
یہیں ہوگا وہ رندلامکانی دیکھتے جاؤ

(۵۵) علامات نبوت قدنیہ

ادھر حسن کے خال وخط کو سنوارے
ادھر حسن پر عشق کو بھی ابھارے
نبی وہ جو کچھ قلبتانی بھی کرے
نبی وہ جو دلالیوں میں نہ ہارے
نبی وہ جو چندوں پر چندے اڑا کر
کرے بیٹھ کر گھر میں وارے نیارے
نبی وہ جو اپنوں کی ہر اک خط کو
پڑا دیکھے ٹک ٹک مگر دم نہ مارے
نبی وہ جو گھر سے چرا لائے چینی
نبی وہ جو چڑیوں کی چمڑی اتارے
نبی وہ جو پانی پیے ''ٹنڈ'' میں بھی
نبی وہ جو کھائے پکوڑے کرارے
پلومر کی ٹانک پیے جو نبی وہ
نبی وہ اڑائے جو مرغے کنوارے

(۵۶) بھان متی کا کنبہ

یاں کی اینٹ وہاں کا روڑا
بھان متی نے کنبہ جوڑا
ایرا غیرا ہو گئے مرسل
ٹیچی نے جب شوشہ چھوڑا
گنبد خضریٰ چھوڑ کے جس نے
وائٹ ہاؤس سے رشتہ جوڑا
اس سے کوسوں بھاگو بھائی
ہے اسلام کی راہ کا روڑا
تھوتھو تھوتھو، تھوتھو تھوتھو
مسلم ہو انگریز کا گھوڑا؟
نشتر اس میں کیوں نہ چبھوئیں
ہے یہ تجدد گندا پھوڑا
ہو گئی دھوتی ان کی ڈھیلی
میں نے جب کچھ کان مروڑا

(۵۷) ''وغیرہ''

وفاداریوں کا صلہ اب یہ ٹھہرا
کہ ہزہولی نس کی جگہ ہے وغیرہ
خدا اس سے سمجھے یہ انگریز کج ہیں
خلافت کے دولہا کو سمجھا ہے بیرا
مروت کی ابجد سے واقف نہیں ہے
وفا کو بھلا خاک جانے گا کیرا؟
یہ کہ کہ یاں گھس گئی ہیں زبانیں
کہ مرا زرق العین ہے بوہریرہ
مگر آہ انعام اس کا ملا یہ
کہ سمجھے خلیفہ کو وہ ''ایرا غیرا''

(۵۸) فبھت الذی کفر

باطل نے جام پور میں کھائی شکست فاش
اختر نے خوب خوب لتاڑا شریف کو
نکلا ہر اک زبان سے فبھت الذی کفر
ایسا کسا شکنجے میں اپنے حریف کو
تاویل کی نکالی ہے مرزائیوں نے راہ
اور مسخ کر کے رکھ دیا دین حنیف کو
جاسوسوں کے زور سے دجال کے حلیف
امداد دیتے رہے ہیں دیں کے حریف کو
بس ان کا گر چلے تو یہ بیچ آئیں آج ہی
دو چار وانگ ہی میں حجاز اور ریف کو

(۵۹) سپوت

سولہ آنے اس کو سمجھو تم سپوت
ہے مراقی باپ کا بیٹا جواوت
وہ ''سپوتی'' لائق تبریک ہے
موسیو محمود سے ہوں جس کے پوت
موسیو جو بات کرتے آج ہیں
اس پر دیتے دوسرے ہی دن ہیں موت
مانتے کب ہیں نری باتوں سے یہ
قادیانی ہیں سبھی لاتوں کے بھوت
باز آئیں گے نہ ہٹ سے یہ کبھی
ان کی چندیا پر پڑیں جب تک نہ جوت

(۶۰) ایسے کو ملا تیسا

خبر ''الفضل'' کی ''پیغام'' نے لی
کہا اس نے ہیں جھوٹے قادیانی
خداعت میں مہارت ان کو حاصل
دنا موت کے یہ بانی مبانی
رذالت میں مسلّم ان کا بڑھنا
جہالت میں نہیں رکھتے یہ ثانی
ضلالت ان کی گھٹی میں پڑی ہے
بغاوت شرع سے ان کی نشانی
فلاکت ریز ان کی دل ربائی
ہلاکت خیز ان کی دلستانی
بڑھاپا ان کا بے شرمی کا حامل
جوانی ان کی وقف عیش فانی
مسلماں سے حسد ان کا پیشہ
ہمیشہ غیر کی ہے مدح خوانی
بڑے ہیں خود ثنائی میں جو مشغول
تو چھوٹے ان کے محو بدزبانی
غرض کچھ اس طرح کی مدح کرتے
ہوئی ختم اس کی سب شیوا بیانی
مجھے اس واقعے پر یاد آیا
کسی شاعر کا شعر غیرفانی
''شغال بیشۂ ماژندران را
نگیر وجز سگ ما ژندرانی''

(۶۱) داعیان کفر

وہ اسلام کے واسطے کیا ہوں ساعی
رہے کفر کے ہمیشہ جو داعی
محافظ ہیں اسلام کے میرزائی
ہیں خود گرگ ہی گویا ریوڑ کے راعی
وہ برسوں رہے آدمی بن کے ہم میں
گئی پھر بھی ان کی نہ خوئے سباعی
وہاں جتنی تضحیک ہو دین کی کم ہے
یہ بے دین ہوں جس جگہ دین کے داعی
عمل رنگ لایا ہے ''المباریوں'' کا
ہوئیں بارآور ''ٹوکروں'' کی مساعی
غلاظت بکھرتی گئی گفتگو میں
ہوئے جب وہ تقریر کرنے میں ساعی
ہر اقدام ان کا رہا جارحانہ
یہ حملے ہمارے ہیں گویا دفاعی

(۶۲) رکابی مذہب

نہ شیعہ نہ سنی نہ ہے یہ وہابی
غلام احمدی کا ہے مذہبی رکابی
معیشت میں بابک کا ہے پے سپر یہ
عقائد جو دیکھو تو پکا یہ ''صابی''
جفا کاریوں میں ستم کوشیوں میں
ہیں گرداس کے فدائی و بابی
مسیح زماں آج وہ مسخرہ ہے
ہے دجال کے ہاتھ میں جس کی چابی
وہ امت ہے شرالامم آج جس کا
خلیفہ کبابی نبی ہے شرابی
چلو چھوڑو روفو کا قصہ نہ چھیڑو
کسی کی نہ چڑھائے عفت مآبی

(۶۳) نکاح آسمانی کا سہرا

خدا ناکح ہے اور گاتا ہے جبرئیل امیں سہرا
نکاح آسمانی کا نہ کیوں پھر حسیں سہرا
عمامے کے شکن میں یوں اڑس بیٹھے وہ سہرے کو
کہ پگڑی بن گئی خاتم اور اس کا ہے نگیں سہرا
اناالعاشق کے نغمے پیر نابالغ نہ کیوں گائے؟
بسالایا ہے ٹانک وائن میں جب نوردیں سہرا
وہ اپنی چشم احول موند کر یوں مسکراتے ہیں
کہ جیسے مسکرائے باندھ کر کوئی حسیں سہرا
سران کا مرکز تلبیس ہے جب، تو غلط کیا ہے
اگر کہہ دوں کہ ہے اونچے گھرانے کا مکیں سہرا
حقیقت بیں نگاہوں سے کوئی دیکھے اسے تو یہ
نکاح آسمانی کی نشانی ہے نہیں سہرا
حبوب عنبریں کھا کر وہ سہرا باندھ آئے ہیں
بجا ہے ایسے سہرے کو جو کہئے عنبریں سہرا
یہ سب یاقوتیوں کا زور ہے ورنہ ولی ہوتے
وہ سر پر باندھ آتے کھا کے گرنان جویں سہرا
کم از کم ہم ''تجدد'' کے تو قائل ہو گئے ہوتے
نہ لے جاتا جو ''سپٹی'' کو وہ سلطان حسیں سہرا

(۶۴) آہ کیا سمجھا تھا میں

میرزا محمود کو جان جہاں سمجھا تھا میں
اور پھر اسلامیوں کا پاسباں سمجھا تھا میں
بے وفا بے رحم ظالم جنگجو بیداد گر
آہ کس نامہرباں کو مہرباں سمجھا تھا میں
کردیا خون شہیدان وفا نے راز فاش
ورنہ ’’دارالحرب‘‘ کو ’’دارالاماں‘‘ سمجھا تھا میں
معصیت سے جو ملوث ہو پھر ایسے حسن کو
کس طرح حسن آفریں کا رازداں سمجھا تھا میں
برقعوں کے رنگ کو سمجھا تھا رنگ خون عشق
یار کے کوچے کو رشک قادیاں سمجھا تھا میں
فلسفہ جن میں بیاں ہوتا ہوٹا نک وائن کا
ان مساجد کو پلومر کی دکاں سمجھا تھا میں
میری آنکھوں کو بھی جھٹلاتا ہے میرا اعتقاد
معصیت کو بھی برائے امتحان سمجھا تھا میں

(۶۵) ان کے خدا و رسول

مسلماں سے ہیں برسر کیں وہ پاجی
نبی جن کے نکٹے ہیں رب جن کے عاجی
نبوت ہے مخلوط نصرانیت میں
خلافت کی آفت بھی ہے امتزاجی
ڈسپلن اسے کون کہتا ہے یارو!
کہ آمیزش ان کی ہے سب ازدواجی
یہ ملنا ہے رہزن کا رہزن سے گویا
تو ساجھی ہے میرا تو میں تیرا ساجھی
لڑا ہم سے جو بھی مسلماں نہیں ہے
نمازی ہو غازی ہو یا ہو وہ حاجی
یہ مرقص ترانہ پڑھو اور کہو اب
اہاجی، اہاجی، اہاجی، اہاجی

(۶۶) مطلع الانوار

زلف مشکیں، مشک وعنبر بار ہے
روئے تاباں مطلع الانوار ہے
’’کاردیگر‘‘ کی رنگیلی داستاں
ہر گلی میں نقش بر دیوار ہے
میرزا صاحب کی چندوں کی قسم
ہر غلمدی بندۂ دینار ہے
اور اس کی وہ پچاس الماریاں
دجل وخدع وزور کا انبار ہیں
روح چرکیں تلملا کر رہ گئی
قادیاں کتنا[1] ہی خوش گفتار ہے
ہم کو کیا خوف عطاء اللہ شاہ
جان بل جب تک ہمارا یار ہے
قادیانی گل رخوں کے عشق میں
حضرت طالوت بھی بیمار ہے

[1] دیوان میں ’’کتنا ہی‘‘ کی جگہ ’’کس جگہ‘‘ بھی درج ہے۔

(۶۷) تلک بتلک

اسے سمجھو غلام احمد کا حامی
زباں ہو جس کی وقف مدح ثامی

نہیں ہے اس میں کچھ تخصیص نسبت
کوئی ہو سہروردی یا نظامی

غلام احمد وہی ہے جس نے ڈالا
گلے میں قوم کے طوق غلامی

بنایا سب کو اولاد بغایا
زروئے انتہائے خوش کلامی

حرامی ہے وہی بد اصل بونگا
مسلماں کو جو کہتا ہے حرامی

خدا کیوں کر نہ ہاتھی دانت کے ہوں
نبی بننے لگے ہیں جب جذامی

(۶۸) قادیانی مذہب

زندقہ ہے، کفر ہے، الحاد کی تعلیم ہے
قادیانیت کی زد میں دین ابراہیم ہے

دور دورہ ہے پچاس الماریوں کا ہند میں
اور انگریزی حکومت وارث دیہیم ہے

مخبر صادقؐ کی باتیں ہیں اساطیر قدیم
اور قرآں ان کے ہاں پارینہ اک تقویم ہے

ہے حدوداللہ کی تشریح تعزیرات ہند
ایک سو چوبیں الف اب آیۂ تحریم ہے

میرزائی کر رہے ہیں اصطباغ ٹوڈیت
ٹل مسیحی فوج یا دجال کی یہ ٹیم ہے؟

''گرگ'' میروسگ وزیر وگربہ دربانی کند''
قابل صد رشک ان کی اس لئے تنظیم ہے

اختلاف رائے کا خمیازہ حرب وضرب ہے
وہ کیا افہام ہے اور کیا عجیب تفہیم ہے

آہ سے مجھ کو محبت، حب جاہ ان کا مقام
حائل ان کے اور میرے درمیان اک جسیم ہے

چڑھ کے اس پر اور بھی وہ زہر قاتل ہو گیا
کفر تھا کڑوا کریلا احمدیت نیم ہے

قصۂ پارینہ ہے لاہوریوں کا اختلاف
ہونے والی اب خلافت میں نئی تقسیم ہے

سید احمد جعفری کی آنکھ سے دیکھ اگر
چشم بد دوران کی صورت احسن التقویم ہے

(۶۹) حقیقت قادیاں

نبی کیوں نہ سمجھے گا وہ باپ کو
خدا جو سمجھتا رہا بھاپ کو
خدا تک سے ٹلتے نہیں جو رذیل
نہ دیں گے بھلا وہ فریب آپ کو؟
انہیں ''مشی فی النوم'' سے کیا حذر
نہ سمجھیں جو خود پاپ ہی پاپ کو
نکالی[1] ہے بیٹے نے تاویل وہ
نہیں سوجھ سکتی تھی جو باپ کو
نبوت کا بھاؤ نہیں گرچہ تیز
چلانا بہرحال ہے شاپ کو

(۷۰) چودہویں صدی کے نبی کا لال

واقعی گر ہے نبی کا لال تو
ہیضہ پھیلا اور بھونچال تو
باپ کے ہر اک عقیدت کیش سے
جزیہ لے ہر حیلۂ وہر حال تو
پھر پھنسا چندے کے پھندے میں انہیں
اب کے پھر چل کوئی ایسی چال تو
جب دلائل ہی نہیں ہیں تیرے پاس
کام کیا دیں پھر مبلغ پالتو
تیرے کاموں پر نہ ہو تنقید کیوں
ہے کہاں کا ایسا نیک اعمال تو
ہے درازی جب تلک رسی میں کچھ
ملت بیضا کو کر پامال تو

(۷۱) خضاب آلود جوانی

کیا ریش مخضب پر وسمے کی گھٹا چھائی!
دیکھو تو بڑھاپے میں محمود کی رعنائی
حوروں کا بھی مجمع ہے، غلمان بھی پھرتے ہیں
ہے ان کی ریاست میں ہر طرح کی لیلائی
الحاد کا تانا ہے اور کفر کا بانا ہے
یعنی کہ ذات ان کی مرزائی ہی مرزائی
معجون شباب آور دہلی سے منگائی ہے
بوڑھے کو ابھی باقی شوق دلارائی
مرسل ہے تو افیونی الہام ہے معجونی
پینے کو شرابیں ہیں اور کھانے کو بالائی
شمشیر سے کچھ مطلب نے تیر کی حاجت ہے
نامردی ہی نامردی بے پیر نے پھیلائی

[1] دیوان میں اس شعر کو ایسے بھی درج کیا گیا ہے:

خدایا بڑھے اور بیٹے کی عمر
یہ تاویل سوجھی نہ تھی باپ کو

(۷۲) یاقوتیوں کا زور

کھانے کو ملتی ہیں جب یاقوتیاں — کیوں نہ سوجھیں پھر انہیں لاہوتیاں
مان لیتا میں محمود کو — قوم کی خاطر جو کھاتا جوتیاں
سن کے سیٹی ٹیچی ٹیچی کی معاً — بولتی ہیں قادیاں کی توتیاں
قادیانیت دھری رہ جائے سب — گر پڑیں چندیا پہ چند اک جوتیاں

(۷۳) کرائے کے ٹٹو

نہیں قادیاں کی صداقت پہ لٹو — مبلغ ہیں ان کے کرائے کے ٹٹو
میسر نہ آتا تھا کھدر کبھی جن کو[۱] — وہ اب اوڑھتے سردیوں میں ہیں سپٹو
تجدد کی لیلا رچانے لگے ہیں — کما کر نہ کچھ کھا سکے جب نکھٹو
یہ چندوں کی رسی سے کھینچا گیا ہے — وہ رکھتے ہیں گھر میں جو کچھ لٹو پٹو
مقابل ہوں عیسائیت کے وہ کیوں کر — کہ چلتا ہے جی پر نہیں چلتا ٹٹو

[۱] بیاض میں شعر نمبر۲ قطعہ کی صورت میں الگ سے بھی درج ہے:

جن کو میسر نہ تھا ٹاٹ بھی کل — نکلتے ہیں اوڑھے ہوئے آج ٹپو
ہے انگریز کے ہاتھ میں ڈور اس کی — وہی کچھ نچائے گا مرزا کا لٹو

(۷۴) شباب آور ہوائیں قادیاں کی

شباب آور ہوائیں قادیاں کی ۔ خمار افزاء فضائیں قادیاں کی
عصائے پیر کو رکھتی ہیں سیدھا ۔ مقوی ہیں دوائیں قادیاں کی
جفاؤں سے نتیجہ ان کا بدتر ۔ گنہ زا ہیں وفائیں قادیاں کی
پلیگ اور زلزلے لالی رہی ہیں ۔ مصیبت میں دعائیں قادیاں کی
عزیز[1] و مصری[2] و زاہد[3] سے پوچھو ۔ کہ کیا کچھ ہیں جفائیں قادیاں کی
خدا کی بات پھر پوری ہوئی ہے ۔ کہ پھیلی ہیں بلائیں قادیاں کی
رہین خدمت دجال ہیں آج ۔ عبائیں اور قبائیں قادیاں کی
بڑھے تقویٰ شکن اس کے نخرے ۔ کوئی دیکھے ادائیں قادیاں کی

[1] حکیم عبدالعزیز سیکرٹری انجمن انصار احمدیہ قادیان
[2] عبدالرحمان مصری
[3] محمد زاہد برادر اصغر مولانا عبدالکریم آف مباہلہ قادیاں

تغزل جدید

(اس عنوان سے ۲۸ غزلیں ہیں)

زبرون در گزشتم زدرون خانہ گفتم
سخن نگفتۂ را چہ قلندرانہ گفتم

(۱) مجاز قادیاں پر آئے کیا دل

مجاز قادیاں پر آئے کیا دل
میرا دل ہے حقیقت آشنا دل

جری، بے لوث اور درد آشنا دل
مجھے اللہ نے بخشا ہے کیا دل

جہان شوق کی رنگینیاں دیکھ
کہ گل ہنستا ہے روتے ہیں عادل

بہار قادیاں کو دیکھتے ہی
تڑپ اٹھا یکا یک پارسا دل

کنار بیاس سے لنگر اٹھانا
ہے مشکل جب تلک ہے ناخدا دل

سناتا ہوں کھری محمود کو بھی
ملا الحمد للہ بے ریا دل

(۲) کبھی زمزم کی پوجا ہے...... الخ

کبھی زمزم کی پوجا ہے کبھی ہے گنگ کی پوجا
مگر واقع میں کرتے ہیں وہ نام ونگ کی پوجا

قساوت میں ہے خشت وسنگ سے بھی سخت جن کا دل
بچیں جب وہ تو کیوں کر نہ ہو خنک وسنگ کی پوجا

صدارت بچ چکی ہے پاٹھ کرتے ہیں امارت کا
غرض یہ ہے کہ ہونی چاہئے ہر رنگ کی پوجا

حشیش ساحر الموت سے ہے اس کو حسب نسب
تو مرزائی کریں کیوں کر نہ برگ بنگ کی پوجا

گنہ سے جو نہ ہو بدتر تو پھر وہ عذر ہی کیا
خطا کاروں کو زیبا ہو یہ عذر لنگ کی پوجا

بتان پیرس ولندن حریفوں کو مبارک
''سلیمانی'' تو کرتا ہے بتان جھنگ کی پوجا

(۳) مجھ کو پیوند خاک ہونے دو

مجھ کو پیوند خاک ہونے دو قصۂ عشق پاک ہونے دو
تہمت عشق کے تصدق میں میرے دامن کو چاک ہونے دو
یاس سے اور ذوق چمکے گا یاس کو خوفناک ہونے دو
مجھ کو ناموس مے پر مٹنا ہے پی پلا کر ہلاک ہونے دو
حسن بے تاب ہو کے بیٹھے گا عشق کو تابناک ہونے دو
دجل کا طول ہے ریا کا عرض دامن زہد چاک ہونے دو
فصل گل ہے، بہار ہے مجھ کو عاشق رخت تاک ہونے دو
ان کو بننے دو عیسیٰ مریم پردۂ جہل چاک ہونے دو

(۴) حسن پر سے نثار ہونے دو

حسن پر سے نثار ہونے دو عشق کو مگار ہونے دو
توبہ توبہ! بہار بس توبہ؟ زہد کو داغ دار ہونے دو
حسن کا اضطراب دیکھئے گا عشق کو بے قرار ہونے دو
مثبت کرنے دو بوسۂ الفت عہد کو استوار ہونے دو
خاکساری میں خاک ملتی ہے خلق کو ''آبدار'' ہونے دو
اونٹ کی دم سے تاب کے لٹکیں اب ہمیں ''کاردار'' ہونے دو
''انقلاب'' ان سے خود لپٹ لے گا میرزا جی کو ''زار'' ہونے دو

(۵) فرق پست و دراز کیا معنی؟

فرق پست و دراز کیا معنے؟ عشق میں امتیاز کیا معنے؟
عشق بدحال و سرنگوں ہے اور حسن ہے سرفراز کیا معنے؟
پی لو ٹانک شراب ہے زاہد اس سے بھی احتراز کیا معنے؟
قادیاں جب کہ کعبۂ دل ہے رو بقبلہ نماز کیا معنے؟
عشق کو ہراس، یعنی چہ؟ خوف افشائے راز کیا معنے؟
پی کے فتوؤں کی جستجو کیوں ہے اب سوال جواز کیا معنے؟
فرض دجال کی اطاعت ہے دشمنوں سے نیاز کیا معنے؟

(۶) دین وملت کا ترجمان نہ رہا

دین و ملت کا ترجمان[۱] نہ رہا نکتہ آموز قادیاں نہ رہا
شارح رمز خاتمیت رفت ماہر علم این وآں نہ رہا
مصلح وقت چل بسا ہے ہے خواجۂ رہط شاعراں نہ رہا
کون لائے گا مژدہ ہائے ہار بلبل ہند نغمہ خواں نہ رہا
کارواں چوں جرس ہے فریادی آہ سالار کارواں نہ رہا
قوم کیوں کر نہ نوحہ خواں ہو آج قوم وملت کا نوحہ خواں نہ رہا
موت عالم کی موت عالم ہے مرگ اقبال سے جہاں نہ رہا

(زمزم مؤرخہ ۲۷/اکتوبر ۱۹۳۸ء)

[۱] ترجمان حقیقت: حکیم الامت علامہ اقبالؒ جن کے مضامین قادیانیت کے تابوت میں آخری میخ ثابت ہوئے۔

(۷) بے کسی و بے سری پر تین حرف

بے کسی و بے سری پر تین حرف
عاجزی و کمتری پر تین حرف

عاجزوں پر جو ستم جائز رکھئے
اس بہادر اس جری پر تین حرف

شیوہ ہائے ’’بوخلافی‘‘ پر تین حرف
عیشوہ ہائے آذری پر تین حرف

بھائی بھائی لڑ رہے ہیں ووٹ پر
کونسل کی ممبری پر تین حرف

خودغرض ہیں خودنما ہیں خود پرست
لیڈروں کی لیڈری پر تین حرف

طرفہ ہستی تھے جناب میرزا
آپ کی پیغمبری پر تین حرف

باپ دل پھینک اور بیٹا عشق باز
قادیاں کی ہسٹری پر تین حرف

(۸) اے فریب خوردۂ سوز دل

اے فریب خوردۂ سوز دل حذر از عواقب مبتلا
کہ جوارساحت عشق میں ہیں ہزار وادیٔ کربلا

نہیں جذب دل تیرا رہنموں نے پختہ مغز تیرا جنوں
تو ہے مبتلائے چراوچوں تو عبث ہے خواہش اعتلا

تیرے پاس جہد وعمل نہیں تیری مشکلات کا حل نہیں
نہ ہو ماسعیٰ پہ عقیدہ جب تو ہو کس طرح سے تیرا بھلا

تیرا اعتبار ہو کس لئے کہ نگاہ حسن وجمال نے
جو کہا الست بربکم تو نہ کہہ سکا تو بلیٰ بلیٰ

تیری ذبح، ذبح عظیم کی ہو مثیل کیوں کہ خلوص میں
نہ خلیل کا سا ہے دل ترا نہ ذبیح کا سا ترا گلا

تجھے شوق خدمت دیں ہو کیوں تیرے دل میں ذوق یقین ہو کیوں
کہ مجدد ین سے ان دنوں تیرا بڑ گیا ہے خلا ملا

نہ تڑپ نہ رونہ بلک سسک نہ عبث یہ نالۂ وآہ کر
کہ فغاں بے عملی سے بھی ہے لکھا جبیں کا کبھی ٹلا؟

تیرا دل گنہ سے نفور ہو تیرا نام عبدالشکور ہو
جو بلالؓ وار صبور ہو جو صہیبؓ وار ہو مبتلا

(۹) پی لے ٹانک شراب ہے پیارے

پی لے ٹانک شراب ہے پیارے — یہ دوائے شباب ہے پیارے
عشق اگر فیض یاب ہے پیارے — حسن ہی کامیاب ہے پیارے
یہ جو تیرا حجاب ہے پیارے — جن میں صد اضطراب ہے پیارے
تیری سحر آفریں انانیت — سامری کا جواب ہے پیارے
عشق دنیائے اضطراب کے ساتھ — تیرے پیچھے خراب ہے پیارے
میں بخاری نہیں ہوں عاشق ہوں — مجھ سے کیوں اجتناب ہے پیارے
عشق کیوں نہ مضطرب ہوتا — حسن جب بے حجاب ہے پیارے
کار فرما میرے گناہوں میں — تیرا حسن شباب ہے پیارے
’’مشی فی النوم‘‘ کا رہ پابند — یہ بھی کار ثواب ہے پیارے

(۱۰) حسن تعلیم ناز رہنے دے

حسن تعلیم ناز رہنے دے — مجھ کو وقف نیاز رہنے دے
رخ پہ رنگ مجاز رہنے دے — راز کو یوں ہی راز رہنے دے
ضد کو چھوڑ اور پی بھی لے زاہد — چل، سوال جواز رہنے دے
میرے ذوق گناہ کو مت چھیڑ — عشق کو پاکباز رہنے دے
ہم شہید مئے پلومر ہیں — ساقیا! خانہ ساز رہنے دے

(۱۱) ہے آج کون سالب......الخ

ہے آج کون سالب جس پر فغاں نہیں ہے — صد شکر بزم ہستی کچھ جاوداں نہیں ہے
دنیا کو کس طرح میں یاس آفریں نہ سمجھوں — کوئی بھی دل جہاں میں جب شادماں نہیں ہے
یاں داخلہ ہمارا ممنوع ہوگیا کیوں — صاحب تمہارا گھر ہے یہ قادیاں نہیں ہے
’’ہاں‘‘ کہہ کے مسکرانا اس راز کا ہے حامل — ’’ہاں‘‘ بھی تمہاری گویا واقع میں ’’ہاں‘‘ نہیں ہے
ناموس مصطفیٰؐ کی جس جا نہیں ہے حرمت — دارالفتن ہے وہ تو دارالاماں نہیں ہے

(۱۲) گل کے صدقے بہار کے صدقے

گل کے صدقے بہار کے صدقے ساقی گل عذار کے صدقے
ان کی میٹھی نگاہ کے صدقے چشم مست وخمار کے صدقے
حسن کا اشتہار دیتے ہیں حسن کے اشتہار کے صدقے
دوستی و وفا کے پردے میں نقض قول و قرار کے صدقے
ہر ادا عشق خیز ہے اس کی قادیانی نگار کے صدقے

(۱۳) نہ اپنا سلیقہ نہ اپنا قرینہ

نہ اپنا سلیقہ نہ اپنا قرینہ غلامی کا جینا بھی ہے کوئی جینا
خلافت زمیں کی عطاء کر کے یارب ہمیں بخش تمکیں کا پھر خزینہ
لیستخلفنّ کا وعدہ ہو پورا بہار آئے ایسی بہار آفرینا
اٹھی بحر الحاد میں موج طوفاں نہ ٹکرائے ملت کا اس سے سفینہ
نوالیس بطحاء کی عزت و یارب بنے سرمۂ چشم خاک مدینہ
نشہ چھا گیا ہے تعبّد کا ایسا کہ ہے رقص میں جام مدہوش مینا
غزالی اٹھا خاک مسجد سے کوئی نہ کالج سے نکلا کوئی ابن سینا
کوئی مژدہ حریت بھی سناؤ مبارک گھڑی ہے مبارک مہینہ
غم قوم کھانا بھی اب معصیت ہے ہے ممنوع خون جگر کا بھی پینا
مخالف ہوائیں بلا خیز موجیں الٰہی کنارے لگانا سفینہ
غلامی اس آقا کی قہر خدا ہے نہ ہو جس میں آقائیت کا قرینہ
اراذل کو بخشی جو غیروں نے وقعت خداوند عظمت بنا ہر کمینہ
گئی دل سے بھائی کے بھائی کی عزت بڑھا خاندانوں میں بغض اور کینہ
سبو در بغل ہے اگر قوم واعظ تو واعظ بھی رکھتا ہے ہاتھوں میں مینا
تغابن ہے جن کا ہمیشہ سے پیشہ وہی آج دانا وہی آج بینا
نہ صبح لطافت نہ شام مسرت جبیں پر غم بیش و کم کا پسینہ
یہ سب کچھ غلامی کی برکت ہے یعنی غلامی ہے بام رذالت کا زینہ

(۱۴) بہار زندگانی کے دن آئے

بہار زندگانی کے دن آئے / امنگوں کی جوانی کے دن آئے
وہ آموں کی مبلغ کوک اٹھی / کہ آموں کی کہانی کے دن آئے
نگاہوں کی ہیں جنت آم کے باغ / نظر کی شادمانی کے دن آئے
لگا کر برف میں لائیں گے وہ آم / دین کی کامرانی کے دن آئے
عصیرا بند ہے مخلوط گھی میں / نشاط جاودانی کے دن آئے
شجاع آباد میں احسان کے گھر / ہماری مہمانی کے دن آئے
مراد آباد سے آئے گا لنگڑا / کسی کی مہربانی کے دن آئے
بھنبیری اڑنے کا موسم ہے ہمدم / جناب قادیانی کے دن آئے

(۱۵) طروں کی بلندی

طروں کی بلندی کو ثریا سے ورا دیکھ / اعمال کی پستی کو مگر تابہ ثریٰ دیکھ
چہروں پہ وہ رونق کہ قمر شرم سے بے نور / دل کفر کی ظلمات سے ہیں کالی گھٹا، دیکھ
لب ''جہر فروشی'' میں مثیل فقرا میں / دل ''کفر فری'' میں ہیں نظیر امرا، دیکھ
ایمان کی خاطر ہیں وہ توحید کے قائل / اذعان میں بستے وہی اگلے خدا، دیکھ
قرآن کی حکومت ہے زبانوں کا وظیفہ / اذہان کی تسلیم ہے افرنگ نما، دیکھ
گو کان سے سن لیتے ہیں تکبیر کے نغمے / پر دل میں وہی اعل ھبل کی صدا، دیکھ

(۱۶) نام ونگ کے بدلے

سراہیں کیوں نہ بدنامی کو نام ونگ کے بدلے / جو وسکی ڈھونڈتے ہیں آج برگ بنگ کے بدلے
پھٹی دھوتی میں کل تک کھیلتے تھے پھاگ جو صاحب / وہ ہولی کھیلتے ہیں خوان سے اب رنگ کے بدلے
وہ میرے عشق کے منکر سہی پر یہ بھی تو دیکھیں / میں ان کو پھول پہناتا ہوں خشت وسنگ کے بدلے
گیا دور تمدن اب تو ''ننگے ناچ'' کے دن ہیں / وہ مجھ کو گالیاں دیتے ہیں عذر لنگ کے بدلے
ہوئے ہیں جب وہ اک ''یوبین'' تصور پر لٹو / چناب وسندھ کو بیچ آئے آب گنگ کے بدلے
بڑے شاطر ہیں وہ اللہ بخشے ان کی لغزش کو / کہ داؤ ہی سے لیتے ہیں وہ کام اب جنگ کے بدلے
گئیں اسلام کی باتیں تو آئیں کفر کی گھاتیں / پہنتے ہیں وہ چسٹر اب قبائے تنگ کے بدلے
''وفاداری بشرط استواری اصل ایماں ہے'' / نہ لوں حوران جنت بھی بتان جھنگ کے بدلے

(۱۷) لنگڑوں سے مروت ہے

لنگڑوں سے مروت ہے تو نکٹوں سے مراعات
اے جھوٹی نبوت تیری واللہ ہے کیا بات
تصویر ہے روفو کی میرے یار کے آگے
لاہور میں بٹتی ہے یہ کام کی خیرات
ہم کھاتے ہیں وہ کھاتے ہیں یہ کھاتے ہیں تو کھا
افعال کی گردان کا یوں ہوتا ہے اثبات
یوپی کا جو لنگڑا ہو تو پنجاب کا لوٹا
آموں کی جورت آئے تو تم بھیجو یہ سوغات

(۱۸) رات کی بات

کیا جانے کیا تھی، تھی تو مگر کوئی بات رات
عاشق سے کھا گیا جو وہ شاطر بھی مات رات
عادت کہیں سے پڑ گئی ایسی انہیں ذلیل
اک آنکھ بند کر کے وہ کرتے تھے بات رات
بولے جھٹک کے، اس کو خدارا پرے کرو
بیجا جو پڑ گیا تھا کہیں میرا ہاتھ رات
سیر منام ہی سے وہ طے کر گئے سلوک
دوڑا رگوں میں ان کی جو خون حیات رات
تعریف ان کے حسن کی کرتا رہا جو میں
کانوں سے دل کے سنتے رہے ہیں وہ بات رات
چلمن کی اوٹ ہی سے وہ کرتے ہیں اب شکار
ہاتھ آ گئی ہے ان کے نئی ایک گھات رات
آنکھیں خمار ریز ہیں صورت ہے فکر مند
جانے ہوئی ہے کون سی ''شائستہ'' بات رات
طالوت! بات اب وہ اینٹھے کی تو نہ چھیڑ
حضرت وہ ہوگئی تھی یوں ہی ایک بات رات

(۱۹) کاک ٹیل

دولت کی گھر میں جب کہ بہت ریل پیل ہو
ہوٹل میں کس طرح سے نہ پھر ''کاک ٹیل'' ہو
اعمال میں غلام کو آزادیاں تو ہیں
اتنی مگر شرط کہ ''صاحب'' سے میل ہو
کھل کھیلتے ہیں لان میں فرزند خوش مذاق
ساغر کی جب کھنک ہی پہ موقوف کھیل ہو
گردش پہ جام ہی کے کریں ''نونٹے'' فدا
ہاتھوں میں ان کے اپنا اگر ''نون تیل'' ہو
تعلیم کے عروج کا یہ بھی کمال دیکھ
کل وہ نبی ہے آج جو چوتھی میں فیل ہو
طالوت! حق کی بات کو تو یوں برملا نہ کہہ
ایسا نہ ہو تمہارا ٹھکانا بھی جیل ہو

(حریت مؤرخہ ۱۷؍ دسمبر ۱۹۴۴ء)

(۲۰) خصوصیت اس میں نہیں آپ کی

خصوصیت اس میں نہیں آپ کی
یہ ساری کرامت تو ہے بھاپ کی
یہ تہذیب نو کے کرشمے بھی دیکھ
کہ بیٹا نہیں مانتا باپ کی
نہ راس آئی لندن کی پتلون بھی
خرابی ہے خیاط کے ناپ کی
زمانہ ہے ''جلسوں جلوسوں'' کا اب
نہیں قدر باقی رہی ''جاپ'' کی
جسے آپ کہتے ہیں دارالاماں
حقیقت میں بستی ہے وہ پاپ کی
بہت زور سے اشتہاروں کا گو
بضاعت مگر ختم ہے شاپ کی
جنون نبوت ہے بیٹے کو بھی
مگر بات کچھ اور تھی باپ کی

(۲۱) آ گئے صد شکر ہم چنیوٹ سے

بچ گئے درد جگر کی چوٹ سے
آ گئے صد شکر ہم چنیوٹ سے
مورچوں سے تیر برسانے لگے
دیکھ لیتے ہیں وہ لینے اوٹ سے
بن چکا ہے کوٹ تو پتلون سے
کام لوں پتلون کا اب کوٹ سے
کونسلوں میں ''وہ'' بھی جانے لگ گئیں
کام بن جایا کریں گے ووٹ سے
پونڈ کو ہیں ''سرخ خطرہ'' جانتے
ہوگئی اتنی محبت نوٹ سے
نقد دل کا پاس ہے گر جان من
بچتے رہئے قادیانی کھوٹ سے

(۲۲) علیٰ رغم غلام احمد

مس سیمیں بدن میں اس قدر شیدا نہیں ''ٹی'' کا
نوازش ہو سکے تو دے پیالہ اک ''برانڈی'' کا
کمی ان گورے گالوں کی، ہوئی پوڈر سے جب پوری
مجھے اس سے غرض کیوں ہو جو اصلی رنگ ہے پھیکا
''میاں جی'' کا ہے گھر ظلمت کدہ سارے زمانے کا
مگر ''پنڈت'' کے کاشانے میں جلتا ہے دیا گھی کا
علیل ملت بیضاء کی ہائے سادگی دیکھو
مرض میں قرض کی لگوا رہا ہے سود کا ٹیکا
زمانہ ساز بیوی کر گئی ہے پاس ''بی.اے'' بھی
میاں ہے ہٹ دھرم واقف ہوا اب تک نہ ''اے.بی'' کا
علی رغم غلام احمد رہے گی سرخ رو ملت
کہ خون کربلا غازہ ہے اپنی سرخی روئی کا

(خیام مؤرخہ ۸/نومبر ۱۹۴۴ء)

(۲۳) گھٹ گئی قدر میرے قدغن کی

گھٹ گئی قدر میرے قدغن کی ۔۔۔ اب حکومت ہے بم کی یا گن کی
وہ کیا شوق ارتقاء ہے یہ ۔۔۔ آدمی سے وہ ہو گئے منکی
فلسفے نے بڑھائی جب دانش ۔۔۔ باپ بے چارہ بن گیا ڈنکی
عینی شاہد کو ہو گیا دھوکا ۔۔۔ معتبر ہے رپوٹ سرجن کی
اڑبھنبیری سناؤ مرزا کو ۔۔۔ آئیں کالی گھٹائیں ساون کی

(۲۴) کچھ تملق اور کچھ تخویف

کچھ تملق اور کچھ تخویف ہے ۔۔۔ پالسی جس کی یہ ہے کہ وہ ''چیف'' ہے
ہے کتاب دل میں مضمون نفاق ۔۔۔ یہ بھی کیا انگریز کی تصنیف ہے
مرغیوں پر ہاتھ کرتے تھے جو صاف ۔۔۔ آج ان کی میز پر بھی ''بیف'' ہے
پھر شرارت ہے کوئی پیش نظر ۔۔۔ خیر ہے کیوں ان کو فکر ریف ہے
کالجوں میں ہے، عمل تکثیر کا ۔۔۔ دفتروں میں ہر طرف تخفیف ہے
اس غلامی میں وفا کا تذکرہ؟ ۔۔۔ درحقیقت جبن کی تعریف ہے
کیا کہوں میں قادیانیت ہے کیا ۔۔۔ اچھی خاصی دین کی حریف ہے

(۲۵) دیکھتے شان تم ہو کیلے کی

دیکھتے شان تم ہو کیلے کی ۔۔۔ دیدنی ہے بہار بیلے کی
''شیلا شیلا'' کی رٹ چھوڑو بھی ۔۔۔ سنو نظمیں تو ''بھائی چھیلے'' کی
ہم ترستے ہیں دمڑی دمڑی کو ۔۔۔ قوم محتاج دھیلے دھیلے کی
آج سب کچھ ہے کل نہیں ہے، کچھ ۔۔۔ زندگی ہے، بہار میلے کی
جسم فانی کا کیا بھروسہ ہے ۔۔۔ یہ بنا منتظر ہے ریلے کی
لاکھوں چندے کئے ہیں ہضم اس نے ۔۔۔ بولو جے قادیانی تھیلے کی
پاپ ہو جب گرو کی طینت میں ۔۔۔ کیوں نہ خو ہو خراب چیلے کی

(۲۶) انہیں اک خریدار کی آرزو ہے

انہیں اک خریدار کی آرزو ہے
مجھے حسن غم خوار کی آرزو ہے
وہ کہتے ہیں ہرگز نہیں ہوگی پوری
کبھی بھی جو احرار کی آرزو ہے
امامت ہے برلن کی مسجد کی خالی
انہیں اک ''اداکار'' کی آرزو ہے
بڑھیں میرزائی مبلغ جہاں میں
یہی آج سرکار کی آرزو ہے
یہ ''خودکاشتہ'' ڈوئی کا ہو مخالف؟
بھلا اس کو پیزا کی آرزو ہے؟
دسمبر میں دیکھوں پرستاں ''ولیم''
یہی ایک دل زار کی آرزو ہے

(۲۷) پوچھو نہ مجھ سے اس کی خرابی

پوچھو نہ مجھ سے اس کی خرابی
جس قوم کے ہوں رہبر شرابی
اک ہاتھ میں ہے مفتی کا فتویٰ
اک ہاتھ میں ہے ساغر گلابی
معجون بھی ہے الہام بھی ہے
پیری کو آئی وحی شبابی
جام پلومر پھر ہاتھ میں ہے
چندوں میں ہوگی پھر بے حسابی
سنتے نہیں وہ اب بات میری
لے ڈوبی مجھ کو حاضر جوابی
بچتے ہیں اب تو ہر جعفری سے
اللہ ان کی عصمت مآبی
اپنا رہے ہیں ہر گندگی کو
رکھتے ہیں گویا وصف ذبابی
تقلید سے ہیں جو دور کوسوں
کہتے ہیں مجھ کو وہ بھی وہابی
دل میں ہے میرے عشق ان کا نافذ
شاہد ہیں جس پر اشک عنابی

(خیام مؤرخہ یکم رجون ۱۹۴۶ء)

(۲۸) بہار آئی آیا خوشی کا زمانہ

بہار آئی آیا خوشی کا زمانہ
لنڈھائے، ملا سر خوشی کا بہانہ
نکل آیا ''شہباز'' راہ صحافت
جہاں کی زباں پر تھا جس کا فسانہ
ہیں جبیں میری گو کہ ''لق لق'' کی جبیں
مگر دل ہے رشک دل ''دولتانہ''
وہ اخبار پڑھنے کے لائق نہیں ہے
مضامیں ہوں جس کے غلام احمدانہ

نبات شیراز

(جناب ڈاکٹر مختار ظفر صاحب کی کتاب ’’علامہ طالوت خطہ ملتان کی علمی وادبی اور تحقیقی روایت کا ایک معتبر حوالہ‘‘ کے (ص۱۱۷) کے مطابق اس عنوان کے تحت آٹھ فارسی منظومات ہیں۔ مگر مقالہ زکریا یونیورسٹی ملتان کی مقالہ نگار زنیر ظفر کے مقالہ ’’تدوین کلّیات علامہ عبدالرشید نسیم طالوت‘‘ کے مطابق ۶ منظومات فارسی ہیں)

شکر شکن شوند بہ طوطیان ہند
زیں قد پارسی کو زپنجاب میرود

نوٹ: فہرست میں دو نظمیں ہیں مگر یہاں موجود نہیں۔ گویا عملاً دونوں کے نزدیک چھ فارسی نظمیں:

(۱)

بانیم غمزہ سوزش پنہاں فروختیم — رسوا شدیم و قلب پریشاں فروختیم
دل راز کنز عشق چو معمور کردہ ایم — کالائے عقل و دولت ایماں فروختیم
شکر شکن شدند چولہائے قادیاں — ما آرزوئے چشمۂ حیواں فروختیم
پیش خرام دوست کہ از خشر کم نبود — صد التجائے دیدۂ حیراں فروختیم
ساقی زچشم مست چوئے مرحمت نمود — باذوق بادہ ملک سلیماں فروختیم
رحمت چو نقد کیسۂ لاتقنطوا فگند — ماجملگی بضاعت عصیاں فروختیم
از گلشن بیاس گزشتیم چوں نسیم — جاں مفت مثل بوئے پریشاں فروختیم

(شہباز اپریل۱۹۴۵ء)

(۲)

سوخت باغ خلافت قدنی — خود چراغ خلافت قدنی
شیخ[1] مصری کند نمک آلود — داغ داغ خلافت قدنی
زہر در ریخت ساقئ[2] ملتان — در ایاغ خلافت قدنی
بے محابا کنوں مشوّش شد — ہر فراغ خلافت قدنی
وائے حسرت کہ میشود ناکام — اصطباغ خلافت قدنی
جنت گوش گشت نزد کساں — صوت زاغ خلافت قدنی
خرش نفسیر است نزد شاہ ''الفضل'' — آں الاغ خلافت قدنی
الحذر از کلوخ زندہ دلاں — اے کلاغ خلافت قدنی
الحذر از ریاں آہ جہاں — اے چراغ خلافت قدنی

(۳)

سجدہ سوئے کوئے اوخوئے من است — زاں کہ طوق بندگی در گردن است
سید احمد جعفری را آورید — ٹل مسیحش در سیتل تیر افگن است
عشق مجنوں عقل باشد فلسفی — عشق زاں رو باتفلسف دشمن است
اے چہ مے پرسی ز دولت خانہ ام — خانہ ایں جاد وستم در لندن است
فقر وعسرم تا بہ ایں حالت رسید — در کلاہ کہنہ ام صد روزن است
نذر موسیٰ کردہ ام ریش وبروت — ایں مہمہ فیض جناب کرزن است
گشتہ مکشوفات، مستورات ما — حال ما از ماضئ ما روشن است
ربط چوں بارابـــــطـــــوا مارانماند — دشمن ما از سیاست ایمن است

[1] شیخ عبدالرحمان مصری سابق ہیڈ ماسٹر قادیانی ہائی سکول وسرپنچ سرفروشاں محمود حال لاہوری مرزائی ومعتوب بارگاہ قدنیہ

[2] فخرالدین ملتانی جو پہلے سرگروہ جبازین تھا مگر بعد میں معتوب بارگاہ ہوکر مقتول ہوا۔

(۴)

گلبن و گلزارے خواہیم ما
قادیانی یارے خواہیم ما
لاف گل بوئی مزن اے گل بکف
بوسۂ رخسارے خواہیم ما
ٹل مسیح مے نیر زد باد وجو
ناصر عیارے خواہیم ما
مانٔے خواہیم ننگ و نام را
درہم و دینارے خواہیم ما
ٹو ڈیئم از ما چہ مے پرسی زعقل
جہل خوش گفتارے خواہیم ما
از کلاہ لالہ رنگ بدظن شدیم
طرۂ طرارے خواہیم ما
بشکند فرق مسلمانان ہند
ایں حینیں ''سرکار'' ے خواہیم ما

(۵)

ذات تو در ہرزہ سنجی انتخاب
بر رخ تو از جہالت صد حجاب
ظلمت اکناف عالم را گرفت
گلشن اسلام را کردی خراب
رنج تخریب تو تا ایں دم کشد
ملّتے افتادۂ در اضطراب
گوئے بہتان و غوایت بردۂ
شوخیٔ کلک تو شد صرف سباب
فرض کردی طاعت دجال را
کرد کردارت مسلماں را خراب
جان تو شد قبض در بیت الخلاء
رفتی از دنیا چنیں ناکامیاب
آل فارس راز تو ننگ است و عار
ہم ز تو بیزار نسل بو تراب

(٦)

گر نہ تاویل قادیاں باشد
کار انگلیس در زیاں باشد
نظم ناظم چرا نہ کاہد روح
نثر ناثر چو جانستاں باشد
چوں پیمبر شود نہ آں مردک
قول ''ڈوئی'' چو بر زباں باشد
کار ''چندہ'' شد است روز افزوں
بوالہوس چوں نہ شاداں باشد
مدح محمود گفتہ ام چنداں
گفتہ ام زیب داستاں باشد
ذکر خوباں قادیاں کردم
ایں زمیں چوں نہ آسماں باشد

بادۂ کہن بجام نو

نوارا تلخ ترمی زن چو ذوق عقل کم یابی حدی را تیز ترمی خواں چو جہل قادیاں بینی

(۱) قادیاں کا ترانہ

سارے جہاں سے اچھی ہے قادیاں ہماری ہم اس کے ہیں بچھیرے وہ مادیاں ہماری
خنجر سے تیز تر ہیں ملاحیاں ہماری جن سے بھری پڑی ہیں الماریاں ہماری
منکر کے ہیں قادیاں کے ذرّیۃ البغایا ہے کاسئہ سر ان کا اور لاٹھیاں ہماری
دیتے ہیں مہوشوں کو ہم درس ''مشی فی النوم'' کس درجہ دلربا ہے یہ چیستاں ہماری
اللہ رکھے قائم اس اپنی ٹوڈیت کو دنیا ہے جس کے دم افسانہ خواں ہماری
تثلیث کی امانت سینوں میں ہے ہمارے ہے جس کے ذکر سے تر ہردم سے زباں ہماری
اے گلستان لندن وہ دن بھی یاد تجھ کو جب تیرا باغباں تھا اور ڈالیاں ہماری
اے موج بیاس تونے دیکھی ہیں مدتوں تک پریوں کے جمگھٹے میں اٹکھیلیاں ہماری
محمود قادیانی سالار کارواں ہے اس نام پر تصدق سو بار جہاں ہماری
''پیغام'' کے مجدد ''الفضل'' کے پیمبر وہ ان کی گالیاں ہیں یہ پھبتیاں ہماری
چرچل سے جاکے پوچھو کیا اس میں مصلحت تھی مغرب کی وادیوں میں گونجی اذاں ہماری
اے امت محمدؐ اپنے نصیب کو رو اُلٹے ٹاٹ اس کا چمکے دکاں ہماری
طالوت کا ترانہ بانگ درا ہے گویا ہوتی ہے جادہ پیما پھر قادیاں ہماری

(۲) مرزا کی روح سے

کبھی اے حقیقت میرزا نظر آ لباس مجاز میں | کہ کروڑوں لعنتیں پل رہی ہیں میری زباں دراز میں
نہ کہیں جہاں میں اماں ملی جو اماں ملی تو کہاں ملی | تیرے دعوہائے فریب کو میرے عفو پالسی باز میں
تو چھپا چھپا کے نہ رکھا سے یہ پیمبری ہے عجیب شے | کہ قلندری سے بھی بڑھ کے ہے نگہ غریب نواز میں
ہے نظر میں لعبت مغربی گئی چھوٹ حکمت یثربی | نئی قوم کا ہے نیا نبی نیا سوز ہے نئے ساز میں
کہیں نیند میں ہے رواروی کہیں جاری مشق شناوری | کہیں ناز میں بت آذری کہیں عشق وقف نیاز میں
کبھی وعظ فوز ونجاح ہے کبھی آسماں پہ نکاح ہے | کبھی عشق بازی میں مست ہیں کبھی آپ محو نماز میں
نہ اچھل نہ کود اے قادیاں یہ نشاط وعیش یہ شادیاں | یہ چند روز کی ڈھیل ہیں میری جاں عنان دراز میں
نہ ہو اپنی آنکھ جو حسن میں تو جہاں میں کوئی حسیں نہیں | جو وہ ٹیچی ٹیچی کی ہو نظر وہی خم میں زلف ایاز میں
نہ فغاں و نالۂ و آہ ہے نہ وہ اشک ورشک نگاہ ہے | کھلے بندوں راہ میں چاہ ہے لب بیاس حجلہ ناز میں

(۳) جنگی ترانہ

(’’نیشنل لیگ‘‘ کے سورماؤں کی زبانی)

بیا کہ قاعدۂ قادیاں بگردانیم | قضا بگردش گرز گراں بگردانیم
اگر ز دہلی بود دار وگرنندیشم | وگر ز شملہ رسد ارمغاں بگردانیم
اگر ’’حسام‘‘ شو دہم زباں سخن نکتیم | وگر ’’جیب‘‘ شود میہماں بگردانیم
بجنگ و سرکشی اسلامیان عالم را | ز باب عاشق مغ بچگاں بگردانیم
بصلح درپے تقلید و لیم فاتح | حجاب ہائے رخ دلبراں بگردانیم
ز ’’ٹو ڈیئم‘‘ من وتو زما عجب نہ بود | بخاک لیسی گرامر شہاں بگردانیم

(۴) نشید ارتحال

بوئے جوئے قادیاں آید ہمے ۔ یاد آں نا مہرباں آید ہمے
بہر حد شکنی، اکملت لکم ۔ ٹیچی ٹیچی ز آسماں آید ہمے
پنبۂ در گوش کن تا نشنوی ۔ زاں کہ صوت الاماں آید ہمے
مسلم ہندوستاں ہشیار باش ۔ باز وقت امتحاں آید ہمے
باز لہر غارت ایماں تو ۔ دل رباؤ دلستاں آید ہمے
ملتفت گردید استاذ ازل ۔ باز طوطئ نغمہ خواں آید ہمے
بردر محمود شاہ قادیاں ۔ بہر سجدہ آسماں آید ہمے
اے پلومر شاد باش و شاذی ۔ شاہ سویت میہماں آید ہمے
کردہ ام امسال عزم قادیاں ۔ کاہ سوئے کہکشاں آید ہمے
دید چوں طالوت را خندید و گفت ۔ عاشق شیوا بیاں آید ہمے
چند گردی گرد راہ قادیاں ۔ ناکساں را جوئی از بس ناکسی
گر توانستی پریدی چوں عقاب ۔ چوں شدی باگر گساں خود کرگسی
میرزائی گشی وقت دسترس ۔ پارسا باشی چو آید مفلسی

(۵) درازی دجل

اے خواجۂ فریب تو رسید است بجائے ۔ کز اہل سماوات بگوشت نرسد صوت
گرعمر تو چوں دجل تو بودے بدرازی ۔ تو زندہ بماندی د بمردے ملک الموت

(۶) بمبلغ اوربا

خرد را پئے میرزا باختی ۔ بسا فتنہ درین انداختی
تو ہندوستاں را نکو ساختی ۔ کہ با اوربا نیز پرداختی

(۷) مقام مقبرۂ بہشتی

حضرت اختر براہے مے گزشت　　مست ولا یعقل چو پیر قادیاں
دید قبرستاں و مبرز روبرو　　بانگ برزد گفت کائے نظارگاں
نعمت دنیا و نعمت خوارہ بیں　　اینش نعمت، اینش نعمت خوارگاں

(۸) پند

ایا گشتہ غرہ بکار زمانہ　　رنگرش بدل گشتی آگاہ یانہ
برقادیاں چند خواہی نشستن　　چرا برنخیزی چہ ماندت بہانہ
دویدی بسے از پس میرزاہا　　بروز جوانی چوگا و زمانہ
خدا از طاعت بدانش پذیرد　　مبر پیش او طاعت جاہلانہ
بس است ایں کہ گفتمت افزوں نخواہد　　چو تازی بود اسپ یک تازیانہ
سخن ہائے حجت بعقل است سختہ　　مسنجش بفکر غلام احمدانہ

(۹) نہ اینجا باش و نے آنجا

مکن در قادیاں منزل نہ در لاہورا ے والا　　قدم زیں ہر دو بیروں نہ نہ ایں جاباش و نے آنجا
بہر چہ از راہ بازافتی چہ کفر آں حرف چہ ایماں　　بہر چہ از دوست دامانی چہ زشت آں نقش چہ زیبا
براہ قادیاں حقا کہ کفر و دجل را یابی　　بہ لاہوراررسی بینی کہ خشک است عقل را دریا
غلام احمد نے داند سخن از دین اسلامی　　مسلمانی سلمانؓ جوئے و دردیں زبودرداؓ
عجب نبود کہ ازقرآں نصیبش نیست جز حرفے　　کہ از خورشید جز گری نیابد چشم نابینا
درا یزداں ہمے گفتہ کہ در دنیا مخور بادہ　　ورا ترسا ہمے گفتہ کہ در صفرا مخور حلوا
او بہر دیں نہ بگزارد حرام از حرمت یزداں　　ولیک از بہر تن ماند حلال از گفتۂ ترسا
گرت نزہت ہمے باید بیا از قادیاں بیروں　　کہ ایں جا دین اسلام است و آمنّا و صدّقنا

(۱۰) ترانۂ بہار

طلب اے قادیاں خوش رفتار   طرف اے فاسقاں شیریں کار
تا کے در خانہ رہن دانائی   تا کے در کعبہ بے مئے خمار
زیں سپس ماؤ دامن دوست   بعد ازیں گوش ماؤ حلقۂ یار
تا ترا دانش است نۂ   از جہان ''غلام'' برخوردار
چوں ترا پاک از تو بستاند   دانش آں دانش است وکار آں کار
وہ چہ آں دے کہ اندر وے   نبود قدر ایں ضیاء وعقار
راہ محمود را بعقل مجو   دیدۂ روح را بخار مخار

(۱۱) تمثیل

دین مرزائیاں چو مردار یست   کہ گساں گرد وے ہزار ہزار
ایں یکے را ہمے زند مخلب   واں دگر راہمے زند منقار
آخر الامر پر بریدہ ہمہ   وزہمہ باز ماندہ ایں مردار

(۱۲) خطاب بہ نامروان قادیاں

جاں ندادی دررہ دیں لاف دینداری مزن   رخ چوعیاراں میارا جاں چونامرداں مکن
باہر ہمچوں زنان رنگے وبوئے پیش گیر   یا چومرداں اندر آؤ گوئے درمیدان فگن
سربرآرازگلشن تاویل نادرکوئے دیں   کشتگان زند بینی انجمن در انجمن
دریکے صف کشتگاں بینی بتیغے چوں حسینؓ   دردگرصف خستگاں بینی بزہرے چوں حسنؓ
درددیں خود بوالعجب دردیست کاندروے چوشمع   چوں شوی بیمار بہتر گردی ازگردن زون
ہرکسے از رنگ گفتارے بایں رہ کے رسد   درد باید صبر سوز ومرد باید گامزن
بادوقبلہ دررہ توحید نتواں رفت راست   یا رضائے دوست باید یا ہوائے خویشتن

(الصدیق ملتان ربیع الاوّل ۱۹۷۴ء)

(۱۳) قطعۂ ترش شیریں

گفت سلطان با غلام احمد بیگمے خواہش از من مسکیں؟
تو بہ ’’الہام‘‘ مرد و کس شدۂ وانہ کس نیتی بچشم یقیں
توچہ دانی جمال حضرت او خرچہ داند جمال خورالعین
آں شنیدی بتو سفائی گفت گرد دوشیزہ کم تند عنیں
ہمہ صفرائے قادیاں بیرد ذوق ایں قطعۂ ترش شیریں

(۱۴) ’’قریب ایں وآں‘‘

دلا آگاہ شوتا تو فریب این وآں بینی بد لاہور را یابی و دجل قادیاں بینی
جہانے کا ندر و ملہم پلومر دوا داند دوائے راغذا سازند وہر دل شادماں بینی
مشوغرہ کہ دردریاش گردابے نہ شدہ مائل کہ اندر قصر بحر او نہنگ جانستاں بینی
ز حرص شہوت وکینہ ملوث سینۂ ہرکس بیا باچشم حق بنگر کہ گرگے راشیاں بینی
تو یک ساعت چو بے ایماں بمیداں باش تازاں پس بہر جانب کہ رو آری جمال قادیاں بینی
اگر عرشی بفرش آئی وگر ماہی بچاہ افتی وگر بحری تہی گردی وگر باغی خزاں بینی
اگرچہ طیلسان دار وبظاہر ہر مغل زادہ یکے طوق است از آتش کہ آنرا طیلساں بینی
یکے باچشم حق بنگر بہ آں بستاں مرزاباں کہ دروے بوؤ رنگ وگل زخوں دوستاں بینی
سرمحمود را دیدی ز رفعت رفتہ برگردوں دروں آتا کنوں درگل تن محمودیاں بینی

(۱۵) گدائے بے حیاء

آں شنیدی گفت اختر[1] دوش با محمود[2] خاں
مصلح موعود ما حقا گدائے بے حیا ست

گفت چوں بادشد گدا؟ آں کز کلاہش نکمۂ
صد چو مارا وٗ شمارا سالہا برگ ونوا ست

گفت اے مشفق! غلط اینک ازیں جا کردۂ
آں بہ برگ ونوادانی کہ آں جا از کجاست؟

در ومروا رید طوقش از زکوٰۃ دبر تو
لعل ویاقوت قبایش صدقۂ احسان ماست

اوکہ تا آب سبو پیوستہ از ما خواست است
گر بجوئی تا بمغز استخواں از نان ماست

خواستن گدیہ است خواہی ''چندہ'' داں خواہی زکوٰۃ
زاں کہ گردۂ نام باشریک حقیقت راروا ست

چوں گدائی چیز دیگر نیست جز خواہندگی
ہر کہ خواہد گر سلیمان است وگر قاروں گدا ست

(۱۶) دولت عریان سسل

ز اندوہ غم روفو آہ فغاں گم شد
ز بیداد بشیر الدین شکایت از میاں گم شد

چناں برہم زدے ہنگامۂ شور قیامت را
کہ اکثر نامۂ مردم از میاں گم شد

نمے دانم کدامی خنجر مژگاں ہلاکم کرد
دو صف بر یک دگر خوردند وقاتل از میاں گم شد

چہ بے خود جستجو کش ٹیچی کردہ شورشے پیدا
کہ طومار ''براہین'' از کف پیغمبراں گم شد

گر پرسد ز احوال سسل آں شوخ گوئیدش
بدام افتاد آں مرغے کہ شب از آشیاں گم شد

1. مولانا لال حسین اختر مبلغ مرکز تنظیم اہل سنت لاہور
2. نواب زادہ سردار محمود خان لغاری صدر مرکزی تنظیم اہل سنت لاہور

شعر پارے

(اس عنوان کے تحت تیں قطعات ہیں)

گر مسلمانی ہمی است کہ مرزا دارد ۔۔۔ وائے گر پس امروز بود فردائے

(۱)

دلربائی ہو نہیں سکتی وہ حسن حور میں ۔۔۔ جس قدر ہے قادیاں کے ''جلوۂ مغرور'' میں
قہر اس کا جساں ستاں، مہر اس کی دلستاں ۔۔۔ بجلیاں پنہاں ہیں گویا چہرۂ مستور میں

(۲)

ہم مسلمان کس طرح سمجھیں انہیں ۔۔۔ کفر کی خاطر جو رکھتے ہوں عزیز
جانیں کیا اسلام کی تہذیب کو ۔۔۔ میرزا محمود جیسے بدتمیز

(۳)

دین پابند سلاسل اور دنیا بے حدود ۔۔۔ اک طرف منع جہاد اور اک طرف جائز ہے سود
اس غلام آباد میں جتنا بھی کچھ ہو کم ہے وہ ۔۔۔ جب طبائع پر مسلط ہے خداوند نمود

(۴)

سن یو گوش ہوش سے یہ برملا ۔۔۔ قاضیان قادیاں کا فیصلا
اب بہشتی مقبرہ ہے اس جگہ ۔۔۔ تھا کبھی پہلے جہاں بیت الخلا

(۵)

اڑ گئی بنی تو بن بیٹھے نبی ۔۔۔ سر اڑا دو تو خدا بن جائیں گے
وہ بھی دن آنے کو ہیں جب یہ لئیم ۔۔۔ بڑھ کے آگے رہنما بن جائیں گے

(۶)

آپ کے پاس جو خلافت ہے ۔۔۔ اصل اس کی خلافت وآفت ہے
ہاتھ میں لٹھ ہے منہ میں گالی ہے ۔۔۔ وہ عطوفت ہے اور یہ رافت ہے

(۷)

کھائی نہ کبھی نان جویں دیسی نبی نے — مرغوب تھا حضرت کو تو حلوائے لکھڑی
جب پھوٹ پڑی آ کے جلاہوں کے سبھا میں — سیانے جو تھے لے آئے وہ لاہور میں کھڈی

(۸)

پہلے بھی کم نہ تھے کچھ حضرت کے گو محاسن — مہدی تھے اور عیسیٰ حارث تھے اور خالد
عشق ''محمدی'' میں پر ہوگئے وہ کامل — خود ہی خدا بنے وہ خود ہی خدا کے والد

(۹)

گو عقد بندھ چکا تھا ''فوق السماہی'' ان کا — پر سر پھرے زمین کے کب مانتے تھے یہ ڈھونگ
چالوں سے عشق کی وہ نا آشنا تھے اب تک — الہام کام آئے اس میں نہ ان کی ہڑبونگ

(۱۰)

یادش بخیر حضرت مرزائے قادیاں — اک طرفہ باکمال تھے دنیا میں آپ بھی
مریم بنے مسیح بنے اور خدا بنے — ماں اور ماں کا لال بنے اور باپ بھی

(۱۱)

تفاخر ہوا گر گناہوں پہ واں — تو روز قیامت یہ ہوگا عیاں
کہ پنجاب والے ہیں سب بلند — کہ پنجاب ہی میں تو ہے قادیاں

(۱۲)

پلومر کی لے آج ان کی دوا ہے — جوشاندے پیتے تھے کل بادیاں کے
ادا خیز ہے ان کا حسن معتبر — یہی دن ہیں عشاق کے امتحاں کے

(۱۳)

وہ ٹانک وائن کو پیتے نہ ہرگز — مگر سمجھے کہ ہے ''اکسیر زادی''
''بھلا بہتوں'' کا ہے پینے میں اس کے — نہیں جائز یہاں بد اعتقادی

(۱۴)

بت قادیاں کی حمیت جو چمکی — بقائی کو دینے لگا ہے وہ دھمکی
پٹاخوں کی اولاد ہیں میرزائی — توقع ہمیں کیوں نہ ہو ان سے بم کی

(۱۵)

یہ ذکر سقنقور و عصفور کیا ہے
یہ ''کرنے کرانے'' کا مذکور کیا ہے
نبوت میں افیون کی چسکیاں تھیں
خلافت میں مے ہو تو پھر دور کیا ہے

(۱۶)

اگرچہ یہ عادت ہے ان کی قدیمہ
انیمے سے لیکن ہوئی ہے دونیمہ
بہت قیمتی ہے خلافت کی بھٹی
نظامی کرائیں بہت جلد بیمہ

(۱۷)

کلیجے کے زخم اب نہ کیوں کر رسیں
اڑانے لگے جب خلیفے مسیں
یہ ہے اسوۂ حسنہ آپ کا
تو کیوں آپ کے در پہ ماتھے گھسیں

(۱۸)

ہر اک حق بات کہنے میں جری ہوں
تمہاری گمرہی سے میں بری ہوں
میرا نام و نشان کیا پوچھتے ہو
رقیب سید احمد جعفری ہوں

(۱۹)

ہے مشائی کبھی وہ ہو نہیں سکتا ہے اشراقی
بہم پہنچائی جس نے نیند میں چلنے کی مشاقی
سکھاتا ہے اسے ''الغیب'' سے خناس سب باتیں
نہیں الہام بلکہ واہمہ کی ہی یہ خلاقی

(۲۰)

کھلی قادیاں میں نبوت کی منڈی
تو بننے لگا اب نبی ہر پکھنڈی[1]
غضب ہے کہ اب ہر جذامی بھی اٹھ کر
ہلاتا ہے اپنے تجدد کی جھنڈی

(۲۱)

بشیر دولت برطانیہ کو کیا کہئے
خدا کا پوت ہے چھوٹا اسے خدا کہئے
جو ہر شریف کو ولد الحرام کہتا ہے
تو اس رذیل کو کیوں کر نہ بے حیا کہئے

(۲۲)

مسلمان کے سر پہ لائے تباہی
مبلغ یہ مرزا کے غنڈے ہیں شاہی
بخاری سے یا سید احمد سے جاکر
سنو قادیاں کی حقیقت کماہی

[1] ''پکھنڈی'' کی جگہ ''گھمنڈی'' بھی درج ہے۔

(۲۳)

نہ سرگرمیاں ہوں جو تبلیغ کی بھی — تو کیوں کر کما کھائیں روٹی مچھندر
رہے قادیاں کا نام و نشاں تک — جو پیدا ہوں دو تین مجھ سے قلندر

(۲۴)

آذری ہے یہ براہیمی نہیں — قادیاں کی ژاژخائی پر نہ جا
کعبہ ان کا قادیاں ہے اصل میں — روبقبلہ جبہ سائی پر نہ جا

(۲۵)

نہ پوچھ خاندان نبوت کی بدمعاشی کو — کہ پیچھے چھوڑ گئے یہ بتان کاشی کو
کتاب جور بریطانیہ سے پڑھ کر دیکھ — غلمدیوں کے تملق بھرے حواشی کو

(۲۶)

چہ میگوئی زحریت بہ آں کے — دلش بردہ غلام قادیانی
بزد آں طاعت دجال فرض است — کہ خودہٗ مئے ز جام قادیانی

(۲۷)

مسیح قادیانی را بگوئید — کہ تبلیغیت چوں کردی گرو دجال؟
ترا زیں کار آخر شرم نابد — مسیحی! یا کہ ہستی جرو دجال

(۲۸)

امت مرحومہ را اولاد قحبہ نام کرد — نیز بہر خلق مسلم خویش را صمصام کرد
گر ترا چشم بصیرت داد رب لم یزل — قادیاں را بیں کہ چوں ہمدردیٔ اسلام کرد

(۲۹)

گر بدندے ایں مسلمان ریختندے اشک خوں — نے کہ بر تذلیل ملت گل بداماں کردہ اند
بر سقوط باغ داد وبر زوال ترکیاں — باہہ دعوائے ہمدردی چراغاں کردہ اند

(۳۰)

ابن مریم را تو دانی مرد حق جوحق گزیں — نزد حق صالح نبی ومتقی ممتاز بود
دیدۂ عبرت کشا بیں ژاژ خائی ''غلام'' — گفت عیسیٰ بیگماں میخوار وپیرباز بود

احراریات

(اس عنوان کے تحت ۱۴منظومات ہیں)

ناتوانی باجماعت یار باش رونق ہنگامہ احرار باش

(۱) احرار اسلام

ہیں مٹانے والے یہ سب فتنۂ اشرار کو اے خدا تو فتح دے اسلام کے احرار کو
قادیانی پائے آزادی میں ہیں خار مغیل نوک سوزن سے نکالو بھائیو اس خار کو
دشمنان ملک وملت سے تمہاری جنگ ہے تھام لو بہر خدا تبلیغ کی تلوار کو
ہے نبوت کے لئے تہذیب شرط اوّلیں ہم نبی کیوں کر کہیں پھر شاتم ابرار کو
جب پلومر کی ہوٹا نک وائن ہی سر پر سوار کیوں نہ ہوں الہام اک بدمست کو مے خوار کو
خطۂ پنجاب میں بھیجا ہے افیونی نبی اب لندن سے شکایت ہے یہی احرار کو

(۲) ترانۂ احرار

شمشیر ہیں ہم تلوار ہیں ہم اور نوک سناں کی دھار ہیں ہم
محمود کی آنکھ کا خار ہیں ہم اسلام کی تیز کٹار ہیں ہم
احرار ہیں ہم احرار ہیں ہم

اشرار نہیں اخیار ہیں ہم مجبور نہیں مختار ہیں ہم
گفتار نہیں کردار ہیں ہم اسلام کی تیز کٹار ہیں ہم
احرار ہیں ہم احرار ہیں ہم

ہم شیر کی مانند دھاڑیں گے کفر کی چندیا جھاڑیں گے
تبلیغ کا جھنڈا گاڑیں گے اسلام کی تیز کٹار ہیں ہم
احرار ہیں ہم احرار ہیں ہم

یہ ٹھیک ہے ہم زردار نہیں افلاس سے کچھ انکار نہیں
ہاں ہاتھ مگر لاچار نہیں اسلام کی تیز کٹار ہیں ہم
احرار ہیں ہم احرار ہیں ہم

میدان میں کٹنا عار نہیں اور وقت پہ ہٹنا عار نہیں
ہاں چھپ کر چھٹنا عار نہیں اسلام کی تیز کٹار ہیں ہم
احرار ہیں ہم احرار ہیں ہم

''خودکاشتہ'' پودے پھولیں کیوں اور عیش کے جھولے جھولیں کیوں
ہم طور سلف کے بھولیں کیوں اسلام کی تیز کٹار ہیں ہم
احرار ہیں ہم احرار ہیں ہم

جب آپ مقابل آئیں گے اور دو دو ہاتھ دکھائیں گے
''الہام'' یہ سب اڑ جائیں گے اسلام کی تیز کٹار ہیں ہم
احرار ہیں ہم احرار ہیں ہم

ہاں کفر مقابل آئے تو بے نور سا رخ دکھلائے تو
پھر چوٹ سے بچ کر جائے تو اسلام کی تیز کٹار ہیں ہم
احرار ہیں ہم احرار ہیں ہم

حق آخر نصرت پائے گا اور باطل منہ کی کھائے گا
ہم مسلم کہتا آئے گا اسلام کی تیز کٹار ہیں ہم
احرار ہیں ہم احرار ہیں ہم

(۳) ہم

جلوہ گیر وادیٔ سینا ہیں ہم پاک دل اور آئینہ سیما ہیں ہم
بے نیاز دولت دنیا ہیں ہم جلب سیم وزر سے بے پروا ہیں ہم
طلعت اسلام پر شیدا ہیں ہم پاسبان ملت بیضاء ہیں ہم
کام ہے ہم کو تو اپنے کام سے ڈرنے والے ہم نہیں انجام سے
ہم کو کیا ناسازیٔ ایام سے کہہ دو جا کر مصلح خود کام سے

طلعت اسلام پر شیدا ہیں ہم
پاسبان ملت بیضاء ہیں ہم

اپنی خود داری پہ ہم کو ہے غرور
کام کرنے کا بھی رکھتے ہیں شعور

عفو کے قابل نہیں پر یہ قصور
ناز برداری سے رہتے ہیں نفور

طلعت اسلام پر شیدا ہیں ہم
پاسبان ملت بیضاء ہیں ہم

ہم شراب شوق سے سرشار ہیں
بے نیاز جرعۂ خمار ہیں

حریت کے قافلہ سالار ہیں
عاشقان احمدؐ مختار ہیں

طلعت اسلام پر شیدا ہیں ہم
پاسبان ملت بیضاء ہیں ہم

سرفروشی کے لئے تیار ہیں
ناخدائے کشتی احرار ہیں

ظالموں سے برسرپیکار ہیں
کشتہ ہائے غمزۂ سرکار ہیں

طلعت اسلام پر شیدا ہیں ہم
پاسبان ملت بیضاء ہیں ہم

دل ہمارا صورت آئینہ ہے
بغض ہے اس میں نہ کینہ ہے

قادیاں سے الفت دیرینہ ہے
تیر ان کے ہیں ہمارا سینہ ہے

طلعت اسلام پر شیدا ہیں ہم
پاسبان ملت بیضاء ہیں ہم

(۴) پچاس الماریوں کی حکومت

بنے کیوں کر نہ گت احراریوں کی
حکومت ہے پچاس الماریوں کی

نہ حرمت رام داسوں کی ہے واں کچھ
نہ عزت کوئی عبدالباریوں کی

لگے وہ نوچنے اپنوں کے کھمبے
حقیقت کھل گئی جب یاریوں کی

میاں محمود ہیں چنگیز ثانی
ہیں عادات ان میں سب تاتاریوں کی

گھمنڈ ان کے ہے سر میں زور وزر کا
وہ کیا پروا کریں گے زاریوں کی

زبان پر کلمۂ توحید جاری
ادائیں سب کی سب زناریوں کی

جفائیں ان کی آنکھیں کھول دیں گی
یہ تمہیدیں ہیں سب بیداریوں کی

(۵) سرفروش جماعت

زور سے چھینو وطن کو قبضہ اغیار سے
سرفروشی کا سبق لو مجلس احرار سے

قادیاں میں عاشقوں کا داخلہ ممنوع ہے
وہ لرزتے ہیں کسی کی گرمیٔ گفتار سے

ان کی خاطر کیا ضرورت آج حرب وضرب کی
شعر میرے تیز تر ہیں خنجر وتلوار سے

کام لینا سیکھئے فطرت کی ہر اک چیز سے
موسم گل میں گلوں سے اور خزاں میں خار سے

ٹوڈیوں کے خوف گیرائی سے پتے آب ہیں
جان سے اپنی وہ کچھ پھرتے ہیں اب بیزار سے

جب خدائے ’’عاج‘‘ سے ان کی نہ بر آئی مراد
قادیانی کررہے فریاد ہیں سرکار سے

حق کی خاطر سنت سجاد پر عامل ہوں میں
حق کی خدمت کررہا ہوں اپنے ان اشعار سے

(۶) نذر بخاری

راستہ جس نے دکھایا ہے ہمیں اللہ کا
ہم سمجھتے ہیں نائب رسول اللہ کا

ہے شریعت کا امیر اور ہے طریقت کا سفیر
جس طرف جانا ہو، دانا ہے وہ ہر اک راہ کا

جس نے اسرار حقیقت کردیئے سب آشکار
فرق سمجھایا ہے جس نے کوہ کا اور کاہ کا

جس نے دکھلایا ہے پھر الحق یعلو کا سماں
جس نے ناکہ کردیا مسدود باطل راہ کا

پردۂ ظلمات باطل جس نے کرڈالا ہے چاک
جس نے شیدا کردیا ہم کو رسول اللہ کا

جس نے سہلائی ہے چندیا قادیانی چور کی
معترف ہر قادیانی بھی ہے جس کی چاہ کا

دین ودنیا کی بھلائی جس کے ہے پیش نظر
گرچہ وہ خواہاں نہیں ہے جب مال وجاہ کا

دس کروڑ اسلامیان ہند کا قائد ہے یہ
دم بھریں کیوں کر نہ پھر سید عطاء اللہ کا

(۷) سرکار کے سر

افترق انگیزیاں ان کو بہت مرغوب ہیں
جن کے لیڈر اور مکھیا مولوی یعقوب ہیں
موسیو محمود مرزا اور سر فضل حسین
ایک ان میں سے ہیں طالب دوسرے مطلوب ہیں
کل تلک ٹوڈی تھے جو، ہیں آج آزادی طلب
دل کے بہلانے کو یہ روباہیاں بھی خوب ہیں
پاسداری کیوں ہو ان کی عزت اسلام کی
ایک تو سر، اور پھر سرکار سے منسوب ہیں
اندلسی اور دمشقی ہیں بباطن ایک جان
بر بظاہر ایک یابس دوسرے مرطوب ہیں
رفع عیسیٰؑ کے نہیں قائل تو پھر رفعت کہاں
اوندھے منہ، خیمے کی مانند ہی وہ کچھ منصوب ہیں
ووٹ کیوں کردے کوئی احرار کو جب یہ غریب
بے نوا ہیں بے سروساماں ہیں معتوب ہیں
شیخ چلی ہوں، غلام احمد ہوں، یا ہوں مام دین
مجھ سے پوچھو تو یہ سارے ہی میرے محبوب ہیں

(۸) خدا کی پناہ

طعن اغیار سے خدا کی پناہ
نیش خونخوار سے خدا کی پناہ
فوج کٹوا کے جو ففرو ہو
ایسے سردار سے خدا کی پناہ
قادیاں اس کا بن گیا مرجع
مرد غدار سے خدا کی پناہ
لیڈری سے شکم پری جو کرے
ایسے نادار سے خدا کی پناہ
اچھے اچھوں کو اس نے بہکایا
چرخ دوار سے خدا کی پناہ
گالیاں دیں جو غیر کی خاطر
ایسے اخیار سے خدا کی پناہ
مے پرستیٔ و بت پرستی میں
شوق بسیار سے خدا کی پناہ
ہزل لکھنے میں طاق ہوں جو لوگ
ان کے اخبار سے خدا کی پناہ

(۹) الآن حصحص الحق

حصحص الحق کی صدا سن کر کے آج
رنگ باطل کا ہوا جاتا ہے فق
کشتنی تھے جس کے رو سے ہم غریب
آج وہ منطق ہوئی ہے جاں بحق
دیکھئے کب تک وہ دیں عاشق کا ساتھ
پاؤں نازک اور میداں لق و دق
خادم اسلام ہے محمود بھی
بوڑھے طوطے نے پڑھا اب یہ سبق
ڈاکٹر عالم کی بحثوں کے طفیل
کھل گئے ملت پہ ہیں چودہ طبق
میرے طعنوں کے سناں تیز سے
سینۂ اعدا ہوا اور اللہ شق

(نقاد مؤرخہ ۲۹ ٭نومبر ۱۹۳۶ء)

(۱۰) مولانا غلام غوث

غلام غوث ہے سرحد کا شیر دل غازی
غلام غوث ہے ہندوستان کا رازی
ہے ایک ہاتھ میں شمشیر دوسرے میں کتاب
بتا رہا ہے مسلماں کو راز سربازی
سمجھا رہا ہے مزایائے حکمت یثرب
دکھا رہا ہے طریق بلند پروازی
وہ سرفروش ہے، اپنے تو خیر اپنے ہیں
عدو کے ہاں بھی مسلّم ہے جس کی جانبازی
سیالکوٹ میں آیا ہے درس حق دینے
زباں گو عجمی ہے مگر ہے لے تازی
الٰہی ان کی زباں میں اثر وہ پیدا کر
کہ بچہ بچہ مسلمان کا بنے غازی

(۱۱) مولانا قاضی احسان احمد

حضرت احسان کی برکت سے ہم
دیکھ آئے قصر مجلس کا بھی گیٹ
پہروں واں پر اشتیاق دید میں
کرنی پڑتی ہے ہر ایک زائر کو ویٹ
صرف درباں آپ کرلیں گے دعا
تب کہیں جا کر مقرر ہوگی ڈیٹ
ایک ہی بھاؤ ہے سب کا اس جگہ
کوئی احراری ہو یا ہو ماڈریٹ
ہر کس و ناکس سے مل سکتے نہیں
گویا حضرت ہوگئے ہیں اپٹوڈیٹ
لیڈری کی شان قائم اب بھی ہے
قیدیوں کے یعنی کہلاتے ہیں میٹ
’’جج کی ڈگری‘‘ سے سوا دیتا ہے زیب
جیل کا گاڑھا جو لیتے ہیں لپیٹ

(۱۲) مولانا حبیب الرحمٰن اور سحرالبیان بخاری

ایمرس سے کہتے تھے کل سر سکندر
کہ این ڈبلیو آر کے سب پسنجر
بہ دل آپ کو مانتے ہیں گورنر
تو پھر خوف کیا ہے تمہیں بندہ پرور
حبیب اور بخاری کی ہستی ہی کیا ہے
کہ پبلک کے ہاتھوں میں اب فیصلہ ہے
کہا آپ کہتے ہیں جو کچھ، بجا ہے
پہ میرا بھی کچھ دن سے یہ تجربہ ہے
کہ پبلک یہاں کی بہت بے وفا ہے
یہاں ہم سے کہتے ہیں جو کچھ ریا ہے
بخاری کی تقریر سن کر کہیں گے
یہاں تو انگریز یا ہم رہیں گے

(۱۳) حضرت امیر شریعت کی خدمت میں

پاسدار عزت برابر ہے ناخدائے کشتئ احرار ہے
معرکوں کو اپنے دادا کی طرح شیر ہے مقدام ہے کرار ہے
حضرت سید عطاء اللہ شاہ مؤمنوں کا قافلہ سالار ہے
غازئ گفتار بھی ہے ٹھیک ہے اصل میں پر غازئ کردار ہے
آپ کی تقریر ہے سحر حلال آپ کا ہر لفظ نزہت بار ہے
قادیانی فتنہ کے اسرار سے آپ واقف ہیں کسے انکار ہے
پر جناب میرزا بھی گھاگ ہیں وہ بھی حضرت ایک ہی عیار ہے
رب لندن کا چہیتا پوت ہے قادیاں کی دم کٹی سرکار ہے
دیو استبداد کا ایجنٹ ہے قصر استعمار کا معمار ہے
اس کے ہر نخرے میں سو سو مکر ہے اس کا ہر انداز خدعت کار ہے
اس کے استیصال کی خاطر جناب ہمت صدیقؓ ہی درکار ہے
باز آں رسم کہن را زندہ کن سنت صدیقؓ را تابندہ کن

(۱۴) صاحبزادہ سید فیض الحسن

فیض الحسن ہیں ملت بیضاء کے آفتاب کرتے ہیں جن سے انجم شب ونور اکتساب
سحبان ہند ان کو جو کہئے تو ہے بجا بے شک وشبہ ان کی خطابت ہے لاجواب
نغمے ہیں عندلیب کے یا ان کی گفتگو جس کا ہے لفظ لفظ ہی پر سوز واضطراب
ہمت میں ہیں جوان تو رائے میں پیر ہیں یہ نوجوان پیر ہیں پیروی میں انتخاب
احرار کے رفیق ہیں اشرار کے عدو ابرار سے انہیں ہے عقیدت کا انتساب
اسلامیان ہند کو ہے آج ان پر فخر پنجاب ان کے فیض سے ہوتا ہے بہرہ یاب

تکملہ

حدیث قادیان میں مندرج کے علاوہ ذیل کی نظمیں جو دستیاب ہوئیں۔ وہ تکملہ کے طور پر شامل ہیں جو یہ ہیں:

(۱) واردات تازہ

زباں گو ملی ہے مجھے شاعرانہ
مگر دل کے انداز ہیں خسروانہ
یہ عزم مصمم، یہ خود اعتمادی
نگاہوں میں جچتا نہیں ہے زمانہ
فقیروں کی دنیا ہے الملک للہ
فقیروں کی دنیا ہے کیا بیکرانہ
قیادت، سیادت، کرامت، امامت
خودی کے مراحل ہیں سب مرشدانہ
اگر دل میں کیف خودی کی ہے لذت
شراب خودی ہے شراب مغانہ
نبوت کا رمز آشنا کب وہ ہوگا
دعاوی ہوں جس کے غلام احمدانہ
وکالت میں بھی گو کہ سودا تھا دستی
مگر شاخ آہو پہ تھا محنتانہ
وزارت ادھر شاخ طوبیٰ ہے گویا
ثمرور جہاں ہے ہر اک شاخسانہ
خطابت ہے بے کامیابی نباحت
وہ ہو گرچہ اسپیچ ظفراللہانہ
میری جیب ''طالوت'' ہے جیب لق لق
مگر دل ہے رشک دل دولتانہ

(۲) تجھے قادیاں سے سوا چاہتا ہوں

تجھے قادیاں یاں سے سوا چاہتا ہوں
تیری ہر ادا پر مٹا چاہتا ہوں
بنا لے مجھے میرزائی بنا لے
تیرے عشق کی یہ سزا چاہتا ہوں
نہیں عشق میں آرزوئے ستم
اسیر بلا ہوں جلا چاہتا ہوں
دم گر جاناں تیرے قدموں میں نکلے
یہ حاصل ہو گر پھر میں کیا چاہتا ہوں
نہیں راس مجھ کو ہوائے زمانہ
میں وحشت جنوں کی فضا چاہتا ہوں
علی تم بلاؤ صوفی و زاہد
سنگ در پر گرا چاہتا ہوں
بت قادیانی ہے میرا معالج
مسیحا سے کب میں دوا چاہتا ہوں
خدا سے محبت ہے کب اس کو زاہد
عمل پر جو کہتے جزا چاہتا ہوں
نہیں آپ کی مجھ کو قبلہ ضرورت
میں اک اند قبلہ نما چاہتا ہوں

(تدوین کلّیات علامہ طالوت ص۱۶۱،۱۶۲)

(۳) کیا ہی کہنے اس نبی کے

کیا ہی کہنے اس نبی کے جو خدا کا باپ ہو
خود ہی جو ہو شاپ کیپر اور خود ہی شاپ ہو
کیا یہ تھوڑا معجزہ ہے اک نبی کے واسطے
خود ہی ماں ہو خود ہی بیٹا اور خود ہی باپ ہو

(تدوین کلّیات ص۱۷۳ حصہ اوّل)

(۴) سرمہ چشم تاریک

ربوہ پہ آرہا ہے وہی قادیان کا رنگ
رنگیں ادا خلیفہ کے رنگین جہاں کا رنگ
گل رنگ گل عذار جو گل پاش ہو گئے
جو بن سے ان کی کیسے ٹپکے جواں کا رنگ
سکھ چین رنگ چنگ سرور ونشاط وعیش
رنگیں بنا رہا ہے انہیں پاندان کا رنگ
رنگین جو افیوں پہ رنگیلے کا رنگ ہے
رنگ چناب بگڑے جو ٹپکے یہاں کا رنگ
جھمکے جو رنگ عرنگ نقابوں سے رنگ رخ
یاد آ گیا مجھے بھی وہ ابر رواں کا رنگ
دیوار ودر سے رنگ چمکتا ہے عیش کا
دیوار ودر پر لپٹے ہے اہل مکاں کا رنگ
پھرتے ہوں جس زمین پر ستارے بھی بے حجاب
کیوں کر نہ اس زمیں پہ ہو پھر آسماں کا رنگ
تاریک کے ہے گھر کی فضا چشمۂ حیات
ہر لمحہ زندگیٔ جاوداں کا رنگ

(۵) رشک پیرس ہو گئے تھے کوچہ ہائے قادیاں

رشک پیرس ہو گئے تھے کوچہ ہائے قادیاں
عشق ریزہ عشق زا تھی کیا فضائے قادیاں
سامنے ننگی نہا لیتی تھیں آ کر عورتیں
کتنا تھا آنکھوں سے اندھا نا خدائے قادیاں
کیوں نہ ٹیڑھی ہو عمارت تالب بام عروج
خشت اوّل ہی سے کج تھی جب بنائے قادیان
عشق پرور کیوں نہ ہو مسلماں کی بے پردگی
چند جوتے کہ ٹھہری ہے سزائے قادیاں
پھر گئے آنکھوں میں نقشے ان کی صرب مغرب کی
یاد مجھ کو آئی جس دم کربلائے قادیاں
چھوڑ کر مرکز کو نکلا جب کہ ولیم کا بروز
مار کر منہ دو ہنٹر بولا ہائے قادیاں
بے وفائی صحراء نوادری سے کی جب...... نے
یاد مجھ کو آ گئے اہل وفائے قادیاں
ملتی جلتی ہے نوائے ساحر الموت سے
....
ہر طرف چندے کا دھندہ جب کہ پھیلا ہوا
کیوں نہ پھر لاکھوں کروڑوں تک کی اے قادیاں

(تدوین کلّیات ص۲۸۳، ۲۸۴ حصہ دوم)

(۶) مفسر اس کی آزادی کی ہے چرچل کی دانائی

مفسر اس کی آزادی کی ہے چرچل کی دانائی
یہ ٹوئیں اس عصم آیا دکائے معبر نائی
جہاد اس کا رہ طاغوت میں ہر وقت جاری ہے
ہیں ممنون کرم اس کے یہودی اور عیسائی
جسے چنگیز سے نسبت ہو طغیان اس کا ہے آنی
جسے انگریز سے بیعت ہوا یماں اس کا ہر جائی
مسلمان اعتبار اس کا کریں کیوں کر بھلا ہم دم
کہ پکے یار ہیں اس کے کمونسٹ اور مرزائی
نہ جا اس کے درودوں پر کہ یہ کیا دپرفن ہے
نماز اس کی ہے پاپائی درود اس کا کلیسائی

(۷) گھٹائیں چھائی ہیں آموں کے دن ہیں

گھٹائیں چھائی ہیں آموں کے دن ہیں
سبو اور...... ہنگاموں کے دن ہیں
گئے کوٹ اور پتلون کے پھر
انگرکھے اور پاجاموں کے دن ہیں
مزین قادیاں کے پھر سے چمکے
خلیفوں اور حجاموں کے دن ہیں

(تدوین کلّیات ص۲۶۲ حصہ دوم)

(۸) محمد مصطفیٰ نور خدا خیر الوریٰ آئے

محمد مصطفیٰ، نور خدا، خیر الوریٰ آئے
علم توحید کا لے کر وہ ختم الانبیاء آئے
شہ لولاک آئے تاجدار انمّا آئے

(تدوین کلّیات ص۳۰۹ حصہ دوم)

(۹) کمترین کا بیڑا غرق

مشرقی پنجاب سے آنے کے بعد
قادیاں کا کعبہ ٹیڑھا ہو گیا
میرزا صاحب کا ہے الہام ٹھیک
کمتریں کا غرق بیڑا ہو گیا
مرکزیت دی ابولؤلؤ نے چھوڑ
عشق بھی جی کا بکھیڑا ہو گیا
ڈارون صاحب کی بندر بانٹ سے
کمتریں کا غرق بیڑا ہو گیا
ان میں حرب وضرب کی ہمت کہاں
ان کو کافی اک تھپیڑا ہو گیا
وہ چپت آکر پڑی رخسار پر
کمتریں کا غرق بیڑا ہو گیا

(احتساب قادیانیت ج۵۵ ص۶۷)

(۱۰) تنظیم اہل سنت

تنظیم اہل سنت جب تک نہ ہوگی پوری
چھائی رہے گی ہم پر بدعت کی بے شعوری
ذریۃ البغایا کل تک تھا نام جن کا
آج ان کی چاپلوسی کیوں ہوگئی ضروری
ابلہ فریبیاں ہیں سب لیڈری کی باقی
مرکز کو چھوڑ آیا گو قادیاں کا نوری
ہے خون میں خوشامد کی گھٹی میں ہے تملق
باپو تھا جی جنابی بیٹا ہے جی حضوری
کفار کے قرینے فجار کے طریقے
مرزائیوں کا شیوہ اسلام سے ہے دوری
لاہور کا سقر ہی محمود کا مقر ہے
ہاتھوں سے چھن گئے جب ڈلہوزی ومسوری
اب مقبرہ بھی کوئی پھر دوزخی بنائیں
قبروں کا بیچنا ہے جب دین میں ضروری
مصری کی چاشنی ہی مکھی کو کھینچ لائی
ورنہ اسے گوارا مرکز سے کب تھی دوری
چندوں کی سب اپیلیں ہیں حرص کی دلیلیں
قانع بھلا ہو کیوں کر خواہش کی ناصبوری
بادصبا سے دیکھیں اب ہم نفس ہوں گل کب
نزدیک آ گئے ہیں غلمانیوں کے حوری

(احتساب قادیانیت ج۵۵ص۸۲،۸۳)

✡ ✡ ✡

انا خاتم النبیین لا نبی بعدی

میں آخری نبی ہوں، میرے بعد کوئی نبی نہیں

ردقادیانیت پر

علامہ طالوت

کے

مضامین

جمع وترتیب

مولانا عتیق الرحمٰن

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تفصیلی فہرست

(۱)الصدیق کے پہلے شمارہ پر نظم	۳۵۸	(۲)تلمیحات (تنظیم اہل سنت کے مرزا غلام احمد قادیانی نمبر میں)	۳۵۸
(۳)الصدیق کا پہلا اداریہ	۳۶۰	(۴)مرزائیت کی تبلیغ	۳۶۱
(۵)حضرت صاحبزادہ بشیر الحنفی القادری علمی کا خط (مولانا طالوت کے نام)	۳۶۳	(۶)حضرت مولانا عطاء محمد صاحب خانقاہ سراجیہ کندیاں ضلع میانوالی	۳۶۳
(۷)یحییٰ سابالطی سے متعلق مضمون پر مولانا طالوت کا نوٹ	۳۶۶	(۸)دو وقیع رائیں (شذرات)	۳۶۶
(۹)جواب تلخ مے زیبد	۳۶۸	(۱۰)کیا فرماتے ہیں؟ مدعیان اجرائے نبوت!	۳۷۰
(۱۱)اخبار وافکار	۳۷۱	(۱۲)انسان تو انسان جن بھی مرزائیت کے خلاف ہوگئے	۳۷۱
(۱۳)گورنمنٹ کالج منٹگمری میں مرزائیت	۳۷۱	(۱۴)مظفر آباد دارالحکومت آزاد کشمیر میں شاندار لائبریری کا افتتاح	۳۷۲
(۱۵)احمدیوں سے ترجیحی سلوک کیوں	۳۷۳	(۱۶)ربوہ سے تین مرزائی لڑکیوں کو غنڈوں نے اغواء کرلیا	۳۷۴
(۱۷)غلام احمدیت کا خبث	۳۷۴	(۱۸)کربلائے ست سیر ہر آنم	۳۷۶
(۱۹)اخبار وافکار (حضرت علامہ اقبالؒ کے ارشادات)	۳۷۷	(۲۰)یہ اجازت ارتداد کب تک	۳۷۷
(۲۱)بلائیں زلف جاناں کی	۳۷۹	(۲۲)مرزائیوں کی ریشہ دوانیاں	۳۷۹
(۲۳)تشکیل پاکستان کے بعد مرزائیوں کے سیاسی عقائد	۳۸۰	(۲۴)قادیانی اور لاہوری مرزائی چٹے بٹے ایک ہی تھیلی کے ہیں	۳۸۱
(۲۵)خلیفہ صاحب کے ہم زلف کے بیان	۳۸۱	(۲۶)آتش زنی، قتل، زدوکوب اور بائیکاٹ	۳۸۱
(۲۷)بزدل بھگوڑا	۳۸۲	(۲۸)خارجی قسم کے غلام احمدی	۳۸۲
(۲۹)چوہدری ظفر اللہ خان کے عورت بن جانے کا رؤیا	۳۸۴	(۳۰)دستور مجلس احرار اسلام	۳۸۷
(۳۱)مسلم پریس اور اہل قلم کی ذمہ داری	۳۹۱	(۳۲)ابوجہل کی اولاد	۳۹۲
(۳۳)مرزائیوں کا کعبہ مقصود	۳۹۳	(۳۴)ہمارے سفارت خانے اور مرزائی	۳۹۴
(۳۵)زن مرید	۳۹۵	(۳۶)حضرت عائشہ پر فضیلت	۳۹۷

(۳۷) نہ اجازت لوں گی نہ ساتھ ڈھونڈھوں گی	۳۹۷	(۳۸) بیوی یا بیٹی؟	۳۹۸
(۳۹) ہم تو اماں جان کا نام اللہ میاں رکھ لیتے ہیں	۳۹۸	(۴۰) مسیحی گھرانے کا اخلاق	۳۹۹
(۴۱) پدر پیشہ	۴۰۰	(۴۲) مرزائیوں کی ماں	۴۰۰
(۴۳) لمبے بال اور غرارہ	۴۰۰	(۴۴) بیس بے دین بیس نکلے	۴۰۱
(۴۵) محمدی بیگم والی پیش گوئی	۴۰۲	(۴۶) جگر پاش دریدہ ذہنی	۴۰۳
(۴۷) مصروف جہاد	۴۰۴	(۴۸) مکی مدنی پیغام	۴۰۶
(۴۹) یہ منافقت ہے یا حقیقت	۴۰۶	(۵۰) اعتراف حقیقت	۴۰۷
(۵۱) ڈیڑھ مومن	۴۰۸	(۵۲) درثمین کمتر از خزف	۴۰۹
(۵۳) تاڑنے والی بھی قیامت کی نظر رکھتی تھی	۴۱۰	(۵۴) وہ کبھی کبھی زنا کیا کرتے تھے	۴۱۱
(۵۵) عورتیں مرزا قادیانی کے سامنے ننگی نہاتی تھیں	۴۱۲	(۵۶) مرزا غلام احمد نے تھیٹر دیکھا	۴۱۳
(۵۷) غیر عورت سے پاؤں دبوانا	۴۱۳	(۵۸) چھوٹے میاں سبحان اللہ	۴۱۳
(۵۹) غیرت از چشم برم	۴۱۴	(۶۰) سب سے بڑا الزام ’’عیاشی‘‘	۴۱۵
(۶۱) دوسرا الزام شراب خوری	۴۱۷	(۶۲) بچہ بازی کا الزام	۴۱۸
(۶۳) ربوہ	۴۱۹	(۶۴) چندے کا پھندہ	۴۲۲
(۶۵) ہماری تبلیغ	۴۲۳	(۶۶) تاریخی مسلّمات سے انکار	۴۲۴
(۶۷) تلبیس ابلیس	۴۲۵	(۶۸) الفضل کی آنکھ کا شہتیر	۴۲۷
(۶۹) مرزائیوں کا سالانہ جلسہ	۴۲۹	(۷۰) مرزائیوں کی ایمانداری	۴۳۰
(۷۱) حقہ جو ہے جناب معلّٰی کے ہاتھ میں	۴۳۰	(۷۲) رؤیا اور کشف	۴۳۱
(۷۳) اسرائیلی روایات	۴۳۲	(۷۴) تفاوت رہ	۴۳۳
(۷۵) کیا مرزائی مسلمانوں کو کافر نہیں کہتے؟	۴۳۴	(۷۶) مرزائیوں کا اصلی مرکز	۴۳۵
(۷۷) تعصب کی حد ہوگئی	۴۳۶	(۷۸) مرزا غلام احمد قادیانی کے نام علامہ اقبال کا پیغام پیام بیعت کے جواب میں	۴۳۷
(۷۹) علامہ اقبال اور قادیانیت	۴۳۸	(۸۰) بہتان عظیم	۴۳۹
(۸۱) آنحضرت ﷺ کی ازدواجی زندگی	۴۴۱	(۸۲) احمدی کے بجائے غلام احمدی	۴۴۳

(۸۳)توہین واشتعال	۴۴۴	(۸۴)پہلی بیوی کے ساتھ دوسری بیوی کی نسبت زیادہ اچھا سلوک کریں	۴۴۵
(۸۵)تحقیقاتی عدالت کی رپورٹ کے چند اقتباسات	۴۴۵	(۸۶)مرزائی تقسیم ملک کے خلاف تھے	۴۴۶
(۸۷)آنحضرت ﷺ کے ساتھ موازنہ	۴۴۶	(۸۸)جو مرزا پر یقین نہیں رکھتا اس کے جنازے میں شرکت نہیں کی جاسکتی	۴۴۶
(۸۹)فسادات میں مرزائیوں کا حصہ	۴۴۷	(۹۰)ایک دل خوش کن اعلان	۴۴۸
(۹۱)علمائے دین کو بدنام کرنے کی سعی لاحاصل	۴۴۹	مدیر ہفت روزہ بصیرت لاہور	۴۵۰
مولانا مرتضیٰ احمد خان میکش	۴۵۱	ماہنامہ تذکرہ کراچی	۴۵۴
(۹۲)چوہدری ظفر اللہ خان کا نیا عہدہ	۴۵۷	(۹۳)مصری وزیر اعظم کے مشیر خصوصی کی سخت نکتہ چینی	۴۵۸
(۹۴)عالمی جج منتخب ہونے پر شیخ حسام الدین کا بیان	۴۵۸	(۹۵)سلام	۴۵۹
(۹۶)نہاں کے ماند آں رازے	۴۵۹	(۹۷)الفضل کی فتنہ انگیزیاں	۴۶۰
(۹۸-الف)خدائی نظام	۴۶۲	ہر چہ بر خود......	۴۶۲
(۹۸-ب)یادش بخیر چوہدری ظفر اللہ	۴۶۴	(۹۹)بلاتبصرہ	۴۶۴
(۱۰۰)خود چہ مے گوید و طنبورۂ او چہ مے سراید	۴۶۵	(۱۰۱)عدالت کا فیصلہ	۴۶۸
(۱۰۲)بلاتبصرہ	۴۶۸	(۱۰۳)سن تو سہی	۴۷۰
(۱۰۴)خوابوں کے سہارے	۴۷۱	(۱۰۵)کنواری ماں	۴۷۳
(۱۰۶)بلاتبصرہ	۴۷۴	(۱۰۷)مملکت کے اندر مملکت	۴۷۶
(۱۰۸)مسلمانوں کی دل آزاری	۴۷۸	(۱۰۹)الفضل کا ناپاک بہتان	۴۸۰
(۱۱۰)مسلمانوں کی دل آزاری	۴۸۲	(۱۱۱)ایک نیا مراقی	۴۸۳
(۱۱۲)نیا ’’مسیح موعود‘‘	۴۸۴	(۱۱۳)تعارف (القادیانی والقادیانیۃ اور قادیانیت)	۴۸۶
(۱۱۴)تاریخی جائزہ	۴۸۷	(۱۱۵)ایک اہم مشورہ	۴۸۸
(۱۱۶)نزول مسیح کا عقیدہ	۴۸۹	(۱۱۷)اسلوب تحریر	۴۹۱
(۱۱۸)ایک مرزائی کا خط	۴۹۲	(۱۱۹)پاکستان کی خارجہ پالیسی	۴۹۲
(۱۲۰)جدید علم کلام کا اعجوبہ زا نمونہ قادیانی مذہب میں خدا کا تصور	۴۹۴		

بسم اللہ الرحمن الرحیم

جناب مولانا عبدالرشید ڈیرہ غازی خان کے علاقہ کے تھے۔ دارالعلوم دیوبند سے دورہ حدیث کیا۔ آپ حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کشمیری کے شاگرد رشید تھے۔ خانقاہ سراجیہ کندیاں کے دوسرے سجادہ نشین حضرت مولانا محمد عبداللہ لدھیانوی کے آپ دارالعلوم دیوبند میں ہم درس تھے۔ آپ کو اعزاز حاصل تھا کہ حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری آپ سے اپنے کلام میں اصلاح لیا کرتے تھے۔

حضرت مولانا مفتی محمد عبداللہ صاحب (مجیدیہ کتب خانہ بیرون بوہڑ گیٹ ملتان) آپ کے برادران مولانا عبدالکریم (کریمیہ کتب خانہ ملتان) مولانا عبدالرحیم (رحیمیہ کتب خانہ) نے جب ماہنامہ الصدیق کا ماہ رجب ۱۳۷۰ھ مطابق اپریل ۱۹۵۱ء سے پہلی جلد کا پہلا شمارہ شائع کیا تو اس کے مرتب حضرت مولانا عبدالرشید تھے۔ آپ طالوت، نسیم، ابوالفضل جبروتی بہت سارے قلمی نام استعمال کرتے تھے۔ آپ کے ایک صاحبزادے حماد صاحب تھے۔ ان کے نام کی مناسبت سے ''حماد رشید'' قلمی نام بھی اختیار کیا۔ آپ نے ردقادیانیت پر ماہنامہ ''الصدیق'' میں لکھا اور خوب لکھا۔ یہ رسالہ سولہ سال جاری رہا۔ مکمل فائل کی دستیابی کے بعد ردقادیانیت پر آپ کے رشحات قلم کو یہاں پر ہم نے یکجاء کیا ہے۔ آپ بھی ملاحظہ کریں۔ اس کے ساتھ ہی مولانا مرحوم کے نام کسی نے قادیانیت کے خلاف کوئی خط لکھا۔ کسی اخبار کی خبر بھیجی وہ بھی ہم نے یہاں جمع کردی ہیں۔ (مرتب جلد ہذا)

(۱) الصدیق کے پہلے شمارہ پر نظم (طالوت)

اے مسلمان پیرو صدیقؓ باش — تیغ برّاں بہر ہر زندیق باش
لانبی بعدی ست فرمان نبیؐ — تو بحکمش صاحب تصدیق باش
تابع اوہام را الہام شد — وہم را بگذار وبا تحقیق باش
از خدا توفیق حق گوئی طلب — باخداؤ حامل توفیق باش
برسر دعویٰ است آں کذّاب وقت — تو معین لشکر صدیقؓ باش

(الصدیق ج۱ ش۱ ص۳، رجب ۱۳۷۰ھ مطابق اپریل ۱۹۵۱ء)

(۲) تلمیحات (تنظیم اہل سنت کے مرزا غلام احمد قادیانی نمبر میں)

حضرت طالوت تاریخ صحافت میں اپنی جگہ بنا چکے ہیں۔ اخباری حلقوں میں آپ کا اسم گرامی محتاج تعارف نہیں۔ شاید قارئین کرام کو یاد ہوگا کہ شروع ذی الحجہ ۱۳۶۰ھ میں جب ''تنظیم'' کا پہلا پرچہ شائع ہوا تو اس کے لئے حضرت طالوت نے نظم لکھی تھی۔ مگر اس کے بعد آپ نے ہمیں اس طرح بھلا دیا کہ آج تک کبھی بھول کر بھی یاد نہ فرمایا اور ڈیڑھ سال کی طویل مدت میں ''تنظیم'' کے لئے ایک لفظ بھی نہ لکھا۔ مرزا غلام احمد قادیانی کی صداقت ونبوت کا یہ تازہ نشان ملاحظہ ہو کہ کل ہم نے تنظیم کے ''مرزا غلام احمد نمبر'' کا اعلان کیا اور آج طالوت صاحب دفتر میں تشریف لے آئے۔ یعنی آپ کے اشعار وتلمیحات ہمیں موصول ہوگئے۔

ہمارا ایمان ہے کہ آخرت میں ہمیں ضرور اس خدمت پر اجر عظیم حاصل ہوگا اور ''غلام احمد نمبر'' کی اشاعت پر ہمیں سرور عالم ﷺ کی شفاعت نصیب ہوگی۔ رہی دنیا سو اس میں اس کار خیر کی یہی جزا کیا کم ہے کہ ہمیں ایک بچھڑا ہوا یار پورے ڈیڑھ سال کے بعد مرزا قادیانی کی برکت سے گھر بیٹھے پھر مل گیا۔ امید ہے کہ اب یہ وصال پھر کبھی مبدل بہ فراق نہ ہوگا اور حضرت طالوت پورے تنظیم کو نہ سہی اس کے تلمیحات کو ضرور اپنا لیں گے۔

(مدیر سید نور الحسن بخاری)

''بازاری دوائی فروشوں کو آپ نے بارہا دیکھا ہوگا جو اپنی دوائی کی تعریف میں زمین وآسمان کے قلابے ملا رہے ہوتے ہیں اور پھر وہ دوائی اس قدر مفید اور ذی اثر ہوتی ہے کہ دنیائے جہاں کے امراض میں اس سے نفع اٹھایا جاسکتا ہے۔ آپ کو پیٹ میں درد ہے تو وہ اچھا

خاصہ چورن ہے۔ آپ دانتوں کے مرض میں مبتلا ہیں تو وہ بنا بنایا منجن ہے۔ آپ کو آنکھوں کی تکلیف ہے تو وہ سرمہ نورچشم ہے۔ کھانسی، نزلہ، زکام، بخار، غرضیکہ کچھ ہی کیوں نہ ہو وہ دوائی ہر مرض کے لئے اکسیر کا حکم رکھتی ہے اور پھر قیمت اتنی کم کہ آدمی کو بغیر لئے چارہ نہیں رہتا۔

بعینہ اسی طرح بازاری قسم کے نبیوں کے الہام ہوتے ہیں۔ ربڑ کی طرح پھیلنے اور بڑھنے کی خاصیت کے حامل ہر قسم کی تاویل کو برداشت کے قابل۔ جہاں چسپاں کرو وہیں چپک جانے والے، موم کی ناک کی طرح ہر طرف مڑ جانے والے۔ نہ موسم کی خصوصیت اور نہ مکان وزمان کی قید۔ جب چاہو اور جہاں چاہو مداری کے تھیلے میں سے ایک عدد الہام نکالو اور پکار اٹھو:

پھر بہار آئی خدا کی بات پھر پوری ہوئی

(تذکرہ ص۵۱۴ طبع چہارم جدید)

انگریز کہیں ہارے یا جیتے، بغداد مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل جائے۔ جنگ عظیم چھڑ جائے یا ختم ہو جائے۔ بہار میں زلزلہ آئے۔ کوئٹہ میں خدا کا عذاب نازل ہو، امان اللہ جائے اور نادر خان آئے۔ غرض دنیا میں کہیں کوئی اہم یا غیر اہم واقعہ یا حادثہ ہو جائے۔ پھر بہار آنے اور خدا کی بات پھر پوری ہونے میں قطعاً کوئی دیر نہیں لگتی۔ جبھی تو کہا گیا ہے:

قسم ہے قادیان کے گل رخوں کی گل عذاری کی غلام احمد کی الماری پٹاری ہے مداری کی

یہ نہ خیال فرمایئے کہ یہ ربڑی الہام موسم بہار کے واقعات پر ہی چسپاں ہو سکتا ہوگا۔ مئی، جون کی چلچلاتی ہوئی دھوپ اور جنوری فروری کی کپکپا دینے والی سردی دونوں اس کارگاہ الہام میں بہار کا حکم رکھتی ہیں اور تو اور یہاں تو خود خزاں بھی بہار سمجھی جاتی ہے۔ بھلا جہاں الہام کے زور سے ''مشی فی النوم'' اور مشق ''شناوری'' تک کو عین ایمان ثابت کیا جا سکتا ہو۔ وہاں خزاں کو بہار بنانا کون سا مشکل کام ہے۔

قیاس گن گلستاں من بہار مرا

ایسا ہی امرت دھارا قسم کا ایک الہام جو پہلے بھی کئی جگہ کام دے چکا ہے اور ہنوز نو بہ نو ہے یہ ہے۔ ''کمترین کا بیڑا غرق'' (تذکرہ ص۶۸۳ طبع چہارم جدید)

مشرقی پنجاب میں جس طرح خاکسار کمترین غلام احمد متنبی قادیان کی امت کا بیڑا غرق ہوا۔ وہ اہل نظر سے پوشیدہ نہیں۔ مگر بارگاہ خلافت میں نہ اب تک بہار آئی اور نہ خدا کی

بات پھر پوری ہوئی۔ آخر یہ کیوں؟ جب واقعتاً کودک قادیان نے ''از غلط برہدف زند تیرے'' کہہ دیا ہے تو پھر اب شرمانے یا للجانے کا کیا موقع ہے۔ پہلے کی طرح حیاء کی آنکھیں بند کر کے اب بھی پکار اٹھئے کہ دیکھئے مرزا قادیانی کتنے سچے تھے۔ مشرقی پنجاب کے سانحات کا جب کسی کو سان گمان بھی نہ تھا۔ آپ نے ان واقعات کا ذکر کس قدر بلیغ انداز میں فرما دیا تھا: ''کمترین کا بیڑا غرق۔'' (تذکرہ ص۶۸۳ طبع چہارم جدید)

اور اگر آپ یہ دعویٰ کر دیں تو آج کس کو یہ طاقت ہے کہ آپ کی اس بات کو جھٹلا سکے۔ بھائی: ''یہاں تو ہم بھی قائل ہو گئے۔'' ہمارا یہ ایمان سہی کہ مرزا غلام احمد قادیانی مسیلمہ کذاب کا بروز اتم تھے اور عمر بھر کبھی انہوں نے سچ بولنے کی کوشش نہیں کی۔ مگر ان کا یہ فقرہ (آپ الہام کہہ لیجئے) بہرحال سچا ثابت ہو گیا ہے کہ: ''کمترین کا بیڑا غرق'' (تذکرہ ص۶۸۳ طبع چہارم جدید)

اور پھر کمترین کے کفر کا بیڑا غرق بھی ایسا ہوا کہ اب ہر قسم کی سازشیں بھی اسے پھر ابھارنے سے قاصر ہوئی جاتی ہیں۔ ہاں!

''پھر بہار آئی خدا کی بات پھر پوری ہوئی'' (تذکرہ ص۵۴۱ طبع سوم)

(اختساب قادیانیت ج۵۵ ص۶۵ تا۶۷)

(۳) الصدیق کا پہلا اداریہ (علامہ طالوت)

بسم اللہ!

میری انتہائے نگارش یہی ہے — تیرے نام سے ابتدا کر رہا ہوں

آج جب زندگی کی کشمکش میں حصہ لینا کچھ اتنا آسان نہیں ہے کہ ہر شخص بغیر سوچے سمجھے، بغیر ابتداء وانتہاء کا خیال کئے، بغیر انجام وآغاز پر غور کئے شرکت کر سکے۔ ہم ایک عزم مصمم کے ساتھ اس تنازع للبقا میں شرکت کا آغاز کر رہے ہیں۔ ہمارا ماحول اگرچہ افسانوی اور رومانوی ہے مگر ہم اس ماحول کو بدلنے کی خاطر اس ماحول کو علمی وادبی بنانے کی خاطر، اس ماحول کو اسلامی بنانے کی خاطر بقائمی ہوش وحواس ایک تبلیغی زندگی کی ابتداء کر رہے ہیں۔

الحاد کی آندھیاں، دہریت کے جکھڑ، زندقہ کے گرد باد ہماری فضاء پر تیرہ وتاریک ''ظلمات'' ''بعضها فوق بعض'' کا غبار پھیلائے ہوئے ہیں۔ مرزائیت اپنے ائمہ تلبیس کی ابلیسیت سمیت ہمارے ایمان کے گردوپیش کرگس صفت منڈلا رہی ہے قرن

اوّل کے مسلمان کا نام لینا اور اس کی زندگی اور اسوہ کا پیش کرنا انتہائی دقیانوسیت شمار کیا جاتا ہے۔ مگر ہم ان موانع کے باوجود ان عوائق کے باوصف میدان تبلیغ میں صرف خدائے یکتا کے سہارے قدم رکھ رہے ہیں۔

اپنی علمی بضاعت کو دیکھتے ہیں تو معلومات سے مجہولات بدرجہا زائد ہیں۔ انشاء پردازی پر نظر کرتے ہیں تو کوتاہ قلمی سے شرم دامن گیر ہوتی ہے۔ زندو ورع کا خیال کرتے ہیں تو تہی دامنی کا یہ عالم ہے کہ ’’جامہ ندارم دامن از کجا آرم‘‘ کا مقولہ شاید ہمارے ہی لئے وضع ہوا ہے۔ پھر بھی صرف اعلائے کلمۃ الحق کی خاطر ایک اٹی لیکر بازار مصر میں یوسف کی خریداری کے لئے حاضر ہورہے ہیں۔ شاید یہی عمل بارگاہ صمدیت میں قبول ہوکر ہماری نجات کا باعث بن جائے۔ **وما ذالک علی اللہ بعزیز!**

بہت دنوں اعماق قلب میں یہ کشمکش جاری رہی کہ آیا ہمیں باوجود کوتاہ دستی کے اس معاملہ میں دست اندازی کرنی بھی چاہئے یا نہ؟ کافی ردوکد اور غوروفکر کے بعد یہی راستہ بھلا معلوم ہوا کہ کچھ نہ کرنے سے کچھ نہ کچھ کرتے رہنا بہرحال بہتر ہے۔ اسلام کی وہ پہلی آواز جو فاران کی چوٹی پر بلند ہوئی تھی کیا وہ سازوسامان کا انتظار کرتی رہی تھی۔ اس وقت بھی زرومال دشمنوں کے ہاتھ میں تھا وسائل وذرائع مخالفوں کے قبضے میں تھے حکومت وطاقت اعداء کی معاون ومدد تھی۔ پھر جب ہمارے آقا ومولیٰ نے اسباب وذرائع کا انتظار کئے بغیر خدائے واحد کی توحید کا آوازہ بلاخوف لامۃ لائم بلند کیا تو اس اسوۂ حسنہ کی تقلید ہمارے اوپر بھی لازم ہے۔ چنانچہ:

دریں دریائے بے پایاں دریں طوفان موج افزا ۔۔۔ دل افگندیم و بسم اللہ مجرہا و مرسٰہا

(الصدیق ج۱ش۱ص۴، رجب ۱۳۷۰ھ مطابق اپریل ۱۹۵۱ء)

(۴) مرزائیت کی تبلیغ

مرزائیوں کی خیرہ چشمی اب انتہاء کو پہنچتی جارہی ہے۔ ہمارے بزرگوں (عمائد حکومت) کی چشم پوشیوں اور غلط بخشیوں نے انہیں پہلے سے بھی زیادہ بے باک اور طوطا چشم بنا دیا ہے۔ یوں تو وہ بڑے مرزا کے وقت سے اچھے کام کو اپنی طرف منسوب کرتے اور ہر اسلامی اصطلاح کا منہ چڑاتے آئے ہیں۔ مگر اب تو وہ اور بھی کھل کر کھیلنے لگے ہیں۔ مثلاً

پچھلے دنوں مؤتمر اسلامی میں مفتی اعظم فلسطین نے جب مسلمانوں کو نصیحت فرمائی کہ وہ تبلیغ دین کو اپنا شعار بنائیں تو مرزائیوں کا ناقوس خصوصی ''الفضل'' بھی مردوں کی طرح کفن میں سے بول اٹھا کہ دیکھا یہ بات آپ کو اب سوجھ رہی ہے اور ہم ہیں کہ مدتوں سے تبلیغ میں مصروف ہیں مگر اس عقل کے دشمن نے اتنا نہ سوچا کہ مفتی اعظم کا مطلب تبلیغ اسلام سے تھا اور الفضل کے حوالی موالی تبلیغ مرزائیت میں مصروف ہیں۔ یہ ٹھیک ہے کہ مرزائی انگریز کی عطاء کردہ جاسوسیت کے بل بوتے پر ان ممالک میں اڈے بنا رکھنے میں کامیاب ہیں۔ جہاں جہاں انگریز کا ظاہری یا درپردہ اقتدار ہے اور ایسی ہر جگہ پر وہ تبلیغ اسلام نہیں بلکہ تبلیغ مرزائیت میں مشغول ہیں اور ساتھ ہی انگریزی کی جاسوسی کے فرائض بھی انجام دیتے ہیں۔ ''الفضل'' اگر ٹھنڈے دل سے سوچے تو وہ خود بھی اس بات کو مان لے گا کہ اس کے لگے بندھوں کی تبلیغ کو اسلام کی تبلیغ سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔ یہ محض بھولے بھالے مسلمانوں کو دھوکہ دینے کی خاطر ہی ایک ڈھونگ ان لوگوں نے رچا رکھا ہے اور وہ ڈھونگ زیادہ دیر تک اس لئے چل رہا ہے کہ انگریز کے خفیہ مفاد اس کے ساتھ وابستہ ہیں۔ ورنہ ایسا ہی الفضل کو تبلیغ کا شوق ہے تو وہ روس اور روسی اقتدار کے ماتحت والے ممالک کا رخ کیوں نہیں کرتا۔ مجلس احرار اسلام کے بزرگوں کو یورپ کی تبلیغ کا چیلنج دینے والا الفضل کیا روس اور روسی اقتدار کے ماتحت ممالک میں تبلیغ کا چیلنج قبول کرے گا۔ کیا فلسطین، مصر، افریقہ وغیرہ اسلامی ممالک میں ''تبلیغ اسلام'' زیادہ ضروری ہے؟ جہاں کہ پہلے ہی سو فیصدی مسلمان بستے ہیں یا وہاں زیادہ ضروری ہے جہاں خدا کا نام لینا بھی جرم ہے۔ مگر الفضل اور اس کا آقا مرزا بشیرالدین محمود ہیں کہ اسلامی ممالک میں تو تبلیغ مرزائیت پر لاکھوں روپے خرچ کر رہے ہیں مگر روس میں تبلیغ نہ ان کے ہاں ضروری ہے اور نہ وہاں وہ اس کام کے لئے ایک پائی خرچ کرتے ہیں۔ اس سے تو صاف یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ الفضل کی تبلیغ ایک تو صرف ان ممالک تک محدود ہے جہاں انگریزی اقتدار کا سایہ ہے۔ انگریز ہی اس نبوت کا کاشت کنندہ ہے اور وہی اس کا نگہبان اور پھل کھانے والا بھی ہے۔ دوسرے اس تبلیغ کا اسلام کے ساتھ قطعاً کوئی تعلق نہیں کیونکہ اگر یہ اسلام کی تبلیغ ہوتی تو بجائے اسلامی ممالک کے جہاں سو فی صدی پہلے ہی لوگ مسلمان ہیں یہ لوگ وہاں جاکر تبلیغی کام کرتے جہاں اسلام کا نام ونشان بھی نہیں۔

کاش! اللہ تعالیٰ ہمارے ان گمراہ بھائیوں کو بھی عقل دے کہ وہ مرزا محمود کے اس

ڈھونگ کو اپنی اصلی گھناؤنی شکل میں دیکھ سکیں اور ہمیشہ فریب خوردگی میں مبتلا نہ رہیں۔

اللّٰھم اھد قومی فانھم لایعلمون!

(الصدیق ج۱ ش۱ ص۱۱،۱۲ بابت ماہ رجب ۱۳۷۰ھ مطابق اپریل ۱۹۵۱ء)

(۵) حضرت صاحبزادہ بشیر المخفی القادری علمی کا خط (مولانا طالوت کے نام)

مکرمی سلام مسنون! آپ کا مکتوب گرامی برادر اصغر صاحبزادہ محمد علم الدین القادری علمی سلمہ اللہ تعالیٰ کے نام صادر ہوا اور میرے سامنے بھی آیا۔ آپ کے نیک مقاصد وعزائم بحمداللہ! بہت مبارک لائق تحسین وتبریک ہیں۔ مولا کریم ان مقاصد حسنہ کو کامیاب وبامراد کرے۔ آمین ناچیز ایک عرصے سے خاموشانہ خدمت علمی وادبی کے لئے لوجہ اللہ تعالیٰ کچھ نہ کچھ وقت ملنے پر کام کر لیتا ہے لیکن اپنی عدیم الفرصتی اور علالت طبع کے باعث فی الحال کسی خدمت سے معذور ہے۔ توقع ہے کہ برادر اصغر صاحبزادہ علمی القادری وقت ملنے پر کچھ خدمت ضرور ادا کر دیں گے۔

موجودہ دور رفتن کے اہم مصائب میں مختلف مسائل سے انسانیت دوچار ہے لیکن بہت بڑا خطرناک مرحلہ ایمان وایقان کی حفاظت کا ہے۔ زمانۂ حاضرہ کی خوبیوں نے ہی حفاظت انسانیت کے خلاف جراثیم پھیلا دیئے ہیں۔ جن میں فتنہ مرزائیت سب سے آگے ہے۔ اسلام کی کاملیّت اور دین کی حقیقت کاملہ سرکار ختمی مآب کی ذات گرامی سے نسبت عشق ومحبت جاوداں وابدی وسرمدی حیثیت ایک مومن کامل کے لئے رکھتی ہے۔ ولایت ونبوت اور دیگر کمالات انسانیت کے لئے ہر دور میں عقلی ونقلی طور پر ایک معیار کردار وگفتار وسیرت واخلاق تعلیم وتربیت اور کیریکٹر کے لئے ضرور فطری طور پر مقرر کیا گیا ہے۔ کسی الہامی کشفی یا باطنی کیفیت کا معیار قانون قدرت یعنی ’’شرع محمدی‘‘ کے خلاف نہیں ہوتا۔

خلافت آدم علیہ السلام سے لے کر آج تک دور ختمی مآب اور ان کے محترم پیروان کرام جن میں بلند وبالا عظمتوں ومراتب اعلیٰ پانے والی شخصیتوں کا شمار ہے۔ نبوت کی ظلی بروزی یا عکسی صورت کا اقرار نہیں کیا گیا...... مجددیت اور مقامات ولایت کا معیار جو شرع محمدی کے خلاف ہو وہ کسی مراتب ومقامات کا حامل نہیں ہوتا۔ تمام سلف صالحین اور اولیائے امت محمدیہ کا یہ واجب الاعتماد فیصلہ ہے۔ ہم اس معیار پر تحقیقی وسنجیدگی سے جب بھی غور

کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ مرزا قادیانی اور ان کی تحریک محض ایک سیاسی جماعت بندی اور کذب وضلالت کی آئینہ داری کے سواء کچھ نہیں اور دور موجودہ میں فرنگی برطانوی فتن کا ایک شاہکار ہے جو شخصیت اخلاقی انسانی معیار کردار وگفتار تحریر وتقریر اور علمی روحانی فضائل ہی میں کوئی حیثیت نہ رکھے وہ ادّعائے مجددیت یا نبوت کا کس طرح کرنے پر آمادہ ہے؟ اس کے موجودہ دور کے مشہور مفکر اور عظیم مدبر شاعر مشرق علامہ اقبالؒ نے اس تحریک کا مطالعہ کرنے کے بعد ملت اسلامیہ کو صحیح مشورہ دیا ہے کہ وہ اس فتنہ سے آگاہ ہو اور اپنے دین وایمان کی حفاظت کے لئے آمادہ عمل ہو...... یہ ایک ایسا متفقہ فیصلہ ہے کہ جو اسلام کے تمام مشہور فرقوں میں بھی مسلّم الثبوت ہے۔

اس کے لئے آپ علامہ اقبالؒ کے نقطۂ نظر سے بھی اس تحریک کا جائزہ لیں۔ براہین وشواہد کے طور پر آج تک ہمارے محققین علماء فضلاء نے کافی کوششیں کیں اور کررہے ہیں۔ اس سلسلے میں آپ کا عملی اقدام بھی مستحسن ہے۔

زندہ اسلام زندہ نبی اور زندہ قرآن کی موجودگی میں ہماری نجات کا راستہ سرکار مدینہ کی معین کردہ وہ صراط مستقیم میں ہے جو خالق برحق کا منشاء ومقصود ہے۔ اس لئے ضرورت ہے کہ ہر صحیح الخیال وصحیح العقیدہ مسلم ومومن حیات النبی کے عشق ومحبت کا جذبۂ خلوص زیادہ سے زیادہ بیدار کرے۔ آقائے نامدار نے فرمایا: حیاتی خیر لکم ومماتی خیر لکم اس کے لئے ہر دور میں سرکار مدینہ اور گنبد خضراء کا آغوش کرم ہماری ہر مصیبت کی سپر اور ہماری ترقی وفلاح کا ضامن ہے۔ دجالان امت کے کذب وفتن سے حفاظت کا صحیح راستہ یہی ہے کہ ہماری زندگی ہماری موت ہماری فلاح دارین قدموں میں سرکار مدینہ روحی فداہ کے ہو۔ علامہ مغفور نے سچ فرمایا ہے کہ:

ذرّہ عشق نبی از حق طلب　　سوز صدیق و علی از حق طلب

آپ پروفیسر سلیم چشتی کی کتاب شناخت مجدد اور پروفیسر الیاس برنی کی مشہور تصنیف ''قادیانی مذہب'' کے اقتباسات کو بھی الصدیق میں جگہ دیں اس کے علاوہ حضرت علامہ پیر سید ظہور الحسن شاہ صاحب قادری جیلانی فاضلی بٹالہ ضلع گورداسپور کے والد ماجد کی تصنیف ''ارشاد المسترشدین'' ضرور دستیاب کریں۔

یہ کارآمد کتاب ہے کیونکہ مرزا کا والد خود مصنفؒ کے پاس عقیدت کے طور پر آیا

کرتا تھا۔ اس کتاب میں مرزا کے متعلق ایک صحیح انکشاف بھی موجود ہے۔ پیر جھنڈے والوں کا جو کشف احمدیوں نے شائع کیا ہے نہ معلوم کس کتاب سے لیا ہے؟ جہاں تک ہمیں علم ہے وہ بزرگ قادری خاندان کے تھے اور سرکار ختمی مآب کی خاتمیت اور ختم نبوت پر ان کا صحیح اعتقاد تھا۔ بہرحال آپ مدرسۂ دارالرشاد پیر جھنڈا گوٹھ حیدرآباد سندھ سجادہ نشین صاحب سے گفتگو کریں۔ ہاں! ''مجموعہ مکاتیب اقبالؒ'' کا بھی مطالعہ کریں۔ مولانا سلیمان ندوی سے علامہ کی گفتگو کسی قدر اس سلسلے میں موجود ہے۔ اللہ آپ کے نیک ارادوں میں برکت عطاء فرمائے۔ فقط والسلام!

مخلص ناچیز صاحبزادہ بشیر مخفی القادری علمی کراچوی

(الصدیق ج۱ ش۲ ص۱۲ تا ۱۴، شعبان ۱۳۷۰ھ مطابق مئی ۱۹۵۱ء)

(۶) حضرت مولانا عطاء محمد صاحب خانقاہ سراجیہ کندیاں ضلع میانوالی

بعد الحمد والصلوٰۃ وارسال التسلیمات ازطرف عطاء محمد عفی عنہ!

محترم المقام مولانا صاحب سلمہ ربہٗ!

کارڈ تحریر کرنے کے بعد کل ''الصدیق'' کا پہلا پرچہ حضرت اقدس (مولانا عبداللہ لدھیانوی سلیم پوری المعروف حضرت ثانی، خانقاہ سراجیہ) کی خدمت عالیہ میں پہنچا۔ حضرت اقدس نے دیکھ کر بہت پسند فرمایا۔ خصوصاً بسلسلۂ تحفظ ختم نبوت رسالہ مسک الختام کو بندہ سے پڑھوا کر سنا اور نہایت اظہار مسرت فرمایا۔ حق سبحانہٗ وتعالیٰ توفیق مزید عنایت فرماوے۔ آمین!

نیز کتاب کوثر النبی کے متعلق آپ نے لکھا ہے تو گزارش ہے کہ کوثر النبی کے چار نسخے بندہ کو معلوم ہیں۔ جن میں سے تین کی توقع مل جانے کی ہوسکتی ہے۔ یعنی ایک نسخہ تو یہیں کتب خانہ شریف میں ہے اور ایک نسخہ قلمی محشی جدامجد مولوی فتح محمد صاحب مرحوم کا بندہ کے ملک میں ہے اور ایک نسخہ خانقاہ موسیٰ زئی شریف کے کتب خانہ میں ہے اور ایک نسخہ کڑی شموزی میں ہے جس کے متعلق غالب گمان ہے کہ خود مصنفؒ کا یہ نسخہ ہے۔ تین اخیری کی تو مل جانے کی امید کی جاسکتی ہے نیز بندہ کے پاس نبراس کا نسخہ قلمی جس پر مصنف کے منہیات بھی تحریر ہیں موجود ہے۔ نیز لغت کی مشہور پرانی کتاب مہذب الاسماء کا قدیمی قلمی نسخہ بھی بندہ کے پاس ہے۔ اسی طرح قلمیات کا ایک بڑا ذخیرہ معلوم ہے جو کہ وقتاً فوقتاً مفصلاً معروض ہوگا۔ ان شاءاللہ تعالیٰ!''

’’الصدیق‘‘ حضرت مولانا عطا محمد صاحب قبلہ نے جس ذرہ نوازہ اور علمی توجہ کا ثبوت دیا اس کے لئے الصدیق اور اس کا ادارہ مولانا کا شکریہ ادا کرنے سے قاصر ہے امید کہ وہ ہر اشاعت کے لئے قلمی خزائن کی ایک مختصر سی فہرست عنایت فرمایا کریں گے۔ نیز اگر وہ ’’کوثر النبی‘‘ کے یہ تینوں نسخے جن کے متعلق آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ مل سکتے ہیں، ہمیں بھجوا دیں تو ہم خیر المدارس والے نسخے کے ساتھ ان کا مقابلہ کر کے اور تصحیح کر کے کوشش کریں گے کہ یہ نادر قلمی ذخیرہ طبع ہو کر اہل علم کے ہاتھوں میں پہنچ جائے۔ بعد تصحیح تینوں نسخے ان شاء اللہ باحفاظت واپس ہوں گے۔ دوسرے اہل علم حضرات سے بھی یہ امید بے جا نہیں کہ وہ ہمیں اس قسم کی اطلاعات بہم پہنچا کر علم دوستی کا ثبوت دیں گے۔

(الصدیق ج۱ ش۲ ص۶، شعبان ۱۳۷۰ھ مئی ۱۹۵۱ء)

(۷) یحییٰ ساباطی سے متعلق مضمون پر مولانا طالوت کا نوٹ

’’مرزا غلام احمد قادیانی پہلا آدمی نہیں جس نے امت محمدیہ کو دھوکا دیا ہو بلکہ اس سے پہلے بھی اس کے بہت سے بھائی بند گزر چکے ہیں جنہیں تلبیس میں مرزا سے بھی بدرجہا زیادہ کمال حاصل تھا۔ پچھلی اشاعت میں...... آپ اخرس کے حالات پڑھ چکے ہیں۔ اب کے یحییٰ ساباطی کی ابلیسیت ملاحظہ فرمایئے اور دیکھئے کہ مرزا غلام احمد بیچارہ تو ان لوگوں کی گرد پا کو بھی نہیں پہنچ سکتا۔ پھر مرزائیوں کے لئے اگر حضرت مسیح ابن مریم علیہ السلام کے سواء کسی دوسرے مسیح کو ماننا ایسا ہی ضروری ہو گیا ہے جس کے بغیر ان کا کھانا ہضم نہیں ہو سکتا تو کم از کم کسی اخرس یا ساباطی ہی کو مان لیں۔ یہ غلام احمد چہ معنی دارد؟ جو بے کمالی میں بھی کامل نہیں تھا۔ (حماد رشید)

(الصدیق ج۱ ش۲ ص۲۵، بابت ماہ شعبان ۱۳۷۰ھ مئی ۱۹۵۱ء)

(۸) دو وقیع رائیں (شذرات)

مولانا عبدالماجد صاحب دریا آبادی مدظلہ نمونہ سلف اور باقیات الصالحات میں شمار ہوتے ہیں۔ آپ کی مستقل فلسفیانہ تصانیف اور تبلیغی تالیفات کے علاوہ ایک اور صدقۂ جاریہ بھی ہے جو عوام وخواص میں مقبول ہے۔ وہ ہے ہفتہ وار صدق، جو لکھنو سے برابر صداقتوں کی روشنی اکناف عالم تک پہنچا رہا ہے۔ ۱۸ر شعبان المعظم ۱۳۷۰ھ مطابق ۲۵ر مئی ۱۹۵۱ء کے صدق میں الصدیق کے متعلق یہ رائے ظاہر فرمائی گئی ہے۔‘‘ ملاحظہ ہو:

رسالہ الصدیق (ملتان) اڈیٹران مولوی حماد رشید وعبدالکریم صاحبان، سالانہ چندہ (پانچ روپے) فی پرچہ ۸/ پتہ دفتر الصدیق بیرون بوہڑ دروازہ ملتان (پاکستان)

یہ رسالہ حضرت صدیق اکبرؓ کے نام نامی سے منسوب ہے اور سرورق پر اسے ایک علمی تبلیغی اصلاحی ماہنامہ بتایا گیا ہے جس کا خاص مقصد الحاد ودہریت اور فرنگیّت اور عصر حاضر کے دوسرے فتنوں سے ملت اسلامیہ کو بچانا ہے۔ لیکن اصلی رخ ردمرزائیت ہی کی جانب ہے۔ چنانچہ مولوی محمد ادریس صاحب کاندھلوی کی کتاب ''مسک الختام'' اسی مبحث پر قسط وار اس میں شائع کی جارہی ہے دو افسانے بھی درج ہیں۔ ایک تاریخی رنگ کا اور عہد عباسیہ کے ایک مدعی نبوت اسحاق اخرس سے متعلق ہے جس کا مأخذ مخفی رکھا گیا ہے۔ علمی مضامین میں ام الکتاب کے زیرعنوان مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی کی تفسیر سورۂ فاتحہ قدیم طرز کی ہے۔ شذرات میں مغرب زدگی کے خلاف اچھا خاصہ زور قلم صرف کیا گیا ہے صدق کے بھی اقتباسات اس سلسلہ میں شامل کئے گئے ہیں۔ حصۂ نظم میں ماہر القادری کا ''پیام'' عاصی کرنالی کی ''آئینے'' اور فیض لدھیانوی کا ''ترانہ سحرگاہی'' خاصی تبلیغی قدروقیمت رکھتے ہیں۔

''چراغ راہ ایک علمی پایہ کا ادبی واسلامی مجلّہ ہے جو کراچی سے نکلتا ہے جسے ملک کے مشہور ومستند ادیب جناب نعیم صدیقی صاحب مرتب فرماتے ہیں۔ نعیم صدیقی کی انقلابی تحریریں دوست ودشمن سب سے خراج تحسین وصول کر چکی ہیں۔ الصدیق کے متعلق آپ کی رائے ملاحظہ ہو۔'' مبارک ہو گرد، گرما، گداؤ، گورستان کی دنیا سے اب ادب وصحافت کے سوتے بھی پھوٹنے لگے ہیں۔ ابھی ابھی ماہنامہ الصدیق کا اجراء زیرارادت حماد رشید صاحب عمل میں آیا ہے۔ ماہنامہ کا فکری محور کلمہ طیبہ کا انقلابی اصول وعقیدہ ہے۔ ادارتی نوٹ خاصے زوردار ہیں۔ مقالات میں سے مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی کا مسک الختام مسئلہ ختم نبوت کے دلائل پر مشتمل ہے۔ پھر شمالی افریقہ کے ''غلام احمد'' مسمی بہ ''اسحاق اخرس'' کا تذکرہ ہے جس کا سوانگ نسبتاً زیادہ ساحرانہ تھا۔ ''شہدائے بالاکوٹ کا خون'' میں افسانوی چاشنی کے ساتھ تاریخ کا ایک عبرتناک ورق پیش کیا گیا ہے۔ واحسرتا! ایک مسلمان اپنے دشمن کی خوشنودی کے لئے سید احمد شہید کو نذر کر سکتا ہے۔ مگر ایک گھوڑی نہیں دے سکتا۔ لیکن اسے وہ گھوڑی بھی دینی پڑی، اپنی جان بھی دینی پڑی اور اپنی ریاست بھی دینی پڑی۔

دیدی کہ خون ناحق پروانہ شمع را چنداں اماں نہ داد کہ شب را سحر کند

ام الکتاب کے عنوان سے مولانا محمد ادریس کاندھلوی کی لکھی ہوئی سورۂ فاتحہ کی تفسیر بھی شریک اشاعت ہے۔ پھر طالوت، ماہر القادری اور عاصی کرنالی جیسے پختہ فکر شعراء کی نظمیں ہیں۔ فیض لدھیانوی کا ترانہ سحر گاہی اور لطیف انور کی چوتیسیاں اوسط درجے کی ہیں۔

چندہ سالانہ پانچ روپے، فی پرچہ آٹھ آنے، مقام اشاعت: صدیقیہ کتب خانہ بیرون بوہڑ دروازہ ملتان شہر

یہ دونوں رائیں عوام کی رائیں نہیں بلکہ خواص کی رائیں ہیں اور ہمیں فخر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہمیں یہ توفیق نصیب ہوئی کہ ہم اپنے آپ کو اس رنگ میں پیش کر سکے۔ دعا ہے کہ آئندہ بھی اللہ تعالیٰ جل ّ ذکرہٗ ہمیں تبلیغ دین اور مساعی اصلاح میں اس سے بڑھ کر توفیق عطاء فرمائیں۔ آمین! (رمضان، شوال ۱۳۷۰ھ جون، جولائی ۱۹۵۱ء ص۵،۶)

(۹) جواب تلخ مے زیبد

مرزا غلام احمد قادیانی اوّل اوّل مدعیٔ نبوت یا مجددیت نہیں تھے۔ وہ سب سے پہلے مبلغ اسلام کے رنگ میں ظاہر ہوئے اور پادریوں سے مناظرے کرتے رہے۔ پھر پادریوں کے ساتھ ساتھ آریوں سے بھی مناظرے شروع ہوگئے اور یہیں سے انہیں گالیاں کھانے کی عادت پڑ گئی۔ چنانچہ زبان سے جب معاملہ قلم تک پہنچا تو یہ عادت اور پختہ ہوگئی۔ مناظرانہ رنگ میں الزامی جوابات بڑے کام کی چیز سمجھے جاتے ہیں اور الزامی جوابات میں زبان کی تلخی وترشی اس رنگ کو اور بھی نکھار دیتی ہے۔ چنانچہ آپ کی تحریرات میں بھی پادریوں اور آریوں کی تحریرات کی طرح گالیوں کی بھرمار ہے۔ پھر جب انہیں مجدد بننے کا شوق ہوا اور مجددیت کے بعد قصر نبوت کے لئے پر زادہ پکنے لگا تو مسلمانوں سے بھی جھڑپیں شروع ہوگئیں اور انہوں نے بقول کسے حیا کی آنکھیں بند اور بے حیائی کا منہ کھول کر وہ وہ گالیاں تصنیف فرمائیں کہ آج تک:

خانہ انگشت بدنداں ہے اسے کیا کہیئے

کہیں وہ اپنے مخالف مسلمانوں کو ذریۃ البغایا (کنجریوں کی اولاد) کہہ رہے ہیں اور کہیں ان کی عورتوں کو کتیا سے تعبیر فرماتے ہیں۔ کہیں مولوی حضرات کو بدذات کا لقب عنایت ہوتا ہے تو کہیں مخالفین کو ولدالحرام تک کہہ گزرتے ہیں۔ کسی جگہ لعنت لعنت کا ورد

شروع کرتے ہیں تو صفحات کے صفحات الٹ جائیے یہ ورد ختم ہی ہونے میں نہیں آتا۔ غرض گالی دینے کے فن میں آپ نے اس قدر ترقی کی کہ کوئی دوسرا ان کی گرد پا کو بھی نہیں پہنچ سکتا۔ شاید اسی فن میں ہی انہوں نے تجدید ونبوت کا دعویٰ کیا ہو تو پھر ان کے سچے ہونے میں کیا شبہ ہوسکتا ہے۔ گالیاں دینے کے وہ مجدد ہی نہیں رسول ہیں اور اس میں تو شک نہیں کہ انہوں نے جس جدید علم کلام کے لانے کا دعویٰ فرمایا ہے وہ بھی سبابی وشتامی کا فن ہے اور یہی وہ فن ہے جس میں ان کی امت نے ترقی کے مدارج طے کئے ہیں۔ چنانچہ ان کے اخبار اور دوسری تحریرات کو ملاحظہ فرمائیں تو یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ گالیاں دینا ان کے ہاں ان کے نبی کی سنت ہے اور مرزائی اس پر عمل پیرا ہیں۔

''الصدیق'' نے بھی مرزائیت کی تردید کے خارزار میں قدم رکھا تو پھر یہ کیسے ممکن تھا کہ اس کے تلوؤں کو سب وشتم کے کانٹوں سے چھلنی نہ بنایا جاتا۔ چنانچہ سندھ اور ڈیرہ غازی خان کے کئی ایک مرزائیوں کے ''گالیوں بھرے'' خطوط ہمیں پہنچے اور ہمیں بجائے غصہ آنے کے ان حضرات کے غصہ پر خوشی محسوس ہوئی:

ان کو آتا ہے پیار پر غصہ مجھ کو غصے پر پیار آتا ہے

ایک تو خوشی اس لئے محسوس ہوئی کہ اس سے اتنا تو معلوم ہوگیا کہ ہماری سعی مشکور ہوگئی۔ آخر ہمارے تبلیغی دلائل کا کچھ تو وزن ہے جس کے جواب میں دلیل کی بجائے گالی سے خانہ پری کی گئی۔

دوسرے اس لئے کہ مرزائیوں کو عموماً ہمارا لٹریچر پڑھنے سے روکا جاتا ہے اور ان پر وہ وہ آمرانہ پابندیاں عائد ہیں کہ وہ کسی غیر مرزائی کی تحریر کو پڑھنا تو بجائے خود ماند دیکھنا اور چھونا تک پسند نہیں کرتے اور جب ہماری تحریریں ان کی نظر سے گزر رہی ہیں اور اس کے جواب میں ''وہ گالیاں فرما'' رہے ہیں تو ہمیں یقین ہے کہ حق، نیک اور سعید طبائع پر اثر کئے بغیر نہیں رہے گا۔ آج نہیں تو کل، کل نہیں تو پرسوں ایسے حضرات کو اپنی غلطی کا احساس ہوگا اور وہ گالیاں دینے والے نبی کی بجائے نبی الرحمۃ کے سائے میں آجائیں گے۔ جو گالیاں دی جائیں تو کہا کرو: ''اللّٰھم اھد قومی فانھم لایعلمون''

چنانچہ ہم بھی ان ''گالی نواز'' مرزائی حضرات کی گالیوں کے جواب میں یہی کلمۂ خیر پڑھتے ہیں اور عرض کرتے ہیں کہ آپ نے اپنے نبی کی سنت پر عمل کر کے ہمیں گالیاں

دیں اور ہم نے اپنے نبی (فداہ ابی وامی) کی سنت پر عمل کر کے آپ کو دعا دینا مناسب سمجھا۔ البتہ ایک آدھ خط ایسا بھی ہے جہاں اس دعا کے بعد...... یہ شعر پڑھنا بھی ضروری ہے:

بدم گفتی وخور سندم عفاک اللہ نکو گفتی　　جواب تلخ مے زیبد لب لعل شکر خارا

(الصدیق ج۱ ش۳،۴ص۵تا۸، رمضان شوال ۱۳۷۰ھ جون جولائی ۱۹۵۱ء)

(۱۰) کیا فرماتے ہیں؟ مدعیان اجرائے نبوت!

اقصائے پنجاب (ڈیرہ غازی خان) کی ایک خبر ملاحظہ فرمائیے:

ڈیرہ غازی خان ۱۰؍اپریل (۱۹۵۱ء) ڈیرہ غازی خان گورنمنٹ سکول کے سائنس ماسٹر محمد حمید صاحب ہسپتال میں زخمی حالت میں پڑے ہوئے ہیں۔ واضح رہے کہ انہیں کبھی کبھار دماغی دورہ ہوجاتا تھا۔ اس دماغی دورہ کے زیراثر آپ نے اپنی نوجوان بہن کو کلہاڑے سے قتل کردیا اور ازاں بعد اپنے آپ پر بھی کہلاڑے کے وار کئے اور شدید زخمی ہوکر زمین پر گر پڑے۔

کہا جاتا ہے کہ وقوعہ سے کچھ پہلے سائنس ماسٹر صاحب فرمانے لگے کہ میں خدا کا فرستادہ پیغمبر ہوں جس پر بہن نے کہا کہ تم کفر کہہ رہے ہو۔ اس پر پیغمبر صاحب نے اپنی ہتک گردانتے ہوئے بہن پر کلہاڑے سے وار کر کے اسے ڈھیر کردیا۔ (نامہ نگار)

سچے پیغمبر کے احکام کو جو نہ مانے اور اسلام لانے کے بعد ارتداد اختیار کرے اس کی سزا اسلام میں قتل ہے۔ لیکن ہمارے مرزائی بھائی بنابریں اس مسئلہ کو نہیں مانتے کہ انہیں خطرہ ہے کہ زودیابدیر وہ مرتد ثابت ہوکر رہیں گے اور پھر کہیں ایسا نہ ہو کہ انہیں ایسی سنگین سزا کا سامنا کرنا پڑے۔ مگر اجرائے نبوت سے جب انہیں ہر مدعی نبوت پر ایمان لانا پڑے گا تو اس کے احکام کی پابندی بھی کرنی ہوگی۔ اس نئے نبی نے اپنے نہ ماننے والوں کو واجب القتل گردانا ہے اور اپنے عمل سے یہ ثابت کردکھایا ہے۔ اب مرزائیوں کے لئے نہ جائے ماندن نہ پائے رفتن۔ اگر اس نبی کو مانتے ہیں تو ہر مسلمان ان کے نزدیک واجب القتل ہوجاتا ہے اور نہیں مانتے تو خود اپنے واجب القتل ہونے پر فتویٰ صادر کرنا ہوگا۔ کہئے کیا ارادہ ہے؟ اور کیا فتویٰ ہے؟ اس نئے نبی کی نبوت کے متعلق؟

(الصدیق ج۱ ش۳،۴ص۹، رمضان شوال ۱۳۷۰ھ جون جولائی ۱۹۵۱ء)

(۱۱) اخبار و افکار

الصدیق کی مقبولیت اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے روز افزوں ہے اور ہم بھی اس کو مقبول عام بنانے کے لئے مزید مشوروں اور تجاویز پر عمل درآمد کر رہے ہیں۔ بہت سے مذہبی اور علمی حلقوں کی خبریں ایسی ہوتی ہیں جن کا قارئین تک پہنچا دینا ہی کافی ہوتا ہے اور وہ خبریں خود آپ اپنا تبصرہ ہوتی ہیں۔ اس لئے ''اخبار و افکار'' کا مستقل عنوان ہم اس کام کے لئے شروع کر رہے ہیں۔ ان شاء اللہ! ہر ماہ اس عنوان کے ماتحت مذہبی و علمی حلقوں کی خصوصی خبریں آپ کی نظر سے گزرا کریں گی۔ (مدیر)

(۱۲) انسان تو انسان جن بھی مرزائیت کے خلاف ہو گئے

ڈیرہ غازی خان بذریعہ ڈاک۔ بشارت احمد ولد ملک رسول بخش مرزائی صبح نہر پر نہانے گیا۔ جب نہر کی پٹڑی پر چڑھا تو اچانک دو جن انسانی شکل میں نمودار ہوئے ان کی داڑھیاں سفید لمبیں اور چھوٹے قد تھے۔ ایک نے دوسرے سے کہا کہ بشارت احمد مرزائی ہے۔ اسے نہر میں ڈبو دیں۔ دوسرے نے جواب دیا نہیں، یہ مرزائیت سے تائب ہو جائے گا اور اگر نہ ہوا تو اس کی گردن مروڑ دیں گے۔

بشارت احمد مرزائی یہ گفتگو سن کر گھبرا گیا اور ڈر کر گھر کی طرف بھاگا جن روپوش ہو گئے اور بشارت احمد مرزائی اس وقت سے لے کر اب تک یہی کہتا ہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی دجال ہے۔ حضور رسول اللہ ﷺ خاتم الانبیاء ہیں۔ مرزا قادیانی کافر ہے۔ خلیفہ بشیرالدین محمود انگریز کا ایجنٹ ہے۔ میں احراری ہوں۔ امیر شریعت زندہ باد۔

بشارت احمد کو ایک رات جیل میں رکھا گیا تاکہ کوئی نقصان نہ کرے۔ لیکن اب اسے اس کا والد گھر لے آیا ہے۔ سول سرجن صاحب علاج کر رہے ہیں۔ بشارت احمد مرزائی ملک عزیز احمد وکیل امیر جماعت مرزائیہ ڈیرہ غازی خان کا بھتیجا ہے اور اس سال بی۔اے کا امتحان دے رکھا ہے۔ ۲۵ بلاک ڈیرہ غازی خان میں رہتا ہے۔

(۱۳) گورنمنٹ کالج منٹگمری میں مرزائیت

گورنمنٹ کالج منٹگمری جدید تعمیر ہو رہا ہے ۲۲ لاکھ روپیہ گورنمنٹ عمارات پر صرف

کررہی ہے۔ یہ کالج پنجاب کے بہترین کالجوں میں شمار کیا جارہا ہے۔ زندہ دلان منٹگمری نے اس کا نام سرسید کالج تجویز کرنے کی سفارش کی ہے۔ مگر حقیقت حال یہ ہے کہ کالج کے سینکڑوں مسلمان طلبہ کے لئے مرزائی پروفیسروں کا گروپ اپنا کام کرنے کے لئے جمع کردیا گیا ہے سارے کالج میں صرف دس بارہ مرزائی لڑکے ہوں گے اور پروفیسر پانچ مرزائی ہیں۔ ہیڈ کلرک مرزائی ہے۔ کالج میگزین ''ساہیوال'' کا انچارج مرزائی ہے اور ''ساہیوال'' کے انگریزی ایڈیشن میں مرزائیوں کے اخبارات لاہوری جماعت کے پرچہ کے اقتباسات ومضامین شائع کئے جاتے ہیں۔

اردو حصہ میں مذہبی حلقوں اور ''دینی رجحانات'' کے خلاف مضامین الحادودہریت پر مشتمل شائع ہوتے ہیں۔ یہ ''مرزائی ٹولی'' ایک طرف مسلمان پروفیسروں اور اساتذہ کے خلاف محاذ بنا کر اپنا الو سیدھا کرتے ہیں۔ دوسری طرف سیدھے سادے انجان اور مذہب سے ناواقف طلبہ کو مرزائیت کی تبلیغ کرتے ہیں۔ گورنمنٹ سے استدعا ہے کہ وہ گورنمنٹ کالج منٹگمری سے مرزائی عنصر کو پاک کر کے مسلمانان منٹگمری کے قلوب کو مطمئن کرے اور مسلمان طلبہ کے ایمان پر ڈاکہ ڈالنے والے سازشی گروہ کا احتساب کرے۔ پہلی قسط میں سردست ہم اسی قدر گزارشات شائع کررہے ہیں۔ اگر حکومت نے اس طرف توجہ نہ کی تو دوسری قسط شائع ہوگی اور شہر وضلع منٹگمری کے عوام اور مذہبی حلقے زبردست احتجاج کرنے پر مجبور ہوں گے۔

(۱۴) مظفرآباد دارالحکومت آزاد کشمیر میں شاندار لائبریری کا افتتاح

مظفرآباد جسے آزاد کشمیر کا دارالحکومت ہونے کا فخر حاصل ہے۔ انقلاب کشمیر کے بعد دنیا بھر کے لوگوں کے لئے ایک جاذب نظر واہم مقام بن گیا ہے۔ حکومت آزاد کشمیر نے دارالحکومت کو ایک نمونہ کا شہر بنانے کا تہیہ کرلیا ہے خصوصیت کے ساتھ جب سے موجودہ ڈپٹی کمشنر صاحب یحییٰ خان عبدالحمید خان صاحب تبدیل ہوکر آئے ہیں۔ شہر کی حالت میں کافی تبدیلی پیدا ہوکر ترقی کے منازل طے کررہا ہے۔ یہ ان کی ان تھک کوششوں کا نتیجہ ہے کہ اس پسماندہ اور تعلیم سے بہت کم دلچسپی لینے والے علاقہ میں ایک لائبریری وریڈنگ روم کی عمارت تعمیر ہوچکی ہے۔ جس کا افتتاح بہت جلد ہورہا ہے۔ آزاد کشمیر کے عوام اور ان کے ہمراہ برادران پاکستان نے اب تک جس قدر محبت اور اخوت کا ثبوت دیا ہے وہ ظاہر ہے۔

یہ حقیقت کہ ڈوگرہ مظالم کی وجہ سے آزاد کشمیر کے عوام کی حالت اس قدر تباہ ہو چکی تھی کہ اگر پاکستانی بھائی بروقت امداد نہ کرتے کرتے تو نہ معلوم آج کیا نقشہ نظر آتا۔

اب یہاں کے عوام کی ذہنی ترقی اور دینی اور دنیاوی بہبودی کے لئے لائبریری وریڈنگ روم کا افتتاح عمل میں لایا جارہا ہے۔ ان ہی جذبات کے تحت ہم اپنے تمام پاکستان کے اخبارات ورسائل کے مالکان کی خدمت میں اپیل کررہے ہیں کہ وہ اپنے اخبار ورسائل آزاد لائبریری کے نام اس وقت تک مفت جاری فرماکر عنداللہ ماجور ہوں جب تک کہ مالی حالات درست نہیں ہوجاتے۔ جوں ہی کہ حالات استوار ہوئے معاوضہ بھی ادا کردیا جائے گا۔ کارکنان لائبریری نہایت شکریہ کے ساتھ آپ کی اس فیاضی کا خیر مقدم کریں گے۔

(سیکرٹری آزاد لائبریری مظفرآباد)

(۱۵) احمدیوں سے ترجیحی سلوک کیوں

پیشتر ازیں میں نے محکمہ پولیس کے ذمہ دار افسران کی خدمت میں تحریر کردیا ہے کہ جماعت احمدیہ ربوہ کا ایک تجارتی ادارہ غالباً احمدیہ ٹریڈنگ کمپنی کے نام پر امرتسر کے شہر میں تجارت کررہا ہے۔ شاید ہال بازار میں باقاعدہ ایک دفتر قائم کیا ہے اور اس میں ٹیلیفون لگا ہوا ہے۔ ماہ جنوری ۱۹۵۱ء میں لاہور سے نصف شب کے قریب وہاں پر روزانہ ٹیلفون کیا جاتا ہے جس کی ادائیگی ماہانہ صورت میں پہلے جمع کرادی گئی تھی اور احمدی لوگ آزادانہ طور پر امرتسر میں تجارت کرتے ہیں تو گویا جو مسلمان لوگ امرتسر سے پاکستان میں منتقل ہوئے ہیں ان میں اور احمدی حضرات میں کوئی خاص فرق ضرور ہے۔ مذہبی اور سیاسی طور پر احمدی لوگ مسلمانوں سے یقیناً مختلف ہیں۔ کیونکہ مسلمان وہاں سے نکل آنے پر مجبور تھے اور وہ احمدی جو مشرقی پنجاب میں آباد ہیں۔ وہ وہاں پر بخوشی رہتے ہیں اور تجارت بھی کرتے ہیں۔ بلکہ قادیان سے امرتسر میں مختلف کھیلوں کے ہندو اور سکھوں سے باہمی میچ کھیلے جاتے ہیں اور آزادانہ طور پر راہ ورسم ہے۔ اگر جماعت احمدیہ کو اسلام کا ہی کوئی فرقہ یقین کیا جائے تو یقیناً صورت حالات وہاں پر مختلف ہوتی تو پھر کیا وجہ ہے کہ جماعت احمدیہ کو یہاں پاکستان میں اسلام کا ایک فرقہ مانا جائے اور ان کو حکومت پاکستان میں اس قدر گہرا اثر ورسوخ نصیب ہو اور پھر ان پر کلی طور پر اعتماد کیا جائے۔ احمدی ایک سیاسی جماعت بھی تسلیم کی جاچکی ہے تو پھر

کیا یہ ممکن نہیں ہوسکتا کہ فون پر تجارتی گفتگو کی بجائے کوئی سیاسی اور ضرر رساں پیغام ہوں۔

میں حکومت پاکستان سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ جماعت احمدیہ کے کردار اور افعال پر سیاسی طور پر گہری نظر رکھے اور پاکستان کے ان وفادار مسلمانوں کے مفاد کو ہمیشہ جماعت احمدیہ پر ترجیح دیں۔ نہ جانے کیا کیا کچھ قربان کر کے مسلمانوں نے اس نعمت غیر مترقبہ کو حاصل کیا ہے۔

(۱۶) ربوہ سے تین مرزائی لڑکیوں کو غنڈوں نے اغواء کرلیا

مگھیانہ (بذریعہ ڈاک) پرسوں مسجد قاضیاں والی (جھنگ صدر) میں فیروز دین مہاجر گورداسپوری سابقہ خاندانی مرزائی نے بتایا کہ میں عرصہ ڈیڑھ سال سے ربوہ کے ایک کنوئیں پر کھیتی باڑی کا کام کرتا رہا ہوں۔ گزشتہ ہفتہ رجوعہ کے چند نوجوانوں نے ربوہ سے اچانک تین لڑکیاں اٹھائیں۔

مرزائیوں نے ربوہ میں پوچھ گچھ کرنے کے بعد مجھ پر الزام لگادیا کہ میں اس سازش میں شریک تھا۔ چنانچہ مجھے کنوئیں سے ہٹا دیا گیا اور میری ایک ہزار روپے کی آلو کی فصل ضبط کر کے مجھے زمین سے بے دخل کردیا۔ میں اس ظلم وستم اور بے انصافی کی بناء پر جماعت مرزائیہ سے علیحدہ ہوتا ہوں اور اسلام قبول کر کے گزشتہ گناہوں سے توبہ کرتا ہوں۔

(نمبرات ۱۰ تا ۱۵ ’’الصدیق‘‘ ج۵۱ ص۴۵ تا ۴۸، ذیقعدہ ۱۹۷۰ مطابق اگست ۱۹۸۱ء)

(۱۷) غلام احمدیت کا خبث

مرزائیت اور غلام احمدیت ایک شجرۂ خبیثہ ہے جو بفحوائے آیۂ کریمہ: ’’اجتثت من فوق الارض‘‘ اس طرح اگ آیا ہے جیسے بقول شاعر:

زمین ترقید پیدا شد سرخر

مرزا غلام احمد بانیٔ غلام احمدیت نے اپنے تعفن بھرے لٹریچر میں جو گند بکھیرا ہے اس کی بدبو سے آج تک لوگوں کے دماغ پھٹے پڑتے ہیں۔ سارے کا سارا لٹریچر گندی گالیوں، بیجا شیخی کی باتوں اور گھٹیا قسم کی اشتہار بازیوں سے بھرا ہوا ہے۔

بڑے میاں سو بڑے میاں، مگر جب چھوٹے میاں کی باری آئی تو انہوں نے ہر اسلامی اصطلاح کو اپنے اوپر چسپاں کرنے کی کوشش کی۔ بڑے میاں نبی ورسول ہونے کے

دعوے دار تھے تو چھوٹے میاں خلیفے کہلائے۔ بڑے میاں کی گھروالیاں امہات المؤمنین کہلائیں۔ ان کے گرہ کٹ ساتھیوں کو صحابی کے نام سے یاد کیا گیا۔ وغیرہ وغیرہ اور جب خبث باطن بڑھا تو غلام احمد کو صحابہ تو کیا حضور آقائے دوجہاں سے بھی افضل بتلا دیا گیا اور اس کی تعبیریوں کی گئی کہ غلام احمد کی نبوت کو حضور کی بعثت ثانیہ قرار دیا گیا اور چونکہ غلام احمد سائنس اور ترقی کے زمانہ میں پیدا ہوا۔ اس لئے یہ بعثت پہلی بعثت سے زیادہ ترقی یافتہ بتلائی۔ گویا دوسرے لفظوں میں غلام احمد کو حضور سے افضل مانا گیا۔ مگر سیدھے ہاتھ سے ناک کو ہاتھ لگانے کی بجائے ہاتھ کو گردن کے پیچھے کی طرف لے جاکر ناک کو پکڑا گیا تاکہ تاویل کی گنجائش نکل سکے۔ اب یہ خبث بڑھتے بڑھتے یہاں تک پہنچ گیا ہے کہ تحریک جدید میں حصہ لینے والوں آنکھ کے اندھوں اور گانٹھ کے پوروں کو نہ صرف یہ کہ صحابہ کا درجہ دیا جارہا ہے بلکہ ان سے افضل مانا جارہا ہے۔ خلیفہ بشیرالدین محمود کے کشکول گدائی میں ٹکا ڈال دو تو دنیا بھر کی فضیلتیں اجارہ داری کے طریقہ پر تمہیں حاصل ہو جائیں گی۔

۲؍ستمبر کو قادیان میں یوم تحریک جدید پر جلسہ ہوا جس کی روئداد ۱۱؍ستمبر ۱۹۵۱ء کے الفضل میں شائع ہوئی ہے۔ روئداد لکھنے والے کوئی چوہدری فیض احمد گجراتی ہیں جو بطور درویش قادیان میں مقیم ہیں۔ وہ مولوی مبارک علی واقف زندگی کی تقریر میں اس نامبارک مولوی کی طرف ذیل کے الفاظ منسوب کر کے لکھتے ہیں ذرا غور سے پڑھئے: ’’تحریک جدید میں وقف زندگی کوئی نئی چیز نہیں بلکہ یہ وہی چیز ہے جس پر رسول کریم ﷺ کے صحابہ نے عمل کیا تھا۔ فرق صرف یہ ہے کہ اس زمانہ میں کوئی معین پروگرام مرتب نہ ہوا تھا اور اب اس کا باقاعدہ پروگرام مرتب ہو چکا ہے۔‘‘ (الفضل قادیان ج۵ نمبر۳۹، ۱۱؍ستمبر ۱۹۵۱ء ص۵ کالم۲)

سن لیا آپ نے؟ صحابہ ؓ کے کام بے ترتیب اور بے پروگرام تھے اور اب بشیرالدین محمود جیسے اخلاقی مجرموں کے کام بڑے مرتب اور پروگرام کے تعین کے ساتھ ہوتے ہیں۔ اب اس سے یہ نتیجہ نکالنا آپ کا کام ہے کہ مرتب پروگرام والے کاموں کو افضلیت حاصل ہے یا بے ترتیب کاموں کو۔

اصل بات یہ ہے کہ مرزائی الفاظ کے ہیر پھیر میں اپنے خبث باطن کو چھپاتے ہیں۔ حقیقتاً وہ مرزاغلام احمد کو حضور ختمی مرتبت ﷺ سے افضل سمجھتے ہیں اور موجودہ خلیفہ کے معاونین کا درجہ صحابہ ؓ سے بڑھ کر جانتے ہیں۔

اس پر بھی ہمارے بعض کرم فرماؤں کو اصرار ہے کہ انہیں علیحدہ اقلیت نہ قرار دیا جائے۔ (الصدیق ج۲ ش۱،۲ص ۹ تا ۱۱، محرم، صفر ۱۳۷۱ھ اکتوبر، نومبر ۱۹۵۱ء)

(۱۸) کربلائے ست سیر ہر آنم

مرزائیوں نے دنیا کو ایسا احمق سمجھ رکھا ہے کہ وہ بغیر اس بات کا خیال کئے کہ آخر لوگ تھوڑی بہت عقل تو رکھتے ہی ہیں، ایک دیوانہ کو برابر نبی اور دیوانہ کی بڑ کو الہام کے نام سے پکارے جاتے ہیں اور لطف یہ کہ ہماری آزاد سلطنت خداداد کے اندر اس دیوانے کا دل آزار لٹریچر برابر شائع ہو رہا ہے۔ محرم نمبر کے سلسلہ میں ہمیں اس قادیانی دیوانے کا ایک پرانا شعر یاد آ گیا ہے جس کا ایک مصرع طرازِ عنوان ہے۔ پورا شعر یوں ہے:

کربلائے ہست سیر ہر آنم　　صد حسین است در گریبانم

(نزول المسیح ص۹۹، خزائن ج۱۸ ص۴۷۷)

مگر یہ ہر آن کربلا کی سیر کرنے والا اور سو حسین گریبان میں رکھنے والا کون ہے؟ آپ کو معلوم بھی ہے یہ وہی غلام ابن غلام ابن غلام ہے جس نے کہا تھا مجھ پر اور میری ذریت پر گورنمنٹ برطانیہ کی اطاعت فرض ہے۔

عمر بھر میں ایک کربلا دیکھنے والے نے تو ایک فاسق فاجر مسلمان کی بیعت سے انکار کر دیا تھا۔ مگر ہر آن کی کربلا کی سیر کرنے والا ایک کافر کے ہاتھ پر نہ صرف خود بیعت کر بیٹھا بلکہ اپنی ذریت کو بھی ساتھ ہی پیش کر دیا۔ کربلا کے حسینؓ نے تو ابن زیاد کے سارے لشکر کی پروا نہیں کی تھی مگر سو حسین گریبان میں ڈالنے والا مسٹر ڈوئی کے اشارۂ چشم و ابرو ہی سے ڈر گیا اور آئندہ الہام شائع نہ کرنے کا وعدہ کر بیٹھا۔ کربلا کے حسینؓ مظلوم نے تو حق کی راہ میں اپنے جگر کے ٹکڑے تک پیش کر دیئے تھے۔ مگر اس سیاح کربلا نے اسلامی تبلیغ کے نام پر چندہ جمع کر کر کے وہ جائیداد بنائی جو اس کے پوتوں پڑپوتوں میں تقسیم کے بعد بھی ان کی عیاشیوں کے لئے کافی ووافی ہے۔ کرب و بلاء میں مبتلاء ہونے والے حسینؓ نے تو جان دے دی مگر آن پر حرف نہ آنے دیا۔ سیر ہر آن کے دعوے دار نے عمر بھر آن بیچی اور جان پر آنچ نہ آنے دی۔ جہاد کو حرام کہہ کر اپنی اور اپنے حواریوں کی جانیں محفوظ کر لیں۔ کیونکہ اگر جہاد

حلال رہتا تو بسا ممکن تھا کہ کسی نہ کسی وقت کوئی نہ کوئی کرب وبلاء میں مبتلاء ہو جائے:

ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بہ کجا

(الصدیق ج۲ ش۱،۲ ص۱۱، محرم، صفر ۱۳۷۱ھ، اکتوبر، نومبر ۱۹۵۱ء)

(۱۹) اخبار وافکار (حضرت علامہ اقبالؒ کے ارشادات)

ذاتی طور پر میں اس تحریک سے اس وقت بیزار ہوا تھا۔ جب ایک نئی نبوت...... بانی اسلام کی نبوت سے اعلیٰ تر نبوت...... کا دعویٰ کیا گیا اور تمام مسلمانوں کو کافر قرار دیا گیا۔ بعد میں یہ بیزاری بغاوت کی حد تک پہنچ گئی۔ جب میں نے تحریک کے ایک رکن کو اپنے کانوں سے آنحضرت کے متعلق نازیبا کلمات کہتے سنا۔ درخت جڑ سے نہیں پھل سے پہچانا جاتا ہے۔ اگر میرے رویہ میں کوئی تبدیلی پیدا ہوئی ہے تو یہ بھی ایک زندہ اور سوچنے والے انسان کا حق ہے کہ وہ اپنی رائے بدل سکے۔ (بیان علامہ اقبال ''حرف اقبال'' ص۱۳۱)

(۲۰) یہ اجازت ارتداد کب تک

لاہوری مرزائیوں کے ہفتہ وار آرگن ''پیغام صلح'' نے اپنی تازہ اشاعت ۵؍ستمبر کے پہلے صفحہ پر جلی حروف میں یہ خبر شائع کی ہے۔ ووکنگ ۱۵؍اگست ۱۹۵۱ء امام مسجد ووکنگ کو دن بدن تمام عالم میں بالعموم اور انگلستان میں بالخصوص بڑی وقعت اور اہمیت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ ہائی کمشنر فار پاکستان متعینہ انگلستان کے پاس جب بھی کوئی ایسا مسئلہ جس کا تعلق مذہب سے ہوتا ہے پیش آتا ہے تو وہ ہمیشہ استصواب رائے کے لئے امام صاحب مسجد ووکنگ کی خدمت میں پیش کر دیتے ہیں۔ اسلام کے متعلق کوئی بات ہو اس میں ہمیشہ امام صاحب کی رائے اور امداد طلب کی جاتی ہے۔ حکومت پاکستان کے ایئر فورس کے طلباء کی مذہبی تعلیم کا تمام کام مسجد ووکنگ کے سپرد ہے لیکن اب آہستہ آہستہ دیگر اسلامی حکومتیں بھی ایسے تمام امور میں اپنی رہنمائی مسجد ووکنگ سے حاصل کرتی ہیں۔

خبر کے جلی الفاظ قابل غور ہیں کہ کس طرح لندن میں بیٹھ کر مسلمانوں کو ارتداد کے ایندھن میں ڈالنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

سوال یہ ہے کہ آیا یہ سب کچھ حکومت پاکستان کے علم کے ساتھ ہو رہا ہے۔ کیا حکومت پاکستان نے پاکستان اور اسلام کے ان غداروں کو الحاد اور ارتداد کی اس قدر کھلی

چھٹی دے رکھی ہے کہ وہ ہر اس شخص کو جو سرکاری یا غیر سرکاری مقصد سے لندن جاتے ہیں، اس غلاظت کا شکار ہونا پڑے۔ اگر حکومت پاکستان کو ان کوائف کا علم ہے اور وہ دیدہ ودانستہ خاموش ہے تو یہ انتہائی افسوسناک ہے کہ ایک اسلامی ریاست کے اندر اور باہر ایسے فریبی موجود ہیں جو مسلمانوں کو دام تزویر میں پھنسا کر اسلام سے دور لے جائیں۔ اس اسلام سے جس کے نام پر پاکستان کی بنیادیں استوار کی گئیں۔

کیا یہ معنی خیز بات نہیں کہ حکومت پاکستان کا سفیر ہر مذہبی معاملہ میں امام مسجد ووکنگ سے (مسجد جو تبلیغ مرزائیت کا اڈہ ہے) رائے پوچھے اور ایئر فورس کے تمام جوانوں کو مذہبی تعلیم کے نام پر دوزخ کی راہ پر لے جایا جائے۔ یہاں پر سوال صرف مذہبی عقیدے کا ہی نہیں بلکہ ایک ایسی مملکت کی سلامتی، دفاع اور تحفظ کا ہے جس کو اتنی بڑی قربانی کے بعد حاصل کیا گیا ہے کہ تیرہ سو سال کی پوری اسلامی تاریخ نظیر پیش نہیں کرسکتی۔

اب جب کہ یہ حقائق روز روشن کی طرح دنیا کے سامنے آچکے ہیں کہ:

۱...... مرزائی اسلام سے کوئی تعلق نہیں رکھتے۔ بلکہ ہر غیر مرزائی کو کافر، زناکار، کنجریوں کی اولاد، ولدالحرام اور ان کی عورتوں کو کتیا سمجھتے ہیں۔

۲...... کسی غیر مرزائی کا جنازہ ان کے عقیدہ میں داخل نہیں۔ چنانچہ سر ظفر اللہ نے قائد اعظم کا جنازہ نہیں پڑھا۔

پھر ان سے راہ و رسم بڑھانا، سفیر پاکستان کا ان کے امام صاحب سے استصواب رائے کرنا اور ایئر فورس کے نوجوانوں کی مذہبی تعلیم ان کے سپرد کرنا خطرناک غلطی نہیں تو اور کیا ہے۔

لیکن اگر یہ سلسلہ حکومت پاکستان کے علم کے بغیر چل رہا ہے تو حکومت کا یہ فرض ہے کہ ارتداد کے اس سیلاب کو فوراً روکے۔ سفیر پاکستان متعینہ انگلستان کو تنبیہ کرے کہ آئندہ کسی معاملہ میں بھی مرزائی امام سے استصواب نہ کرے۔ کیونکہ وہ ہمیشہ غلط رہنمائی کرے گا اور سرکاری طور پر یہ اعلان کرے کہ ایئر فورس کے نوجوان اپنی مذہبی تعلیم کے لئے ووکنگ مسجد نہ جائیں بلکہ اس کے لئے کسی مسلمان عالم کو مقرر کیا جائے۔

حکومت پاکستان سے ایک جائز مطالبہ ہے اور ہمیں امید ہے کہ حکومت اس طرف فوراً توجہ کرے۔

(۲۱) بلائیں زلف جاناں کی

مکرمی جناب ایڈیٹر صاحب آزاد لاہور، سلام مسنون اب کے جمعہ کو یہاں مرزائیوں نے ایک ناواقف غریب اور کمزور مسلمانوں کو طرح طرح کے دھوکے دے کر مرزائی بنایا ہے اور وہ برابر اسی طرح ان حالات میں بھی مسلمانوں کے ایمانوں پر ڈاکہ ڈالتے رہتے ہیں۔ عام مسلمان درکنار بعض افسران تک کو مرزائی متاثر کئے ہوئے ہیں۔ چنانچہ محمد حسین نامی نوجوان طالب علم کو سیالکوٹ سے محض ایک مبینہ مرزائیوں کے خلاف معمولی سے اشتہار پر گرفتار کر کے لانا اور سیفٹی ایکٹ میں مقدمہ چلانا اس کا ثبوت ہے۔ گزشتہ اٹھائیس تاریخ کو طالب علم مذکور کی پیشی تھی اور خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ دو تین گواہوں نے اس کو شناخت نہیں کیا ہے۔ایک پریس والے کی شہادت اب صرف باقی ہے۔ اس کی شہادت پر کیس ختم ہے۔ عدالتی فیصلہ تک گہرائی اور تفصیل میں جانا مناسب نہیں ہے۔ بہرحال وقت بتلائے گا کہ بعض پولیس افسران کا مرزائیوں کی حمایت میں اس قدر دور تک جانا قرین انصاف ہے یا نہیں۔ باقی ہم سب وقت کی انتظار میں ہیں۔ ہم مرزائیت کے اندرونی خدوخال دیکھ رہے ہیں۔ جس وقت ہم واقعات پر سے پردہ اٹھائیں گے، تب پتہ چلے گا کہ پردہ کے اندر کس قدر گھناؤنے اور تاریک پہلو ہیں۔ پچھلے دنوں یہاں ایک مرزائی انگریز کا قتل ہی ایک لڑکی کے سلسلہ میں ہوا ہے جس کے کیرکٹر پر ہزار ہزار دھبے پڑے ہوئے تھے اور بڑے بڑے مرزائی افسر اس کے ممدومعاون تھے۔ اخبارات میں اس نوعیت سے یہ خبر آئی ہی نہیں۔ اس کام کے لئے تو قدرت نے احرار ہی کو منتخب کیا ہے۔ بقول شاعر:

بلائیں زلف جاناں کی اگر لیں گے تو ہم لیں گے

(ناچیز مشتاق احمد لدھیانوی سیکرٹری جیش احرار راولپنڈی)

(۲۲) مرزائیوں کی ریشہ دوانیاں

مکرمی محترمی ایڈیٹر صاحب روزنامہ آزاد لاہور۔ سلام مسنون! میں مشرقی پنجاب ضلع ہوشیار پور کا مہاجر ہوں اور ملٹری اکاؤنٹ میں کلرک ہوں۔ بال بچہ ہمراہ ہے۔ مکان نہ ملنے کی وجہ سے پہلے تو رعایۃً کسی کے ہاں دن گزارے۔ پھر نہایت کوشش سے ایک مکان کا فیصلہ مل گیا جس کی الاٹمنٹ کے لئے فیصلہ سے پیشتر اور بعد میں درخواستیں دیتا رہا اور عرصہ

دوسال گزر گئے۔ محکمہ آبادکاری کی مہربانی سے مجھ کو وہ مکان الاٹ ہوگیا۔ اب یہی مکان اس محکمہ نے سیٹھی احسان الحق مرزائی مقامی کو الاٹ کردیا۔ اس کا والد اور چچا اور چھ بھائی ہیں جو تقسیم سے پیشتر ایک ہی مکان میں رہتے تھے اب ہر ایک نے جدا مکان اور دکان الاٹ کرا رکھی ہے اور اس پر بس نہیں۔ اب ان کی اولاد فرداً فرداً مکان اور دکان الاٹ کرارہی ہے۔ جو تفصیل مجھ کو معلوم ہوسکیں۔ حسب ذیل ہیں:

۱...... شیخ خلیل الرحمٰن دوکانیں بازار ٹرنکاں جہلم میں الاٹ ہیں۔

۲...... ایک دوکان شیخ خلیل الرحمٰن کے داماد کو الاٹ ہے۔ جو بازار کلال میں اول درجہ کی دکان ہے۔

۳...... دومکان مشین محلّہ میں الاٹ ہیں۔

۴...... ولی الرحمٰن پسر خلیل الرحمٰن متعلم نویں جماعت چوبارہ بازار کلاں میں الاٹ ہے۔

۵...... ایک مکان مشین محلّہ میں اور ایک دوکان رامدین بازار میں الاٹ ہے۔

۶...... ایک مکان مشین محلّہ میں اور ایک دوکان بازار کلاں میں فض حق کو الاٹ ہے۔

۷...... داؤد احمد پسر محمد اسحاق کو ایک مکان مشین محلّہ میں الاٹ ہے۔

۸...... محمد اسماعیل کو دو دکانیں غلہ منڈی میں الاٹ ہیں۔ ایک مکان مشین محلّہ میں الاٹ ہے۔

۹...... محمد ایوب پسر محمد اسماعیل کا ایک دوکان غلہ منڈی میں قبضہ ناجائز ہے۔

۱۰...... عبدالحق کے نام ایک مکان اور دوکان مشین محلّہ میں اور ایک دوکان بازار کلاں میں الاٹ ہے۔

۱۱...... عبدالعزیز کو ایک دوکان متصل سٹی ہسپتال الاٹ ہے اور جدی مکان میں رہائش ہے۔

ضلع جہلم میں ایک مرزائی خاندان نے یہ لوٹ مچا رکھی ہے۔ نہیں معلوم پاکستان میں انہوں نے کتنے مہاجرین کی حق تلفی کر رکھی ہوگی۔ مجھ کو پولیس کے ذریعہ روزانہ مکان خالی کرنے کی دھمکی دی جاتی ہے اور کہیں کوئی شنوائی نہیں ہوتی۔ (ایک پریشان حال)

ریاض محمد خان کلرک اکاؤنٹس آفس جہلم

(۲۳) تشکیل پاکستان کے بعد مرزائیوں کے سیاسی عقائد

۱...... مسلم لیگ...... لیکن یہ مذہب کے تفرقہ کی وجہ سے ہوا۔ مذہب پر سراسر بہتان

ہے۔ یہ سب کچھ انہیں ملحدانہ تحریکوں کا کارنامہ ہے۔ اگرچہ مذہب کے نام سرانجام دیا گیا۔
(الفضل مؤرخہ ۱۴؍دسمبر ۱۹۴۷ء)

۲...... کانگریس...... بے شک کانگریس کے اصول بڑے جمہوری تھے۔
(الفضل مؤرخہ ۳؍اپریل ۱۹۴۸ء)

۳...... پاکستان...... ہم نے یہ بات پہلے بھی کئی بار کہی ہے اور اب پھر کہتے ہیں کہ ہمارے نزدیک ہر تقسیم اصولاً غلط ہے۔ (الفضل مؤرخہ ۱۳؍اپریل ۱۹۴۸ء)

(۲۴) قادیانی اور لاہوری مرزائی چٹے بٹے ایک ہی تھیلی کے ہیں

قریباً ڈیڑھ ماہ ہوا۔ مدیر الفضل مجھے سرراہے ملے۔ دوران گفتگو میں انہوں نے فرمایا کہ موجودہ حالت کا تقاضا یہ ہے کہ ’’الفضل‘‘ اور ’’پیغام صلح‘‘ اختلافی مسائل میں زیادہ نہ الجھیں میں نے ان کے ساتھ اتفاق کیا کہ ہاں! یہ درست ہے واقعی ایسا ہونا چاہئے۔ لیکن الفضل قادیان ج۵، ۳۹ نمبر ۲۰۶، نمبر ۲۰۷ مؤرخہ ۵،۶؍ستمبر ۱۹۵۱ء کی اشاعتوں میں ’’مولوی محمد علی صاحب کا ٹرسٹ‘‘ کے عنوان سے ایک مضمون کو جو خان بہادر میاں محمد صادق صاحب کا لکھا ہوا ہے۔ مجھے سخت تعجب اور افسوس ہوا۔

(۲۵) خلیفہ صاحب کے ہم زلف کے بیان

کیا الفضل کی یہ خواہش ہے کہ ہم بھی جناب خلیفہ صاحب کے ہم زلف ڈاکٹر لطیف صاحب کے بیانات شائع کریں۔ پچھلے دنوں ربوہ میں بعض اعلیٰ ملازمین کے ساتھ جو سلوک ہوا ہے اسے واشگاف کریں۔ تحریک جدید کے اندرونی اور سربستہ مسائل کو روشنی میں لائیں۔ جماعت قادیان کی حریت، آزادی اور اخلاقی جرأت کو جس کلیسائی انداز سے کچلا گیا ہے اسے دنیا پر ظاہر کریں۔ آپ پر واضح ہونا چاہئے کہ...... قادیانیت کے داخلی مسائل قادیانیت کی لاش کے ساتھ چیونٹیوں کی طرح چمٹے ہوئے ہیں، ہم نے اگر اس عفونت زدہ لاش پر سے پردہ اٹھایا تو ساری دنیا تعفن اور غلاظت سے بھر جائے گی۔

(۲۶) آتش زنی، قتل، زدوکوب اور بائیکاٹ

اب رہا ٹرسٹ کا معاملہ اس کے متعلق بھی سن لیجئے۔ ہمارے ہاں مباہلہ والوں کے مکان کو آگ نہیں لگائی گئی۔ محمد امین خان اور فخر الدین ملتانی کو قتل نہیں کیا گیا۔ کسی کو دن کی

روشنی میں دارالضعفا میں زدوکوب نہیں کیا گیا۔ کوئی بائیکاٹ نہیں کیا گیا۔ ہمارا جو بھی اختلاف ہے وہ بالکل جزوی اور دستوری ہے۔

(۲۷) بزدل بھگوڑا

جناب خلیفہ صاحب اور معاصر الفضل کو ہماری جماعت کی فکر نہ کرنی چاہئے۔ بلکہ اس سیاہ لاوے کا جائزہ لینا چاہئے جو ان کی اپنی جماعت کے تحت الشعور میں کھول رہا ہے۔ لیکن اس کا اندازہ قابلیت سے محروم لوگ نہیں کرسکتے۔ جنہیں تقسیم سے قبل باوجود اپنی خوابوں اور مکاشفوں کے اتنا علم نہ ہوسکا کہ ان کا حشر کیا ہونے والا ہے اور قادیان کی ساری مرکزی جماعت کے بوڑھوں، بچوں اور عورتوں کو بلکتا ہوا چھوڑ کر انتہائی بزدلی کے ساتھ وہاں سے بھاگ آئے۔ اگر ہماری وارننگ کے باوجود معاصر الفضل کو دوسرے کی آنکھ کا تنکا دیکھنے کی بجائے اپنی آنکھ کا شہتیر دیکھنے کی توفیق عطاء فرمائے اور اتنی عقل بھی دے کہ وہ شیش محل میں بیٹھ کر دوسرے پر پتھر نہ مارے۔ آمین!

(نمبر ۱۸ تا ۲۶ الصدیق ج۲ ش۱، ۲ص ۱۶ تا ۲۰، محرم، صفر ۱۳۷۱ھ اکتوبر، نومبر ۱۹۵۱ء)

(۲۸) خارجی قسم کے غلام احمدی

جب سے مرزامحمود احمد مرزائیوں کے خلیفۂ ثانی ہوئے ہیں، اسی وقت سے مرزائیت میں انتشار وافتراق چلا آتا ہے۔ سب سے پہلے ایک گروہ علیحدہ ہوکر لاہور چلا آیا اور وہاں اپنی علیحدہ دکان جمائی جن میں مولوی محمد علی، خواجہ کمال الدین اور مولوی صدر الدین جیسے مرزائیت کے ستون شامل تھے۔ ان لوگوں نے عام مسلمانوں کو دھوکا دینے کے لئے بظاہر اس کا بھی اعلان کردیا کہ ہم مرزاغلام احمد کو نبی نہیں مانتے۔ لیکن ان لوگوں کے علیحدہ ہونے کے بعد مرزامحمود کی خلافت ایسی نہیں جم سکی جیسا وہ خود چاہتے ہیں۔ کیونکہ ہر زمانے میں ایک نہ ایک گروہ ان کی اپنی جماعت کے اندر ایسا ضرور رہا جو ان کی اخلاقی حالت پر معترض ہونے کی وجہ سے باوجود مرزائی ہونے کے ان کی خلافت کا منکر رہا۔ مولانا عبدالکریم صاحب مباہلہ کی علیحدگی اور ان کے اخلاقی الزامات جو چیلنج کی صورت میں اشتہارات اور اخبارات میں طبع ہوچکے ہیں۔ ایک پرانی بات سہی مگر تاحال لوگوں کے الواح قلوب سے محو نہیں ہوئی۔ محمد امین مبلغ بخارا کا قتل بھی اس سلسلہ کی ایک کڑی تھی۔ پھر فخرالدین

ملتانی کو قتل کیا گیا اور کچھ ایسے ہی اخلاقی الزامات لگا کر عبدالرحمٰن مصری علیحدہ ہوئے جو بمشکل بچ کر لاہوری مرزائیوں کی گود میں چلے گئے اور ان سب لوگوں کا نصب العین مرزا محمود کو اخلاقی الزامات کی بنا پر خلافت سے معزول کرنا اور کسی دوسرے آدمی کو خلیفہ بنانا تھا۔

تقسیم ہند اور مرزا محمود کے برقع پہن کر قادیان سے بھاگ آنے کے بعد اس قسم کے واقعات کچھ دب سے گئے تھے اور ہم نے یہ سمجھ لیا تھا کہ مرزائیوں میں اب مرزا محمود کے خلاف وہ عزل خلافت کی تحریک کمزور پڑ گئی۔ مگر ''الفضل'' ۳۰ر اکتوبر (۱۹۵۱ء) کی اشاعت سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمارا یہ خیال غلط تھا اور تا حال ایسے لوگ موجود ہیں جو مرزا محمود کو خلیفہ دیکھنا نہیں چاہتے اور وہ لوگ کچھ کمزور یا ضعیف قسم کے بھی نہیں بلکہ ''ناظر دعوت وتبلیغ'' جیسے ذمہ دار عہدہ دار بھی اس میں شامل ہیں اور وہ اس قدر قوی اور برسر اقتدار ہیں کہ خود مرزا محمود کو آگے بڑھ کر ان کی تردید کے لئے ہاتھ پاؤں ہلانے کی ضرورت پڑ گئی ہے۔ چنانچہ ۳۰ر اکتوبر کی اشاعت میں اخبار ''الرحمت'' وعزل خلفاء کے عنوان سے مرزا محمود نے خود ایسے لوگوں کی تردید میں مضمون لکھا اور ایسے لوگوں کو ''خارجی قسم کے احمدی'' کا لقب عنایت فرمایا۔

ہمیں اس مصیبت عظمیٰ میں مرزا محمود سے ہمدردی ہے کہ عزل خلافت کے کارکنوں نے یہاں بھی ان کا پیچھا نہیں چھوڑا اور تا حال پورے انہماک سے وہ اپنے کام میں مصروف ہیں۔ مگر مسلمانوں کے لئے ہم اس تحریک کو نیک فال سمجھتے ہیں۔ کیونکہ یہ لوگ گھر کے بھیدی ہیں اور ''ربوہ کی لنکا'' ڈھانا انہیں کا کام ہے۔ ہم دور افتادہ لوگوں کو کیا معلوم کہ قادیان اور ربوہ میں کیا کچھ ہو رہا ہے۔ ہمیں کیا پتہ کہ مرزا محمود کی اخلاقی حالت کیسی ہے؟ ہم زیادہ سے زیادہ اگر بحث کر سکتے ہیں تو اسلامی معتقدات کے متعلق کر سکتے ہیں اور لوگوں کو یہ بتلا سکتے ہیں کہ مرزا غلام احمد یا مرزا محمود احمد کے اعتقادات چونکہ اسلام کے خلاف ہیں۔ اس لئے لوگوں کو ان سے بچنا چاہئے۔ باقی رہیں یہ باتیں کہ بڑے مرزا یا چھوٹے مرزا کے اخلاق کیسے ہیں؟ اس پر بحث وتمحیص کے لئے تو یقیناً قادیان کے یا ربوہ کے رہنے والے ہی موزوں لوگ ہیں۔ جو اسرار درون پردہ ان لوگوں کو معلوم ہیں۔ وہ ہمیں کیسے معلوم ہو سکتے ہیں اور اب بھی ہم اگر یہ کہتے ہیں کہ مرزا محمود احمد کی اخلاقی حالت اچھی نہیں تو کچھ اس بنا پر نہیں کہتے کہ ہم کوئی اپنی آنکھوں دیکھی شہادت دے سکتے ہیں یا اپنی کانوں سے سنی بات بیان کر سکتے ہیں بلکہ مولوی عبدالکریم آف مباہلہ، شیخ عبدالرحمٰن مصری وغیرہ ایسے لوگوں نے جو کچھ خود دیکھ کر

لوگوں سے کہا اور بڑے ذی مرتبہ ہو کر ان لوگوں کو چھوڑا، ان ہی لوگوں کے متواتر بیانات کی بناء پر ہم بھی کہتے ہیں کہ کچھ نہ کچھ دال میں کالا ضرور ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ایسے لوگوں کے ہاتھوں یہ تحریک الم نشرح ہو کر مسلمانوں کے سامنے اپنی اصلی شکل میں آ جائے۔ کیونکہ بسا اوقات یوں بھی ہوتا ہے کہ: ’’انّ اللہ لیؤید الدین بالرجل الفاجر‘‘ بہرحال ہم مرزائیت کے ڈھونگ کے خاتمہ کے منتظر ہیں۔ **وماذلک علی اللہ بعزیز!**

(۲۹) چوہدری ظفر اللہ خان کے عورت بن جانے کا رؤیا

یوں تو بڑے مرزا قادیانی سے لے کر چھوٹے مرزا قادیانی تک سب مرزائیوں پر عورت بننے کا شوق غالب ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ بڑے مرزا قادیانی کو تو حیض بھی آتا تھا، دردزہ کی تکلیف بھی ہوتی تھی اور بچہ جننے کی نوبت بھی آ گئی تھی۔

مرزا غلام احمد اور مرزا محمود کے بعد مرزائیت میں سب سے اونچے درجہ کی شخصیت چوہدری سر ظفر اللہ خان کی ہے۔ جو بدقسمتی سے پاکستان کے وزیر خارجہ بھی ہیں اور ’’ہم تو ڈوبے ہیں صنم تم کو بھی لے ڈوبیں گے۔‘‘ کی فحواء کے مطابق مرزا محمود نے اپنے ایک تازہ رؤیا میں ان پر بھی ہاتھ صاف کر دیا۔ چنانچہ ۳۰ر اکتوبر ۱۹۵۱ء کی اشاعت میں مرزا محمود کا ایک خواب شائع ہوا ہے۔ جس میں وہ کہتے ہیں۔

’’میں نے آج (۲۱ر اکتوبر کو) رؤیا میں دیکھا کہ ایک پہاڑی رستہ پر سے میں گزر رہا ہوں اور کچھ اور لوگ بھی جو میرے ساتھی معلوم نہیں ہوتے، مسافر معلوم ہوتے ہیں وہ بھی گزر رہے ہیں۔ میرے ساتھ اپنے بھی کچھ آدمی ہیں۔ چلتے چلتے سڑک ایک اونچی چوٹی کے اوپر سے گزری اور پھر نیچے کی طرف جھکی اور پہلو کی طرف مڑ گئی۔ وہاں میں نے دیکھا کہ ایک ٹنل بنی ہوئی ہے اور لوگ اس ٹنل کے نیچے سے جاتے ہیں لیکن وہ ٹنل نہایت ہی بوسیدہ ہے۔ اس میں سے پانی ٹپکتا ہے اور اینٹیں گرتی ہیں۔ میں اس کو دیکھ کر بہت گھبرایا اور میں نے کہا کہ میں تو اس ٹنل میں سے نہیں جاتا اور میں واپس لوٹا۔ تھوڑی دور واپس آنے کے بعد میں نے دیکھا کہ چوہدری ظفر اللہ خان صاحب مجھے ملے ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ ایک دوسرا راستہ بھی اس کے پہلو میں سے ہے۔ میں ادھر سے لے چلتا ہوں۔ ان کے اتنا کہنے کے ساتھ ہی

ایک کشتی آ گئی اور ہم کشتی میں بیٹھ گئے اور چوہدری صاحب ملاح کے طور پر کھڑے ہوگئے اور بانس انہوں نے ہاتھ میں پکڑ لیا۔ کشتی کے آنے سے پہلے اس جگہ ہمیں کوئی پانی یا نالہ نظر نہیں آتا تھا۔ لیکن جب چوہدری صاحب نے چپو مارا تو وہ کشتی اس طرح تیزی سے چلنے لگی جیسے کہ نہایت ہی اعلیٰ درجہ کی اور سیدھی نہر میں کوئی فن کار آدمی کشتی چلاتا ہے۔ نہایت ہی لطیف اس کی رفتار ہے اور سرعت اور تیزی اور صفائی رفتار میں پائی جاتی ہے۔ لیکن دائیں بائیں زمین ہی نظر آتی ہے اور یوں معلوم ہوتا ہے کہ گویا صرف اتنی ہی پتلی نہر ہے جتنی کشتی چوڑی ہے اور ایسی عمدگی اور فن کاری کے ساتھ چوہدری صاحب اسے چلاتے ہیں کہ نہر سے ادھر ادھر وہ کشتی ذرا بھی نہیں سرکتی۔ سیدھی نہر میں چلی جاتی ہے۔ تھوڑی ہی دیر میں وہ کشتی خطرناک علاقہ سے پار آ گئی۔ وہاں ایک سٹیشن معلوم ہوتا ہے اور یوں معلوم ہوتا ہے کہ اس خطرہ میں سے گزارنے کا کام کچھ اور لوگوں کے بھی سپرد تھا اور وہ دوسرے راستوں سے ریلوں کے ذریعہ یا کسی اور ذریعہ سے لوگوں کو لا رہے تھے۔ جب منزل پر کشتی پہنچ گئی تو چوہدری صاحب اس کشتی میں سے اتر گئے اور اس وقت ان کی شکل یکدم ایک عورت کی سی ہوگئی۔ جو مغربی لباس میں ہے اور انہوں نے مجھ سے کہا کہ میں جاکر دفتر میں رپورٹ دے دوں اور دیکھوں کہ وہ لوگ جو دوسرے رستوں سے لوگوں کو لا رہے تھے۔ وہ پہنچے ہیں یا نہیں۔

اس وقت مجھے یوں معلوم ہوتا ہے کہ تین آدمی اس کام پر مقرر تھے۔ ایک چوہدری صاحب اور دو اور آدمی جو اس کام میں ان کے معاون تھے اور ان کی مدد کر رہے تھے۔ اس وقت میں سمجھتا ہوں کہ ایک اسٹیشن کے پاس ہم آئے ہوئے ہیں اور میں سٹیشن کی طرف جو پاس ہی تھا۔ یہ دیکھنے کے لئے گیا کہ گاڑی کس وقت کس کس طرف جائے گی۔ میں ابھی سٹیشن پر ہی تھا کہ آنکھ کھل گئی۔ میں اس کی تعبیر یہ سمجھتا ہوں کہ شاید چوہدری صاحب کو اپنے ملک کی خدمت کا کوئی اچھا موقع ملے گا اور اس میں غالباً دو ان کے اور بھی شریک کار ہوں گے یا گزشتہ دنوں میں دو رفیق کار ان کے ساتھ خدمت ملک کر رہے تھے۔ عورت کی شکل میں دیکھنے کے یہ معنی ہیں کہ ان کو تلطف اور رحم کے ساتھ کام کرنے کا موقع ملے گا۔ کیونکہ جب عورت کی شکل میں بیٹھے ہوئے کسی کو دیکھیں تو اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ اس میں کمزوری پائی جاتی ہے اور جب عورت کی شکل میں کسی کو کام کرتے دیکھیں تو اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ وہ کام بھی کرتا ہے اور سختی اور زبردستی سے بھی پرہیز کرتا ہے۔

دیکھ لیا آپ نے یہ خواب؟ یہ مرزائیوں کے امام کا رؤیا ہے۔ جسے یہ لوگ مصلح موعود بھی مانتے ہیں اور اس کے خوابوں کو الہام کا درجہ دیتے ہیں۔ اتنی بات کہ چوہدری سر ظفر اللہ صاحب میم بن گئے تو آپ کی خدمت میں تفنن کی خاطر ہم نے پیش کر دی۔ مگر اصل قابل غور باتیں تو اس خواب کی اور ہیں جنہیں مسلمان اور ہمارے ارباب حکومت دونوں کو غور سے دیکھنا اور سمجھنا چاہئے۔ لوگوں کی توجہ اصل رؤیا سے ہٹانے کے لئے انہوں نے خود ہی آخر میں اس کی تعبیر بھی بیان کر دی، مگر اصل بات جو وہ کہنا چاہتے ہیں اور رؤیا کے بہانے اپنے مریدوں تک پہنچانا چاہتے ہیں یہ ہے کہ پاکستان کے راہی جنہیں وہ اپنا ساتھی شمار نہیں کرتے جس راستے پر جا رہے ہیں۔ وہ راستہ مرزامحمود کے نزدیک اس قابل نہیں کہ وہ بھی اس پر سے گزریں بلکہ وہ اپنی راہ الگ چوہدری ظفر اللہ خان کی قیادت میں طے کرنا چاہتے ہیں اور چوہدری ظفر اللہ جس کشتی میں انہیں سوار کر کے جس نہر میں سے گزارتے ہیں اس نہر میں اس کشتی کے سوا کسی کی کشتی کی گنجائش نہیں اور تا حال انگریزوں کی جاسوسی کا کام ہے اور ظفر اللہ خان مرزامحمود کو تاکید کرتے ہیں کہ جا کر دفتر میں رپورٹ دے دو اور انگریز جن لوگوں سے اپنے مفاد کی خاطر کام لے رہے ہیں وہ صرف مرزائی ہی نہیں۔ بلکہ کچھ دوسرے لوگ بھی ہیں۔

یہاں پر رک کر ذرا دوبارہ مرزامحمود کے رؤیا کو پڑھ لیجئے اور دیکھئے کہ کیا جو بات ہم نے کہی ہے وہ مرزا قادیانی کے رؤیا سے معلوم ہوتی ہے یا نہ؟ چوہدری ظفر اللہ خان کے مغربی لباس کی عورت بنانے کا مطلب ہی یہی تھا کہ وہ مغربی لوگوں (انگریزوں) کے مفاد کے نگران ہیں اور مرزامحمود اپنے مریدوں سے یہی کہنا چاہتے ہیں کہ پاکستان کے کرتا دھرتا کوئی فیصلہ کریں۔ تمہیں بہرصورت صرف وہی راہ اختیار کرنی ہے جو چوہدری سر ظفر اللہ کرے اور وہی نجات کا راستہ ہے اور بس۔

ہماری حکومت کو بھی اب سوچنا چاہئے کہ انہوں نے دوبارہ چوہدری ظفر اللہ کو وزارت خارجہ کا قلمدان سپرد کر کے کس قدر غلطی کی ہے۔ چوہدری ظفر اللہ مرزائیت کے مبلغ ہیں۔ وہ مسلمانوں کے حقوق کے نگران کب ہو سکتے ہیں۔ وہ زیادہ سے زیادہ اپنے پرانے آقایان ولی نعمت (انگریزوں) کے حقوق کے نگہبان ہوں گے۔ جن کے متعلق مرزاغلام احمد کہہ گئے ''کہ ہم پر اور ہماری ذریت پر گورنمنٹ برطانیہ کی اطاعت فرض ہے۔'' چوہدری ظفر اللہ اسی مرزاغلام احمد کے مرید ہیں جس کے متعلق یہ روایت بیان کی جاتی ہے۔

’’حضرت مسیح موعود (مرزا صاحب) فرماتے ہیں کہ میں وہ مہدی موعود ہوں اور گورنمنٹ برطانیہ میری وہ تلوار ہے جس کے مقابلہ میں ان علماء کی کچھ پیش نہیں جاتی۔ اب غور کرنے کا مقام ہے کہ پھر ہم احمدیوں کو اس فتح سے خوشی کیوں نہ ہو۔ عراق، عرب ہو یا شام ہم ہر جگہ اپنی تلوار کی چمک دیکھنا چاہتے ہیں۔‘‘ (اخبار الفضل قادیان ج۶ نمبر۴۲ مؤرخہ ۷؍دسمبر ۱۹۱۸ء)

اور اب چوہدری ظفر اللہ بھی اسی تلوار کی چمک پاکستان میں باقی رکھنا چاہتے ہیں جس کی چمک ان کے پیرومرشد عراق عرب یا شام ایسے عربی ممالک میں دیکھنا چاہتے تھے کیا مسلمان اور ارباب حکومت ان خیالات کو غور کی نگاہ سے نہیں دیکھیں گے؟ کیا یہ صرف ہمارا سوء ظن ہے۔ کیا جو کچھ ہم نے لکھا ہے۔ وہ صرف مذہبی تعصب ہے؟ کاش جو کچھ ان خوابوں اور عبارتوں سے ہم سمجھ سکے ہیں۔ وہ ہمارے ارباب حکومت بھی سمجھ جائیں۔ رب اشرح لی صدری ویسرلی امری واحلل عقدة من لسانی یفقهوا قولی!

(نمبر۲۷، ۲۸ ’’الصدیق‘‘ ج۲ ش۴ ص۵ تا۹، ربیع الثانی ۱۳۷۱ھ جنوری ۱۹۵۲ء)

(۳۰) دستور مجلس احرار اسلام

ہم نے الصدیق کی پچھلی اشاعت میں ایک مقالہ سپرد قلم کیا تھا جس کا عنوان تھا: ’’مرزائی جماعت خطرناک قسم کا سیاسی گروہ ہے‘‘ اس میں ہم نے حوالہ جات اخبار الفضل اور دیگر قرآئن سے مدلل واضح کیا تھا کہ مرزائیوں کو صرف مذہبی جماعت سمجھتے رہنا اور ان کی خفیہ سرگرمیوں کا نوٹس نہ لینا مہلک اور قومی خودکشی کے مترادف ہے۔ مسلمان جتنا جلد اس وہم سے نکل آئیں اور اس جماعت کے مکروہ چہرہ سے نقاب اٹھا کر اس کی حقیقت تک رسائی کریں اتنا ہی بہتر ہے۔ تقریباً نصف صدی سے اندر ہی اندر یہ منظّم ٹولی اسلام اور مسلمانوں کے خلاف برطانیہ کے خدمات انجام دے رہی ہے۔ برطانی استعمار کو اپنے بقاء اور استحکام اور عالم اسلامی پر اپنا اقتدار باقی رکھنے کے لئے ایسی منافق جماعت کی ازحد ضرورت تھی جس کے دل میں مسلمانوں کے ساتھ ذرہ برابر ہمدردی بھی نہ ہو۔ بلکہ وہ تمام مسلمانوں کو بنابر کافر سمجھنے کے دشمن خیال کرتی ہو اور پھر وہ ایک ایسا گروہ ہو جس کے عقائد سے وحدت اسلامی پارہ پارہ ہوتی ہو اور ساتھ ہی وہ اپنے آپ کو مسلمان بھی کہتا ہو تاکہ جب بھی مسلمانوں کے ساتھ یا مسلمانوں کی طرف سے کوئی معاملہ کرنا ہو تو بجائے حقیقی نمائندوں کے ان کی طرف

سے اس منافق گروہ کو پیش پیش رکھا جائے [1]۔

بہرحال پچاس سال سے اس جماعت نے جو کچھ نقصان اسلام اور مسلمانوں کو پہنچایا وہ ایسا نہیں کہ اسے آسانی سے بھلایا جاسکے۔ اب موجودہ وقت میں اس جماعت نے اپنے خلیفہ کی زیر قیادت ایک خطرناک اسکیم تیار کی ہے جس کے اہم اجزاء یہ ہیں۔

۱...... پاکستان کی تمام کلیدی ملازمتوں پر چھا کر جماعت کو فائدہ پہنچایا جائے۔ اس وقت بقول مرزائیوں کے خلیفہ کے فوج میں تو مرزائیوں کی تعداد کافی ہوچکی ہے۔ اب فوج کے علاوہ اور آٹھ محکموں پر قبضہ کر کے جماعت کو مفاد پہنچانے کا حکم موجودہ مرزا نے دے دیا ہے۔ (الفضل قادیان ج۶ /۴۰، نمبر۱۰ ص۴ کالم نمبر۳، مؤرخہ ۱۱/جنوری ۱۹۵۲ء)

۲...... دوسرا جزو یہ ہے کہ ملک بھر میں لاکھوں اشتہارات شائع کر کے ہیجان اور تہلکہ مچایا جائے۔ (الفضل قادیان ج۶ /۴۰، نمبر۱۰ ص۴ کالم نمبر۲، مؤرخہ ۱۱/جنوری ۱۹۵۲ء)

چنانچہ اس پر عمل بھی شروع ہوگیا ہے۔ دارالخلافہ کراچی میں مرزائیوں کی طرف سے ایک جماعت (اینٹی ملّا لیگ) کا قیام عمل میں آیا ہے۔ جن کی طرف سے سبز رنگ کے قدآدم اشتہار شائع کئے گئے ہیں۔ اسی اینٹی ملّا لیگ کا ایک اور کارنامہ (الفضل قادیان ج۶ /۴۰، نمبر۴۹ ص۸ کالم نمبر۲، مؤرخہ ۲۶/فروری ۱۹۵۲ء) کی زبانی سنئے:

(احراری ملّاؤں پر مقدمہ چلایا جائے) احراری ملّاؤں کو ملک وملت سے غداری اوران کی سیاسی سازشوں کے تحت لارڈ ھاھا اور جان ایمری کی طرح عبرتناک سزائیں دی جائیں اور مجلس احرار اوران کی ذیلی جماعتوں کو فوری خلاف قانون قرار دیا جائے۔ پانچویں کالم والوں اور پاکستان کے دشمنوں کو پاکستانی نوجوان کبھی برداشت نہیں کر سکتے۔ اینٹی ملائیت کی جانب سے احراری ملّاؤں کی ملی وملکی سازشوں اور غداریوں کی مکمل تاریخ حکومت پاکستان کو مستقبل قریب میں پیش کی جانے والی ہے۔ اینٹی ملّائیت فرنٹ کی طرف سے حکومت سے مطالبہ کیا جائے گا کہ پاکستان کے تحفظ اور بقائے اسلام کی خاطر احرار اوران کے سرپرستوں پر پاکستان مخالفت اور قوم سے غداری کے تحت مقدمہ چلایا جائے۔ ان کو عبرتناک سزائیں دی جائیں اوران کے معاونین وسرپرستوں کے تمام حقوق شہریت سلب کر لئے جائیں۔

[1] یہی وجہ ہے کہ باﺅنڈری کمیشن میں مسلمانوں کی وکالت سرظفراللہ کے سپرد کی گئی اور اب بھی ممالک اسلامیہ میں تمام جوڑتوڑ اسی ظفراللہ صاحب کے ذریعہ سے اپنے حسب منشاء کرائی جارہی ہے۔

یہ بھارت کے ایجنٹ پاکستان کے دشمن ملک وملت کے لئے ایک زہر کی حیثیت رکھتے ہیں۔ یہ لوگ پاکستان کے قیام کو روکنے میں ناکام ہونے کے بعد اب مسلمانوں میں پھوٹ ڈال کر نوزائیدہ مملکت میں انتشار پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ اینٹی ملاّ ئیت فرنٹ کا یہ آئینی اور پرزور مطالبہ ہے کہ حکومت پاکستان ان غداروں کے خلاف عبرتناک قدم اٹھائے۔

یہ دشمنان ملک وملت اسلام کے لئے باعث ننگ اور پاکستان کے لئے ایک رستا ہوا ناسور ہیں۔ اس ناسور کے لئے ایک تیز نشتر کی ضرورت ہے۔ لہٰذا اس ضمن میں اینٹی ملاّ ئیت فرنٹ کا کھلا اجلاس نیز پریس کانفرنس کا انعقاد عمل میں آرہا ہے اور اسی سلسلہ میں پاکستانی نوجوانوں کا ایک وفد وزیراعظم کو میمورنڈم پیش کرے گا۔

(ہفت روزہ ایمان کراچی مؤرخہ ۲۲؍فروری ۱۹۵۲ء)

۳...... تیسرا اہم جزو یہ ہے کہ لاکھوں کی تعداد میں پمفلٹ اور رسالے شائع کر کے تعلیم یافتہ اور دیگر افسران کو ہمنوا بنایا جائے۔ چنانچہ اس پر عمل تو پہلے بھی تھا۔ اب رفتار کو اور زیادہ تیز کر دیا گیا ہے۔

ان حالات میں ہمارے اوپر کیا فرض عائد ہوتا ہے۔ خدا پرست طبقہ علماء وزعماء جو ہر زمانہ میں امت کے اندر ذمہ دار اور مسئول افراد ہوتے ہیں۔ اس طرح بغیر تنظیم کے خاموش رہیں اور مسلمانوں کو ہلاکت کے غار میں گرتا ہوا دیکھتے رہیں یا کچھ حرکت کریں۔ ہماری قوم اس وقت بھیڑوں کے اس ریوڑ کی مانند ہو چکی ہے جس کے راعی اور پاسبان سو رہے ہوں اور ہر طرف سے منظّم بھیڑیئے اسے کھا رہے ہوں اور ساتھ ہی ان بھیڑوں کے ذہن میں یہ تصور بھی جمایا جارہا ہو کہ ہم تمہارے نگہبان اور محافظ ہیں اور یہ جو تمہارے پاسبان ہیں درحقیقت تمہارے دشمن ہیں۔

خبردار! ان کے نزدیک بھی نہ جانا۔ آج باطل عموماً پوری چالاکی اور ملمع سازی کے ساتھ اور مرزائی خصوصاً بڑی تیزی سے ملک پر چھایا جارہا ہے۔ اس تھوڑے اور نازک وقت میں اگر ہم چند سال بھی خاموشی اختیار کر لیں اور جدوجہد کے میدان کو دوسروں کے لئے فارغ کر دیں۔ جیسا کہ اب تک ہوتا رہا ہے تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ مسلمان یا تو مرزائی ہوگا یا شیعہ۔

ہم نے اس سلسلہ میں جو غور وخوض کا تو چند احتمالات ذہن میں آئے۔

۱...... ایک یہ مسلمانوں میں ایسا زبردست تبلیغی نظام قائم کیا جائے جو کہ داخلی اور خارجی

فتنوں کا سدباب کرے اور قوم کے اندر بذریعہ تقریر وتحریر صحیح دینی احساس پیدا کرے اور اسے غیروں کی دست برد سے بچائے۔ اب اس مقصد کے لئے ایک نئی جماعت پیدا کی جائے یا(۲) پرانی جماعتوں میں سے کسی جماعت سے کام لیا جائے۔

ہر صاحب فکر ودانش ادنیٰ تامل سے اس نتیجہ تک پہنچ جاتا ہے کہ ایسی جماعت کا وجود تو ازبس ضروری ہے۔ لیکن نئی جماعت کا قیام بحالات موجودہ اگر ناممکن نہیں تو قریب محال ضرور ہے۔ اس لئے کہ ہمارے اندر پہلے سے ہی کافی انجمنیں اور تبلیغی ادارے موجود ہیں جو کہ قحط الرجال اور فنڈ کی کمی کے باعث بری حالت میں ہیں۔ جماعت کے لئے سب سے بڑی ضرورت اول مخلص مردان کار کا مہیا ہونا ہے۔ سو اگر اس مقصد کے لئے نئی جماعت عمل میں لائی جائے تو اس کے تعارف اور اعتماد حاصل کرنے اور پھر اس کی خاطر رجال کار مہیا کرنے میں کافی عرصہ اور مدت درکار ہوگی اور اس مدت میں باطل اپنا تسلط پوری طرح جما چکا ہوگا۔ اس لئے اب صرف دوسری راہ باقی رہ جاتی ہے وہ یہ کہ اس مقصد کے لئے پرانی جماعتوں میں سے جو اس تبلیغی نظام کے لئے موزوں ہو۔ اس کے ساتھ تعاون کیا جائے۔

اس سلسلہ میں یہ نکتہ بھی ملحوظ رہنا چاہئے کہ اس خالص تبلیغی اور تعمیری کام کے لئے یکسوئی اور محنت کی اشد ضرورت ہے۔ آج کی سیاست میں سخت الجھنیں اور ہنگامے وابستہ رہتے ہیں۔ اس لئے سیاسی انجمنیں اور ادارے اس کام کے لئے قطعاً موزوں نہیں ہیں۔

اس وقت مجلس احرار اسلام کا نیا دستور جو ابھی ۲۳، ۲۴؍صفر ۱۳۷۱ھ میں مجلس مرکزیہ احرار نے بمقام اوکاڑہ پاس کیا ہے۔ ہمارے سامنے ہے۔ اس دستور میں مصرح ہے کہ قیام پاکستان کے بعد نئے حالات اور نئے ماحول کے اقتضاء سے مجلس احرار اسلام نے اپنے مخلص اور دور اندیش اکابر کی مومنانہ فراست اور دیانت دارانہ تدبیر اور رائے کے مطابق مروّجہ انتخابات کی سیاسی جنگ سے کنارہ کشی اختیار کر لی ہے اور اپنی جملہ مساعی کو ملک وملت کی اعتقادی، اخلاقی، معاشرتی، اجتماعی اور اقتصادی اصلاح وبہبود کے لئے عموماً اور تحفظ ختم نبوت واستیصال فتنہ مرتدہ مرزائیہ جیسے مرکزی اور اجماعی مسئلہ کے لئے خصوصی تبلیغ کے پروگرام تک محدود کر لیا ہے۔ بنابریں جماعت کا قدیم دستور العمل قدرۃً منسوخ ہوگیا۔ مجلس نے انتہائی دیانتداری سے جو رائے قائم کی۔ اس کی صحت میں کوئی شبہ نہیں۔ ملک کے حالات کا تقاضا بھی یہی تھا اور ملکی لیڈر بھی یہی چاہتے تھے۔ بحمداللہ تعالیٰ! اس کے بعد مجلس

عملی طور پر بھی اسی مؤقف پر مضبوطی کے ساتھ قائم رہی۔ چنانچہ ملک کے اندر جو الیکشن ہوا۔ مجلس احرار اس سلسلہ میں اپنی غیر جانبدارانہ پالیسی پر مضبوطی سے قائم رہی اور اس امتحان میں پوری اتری۔ اسی وجہ سے سابقہ مختلف قسم کے سیاسی عقائد رکھنے والے حضرات اب اس تبلیغی کام میں شیر وشکر ہوکر جمع ہیں۔ **والحمدﷲ علیٰ ذلک!**

ہماری دیانت دارانہ رائے یہ ہے کہ مسلمانوں کو اب بغیر وقت ضائع کرنے کے اس جماعت کے ساتھ پورا تعاون اور نصرت کرنی لازم ہے۔ ملازم ہو یا تاجر، عالم ہو یا طالب علم ہر مسلمان کو اس مجلس کے ساتھ شامل ہوکر اسے مضبوط بنالینا چاہئے تاکہ یہ آئندہ ترقی کر کے ہمارے لئے ہمہ گیر اور جامع پروگرام پر عمل پیرا ہوسکے۔ تردید مرزائیت تو اس راستہ میں پہلا قدم ہے۔ کام تو اس کے آگے اور بھی بہت ہے۔ **(واللہ المؤفق)**

(۳۱) مسلم پریس اور اہل قلم کی ذمہ داری

مولانا عبدالماجد صاحب دریا آبادی کا مندرجہ ذیل اقتباس اس قابل ہے کہ علماء وزعما پاکستان اس پر سنجیدگی کے ساتھ غور وفکر کریں۔

ہندوستان کے جن اہل علم وفضل اور ارباب صلاح وتقویٰ نے پاکستان کو ہجرت نہیں کی ہے ان میں ایک بڑا ممتاز درجہ لکھنؤ کے مولانا ابوالحسن علی ندوی سلمہ کو حاصل ہے۔ دو برس تک حجاز، نجد، مصر وغیرہ ممالک اسلامیہ میں خالص دینی وتبلیغی مقصد کے ماتحت قیام کر کے حال ہی میں ہندوستان واپس آئے ہیں۔ ان کا مکتوب اس قابل ہے کہ ہر ایسے پاکستانی بھائی اور بہن کی نظر سے گزرے جسے اپنا دین، اپنی عزت، اپنی شرافت، اپنی خود داری عزیز ہے، کوئی نکتہ چین اس درجہ کا مخلص مشکل ہی سے ملے گا۔

’’حجاز میں اس مرتبہ یہ دیکھ کر افسوس بھی ہوا اور غیرت بھی آئی کہ پاکستان سے جو خواتین حج کے لئے آئی تھی۔ ان میں بے حجابی اور بے باکی بہت عام اور نمایاں تھی۔ خصوصاً نوجوان لڑکیاں شوخ ورنگین لباس پہنے ہوئے مکہ معظمہ میں اس بے حجابی اور بے تکلفی کے ساتھ پھرتی اور خریداری کرتی تھیں کہ گویا مکہ معظمہ کے بجائے یہ لاہور کا انارکلی بازار یا مال روڈ ہے اور حج وزیارت بجائے کوئی میلہ یا تفریحی سفر ہے۔ عام طور پر سننے میں یہ آتا تھا کہ مصری عورتوں میں بے حجابی وشوخی عام ہے۔ لیکن اس خاکسار کا مشاہدہ وتجربہ ہے کہ مصری

عورتیں اکثر ڈھیلے ڈھالے لباس اور سادہ (اکثر مصر کے قصباتی و دیہاتی لباس میں جو بہت حد تک ساتر ہوتا ہے) نظر آتی تھیں اور ہماری پاکستانی بہنیں اور نوجوان لڑکیاں ٹھیک اسی فیشن میں ہوتی تھیں جو کراچی و لاہور میں عام طور پر مقبول اور رواج پذیر ہے۔ حرم شریف میں بھی اور مسجد نبوی میں بھی بیویوں اور لڑکیوں کی بے تکلفی و آزادی نمایاں و ممتاز تھی اور اکثر انگشت نمائی کا سبب بنتی تھی۔''

مکتوب کا باقی حصہ بھی اسی قدر صحیح اور اسی قدر تاسف انگیز ہے۔

پاکستانی عورتوں کی یہ بے حجابی اور خلاف شرع وتہذیب لباس کی آزادی اس حیثیت سے بھی افسوسناک اور قابل تنقید ہے کہ یہ حج کے مقصد و ماحول اور اس کی روح کے منافی ہے اور اس حیثیت سے بھی پاکستانی ذمہ داروں کے لئے قابل توجہ ہے کہ اس سے پاکستان کی بدنامی اور غلط نمائندگی ہوتی ہے۔ جس کو دوسرے اسلامی ممالک اور عرب ملکوں کے لوگ خاص احترام وعزت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور اس سے بڑی بڑی دینی توقعات قائم کئے ہوئے ہیں۔ امید ہے کہ اس کی طرف پاکستان کے ادارے اور جماعتیں توجہ کریں گی اور اس بڑھتی ہوئی بے حجابی کو پاکستان ہی تک محدود رکھا جائے گا۔ اگرچہ اس کے لئے بھی کوئی وجہ جواز نہیں اور اس کو بہرحال حجاز تک عام نہیں ہونے دیا جائے گا۔ جہاں اسلامی احکام وحدود کی رعایت واحترام کی سب سے زیادہ ضرورت ہے۔''

جو بیویاں حج کو گئی تھیں ظاہر ہے کہ سب مذہبی ہی خیال کی ہوں گی اور ادائے ارکان اسلام کی حد تک تو ضروری دیندار ہوں گی۔ جب بے حجابی میں ان کا یہ حال ہے تو دوسری خواتین کا کیا ذکر۔ بہرحال مسئلہ سیاسی یا قانونی نہیں۔ تمام تر معاشرتی اخلاقی اور دینی ہے۔ اس لئے ذمہ داری بھی سب سے زیادہ مسلم پریس اور اہل قلم ہی پر عائد ہوتی ہے۔ (صدق)

(نمبر۲۹،۳۰، الصدیق ج۲ ش۶ ص۲ تا۷، جمادی الثانی ۱۳۷۱ھ مارچ ۱۹۵۲ء)

(۳۲) ابوجہل کی اولاد

مرزامحمود خلیفۂ قادیان نے اپنے ایک جمعہ کے خطبہ میں یہ انکشاف کیا کہ حضرت خلیفۃ المسیح اوّل (نورالدین قادیانی) فرمایا کرتے تھے کہ ہمارے پنجاب میں خصوصاً سرگودھا میں دو خاندان بستے ہیں جو ابوجہل کی نسل میں سے ہیں، لیکن ان خاندانوں کے افراد کبھی نہیں

بتائیں گے کہ وہ ابوجہل کی نسل میں سے ہیں۔

بھیرہ جو خلیفۂ اوّل کا مولد و مسکن تھا، سرگودھا ہی کے ضلع میں ہے۔ وہ اپنے ضلع کی باتوں کو خوب جانتے تھے۔ مگر وقت یہ ہے کہ اس خاندان کے افراد خود تو کبھی نہیں بتائیں گے کہ وہ ابوجہل کی اولاد ہیں۔ پھر کس طرح تحقیق کی جائے کہ ضلع سرگودھا کا وہ کون سا خاندان ہے جو ابوجہل کی اولاد ہے۔ اب تو صورت حال یہ ہے کہ یا مرزامحمود خود بتلائیں کہ وہ کون سا خاندان ہے یا معاصر شمس الاسلام بھیرہ اس پر روشنی ڈالے اور اگر ان دونوں صورتوں میں سے کسی طرح بھی یہ مسئلہ حل نہ ہو تو پھر اس خاندان کی عادات کو دیکھا جائے۔ آخر ابوجہل کی اسلام دشمنی کچھ تو ان کے حصے میں آئی ہوگی۔ بہرحال ہم محققین کے سامنے ایک حل طلب سوال پیش کر رہے ہیں۔ امید کہ ضرور اس پر توجہ دی جائے گی۔ خصوصاً مولانا افتخار احمد صاحب بگوی امیر حزب الانصار بھیرہ ضلع سرگودھا اور مولانا عبدالرحمٰن میانوی اور مولانا محمد شفیع صاحب خطیب جامع مسجد سرگودھا اس مشکل میں ضرور ہماری رہنمائی فرمائیں۔

(۳۴)مرزائیوں کا کعبہ مقصود

مرزاغلام احمد بانئ مرزائیت گورنمنٹ برطانیہ کی اطاعت اپنی امت کے لئے ایسا ہی فرض سمجھتے تھے جیسے نماز روزہ فرض ہے۔ آج کل مرزائی اٹھتے بیٹھتے اس کی تردید کرتے ہیں۔ مگر اب بھی غیرممالک میں جاتے ہوئے پہلے ان کی حاضری لندن میں ہوتی ہے اور ویزے کی مشکلات وہیں حل ہو کر ان کو ممالک متعلقہ میں بھیجا جاتا ہے۔

(الفضل قادیان ج۶ ؍۴۰ نمبر۲ مؤرخہ ۲؍جنوری ۱۹۵۲ء ص۶ کالم نمبر۱) کے الفضل میں ملک عطاء الرحمٰن مبلغ فرانس کی تقریر کے یہ الفاظ پڑھئے: ’’آپ نے بتلایا کہ ہمارا قافلہ ۱۳؍جنوری ۱۹۴۵ء کو لورپول میں اترا ہم کئی واقفین تھے۔ جن کو یورپ کے مختلف ممالک میں تبلیغ اسلام کے لئے متعین کیا گیا تھا لیکن ہم سب سے پہلے لندن اس لئے گئے تھے کہ جہاں جہاں ہمیں متعین کیا گیا تھا وہاں ویزا کی مشکلات کے باعث پہنچنا ممکن نہ تھا۔ لندن میں ہم نے مولانا شمس صاحب کی زیرقیادت تبلیغی کام کیا۔ ایک لاکھ کی تعداد میں ٹریکٹ ’’کیا مسیح صلیب پر وفات پاگئے‘‘ تقسیم کیا گیا۔ ہمارا سارا گروہ لندن میں ٹریکٹ تقسیم کرتا اور لوگوں کو تبلیغ کرتا ہوا پھرا کرتا تھا۔ ہم ہر اتوار کو ہائیڈ پارک بھی جایا کرتے تھے اور وہاں تقاریر کیا

کرتے تھے۔ پھر جوں جوں ہمیں راہداریاں حاصل ہوتی رہیں۔ ہم وہاں جاتے رہے۔

مرزا تاویل کے استاد ہیں۔ دیکھیں اب اس کی کیا تاویل کرتے ہیں:

(۳۴) ہمارے سفارت خانے اور مرزائی

وزارت خارجہ کے اثر کو سر ظفر اللہ کی وجہ سے کس طرح مرزائی اپنی مرزائیت کی تبلیغ میں استعمال کرتے ہیں، اس کی ایک مثال ملاحظہ ہو۔ واشنگٹن کے مرزائی مبلغ کی سالانہ رپورٹ میں سے جو (الفضل قادیان ج۶/۴۰ نمبر۷ مؤرخہ ۸/جنوری ۱۹۵۲ء ص۴ کالم نمبر۳،۴) کے الفضل میں چھپی ہے۔ ایک اقتباس ہے۔

۱...... حکومت اسرائیل کے امریکی سفارت خانہ کے سیکرٹری نے واقفیت ہونے پر لنچ پر بلایا۔ اس موقعہ پر ان کو تبلیغ کی گئی اور مسئلہ فلسطین کے متعلق پاکستانی نقطۂ نگاہ کے متعلق بحث کی گئی۔

۲...... ڈاکٹر رالف بنچ جو مسئلہ فلسطین میں یو۔این۔او کی طرف سے ثالث تھے۔ ان کے ساتھ اس لنچ کی تقریب پیدا ہوئی۔ اس موقعہ پر دو گھنٹے تک تعلیم اسلام اور حیات النبی ﷺ پر گفتگو ہوئی اور لٹریچر پیش کیا گیا۔

۳...... مسٹر جارج حکیم آف لبنان سے سلسلہ احمدیہ کے متعلق مفید گفتگو ہوئی۔

۴...... سفارت خانہ پاکستان کے بعض افسران کو مسجد میں مدعو کیا گیا اور جماعت احمدیہ کی اسلامی خدمات سے واقف کیا گیا۔

کیا ہمارے ارباب اقتدار اب بھی بیدار نہیں ہوں گے اور مرزائیت وارتداد کی تبلیغ کو سفارت خانوں سے دور رکھنے کی کوشش نہیں کریں گے۔

اس کے ساتھ ہی سپین کے مبلغ کی تقریر بھی ملاحظہ فرمایئے۔ (الفضل مؤرخہ ۲۲/جنوری ۱۹۵۲ء) اراگون علاقے کے چوٹی کے اخبار (Hera ldo aragon) نے خاکسار کے فوٹو کے ساتھ ایک مختصر سا آرٹیکل شائع کیا۔ دراصل جرنلسٹ نے بندہ سے دوران گفتگو میں بعض سیاسی حالات پر تبادلۂ خیالات کیا تھا، جس کا ذکر کیا اس میں مصر اور ایران کے تعلق میں انگریزوں کے سلوک کا ذکر تھا۔ بندہ نے انہیں بتایا کہ دنیا کے موجودہ حقیقی رہنما جماعت احمدیہ نے ہندوستان کی آزادی سے قبل انگلستان کو یہ مشورہ دیا تھا۔ انگلستان

کے لئے یہ بہتر ہوگا کہ انگلینڈ ان ملکوں کو جو غلام ہیں، آزاد کردے تاکہ ان ملکوں کے کئی لاکھ سپاہی اپنے آپ کو آزاد سمجھتے ہوئے ازخود کمیونزم کا مقابلہ کرسکیں۔

(الفضل قادیان ج۶/۴۰نمبر۱۹ ص۷ کالم نمبر۲ مورخہ ۲۲/جنوری ۱۹۵۲ء)

ہمارے ارباب اقتدار کو دیکھنا چاہئے کہ مرزائی مبلغ ساری دنیا کو یہ یقین دلاتے پھرتے ہیں کہ دنیا کا حقیقی رہنما مرزامحمود ہے اور حقیقت میں دیکھا جائے تو ہماری وزارت خارجہ بھی ہمارے ارباب اقتدار سے زیادہ مرزامحمود کے فرامین کے تابع ہے۔ آخر یہ دوعملی کب تک برداشت کی جائے گی۔

(نمبر۳۱،۳۲،۳۳، الصدیق ج۲ ش۶ ص۸ تا۱۰، جمادی الثانی ۱۳۷۱ھ مارچ ۱۹۵۲ء)

(۳۵) زن مرید

مرزائیوں نے ہر معاملہ میں اسلام کا اور مسلمانوں کا منہ چڑانے کی کوشش کی ہے۔ وہ مرزاغلام احمد جیسے دشنام طراز اور فحّاش آدمی کو جو ''اے بدذات فرقہ مولویاں'' کہہ کے بات شروع کرتا ہے نبی کہتے ہیں اور اس کے مریدوں کو صحابہ کا مقدس نام دیتے ہیں اور حد یہ کہ مرزاغلام احمد کی بیوی کو ''ام المؤمنین'' کہا کرتے ہیں۔ حالانکہ زیادہ صحیح صورت میں اگر دیکھا جائے تو وہ بیش از بیش ''ام المرزائین'' ثابت ہوں گی۔ مگر چونکہ آنحضرت ﷺ کی ازواج مطہرات کو قرآن ''وازواجہ امھاتھم'' کہتا ہے۔ اس لئے یہ بھی مرزا کا کندھا حضور (فداہ ابی وامی) کے ساتھ ملانے کی خاطر اس کی بیوی کو ''ام المؤمنین'' کہہ کر ہمیشہ مسلمانوں کا دل دکھاتے رہتے ہیں اور حق یہ ہے کہ کسی عورت کو ام المؤمنین کہنے سے ان کا مطلب یہ نہیں کہ اس کی عزت افزائی کی جائے بلکہ اس کا مقصد وحید صرف یہ ہے کہ مرزاغلام احمد کو حضور خواجۂ دوسرا ﷺ کے ہم پلہ بنایا جائے۔ مگر کہاں آفتاب عالمتاب اور کہاں ایک گندگی کا کیڑا۔ وہ زن مرید جو اپنی بیوی کے سامنے سر نہ اٹھا سکے۔ وہ کرم خاکی جو بشر کی جائے نفرت اور انسانی کی عار ہو۔ بھلا ایسی باتوں سے وہ اس وجود مطہر کا مثیل ثابت ہو جائے گا۔ جس کی روشنی سے مشرق ومغرب چمک رہے ہیں؟...... افوہ! کجا بودم رکب کجا تاختم۔ اصل بات تو اور کہنی تھی...... خیر وہ ام المرزائین پچھلے دنوں ربوہ میں آنجہانی ہوگئی ہیں اور کئی ماہ سے روزنامہ الفضل کے صفحے میں ان کی تعریف ومنقبت میں سیاہ کئے جارہے ہیں۔

مگر تعریف کرتے کرتے مرزائیوں کو یہ یاد نہیں رہتا کہ اس کی تعریف کے بعض پہلو ایسے بھی ہیں جنہیں مرزا غلام احمد قادیانی کی منقصت پوشیدہ ہے۔ مثلاً ام المرزائین کے بھائی موجودہ خلیفہ کے ماموں اور مرزا غلام احمد کے سالے کا ارشاد ملاحظہ فرمائیے: ''میں نے اپنے ہوش میں نہ کبھی حضور (یعنی مرزا غلام احمد) کو حضرت ام المؤمنین (یعنی ام المرزائین) سے ناراض دیکھا نہ سنا۔'' (الفضل قادیان مؤرخہ یکم رمئی ۱۹۵۲ء ج۶ر۴۰ نمبر۱۰۲ ص۴ کالم نمبر۱)

یہ تو ایک تعبیر ہے مگر ایسا آدمی جو کبھی بھی اپنی گھروالی پر ناراض نہ ہوا ہو یا نہ ہوسکتا ہو (یہ بھی ملحوظ رہے کہ خود سید الانبیاء ﷺ بھی اپنی گھروالیوں پر ناراض ہوا کرتے تھے) اس کو ہماری عامیانہ زبان میں ''زن مرید'' کہا کرتے ہیں۔ گویا مرزا محمود کے ماموں اور مرزا غلام احمد کے سالے صاحب کی بات اگر عام روزمرہ کے مطابق بیان کی جائے تو یوں کہا جائے گا کہ مرزا غلام احمد صاحب زن مرید تھے۔ مگر یہ نہ سمجھے کہ اس ''پیری مریدی'' کے متعلق صرف یہی ایک بیان ہے بلکہ خود مرزا غلام احمد قادیانی کو بھی اقرار ہے کہ یہ عورت شعائر اللہ میں سے ہے اور جو بھی بات وہ کہے میں مان لیتا ہوں۔ یعنی اس کا مرید سعادت کیش وارادت پیشہ ہوں۔

اصل الفاظ ملاحظہ ہوں: ''خدا تعالیٰ نے مجھے لڑکوں کی بشارت دی (اور شاید اس وقت کے بعد کی بات ہے جب آپ نے ایک حکیم صاحب کو خط میں لکھا تھا کہ نعوظ بکلی جاتا رہا۔ ناقل) اور وہ اس بی. بی کے بطن سے پیدا ہوئے۔ اس لئے میں اسے شعائر اللہ میں سے سمجھ کر اس کی خاطر داری رکھتا ہوں (اور نعوذ بکلی جاتے رہنے کے بعد جو بی. بی بچے پیدا کرے وہ شعائر اللہ میں سے کیوں نہ ہوگی۔ ناقل) اور جو وہ کہے مان لیتا ہوں۔''

(الفضل مؤرخہ یکم رمئی ۱۹۵۲ء ج۶ر۴۰ ص۴ کالم نمبر۱)

سنا آپ نے؟ یہ زن مرید کا اپنا بیان ہے۔ اب بھی آپ یقین نہ کریں تو یہ آپ کی اپنی مرضی اور اگر ایسے آدمی کو زن مرید نہ کہا جائے تو کبھی اپنی بیوی پر ناراض نہ دیکھا نہ سنا گیا ہو جو بیوی کو کعبہ، منیٰ وعرفات وغیرہ شعائر اللہ کی طرح قابل تعظیم سمجھتا ہو اور جو...... بھی کچھ وہ کہے مان لیتا ہو تو اور فرمائیے زن مرید کسے کہا جائے گا۔ آخر یہ لفظ زبان میں آیا ہے تو کہیں تو اس کا استعمال بھی ہوگا۔ اگر ایسے فدوی قسم کے شوہر کو زن مرید نہ کہا جائے جیسے مرزا غلام احمد تھے تو پھر اور کسی کو زن مرید کہا جاسکے گا۔

(۳۶) حضرت عائشہ پر فضیلت

مرزائیوں کی ڈھٹائی کا یہ عالم ہے کہ وہ جہاں یہ کہتے نہیں ہچکچاتے کہ مرزاغلام احمد کا ذہنی ارتقاء آنحضرت ﷺ سے بڑھا ہوا تھا، وہاں مرزاغلام کے حواریوں کو صحابہ پر فضیلت اور اس کے گھر والوں کو سیدالعرب والعجم کے گھر والوں پر بھی فضیلت دینے سے نہیں شرماتے۔ زن مرید نبی کاذب غلام احمد کی بیوہ جب فوت ہوئی تو اس کی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر فضیلت ثابت کی گئی اور یہ کہا گیا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مقابلہ کی غلطی سرزد ہوگئی تھی اور زن مرید نبی کاذب کی بیوی سے یہ غلطی بھی سرزد نہیں ہوئی۔

اصل عبارت ملاحظہ ہو: ''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو آنحضرت ﷺ کی وفات سے جو صدمہ ہوا۔ اس کا اندازہ لگانا انسان کا کام نہیں۔ آپ عورتوں میں سے آنحضرت ﷺ کو سب سے زیادہ محبوب تھیں اور آپ کے والد مردوں میں سے سب سے محبوب تھے اور اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو آنحضرت ﷺ کا خلیفہ بنا کر ایک رنگ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے لئے باعث خوشی بنایا۔ مگر جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کا زمانہ آیا تو آپ سے بعض لوگوں کی باتوں سے دھوکہ میں آکر ایک غلطی ہوئی اور آپ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مقابلہ کے لئے میدان جنگ میں نکل آئیں۔ ورنہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت سے کبھی انکار نہیں کیا۔ لیکن یہاں حضرت مسیح موعود کی وفات کے بعد ایک ایسے شخص کو اللہ تعالیٰ نے خلیفہ بنایا جو نسل اور خون کے لحاظ سے حضرت ام المؤمنین کے رشتہ دار نہ تھے۔ لیکن آپ نے اطاعت اور احترام خلیفہ کا ایک قابل تقلید نمونہ دکھایا۔''

(الفضل قادیان لاہور مؤرخہ ۲ مئی ۱۹۵۲ء ص۴ ج۶ / ۴۰ نمبر ۱۶۱ کالم نمبر ۱)

دیکھ لیا آپ نے؟ اسلامی اصطلاحات کا یہ استخفاف جب سے مرزائیت شروع ہوئی ہے۔ برابر جاری ہے۔ مگر پھر بھی ان لوگوں کو اصرار ہے کہ ہم مسلمان ہیں۔ بھلا جو آنحضرت ﷺ پر غلام احمد جیسے مراقی کو ترجیح دیں اور حضور کے گھرانہ سے غلام احمد کے گھرانے کو اچھا سمجھیں ایسے منافق لوگ بھی مسلمان کہلائے جانے کے حق دار ہوسکتے ہیں؟

(۳۷) نہ اجازت لوں گی نہ ساتھ ڈھونڈھوں گی

زن مرید باپ کی بیٹی نواب مبارکہ بیگم نے ''ہماری اماں جان'' کے عنوان سے

ایک مضمون مؤرخہ ۱۱؍مئی ۱۹۵۲ء کے الفضل میں لکھا جس میں اس نے اپنی محبت کا ثبوت ان الفاظ میں دیا: ’’میں نے میاں مرحوم سے صاف کہہ رکھا تھا کہ میں یہاں آپ کا ساتھ دے کر رہتی تو ہوں لیکن اگر کبھی اماں جان کی علالت کی خبر مجھے ملی تو ہرگز نہ مجھے کسی اجازت کی حاجت ہوگی نہ کوئی ساتھ ڈھونڈنے کی۔ میں ایک منٹ بھی پھر نہیں ٹھہروں گی۔ خواہ اکیلے چل پڑنے کی صورت ہو۔‘‘ (الفضل قادیان مؤرخہ ۱۱؍مئی ۱۹۵۲ء ص۴ کالم نمبر۴ ج۴۰؍۶ نمبر۱۱۳)

کیوں نہ ہو آخر کس ماں کی بیٹی ہیں؟ ماں کے سامنے مرزاغلام احمد جیسے مدعی مسیحیت کو دم مارنے کا یارا نہ تھا تو بیٹی کے سامنے اس کا شوہر کیسے چوں کر سکتا اور مرزائیوں میں شوہر سے اجازت لینے اور ساتھ ڈھونڈنے کی شرط ویسے بھی نہ ہو۔ کیونکہ اکثر شوہر اپنے نبی کاذب کی سنت کے مطابق زن مرید ہوتے ہیں اور زن مریدوں سے اجازت لینے کی ضرورت ہی کیا ہے:

گھر جہنم ہے زن مریدوں کا

(۳۸) بیوی یا بیٹی؟

مرزابشیراحمد صاحب ایم.اے جو زن مرید مرزاغلام احمد قادیانی کے بیٹے ہیں اپنی ماں کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ’’چونکہ حضرت ام المؤمنین (یعنی ام المرزائین) حضرت مسیح موعود کے وجود کا حصہ تھیں اس لئے ......‘‘

(الفضل قادیان مؤرخہ ۱۳؍مئی ۱۹۵۲ء ج۴۰؍۶ نمبر۱۱۴ ص۴ کالم نمبر۲)

اب تک بیٹی کو تو لوگ لخت جگر یا وجود کا ٹکڑا اور حصہ کہتے تھے۔ مگر یہ آج کھلا کہ بیوی بھی وجود کا حصہ ہوتی ہے اور بسا ممکن ہے کہ جیسے مرزا قادیانی کشفی طور پر خود مریم بنے پھر حاملہ ہوئے اور پھر خود عیسیٰ بن کر پیدا ہوگئے۔ اسی طرح یوں تو امّ المرزائین ان کی بیوی تھیں۔ مگر پیار اور انتہائی شیفتگی میں کہیں وہ کشفی طور پر وہ انہیں اپنے جگر کا ٹکڑا اور اپنے وجود کا حصہ معلوم ہوئی ہوں۔ اس گورکھ دھندے کو مرزائی ہی زیادہ اچھی طرح جانتے ہوں گے۔ ہمیں اس میں دخل دینے کی کیا ضرورت ہے۔ ام المرزائین مرزاغلام احمد قادیانی کی بیوی ثابت ہوں یا بیٹی۔ ہمارے لئے اس میں کچھ فرق نہیں پڑتا۔

(۳۹) ہم تو اماں جان کا نام اللہ میاں رکھ لیتے ہیں

زن مرید جھوٹے پیمبر مرزاغلام احمد کی بیوی کیا فوت ہوئیں کہ مرزائیوں نے اس کی

تعریف میں زمین وآسمان کے قلابے ملا کر رکھ دیئے۔ آمنہ بیگم صاحبہ کے ایک مضمون کا اقتباس ملاحظہ فرمائیے: ’’گزشتہ سال ایک دن میں نے میں اماں جان کے کپڑے دھوکر سوکھنے کے لئے پھیلائے۔ میری چھوٹی بچی نسیم جس کی عمر گزشتہ سال تین برس تھی۔ وہ مجھ سے پوچھنے لگی ’’امی یہ قمیص کس کی ہے، میں نے کہا یہ قمیص اللہ میاں کی ہے۔‘‘ پھر کہنے لگی اچھا پھر اماں جان کا نام کیا ہے۔ میں نے ابھی جواب نہیں دیا تھا کہ جھٹ بول اٹھی ہم تو اماں جان کا نام اللہ میاں رکھ لیتے ہیں۔‘‘ (الفضل قادیان لاہور مؤرخہ ۵؍جون ۱۹۵۲ء ج۶؍۴۰ نمبر۱۳۴ص۴ کالم نمبر۳،۴)

یوں تو پیغمبر جس عورت کے مرید ہوں اور پیغمبروں اور مصلحوں کے لئے جو عورت شعائراللہ کا درجہ رکھتی ہو۔ اسے حق پہنچتا ہے کہ اسے خدا کہا جائے۔ مگر آپ اس اقتباس سے صرف مرزائی گھرانوں کے رجحان طبع کا اندازہ لگائیے کہ کس طرح وہ دین کے کلیات کا استخفاف کرتے ہیں کہ ان کے تین سالہ بچوں کے دل میں بھی مرزائیت کے لئے تو اتنی محبت موجود ہے کہ وہ مرزائیوں کی ماں کو اللہ میاں کہہ سکتے ہیں۔ مگر اللہ میاں کی ان کے ہاں کوئی وقعت نہیں بلکہ وہ ہر ایرے غیرے کو اس نام سے پکارنا معیوب نہیں خیال کرتے۔ بعد میں اس خیال کی گو تردید کر دی گئی ہو۔ مگر اس میلان طبعی اور نفسیاتی رجحان سے مرزائیت کے اصلی خدوخال سامنے آجاتے ہیں۔

(۴۰) مسیحی گھرانے کا اخلاق

زن مریدی جن نتائج کی حامل ہوتی ہے۔ ’’روایات محمود‘‘ میں وہ ملاحظہ فرمائیں تاکہ آپ کو یہ خیال نہ ہو کہ ہم نے مرزا قادیانی کا نام یوں ہی ’’زن مرید‘‘ رکھا ہے۔ حافظ معین الدین صاحب جو آپ کے خادم تھے اور نابینا تھے فرمایا کرتے تھے کہ مجھے حضرت مسیح موعود جب گھر سے کھانا لانے کے لئے بھیجتے تو بعض اوقات اندر سے عورتیں کہہ دیا کرتیں کہ انہیں تو ہر وقت مہمان نوازی کی فکر رہتی ہے ہمارے پاس کھانا نہیں ہے۔
(الفضل قادیان مؤرخہ ۱۱؍جون ۱۹۵۲ء ج۶؍۴۰ نمبر۱۳۹ص۴ کالم نمبر۲)

یہ روایت خود مرزامحمود کی بیان کی ہوئی ہے اور روایات محمود کے نام سے ایسی روایات محمود کے نام سے ایسی روایات کو ملک فضل حسین احمدی مہاجر مرتب فرمارہے ہیں۔ کیا یہ نتیجہ اس نتیجہ سے کچھ مختلف ہے جو عام زن مریدوں کی زن مریدی سے نکلا کرتا ہے۔

(۴۱) پدر پیشہ

ساری دنیا جانتی ہے کہ مرزا غلام احمد دستوں کی بیماری میں پاخانے کے اندر فوت ہوئے اور ذلیل موت کے بعد بھی مرزائیوں کو اصرار ہے کہ وہ ایسے تھے اور ویسے تھے ’’روایات محمود‘‘ میں یہ روایات پڑھ کر کہ ان کے والد بھی پیچش کی بیماری میں پاخانہ سے اٹھ کر لیٹے تو نزع کا عالم طاری ہوگیا۔ ہمیں یقین ہوگیا کہ پاخانہ میں موت ان حضرات کا پدر پیشہ ہے۔

اصل اقتباس ملاحظہ ہو: ’’حضرت مسیح موعود فرماتے تھے جب آپ کے والد فوت ہوئے تو ان کی عمر ۸۵ سال کی تھی۔ ان کو پیچش کی بیماری تھی۔ چارپائی کے پاس ہی پاخانہ کا انتظام تھا۔ آپ پاخانہ کے لئے اٹھنے لگے تو نوکر نے سہارا دینا چاہا مگر آپ نے جھٹکا دے کر پیچھے ہٹادیا اور کہا میں ایسا گیا گزرا نہیں کہ تم سہارے دیتے ہو۔ جب پاخانہ سے اٹھ کر لیٹے تو نزع کی حالت طاری ہوگئی۔‘‘ (الفضل قادیان لاہور ۱۱؍جون ۱۹۵۲ء ج۶؍۴۰ نمبر ۱۳۹ ص۴ کالم نمبر۱)

مرزا محمود کو اس رسم بد سے ڈرنا چاہئے۔ کہیں ان کا حشر بھی باپ دادا جیسا نہ ہو۔

(۴۲) مرزائیوں کی ماں

مرزا محمود کی والدہ کو مرزائی اپنی ماں سمجھتے تھے اور وہ بیچاری پچھلے دنوں فوت ہوگئیں اور مرزائی یتیم ہوگئے۔ نصیرالدین احمد بی۔ایس سی ربوہ نے ایک نئی ماں ڈھونڈ نکالی ہے۔ اب چاہئے کہ سب مرزائی نصیر کے اس انکشاف کی داد دیں اور آئندہ اسی ماں کو ام المرزائین کہا کریں۔ یہ داڑھی مونچھ والی ماں کون ہے؟ نصیر صاحب کے اپنے الفاظ میں سنئے: ’’اس وقت ہماری نظریں تمام تر حضرت مصلح الموعود خلیفۃ المسیح کی طرف لگی ہوئی ہیں۔ کیونکہ اب وہی ہماری ماں اور وہی ہمارے باپ ہیں۔‘‘ (الفضل قادیان مؤرخہ ۱۸؍جون ۱۹۵۲ء ج۶؍۴۰ نمبر ۱۴۵ ص۵ کالم نمبر۳)

باپ تو خیر وہ مدت سے تھے مگر ام المرزائین کی وفات کے بعد اب ماں بھی بن گئے۔ یہ نیا عہدہ مبارک ہو...... ام المرزائین مرزا محمود زندہ باد۔

(۴۳) لمبے بال اور غرارہ

غرارہ کراچی کی مکشوفات نہ تو یہ مستورات میں بہت مقبول ہے۔ حتیٰ کہ امریکہ تک بھی ہو آیا ہے۔ مگر آپ یہ سب کر حیران ہوں گے کہ غرارہ کو یہ شرف بھی حاصل ہو چکا ہے کہ

اسے مدعی نبوت اور مدعی مسیحیت نے بھی استعمال فرمایا ہے۔ روایات محمود کا ایک اقتباس ملاحظہ ہو: ’’ہاں حضرت صاحب کے بال لمبے تھے اور پہلے ہندوستانی ٹوپی استعمال فرماتے تھے اور کلاہ بھی پہنتے تھے جو آج کل کا سا چھوٹا نہیں ہوتا بلکہ لمبا ہوتا تھا اور غرارہ بھی استعمال فرماتے تھے۔‘‘ (الفضل قادیان لاہور ج۶؍۴۰ نمبر۱۴۶، مؤرخہ ۱۹؍جون ۱۹۵۲ء ص۴ کالم نمبر۴)

لمبے بال بھی عورت کی نشانی ہیں اور غرارہ بھی عورتوں ہی کا لباس ہے۔ مگر آپ شاید یہ سوچنے لگے ہوں گے۔ پھر مرزاغلام احمد نے اسے کیوں استعمال کیا؟ اس کا جواب حقیقی طور پر تو مرزائی محقق ہی دے سکتے ہیں جو فن تاویل کے امام ہیں۔ مگر مرزائی لٹریچر پڑھنے کے بعد جو کچھ ہم سمجھ سکے ہیں۔ عرض کئے دیتے ہیں ؎

گر قبول افتد زہے عزو شرف

مرزاغلام احمد کو اوّل ہی سے عورت بننے کا شوق تھا۔ چنانچہ اس طبعی رجحان کی بناء پر انہیں الہام بھی ایسے ہونے لگے کہ کشفی طور پر انہوں نے اپنے آپ کو مؤنث خیال کیا اور خدا نے ان پر اپنی طاقت رجولیت کا اظہار فرمایا۔ پھر وہ حاملہ ہوگئے۔ دردزہ ہوا اور نوبت بہ ولادت رسید۔ جب زچہ کے بعد بچہ کو دیکھا گیا تو معلوم ہوا کہ اپنے پیٹ سے خود پیدا ہوگئے ہیں۔

پھر مخالفین کے متعلق الہام ہوا کہ فلاں تمہارا حیض دیکھنا چاہتے ہے۔ وغیرہ ذالک!

جب حالت اور نوبت یہاں تک پہنچ چکی ہو اور زن مریدی براں ہو تو فرمایئے لمبے بال رکھنا یا غرارہ پہن لینا کون سا بڑا کام ہے جو انہیں نہیں کرنا چاہئے تھا۔ وہ تو لمبے بالوں کے ساتھ شکریہ کیجئے کہ انہوں نے بالیاں نہیں پہن لیں اور غرارہ پہننے کے بعد ڈولی میں نہیں بیٹھ گئے۔ ورنہ مرزائیوں کو ایسے نبوت پیشہ اور مسیحیت اندیشہ کے لئے شوہر ڈھونڈھنا دشوار ہوجاتا۔ مرزامحمود کو بھی بات سے وراثت میں جو الہام ملے ہیں۔ ان میں کبھی کوئی پٹھان ان کا ازار بند کھول لیتا ہے اور کبھی وہ گاندھی جی کے ساتھ لیٹ جاتے ہیں۔ آثار وقرائن تو اچھے نہیں۔ خدا خیر ہی کرے۔ اب تک تو ان کی شہرت دوسری تھی۔ اب وہ باپ کی تقلید میں کبھی غرارہ پہن کر ربوہ سے کراچی وارد ہوئے تو کراچی کی تتلیوں کو کہیں سر چھپانے کی جگہ نہیں ملے گی۔

(۴۴) بیس بے دین بیس نکھے

مدرسہ احمدیہ اور مرزائیہ کے دوسرے عربی مدارس کو مرزامحمود نے جو سرٹیفکیٹ

عنایت کیا ہے۔ وہ ملاحظہ فرمائیے: ’’یہی ضرورت میں سمجھتا ہوں، دینیات کے مدارس میں بھی ہے۔ وہاں بھی یہی غفلت پائی جاتی ہے لڑکے تعلیم پا رہے ہوتے ہیں اور ہم یہ سمجھ رہے ہوتے ہیں کہ بیس مبلغ تیار ہو جائیں گے۔ مگر ہوتا یہ ہے کہ بیس بے دین یا بیس نکھے یا بیس ناکارہ یا بیس جاہل پیدا ہو جاتے ہیں۔ مجھے یاد ہے ایک دفعہ مدرسہ احمدیہ کے متعلق مجھے شکایت پہنچی کہ فلاں فلاں علوم مدرسہ میں پڑھائے جاتے ہیں۔ مگر اساتذہ نے ابھی کورس کی کتابوں کے صرف چند صفحات ہی پڑھائے ہیں اور سال ختم ہوگیا ہے۔ مثلاً اگر سو صفحہ کتاب کا تھا تو اساتذہ نے سارے سال میں صرف دس بیس صفحے پڑھائے تھے۔ میں نے لڑکوں کو بلایا اور ان سے باتیں کیں۔ انہوں نے کہا بات ٹھیک ہے۔ استاد باتیں کرتے رہتے ہیں اور پڑھائی رہ جاتی ہے۔ اس کے بعد میں نے اساتذہ کو بلایا اور ان سے دریافت کیا تو میری حیرت کی کوئی انتہاء نہ رہی جب میں نے یہ دیکھا کہ بعض اساتذہ نے آگے بڑھ بڑھ کر یہ کہنا شروع کر دیا کہ ٹھیک ہے۔ ادھر ادھر کی باتیں کرنی بھی ضروری ہوتی ہیں اور اس طرح اتنا ہی پڑھایا جاسکتا تھا، زیادہ نہیں پڑھایا جاسکتا تھا۔ گویا بجائے اس کے کہ وہ اپنے فعل پر پردہ ڈالتے انہوں نے بڑی عمدگی اور دلیری سے تسلیم کیا کہ ادھر ادھر کی باتیں بھی ہوتی ہیں اور اس طرح اصل پڑھائی رہ جاتی ہے۔‘‘

(الفضل قادیان لاہور ج۶ ؍۴۰ نمبر۱۳۱ مؤرخہ یکم ؍جون ۱۹۵۲ء ص۵ کالم نمبر۲،۳)

اور یہی نکھے، یہی بے دین، یہی ناکارہ اور یہی جاہل پھر مبلغ بن کر ہمیں اور آپ کو ختم نبوت اور اجرائے نبوت کے گر سمجھانے آتے ہیں اور یہی دین مرزائیت کی تاویل کا سہارا ہیں:

گر ہمیں مکتب وہمیں ملا کار طفلاں تمام خواہد شد

(۴۵) محمدی بیگم والی پیش گوئی

مرزا غلام احمد نے محمدی بیگم کے نکاح کی پیش گوئی بڑی تحدی کے ساتھ پیش کی تھی اور اسے اپنے صدق وکذب کا معیار ٹھہرایا تھا۔ پھر جب معصومہ کی شادی پٹی کے ایک نوجوان سے ہوئی تو یہ تاویل گھڑی کہ بیوہ ہو کر یہ میرے نکاح میں آئے گی اور لوگوں کو انتظار کرنے کے لئے کہا کہ آخر اگر یہ میرے نکاح میں نہ آئے تو مجھے جھوٹا سمجھنا۔ مگر خداتعالیٰ کو جھوٹے نبی کی رسوائی چونکہ منظور تھی۔ اس لئے مرزا غلام احمد مرگئے اور محمدی بیگم اور ان کا شوہر زندہ رہے۔ مرزائی چونکہ تاویلات کے امام ہیں۔ اس لئے انہوں نے قسم قسم کی تاویلات سے اپنی

شرمندگی مٹانی شروع کی۔ مگر سچ ہر صورت میں ظاہر ہو کر رہتا ہے اور دیکھئے کہ محمدی بیگم کی پیش گوئی کے سلسلہ میں مرزائیوں کی ام المؤمنین کیا رائے رکھتی ہیں۔

''آپ ایک دفعہ بڑے سوز وگداز سے سجدہ میں دعا کر رہی تھیں اور فارغ ہونے پر حضرت مسیح موعود (مرزا قادیانی) نے فرمایا کہ کیا دعا کر رہی تھیں تو انہوں نے جواب دیا کہ میں یہ دعا کرتی تھی کہ محمدی بیگم آپ کے نکاح میں آجائے۔ اس پر حضرت اقدس (مرزا) نے فرمایا کہ سوت کا آنا آپ کو کس طرح پسند ہے۔ آپ نے جواب دیا کہ کچھ بھی ہو۔ مگر خدا کی باتیں میں چاہتی ہوں کہ پوری ہو جائیں۔ گویا آپ میں خدا تعالیٰ کی محبت اور حضرت مسیح موعود (مرزا) کی صداقت کے اظہار کی عظیم الشان تڑپ تھی ورنہ کون عورت ہے جو اپنے اور سوت کے وجود کو برداشت کر سکتی ہے۔ مگر آپ کا یہ حال ہے کہ آپ خدا کے حضور دعا میں فرماتی تھیں کہ مولیٰ آپ کی شادی محمدی بیگم سے ضرور ہو جائے۔''

(الفضل قادیان ج۴۰ نمبر۱۳۹ ص۵ کالم نمبر۳،۴، مؤرخہ ۱۱؍جون ۱۹۵۲ء)

اب اس کے بعد تو کسی قسم کی تاویل کی گنجائش نہیں۔ اگر مرزائی اپنی ماں کی بات بھی نہ مانیں تو پھر ایسے مادر پدر آزاد لوگوں سے کیا کہا جا سکتا ہے۔

(نمبر۴۳ تا۴۴، الصدیق ج۲ ش۱۱ ص۳ تا۱۲، ذیقعدہ ۱۳۷۱ھ اگست ۱۹۵۲ء)

(۴۶) جگر پاش دریدہ دہنی

۲۸؍ستمبر ۱۹۵۲ء کے الفضل میں ایک مرزائی بچہ عبدالمنان ناہید کی ایک نظم چھپی ہے۔ جس کا پہلا شعر یہ ہے:

قوم کو امن ومحبت سے بلایا جس نے اس کے حق میں یہ جگر پاش دریدہ دہنی

اور امن ومحبت کے ساتھ بلانے والے کا ایک شعر بھی سن لیجئے۔ مرزا غلام احمد اپنے مخالفین کے متعلق لکھتے ہیں: ''**انّ العدی صاروا خنازیر الفلا...... ونساء هم من دونهنّ الاکلب**''

جس کا ترجمہ یہ ہے: بے شک دشمن جنگل کے سور ہو گئے اور ان کی عورتیں کتیاں ہو گئیں۔ مرزائیوں سے عقل وفہم یا انصاف کے نام پر اپیل کرنا فضول ہے۔ کیونکہ تعصب نے انہیں اندھا کر دیا ہے۔ مگر دوسرے اہل انصاف تو دنیا میں موجود ہیں۔ کیا امن ومحبت سے

بلانے والوں کا انداز تخاطب یہی ہوتا ہے؟ اور صرف اسی پر بس نہیں۔ جب مرزاغلام احمد لعنت کرنے پر آتے ہیں تو صفحے کے صفحے لعنت، لعنت، لعنت، لعنت کے الفاظ سے لکھتے لکھتے سیاہ کردیتے ہیں اور مولویوں کو خطاب کرتے ہیں تو: ''اے بدذات فرقہ مولویاں'' سے ابتداء فرماتے ہیں۔ اپنے نہ ماننے والوں کو ''ذرّیۃ البغایا'' کنجریوں کی اولاد کا خطاب دیتے ہیں اور ایک جگہ کچھ ایسے الفاظ ہیں: ''مجھے جو نہیں مانتا اسے ولدالحرام بننے کو شوق ہے۔''

اب اہل انصاف ہی غور فرمائیں کہ مرزائی متشاعر کا کلام کس حد تک صحیح ہے۔ البتہ مرزاغلام احمد کے مذکورہ بالا الفاظ واقوال کو اگر ''جگر پاش دریدہ دہنی'' کہا جائے تو بجا ہے۔

(۴۷) مصروف جہاد

اسی نظم کا دوسرا شعر ملاحظہ ہو:

عمر بھر ان کے لئے وہ رہا مصروف جہاد — ان کو یہ فکر مگر اس کی کریں بیخ کنی

''ان'' سے مراد مسلمان اور ''وہ'' سے مراد مرزاغلام احمد قادیانی اور تبعی طور پر ان کا بیٹا اور ذریت وامت ہے اور مسلمانوں کے لئے مرزاغلام احمد نے جو جہاد کیا وہ بھی ملاحظہ ہو:

۱...... ''گورنمنٹ محسنہ سے ہرگز جہاد درست نہیں، بلکہ سچے دل سے اطاعت کرنا ہر ایک مسلمان کا فرض ہے۔'' (تبلیغ رسالت ج ششم ص ۶۵، مجموعہ اشتہارات ج۲ ص ۳۶۶،۳۶۷)

۲...... ''اس گورنمنٹ برطانیہ کے سچے شکرگزار اور قدردان رہنے کی کوشش اور تدبیریں کی جائیں گی۔'' (آئینہ کمالات اسلام ص ۵۰۲، خزائن ج۵ ص ایضاً)

۳...... ''سو یاد رہے کہ یہ سوال ان کا نہایت ہی حماقت کا ہے۔ کیونکہ جس کے احسانات کا شکر کرنا عین فرض اور واجب ہے، اس سے جہاد کیسا؟ میں سچ سچ کہتا ہوں کہ محسن کی بدخواہی کرنا ایک حرامی اور بدکار آدمی کا کام ہے۔ سو میرا مذہب ہے جس کو میں بار بار ظاہر کرتا ہوں۔ یہی ہے کہ اسلام کے دو حصے ہیں۔ ایک یہ کہ خدا کی اطاعت کریں اور دوسرے اس سلطنت کی جس نے امن قائم کیا ہو...... سو وہ سلطنت حکومت برطانیہ ہے۔''

(شہادت القرآن ص۴، خزائن ج۶ ص ۳۸۰)

۴...... ''اس لئے میری نصیحت اپنی جماعت کو یہی ہے کہ وہ انگریز کی پادشاہت کو اپنے اولی الامر میں داخل کریں اور دل کی سچائی سے ان کے مطیع رہیں۔''

اب جنگ کا فتوٰی فضول ہے

(ضرورت الامام ص۲۳، خزائن ج۱۳ ص۴۹۳)

۵...... ’’اب چھوڑ دو جہاد کا اے دوستو خیال، دین کے لئے حرام ہے اب جنگ اور قتال۔ اب آ گیا ہے مسیح جو دین کا امام ہے۔‘‘ (درثمین جدید ص۵۹، ضمیمہ تحفہ گولڑویہ ص۲۶، خزائن ج۱۷ ص۷۷)

۶...... ’’بلاشبہ ہمارا جان و مال گورنمنٹ انگریزی کی خیرخواہی میں فدا ہے اور ہوگا اور ہم غائبانہ اس کے اقبال کے دعاگو ہیں۔‘‘ (تبلیغ رسالت ج چہارم ص۲۱، مجموعہ اشتہارات ج۲ ص۱۵۳)

۷...... ’’میں اس گورنمنٹ کے لئے بطور تعویذ کے ہوں اور بطور ایک پناہ گے جو آفتوں سے بچائے۔‘‘ (نور الحق حصہ اوّل ص۳۳، خزائن ج۸ ص۴۵)

۸...... ’’قرین مصلحت ہے کہ سرکار انگریزی کی خیرخواہی کے لئے ایسے نافہم مسلمانوں کے نام بھی نقشہ جات میں درج کئے جائیں جو در پردہ اپنے دلوں میں برٹش انڈیا کو دارالحرب قرار دیتے ہیں...... ہم امید رکھتے ہیں کہ ہماری گورنمنٹ حکیم مزاج بھی ان نقشوں کو ملکی راز کی طرح اپنے کسی دفتر میں محفوظ رکھے گی۔‘‘ (تبلیغ رسالت ج۵ ص۱۱، مجموعہ اشتہارات ج۲ ص۲۲۷)

۹...... ’’میں اپنے اس کام کو نہ مکہ میں اچھی طرح چلا سکتا ہوں نہ مدینہ میں نہ روم میں نہ شام میں نہ ایران میں نہ کابل میں۔ مگر اس گورنمنٹ میں جس کے اقبال کے لئے دعا کرتا ہوں۔‘‘ (تبلیغ رسالت ج۶ ص۶۹، مجموعہ اشتہارات ج۲ ص۳۷۰)

۱۰...... ’’سو مجھ سے پادریوں کے مقابل جو کچھ وقوع میں آیا ہے حکمت عملی سے بعض وحشی مسلمانوں کو خوش کیا گیا ہے اور میں دعوٰی سے کہتا ہوں کہ میں تمام مسلمانوں میں سے اوّل درجہ کا خیرخواہ گورنمنٹ انگریزی کا ہوں۔‘‘ حضور گورنمنٹ عالیہ میں ایک عاجزانہ درخواست

(مندرجہ ضمیمہ نمبر۳ تریاق القلوب ص ج مؤرخہ ۲۷ر ستمبر ۱۸۹۹ء، خزائن ج۱۵ ص۴۹۱)

۱۱...... ’’فرقۂ احمدیہ کی خاص علامت یہ ہے کہ وہ نہ صرف جہاد کو موجودہ حالت میں ہی رد کرتا ہے بلکہ یہ آئندہ بھی کسی وقت اس کا منتظر نہیں ہے۔‘‘ (الحکم قادیان مؤرخہ ۷ر فروری ۱۹۰۷ء)

۱۲...... ’’حضرت مسیح موعود فرماتے ہیں، میں مہدی اور حکومت برطانیہ میری تلوار ہے عراق عرب شام ہم ہر جگہ اپنی تلوار کی چمک دیکھنا چاہتے ہیں۔‘‘ (الفضل قادیان ۷ر دسمبر ۱۹۱۸ء)

کیا ان حوالہ جات کے ملاحظہ کے بعد بھی مرزائیت کے متعلق کوئی غلط فہمی باقی رہ سکتی ہے۔ کیا ایسے ذلیل لوگوں کی بیخ کنی اہل انصاف کے نزدیک ناجائز ہے۔ جو عمر بھر

مسلمانوں کے خلاف برطانیہ کے مددگار رہے ہوں؟

(۴۸) مکی مدنی پیغام

اسی نظم کا تیسرا شعر ہے:

خودتو ہندی تھا پیام اس کا تھا مکی مدنی　　گالیاں سن کے دعا دیتا رہا وہ ان کو

گالیاں سن کے دعا دینے کے متعلق تو آپ پہلے شذرہ میں بہت کچھ پڑھ چکے ہیں۔اب مکی مدنی پیغام کے متعلق دیکھئے:’’میری اور میری جماعت کی پناہ اس سلطنت کو بنا دیا ہے۔یہ امن جو اس سلطنت کے زیرسایہ ہمیں حاصل ہے نہ یہ امن مکہ معظمہ میں مل سکتا ہے نہ مدینہ میں۔‘‘ (تریاق القلوب ص۱۵، خزائن ج۱۵ ص۱۵۶)

اس کے ساتھ ہی دوسرے شذرہ کا حوالہ ص۹ بھی مکرر ملاحظہ کیجئے اور اس کے ساتھ یہ بھی دیکھئے:’’ہمارے فوائد اور گورنمنٹ (برطانیہ) کے فوائد متحد ہوگئے ہیں۔‘‘

(الفضل مؤرخہ ۱۹؍اکتوبر ۱۹۱۴ء)

جن لوگوں کے فوائد سلطنت برطانیہ کے فوائد سے متحد ہوں، جو لوگ ممالک اسلامیہ میں سلطنت برطانیہ کی تلوار کی چمک دینے کے متمنی ہوں۔ان کا پیغام جس قدر مکی مدنی ہوسکتا ہے؟ اس کا اندازہ کچھ اہل بصیرت ہی کرسکتے ہیں۔

(۴۹) یہ منافقت ہے یا حقیقت

مرزامحمود (قادیانی) نے عیدالاضحیٰ کے خطبہ میں کہا:’’عید بھی ہمارے لئے ایک سندیسہ اور ایک خبر لائی ہے کہ اسلام کی رگوں میں اب بھی خون چل رہا ہے۔اب بھی محمد رسول اللہ ﷺ سے عشق رکھنے والے لوگ دین کے مرکز مکہ مکرمہ میں جمع ہیں اور انہوں نے اپنے اس تعلق کا اعلان کیا ہے جو انہیں آپ سے ہے۔‘‘ (الفضل مؤرخہ ۳؍اکتوبر ۱۹۵۲ء)

ایک زمانہ تھا کہ مرزامحمود اور ان کے حواریوں کے عقائد مسلمانوں کے متعلق یہ تھے۔

’’اب جب کہ یہ مسئلہ بالکل صاف ہے کہ حضرت مسیح موعود (مرزاغلام احمد) کو مانے بغیر نجات نہیں ہوسکتی تو کیوں خواہ مخواہ ان غیراحمدیوں کو مسلمان ثابت کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔‘‘ (قادیانی اخبار ریویو آف ریلیجنز ص۳۹ نمبر۳)

اس کے ساتھ ہی مفتی قادیان کا فتویٰ بھی ملاحظہ ہو:

سوال: کیا کسی شخص کی وفات پر جو سلسلہ احمدیہ میں داخل نہ ہو یہ کہنا جائز ہے کہ خدا مرحوم کو جنت نصیب کرے اور مغفرت کرے۔

جواب: غیر احمدیوں کا کفر بینات سے ثابت ہے اور کفار کے لئے دعائے مغفرت جائز نہیں۔ (فتویٰ مفتی سرور شاہ فرقہ احمدیہ قادیان) (اخبار الفضل مؤرخہ ۷ / فروری ۱۹۲۱ء)

کیا اب مرزا محمود کے عقائد بدل گئے ہیں اور وہ غیر احمدیوں کو مسلمان سمجھتے ہیں؟ اگر ایسا ہے تو انہیں صاف الفاظ میں اعلان کرنا چاہئے اور اگر عقائد بدلے نہیں اور بدستور وہ غیر احمدیوں کو کافر خیال کرتے ہیں، ان کے بچوں تک کا جنازہ بھی ناجائز سمجھتے ہیں اور بنابریں وہ قائداعظم کے جنازہ میں بھی شریک نہیں ہوئے تھے تو پھر مذکورہ بالا عیدالاضحیٰ کے خطبہ والی عبارت منافقت پر مبنی ہے اور محض یہ مگرمچھ کے آنسو ہیں اور آخر اس منافقت کا سہارا لینے کی ضرورت کیا پیش آئی۔ کیا اب صاف گوئی سے کام چلتا نظر نہیں آتا۔

(۵۰) اعتراف حقیقت

خطبۂ عیدالاضحیٰ میں مرزا محمود ایک حقیقت ثابتہ کا اعتراف ان الفاظ میں کرتے ہیں: ''افسوس کہ حج کی طرف سے لوگوں کی توجہ ہٹ گئی ہے۔ بہت کم لوگ ہیں جو حج کے لئے جاتے ہیں اور اس سے ہماری جماعت بھی مستثنیٰ نہیں۔ ہماری جماعت کے افراد بھی بہت کم تعداد میں حج کے لئے جاتے ہیں۔ حالانکہ حج پر اتنا روپیہ خرچ نہیں ہوتا۔ جتنا روپیہ ہم میں سے بعض زمیندار اپنے بچوں کی شادیوں پر خرچ...... کردیتے ہیں اور اس قسم کے زمیندار جماعت میں سینکڑوں کی تعداد میں موجود ہیں۔'' (الفضل قادیان ج۶/۴۰ نمبر ۲۳۱ ص۴، کالم نمبر۲ مؤرخہ ۳/اکتوبر ۱۹۵۲ء)

مرزا محمود کا یہ افسوس بے جا ہے کیونکہ جماعت کی توجہ حج سے اس پروپیگنڈہ کی بناء پر ہٹی۔ ''ہمارا سالانہ جلسہ ایک قسم کا ظلی حج ہے۔'' (الفضل ج۲۰ نمبر ۶۶ ص۵ عنوان خطبہ جمعہ)

ظلی نبی کی محبت میں جن لوگوں نے اصلی نبی کو چھوڑ دیا وہ ظلی حج کے ہوتے ہوئے، اصلی حج کی طرف کیسے متوجہ ہوسکتے تھے۔

پھر یہ اعلان بھی تو ہوا: ''میں تمہیں سچ سچ کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے بتایا ہے کہ قادیان کی زمین بابرکت ہے اور یہاں مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ والی برکات نازل ہوتی ہیں۔'' (الفضل قادیان ج۲۰ نمبر ۷۰ ص۱ کالم نمبر۲ مؤرخہ ۱۱/دسمبر ۱۹۳۲ء)

جب لوگوں کو ایک چیز نزدیک سے حاصل ہو جائے تو پھر اس کے لئے دور کا سفر اختیار کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ ایسی بے ڈول اور بے ڈھنگی باتیں اگر پروپیگنڈہ کے لئے نہ کی جاتیں تو شاید مرزائی لوگ حج کی طرف کبھی نہ کبھی متوجہ ہو جائے۔ مگر جب ان کے جھوٹے نبی نے خود تاویلات کا سہارا لے کر حج نہ کیا ہو تو پھر یہ لوگ حج کیسے کریں گے؟ اور حقیقت یہ ہے جو مرزامحمود نے خود بیان کی: ''حقیقت یہ ہے کہ دلوں میں حج کی وہ عظمت نہیں رہی جو ایک سچے مسلمان کے دل میں ہونی چاہئے اور افسوس کہ احمدیوں نے بھی اس طرف توجہ نہیں کی۔'' (الفضل قادیان ج۶ / ۴۰ نمبر ۲۳۱ ص ۵ کالم نمبر ۴ مؤرخہ ۳ / اکتوبر ۱۹۵۲ء)

اور مذکورہ بالا اقتباس کے ہوتے ہوئے مرزائیوں کے دلوں میں حج کی عظمت باقی رہ ہی نہیں سکتی۔ اب جس حقیقت ثابتہ کا اعتراف مرزامحمود نے کیا ہے یا تو اس کے ساتھ یہ اعتراف بھی کریں کہ پہلی باتیں جن میں حج کا استخفاف کیا گیا تھا۔ وہ غلط ہیں؟ اور اگر یوں ہی یہ بھی صرف دکھلاوے کے لئے ہیں تو ان کی امت ایسی باتوں کو کچھ اچھی طرح سمجھتی ہے کہ یہ باتیں ان کے لئے نہیں۔ عمل کے لئے نہیں بلکہ مسلمانوں کو دھوکہ دینے کے لئے کہی گئی ہیں۔ (نمبر ۴۶ تا ۵۰، الصدیق ج۳ ش ۱ ص ۳ تا ۸، محرم ۱۳۷۲ھ اکتوبر ۱۹۵۲ء)

(۵۱) ڈیڑھ مومن

قادیان اور ربوہ کی لنکا میں جو بھی ہے سو باون گز کا۔ مرزا قادیانی نے نبوت کا دعویٰ کر کے جھوٹی نبوت کے شارع عام کو ایسا کھولا کہ اس کے بعد ہر ایرا غیرا نبی بن بیٹھا اور تو اور احمد نور کابلی ولد اللہ نور کابلی کو نبوت کا دعویٰ کرتے ہوئے شرم نہ آئی۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اسے نکٹا بنا کر پہلے ہی اس کی ناک پر مہر لگادی تھی تاکہ وہ ایسے جھوٹ بولنے کے قابل نہ ہو۔ مگر بے شرمی قادیانی شریعت کا رکن اعلیٰ ہے۔ جب اس کے پیر مرزا غلام احمد کو باوجود نامرد کامل ہونے کے نبی بنتے شرم نہ آئی تو اس ''احماں نوں ولداناں نوں'' (احمد نور ولد اللہ نور کو احمانوں ولد اللہ نوں کہا۔ اس لئے کہ اس کا ناک کٹا ہوا تھا۔ جب بولتا تھا تو الفاظ کچھ کے کچھ کہتا تھا۔ مرتب) کو کیا شرم آتی۔ غرض قادیان کا سارا گھرانہ ''نون علی نون'' (نورٌ علےٰ النور) ہے جو اتفاق سے نبی نہیں بن سکا۔ وہ بھی اپنے آپ کو اسی قدر اونچا سمجھتا ہے کہ خود حکیم نوردین جیسے جغادری مرزائی بھی اس کے ہاں آدھے مومن ہیں۔ اس کے اجمال کی

تفصیل کے لئے مرزا محمود کے خطبہ جمعہ کا ایک اقتباس ملاحظہ ہو۔

’’پشاور کے ایک دوست تھے حافظ محمد ان کا نام تھا بڑے مخلص احمدی تھے ان کی طبیعت میں یہ مرض تھا کہ وہ چھوٹی چھوٹی باتوں کو لے کر کفر سے ورے نہیں ٹھہرتے تھے۔ فرض کرو کوئی شخص تشہد میں اپنے دائیں پاؤں کی انگلیاں سیدھی نہیں رکھتا تو ان کے نزدیک وہ کفر کی حد تک پہنچ جاتا تھا۔ میں نقرس کی وجہ سے کئی سال سے دائیں پاؤں کی انگلیاں تشہد کی حالت میں سیدھی نہیں رکھ سکتا پہلے رکھا کرتا تھا۔ اب ان کا سیدھا رکھنا مشکل ہے۔ اگر حافظ محمد صاحب اب زندہ ہوتے تو غالباً شام تک وہ مجھ پر کفر کا فتویٰ لگا دیتے۔ اس لئے کہ یہ پاؤں کی انگلیاں سیدھی نہیں رکھتے اور ایسا کرنا رسول کریم ﷺ پر ایمان نہیں اور اگر ان کا رسول کریم ﷺ پر ایمان نہیں تو ان کافر، قرآن کریم پر بھی ایمان نہیں اور اگر ان کا قرآن کریم پر ایمان نہیں تو ان کا خدا تعالیٰ پر بھی ایمان نہیں۔

نالہ دراصل ایک بڑی نالی تھی جس میں بسا اوقات گھٹنے گھٹنے تک گند بہتا تھا۔ اس نالہ پر ایک پھٹہ ڈالا ہوا تھا جس پر سے لوگ گزرتے تھے، مجھے خوب یاد ہے کہ حافظ محمد صاحب ایک دن اس پھٹہ پر بیٹھے ہاتھ اٹھائے دعا مانگ رہے تھے کہ اے خدا تیرے مسیح کے اردگرد سارے کفار اور فاسق جمع ہوگئے ہیں تو اپنے مسیح کی حفاظت فرما۔ صرف ڈیڑھ مومن ہیں، پورا میں اور آدھے مولوی نورالدین باقی سب لوگ فاسق اور کافر ہیں۔ حافظ محمد صاحب، مولوی عبدالکریم صاحب کے شروع سے مخالف تھے۔ کیونکہ وہ تیز مزاج تھے، ویسے حافظ صاحب نہایت مخلص اور قربانی کرنے والے احمدی تھے اور اپنی نیکی کی وجہ سے مشہور تھے۔‘‘ (الفضل قادیان ج۶؍۴۰ نمبر۲۳۵ کالم نمبر۴،۳ مؤرخہ ۸؍۱۰ اکتوبر ۱۹۵۲ء)

مرزا قادیانی کی کامیابی کی شہادت کے لئے حافظ صاحب جیسے ’’نہایت مخلص قربانی کرنے والے احمدی‘‘ کی شہادت ہی کافی ہے جس نبی کی ساری عمر کی کمائی ڈیڑھ مومن ہو، اس کی کامیابی میں کسے شک ہوسکتا ہے؟ ہر شک آرد مرزائی گردد

(۵۲) در ثمین کمتر از خزف

عبدالمنان ناہید مرزائیوں کے خصوصی شاعر ہیں جو ’’الفضل کے صفحات میں مرزائیانہ شاعری کے خزف ریزے بکھیرتے رہتے ہیں ۱۱؍اکتوبر (۱۹۵۲ء) کے الفضل میں

ان کی ایک نظم شائع ہوئی ہے۔ جس کا دوسرا شعر یہ ہے:

قرآں یوں تو ان میں موجود ہوگا لیکن کمتر خزف سے اس کے درثمین ہوں گے

عبدالمنان ناہید نے تو یہ نظم مسلمانوں پر چسپاں کرنے کی کوشش کی۔ مگر اللہ کی قدرت ملاحظہ فرمایئے کہ الٹی آنتیں ان کے گلے میں پڑ گئیں۔ مسلمانوں کے ہاں تو ''درثمین'' ہے ہی نہیں۔ جن لوگوں کے ہاں ''درثمین'' موجود ہے اور وہ اسے قرآن کا درجہ دیتے ہیں (نعوذ باللہ) انہیں کی درثمین ہی کمتر از خزف ہوسکتی ہے اور پھر (قادیانی) مولویوں کی کھیپ کی کھیپ بھی ہر سال ربوہ کے جامعہ احمدیہ ہی سے نکلتی ہے جہاں ہر سال کم از کم بیس پچیس مولوی فاضل ضرور گھڑے جاتے ہیں۔ بے شک یہی لوگ شر من تحت ادیم السماء ہیں اور یہی مولوی فاضل ناہید کے اس شعر کے مصداق ہیں:

یہ مولوی ہی سارے فتنوں کے ہوں گے بانی ختم ان پہ سارے فتنے پھر بالیقین ہوں گے

(۵۳) تاڑنے والی بھی قیامت کی نظر رکھتی تھی

مرزائیوں کی ماں کے کارنامے الفضل میں وقتاً فوقتاً چھپتے رہتے ہیں۔ ۱۲؍اکتوبر ۱۹۵۲ء کے الفضل ص۶ پر کسی ''سیدہ فضیلت بیگم صاحبہ'' کا ایک مضمون چھپا ہے۔ اس کا ایک اقتباس ملاحظہ فرمایئے: ''میری پہلی ملاقات حضرت ام المؤمنین سے غالباً ۱۹۱۶ء یا ۱۹۱۹ء میں سیالکوٹ میں اپنی ماموں زاد بہن سید نعیمہ بنت حضرت سید حامد شاہ صاحب (آنجہانی) کی شادی پر ہوئی۔ جب آپ تشریف لائیں تو میں پیشوائی کے لئے سیڑھیوں پر کھڑی تھی۔ میری طرف نظر پڑتے ہی آپ نے اہلیہ حضرت مولوی عبدالکریم صاحب مرحوم سے جو آپ کے ہمراہ تھیں پوچھا: ''یہ فضیلت علی شاہ کی لڑکی ہے۔'' جب انہوں نے اثبات میں جواب دیا تو آپ نے فرمایا: ''میں نے آنکھوں سے پہچانا ہے۔'' مجھے آپ کی ذہانت پر حیرت ہوئی۔ کیونکہ میرے والد سید فضیلت علی صاحب (آنجہانی) کو فوت ہوئے اس وقت کم از کم سولہ سال گزر چکے تھے جب وہ فوت ہوئے، میں تین سال کی تھی۔ اس سے پہلے نہ ان کی زندگی میں اور نہ بعد ہی آپ نے مجھے کہیں دیکھا تھا۔ والد صاحب بے شک ۳۱۳ صحابہ میں سے تھے۔ مگر ملازم پیشہ تھے اور پھر سلسلہ کے ابتدائی زمانہ میں آپ کی وفات ہوگئی تھی۔ کچھ عرصہ مستقل طور پر حضرت مسیح موعود (مرزا قادیانی) کی صحبت میں رہنے کا کوئی امکان ہی تھا کہ

اماں جان کو انہیں متعدد بار دیکھنے کا اتفاق ہوا ہوگا۔‘‘

(الفضل قادیان ج۶،۴۰ر نمبر ۲۳۹ص۶ کالم نمبر۱، مؤرخہ ۱۲؍۱۱؍اکتوبر ۱۹۵۲ء)

پڑھ لیا آپ نے؟ مرزائیوں کی ماں کس قدر تیز نظر واقع ہوئی تھیں کہ وہ مرزا قادیانی کے پاس ہر آنے والے کو ایسے غور سے ملاحظہ فرماتیں کہ اس کی صورت اس کے ذہن میں نقش ہوکر رہ جاتی اور حافظہ ایسا قوی تھا کہ ان کے بچوں کو ان کے باپوں کی نشانی سے پہچان لیا کرتیں۔ اس کے ساتھ اس پردہ کے واقعہ کو بھی یاد کر لیجئے کہ جب حضرت عبداللہؓ ابن ام مکتوم نے (جو نابینا تھے) حضور خواجہ دوسرا ﷺ کے ہاں اندر آنے کی اجازت مانگی تو حضور نے گھر والوں کو اندر چھپ جانے کا ارشاد فرمایا جب انہوں نے عرض کیا کہ حضور وہ تو نابینا ہیں۔ دیکھ نہیں سکتے تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا کیا تم بھی نابینا ہو؟ اوکما قال۔ یہیں سے حق وباطل کا فرق واضح ہو جائے گا۔

(۵۴) وہ کبھی کبھی زنا کیا کرتے تھے

لاہوری مرزائیوں کے آرگن ’’پیغام صلح‘‘ کا ایک اقتباس ملاحظہ ہو: ’’رسول کریم ﷺ کے بعد کسی اور نبی کے آنے کا اعتقاد رکھنے والے اور تمام انبیاء کو گناہ گار قرار دے کر ان کی توہین کرنے والے کبھی کامیابی کا منہ نہیں دیکھ سکتے۔‘‘

یہ نہ دیکھئے کہ ’’پیغام جنگ‘‘ والوں نے اس عبارت سے کیا مراد لی ہے۔ یہ دیکھئے کہ یہ عبارت درحقیقت کہاں چسپاں ہوتی ہے۔ حضور خاتم الانبیاء ﷺ کے بعد کسی اور نبی کا اعتقاد جماعت قادیانیہ کا ہے اور تمام انبیاء کو گناہ گار قرار دے کر ان کی توہین کرنے والے لاہوری مرزائی ہیں۔ اس دعویٰ کی دلیل یہ ہے کہ قادیانیوں کو اجرائے نبوت کا قائل بتلانے والے صرف مسلمان ہی نہیں۔ بلکہ لاہوری مرزائی بھی ان کو ایسا ہی سمجھتے ہیں گویا حضور ﷺ کے بعد کسی اور نبی کا اعتقاد کرنے والے بالاتفاق قادیانی ہوئے اور لاہوری مرزائیوں کا اعتقاد قادیانیوں کے نبی کے متعلق کیا ہے۔

وہ مرزا محمود کے ایک خطبہ سے ملاحظہ فرمائیں: ’’ایک خط میں جس کے متعلق اس نے (یعنی ایک لاہوری مرزائی نے۔ ناقل) تسلیم کیا ہے کہ وہ اسی کا لکھا ہوا ہے۔ اس پر یہ تحریر کیا ہے کہ حضرت مسیح موعود (مرزا قادیانی) ولی اللہ تھے اور ولی اللہ بھی کبھی کبھی زنا کر لیا

کرتے ہیں۔ اگر انہوں نے کبھی کبھار زنا کرلیا تو اس میں حرج کیا ہوا؟ پھر لکھا ہے ہمیں حضرت مسیح موعود پر اعتراض نہیں۔ کیونکہ وہ کبھی کبھی زنا کیا کرتے تھے۔ ہمیں اعتراض موجودہ خلیفہ پر ہے۔ کیونکہ وہ ہر وقت زنا کرتا رہتا ہے۔''

(روزنامہ الفضل قادیان ج۲۶ نمبر۲۰۰ ص۶ کالم نمبرا مؤرخہ ۳۱؍اگست ۱۹۳۸ء)

اور جو شخص اپنے قادیان کے نبی کو (جسے کم از کم وہ خود ولی اللہ مانتا ہے) کبھی کبھی زنا کرنے والا بتلاتا ہے۔ اس سے یہ کہاں توقع رکھی جاسکتی ہے کہ وہ دوسرے انبیاء کی قدر کرے گا اور جو لوگ ایسے آدمی کو ولی اللہ مانتے ہیں جو یسوع علیہ السلام جیسے اولوالعزم نبی کی دادیوں اور نانیوں کو زناکار بتلاتا ہو۔ ان کو انبیاء کا محسن نہیں خیال کیا جائے گا تو اور کس کو خیال کیا جائے گا؟ ان حوالوں کے بعد پیغام صلح کا اقتباس پھر پڑھ لیجئے اور یقین فرمایئے کہ یہ سچی بات اتفاقاً ان کی زبان سے نکل گئی ہے اور واقعی قادیانی اور لاہوری مرزائی کبھی کامیابی کا منہ نہیں دیکھ سکتے۔

(۵۵) عورتیں مرزا قادیانی کے سامنے ننگی نہاتی تھیں

مرزائی اخلاق عالیہ کا ایک نمونہ بڑے مرزا قادیانی کے حالات سے ملاحظہ ہو:

''حضرت مسیح موعود کے اندرون خانہ ایک نیم دیوانی سی عورت بطور خادمہ کے رہا کرتی تھی ایک دفعہ اس نے کیا حرکت کی کہ جس کمرے میں حضرت (مرزا قادیانی) بیٹھ کر لکھنے پڑھنے کا کام کرتے تھے وہاں ایک کونے میں کھڑا تھا جس کے پاس پانی کے گھڑے رکھے تھے۔ وہاں اپنے کپڑے اتار کر اور ننگی بیٹھ کر نہانے لگ گئی۔ حضرت (مرزا قادیانی) اپنے کام تحریر میں مصروف رہے اور کچھ خیال نہ کیا کہ وہ کیا کرتی ہے جب وہ نہا چکی تو ایک اور خادمہ اتفاقاً آنکلی اس نے اس نیم دیوانی کو ملامت کی کہ حضرت (مرزا قادیانی) کے کمرے میں اور موجودگی کے وقت تو نے یہ کیا حرکت کی تو اس نے ہنس کر جواب دیا ''انہوں کجھ دیدا ہے'' یعنی اسے کیا دکھائی دیتا ہے۔''

(ذکر حبیب ص۳۸ مصنفہ مفتی محمد صادق قادیانی)

وہ نیم دیوانی جب عین موقع پر پکڑی گئی تو اسے یہی کہنا چاہئے تھا مگر آپ ذرا غور فرمائیں کہ گھر میں کام کاج کرنے والی عورت کو یہ جرأت کس اخلاق عالیہ کی بنا پر ہوئی کہ وہ بڑے مرزا قادیانی کی موجودگی میں ان کے سامنے ننگی نہانے لگ گئی؟

(مرزا قادیانی سے بے تکلفی نے اسے اتنا جری کردیا تھا۔ مرتب)

(۵۶) مرزا غلام احمد نے تھیٹر دیکھا

نئے زمانے کے نئے نبی کا ایک کارنامہ ملاحظہ ہو: ’’ایک شب دس بجے کے قریب میں تھیٹر میں چلا گیا جو مکان کے قریب ہی تھا اور تماشہ ختم ہونے پر دو بجے رات کو واپس آیا۔ صبح مفتی ظفر احمد صاحب نے میری عدم موجودگی میں حضرت (مرزا قادیانی) کے پاس میری شکایت کی کہ مفتی صاحب رات تھیٹر چلے گئے تھے۔ حضرت (مرزا قادیانی) نے فرمایا ایک دفعہ ہم بھی گئے تھے۔‘‘ (ذکر حبیب ص۱۸ مصنفہ مفتی محمد صادق قادیانی)

جن لوگوں کے نبی نے تھیٹر دیکھا ہو ان کا خلیفہ اگر پیرس میں چوہدری ظفر اللہ کے ساتھ ننگے ناچ دیکھتا پھرے تو اس میں تعجب کی کیا بات ہے؟

(۵۷) غیر عورت سے پاؤں دبوانا

گھر کے اندر مرزا غلام احمد نے جو دھاندلی مچا رکھی تھی اس کا ایک نمونہ ملاحظہ فرمایئے: ’’ڈاکٹر میر محمد اسماعیل صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ حضرت (مرزا قادیانی) کے ہاں ایک بوڑھی ملازمہ مسمّاۃ بھانو تھی۔ وہ ایک رات جب کہ خوب سردی پڑ رہی تھی حضور کو دبانے بیٹھی چونکہ وہ لحاف کے اوپر سے دباتی تھی۔ اس لئے اسے پتہ نہ لگا کہ جس چیز کو میں دبا رہی ہوں وہ حضور کی ٹانگیں نہیں ہیں بلکہ پلنگ کی پٹی ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد حضرت صاحب نے فرمایا بھانو آج بڑی سردی ہے۔ بھانو کہنے لگی ہاں جی تدے تا تہاڈی لتاں لکڑی وانگ ہویاں ہویاں ایں۔ جبھی تو آپ کی لاتیں لکڑی کی طرح سخت ہو رہی ہیں۔‘‘

(سیرت المہدی قدیم حصہ سوم ص۲۱۰، سیرت المہدی جدید حصہ سوم ص۷۲۲ روایت نمبر۷۸۰)

دیکھ لیجئے یہ ہیں مرزائیوں کے نبی جو غیر محرم عورتوں سے پاؤں دبواتے ہیں اور ملازمہ بہرحال محرم تو ہو ہی نہیں اور نہ اتنی بوڑھی کہ بالکل ہی خطرے سے باہر ہو۔ کیونکہ جو لحاف کے اوپر اتنا زور لگا سکتی ہے کہ پاؤں دبا لے وہ بہرحال از کار رفتہ نہیں ہوگی اور اگر فرض کیجئے کہ از کار رفتہ بھی ہو تو کیا اس سے پاؤں دبوانا شریعت میں جائز ہے؟ فاعتبروا یااولی الابصار! (نمبر۵۱ تا ۵۷، الصدیق ج۳ ش۲ ص۳ تا ۲۸، ۱۳۷۲ھ نومبر ۱۹۵۲ء)

(۵۸) چھوٹے میاں سبحان اللہ

بڑے میاں (یعنی مرزا غلام احمد) کے کرتوت آپ پچھلے ماہ ’’الصدیق‘‘ میں پڑھ

چکے ہیں۔ ’’بڑے میاں سو بڑے میاں چھوٹے میاں سبحان اللہ‘‘ کی ضرب المثل کو پورا کرنے کے لئے اب کچھ چھوٹے میاں کے کارنامے ملاحظہ فرمایئے۔ چھوٹے میاں کی زندگی کو دو حصوں میں تقسیم کر لیجئے۔ زندگی کے اوّلین حصہ میں ان کی حالت کے متعلق ایک مرزائی خاکسار ’’شوق محمد‘‘ کا بیان ملاحظہ ہو: ’’۱۹۰۳ء میں، میں (شوق محمد) قادیان میں بغرض تعلیم مقیم تھا۔ میں نے اپنے زمانہ قیام دارالامان میں متعدد بار دیکھا (یہ تعداد یاد رکھئے یعنی ایک آدھ بار اتفاقیہ طور پر یہ نہیں ہوا۔ ناقل) کہ حضرت امیرالمؤمنین خلیفۃ المسیح الثانی (یعنی میاں محمود احمد صاحب) بچپن میں ہی چلتے وقت نہایت نیچی نظریں رکھا کرتے تھے اور چونکہ آپ کو آشوب چشم کا عارضہ عموماً رہتا تھا۔ اس لئے کئی بار میں نے حکیم الامت مولانا نورالدین صاحب خلیفۃ المسیح الاوّل کو خود اپنے ہاتھ سے آپ کی آنکھ میں دوا ڈالتے دیکھا۔ وہ دوائی ڈالتے وقت عموماً (یعنی کبھی کبھی اتفاقیہ نہیں بلکہ عام طور پر اکثر۔ ناقل) نہایت محبت اور شفقت سے آپ کی پیشانی پر بوسہ دیا کرتے تھے اور (اسی پر اکتفا نہیں بلکہ۔ ناقل) رخسار مبارک پر دست مبارک پھیرتے ہوئے فرمایا کرتے تھے میاں تو بڑا ہی میاں آدمی ہے۔‘‘ (اخبار الفضل قادیان ج۲۶ نمبر۵۹ مؤرخہ ۱۲؍مارچ ۱۹۳۸ء)

ہمیں حاشا وکلاّ مولوی حکیم نورالدین صاحب خلیفہ کذاب قادیانی پر قطعاً بدگمانی کا کوئی حق حاصل نہیں مگر یہ ہمیشہ کی بوسہ بازی اور پھر اس پر مستزاد ہمیشہ گالوں پر ہاتھ پھیرنا اور پھر یہ دلچسپ فقرہ کہ: ’’میاں تو بڑا ہی میاں آدمی ہے۔‘‘ اور کچھ نہیں تو اتنی بدگمانی تو ضرور پیدا کر دیتا ہے جو پروفیسر صلاح الدین محمد الیاس برنی کو ہوئی۔ پروفیسر صاحب عثمانیہ یونیورسٹی کے شعبہ معاشیات کے صدر اور نئے تعلیم یافتہ اور تہذیب یافتہ گروہ میں سے ہیں۔ وہ اپنے ’’مقدمہ قادیانی مذہب‘‘ میں حوالہ نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں: ’’محبت وشفقت میں تو کلام نہیں لیکن دعا پیار کی آڑ معلوم ہوتی ہے۔‘‘ خیر اس کو بھی جانے دیجئے۔ حکیم صاحب بے لوث آدمی ہی سہی اور دعا پیار کی آڑ بھی نہ سہی۔ مگر اس عمومی بوسہ بازی اور گالوں پر ہاتھ پھیرنے سے میاں محمود ایسا میاں آدمی بن گیا کہ حکیم صاحب کو بھی اقرار کرنا پڑا کہ میاں تو بڑا ہی ’’میاں آدمی‘‘ ہے۔

(۵۹) غیرت از چشم برم

کہتے ہیں: ’’عشق است وہزار بدگمانی‘‘ اس ضرب المثل کی صحت کو وہی جان سکتا ہے جس نے خود عشق کیا ہو یا کسی عاشق منش کو دیکھا ہو۔ چھوٹی چھوٹی باتوں پر ایسی ایسی

بدگمانیوں کی عمارت کھڑی کی جاتی ہے کہ سن کر حیرت ہوتی ہے۔ خلیفۂ اوّل حکیم نورالدین کو میاں محمود خلیفہ ثانی کے بچپن میں ان سے جس قدر پیار تھا۔ وہ تو آپ پڑھ چکے ہیں۔ یہ پیار پیار کی حد تک نہیں رہا بلکہ اس نے بدگمانی کا باب بھی کھول دیا تھا۔

خود مرزا محمود کا اپنا بیان پڑھئے: ''مجھے یاد ہے، میرا ایک دوست تھا۔ بچپن میں ایک دفعہ ہم دونوں ہاتھ میں ہاتھ ڈالے بیٹھے تھے (ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر کھڑے ہونا اور ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر چلنا بھی اگرچہ برا ہے اور ثقہ گھرانوں کے بچے ایسا نہیں کیا کرتے مگر مرزا محمود کا ستم ملاحظہ ہو کہ وہ اپنے دوست کے ہاتھ میں ہاتھ ڈالے بیٹھے تھے اور یہی وجہ ہے کہ حکیم صاحب کو ایکشن لینا پڑا۔ ناقل) کہ حضرت خلیفۂ اوّل نے دیکھا۔ میری تو آپ بہت عزت کیا کرتے تھے (جس کے نتیجے میں ماتھے کا بوسہ اور گالوں پر ہاتھ پھیرنا تک روا رکھتے تھے۔ ناقل) اس لئے مجھے تو کچھ نہ کہا۔ لیکن اس کو اس قدر ڈانٹا کہ مجھے بھی سبق حاصل ہوگیا۔''

(میاں محمود خلیفہ قادیان کا ارشاد مندرجہ اخبار الفضل قادیان ص۲۷ نمبر۵۸ مؤرخہ ۱۱؍مارچ ۱۹۳۹ء)

یہ تو بہرحال ہم بھی تسلیم کرتے ہیں کہ مرزا محمود کا دوست صرف مرزا محمود کے ہاتھ میں ہاتھ ڈالے بیٹھا تھا اور ایسی ویسی اور کوئی بات نہ تھی۔ مگر جو بات کھٹکتی ہے وہ خلیفۂ اوّل حکیم نورالدین کی ڈانٹ ہے۔ اگر یہ ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر بیٹھنا کسی برائی کی تمہید نہ سمجھا جاتا تو حکیم صاحب اپنے پیارے میاں کو ہرگز ہرگز نہ ڈانٹتے۔ خواہ وہ ڈانٹنا ''گفتہ آید در حدیث دیگراں'' کے رنگ ہی میں کیوں نہ تھا۔ مگر حکیم صاحب بہرحال امت مرزائیہ کے لئے حکیم الامت تھے اور وہ یہ بھی جانتے تھے کہ ''میاں تو بڑا ہی میاں آدمی ہے'' یہ ہاتھ میں ہاتھ ڈالنے والے کہیں کوئی خرابی ہی نہ پیدا کردیں۔ اس لئے انہوں نے مرزا محمود کے دوست کو ایسا ڈانٹا کہ میاں کو بھی سبق حاصل ہوگیا۔

(۶۰) سب سے بڑا الزام ''عیاشی''

''بچپنا ختم ہوا، اور جوانی آئی'' جوانی نے کیا رنگ کھلائے وہ خلیفہ صاحب کے ماموں میر محمد اسماعیل صاحب کی زبانی پڑھئے۔ میر صاحب خود ڈاکٹر تھے اور ڈاکٹری کی دھونس میں وہ ہر الزام کی تردید فرماتے ہوئے لکھتے ہیں: ''بڑا الزام یہ لگایا جاتا ہے کہ خلیفہ (یعنی میاں محمد احمد) عیاش ہے۔ اس کے متعلق میں کہتا ہوں، میں ڈاکٹر ہوں اور میں جانتا ہوں کہ وہ لوگ جو چند دن بھی عیاشی میں پڑ جائیں وہ وہ ہو جاتے ہیں جسے انگریزی میں ریک (wreek)

کہتے ہیں۔ایسے انسان کا نہ دل و دماغ کام کا رہتا ہے، نہ عقل درست رہتی ہے، نہ حرکات صحیح طور پر کرتا ہے۔غرض سب قوی اس کے برباد ہو جاتے ہیں اور سر سے لے کر پیر تک اس پر ایک نظر ڈالنے سے فوراً معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ عیاشی میں پڑ کر اپنے آپ کو برباد کر چکا ہے۔اسی لئے ہم کہتے ہیں کہ:''الزنا یخرج البناء'' کہ زنا انسان کو بنیاد سے نکال دیتا ہے۔مگر ہمارا خلیفہ نعوذ باللہ! اگر عیاش ہوتا تو وہ اولوالعزمی وہ بلند ہمتی وہ دانش مندی وہ فہم وفراست وہ ذکاوت وہ تدبر جو آپ کو عدیم المثال طور پر حاصل ہے۔حاصل ہو سکتا ہے؟''

(میر محمد اسماعیل قادیانی کی تقریر مندرجہ اخبار الفضل قادیان ج۲۵ نمبر۱۵۸ ص۶ کالم نمبر۳ مؤرخہ ۱۰؍جولائی ۱۹۳۷ء)

الزام غلط ہو یا صحیح اس کے متعلق تو ڈاکٹر میر محمد اسماعیل صاحب جانیں اور الزام لگانے والے۔ کیونکہ یہ ان کے اپنے گھر کا معاملہ ہے۔ الزام لگانے والوں کی اکثریت یا مرزائی ہے یا سابق مرزائی۔ بہرحال کسی مسلمان نے جو کبھی مرزائی نہ رہا ہو کبھی ایسا الزام نہیں لگایا۔ کیونکہ الزام لگانے والے اکثر گھر بیتیاں بیان کرتے ہیں اور یہ چیز مرزائیوں کا گھریلو معاملہ ہے۔ ہمیں اس میں دخل دینے کی ضرورت نہیں۔ البتہ مرزامحمود کی بہادری اور اولوالعزمی جو ڈاکٹر صاحب بیان فرماتے ہیں۔ وہ واقعی ایک مسلّم چیز ہے۔ قادیان سے برقعہ پہن کر عورتوں کی کار میں نکلنا اگر بہت بڑی بہادری ہے تو پھر مرزا (محمود) سے بڑھ کر اور کون بہادر ہو سکتا ہے اور اسی طرح علماء اسلام کے مقابلہ میں گھر سے باہر نہ نکلنا بھی تو ایک قسم کی بہادری ہی ہے اور اب اس اولوالعزم کے کیا کہنے کہ ربوہ سے آگے افریقہ وغیرہ جانے کی تیاریاں شروع ہیں۔ حتیٰ کہ مرزائیوں کو حکم دیا جا چکا ہے کہ وہ اپنی لڑکیاں باہر کے ممالک میں بیاہیں تاکہ اولوالعزمی کے ساتھ بھاگنے کی ضرورت پیش آئے تو کہیں تو ٹھکانا ہو۔

اور یہ بھی تو بہادری کی ہی ایک قسم ہے کہ نمازیں مسلح پہرے میں ہوا کرتی ہیں اور گھر سے باہر قدم رکھا نہیں اور پہرہ شروع ہوا نہیں۔ درس یا ترجمہ یا تقریر جو بھی ہے سو پہرے میں اور قربان جایئے اس بہادری کے کہ بہادروں نے بہادری کے مارے اپنی بستی ہی مسلمانوں سے الگ بسائی تاکہ ایسا نہ ہو کہ اولوالعزمی اور بہادری کا بھرم ہی کھل جائے۔

اور ڈاکٹر صاحب (اگر مر نہیں گئے تو) خدا کے لئے الفضل کی پچھلی فائلیں اٹھا کر دیکھ لیں کہ مرزامحمود واقعی ریک ہیں یا نہیں؟ کبھی وہ اچھے رہے ہی نہیں۔ کبھی سر درد کے مریض ہیں اور کبھی پیر درد کے سر سے لے کر پاؤں تک جس قدر عیّاش لوگوں کو بیماریاں ہوتی

ہیں وہ نزلہ زکام سے لے کر نقرس تک سب الفضل کے فائلوں میں چھپی ہوئی موجود ہیں تو کیا اس کے بعد ڈاکٹر صاحب یا دوسرے مرزائی ہمیں اجازت دیں گے کہ ہم مرزا محمود کو عیاش خیال کریں؟ لاہوری مرزائی تو فوراً اجازت دے دیں گے اور ''احوال واقعی جاننے والے قادیانی'' بھی دبی زبان سے ہاں کہہ دینے میں عار نہیں محسوس کریں گے۔ مگر ہم جس آقا و مولیٰ کی امت ہیں ہمیں اس نے یہ تعلیم نہیں دی کہ بغیر تحقیق کے قیاسات وآثار کی بناء پر ہم کسی پر یوں الزام لگاتے پھریں۔ اللہ تعالیٰ مرزائیوں کو بھی عقل دے کہ وہ ایک جھوٹے آدمی کے جھوٹ کو نبھانے کے لئے ہزاروں لاکھوں اور کروڑوں اور جھوٹ بول رہے ہیں۔

(۶۱) دوسرا الزام شراب خوری

ایک مرزائی ڈاکٹر نے ڈاکٹری کی دھونس جما کر یہ ثابت کرنا چاہا کہ مرزا محمود ہرگز ہرگز عیّاش نہیں۔ اب ذرا دوسرے مرزائی ڈاکٹر کی تحقیق ملاحظہ فرمائیے۔ وہ ڈاکٹری کے زور سے یہ ثابت کرتے ہیں کہ مرزا محمود نے جس وقت ان سے ملاقات کی۔ انہوں نے شراب پی رکھی تھی۔

حوالہ ملاحظہ ہو: ''مکرم ومعظم جناب میاں صاحب خلیفہ جماعت قادیان السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، میرے کانوں نے احمدیہ بلڈنگس (لاہوری مرزائیوں کا اڈہ۔ ناقل) میں آپ کے متعلق ایک ایسی بات سنی جس نے میرے وجود میں ایک لرزہ ڈال دیا ہے اور وہ ایسی خطرناک بات ہے کہ جسے چھپا نہیں سکتا۔ اگر وہ صحیح ہے تو آپ کے لئے زلزلہ نمونہ قیامت ہے اور اگر غلط ہے تو اس بات کے پروپیگنڈا کرنے والے پر آسمان سے غضب کا زلزلہ وارد ہوگا...... چنانچہ اسی غرض کے لئے میں یہ خط آپ کو بھیج رہا ہوں اور اب وہ بات لکھتا ہوں جو میں نے اپنے کانوں منہ در منہ سنی ہے۔ کچھ عرصہ ہوا کہ ڈاکٹر اللہ بخش صاحب لاہوری احمدی اور مولوی آفتاب الدین...... مشنری ووکنگ قادیان گئے تھے۔ انہوں نے وہاں آپ سے ملاقات کا انتظام کیا۔ آپ نے ان کو دوتین گھنٹہ کے وقفہ سے ملاقات کا موقع دیا۔ مجھے اس ملاقات کے متعلق میرے دفتر میں پہلے چوہدری محمد سعید صاحب بھٹہ اور سیر نے اور پھر مولوی آفتاب الدین صاحب نے یہ سنایا کہ ڈاکٹر اللہ بخش صاحب نے اپنی ڈاکٹری سے دوران ملاقات میں یقینی طور پر اندازہ کیا کہ آپ نے شراب پی ہوئی تھی۔ اسی لئے آپ

نے دو تین گھنٹہ کا وقفہ لیا اور پھر آپ نے جو خوشبوئیں لگا کر ملاقات کی۔ انہوں نے آپ کے منہ سے شراب کی بو کو بہر حال محسوس کر لیا۔

مجھے اسی طرح دو گواہوں نے یہ بات سنائی اور سنانے والوں نے اپنے حلقہ میں، مجھے خیال ہے کہ دور دور تک اسے پھیلا دیا ہے۔''

(شیخ غلام محمد قادیانی کا مکتوب مندرجہ رسالہ تصنیفات احمدیہ ج یازدہم ص۹ مطبوعہ لاہور)

اگر ایک ڈاکٹر اپنی تحقیقات سے یہ ثابت کرنے میں حق بجانب ہے کہ مرزا محمود ایسے ویسے نہیں تو دوسرا ڈاکٹر بھی یقیناً حق بجانب ہے۔ جب کہ اپنی ڈاکٹری سے دوران ملاقات میں یقینی طور پر یہ اندازہ کیا کہ آپ نے شراب پی ہوئی تھی اور جب یہ بھی ثابت ہو کہ شراب پینا آپ کا پدری پیشہ ہے۔ مرزا قادیانی ٹانک وائن، پلومر کی دکان سے منگوایا کرتے تھے اور خواہ دوائی کے طور پر ہی سہی مگر پیا تو کرتے تھے اور بچپن میں آپ افیون کھایا کرتے تھے۔ پھر جوانی یا بڑھاپے میں شراب پی لی تو کون سی بڑی بات ہوئی۔

(۶۲) بچہ بازی کا الزام

حضرت صابر ملتانی کے فرزند میاں فخر الدین ملتانی بدقسمتی سے قادیانیت کے پھندے میں پھنس گئے اور صابر صاحب نے انہیں گھر سے نکال دیا تھا۔ وہ یہاں سے سیدھے قادیان چلے گئے اور وہاں جا کر کتابوں کی دکان کھول لی۔ کتابیں بیچنا اباً عن جدٍ ان کا پیشہ تھا۔ اس لئے دکان کامیاب ہوئی اور وہ نہایت خوشحالی سے زندگی بسر کرنے لگے۔ قادیانیت میں اس قدر متشدد تھے کہ جب مرزا محمود پر عیاشی وغیرہ کے الزام لگائے جانے لگے تو ان لوگوں کا منہ توڑ جواب دینے کے لئے عبدالرحمٰن صاحب مصری ہیڈ ماسٹر تائید الاسلام سکول اور میاں فخر الدین ملتانی دونوں پیش پیش تھے۔ مگر اس تردید کا انجام دونوں کے لئے اچھا نہیں ہوا، اور کچھ ایسی افتاد پڑی کہ دونوں حضرات یکے بعد دیگرے ویسے ہی الزامات مرزا محمود پر لگاتے ہوئے جماعت سے الگ ہوئے۔ فخر الدین ملتانی بیچارے تو وہیں قتل کر دئے گئے اور عبدالرحمٰن مصری کو سنا ہے احرار رضا کاروں نے بچا لیا اور وہ اب لاہوری جماعت میں شامل ہو گئے ہیں۔ الزامات بسا ممکن ہے کہ غلط ہوں۔ مگر ہے یہ نہایت تعجب کی بات کہ جن الزامات کی تردید یہ لوگ کیا کرتے تھے بعینہٖ وہی الزامات پھر وہ خود لگانے لگ جائیں۔

فخرالدین ملتانی جوالزامات مرزامحمود پر لگاتے تھےان کا ذکر الفضل میں آچکا ہے۔

مہاشہ محمد عمر قادیانی کا بیان ملاحظہ ہو: ’’نیز میں خدا کی قسم کھا کر یہ بھی لکھتا ہوں کہ اس نے (یعنی میاں فخرالدین صاحب ملتانی قادیانی نے) ایک دن اپنے مکان کے پاس کھڑے ہوکر کہا تھا کہ تحریک جدید (کے بورڈنگ) کا ایک فائدہ ضرور ہوا ہے کہ پہلے لڑکوں کو تلاش کرنا پڑتا تھا اور اب لڑکے جمع شدہ مل جائیں گے۔اس جگہ اس کا مفہوم نہایت ہی گندہ تھا اور حضور (میاں محمود احمد صاحب خلیفہ قادیان) پر کمینہ حملہ تھا۔‘‘

(مہاشہ محمد عمر قادیانی کا حلفیہ بیان مندرجہ اخبار الفضل قادیان ج۲۵ نمبر۱۶۵ ص۲۱ کالم نمبر۱ مؤرخہ ۱۸؍جولائی ۱۹۳۷ء)

اس شہادت کے بعد خود مرزامحمود احمد کا بیان پڑھئے: ’’اس شہادت میں ایک اور بات بھی بیان کی گئی ہے جو تحریک جدید کے بورڈنگ کے متعلق ہے اور اس تحریک جدید کے وقف کنندگان کے متعلق ہے۔اس میں جس قدر شرمناک حملہ مجھ پر کیا گیا وہ میں نہیں سمجھتا کہ احراریوں کے حملوں سے یا دوسرے دشمنان سلسلہ کے حملوں سے کم ہو۔ اگر ایسے لوگ احمدیت میں رہ سکتے ہیں تو میں سمجھتا ہوں کہ خلافت اور نظام سلسلہ سے بدتر اور بے معنی لفظ دنیا میں کوئی نہیں ہوسکتا۔اس سے بہتر یہ ہوگا کہ جماعت بے خلافت رہے تاکہ لوگوں کو ایسے بے معنی نظام پر ہنسی اڑانے کا موقع نہ ملے۔‘‘ (میاں بشیرالدین محمود احمد خلیفہ قادیان کی تقریر مندرجہ الفضل قادیان ج۲۵ نمبر۱۶۵ ص۲۱ کالم۲،۳، مؤرخہ ۱۸؍جولائی ۱۹۳۷ء)

ہم نہیں سمجھتے کہ ان دونوں بیانوں کے بعد کسی قسم کی مزید گفتگو کی ضرورت ہے: تانباشد چیزکے مردم نگویند چیزہا! (۵۸تا۶۲، الصدیق ج۳ ش۳ ص۳تا۸، ربیع الاوّل ۱۳۷۲ھ دسمبر ۱۹۵۲ء)

(۶۳) ربوہ

جب مشرقی پنجاب میں مرزاغلام احمد کے الہام کے مطابق ’’کمترین کابیڑا غرق‘‘ ہوا اور ’’کمترین خلائق‘‘ مرزامحمود کو وہ قادیان چھوڑنا پڑا جسے وہ مرکز سمجھتے تھے اور جس کے متعلق بار بار اعلان کرتے رہے تھے کہ مرکز کو کسی طرح نہیں چھوڑا جاسکتا اور غلام احمد کا اولوالعزم اور بہادر بیٹا عورتوں کی کار میں برقعہ پہن کر جب پاکستان پہنچا تو اسے نئے مرکز بنانے کی فکر ہوئی۔ پنجاب میں اس وقت مسٹر موڈی گورنر تھے جو اس قوم سے تعلق رکھتے تھے جس کو خطاب کرکے مرزاغلام احمد نے کہا تھا کہ ’’میں تو آپ کا خود کاشتہ پودا ہوں۔‘‘ موڈی

سے مشرقی پنجاب سے اکھاڑ دیئے جانے کے بعد مرزا محمود نے دوبارہ کاشت کے لئے درخواست کی تو اس نے دریائے چناب کے پاس پہاڑوں کے درمیان (چنیوٹ کے قریب۔مرتب) ایک قطعہ اراضی برائے نام قیمت پر گویا ''ٹکے گز'' کے حساب سے مرزا محمود کے حوالے کردیا اور مرزا محمود نے وہاں ایک علیحدہ بستی اپنے مریدوں سے ہزاروں بلکہ لاکھوں کما کر آباد کردی۔جس کا نام انہوں نے ربوہ رکھا اور یہ نام اس مناسبت کی بناء پر رکھا کہ حضرت عیسیٰ ابن مریم کے متعلق قرآن میں آیا ہے۔

''وجعلنا ابن مریم وامّہ آیۃ واٰوینٰھما الٰی ربوۃ ذات قرار ومعین (المؤمنون:۵۰)'' ہم نے مریم کے بیٹے اوران کی ماں کو بڑی نشانی بنایا اور ہم نے ان دونوں کوایک ایسی بلند زمین پر لے جا کر پناہ دی جو ٹھہرنے کے قابل اور شاداب جگہ تھی۔

چونکہ مرزا محمود کے باپ مرزا غلام احمد اپنے آپ کو ہی ''ابن مریم'' سمجھتے تھے اور باوجود ان کی ماں کا نام مریم نہیں تھا پھر بھی وہ خود مریم بن گئے اور پھر خود ہی ''ابن مریم'' بننے کے شوق میں اپنے پیٹ سے آپ پیدا ہوگئے اور یہ ''میں ولد میں'' کا معجون مرکب ابن مریم گو لاہور میں مرا اور قادیان میں دفن ہوا۔مگر چونکہ ابن مریم کے لئے قرآن میں ربوہ میں ٹھکانہ دینے کا ذکر تھا۔اس لئے قادیانی تحریف وتاویل نے بھی ''میں ولد میں'' کے لئے ایک ''ربوہ'' انگریزی مداری کے تھیلے سے نکال لیا۔مگر افسوس کہ اس ربوہ میں نہ اس مرزا غلام احمد کو ٹھکانا نصیب ہوا جو مریم تھے اور جسے حیض آتا تھا اور جس پر خدا نے طاقت رجولیت کا اظہار کر کے اسے حاملہ کردیا تھا اور نہ اس مرزا غلام احمد کو جگہ ملی جو ''مریم غلام احمد'' کے پیٹ سے دردزہ کے بعد پیدا ہوا، اور بقول خود ابن مریم بن گیا۔

پھر قرآن میں جس ربوہ کا ذکر ہے اس کی نشانیاں دو بتائی گئی ہیں۔''ذات قرار'' اور ''معین'' یعنی ٹھہرنے کے قابل اور شاداب جگہ ہے۔مگر قادیانی ابن مریم کا ربوہ ایک غیرآباد بنجر اور بالکل بے آب وگیاہ سرزمین ہے۔یہ ہم اپنی طرف سے نہیں کہہ رہے ہیں۔ خود قادیانیوں کو بھی اقرار ہے کہ یہ سرزمین ''ذات قرار ومعین'' نہیں۔

ملاحظہ ہو الفضل لکھتا ہے: ''خود ''ربوہ'' کی یہ زمین جیسا کہ حکومت پاکستان کے ایک اعلان سے واضح ہوتا ہے ایسی نکمی تھی کہ کوئی شخص ایک پیسہ میں بھی اس کا خریدار نہیں تھا۔ اگر اس کی اب کوئی اہمیت ہوئی ہے تو محض آبادی کی وجہ سے ہے۔یہ اراضی کاشت کے

بالکل نا قابل ہے۔ دریا کے پاس ہونے کے باوجود ارد گرد کی زمین سے پندرہ بیس فٹ اونچا ہونے کی وجہ سے یہاں کیکر کا درخت تک بھی نظر نہیں آتا تھا۔‘‘

(الفضل قادیان ج۶ ؍ ۴۰ ؍ ۴ نمبر ۲۹۳ ص۳ کالم نمبر ۲، مؤرخہ ۱۸ ؍ دسمبر ۱۹۵۲ء)

یہاں تک جو کچھ لکھا گیا ہے وہ اس بات کے ثبوت کے لئے کافی ہے کہ قادیانیوں کی نبوت جس طرح جھوٹی ہے۔ اسی طرح ان کے باقی لوازمات بھی سب جھوٹے اور بودے ہیں۔ جیسے روح ویسے فرشتے، جیسے نبی اور مسیح ویسے ہی ان کے منارۃ المسیح (جو مرزائی مسیح کے مرنے کے بعد بنا) اور ربوہ جہاں انہیں قرار ملا۔ مگر ایک اور نکتہ سب سے زیادہ قابل غور ہے وہ یہ کہ حصرت مسیح ابن مریم اوران کی والدہ کو ربوہ میں اللہ تعالیٰ نے ٹھکانا دیا تھا اور دجال قادیانی کی امت کو یہ ربوہ جس نے عنایت کیا ہے وہ کون ہے؟ حضرت مسیح ابن مریم کا پودا رب اکبر نے لگایا تھا اور اسی رب اکبر نے انہیں اور ان کی والدہ کو ربوہ میں پناہ دی تھی اور دجال قادیانی کا پودا انگریز نے لگایا اور اسی انگریز (موڈی) نے (جو مرزائیوں کا رب تھا) انہیں ربوہ میں پناہ دی۔ اللہ تعالیٰ کا ربوہ ذات قرار و معین تھا اور فرنگی رب کا ربوہ وہ ہے جس میں شادابی اور سبزے کا نام ونشان تک بھی نہیں۔ واہ مرزائیوں کا رب اور واہ مرزائیوں کا ربوہ۔ اگر آپ دو چار بار یہ نام لیں: ربوہ، رب وہ، رب وہ تو آپ پر مرزائیوں کے ربوہ کی وجہ تسمیہ اور بھی کھل جائے گی۔

اور اگر مرزا ’’میں ولد میں‘‘ کا یہ الہام سامنے ہو: ’’ربنا عاج‘‘ ہمارا رب ہاتھی دانت کا ہے تو اور بھی معاملہ واشگاف ہو جاتا ہے۔ انگریزوں کے رنگ کی سفیدی کو ہاتھی دانت ہی سے تشبیہ دی جاسکتی ہے۔ انگلستان کے باشندے اس قدر سفید ہیں گویا ہاتھی دانت سے بنائے گئے ہیں اور مرزا غلام احمد قادیانی کہتا ہے کہ وہ ہمارے رب ہیں اور دوسری جگہ پر کہتا ہے کہ انہوں نے ہم کو خود کاشت کیا ہے اور تیسری جگہ پر کہتا ہے کہ ہم ان کے نمک پروردہ ہیں۔ پس ہاتھی دانت کی طرح خوبصورت اور سفید موڈی نے جو قادیانی ابن مریم کا رب تھا اپنے نمک پروردہ اور خود کاشتہ نبی کی امت کو ضلع جھنگ کی حسن وعشق کی سرزمین میں آکر پناہ دی تاکہ وہاں چناب کے کنارے مرزا محمود ربوہ آباد کر کے ایک بار پھر ہیر را نجھے کی یاد کو تازہ کر دکھائیں تو اس میں تعجب کی کون سی بات ہے؟ بلکہ مرزائیوں کے اس رب کی عاقبت بینی کی داد دینی چاہئے کہ اس نے مرزا محمود کی رنگینیوں کے لئے چناب کے ساحل کا انتخاب کر کے خوش ذوقی کا ثبوت بہم پہنچایا ہے۔ وہ رب، وہ رب، وہ رب، رب وہ، رب وہ، رب وہ۔

(نوٹ: الحمدللہ! نومبر ۱۹۹۸ء میں ربوہ کا نام تبدیل کر کے گورنمنٹ پنجاب نے چناب نگر رکھ دیا ہے۔ قادیانیوں کے شہر کا نام مٹا ہے۔ اللہ تعالیٰ قادیانیت کے نشان کو بھی مٹا دیں۔ آمین!)

(۶۴) چندے کا پھندہ

تحریک جدید میں شمولیت کے لئے مرزا محمود کا تازہ اعلان ملاحظہ ہو: ''پس اے عزیزو! تم احمدیوں میں سے کوئی احمدی ایسا نہیں ہونا چاہئے جو وعدہ کر کے اس میں کمزوری دکھلائے بلکہ چاہئے کہ کوئی شریف الطبع اور نیک غیر احمدی بھی اس تحریک سے باہر نہ رہے۔ خواہ ابھی اسے احمدیہ جماعت میں داخل ہونے کی جرأت نہ ہوئی ہو۔''

اور اس تحریک میں شمولیت کی کم از کم شرط کیا ہے وہ بھی ملاحظہ ہو: ''شامل ہونے کے لئے کم از کم شرط مبلغ پانچ روپے سالانہ ہے۔ تحریک جدید کا روپیہ بیرونی ممالک میں تبلیغ اسلام پر خرچ ہوتا ہے بیرونی ممالک میں تبلیغ کے اخراجات کے پیش نظر مخلصین سے امید کی جاتی ہے وہ سلسلہ کی ضرورت کے شان شایان قربانی کریں۔''

گویا مرزا محمود اپنے ابّا کی سنت سیۂ پر عمل کرتے ہوئے پھر مسلمانوں کی جیبوں کی طرف متوجہ ہو رہے ہیں اور اپنی امت سے کہہ رہے ہیں کہ لوگو! تم خود اپنی جیبیں خالی کر کے پھر مسلمانوں کی جیبوں میں سے بھی جو کچھ نکل سکتا ہے، نکال لو۔ مگر مسلمان چندہ دینے والے یاد رکھیں کہ مرزا غلام احمد کو جس قدر چندہ مسلمانوں نے دیا تھا۔ اس کی داد قادیان کے سب سے بڑے مولوی یوں دیتے ہیں: ''آپ لوگوں میں بہت سے احباب نے دیکھا ہوا ہے کہ حضرت مسیح موعود کا اپنی زندگی میں غیر احمدیوں سے کیا تعلق تھا کیا کوئی اس وقت حلفاً کہہ سکتا ہے کہ کبھی آپ نے غیر احمدیوں سے چندہ مانگا۔ ہرگز نہیں۔''

(خطبہ سید سرور شاہ قادیانی مندرجہ الفضل قادیان ج۲ نمبر۹۷ ص۶، ۷ کالم نمبر۳، مؤرخہ ۲۸؍جنوری ۱۹۱۵ء)

اور مرزائی چندہ دینے والوں کو معلوم ہو کہ ان کے چندے کا مصرف یہ ہے: ''پھر اس کے بعد مسیح موعود کی خدمت میں ہر قسم کا اعتراض کرنے کا ذکر جو آپ (یعنی مولوی محمد علی صاحب) فرماتے ہیں تو کیا اپنا اور خواجہ کمال الدین صاحب اور میاں محمد لدھیانوی ہی کا واقعہ یاد نہیں دلاتے کہ وہ لوگ اس قدر مصیبت سے بال بچوں کا پیٹ کاٹ کاٹ کر روپیہ

بھجواتے ہیں اور یہاں بیوی صاحبہ (مرزا صاحب کی اہلیہ) کے زیورات بن جاتے ہیں یا قسم قسم کے لباس آتے ہیں۔'' (الفضل قادیان ج ۱۲ نمبر ۱۴ ص ۳ کالم نمبر ۳ مؤرخہ ۱۲؍اگست ۱۹۲۴ء)

اور یہ بھی یاد رکھئے: ''پھر خواجہ صاحب نے ایک ڈیپوٹیشن کے موقع پر جو عمارت مدرسہ کا چندہ لینے گیا تھا مولوی محمد علی سے کہا کہ حضرت صاحب (یعنی مرزا غلام احمد) آپ تو خوب عیش و آرام سے زندگی بسر کرتے ہیں اور ہمیں یہ تعلیم دیتے ہیں کہ اپنے خرچ گھٹا کر بھی چندہ دو۔'' (میاں محمود کا خط مندرجہ حقیقت اختلاف ص ۵۰)

(۶۵) ہماری تبلیغ

مرزائی ہمیشہ یہ غلط پروپیگنڈہ کرتے ہیں کہ قادیانیوں میں شوق تبلیغ بہت زیادہ ہے اور مسلمان اس شوق سے محروم ہیں۔ مگر سچی بات کبھی کبھی اللہ تعالیٰ جھوٹوں کے منہ سے بھی نکلوا دیتا ہے۔ کذاب ابن کذاب مرزا محمود نے پچھلے دنوں اپنے ایک خطبہ میں کہا: ''میں تو تیرھویں صدی کے متعلق کہتا ہوں، بلکہ چودھویں صدی کی ابتداء کے متعلق کہتا ہوں۔ جب بظاہر مسلمانوں پر موت آ گئی کہ اس وقت بھی خدا تعالیٰ کے ایسے بندے موجود تھے جو اسلام کی تبلیغ کرتے تھے۔ مثلاً مغربی افریقہ ہے، اس میں اسلام بہت قریب کے زمانہ میں پھیلا ہے۔ یعنی اس ملک میں تبلیغ ۶۰، ۷۰ یا ۱۰۰ سال کے اندر ہوئی ہے۔ بالعموم بربری، شامی اور سوڈانی لوگ وہاں گئے اور انہوں نے اسلام کی تبلیغ کی۔ جس کے نتیجہ میں لاکھوں لوگ مسلمان ہوئے۔ پس انفرادی حیثیت سے مسلمانوں میں آخر تک تبلیغ ہوتی رہی ہے گو محدود ہوئی ہے۔ ہماری اس انفرادی تبلیغ سے لاکھوں مسلمان ہوئے۔ اس کا اعتراف مرزا محمود کو بھی ہے۔ مگر مرزا کی امت کے اجتماعی نظام سے کتنے لوگ مرزائی ہوئے؟ اس کا جواب مرزائی مبلغین سے پوچھئے یا پھر مرزائیوں کی کل تعداد سے اس کا اندازہ لگائیے۔

اسی خطبہ میں مرزا محمود آگے کہتا ہے: ''پس انفرادی طور پر اسلام میں نہایت عظیم الشان لوگ پیدا ہوئے ہیں جنہوں نے تبلیغ اسلام کے فرض کو اچھی طرح ادا کیا۔ افغانستان میں مسلمان پھیل گئے۔ افریقہ میں وہ گئے اور وہاں تبلیغ کی وہ چین، جاپان، انڈونیشیا اور ہندوستان میں آئے اور یہاں اسلام کی تبلیغ کی اور لاکھوں لوگ ان کے ذریعہ مسلمان ہوئے۔ غرض انہوں نے تبلیغ کی اور بڑی شان سے تبلیغ کی۔ لیکن یہ انفرادیت تھی۔ اجتماعیت نہیں تھی۔''

بیرونی ممالک میں مرزائی مشنوں کے حوالہ دینے والے اور شیخی بگھارنے والوں کے لئے یہ اعتراف حقیقت: ''جادو وہ جو سر چڑھ کے بولے'' کا درجہ رکھتا ہے اور ہمارے نزدیک تو یہ انفرادیت ایسی ہے جس پر کروڑوں مرزائیانہ اجتماعیتیں قربان کی جاسکتی ہیں۔

(۶۶) تاریخی مسلّمات سے انکار

ایک انگریز مؤرخ کا قول ہے کہ اگر مسلمانوں میں ایک عمرؓ اور پیدا ہو جاتا یا فاروق اعظمؓ کو اور دس سال خلافت کرنے کا موقع مل جاتا تو تمام روئے زمین پر ایک متنفس بھی ایسا نہ ملتا جو مسلمان نہ ہو۔ مگر قادیانیوں کے رستم تبلیغ مرزا محمود نے اپنی تبلیغی تعلّی کے پروپیگنڈہ میں تاریخ کی اس مسلمہ بات کو ان میٹھے میٹھے الفاظ میں غتر بود کرنے کی کوشش کی ہے۔

ولتکن منکم امة یدعون الی الخیر ویامرون بالمعروف وینهون عن المنکر میں مسلمانوں کو ہمیشہ کے لئے یہ حکم دیا گیا تھا کہ ان میں ایسے لوگ پیدا ہوتے رہیں جو مقصد تبلیغ کو لے کر کھڑے ہوں۔ ان کا عمر بھر یہی کام ہو کہ وہ ایک نظام کے ماتحت رہیں۔ لیکن یہ بات رسول کریم ﷺ کے بعد نہیں ہوئی۔ رسول کریم ﷺ کے زمانہ میں ہمیں یہ نظر آتا ہے کہ آپ لوگوں کو ادھر ادھر بھیج رہے ہیں اور فرما رہے ہیں کہ تم فلاں جگہ پر جاؤ اور انہیں اسلام کی تعلیم دو۔ آپ کے زمانہ میں ہمیں یہ نظر آتا ہے کہ آپ کے اردگرد لوگ بیٹھتے ہیں تاکہ وہ دین سیکھیں۔ ہمیں نظر آتا ہے کہ وفود باہر جارہے ہیں تاکہ وہ دوسرے لوگوں کو اسلام کی تعلیم سکھائیں اور باہر سے وفود آرہے ہیں تاکہ مدینہ میں آکر وہ اسلام کی تعلیم حاصل کریں۔ خلفاء کے وقت میں صحابہؓ جنگوں میں الجھ گئے اور اس طرح کی تبلیغ کے لئے وہ وقت نہ نکال سکے اور ان کے بعد لوگ سستی اور غفلت کی وجہ سے اس طرف سے ہٹ گئے اور انہوں نے اپنے مقصد کو بھلا دیا۔

خلافت راشدہ کے زمانہ پر متعصب سے متعصب عیسائی بھی کوئی اعتراض نہیں کر سکے۔ مگر مرزا محمود کے نزدیک وہ لوگ جنگوں میں الجھ جانے کی وجہ سے تبلیغ سے غافل ہوگئے اور یہ عظیم الشان کام اگر کوئی کر سکا ہے تو وہ مرزا محمود کے ابا ہیں یا خود مرزا محمود:

بجندہ خوری گشت چوں نامدار میاں را بجائے رسید است کار
کہ ملک عمرؓ را کند آرزو تفو بر تو اے چرخ گردوں تفو

(۶۷)تلبیس ابلیس

جب سے مسلمانوں نے مرزا غلام احمد کے ’’اخلاق فاضلہ‘‘ اور مرزا محمود کے ’’اطوار داخلہ‘‘ پرتنقید شروع کی ہے تو مرزائی کچھ بوکھلا سے گئے ہیں اور جلے دل کے پھپھولے اب یوں پھوڑے جارہے ہیں کہ راجپال کی رسوائے عام کتاب سے اعتراضات کو اعوذ باللہ اور نعوذ باللہ کے پردوں میں لپیٹ لپیٹ کر مسلمانوں کے سامنے بیان کیا جاتا ہے تاکہ اپنا پہلو بھی بچارہے اور مسلمانوں کو یہ بھی بتلایا جاسکے کہ اینٹ کا جواب پتھر سے یوں دیا جاتا ہے۔ حضور خواجہ ہردوسرا ﷺ اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے اخلاق پر اعتراض کرنے والا کون ہے؟ اس مرزا غلام احمد کا بیٹا جس مرزا غلام احمد کے کمرے میں اس کی آنکھوں کے سامنے غیرمحرم عورتیں ننگی نہاتی تھیں اور جس مرزا غلام احمد کے پاؤں بوڑھی اور جوان غیرمحرم عورتیں دباتی رہتی ہیں اور کون بیٹا؟ وہ محمود بیٹا جس کی مذموم حرکات کا اپنوں اور پرایوں میں چرچا ہے اور جو پیرس میں ننگی عورتوں کے ناچ دیکھتے ہوئے نہ شرمایا۔ وہ محمود مذموم معترض کس پر ہے؟ اس سراپا عصمت وعفت پر، جس کے عفت وعصمت اغیار کے نزدیک بھی مسلّم تھی اور پھر اس ابلیس کی سب سے بڑی تلبیس یہ ہے کہ وہ یہ باتیں مسلمانوں کی طرف منسوب کرتا ہے کہ یہ ان کے معتقدات ہیں۔ اگر یہ باتیں ہمارے معتقدات میں سے ہوتیں تو کبھی تو ہماری زبانوں پر بھی آئیں۔ آخر اس کی کیا وجہ ہے کہ ایسی باتیں یا راجپال کے منہ سے نکلتی ہیں یا مرزا محمود کے خطبوں میں سنی جاتی ہیں۔ گندگی کے کیڑے کو ہمیشہ گندگی ہی پسند آتی ہے۔

’’بشر کی جائے نفرت‘‘ کے فرزند مرزا محمود کو راجپال کے متن کی شرح مبارک ہو۔ مگر ایسے گندگی کے کیڑے کو تادیر پاکستان کی آب وہوا راس نہیں آئے گی۔ اسے فوری طور پر راجپال کے وطن میں جاکر رہنے کی کوشش کرنی چاہئے تاکہ راجپال کی کتاب پر شرح وبسط کے ساتھ وہ حاشیے لکھ سکیں اور اپنی ملعون امت کے لئے انہیں بطور یادگار چھوڑ جائیں۔

اسی طرح کا ایک اور حوالہ بھی دیکھئے کہ کس طرح مرزائی اپنے معتقدات کو مسلمانوں کے سرمنڈھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ مدیر الفضل، مولانا محمد علی جالندھری کے جواب میں اپنی زندیقیت پر فخر کرتے ہوئے رقم طراز ہے: ’’قرآن میں ہے وما ارسلنا من قبلک من رسول ولا نبی الّا اذا تمنی القی الشیطان فی امنیته الخ

(الحج) ہمارے نزدیک اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام جن مقاصد کی تکمیل کے لئے تشریف لائے۔ شیطانی گروہ نے انہیں ناکام کرنے کی ہر ممکن تدبیر اختیار کی۔ لیکن بالآخر خدا کے فرستادہ غالب ہوئے اور یہ گروہ ناکام ہوگیا۔

لیکن غیر احمدی علماء یہ تفسیر فرماتے ہیں کہ ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبروں میں سے کوئی پیغمبر ایسا نہیں گزرا جن پر شیطانی وحی نہ ہوئی ہو بلکہ نعوذ باللہ خود حضرت رسول کائنات ﷺ بھی شیطانی الہام سے محفوظ نہ رہ سکے۔

سن لیا آپ نے؟ کس بے حیائی سے مرزائی مدیر کہتا ہے کہ غیر احمدی علماء یہ تفسیر کرتے ہیں۔ حالانکہ خود اس کے پیرومرشد مسیلمہ پنجاب کا یہ عقیدہ ہے۔ ملاحظہ ہو: ’’الہام رحمانی بھی ہوتا ہے، شیطانی بھی اور جب انسان اپنے نفس اور خیال کو دخل دے کر کسی بات کے استکشاف کے لئے بطور استخارہ واستخبار وغیرہ کے توجہ کرتا ہے خاص کر اس حالت میں کہ جب اس کے دل میں یہ تمنا مخفی ہوتی ہے کہ میری مرضی کے موافق کسی کی نسبت کوئی برا یا بھلا کلمہ بطور الہام مجھے معلوم ہو جائے تو شیطان اس وقت اس کی آرزو میں دخل دیتا ہے اور کوئی کلمہ اس کی زبان پر جاری ہو جاتا ہے اور دراصل وہ شیطانی کلمہ ہوتا ہے۔ یہ دخل کبھی انبیاء اور رسولوں کی وحی میں بھی ہو جاتا ہے۔ مگر وہ بلاتوقف نکالا جاتا ہے۔ اب خیال کرنا چاہئے کہ جس حالت میں قرآن کریم کی رو سے الہام اور وحی میں دخل شیطان ممکن ہے اور پہلی کتابیں توریت وانجیل اس دخل کی مصدق ہیں اور اسی بناء پر الہام ولایت یا الہام عامہ مومنین بجز موافقت ومطابقت قرآن کریم کے حجت بھی نہیں۔‘‘

(ازالہ اوہام ص۶۲۸،۶۲۹، خزائن ج۳ ص۴۳۹،۴۴۰)

مدیر الفضل ہی اب ذرا مذکورہ اقتباس بغور ملاحظہ کر کے فیصلہ کریں کہ یہ اعتقاد ہمارا مسلمانوں کا ہے یا رئیس الکذابین مرزا غلام احمد کا ہے۔ اس کے ساتھ سرمۂ چشم بصیرت بنانے کے لئے یہ بھی دیکھ لیجئے۔

مرزا غلام احمد کہتا ہے: ’’کلم اللہ موسیٰ علی جبل وکلّم الشیطان عیسیٰ علی جبل فانظر الغرنی بینھما ان کنت من الناظرین‘‘ خدا ایک پہاڑ پر موسیٰ سے ہم کلام ہوا اور ایک پہاڑ پر شیطان عیسیٰ سے ہم کلام ہوا۔ سو اس دونوں قسم کے مکالمہ میں غور کر اگر غور کرنے کا مادہ ہے۔‘‘ (نورالحق ص۵۰ حاشیہ، خزائن ج۸ ص۶۸)

پس مرزا محمود اور دوسرے مرزائی اپنے جھوٹے نبی کی ان خرافات پر غور کریں۔ اگر غور کرنے کا مادہ ہے؟ (نمبر۶۳ تا ۶۷، الصدیق ج۳ ش۴ ص۱ تا ۸، ربیع الثانی ۱۳۷۲ھ جنوری ۱۹۵۳ء)

(۶۸) الفضل کی آنکھ کا شہتیر

امریکہ میں صدر ٹرومین کا دور ختم ہوا اور آئزن ہاور کا زمانہ شروع ہوا۔ ٹرومین نے اپنی الوداعی تقریر میں نئے صدر کی حمایت کا اعلان کیا تو ''الفضل'' کو اس میں بلند کرداری کا ایک ایسا شاہکار نظر آیا جس پر مؤرخہ ۲۰؍جنوری (۱۹۵۳ء) کے ''الفضل'' میں تقریباً ایک صفحہ کا مقالہ افتتاحیہ گھسیٹ ڈالا گیا۔ انگریزوں اور امریکنوں کی تعریف ''الفضل'' کے مذہبی فرائض میں سے ہے۔ اس لئے ہمیں اس طرف توجہ کرنے کی ضرورت نہ تھی۔ مگر ''الفضل'' کی تان اس بلند کرداری کے شاہکار میں علمائے کرام کی گالی گلوچ پر آکر ٹوٹتی ہے۔

ملاحظہ فرمایئے: ''ذرا مراکو سے لے کر انڈونیشیا تک نظر دوڑا جایئے کیا پچھلی صدیوں میں ہم کو مسلمانوں میں کوئی ایسا ایک نظیر بھی ملتی ہے۔ تاریخ کی ورق گردانی کی ضرورت نہیں۔ سامنے جو کچھ ہو رہا ہے۔ وہی تماشا ملاحظہ کیجئے:

انڈونیشیا، مصر، ایران اور خود ہمارے ملک پاکستان میں کیا ہو رہا ہے مسلمانوں کے یہی تین چار بڑے بڑے آزاد کہلانے والے ملک ہیں نا؟ کون سی گالی ہے جو وہ اخبارات جو مختلف سیاسی پارٹیوں کے ترجمان ہیں ارباب حکومت کو نہیں دے رہے اور تو اور ہمارے علمائے کرام نے ڈیڑھ اینٹ کی مسجد جدا بنا رکھی ہے اور تو اور ملک میں آئین پسندی کی روح تو بڑی چیز ہے باغیانہ روح پھیلانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ یہ علمائے کرام ہیں جو خدا تعالیٰ کا حکم روز قرآن کریم میں پڑھتے ہیں۔ الفتنة اشدّ من القتل مگر فتنہ کی تائید کا کوئی موقع نہیں جانے دیتے اور مودودی صاحب، محمد علی جالندھری، احسان احمد شجاع آبادی ایسے مسلمہ دشمنان پاکستان کو اپنا رہنما بنائے ہوئے ہیں۔''

(الفضل قادیان ج۷/۴۱ نمبر۱۷ ص۳ کالم نمبر۲ مؤرخہ ۲۰؍جنوری ۱۹۵۳ء)

مختلف سیاسی پارٹیوں کے اخبارات کو گالیاں دینے سے روکنے والا کون ہے؟ وہ ''الفضل''، جس کا گزارہ ہی اپنے مخالفوں کو گالیاں دینے پر ہے اور جو اس شخص کو نبی مانتا ہے جس نے گالیاں دینے کا دنیا میں ریکارڈ بیٹ کر دیا ہے۔ اپنے مخالفوں کو: ''نجاست خور''

(تبلیغ رسالت ج۲ ص۹۲، مجموعہ اشتہارات ج۱ ص۳۱۰)

’’نکٹے، بندروں اور سوروں کی طرح چہروں والے‘‘

(ضمیمہ انجام آتھم ص۵۳، خزائن ج۱۱ ص۳۳۷)

’’ولد الحرام‘‘ (انوار اسلام ص۳۰، خزائن ج۹ ص۳۱)

’’ذریۃ البغایا‘‘ (آئینہ کمالات اسلام ص۵۴۸، خزائن ج۵ ص۵۴۸)

’’خراب عورتوں اور دجال کی نسل‘‘ (نور الحق حصہ اوّل ص۱۲۳، خزائن ج۸ ص۱۶۳)

’’مرد بیابانوں کے خنزیر اور عورتیں کتیوں سے بڑھ کر۔‘‘ (نجم الہدیٰ ص۱۰، خزائن ج۱۴ ص۵۳)

’’اور خبیث، مفسد‘‘ (تتمہ حقیقت الوحی ص۱۴، خزائن ج۲۲ ص۲۴۵)

کہنا جس کا بائیں ہاتھ کا کرتب تھا۔ جس نے لعنت لعنت لکھنا شروع کیا تو صفحے کے صفحے سیاہ کر ڈالے۔ جس کی بدزبانی اور ژاژ خائی نے راجپال اور شردھانند کو جنم دیا۔ جس کی ایذا دہی اور بے اعتدالیوں پر خود اس کے آقایان ولی نعمت کی عدالتوں کو بھی تحریری نوٹس دینے پڑے تھے اور میانہ روی اختیار کرنے کا تحریری معاہدہ لینا پڑا تھا۔

(فیصلہ ایم ڈگلس مندرجہ کتاب البریہ ص۲۴۵ تا ۲۶۲، خزائن ج۱۳ ص۲۸۲ تا ص۳۰۲)

جس کی فتنہ انگیزی کا یہ عالم تھا کہ اسے مسٹر ڈوئی کی عدالت میں یہ لکھ کے دے دینا پڑا کہ آئندہ وہ کسی کی نسبت موت کا الہام شائع نہیں کرے گا۔ (الحکم قادیان منقول از منظور الٰہی ص۲۴۸) اور یہ **الفتنۃ اشدّ من القتل** علمائے کرام کو کون یاد دلا رہا ہے۔ وہ الفضل جس کا خلیفہ فتنہ انگیزیوں کا سرچشمہ ہے جس نے مولوی عبدالکریم مباہلہ کی ساری جائیداد قادیان میں نذر آتش کرادی۔ جس نے ان کے ساتھی محمد حسین کو قتل کرایا۔ جس نے فخر الدین ملتان کا کام تمام کرایا جس نے عبدالرحمٰن مصری کو تباہ کرانا چاہا۔ مگر احرار کے رضا کاروں نے اسے پناہ دی۔ جس نے نبی کریم ﷺ پر وہ اعتراضات کئے جو راجپال نے کئے تھے۔ جس نے اپنے باوا کی نبوت کا ذبہ کو فروغ دینے کے لئے مسلمانوں کے سینے چھلنی کر دیئے۔

اور مودودی صاحب، مولانا محمد علی جالندھری اور مولانا قاضی احسان احمد کو دشمنان پاکستان کہنے والا کون ہے۔ وہ الفضل جو اکھنڈ ہندوستان کا پروپیگنڈہ کرتا رہا اور جس کے خلیفہ کو اکھنڈ ہندوستان کے الہام ہوتے رہے۔ جس نے اپنی ۵/ اپریل ۱۹۴۷ء کی اشاعت میں لکھا: ’’بہرحال ہم چاہتے ہیں کہ اکھنڈ ہندوستان بنے اور ساری قومیں باہم شیر وشکر ہو کر رہیں۔‘‘ (ارشاد خلیفہ قادیان مندرجہ الفضل مؤرخہ ۵/ اپریل ۱۹۴۷ء)

اور یہ دنیا کو آئین پسندی کا سبق دینے والا کون ہے وہ جس کے پیر ومرشد سے عدالتوں میں بلا بلا کر لوگوں کے قتل کی پیش گوئیاں شائع نہ کرنے کے متعلق عہد نامے لکھوائے گئے اور اس انگریز کو بھی جس نے اس پودے کو خود کاشت کیا تھا اس کی منہ زوری کی بناء پر آخر اس کے منہ میں قانون کی لگام دینی پڑی۔ اے کاش کہ الفضل میں تھوڑی بہت شرم وحیا ہوتی اور اپنے گریبان میں منہ ڈال کر وہ اپنے عیوب کو دیکھ سکتا تو اسے علماء کرام کی آنکھ میں تنکا دیکھ لینے پہلے اپنی آنکھ کا شہتیر نظر آجاتا۔

(۶۹) مرزائیوں کا سالانہ جلسہ

دسمبر میں مرزائیوں کا سالانہ جلسہ ہر سال ہوا کرتا ہے۔ الفضل کے مدیر شہیر روشن دین تنویر اس کے متعلق یوں بیان کرتے ہیں۔

’’اس تفصیل سے عیاں ہوسکتا ہے کہ ہمارے جلسہ سالانہ کے ایام ہی نہیں لمحات بھی انتہاء درجہ قیمتی اور موجب صد برکت ہوتے ہیں کہ جن کی آمد سے مردہ جسموں میں برقی رودوڑ اٹھتی ہے۔ گلشن اسلام میں ایک نئی بہار کا ظہور ہوتا ہے اور مرادوں کا چمن پھولوں کے جھولے میں جھوم جاتا ہے۔ مگر اس رنگین بہار کا نظارہ کرنے کے لئے ضروری ہے کہ آنکھوں میں نور اسلام ہو اور دلوں میں جذبہ ایمان۔‘‘ (الفضل قادیان ج۶،۴۰ نمبر۲۹۸ ص۳ کالم نمبر۱ مؤرخہ ۲۴؍دسمبر ۱۹۵۲ء)

اور خلیفہ صاحب کی اپنی جماعت موجودہ کے متعلق بھی رائے ملاحظہ ہو: ’’بدقسمتی سے اس وقت صدر انجمن احمدیہ ایسے لوگوں کے ہاتھوں میں ہے جنہیں نہ تو آمد بڑھانی آتی ہے اور نہ خرچ گھٹانا آتا ہے۔ اس لئے اس وقت وہ ایک نیم مردہ کی سی حالت میں چل رہی ہے اور اس کے اردگرد بیٹھنے والے اس کے آخری سانس گن رہے ہیں۔‘‘

(الفضل قادیان ج۶،۴۰ نمبر۲۹۶ ص۲ کالم نمبر۱ مؤرخہ ۲۱؍دسمبر ۱۹۵۲ء)

اور سالانہ جلسہ کے متعلق بھی خلیفہ قادیانی کی رائے ملاحظہ ہو: ’’پس میں باہر سے آنے والوں کو یہ نصیحت کرتا ہوں کہ وہ اس سال اس ارادہ کے ساتھ یہاں آئیں کہ وہ تقاریر پورے انہماک سے سنیں گے اور جلسہ کے دوران میں ادھر ادھر بازاروں میں نہ پھریں گے تاکہ جماعت کے دوستوں کو جلسہ کے موقعہ پر تقاریر سننے کی عادت پڑ جائے اور ہمارا جلسہ جو کچھ عرصہ سے میلوں کا سا رنگ پکڑ رہا ہے۔ پھر سے جلسہ کا رنگ اختیار کرلے۔‘‘

(الفضل مؤرخہ ۲۳؍دسمبر ۱۹۵۲ء)

خلیفہ صاحب جماعت کو ''نیم مردہ'' سمجھتے ہیں اور جلسہ کو ''میلہ'' خیال کرتے ہیں۔ مگر تنویر صاحب کی تاریکی دل کا یہ حال ہے کہ وہ اسے گلشن اسلام میں نئی بہار کا ظہور جانتا ہے۔ خدا جانے خلیفہ صاحب سچ کہتے ہیں یا روشن دین صاحب؟ بہرحال ہمیں تو روشن دین سے خلیفہ صاحب پر زیادہ اعتماد کرنا چاہئے کیونکہ وہ آقا ہیں اور روشن دین صاحب غلام، وہ مالک ہیں اور روشن دین ملازم، ملازم اور غلام کی بات سے مالک وآقا کی بات زیادہ وزنی ہونی چاہئے۔

(۷۰) مرزائیوں کی ایمانداری

مرزامحمود اپنے ایک خطبہ میں ارشاد فرماتے ہیں: ''ایک دفعہ ہم اسٹیٹ میں تین چار دن ٹھہرے۔ اسٹیٹ والوں نے ہمارے اور مہمانوں کے کھانے کا انتظام کیا اور اس پر گیارہ سو روپیہ خرچ آیا۔ لیکن جب میں نے انتظام گھر والوں کے سپرد کیا تو گیارہ سو کی بجائے تین چار سو روپیہ خرچ آیا۔'' (الفضل قادیان ج۴۰ر۶ نمبر۲۹۶ ص۳ کالم نمبر۲ مؤرخہ ۲۱ردسمبر ۱۹۵۲ء)

یہ نصفا نصف (سے بھی زیادہ) کا فرق کیوں ہوا؟ کیا اس سے صراحتاً یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ مرزامحمود کے سٹیٹ کے ملازم بددیانت اور غیرامانت دار ہیں اور جب ان کا روّیہ اپنے خلیفہ کے ساتھ یہ ہے تو وہ دوسروں کے اموال کس تندہی اور جگر کاوی سے نہ کھاتے ہوں گے؟ کیا یہی وہ اخلاق فاضلہ ہیں جن کا ڈھنڈورا ساری دنیا میں پیٹا جارہا ہے۔ جب قریبی حلقوں کا یہ حال ہے تو دور کے رہنے والے مرزائیوں کا اخلاق کیا ہوگا۔

(۷۱) حقّہ جو ہے جناب معلّٰی کے ہاتھ میں

بڑے مرزاصاحب پلومر کی دکان سے ٹانک وائن (شراب) منگوایا کرتے تھے۔ الہامی معجون کھایا کرتے تھے جس کا جزواعظم افیون تھی۔ چھوٹے مرزاصاحب کو بچپن میں افیون سے روشناس کرایا گیا تھا۔ لاہوری مرزائیوں کے ایک وفد نے ان کے منہ سے شراب کی بو سونگ لی تھی۔ یہ سب حوالے آپ پڑھ چکے ہیں۔ اب ذرا یہ دیکھئے کہ مرزائیوں کی ام المؤمنین کس طرح حقّے کے دم لیتی ہیں اور مرزائیوں کے موجودہ خلیفہ اوران کے ماموں کس قدر حقّے کے رسیا تھے۔

خود مرزامحمود کا اپنا بیان ہے۔ وہ خطبہ جمعہ میں کہتے ہیں: ''مجھے یاد ہے کہ ایک دفعہ میں نے اور میر محمد اسحاق صاحب نے حضرت ام المومنین (ام المرزائین) کو گھر میں حقّہ پیتے دیکھا۔ آپ کو ان دنوں نفخ کی تکلیف تھی جس کی وجہ سے چند دنوں کے لئے حکیم نے علاج کے

طور پر حقّہ پینا بتایا تھا۔ ہم نے حقّہ گھر میں دیکھا تو حقّہ پینے کا شوق ہوا۔ چنانچہ ہم دونوں حقّہ لے کر بیٹھ گئے اور اتنا حقّہ پیا کہ مجھے بخار چڑھ گیا اور مجھے وہاں سے اٹھا کر بستر پر لٹایا گیا۔ حضرت اماں جان نے ہمیں حقّہ پینے کی اجازت بچہ سمجھ کر دے دی اور خیال کیا کہ یوں ہی منہ میں لے کر چھوڑ دیں گے اور خود کسی گھر تشریف لے گئیں۔ مگر ہم کھیل کھیل میں ایک دوسرے کے مقابل پر شرطیں لگا کر حقّہ پیتے گئے۔ یہاں تک کہ بخار چڑھ گیا۔ (الفضل مؤرخہ ۲۳/دسمبر ۱۹۵۲ء)

تصور فرمائیے کہ مرزائیوں کی ام المؤمنین (نقل کفر کرنے کے ہی سہی) جب حقّہ لے کر ٹھاٹ سے کھاٹ پر بیٹھ اسے گڑگڑاتی ہوں گی تو کیا کیا معارف علمیہ وغوامض مصلحہ اس محض ہلکی سی گڑگڑاہٹ سے نہ طے ہو جاتے ہوں گے اور جس گھر میں (دوا کے طور پر ہی سہی) شراب افیون اور حقے کی بہتات ہو اس گھرانے کی مصلحت اور موعودیت میں کیا شبہ کیا جاسکتا ہے؟

(۷۲) رؤیا اور کشف

مرزا غلام احمد نے جو گستاخیاں انبیاء علیہم السلام اور اہل بیت وصحابہ رضی اللہ عنہم کے حق میں کی ہیں وہ انتہائی دردناک ورنج دہ ہیں۔ خصوصاً اس گستاخ وبے حیا نے جب اپنا یہ کشف شائع کیا کہ نعوذ باللہ! (نقل کفر کفر نباشد) کشفی حالت میں اس نے دیکھا کہ سیدۃ النساء حضرت فاطمہؓ کے ران پر سر رکھا ہوا ہے تو ہر طرف سے اس پر لعنت وملامت کی بوچھاڑ ہوئی کہ بازی بازی باریش بابا ہم بازی اور آج تک اس پر اور اس کے مریدوں پر لعنت وملامت کی بارشیں ہو رہی ہیں۔ مگر وہ جو کہا گیا ہے مرزائی آں باشد کہ چپ نہ شود۔ مرزائیوں نے مرزا کی اس بکواس کی بھی ایک تاویل نکال ہی لی۔

ذرا ملاحظہ فرمائیے۔ جلال الدین شمس اپنے ایک مضمون میں لکھتے ہیں: ''جو شخص عالم رؤیا اور کشف سے ذرہ بھی واقفیت رکھتا ہو۔ وہ جانتا ہے کہ اس عالم میں جو چیزیں دکھائی جاتی ہیں وہ تعبیر طلب ہوتی ہیں اور بعض وقت ایسی باتیں بھی دکھائی جاتی ہیں جو بظاہر قابل اعتراض ہوتی ہیں۔ لیکن تعبیری لحاظ سے وہ نہایت اچھی ہوتی ہیں۔ مثلاً حضرت یوسف علیہ السلام کا سورج اور چاند اور گیارہ ستاروں کو اپنے لئے سجدہ کرتے ہوئے دیکھنا تعبیری لحاظ سے تو درست تھا مگر ظاہری لحاظ سے قابل اعتراض تھا، کیونکہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے بالوضاحت فرمایا ہے کہ یہ چیزیں محض خدا کے لئے سجدہ کرتی ہیں۔''

(الفضل قادیان ج۶/۴۰ نمبر ۳۰۰ ص۹ کالم نمبر۳،۴ مؤرخہ ۲۶/دسمبر ۱۹۵۲ء)

مگر اس تاویل میں بھی تلبیس مرزائیانہ سے باز نہیں رہے اور کشف کو رؤیا کے ساتھ مخلوط کر کے دونوں کو قابل بتایا جارہا ہے۔ حالانکہ خواب اور رؤیا کی تو بے شک ایک تعبیر ہوتی ہے۔ مگر کشف کی حالت نہیں ہوتی اور ان کے پیرومرشد نے جو بکواس کی ہے، اسے کشفی حالات سے تعبیر کیا، نہ خواب سے۔ چنانچہ جلال الدین شمس کو اقرار ہے۔ ملاحظہ ہو۔

حضرت مسیح موعود نے ایک غلطی کے ازالہ کے ص۱۱ پر لکھا ہے: ''میں نے کشفی حالت میں سیدۃ النساء فاطمۃ الزہراؓ کے ران پر سر رکھا۔'' (ایک غلطی کا ازالہ ص۵ درحاشیہ، خزائن ج۱۸ ص۲۱۳)

جلال الدین شمس نے اپنے سارے مضمون میں جس قدر تحریف وتاویل کی کوشش کی ہے وہ سب مثل رؤیا کی ہیں اور رؤیا واقعی تعبیر طلب ہوتا ہے۔ مگر کشف تو کبھی تعبیر طلب نہیں ہوتا۔ ایسی من گھڑت تاویل سے زیادہ بہتر یہ ہے کہ مرزائی ایک مراقی کی باتوں کو واقعی نتیجہ مراق ہی خیال کریں تاکہ اس طرح جگ ہنسائی سے کچھ تو بچے رہیں گے۔

(نمبر۶۸ تا۷۱، الصدیق ج ش۵ ص۳ تا۸، جمادی الاولیٰ ۱۳۷۲ھ فروری ۱۹۵۳ء)

(۷۳) اسرائیلی روایات

حدیث وتفسیر کے مجموعوں میں بعض ایسی ضعیف وموضوع روایات کا تذکرہ بھی آتا ہے جو یہود ونصاریٰ کے اندر مشہور تھیں۔ مگر اسلام نے انہیں قبول نہیں کیا۔ ایسی روایات کو اسرائیلیات کہتے ہیں اور ان کا اکثر وبیشتر حصہ غیر مستند ہے اور کتابوں کے اندر ان کا بیان اسی انداز میں آتا ہے کہ یہ ضعیف اور غیر مستند ہیں۔ مگر ''دو اسلام'' اور ''دو قرآن'' والے ایسی ہی روایات کے سہارے بلا امتیاز ساری تاریخ اسلام پر معترض ہیں اور ان کے عقل اس بات کے سمجھنے سے قطعاً قاصر ہیں کہ ایک روایت کو تصنیف وتنقیص کی خاطر بھی بیان کیا جاسکتا ہے۔

''دو اسلامیوں'' اور ''دو قرآنیوں'' کے بڑے بھائی مرزامحمود قادیانی ایسی روایات کو لے کر اپنے ابّا کے سر سے خرافات وشناعات کے الزامات ٹالا کرتے ہیں اور ساتھ ہی یک گز دو فاختہ کی ضرب المثل کے مطابق مسلمانوں کے سینے بھی چھلنی کیا کرتے ہیں اور کہتے یہ ہیں کہ ہمارے (یعنی مرزائیوں) کے ہاں تو جدید علوم ہیں جو ٹیچی ٹیچی کے ذریعے مرزاغلام احمد پر اترے تھے اور مسلمانوں کے ہاں یہ روایات جو خرافات کا درجہ رکھتی ہیں۔ حالانکہ جہاں سے مرزامحمود یہ روایات لیتے ہیں، وہاں بھی یہی لکھا ہے کہ یہ خرافات اور غیر مستند ہیں۔ مگر وہ

روایات تو لے لیتے ہیں اور ان کی تردید نقل نہیں کرتے بلکہ تردید کا سہرا وہ اپنے سر باندھتے ہیں۔ یہ ایک مشترک مرض ہے جو ''مرزائیوں'' اور دو ''اسلامیوں'' دونوں میں موجود ہے۔ مگر جب ایسی ہی روایات سے اپنا مطلب نکلتا ہو تو وہی اسرائیلیات بڑے دھڑلے سے بیان کی جاتی ہیں اور پھر باوجود مجروح ہونے کے ان میں سے سبق نکل آتا ہے۔

مرزا محمود کے الفاظ ملاحظہ ہوں: ''پرانی تفسیروں میں لکھا ہے کہ جب حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ میں طوفان آیا (ہے تو یہ ایک کہانی یہ اسرائیلیات میں سے ہے لیکن بعض دفعہ بنی اسرائیل کی روایات تفاسیر اور احادیث میں بھی نقل ہو جاتی ہیں اور بعض اوقات یہ روایات بھی سبق کا کام دے جاتی ہیں۔ اگر مثنوی رومیؒ اور کلیلہ ومنہ سے ہم فائدہ اٹھا سکتے ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ ہم ان روایات سے فائدہ نہ اٹھائیں جو بنی اسرائیل سے آئیں اور پھر ہماری تفاسیر اور احادیث کی کتب میں بھی آ گئیں۔ بے شک یہ روایات مجروح قرار دے دی جائیں۔ لیکن ان سے جو سبق ملتا ہے وہ تو ہمیں لینا چاہئے) بہر حال ایک روایت میں ہے۔
(الفضل قادیان ج۴۲/۷ نمبر۳۴ ص۳ کالم نمبر۴،۳، الفضل مؤرخہ ۸ر فروری ۱۹۵۳ء)

مگر ایسی ہی کوئی اسرائیلی روایت ہماری کتابوں میں نقل ہو جائے تو مرزا محمود کے نزدیک وہ ہمارا دین بن جاتی ہے اور پھر مزے لے لے کر اپنے خطبوں میں بیان کرتے ہیں کہ ہمارے مخالف یہ اسلام پیش کریں گے؟ اور یہ ہے ہمارے مخالفوں کا اسلام۔ مگر جب اپنی باری آئے تو جو سبق ملتا ہے وہ تو لے لینا چاہیے۔ کاش ہماری کتابوں میں ایسی غیر مستند روایات سے بھی وہ کچھ سبق حاصل کیا کرتے اور ان روایات کو ایسی بھینگی نظروں سے نہ دیکھتے جن سے وہ پچھلے کچھ دنوں سے دیکھنے کے عادی ہو گئے ہیں۔

(۷۴) تفاوت رہ

راولپنڈی سازش کا فیصلہ سنا دیا گیا اور جو لوگ سزا پانے کے قابل تھے، انہیں سزائیں دے دی گئیں۔ ان سازشیوں میں ایک جنرل نذیر مرزائی بھی تھے۔ انہیں تا قیام عدالت کی سزا ملی اور باقی سازشیوں میں سے کسی کو پانچ سال اور کسی کو اس سے بھی زیادہ سزائیں ملیں۔ اس تفاوت سزا پر عوام میں جو چہ میگوئیاں ہو رہی ہیں وہ ہمارے ارباب بست وکشاد سے پوشیدہ نہ ہوں گی۔ مگر ہم بھی الفضل سے نقل کئے دیتے ہیں: ''لوگ حیران ہیں کہ

اگر جنرل نذیر پر بغاوت کا الزام ثابت ہوا تو تا قیام عدالت کی سزا کے کیا معنی؟ یقیناً ججوں نے اس تفاوت کی وجہ بتائی ہوگی۔ مگر اخفاء کی وجہ سے ان کی معقول بات کی سمجھ لوگوں کو نہیں آرہی۔'' (الفضل مؤرخہ ۳ فروری ۱۹۵۳ء)

کاش! وہ ''معقول بات'' صاف صاف کہہ دی جاتی تا کہ پتہ تو چل سکتا اس تفاوت راہ کی کیا وجہ ہے؟

(۷۵) کیا مرزائی مسلمانوں کو کافر نہیں کہتے؟

مرزائیوں کے ملّانوں کے سکہ بند کالج (جامعہ احمدیہ) کے پرنسپل (یعنی بڑے ملّا) مولوی اللہ دتہ جالندھری جو خیر سے اپنے نام کا عربی ترجمہ (عطاء اللہ) بھی نہیں کر سکتے اور خود ہی اپنے باپ (ابوالعطاء) بن بیٹھے ہیں۔ علمائے اسلام کو کوستے ہوئے۔ ۱۰ر فروری ۱۹۵۳ء کے (الفضل ص۶) پر لکھتے ہیں: ''آج یہ علماء مگرمچھ کے ٹسوے بہاتے ہوئے کہتے ہیں کہ مذہبی طور پر تمام مسلمانوں کو علانیہ کافر قرار دیتے ہیں۔''

(الفضل قادیان ج۴۲/۷ نمبر۳۵ ص۶ کالم نمبر۳، مؤرخہ ۱۰ر فروری ۱۹۵۳ء)

یہ بھی سراسر جھوٹ ہے جماعت احمدیہ کسی مسلمان کو کافر قرار نہیں دیتی نہ علانیہ نہ خفیہ، خدا جانے بے حیائی کی یہ کون سی قسم ہے کہ کہتے بھی جاؤ اور مکرتے بھی جاؤ۔ بڑے مولوی صاحب کا کلام تو آپ نے پڑھ لیا۔ اب ذرا بڑے مرزا قادیانی کا کلام بھی ملاحظہ فرمائیں:

''خدا نے یہ ہی ارادہ کیا ہے کہ جو مسلمان مجھ سے الگ رہے گا وہ کاٹا جائے گا۔''

(اشتہار حسین کامی سفیر سلطان روم مجموعہ ج۲ ص۴۱۶)

پھر ایک ...... الہام ...... جو آپ نے اشتہار معیار الاخیار مؤرخہ ۲۵ر مئی ۱۹۰۰ء (مجموعہ اشتہارات ج۳ ص۲۷۵) پر درج کیا ہے اور وہ یہ ہے: ''جو شخص تیری پیروی نہیں کرے گا اور تیری بیعت میں داخل نہیں ہوگا اور تیرا مخالف رہے گا وہ خدا اور رسول کی نافرمانی کرنے والا جہنمی ہے۔''

خلیفۃ المسیح اوّل (حکیم نورالدین) کا بھی یہی عقیدہ تھا۔ آپ نے فرمایا: ''اگر خدا کا کلام سچ ہے تو مرزا صاحب کے ماننے کے بغیر نجات نہیں ہو سکتی۔''

(دیکھو اخبار بدر نمبر۲ ج۱۲، مؤرخہ ۱۱ر جولائی ۱۹۱۲ء)

’’اب جب کہ یہ مسئلہ بالکل صاف ہے کہ مسیح موعود کے ماننے کے بغیر نجات نہیں تو کیوں خواہ مخواہ غیراحمدیوں کو مسلمان ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔‘‘

(کلمۃ الفصل ص۱۲۹ مصنفہ مرزا بشیرالدین قادیانی)

’’پس جب مسیح موعود (غلام احمد قادیانی) کہتا ہے کہ اس کے منکروں کو خدا مسلمان نہیں جانتا تو ہم کون ہیں کہ اس بات کا انکار کریں۔‘‘ (کلمۃ الفصل ص۱۳۲،۱۳۳)

اور اس کے ساتھ چھوٹے میاں (میاں محمود) کا کلام بلاغت التیام بھی دیکھیں:

’’آپ (مرزا غلام احمد) نے اس شخص کو بھی جو آپ کو سچا جانتا ہے۔ مگر مزید اطمینان کے لئے اس بیعت میں توقف کرتا ہے کافر ٹھہرایا ہے بلکہ اس کو بھی جو آپ کو دل میں سچا قرار دیتا ہے اور زبانی بھی آپ کا انکار نہیں کرتا لیکن ابھی بیعت میں اسے توقف ہے، کافر ٹھہرایا ہے۔‘‘

(ارشار مرزا محمود خلیفہ قادیان مندرجہ تشحیذ الاذہان ۴ر اپریل ۱۹۱۱ء)

اب اللہ دتہ صاحب اپنے لئے خفیہ وعلانیہ کذاب کا لقب خود ہی تجویز کرلیں:

ہم عرض کریں گے تو شکایت ہوگی

(۷۶) مرزائیوں کا اصلی مرکز

مرزا غلام احمد نے کہا تھا کہ ہم انگریزوں کے خود کاشتہ پودے ہیں اور ساری دنیا انہیں انگریزوں کے جاسوس اور ان کی استعمار پسندانہ عزائم کا خیمہ بردار سمجھتی ہے۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ جہاں انگریزوں اور امریکنوں کا اقتدار ہے۔ وہاں مرزائیوں کے تبلیغی اڈے موجود ہیں اور جہاں جہاں روس اور اشتراکیت کی نمبرداری ہے۔ وہاں یہ لوگ گدھے کے روایتی سینگوں کی طرح غائب ہیں۔ ہم نے کئی بار یہ سوال اٹھایا کہ مرزائی عقل وکلّو! آخر وہاں تبلیغ کے لئے تم کیوں نہیں جاتے۔ جہاں لوگ خود خدا کی خدائی کے بھی قائل نہیں؟ مگر مرزائی ڈربوں سے صدائے برنخواست۔ ہم نے پہلے بھی کئی ایک حوالے پیش کئے تھے، جن سے ثابت ہوتا تھا کہ مرزائی مبلغ ممالک غیر میں جاتے ہوئے سب سے پہلے لندن میں جاکر کچھ خفیہ ہدایات وصول کرتے ہیں اور پھر اپنے اپنے اڈوں پر چلے جاتے ہیں۔ گزشتہ جلسہ سالانہ پر سپین کے مبلغ کرم الٰہی ظفر نے تقریر کرتے ہوئے پھر اس بات کو واضح کیا ہے وہ کہتا ہے: ’’تبلیغ کے لئے روانگی: اس کے بعد ۱۹۴۵ء میں ہم نو آدمی مختلف ممالک میں تبلیغ کرنے

کے لئے اکھٹے روانہ ہوئے۔ پہلے ہم انگلستان گئے اور کچھ دن وہاں رہ کر جہاں جس کو جانا تھا چلا گیا۔'' (الفضل قادیان ج۷ / ۴۱ نمبر۲ ص۵ کالم نمبر۱ مؤرخہ ۲ / جنوری ۱۹۵۳ء)

ملاحظہ فرمایا آپ نے؟ نو آدمیوں کا قافلہ مختلف ممالک کے لئے روانہ ہوا۔ مگر وہ براہ راست ان ممالک کو نہیں جاتے بلکہ پہلے وہ اپنے کعبۂ مقصود اور اصلی مرکز انگلستان میں جاتے ہیں اور کچھ دن وہاں ٹھہر کر (ہدایات لے کر) پھر جہاں جس کو جانا ہوتا ہے، چلے جاتے ہیں۔

وائے گرپس امروز بود فردائے

(۷۷) تعصب کی حد ہوگئی

مندرجہ بالا عنوان کے ماتحت ۱۵ / جنوری ۱۹۵۳ء کے الفضل میں ایک شذرہ شائع ہوا ہے جسے ہم من وعن نقل کر رہے ہیں۔ الفضل لکھتا ہے: ''تعصب کی حد ہوگئی: چند ہفتے ہوئے مولوی ابوالعطاء صاحب نے منیجر مکتبہ صدیقیہ کے نام مندرجہ ذیل مکتوب بھیجا۔

مکرم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

بارہ آنے کے ٹکٹ ارسال ہیں، رسالہ جات ذیل ارسال فرمائیں۔ مسک الختام مرزائیوں کی خوفناک چالیں، مرزائیوں کے خطرناک ارادے، مرزائیوں کا اصلی چہرہ۔

اس پر جواب آیا کہ:

جناب کے ارسال کردہ ٹکٹ واپس ارسال خدمت ہیں ہم آپ کو ایسی کتابیں نہیں بھیج سکتے بشرط کہ جب تک آپ پورے مسلمان نہ ہوں۔ احقر غلام مصطفیٰ عفی عنہ

حدیث شریف سے یہ کہیں ثبوت نہیں ملتا کہ رسول کائنات ﷺ نے اپنے مخالفوں کو یہ فرمایا ہو کہ پہلے پورے مسلمان بنو پھر قرآن بتائیں گے مگر معلوم ہوتا ہے کہ احقر غلام مصطفیٰ صاحب کے نزدیک مکتبہ صدیقیہ کے رسالہ جات قرآن مجید سے بھی زیادہ مقدس ہیں۔ آہ مصطفیٰ ﷺ کی سنت کیا تھی اور غلام مصطفیٰ کیا کر رہے ہیں۔''

(الفضل قادیان ج۶ / ۴۱ نمبر۱۳ ص۶ کالم نمبر۶ مؤرخہ ۱۵ / جنوری ۱۹۵۳ء)

یہ تعصب کی حد ہماری پیدا کردہ نہیں بلکہ مرزائیوں کی اپنی پیدا کردہ ہے۔ جہاں تک ہمارے معلومات کا تعلق ہے۔ مرزائی اپنا لٹریچر ایسے لوگوں کو نہیں دیتے جو ان کی تردید

میں منہمک ہیں۔ مثلاً مجلس احرار اسلام کے دفتر ملتان نے کئی بار الفضل اپنے نام جاری کرانا چاہا مگر الفضل والوں نے انکار کر دیا بلکہ بد دیانتی کی انتہا یہ کہ انکا بھیجا ہوا چندہ بھی واپس نہ کیا۔ اسی طرح امیر شریعت حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری کے فرزند ارجمند نے الفضل کو چندہ بھیجا اور اخبار اپنے نام جاری کرایا کچھ دن اخبار جاری رہا۔ مگر جب الفضل والوں کو معلوم ہوا کہ فلاں نام کا اخبار تو شاہ صاحب کے لئے جاری ہوا ہے تو انہوں نے بغیر چندہ واپس کئے اخبار بند کر دیا۔

اور (روزنامہ) آزاد (لاہور) کے ساتھ بھی جہاں تک ہمیں معلوم ہے الفضل کا تبادلہ نہیں۔ زمیندار کا ہمیں علم نہیں مگر الفضل والوں کی بری عادت کے پیش نظر یقین یہی ہے کہ ان کے ساتھ بھی الفضل کا تبادلہ نہیں ہوتا ہوگا تو کیا ان مثالوں کے پیش نظر الفضل اور اس کے ارباب بست وکشاد اور مولوی اللہ دتہ جالندھری صرف ہمیں مورد الزام سمجھنے میں حق بجانب ہیں؟ ہم نے مولوی اللہ دتہ جالندھری کے ٹکٹ تو واپس کر دیئے۔ الفضل والے تو دیا ہوا چندہ بھی واپس نہیں کرتے اور اخبار بھی نہیں بھیجتے۔ خدا کے لئے دوسروں کی آنکھ کا تنکا دیکھنے سے پہلے اپنی آنکھ کا شہتیر بھی دیکھ لیا کیجئے۔

(نمبر۲۷تا۲۶، الصدیق ج۳ ش۶ ص۴تا۸، جمادی الثانی ۱۳۷۲ھ مارچ ۱۹۵۳ء)

(۷۸) مرزا غلام احمد قادیانی کے نام علامہ اقبال کا پیغام پیام بیعت کے جواب میں

مولانا محمد خورشید الحسن صاحب بروایت اخبار مدینہ فرماتے ہیں: ’’ایک دن چند احباب قاضی تسلیم حسین کے مکان پر مراد آباد میں بیٹھے تھے۔ ان میں ہمارے ایک دوست انعام اللہ صاحب سیالکوٹی بھی تھے۔ یہ حضرت اقبال کے استاد مولوی میر حسن صاحب کے خاندان کے فرد تھے اور قادیانی تھے۔ ادھر ادھر کی باتیں ہو رہی تھیں۔ اسی دوران میں قادیانیت کا ذکر بھی آیا اور ایک صاحب نے کہا کہ مرزائیوں میں تبلیغ کا جوش بہت ہوتا ہے۔‘‘ اس پر جناب انعام اللہ شاہ صاحب نے کہا کہ: ’’کیا پوچھتے ہو۔ ہمارے مرزا قادیانی نے تو اپنے زمانہ کے ہر بڑے آدمی کو دعوت دی۔ ان میں سے کسی نے مانا کسی نے نہ مانا۔ بعض خاموش ہو گئے اور بعض مولوی ثناء اللہ امرتسری کی طرح ان کے پیچھے پڑ گئے۔ مگر اقبال نے صرف ایک نظم لکھ دی۔‘‘ ہم سب نے انعام اللہ بادشاہ صاحب سے اصرار کیا کہ علامہ

اقبال کی وہ نظم جوانہوں نے مرزا قادیانی کے جواب میں تحریر کی تھی ذرا سنائیے۔ چنانچہ وہ نظم انہوں نے سنائی۔ نقل بھیجتا ہوں۔ اس کو پڑھ لیجئے اور فیصلہ کر لیجئے کہ نذیر احمد کی بات کہاں تک صحیح یا مبنی بر حقیقت ہے۔ نظم کا عنوان ہے: ’’پیام بیعت کے جواب میں‘‘ پوری نظم مدنیہ ۱۳ر دسمبر ۱۹۵۳ء میں شائع ہو چکی ہے۔ چند اشعار یہ ہیں:

تو جدائی پہ جان دیتا ہے وصل کی راہ ڈھونڈتا ہوں میں

(یعنی اے مرزا غلام احمد تو نبوت کا دعویٰ کر کے مسلمانوں میں جدائی اور تفرقہ کا بیج ڈالتا ہے اور میں مسلمانوں میں اتفاق اور وصل کی راہ کا طالب ہوں۔ الصدیق)

بھائیوں میں بگاڑ ہو جس سے اس عبارت کو کیا سراہوں میں

(یعنی مرزا غلام احمد کے تصانیف اور مفسدانہ کلمات سے تمام مسلمانوں میں بگاڑ پیدا ہو گیا۔ ایسی باتوں کو کیسے سراہا جاسکتا ہے۔ الصدیق)

ایک دانہ پہ ہے نظر تیری اور خرمن کو دیکھتا ہوں میں

(اے مرزا غلام احمد! تو وہ کوتاہ چشم ہے کہ تیری نظر صرف ایک دانہ پر واقع ہوئی ہے اور میں پورے خرمن پر نظر رکھتا ہوں۔ الصدیق)

دیکھ لیجئے! اقبال کا کلام...... علامہ صاحب اس میں مرزا کو خطاب کر کے نہایت واضح طریق سے اس کو اپنی غلطیوں پر آگاہ کر رہے ہیں۔ اب کس طرح باور کیا جائے کہ علامہ اقبال قادیانی رہے اور انہوں نے مرزا کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔ افسوس کہ مرزائیوں کو ایک نیک دل مسلمان (علامہ اقبال مرحوم) پر جو اس وقت فوت ہو چکے ہیں۔ اتہام تراشتے ہوئے اگر خدا کا خوف لاحق نہیں ہوتا تو بندوں سے بھی شرم نہیں آتی۔

(۷۹) علامہ اقبال اور قادیانیت

نہ معلوم مرزائی حضرات نے جھوٹ بولنے کی عادت کہاں سے حاصل کی۔ بظاہر تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی کا اثر ان کے اندر بھی پورا سرایت کر گیا ہے کہ دنیا کچھ بھی کہتی رہے تم جھوٹ کی اشاعت سرگرمی سے کرتے رہو۔ کچھ نادان تو دام فریب میں پھنس ہی جائیں گے۔ اب ان لوگوں نے علامہ اقبال کو بھی قادیانی مشہور کرنا شروع کر دیا ہے۔ حالانکہ ہر پاکستانی کو معلوم ہے کہ علامہ اقبال قادیانیت کے سخت مخالف تھے۔ ان کی اور جواہر

لال کی قادیانی مسئلہ پر جو خط و کتابت جاری رہی وہ ''حرف اقبال'' میں شائع ہو چکی ہے۔

پھر انجمن حمایت اسلام کا وہ واقعہ تو اب تک تعلیم یافتہ طبقہ کو یاد ہی ہے کہ جب ایک قادیانی رئیس اعظم انجمن حمایت اسلام لاہور کے جلسہ سالانہ کی صدارت کر رہا تھا تو علامہ صاحب نے صرف اسی بناء پر جلسہ میں شرکت سے انکار کر دیا تھا کہ اس جلسہ کا صدر ایک مرزائی ہے۔ اراکین انجمن نے علامہ اقبال کی دلجوئی کے لئے قادیانی رئیس کو جلسہ کی صدارت سے برخواست کر دیا۔ تب جاکر علامہ صاحب شریک اجلاس ہوئے۔

اس کے بعد علامہ اقبال صاحب نے انجمن کے کالج اور سکولوں سے تمام قادیانی اور لاہوری مرزائی ملازمین کو برطرف کرایا تھا۔ علامہ اقبال کی غیرت اسلامی کی داد دیجئے۔ جس سے آج کل کا تعلیم یافتہ عموماً محروم ہے۔ آپ نے احتجاجی طور پر حکومت کو تار دیا تھا کہ کشمیر کمیٹی سے خلیفہ قادیان کو فوراً معزول کیا جائے۔

یہ تو تھا علامہ صاحب کا طرز عمل قادیانیت کے متعلق۔ مگر افسوس آج اقبال بیچارے کو قادیانی کہہ کر اس کی روح پر ظلم وستم ڈھایا جارہا ہے۔

(۸۰) بہتان عظیم

مرزا غلام احمد قادیانی نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شان میں جو گستاخیاں کی ہیں۔ جب مرزائیوں سے اس کے متعلق سوال کیا جاتا ہے تو کئی طرح سے جواب دیتے ہیں۔ مثلاً یہ کہ عیسیٰ علیہ السلام اور ہیں اور یسوع اور۔ مرزا قادیانی نے یسوع کو گالیاں دی ہیں نہ کہ عیسیٰ علیہ السلام کو۔ کبھی یہ کہتے ہیں کہ مرزا قادیانی نے عیسائیوں کا منہ بند کرنے کے لئے الزامی طور پر گالیاں دی ہیں۔ وغیرہ وغیرہ!

اہل اسلام خوب جانتے ہیں کہ مرزائیوں کے یہ حیلے بہانے ہیں۔ ورنہ ان کا مقصد یہ ہے کہ جب تک عیسیٰ علیہ السلام کی توہین کر کے ان کو اپنے مقام رفیع سے پست نہ کیا جائے۔ غلام احمد قادیانی کو ان کا مثیل بنانا مشکل ہے۔ اس لئے اوّل عیسیٰ علیہ السلام کی رفعت شان میں کمی کرو! تاکہ پھر مرزا غلام احمد کو ان کا مثیل کہو یا ان سے بالاتر۔ سب کچھ جائز ہو جائے۔ اصل ذہنیت مرزائیوں کی عیسیٰ علیہ السلام کے بارہ میں بھی یہی ہے جس کا وہ وقتاً فوقتاً اظہار کرتے رہتے ہیں۔ چنانچہ المصلح (یہ مرزائیوں کا اخبار ہے جو کراچی سے شائع ہوتا ہے) کا تازہ پرچہ یکم / جنوری

۱۹۵۴ء کا ہمارے سامنے ہے۔ اس میں ص ۴ پر مرزا محمود مرزائیوں کے موجودہ لیڈر یوں گل افشانی فرماتے ہیں: ’’حضرت مسیح ناصری کی یہ حالت تھی کہ فرمایا کہ ہوا کے پرندوں کے لئے گھونسلے ہیں۔ مگر ابن آدم کے لئے کوئی پناہ کی جگہ نہیں۔ عام حالت ایسی تھی کہ بعض اوقات کسی شاگرد کے ہاں سے کھانا طلب فرمالیتے۔ لیکن اس کے باوجود ان کے پاس وہ چیز تھی جس کی اللہ تعالیٰ کے ہاں قدر تھی۔ یہاں تک کہ بعض دولت مند عورتیں نہایت قیمتی عطر کثرت سے ان کے پاؤں پر ملتیں اور اپنے سر کے بالوں سے ان کے پاؤں کو خشک کرتیں۔‘‘ (العیاذ باللہ)

دیکھ لیجئے یہ ہے ان لوگوں کی ذہنیت اس پیغمبر کے متعلق جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ’’وجیھاً فی الدنیا والآخرۃ‘‘ اس غلام احمد کے بیٹے سے کوئی دریافت کرے کہ کس آیت قرآنی یا حدیث یا تاریخ اسلامی سے آپ نے عیسیٰ علیہ السلام پر یہ بہتان تراش کیا ہے۔ کیا کسی نبی کی شان کے یہ لائق ہے کہ وہ ایک دولت مند عورت سے اس طرح اپنے بدن کی مالش کرائے؟

اصل بات یہ ہے کہ انسان اپنے عیوب پر پردہ ڈالنے کے لئے بعض اوقات بڑی جلیل القدر اور معصوم ہستیوں پر بھی حملہ کرنے سے دریغ نہیں کرتا تاکہ اس طرح وہ اپنے عیوب کے اخفاء کرنے میں کامیاب ہو جائے۔ اس کے بعد پھر اسی المصلح میں مرزا محمود نے فوراً ہی یہ الفاظ تحریر کر دیئے ہیں: ’’اسی طرح حضرت رسول کریم ﷺ نہایت غربت کی حالت میں زندگی بسر کرتے تھے۔ مگر عرب کا کوئی معزز قبیلہ نہ تھا جس کی لڑکی حضور کے گھر میں نہ ہو۔‘‘

یہ دوسرا بہتان ہے۔ ہر شخص جانتا ہے کہ عرب کے قبائل کی تعداد بیسیوں سے متجاوز ہو کر سینکڑوں کو پہنچی ہوئی تھی۔ اس حساب سے لازم آتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے نکاح میں معزز خاندانوں کی سینکڑوں عورتوں کو جمع کر رکھا تھا۔ (معاذ اللہ) حالانکہ یہ بھی افتراء اور بہتان ہے۔ ساری دنیا جانتی ہے کہ آنحضرت ﷺ کے نکاح میں بوقت وفات صرف نو عورتیں تھیں جو ایک کے سوا سب کی سب بیوہ تھیں اور آنحضرت ﷺ کا پہلا نکاح حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے اس وقت ہوا جب کہ آپ کی عمر پچیس سال کی تھی اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اپنی عمر کی چالیس منزلیں طے کر چکی تھیں۔ نکاح کے بعد پچیس سال آنحضرت ﷺ کی زوجیت میں رہیں اور رمضان ۱۰ نبوی پینسٹھ برس کی عمر میں انتقال فرمایا۔ ان کی زندگی میں حضور ﷺ نے کوئی نکاح نہیں فرمایا۔

(۸۱) آنحضرت ﷺ کی ازدواجی زندگی

المصلح میں سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شان رفیع میں بہتان اور الزام تراشی کے سلسلہ میں آنحضرت ﷺ کے گھر میں عرب کے تمام معزز قبائل کی لڑکیوں کے داخل ہونے کا بہتان شائع کیا گیا ہے۔ جس سے آپ کی گھریلو پاک زندگی کے متعلق شیطانی وسوسہ اندازی کا خطرہ رہتا ہے اور یہ وہ ذہنیت ہے جو عیسائیوں سے مستعار لی گئی ہے۔ اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس ضمن میں آنحضرت ﷺ کی پاکیزہ زندگی پر حضرت شیخ الاسلام عثمانی کے چند الفاظ بصورت شذرہ سپرد کر دیئے جائیں۔

''حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد آپ ﷺ نے سب سے بڑے وفادار رفیق کی صاحبزادی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے عقد کیا۔ ان کے سوا آٹھ بیوائیں آپ ﷺ کے نکاح میں آئیں۔ وفات کے بعد نو موجود تھیں۔ جن کے اسماء یہ ہیں۔ (۱) حضرت عائشہ، (۲) حضرت حفصہ، (۳) حضرت سودہ، (۴) حضرت ام سلمہ، (۵) حضرت زینب، (۶) حضرت ام حبیبہ، (۷) حضرت جویریہ، (۸) حضرت صفیہ، (۹) حضرت میمونہ رضی اللہ عنہن۔ (ان میں پچھلی تین قریشی نہیں) دنیا کا سب سے بڑا بے مثال انسان جو اپنے فطری قویٰ کے لحاظ سے کم از کم چار ہزار[۱] بیویوں کا مستحق ہو، کیا نو کا عدد دیکھ کر کوئی انصاف پسند اس پر کثرت ازدواج کا الزام لگا سکتا ہے۔

پھر جب ہم ایک طرف دیکھتے ہیں کہ آپ کی عمر ترپن سال سے متجاوز ہو چکی تھی۔

[۱] حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ مجھ کو جو جسمانی قوت عطاء ہوئی ہے وہ اہل جنت میں سے چالیس مردوں کے برابر ہے۔ جن میں سے ایک مرد کی قوت سو کے برابر ہوگی۔ گویا اس حساب سے دنیا کے چار ہزار مردوں کے برابر قوت حضور کو عطاء فرمائی گئی تھی اور بے شک دنیا کے اکمل ترین بشر کی تمام روحانی وجسمانی قوتیں ایسی ہی اعلیٰ واکمل پیمانے پر ہونی چاہئیں۔ اس حساب سے اگر فرض کیجئے چار سو بیویاں آپ کے نکاح میں ہوتیں تو آپ کی قوت کے اعتبار سے اس درجہ میں شمار کیا جا سکتا تھا۔ جیسے ایک مرد ایک عورت سے نکاح کرے لیکن اللہ اکبر اس شدید ریاضت اور ضبط نفس کا کیا ٹھکانہ ہے کہ ترپن سال کی عمر اس تجرد یا زہد کی حالت میں گزار دی۔

باوجود عظیم الشان فتوحات کے ایک دن پیٹ بھر کر کھانا نہ کھاتے تھے۔ جو آتا اللہ کے راستہ میں دے ڈالتے، اختیاری فقر وفاقہ سے پیٹ کو پتھر باندھتے، مہینوں ازواج مطہرات کے مکانوں سے دھواں نہ نکلتا، پانی اور کھجور پر گزارہ چلتا۔ روزہ پر روزہ رکھتے کئی کئی دن افطار نہ کرتے، راتوں کو اللہ کی عبادت میں کھڑے رہنے سے پاؤں پر ورم ہو جاتا۔ لوگ دیکھ کر رحم کھانے لگتے ،عیش وطرب کا سامان تو کجا تمام بیویوں سے صاف کہہ دیا تھا کہ جسے آخرت کی زندگی پسند ہو ہمارے ساتھ رہے جو دنیا کا عیش چاہے رخصت ہو جائے۔ ان حالات کے باوجود دوسری طرف دیکھا جاتا ہے کہ سب ازواج کے حقوق ایسے اکمل واحسن طریقہ سے ادا فرماتے جس کا تحمل بڑے سے بڑا طاقتور مرد نہیں کرسکتا اور میدان جنگ میں لشکروں کے مقابلہ پر جب بڑے بڑے جواں مرد وبہادر دل چھوڑ بیٹھے تھے۔ آپ پہاڑ کی طرح ڈٹے رہتے اور زبان سے فرماتے: ''الیّ عباداللہ انا رسول اللہ اور انا النبی لا کذب انابن عبدالمطلب''

بیویوں کا تعلق فرائض عبودیت ورسالت کی بجا آوری میں ذرہ برابر فرق نہ ڈالتا۔ نہ کسی سخت سے سخت کٹھن کام میں ایک منٹ کے لئے ضعف وتعب لاحق ہوتا۔ کیا یہ خارق عادت احوال اہل بصیرت کے نزدیک معجزہ سے کچھ کم ہیں۔ حقیقت میں جس طرح آپ کا بچپن اور آپ کی جوانی ایک معجزہ تھی، بڑھاپا بھی ایک معجزہ ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے آپ کی پاک زندگی کے ہر ایک دور میں پاکباز متقیوں کے لئے کچھ نمونے رکھ دیئے ہیں جو انسانی زندگی کے ہر شعبہ میں ان کی عملی رہبری کرسکیں۔ ازواج مطہرات کی جس نام نہاد کثرت پر مخالفین کو اعتراض ہے وہ ہی امت مرحومہ کے لئے اس کا ذریعہ بنی کہ پیغمبر کا اتباع کرنے والے مرد اور عورتیں ان حکموں اور نمونوں سے بے تکلف واقف ہوں۔ جو بالخصوص باطنی احوال اور خانگی زندگی سے تعلق رکھتے ہیں گویا کثرت ازواج میں ایک بڑی مصلحت یہ ہوئی کہ خانگی معاشرت اور نسوانی مسائل کے متعلق نبی ﷺ کے احکام اور اسوۂ حسنہ کی اشاعت کافی حد تک بے تکلف ہوسکے۔ نیز مختلف قبائل وطبقات کی عورتوں کے آپ کی خدمت میں رہنے سے ان قبائل اور جماعتوں کو آپ کی دامادی کا شرف حاصل ہوا، اور اس طرح ان کی وحشت ونفرت بھی کم ہوئی اور اپنے کنبہ کی عورتوں سے آپ کی پاک دامنی، خوبی اخلاق، حسن معاملہ اور بے لوث کریکٹر کو سن کو اسلام کی طرف رغبت بڑھی۔ شیطانی شکوک واوہام کا ازالہ ہوا اور

اس طرح خدا کے عاشقوں، آپ کے فداکاروں اور دنیا کے ہادیوں کی وہ عظیم الشان جماعت تیار ہوئی جس سے زیادہ پرہیزگار و پاکباز کوئی جماعت (بجز انبیاء کے) آسمان کے نیچے کبھی نہیں پائی گئی اور جو کسی برے کیرکٹر رکھنے والے کی تربیت میں محال تھا کہ تیار ہو سکے۔‘‘

(۸۲) احمدی کے بجائے غلام احمدی

انصاف کا تقاضا تو یہ تھا کہ مرزائی صاحبان اپنا نام خود ایسا رکھتے جس سے مغالطہ نہ ہوتا۔ مگر ان سے شکوہ تو فضول ہے۔ جب انہوں نے آنخضرت ﷺ کی نبوت کو منسوخ[۱] کر کے نئی نبوت قائم کر لی ہے تو اب ہم ان سے چھوٹی چھوٹی باتوں کا کیا گلہ کریں۔ البتہ ہم اپنے مسلمان بھائیوں...... (مدیران جرائد، اصحاب قلم، مضامین نگار حضرات) کو متنبہ کرتے ہیں کہ مرزائیوں کو احمدی کے لقب سے یاد کرنے میں کتنا بڑا مفسدہ پنہاں ہے۔ ہمارے بعض احباب کو شاید معلوم نہ ہو لیکن مرزائی لٹریچر پر عبور رکھنے والوں کو اچھی طرح معلوم ہے کہ مرزائی صاحبان آیت: ’’**ومبشراً برسول یاتی من بعدی اسمه احمد**‘‘ میں لفظ احمد کا مصداق مرزا غلام احمد کو قرار دیتے ہیں۔

۲...... مرزائی اپنے اخبار ورسائل میں غلام احمد کے بجائے اب احمد استعمال کرنے لگے ہیں۔ چنانچہ المصلح میں موجود ہے۔ احمد قادیانی اور مرزائیوں کا رسالہ الفرقان جو ربوہ سے نکلتا ہے اس میں بھی یہ دعویٰ کیا گیا ہے کہ مرزا ہی احمد ہے۔ دیکھو (الفرقان ص۶۴ ج۳ نمبر۱۲) ’’**وهل هو غير احمد يا صديقي، مجدد عصرنا حامي الشريعة**‘‘ ترجمہ: کیا مرزا غیر احمد ہے اے میرے دوست! ہمارے زمانہ کا مجدد اور حامی شریعت ہے۔ (العیاذ باللہ)

اس لئے شرعاً ہمارے اوپر لازم ہے کہ ہم اپنی استطاعت کے مطابق مرزائیوں کو احمدی کہنے، لکھنے سے اجتناب کریں۔ البتہ مرزائی یا قادیانی کہیں۔ کیونکہ مرزا غلام احمد اپنے آپ کو میرزا لکھتا رہا ہے اور اس میں وہ اپنے میرزادہ ہونے کا مدعی ہے۔ کیونکہ میرزا اصل میں امیرزادہ کا مخفف ہے۔ اس حیثیت سے مرزا کے لئے یہ لقب کوئی خاص برا نہیں ہے۔

۱؎ میرزائی زبان سے تو یہی کہتے ہیں کہ ہمارے مرزا نے نبوت غیر تشریعی کا دعویٰ کیا ہے۔ مگر درحقیقت مرزا قادیانی نے نبوت تشریعیہ کا ادّعا کیا ہے جس طرح ان کے کتابوں سے ثابت ہے۔ علاوہ ازیں نبوت غیر تشریعی کا دعویٰ کرنا بھی تو غلط ہے۔

دوسرے نمبر پر انہیں قادیانی کہا جائے۔ کیونکہ قادیان ان کا اب بھی مرکز ہے اور وہاں انہوں نے بہشتی مقبرہ[1] بھی بنایا ہوا ہے۔ تیسرے نمبر پر اگر یہ مرزائی بہت ہی ضد کریں تو انہیں غلام احمدی کہا جائے تاکہ یہ معلوم ہو کہ ان کا حشر قیامت والے دن غلام احمد قادیانی کے ساتھ ہوگا اور احمدی کہنے میں صاف تلبیس اور دھوکہ ہوتا ہے کہ مرزا قادیانی ہی احمد ہے۔ یہی مرزائیوں کا مقصود ہے۔ مگر افسوس کہ ناواقفیت اور نادانی سے ہمارے بعض مسلمان بھائی ان کے مؤید بن رہے ہیں۔

(نمبر۷۷ تا۸۱، الصدیق ج۴ ش۳،۴ ص۸ تا۱۲، ربیع الاوّل ۱۳۷۳ھ و ربیع الثانی، دسمبر ۱۹۵۳ء، جنوری ۱۹۵۴ء)

(۸۳) توہین و اشتعال

مرزائیوں کے لٹریچر میں حضرت مسیح علیہ السلام کے متعلق کافی توہین آمیز الفاظ ملتے ہیں۔ مگر ہمیشہ تاویل کی پناہ لے کر مرزائی مبلغ ان الفاظ کے متعلق یہ کہتے ہیں کہ یہ تو صرف عیسائیوں کے یسوع کے متعلق ہیں جو حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام سے ایک مختلف چیز ہیں۔ یسوع مسیح جو عیسائیوں کے ہاں خدا کا درجہ رکھتا ہے۔ وہ ہرگز عیسیٰ ابن مریم نہیں ہوسکتا۔ یسوع اور حضرت عیسیٰ کی شخصیت ایک ہے یا الگ اس بحث میں نہ پڑتے ہوئے ہم یہ پوچھتے ہیں کہ عیسائیوں کے معزز رہنما کو گالیاں دینا کہاں تک تہذیب اور شرافت ہے؟ اور تہذیب و شرافت کے معیار کو بھی جانے دیجئے۔ مرزا محمود احمد خلیفہ قادیان کا ایک خطبہ نکاح یکم ؍ جنوری ۱۹۵۴ء کے المصلح میں چھپا ہے۔ اس کے الفاظ ملاحظہ کیجئے کہ کس قدر توہین آمیز اور اشتعال انگیز ہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق مرزا محمود کہتے ہیں: ''یہاں تک کہ بعض دولت مند عورتیں نہایت قیمتی عطر کثرت سے ان کے پاؤں پر ملتیں اور اپنے سر کے بالوں سے ان کے پاؤں کو خشک کرتیں۔'' (المصلح کراچی یکم ؍ جنوری ۱۹۵۴ء)

یہی روایت مرزا غلام احمد کے لٹریچر میں بھی موجود ہے مگر قدح کے رنگ میں اب اسی روایت کو مرزا محمود مدح کے رنگ میں بیان کرتے ہیں۔ جو دراصل قدح سے بھی زیادہ سخت ہے۔ کیونکہ یہ مدح مدح نہیں بلکہ مایشبہ الذم کے باب میں سے ہے۔ آخر کب تک مرزائی اور مرزائیوں کے بزرگ یوں ہمارے سینے چھلنی کرتے رہیں گے۔ کیا قانون ان کے منہ میں لگام نہیں دے سکتا۔

[1] بہشتی مقبرہ کے نام سے چندہ وصول کیا جاتا تھا...... جو شخص ایک معین مقدار رقم مہیا کرتا تھا اس کو جنت کی ٹکٹ مل جاتی تھی۔ اب یہ بہشت بھارت کے قبضہ میں آ گئی ہے۔

(۸۴) پہلی بیوی کے ساتھ دوسری بیوی کی نسبت زیادہ اچھا سلوک کریں

ذکر حبیب کے عنوان سے ’’المصلح‘‘ میں مفتی محمد صادق مرزائی غلام احمد کی سوانح حیات کے کچھ متفرق واقعات چھپوا رہے ہیں۔ ان ملفوظات میں سے ایک ملفوظ کی عبارت ملاحظہ ہو۔

فرمایا: ’’میرا تو یہی جی چاہتا ہے کہ میری جماعت کے لوگ کثرت ازدواج کریں اور کثرت اولاد سے جماعت کو بڑھادیں۔ مگر شرط یہ ہے کہ پہلی بیوی کے ساتھ دوسری بیوی کی نسبت زیادہ اچھا سلوک کریں تاکہ اسے تکلیف نہ ہو۔ دوسری بیوی پہلی بیوی کو اس لئے ناگوار معلوم ہوتی ہے کہ وہ خیال کرتی ہے کہ میری غورو پرداخت اور حقوق میں کمی کی جائے گی۔ مگر میری جماعت کو اس طرح نہ کرنا چاہئے۔ اگرچہ عورتیں اس بات سے ناراض ہوتی ہیں۔ مگر میں تو یہی تعلیم دوں گا۔ ہاں! یہ شرط ساتھ رہے گی کہ پہلی بیوی کی غورو پرداخت اور اس کے حقوق دوسری کی نسبت زیادہ توجہ اور غور سے ادا ہوں اور دوسری کی نسبت پہلی کو زیادہ خوش رکھنے کی کوشش کی جائے۔‘‘ (المصلح مؤرخہ ۹؍جنوری ۱۹۵۴ء)

قرآن پاک میں ضرورت کی بناء پر چار تک بیویوں کی اجازت ہے۔ مگر اس کے ساتھ ہی یہ شرط لگادی گئی کہ اگر ان میں عدالت اور انصاف نہ کرسکو تو ایک سے زیادہ مت کرو۔ مگر مرزا قادیانی کا فرمودہ یہ ہے کہ پہلی بیوی کے ساتھ دوسری بیوی کی نسبت زیادہ اچھا سلوک کیا جائے۔ اب فرمائیے ہم لوگ قرآن پاک کے فرمودہ پر عمل کریں یا مرزا غلام احمد کی تعلیم کا ساتھ دیں؟ اور یہ تو پوچھئے ہی نہیں کہ یہ ہاتھی کے دکھانے کے دانت ہیں۔ کھانے کے دانت بھی آپ نے دیکھے۔ جہاں مرزا غلام احمد نے خود اپنی پہلی بیوی والدہ مرزا سلطان احمد کے ساتھ سلوک کیا تھا جس کی شکایت کا سلسلہ طلاق تک منجز ہوگیا۔ اسی کو شاید ’’دیگراں را نصیحت اور خود میاں فضیحت‘‘ کہتے ہیں:

گر مسلمانی ہمیں است کہ مرزا دارد وائے گرپس امروز بود فردائے

(نمبر ۸۲،۸۳، الصدیق ج۴ش ص۳ تا ۵ جمادی الاولیٰ ۱۳۷۳ھ فروری ۱۹۵۴ء)

(۸۵) تحقیقاتی عدالت کی رپورٹ کے چند اقتباسات

۱...... <u>برطانیہ کی خودساختہ جماعت:</u> ’’لیکن انہوں نے مہربان برطانوی حکومت کی مذہبی رواداری کی پالیسی کے متعلق مداحانہ اور تعریفی انداز میں لکھنے کی وجہ سے اپنے نظریئے

کو مشکوک نما بنا دیا ہے۔ مسلمانوں کا غصہ اس وقت مزید بھڑک اٹھا۔ جب مرزا قادیانی نے بلاد اسلامیہ میں مذہبی رواداری کے فقدان کا ذکر کرتے ہوئے انہیں برطانیہ سے فروتر بتایا۔ معلوم ہوتا ہے وہ اس بات سے باخبر تھے کہ ان کے نظریئے کو دوسرے اسلامی ملکوں میں ارتداد پھیلانے کا رنگ دیا جائے گا۔ ان کا یہ نظریہ اس وقت یقیناً پختہ ہوگیا ہوگا جب عبداللطیف کو افغانستان میں سنگسار کیا گیا۔ پہلی جنگ عظیم میں ترکیہ کو شکست ہوئی اور 1918ء میں بغداد برطانیہ کے ہاتھ آ گیا۔ قادیان میں فتح کی جو تقریب منائی گئی۔ اس سے بھی مسلمانوں میں سخت نفرت پیدا ہوئی اور احمدیت کو برطانیہ کی خودساختہ جماعت سمجھا جانے لگا۔'' (الفضل قادیان ج۸/۴۳ نمبر۴۰ کالم نمبر۳،۴ص۶، مؤرخہ یکم/مئی ۱۹۵۴ء)

(۸۶) مرزائی تقسیم ملک کے خلاف تھے

''جب تقسیم ہندوستانی مسلمانوں کے ایک علیحدہ ریاست کی دھندلی سی امید نظر آنے لگی تو احمدیوں نے خود کو آنے والے واقعات کے سائے سے فکرمند کرنا شروع کردیا۔ ان کی ۱۹۴۵ء سے ۱۹۴۷ء کے ابتداء تک کی بعض تحریروں سے پتہ چلتا ہے کہ انہیں برطانیہ کی کامیابی کی توقع تھی۔ لیکن جب پاکستان کے دھندلے سے تصور کی امید نظر آنے لگی تو انہوں نے نئی ریاست کے نظریئے سے مستقل طور پر منسلک رہنا اپنے لئے مشکل سمجھا۔ ان کے لئے اس وقت عجیب کیفیت ہوگی۔ کیونکہ وہ نہ تو بھارت کو منتخب کر سکتے تھے جو ہندو مذہبی ریاست ہے اور نہ پاکستان کو جہاں علیحدگی کی حوصلہ افزائی کی امید نہ تھی۔ ان کی بعض تحریروں سے پتہ چلتا ہے کہ وہ تقسیم کے خلاف تھے اور یہ سمجھتے تھے کہ اگر تقسیم ہوگئی تو وہ ملک کو دوبارہ متحد کرنے کی جدوجہد کریں گے۔'' (الفضل قادیان ج۸/۴۳ نمبر۴۰ کالم نمبر۳،۴ص۶، مؤرخہ یکم/مئی ۱۹۵۴ء)

(۸۷) آنحضرت ﷺ کے ساتھ موازنہ

''اس میں کوئی شک نہیں کہ رسول اکرم ﷺ اور کسی دوسرے زندہ یا مردے شخص کے مابین کسی قسم کا موازنہ ہر مومن کو برا لگے گا۔'' (مؤرخہ یکم/مئی ۱۹۵۴ء الفضل ص۸ کالم نمبر ا ج۸/۴۳ نمبر۴۰)

(۸۸) جو مرزا پر یقین نہیں رکھتا اس کے جنازے میں شرکت نہیں کی جاسکتی

''چوہدری ظفر اللہ خان کی طرف سے قائداعظم کے جنازے میں شریک نہ ہونے پر اعتراض نمایاں طور پر پیش کیا گیا ہے۔ لیکن چوہدری ظفر اللہ خان نے جواب دیا کہ چونکہ

مولانا شبیر احمد عثمانی جو جنازہ پڑھا رہے تھے۔ احمدیوں کو کھلے بندوں کافر، مرتد اور واجب القتل قرار دیتے تھے۔ اس لئے وہ ان کے پیچھے نماز ادا کرنے کا فیصلہ نہ کر سکے۔

احمدیوں کی طرف سے آخر میں یہ پوزیشن اختیار کی گئی کہ مرزا غلام احمد کی ایک رائے دریافت ہوئی ہے جس میں احمدیوں کو ان دوسرے مسلمانوں کے جنازے میں شرکت کی اجازت ہے جو مرزا کے مکذب اور مکفر نہیں ہیں۔ اس سے پوزیشن بالکل بہتر نہیں ہوتی۔ کیونکہ اس رائے کا مطلب یہ ہے کہ اس شخص کے جنازے میں شرکت نہیں کی جاسکتی جو مرزا غلام احمد پر یقین نہیں رکھتا اور اس طرح عملی طور پر مروّجہ دستور کی تصدیق ہوتی ہے۔''

(مؤرخہ یکم رمئی ۱۹۵۴ء الفضل قادیان ص۸ کالم نمبر۴ ج۸ر۴۳ نمبر۴۰)

(۸۹) فسادات میں مرزائیوں کا حصہ

''یہ دیکھنا ضروری ہے کہ آیا فسادات کو تقویت دینے میں احمدیوں کا بھی کوئی حصہ تھا یا نہیں۔ عام مسلمانوں سے ان کے اختلافات نصف صدی سے بھی زیادہ پرانے ہیں اور تقسیم سے قبل تک وہ بغیر کسی رکاوٹ کے تبلیغ کرتے اور لوگوں کو اپنا ہم خیال بنانے کی کوشش کرتے چلے آرہے تھے۔ پاکستان قائم ہوتے ہی تمام صورت حال بدل گئی۔ اس حال میں کہ ابھی اس قسم کی کوئی پالیسی وضع نہیں ہوئی تھی کہ دیگر مذاہب کی علی الاعلان تبلیغ یا اسلام کے اندر کسی فرقہ وارانہ عقیدے کی تلقین کی کیا حدود متعین کی جانی چاہئیں۔ اگر احمدیوں کو یہ خیال رہا کہ ان کی مساعی کو ناپسند نہیں کیا جائے گا اور نئی مملکت میں ان کا نوٹس نہیں لیا جائے گا تو وہ اپنے آپ کو مغالطہ میں ڈال رہے تھے۔ بدلے ہوئے حالات کے مطابق ان کی مساعی میں تبدیلی نہیں ہوئی تھی۔ شدومد کے ساتھ تبلیغ اور غیر احمدی مسلمانوں کی طرف نامرغوب حوالے جاری رہے۔

مرزا بشیرالدین محمود احمد کی کوئٹہ والی تقریر جس میں انہوں نے صوبے کی تمام آبادی کو اپنا ہم عقیدہ بنانے اور اس صوبہ کو مزید جدوجہد کے لئے (BASE) کے طور پر استعمال کرنے کا ذکر کیا تھا۔ نہ صرف مناسب نہیں تھی بلکہ غیر محتاط اور برافروختہ کرنے والی تھی۔ اسی طرح اپنے پیروؤں کو یہ ہدایت کہ وہ احمدیت کو پھیلانے کی غرض سے اپنے پروپیگنڈے کو زیادہ کردیں۔ تاکہ ۱۹۵۲ء کے اختتام تک تمام مسلمان احمدیت کی آغوش میں آجائیں۔ اپنا ہم عقیدہ بنانے کی جدوجہد کا کھلا نوٹس تھی۔

پھران لوگوں کو جو مرزا غلام احمد کو نہیں مانتے تھے۔ دشمن یا مجرم یا محض مسلمان کہنا ان مسلمانوں کو برافروختہ کئے بغیر نہیں رہ سکتا تھا جن کی توجہ ایسے حوالوں کی طرف مبذول کرائی جاتی تھی۔ احمدی افسر دوسروں کو اپنا ہم عقیدہ بنانے کی مساعی میں دل سے حصہ لینے کو اپنا مذہبی فرض سمجھتے تھے۔ اس رویہ سے احمدیوں کی حوصلہ افزائی ہوئی کہ جہاں انہیں سرکاری سہارا حاصل ہو یا حاصل ہونے کی توقع ہو۔ وہ حصول مقصد کے لئے زیادہ تندہی سے کام کریں۔ ہمیں پورا یقین ہے کہ اگر ضلع منٹگمری کا انتظامی سربراہ احمدی نہ ہوتا احمدی غیر احمدی دیہی بستیوں میں پروپیگنڈا مشن پر جانے کی جرأت نہ کرتے۔ جب ایک افسر اپنے فرقہ وارانہ نظریات کا کھلے بندوں اظہار کرتا ہے۔ جیسا کہ بعض احمدی افسران نے کیا تو اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایسے تنازعات میں جس میں خود اس کے اپنے فرقے کا کوئی فرد ایک فریق ہو۔ اس کی غیر جانبداری پر اعتماد قائم نہیں رہتا۔ اس کا فیصلہ خواہ کتنا ہی درست اور ایماندارانہ کیوں نہ ہو۔ اگر وہ فیصلہ اس پارٹی کے خلاف ہوگا جو اس افسر کے فرقے سے تعلق نہیں رکھتی تو ایسی پارٹی کے لئے اس تأثر سے بچنا ناممکن ہو جائے گا کہ وہ فرقہ وارانہ بنیادوں پر ناانصافی کا شکار ہوئی ہے۔ اس لئے افسروں کا یہ رویہ بدقسمتی کا حامل تھا اور اس اصول سے کسی حد تک ناواقفیت پر دلالت کرتا تھا۔ جسے ہر پبلک افسر کو اپنے ظاہری رویہ میں ملحوظ رکھنا چاہئے۔ اس لئے اگرچہ ہمیں اطمینان ہے کہ احمدیوں پر براہ راست فسادات کی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی لیکن ان کے روّیہ نے ان کے خلاف عام ایجی ٹیشن کا موقع دیا۔‘‘

(الفضل قادیان ج۸/۴۳ نمبر۶۳ ص۸ کالم نمبر۱تا۳ مؤرخہ ۲۷/اپریل ۱۹۵۴ء)

(نمبر۸۴تا۸۸، الصدیق ج۴ ش۷ ص۵تا۸، رجب ۱۳۷۳ھ اپریل ۱۹۵۴ء)

(۹۰) ایک دل خوش کن اعلان

ہمارے قارئین ملک غلام رسول صاحب شوق کے اسم گرامی سے ناواقف نہیں ہوں گے۔ ڈیرہ غازی خان کے ایک نہایت ہی غریب گھرانے میں پیدا ہوئے۔ یتیمی میں اپنی ذہانت وشوق کے سہارے تعلیم کی تکمیل کی اور محکمہ تعلیم میں ملازم ہوگئے۔ رفتہ رفتہ اپنی محنت اور ذہانت سے ترقی کرتے کرتے ڈپٹی ڈائرکٹر محکمہ تعلیم پنجاب کے عہدہ تک پہنچ گئے۔ ملک صاحب کچھ عرصہ تک مرزائیت پر بھی قائم رہے۔ ان جیسے ذہین آدمی پر تعجب ہوتا تھا کہ

وہ کس طرح سواد اعظم سے کٹ گئے۔ مگر الحمدللہ! کہ آخرحق ان پر ظاہر ہوگیا اور وہ کافی دن ہم سے علیحدہ رہنے کے بعد وہ پھر ہم سے آملے ہیں اور انہوں نے ۸/اگست ۱۹۵۴ء کے نوائے وقت میں یہ اعلان فرمادیا:

مکرمی! میں نے عرصہ سے احمدیہ عقائد کو ترک کردیا ہے اور احمدیہ جماعت سے علیحدگی اختیار کرلی ہے۔ لیکن میرے بعض دوستوں کو میرے متعلق غلط فہمی ہے اور وہ مجھے ابھی تک احمدی سمجھتے ہیں۔ آج اس تحریر کے ذریعہ میں واضح طور پر اعلان کرتا ہوں کہ میں احمدی نہیں ہوں اور میرا جماعت احمدیہ سے کوئی تعلق نہیں۔ میں حنفی المذہب ہوں اور ختم نبوت کے بارے میرا وہی عقیدہ ہے جو دیگر حنفی العقیدہ مسلمانوں کا ہے۔ میرا ایمان ہے کہ آنحضرت ﷺ خدا کے آخری نبی اور رسول ہیں اور ان کے بعد نہ کوئی نبی آیا ہے اور نہ ہی آئے گا۔ یہ بیان اس لئے شائع کررہا ہوں کہ آئندہ میرے متعلق کسی قسم کی غلط فہمی نہ رہے۔

ملک غلام رسول شوق

سابق ڈپٹی ڈائرکٹر محکمہ تعلیم پنجاب ۲۶ راج گڑھ روڈ لاہور

ہم اس جرأت آمیز اعلان پر ملک صاحب کی خدمت میں نہایت مسرت وبہجت سے مبارک باد عرض کرتے ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں دین قیم وملت حنفی کی خدمت کی توفیق عطاء فرمائیں اور الحاد وزندقہ کی ہر وادی میں داخل ہونے سے بچائیں۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ اعلان صرف سیاسی چال ہے اور محض الیکشن میں کھڑا ہوسکنے کی خاطر یہ کام کیا گیا ہے۔ لیکن ہم ملک صاحب کو ایسا گھٹیا درجہ کا آدمی نہیں سمجھتے کہ وہ ایسے خالص مذہبی اعلانوں کو اپنی سیاسی ترقی میں استعمال کریں۔ ساتھ ہی ملک صاحب کی خدمت میں بھی عرض کرتے ہیں کہ ایسے بدگمان لوگوں کا منہ بند کرنے کی خاطر وہ اتنا اعلان اور فرمادیں کہ وہ آئندہ الیکشن میں حصہ نہیں لیں گے۔

(نمبر۸۹، الصدیق ج۴ ش۱۰،۱۱ص۸، شوال وذیقعدہ ۱۳۷۳ھ جون وجولائی ۱۹۵۴ء)

(۹۱) علمائے دین کو بدنام کرنے کی سعی لاحاصل

جولوگ دین کے مخالف ہیں، اس بات کے لئے ہروقت کوشاں رہتے ہیں کہ کسی طرح مذہب حقہ کے عمائد اور علمائے دین کے وقار کو کم کیا جائے تاکہ اس طرح دین قیم سے نفرت اور بیزاری عامۃ الناس کے اندر پیدا ہوسکے۔

چنانچہ اس قسم کے اخبارات میں آئے دن علمائے دین کو بدنام کرنے کی سعی لاحاصل ہر وقت جاری ہے۔ یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ جب تک لوگوں کے دلوں میں علمائے ربّانیّین کی محبت والفت باقی ہے اور جب تک علمائے دین کا وقار دنیا میں قائم ہے۔ دین حق ہر حال میں بلند وارفع ہوکر رہے گا۔ اس لئے یہ لوگ مختلف ذرائع سے (کبھی تحریر اور کبھی تقریر کے ذریعے) علماء کو بدنام کرنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔

ہر ذی عقل کے نزدیک یہ بات مسلم ہے کہ بنی نوع انسان کے کسی ادنیٰ فرد کو سب وشتم کرنا، کسی مذہب میں بھی روا نہیں ہے۔ چہ جائے کہ علماء جو کہ عامۃ المسلمین کے مقتداء اور رہبر ہوں۔ ان کے خلاف ناجائز طور پر طعن وتشنیع کی جائے۔

(الفضل قادیان مؤرخہ ۷/اکتوبر ۱۹۵۴ء ص۲ کالم نمبر ۲ج ۴۳/۸ نمبر ۱۶۹) ملاحظہ فرمائیے۔ مرزا بشیرالدین محمود جو کہ اس وقت قادیانی جماعت کے امام ہیں۔ انہوں نے نظم کی صورت میں اپنا تازہ کلام پیش کیا ہے۔ ایک جگہ لکھتے ہیں:

نبوت سے منکر وراثت کا دعویٰ ذرا دیکھنا مولوی کی ڈھٹائی

گویا ان کے نزدیک ختم نبوت کا قائل ہونا، علماء کے لئے جرم وگناہ ہے۔ اس لئے تو کہہ رہے ہیں کہ یہ مولوی کی ڈھٹائی ہے۔ فرمائیے۔ کیا یہ کلام سن کر عامۃ المسلمین کو دکھ نہ ہوا ہوگا۔ ضروری بات ہے جب عوام الناس یہ شعر سنیں گے تو ان کے جذبات کو ٹھیس لگے گی اور یہی وجہ ہے کہ اب اکثر اخبارات اور رسائل علمائے کرام کو بدنام کرنے والے حضرات کے خلاف صاف طور پر لکھ رہے ہیں کہ ان کا روّیہ ٹھیک نہیں ہے۔ ذیل میں بطور نمونہ صرف چند حضرات کی آراء درج کی جاتی ہیں۔ جن سے معلوم ہو جائے گا کہ علماء کو برا بھلا کہنے والوں کا وطیرہ کس قدر غلط ہے اور کن عواقب ونتائج کا حامل ہے۔

مدیر ہفت روزہ بصیرت لاہور

مؤرخہ ۲۴/ستمبر ۱۹۵۴ء کے شمارہ ص۴ پر ''مولوی اور پاکستان'' کے عنوان سے علمائے اسلام کی توصیف بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''وہ کون سی جماعت ہے جس کا نصب العین یہ نہیں کہ وہ سیاسی اقتدار کی کرسیوں پر متمکن ہو جائے۔ اس کے برعکس کتنے مولوی ایسے ہیں کہ جو یہ چاہتے ہیں کہ وہ کرسیوں پر خود براجمان ہو جائیں اور جو ان پر جلوہ

فرما ہیں، ان کو ان سے علیحدہ کر دیں۔ مولوی کی تمنا صرف یہ ہے کہ صاحب اقتدار حضرات اسلام کے خادم بن جائیں۔ وہ اقتدار کا بھوکا نہیں۔ وزارتوں کا پیاسا نہیں۔ ایسے خیرخواہ کو مطعون کرنا اپنے بہترین دوست کو خواہ مخواہ بدنام کرنے کے مترادف ہے۔''

مولانا مرتضیٰ احمد خان میکش

روزنامہ نوائے پاکستان لاہور میں ''علمائے اسلام کی تحقیر'' کے عنوان سے یوں رقم طراز ہیں۔(منقولاً عن رضوان)

''ہم نے دیکھا کہ لاہوری اور قادیانی احمدیوں کے اخبارات نے لفظ ''ملاّ'' کی آڑ لے کر علمائے دین کی تحقیر اور مبلغین اسلام کے استہزاء کا معرکہ شروع کر دیا ہے اور ہم نے محسوس کیا کہ ان اخبارات کا یہ مشغلہ ملک کی فرقہ وارانہ فضاء کو مختل کرنے اور مذہبی منافرت کے جذبے کو ترقی دینے کا سبب بن جائے گا۔ اس لئے ہم نے اپنے ان معاصرین کو توجہ دلائی کہ وہ اس خطرناک کھیل سے محترز ہی رہیں تو اچھا ہے۔ کیونکہ یہی وہ روّش ہے جو ۱۹۵۳ء کے فسادات برپا کرنے پر منتج ہوئی۔ افسوس کہ ہماری اس گزارش کو جو عامۃ الناس کے سکون خاطر کو اختلال سے بچانے کی نیت سے کی گئی تھی۔ سمع قبول سے نہ سنا گیا اور احمدی جماعت کے اخبارات کا مزاج اتنا برہم ہوا کہ انہوں نے کئی دن سے متواتر علمائے اسلام کو ''ملاّ'' قرار دے کر دشنام طرازی اور اشتعال انگیزی کا معرکہ اپنے پورے جوبن پر جاری کر رکھا ہے اور وہ اس بات پر مصر ہیں کہ ہم ہر اس شخص کو دین اسلام کا نام لیوا ہے ''ملاّ'' کہہ کر اس کا استہزا کریں گے۔ اس کو لوگوں کی نگاہوں میں حقیر بنانے اور حکومت کی نظروں میں باغی قرار دلانے کے لئے اپنا پروپیگنڈا جاری رکھیں گے اور تمام ان تحریرات واقوال کو جو بزرگان ملت نے وقتاً فوقتاً علمائے سو کے لئے استعمال کئے ہیں۔ علمائے حق پر چسپاں کر کے عوام الناس میں سارے طبقہ علماء کے خلاف بیزاری پھیلائیں گے۔

اگر کوئی ہم سے اس امر کا ثبوت چاہے کہ مرزائیت یا احمدیت کے تبلیغی طریق کار کا اصول ہی یہ ہے کہ دوسرے مذاہب کے بزرگوں کی توہین کی جائے تو ہم اس سلسلے میں ناقابل تردید ریکارڈ کا بہت بڑا طومار پیش کر سکتے ہیں اور عدالت تحقیقات فسادات کا فیصلہ بھی یہی ہے کہ مرزائی فرقہ کے لوگوں کی یہی ٹیکنیک مسلمانوں میں اشتعال انگیزی پیدا کرنے کا

موجب بنتی رہی ہے۔ لیکن ہم اس بحث میں پڑ کر عامۃ الناس کے قلبی سکون کو مختل کرنا نہیں چاہتے۔ البتہ یہ ضرور کہیں گے کہ ''ملّا ازم'' کے خلاف ان کی موجودہ معرکہ آرائی بھی ان کی اسی دیرینہ عادت کا ماحصل ہے اور ''ملّا دشمنی'' کے جذبے میں وہ اتنے اندھے ہوگئے ہیں کہ صریح کذب بیانی سے کام لینے سے بھی نہیں ہچکچاتے۔

مثال کے طور پر ''سول اینڈ ملٹری گزٹ'' کی اس خبر ہی کو لیجئے جو اس نے یوم استقلال پاکستان کی صبح کے پرچے میں شائع کی اور جس میں علماء کے طبقہ کو حکومت اور عوام کی نگاہوں سے گرانے بلکہ کشتنی اور گردن زدنی ٹھہرانے کے لئے یہ لکھا کہ یہ ملّا لوگ حکومت اور سٹیٹ کا فرق بھی نہیں جانتے۔ اس لئے ان کی تلقینات کے زیر اثر لوگوں میں یوم استقلال پر دوکانیں وغیرہ سجانے کا ولولہ سرد پڑ گیا ہے۔

یہ خبر صریحاً غلط اور ٹیکنیک کے مطابق پروپیگنڈا کرنے کی خواہش بیّن کا نتیجہ تھی۔ جس پر چل کر مرزائی اخبارات فتنہ آرائی کی آگ کو ہوا دینے کا فیصلہ کر چکے تھے۔ علمائے دین کے خلاف نفرت پھیلانے کا یہ شوق فراواں اس بات سے بھی ظاہر ہے کہ معاصر ''ملت'' نے جب میکش غریب کو گالیاں دینے کی ضرورت محسوس کی تو پہلے اسے علمائے کرام کی صف میں لاکر کھڑا کرلیا۔ پھر اسے ''چوک دالگراں کا ملاّ'' کے خطاب سے نوازا اور پھر دنیا جہان کی جو گالی تھی اسے دے ڈالی۔ حالانکہ اگر میکش کو گالیاں دینا ہی مطلوب تھا تو یہ کام اسے عالم دین یا ملاّ کے بغیر بھی سرانجام دیا جاسکتا تھا۔

بہرکیف جب ان اخبارات نے یہ لکھ دیا کہ علمائے اسلام کی عمومی تحقیر کی یہ معرکہ آرائی انہوں نے بعض ارباب حکومت کی شہ پر اختیار کر رکھی ہے تو ہم نے اس کیفیت پر اظہار افسوس کر کے خاموشی اختیار کرلی اور سمجھ لیا کہ ہمیں اور مسلمانوں کو یہ گالیاں بھی صبر وتحمل کے ساتھ سننی اور برداشت کرنی پڑیں گی۔ لیکن مرزائیوں کے اخبارات نے مسلمانوں کی دل آزاری کی اس مہم کو اور بھی تیز کر دیا۔ اس پر ہمارے مؤقر ومقتدر معاصرین کو ان کا نوٹس لینے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ چنانچہ ہفتہ وار ''چٹان'' لاہور، روزنامہ ''زمیندار'' لاہور، روزنامہ ''تسنیم'' لاہور، روزنامہ ''منشور'' لاہور اور روزنامہ ''کوہستان'' راولپنڈی نے اپنے ادارتی کالموں میں مرزائی اخبارات کی اس روّش کے خلاف احتجاج کی صدائیں بلند کیں اور روزنامہ ''امروز'' لاہور اور روزنامہ ''مغربی پاکستان'' لاہور نے اپنے مزاحیہ کالموں میں

’’ملت‘‘ کی حواس باختگی سے دلچسپی کا اظہار کیا۔ اس پر بھی اگر لاہوری اور قادیانی احمدی اخبارات کو اپنی غلط روی کا احساس نہیں ہوا تو ہم اس کے سوا اور کیا کہہ سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمارے ملک پر رحم کرے۔

اس موقع پر ہم روزنامہ ’’ملّت‘‘ کے اس اعلان کے متعلق بھی کچھ عرض کردینا ضروری سمجھتے ہیں کہ ’’ملّت‘‘ مرزائیوں کا اخبار نہیں۔ اگر یہ اعلان حقیقت حال پر مبنی ہے تو ہمیں اس پر دلی مسرت ہے۔ لیکن ہماری نظر سے ابھی تک اس مضمون کی کوئی مصدقہ اطلاع نہیں گزری کہ روزنامہ ’’سول اینڈ ملٹری گزٹ‘‘ اور روزنامہ ’’ملّت‘‘ لاہور کے مالک احمدیت سے تائب ہوگئے ہیں۔‘‘

خیر...... یہ تو ایک جملۂ معترضہ تھا۔ اصل بات عام علمائے اسلام کو ’’ملاّ‘‘ کے خطاب سے نوازکر ان کے خلاف ایسا پروپیگنڈا کرنے کے متعلق ہے جو انہیں پبلک اور حکومت کی نگاہ میں کشتنی اور گردن زدنی بنادے۔

اس کے متعلق ہم اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتے۔ صرف عدالت تحقیقات فسادات کے فاضل جج صاحبان کا وہ قطعی فیصلہ درج کئے دیتے ہیں جو انہوں نے لفظ ’’ملاّ‘‘ کی آڑ لے کر علمائے دین کی تحقیر کرنے والوں کی سرزنش کے طور پر لکھا اور وہ یہ ہے: ’’ہم ’’ملاازم‘‘ اور مذہبی دیوانگی ایسی ارزاں اور عمومی اصطلاحات کو پسندیدگی کی نگاہ سے نہیں دیکھتے۔‘‘

(رپورٹ انگریزی ص۲۹۸)

اس کے علاوہ فاضل جج صاحبان نے اخبار ’’الفضل‘‘ لاہور کے ایک اداریہ بعنوان ’’خونی ملاّ کے آخری دن‘‘ کے متعلق یہ رائے ظاہر کی: ’’یہ مضمون قطعی طور پر اشتعال انگیز ہے۔ اس مضمون میں (علماء)...... کے بارے میں جو استہزاء آمیز کلمات درج ہیں۔ ان میں سے نہ صرف ان علماء کی جن کے نام اس مضمون میں لئے گئے ہیں، بلکہ سارے علماء کی دل آزاری ہوئی ہوگی۔‘‘ (رپورٹ انگریزی ص۱۹۸)

عدالت کے اس فیصلے اور متعدد مقتدر اخبارات کی تحریرات کے بعد بھی اگر احمدیہ جماعتوں کے اخبارات، علمائے اسلام کی تحقیر اور ان کے استہزاء کا معرکہ جاری رکھنے پر مصر ہوں تو اس کے سواء اور کیا نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ یہ اخبارات عمداً فتنہ انگیزی کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔‘‘ (بشکریہ ’’نوائے پاکستان‘‘)

ماہنامہ تذکرہ کراچی

اکتوبر ۱۹۵۴ء کے شمارہ میں خواجہ محمد شفیع صاحب ''مولوی برے یا ہم'' کے عنوان سے یوں گویا ہوتے ہیں: ''ایک عرصہ سے یہ خیالات ترقی پر ہیں کہ مولوی برے ہیں، آوازیں ہر چہار طرف سے کانوں میں آ رہی ہیں کہ یہ فرقہ ملک وملت کے لئے وجہ زیاں ہے۔ یہ جماعت غدار ہے اور قوم کے لئے مستقل آزار۔ یہ باتیں بنانے والے، ان خیالات کے حامل، بہ بانگ دہل مولویوں کی تضحیک وتذلیل کرنے والے، ہم میں ڈاڑھی منڈے، کفر پہننے والے، اسلام کی نسبت دہریت سے زیادہ آشنا، دین کی نسبت لادینیت سے قریب تر، غزالی اور رازی کے مقابلہ میں کینٹ اور گوئٹے سے واقف، کعبہ کے برخلاف، ماسکو، لندن اور نیویارک کی تعظیم کرنے والے۔ ہماری نظریں اس ماسکو کی جانب اٹھتی ہیں۔ جس کے بنیادی اصول میں دین دشمنی داخل ہے۔ جہاں سے ہماری آنکھوں کے سامنے اپنا ایمان لے کر مسلمان سربہ صحرا نکلے۔ اپنی بغلوں میں دبائے ہوئے قرآن گئے۔

وہ ماسکو جس نے بخارا، تاشقند، سمرقند وغیرہ مسلم ریاستوں کو تلوار اور تدبر سے ختم کیا۔ ہم اس لندن کی جانب آس لگائے بیٹھے ہیں، جس لندن نے تقسیم کے وقت ہر ہر قدم پر ہماری گلوتراشی کی، جس لندن نے بغیر استحقاق پٹھان کوٹ ہندوؤں کو اس لئے دیا کہ وہ اس طرح سے کشمیر پر قبضہ کر کے اس کو ہمارا سرکوب بنائیں۔ ہم پر پانی بند کریں اور سرسبز کھیتوں کو صحرا بنادیں۔ انصاف اور امن کے ڈھول بجائیں اور خود ہر ہر قدم پر امن وانصاف کا خون کرتے رہیں۔ بایں ہمہ اس نیویارک کا دامن تھام رہے ہیں جو ہماری تمام وکمال کاسہ لیسیوں کے باوجود بھی بھارت کے گلے میں باہیں ڈالنے کو تیار ہے۔

کیا مولوی اس لئے برا ہے کہ ہم غیر خدا کا دامن تھام رہے ہیں اور وہ ہمارا دامن کھینچ کر خدا کی جانب لانا چاہتا ہے۔

مولوی برے جو کلام اللہ اور حدیث پڑھ کر خدا سے رشتہ استوار کریں۔ ہم اچھے جو کارل ماکس اور لینن کو پڑھ کر اللہ سے منحرف ہوئے بیٹھے ہیں۔ مولوی برے جو اسلامی تہذیب کے حامل ہیں۔ جس کے قیام کی خاطر لاکھوں مسلمان خانماں برباد ہوئے اور آج بھی، ہیں، جس کی بدولت ہندوستان کا مسلمان وطن میں ہوتے ہوئے غریب الوطن ہو چکا

ہے۔ ہم اچھے جو اللہ الحمد اپنے جنازے بھی عیسائیوں کی تقلید میں توپ سوار بارگاہ ایزدی میں پہنچانے لگے۔ جس حرکت کے طفیل عالم بالا اور ملاء اعلیٰ میں بھی ہماری اسلام دوستی کے چرچے ہوگئے۔ فرشتے انگشت بدنداں رہ گئے کہ یہ کون سا مسلمان اس شان سے آیا ہے۔‘‘

خواجہ صاحب دوسری جگہ پر لکھتے ہیں کہ: ’’ہم پاکستان دوست، ملت پرست، خادمان قوم، مولویوں کو گردن زدنی قرار دیتے ہیں اور پاکستان کے لئے سم قاتل، ملت فروش بتاتے ہیں اور غدار گناتے ہیں۔ درآں حال کہ حکومت ہاتھ میں ہے اور ارباب بست وکشاد ہم، تمام وکمال نظم ونسق ہماری دست وبرد میں، ہر شعبہ حکومت پر ہمارا قبضہ امور قانونی وانتظامی پر ہمارا تسلط، اس کے باوجود پاکستان کو تباہ کر رہا ہے، مولوی! قلم ہماری چل رہی ہے، حکم ہمارا نافذ ہے اور خرابیوں کا ذمہ دار، مولوی!

الٹے وہ شکوہ کرتے ہیں اور کس ادا کے ساتھ ناطاقتی کے طعنے ہیں، عذر جفا کے ساتھ

کبھی ہم نے اپنی لن ترانیوں کے غلغلہ میں یہ بھی سوچا کہ یہ اینٹی کرپشن، کا محکمہ ہمارے لئے بنانا پڑا یا مولویوں کے لئے، یہ پروڈا ہم کو غلط کاریوں سے روکنے کے لئے عالم وجود میں آیا یا مولویوں پر۔ اس کا نفاذ ہوا عجب منطق ہے، عجب حسن استدلال۔‘‘

خواجہ صاحب اسی عنوان کے ماتحت ایک اور جگہ ارشاد فرماتے ہیں: ’’شب وروز یہ کہا جارہا ہے کہ رشوت ستانی، اقرباء پروری، بددیانتی، ملک کو تباہ کر رہی ہے اور ملت کو برباد، نیز اس کا انسداد محکمہ اینٹی کرپشن کرتا ہے۔ جس کا بجٹ لاکھوں روپیہ ماہوار کا ہے۔ للہ! بتایئے یہ سب اخراجات مولویوں کی پاکستان دشمنی روکنے کے لئے یا ہم داڑھی منڈوں کی بدکرداریوں کی روک تھام کے واسطے...... یہ پروڈا مولویوں کے خلاف عمل میں آتا ہے یا ہمارے؟

شرم کا مقام ہے اور یہ غیرت کی جگہ ہے کہ برے تو ہم ہیں، زیاں کار ہم ہیں، غدّار ہم اور الزام دے رہے ہیں مولویوں کو، بھیڑیئے بھیڑوں کی گیاہ خواری پر چیں بہ جبیں ہیں۔ سانپ پسوؤں کے کاٹنے پر طعنہ زن، اپنی آنکھ کا شہتیر نظر نہیں آتا۔ دوسرے کی پلک کے تنکے پر طعن کر رہے ہیں۔ غور کیجئے۔ ایمان کا دامن ہاتھ سے نہ جانے دیجئے۔ انصاف سے کام لیجئے۔ اگر ہم برے نہ ہوتے تو اینٹی کرپشن کی ضرورت کیوں پڑتی۔ اگر ہم غدار نہ ہوتے تو پروڈا کیوں برسرکار آتا۔ اگر حقیقتاً مولوی ملک وملت کے لئے مضر ہوتے تو ملت اینٹی ملاّ بل پاس کرتی، اینٹی مساجد ایکٹ بناتی، محکمہ انسداد ملاّ گردی تخلیق پاتا۔

حقیقت حال یہ ہے کہ اپنی برائیوں پر پردہ ڈالنے کے لئے مولوی کو ہدف ملامت بناتے ہیں۔قوم کا ذہن اپنی جانب سے ان کی طرف مرکوز کراتے ہیں۔خود چور ہیں اور پیچھا کرنے والوں کو بھیس بدل کر غلط راہ پر لگاتے ہیں۔عزیزو! حقیقت کچھ عرصہ چھپائی جاسکتی ہے۔یہ آنکھ مچولی بھی کچھ عرصہ کھیلی جاسکے گی پھر ہم بے نقاب ہوں گے اور قوم کے روبرو سربازار منظر عام پر عریاں لائے جائیں گے۔انسب اور قرین مصلحت ہے کہ بجائے اس خود فریبی وگریہ روی ہم خود اپنے جسم کے داغوں پر غور کریں اور ان کے مداوا کی تدبیر۔''

خواجہ صاحب کی زبانی اور سنئے:''مولوی برے جو شراب کو حرام بتائیں، جوئے کو شیطانی عمل قرار دیں، عورتوں کی عریانی پر معترض ہوں، حرام کو حرام اور حلال کو حلال کہیں۔ اچھے ہم ہیں جو شراب کے ٹھیکے لیں، قمار خانوں کی سرپرستی کریں، رشوت کو اپنا حق قرار دیں۔مولوی برے ہیں جو لہو ولعب سے قوم کو منع کریں، موسیقی کو ممنوعات شرعی میں سے قرار دیں۔''الفقر فخری'' کی تلقین کریں۔اچھے ہم ہیں جو مخرب اخلاق، حیاء سوز تماشے دکھا کر قوم کو تباہ کریں۔اچھے ہم ہیں جو اپنے اسراف کے مظاہرے کرتے، غریبوں کی غربت کو تلخ تر بنائیں۔مولوی بد سے بدتر، جن کی عورتیں تو کم از کم مسلمانوں کی سی ہیں۔ہم اچھے جو سر سے پا تک کفر کی مورتی بنے پھرتے ہیں۔مولوی اسفل خلائق جو شعائر اسلام کے تحفظ کی برتری بتائیں۔ہم اشرف الخلائق جو دشمنوں کے لئے جاسوسی کرتے پکڑے جائیں۔مولوی جہنمی جو پانچ بار، بارگاہ ایزدی میں روزانہ خود بھی جھکیں اور ہم کو بھی رکوع وسجود کی تلقین کریں۔ہم بہشت کے حوالہ دار جو اذان اور نماز کے وقت موسیقی سنیں اور سنوائیں۔''

خواجہ صاحب ایک اور جگہ یوں لکھتے ہیں:''حق یہ ہے کہ مولوی تو برے نہیں ہیں۔ ہماری ذہنی کیفیات ہم کو مجبور کرتی ہیں کہ ان کو برا کہیں۔ہمارے کفر مشرب ذہن اسلام سے فرار چاہتے ہیں۔اسلام کو برا کہنے کی ہم میں ہمت نہیں۔اس حرکت سے ہم خائف ہیں۔پس مبلغین اسلام کو برا کہتے ہیں۔ہماری کیفیت اس بیمار بچے کی سی ہے جو دوا کی تلخی سے گھبرائے اور ڈاکٹر کو برا بتائے۔ہماری حالت اس لاڈلی بیٹی کی سی ہے جسے بدپرہیزیوں کی عادت پڑ گئی ہو۔اب پرہیز کرنے سے گریز پا ہے اور طبیب میں عیب نکال رہی ہے۔اسلام پرہیزگاری کا مذہب ہے اور ہم عصیاں پرستی کے عادی۔اسلام مسرف کو شیطان کا دوست بتائے اور اسراف ہماری گھٹی میں۔'' (نمبر۹۰، الصدیق ج۵ ش۱،۲ ص۶۵ تا ۶۷، محرم وصفر ۱۳۷۴ھ ستمبر واکتوبر ۱۹۵۴ء)

(۹۲) چوہدری ظفر اللہ خان کا نیا عہدہ

پاکستان کے وزیرخارجہ چوہدری ظفر اللہ خان بین الاقوامی عدالت کے جج منتخب ہوگئے۔ توقع ہے کہ وہ یکم / جنوری سے پہلے ہی پہلے پاکستان کی وزارت خارجہ کے عہدہ سے مستعفی ہوجائیں گے۔

چوہدری صاحب جب سے پاکستان کی وزارت خارجہ پر فائز ہوئے ہیں۔ عام مسلمان حکومت سے برابر کہہ رہے ہیں کہ انہیں ان کے عہدہ سے ہٹادیا جائے۔ اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ انہیں لوگ انگریزوں کا آدمی سمجھتے ہیں اور دوسری وجہ یہ ہے کہ ان کے عقائد وایمانیات کے رشتے جن سرچشموں سے فیضیاب ہوتے ہیں عامۃ المسلمین ان سے بنیادی مذہبی اختلافات رکھتے ہیں۔ انہی وجوہ واسباب کا نتیجہ فسادات پنجاب ہیں۔ جن میں مسلمانوں کو اپنی حکومت ہی کی ناراضگی مول لینا پڑی۔ ہزارہا انسان اس کے لئے جیلوں میں گئے اور عوام اور ارباب اقتدار کے درمیان ایک مستقل تلخی پیدا ہوگئی۔

خدا کا شکر ہے کہ اب یہ بحث خوش اسلوبی سے طے ہوگئی اور چوہدری صاحب کو بھی ان کے مزاج کے مطابق ایک کام مل گیا ہے۔ پاکستان کا فارن آفس اور اس کے تحت قائم شدہ سفارت خانے ایک طویل عرصہ سے ابتر حالت میں ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ چوہدری محمد ظفر اللہ خان ملک سے عموماً چھ سات مہینے باہر رہتے تھے۔ ہمارے بہت سے اہم سفارت خانے سفیروں سے خالی تھے۔ آج بھی مصر کے سفارت خانے میں کوئی سفیر نہیں۔ ایران کے لئے سفیر بھی چند دن ہوئے مقرر کیا گیا ہے۔ حالانکہ یہ سفارت خانہ کافی عرصہ سے سفیر کا انتظار کر رہا تھا۔

پھر ایک امیر ملک کی طرح ہم نے بعض ایسے ممالک میں بھی سفارت خانے کھول رکھے ہیں جہاں ایک ٹریڈ کمشنر سے کام چل سکتا ہے۔ حالانکہ ہماری قومی معیشت جگہ جگہ سفارت خانوں کے اخراجات کی متحمل نہیں ہوسکتی۔ اس وقت امریکہ اور روس کے سوا کوئی ملک بھی ہر ملک میں سفارت خانوں کے قیام کے اخراجات برداشت نہیں کرسکتا۔ لیکن پاکستان کی وزارت خارجہ نے بلاضرورت بے شمار سفارت خانے قائم کر دیئے ہیں۔ جب کہ بہت سے ضروری ملک مدتوں ہمارے اعلیٰ درجہ کے سفیروں سے خالی رہے۔

یہ ساری باتیں پتہ دیتی ہیں کہ ہماری وزارت خارجہ نے کبھی سفارتی نظام کی منصوبہ بندی کی طرف توجہ نہیں دی۔

ہمیں توقع ہے کہ حکومت سر محمد ظفر اللہ خان کی جگہ کوئی موزوں اور مضبوط سیاست دان مقرر کرے گی جو ایک طرف ملک کو عالمی سیاسیات میں باوقار پوزیشن کا مالک بنا سکے اور دوسری طرف مختلف ملکوں میں اپنی سفارتی مشنوں کی مناسب نگرانی اور تنظیم کر سکے۔(منقول عن دعوت) (روزنامہ کوہستان راولپنڈی کا افتتاحیہ مؤرخہ ۱۰؍اکتوبر ۱۹۵۴ء)

(نمبر۹۱، الصدیق ج۵ ش۱،۲ص۷۷ محرم وصفر ۱۳۷۴ھ ستمبر و اکتوبر ۱۹۵۴ء)

(۹۳) مصری وزیر اعظم کے مشیر خصوصی کی سخت نکتہ چینی

قاہرہ۔ ۱۸؍اکتوبر مصری وزیر اعظم کے مشیر خصوصی میجر امین شاکر نے آج یہاں اپنے ایک بیان میں پاکستان کے وزیر خارجہ اور ہیگ کی عالمی عدالت کے نئے منتخب شدہ جج چوہدری ظفر اللہ خان کے اقوام متحدہ میں اسرائیلی مندوب مسٹر ایبا بان سے بغل ہونے پر سخت نکتہ چینی کی ہے۔ انہوں نے کہا ہے کہ اس موقعہ پر چوہدری ظفر اللہ خان پاکستان کے کروڑوں مسلمانوں کی بجائے اپنی ذات کی نمائندگی کر رہے تھے۔ انہوں نے کہا ہے کہ اسرائیل دس لاکھ عربوں اور مسلمانوں کے لئے مصائب اور آلام کا باعث بنا ہوا ہے۔ انہوں نے کہا ہے کہ ہم مصری بھی حیران ہیں کہ آیا کوئی جج اس طرح کے روّیہ کا مظاہرہ کر سکتا ہے۔ اس حرکت سے مسلمان قوم کے وزیر خارجہ کی دیانت مشتبہ ہوگئی ہے اور ہر جگہ مسلمان انگشت بدنداں ہیں کہ ایسا کرتے وقت چوہدری ظفر اللہ خان کس کی ہدایت پر عمل پیرا تھے۔ (اسٹار)

(امروز مؤرخہ ۲۰؍اکتوبر ۱۹۵۴ء ص۱)

(۹۴) عالمی جج منتخب ہونے پر شیخ حسام الدین کا بیان

لاہور۔ چوہدری ظفر اللہ خان کے عالمی عدالت کے جج منتخب ہونے پر شیخ حسام الدین نے ایک بیان دیتے ہوئے کہا ہے کہ حج سے واپسی پر مجھے دو مسرت افزاء خبریں ملیں، جن کا براہ راست ملک کی سالمیت اور مملکت کے مستقبل سے تعلق ہے۔ ان میں پہلی کا تعلق اس توقع سے ہے کہ ہمارے ملک کو چوہدری ظفر اللہ خان سے بحیثیت وزیر خارجہ کو نجات مل جائے

گی اور دوسری یہ ہے کہ مسودہ آخری منظوری کے لئے اس ماہ کے اواخر میں پیش کیا جائے گا۔ یہ دونوں خبریں بڑی اہم اور دوررس نتائج کی حامل ہیں۔ (امروز مؤرخہ ۱۳؍اکتوبر ۱۹۵۴ء ص۵)

(نمبر۹۲،۹۳، الصدیق ج۵ ش۱،۲ ص۸، محرم وصفر ۱۳۷۴ھ ستمبر و اکتوبر ۱۹۵۴ء)

(۹۵) سلام

شہر یاروں کے شہریار سلام
تاجداروں کے تاجدار سلام
قاب قوسین کے حصار سلام
سرّ اسریٰ کے رازدار سلام
عقل و ادراک کے وقار سلام
عشق لولاک کے عیار سلام
فصل گل تجھ پہ ہو نثار سلام
رحمت حق کی اے بہار سلام
کرتے ہیں تجھ کو خاکسار سلام
خاکساروں کے غمگسار سلام
رحمتوں کا امیدوار ہے وہ
جو کہے آ سر مزار سلام
ذات اقدس پہ سو کروڑ درود
آل اطہر پہ سو ہزار سلام
ختم تم پر ہوئی نبوت ہے
سارے نبیوں کے افتخار سلام
تیرا معراج فخر امت ہے
آسمانوں کے شہسوار سلام
مجھ کو امید ہے شفاعت کی
لب پہ آتا ہے بار بار سلام
میں نسیم اس پہ کیوں پڑھوں نہ درود
بھیجے خود جس پر کردگار سلام

(نمبر۹۴، الصدیق ج۵ ش۳ ص۲، ربیع الاوّل ۱۳۷۴ھ نومبر ۱۹۵۴ء)

(۹۶) نہاں کے ماند آں رازے

روزنامہ ''نوائے پاکستان'' لاہور کا ایک شذرہ ملاحظہ فرمائیے:

چوہدری ظفراللہ خان اور بیرونی دنیا

برطانیہ کے ایک مقتدر اخبار ''مانچسٹر گارڈین'' کو اس بات پر افسوس ہوا ہے چوہدری ظفراللہ خان وزیر خارجہ پاکستان اپنے اس عہدہ جلیلہ کو خیرباد کہنے والے ہیں اور اس افسوس کی وجہ یہ ہے کہ اخبار مذکور کے خیال میں چوہدری صاحب موصوف وزیر خارجہ کی حیثیت میں گزشتہ سات برس سے ایک زبردست ستون تھے اور کراچی میں ان کی موجودگی بیرونی دنیا(؟) کے لئے باعث اطمینان تھی کہ وہ جنوب مشرقی ایشیا میں استقامت(؟) کے داعی ہیں۔

بلاشبہ برطانیہ، امریکہ اور بیرونی دنیا کے سیاسی حلقوں کو چوہدری صاحب کا وزیرخارجہ پاکستان نہ رہنا ناگوار گزرا ہوگا۔ کیونکہ چوہدری صاحب کی ذات پر بیرونی دنیا کو اپنے مفاد کے پیش نظر پورا پورا بھروسہ تھا لیکن بیرونی دنیا کو معلوم ہونا چاہئے کہ خود پاکستان کی رائے عامہ چوہدری صاحب کی خدمات جلیلہ وجمیلہ سے نجات حاصل کرنے کو کس نگاہ سے دیکھتی ہے۔ اس اطلاع پر کہ چوہدری صاحب ہیگ کی بین الاقوامی عدالت کے جج بن کر جارہے ہیں۔ کراچی کے ایک تازہ وارد انگریزی اخبار ''پاکستان سٹینڈرڈ'' کے سواء ملک بھر کے اخبارات کی اکثریت نے پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا ہے اور ایسا کرنے کی وجہ ظاہر ہے۔

(نوائے پاکستان مؤرخہ ۱۷؍اکتوبر ۱۹۵۴ء)

مانچسٹر گارڈین کا افسوس اپنی جگہ پر بجا ہے۔ کیونکہ جو شخص ان کے لئے باعث اطمینان تھا وہ جارہا ہے۔ ان کو اطمینان کیوں تھا۔ اس کی تشریح کی ضرورت نہیں اور نہ یہ راب اب راز ہے۔ مرشد کی تصریحات سے لے کر مرید پر مانچسٹر گارڈین کے اظہار اعتماد تک کا سلسلہ اب اہل نظر کے سامنے ہے اور ہم سارا فیصلہ انہیں پر چھوڑتے ہیں۔ اب تک ہم لوگ سچ ہی کہتے تھے تو بھی ملّا ازم کے پردے میں اس سے روگردانی کی جاتی تھی۔ اب جب کہ ساری بات الم نشرح ہوچکی ہے۔ کیا اہل نظر کا فتویٰ اب بھی مصلحت کوشانہ خاموشی کا حامل ہوسکتا ہے۔ (الصدیق ج۵ ش۳ ص۵، ربیع الاوّل ۱۳۷۴ھ نومبر ۱۹۵۴ء)

(۹۷) الفضل کی فتنہ انگیزیاں

ہم بلاتبصرہ روزنامہ نوائے پاکستان کا ایک شذرہ جو مذکورہ عنوان سے شائع ہوا ہے۔ اپنے شذرات میں شائع کررہے ہیں اور ارباب اختیار کی خدمت میں گزارش گزار ہیں کہ یہ ہر مسلمان کے دل کی آواز ہے اور اس پر فوری کارروائی کی ضرورت ہے۔ وطن عزیز کی سچی خیرخواہی کا تقاضا یہ ہے کہ اس کے باشندے ہر ایسی حرکت وجنبش سے محترز رہنے کی کوشش کریں جو مذہبی مناقشات، صوبائی تعصب اور قبیلوی عصبیت کو ترقی دینے والی ہو۔ سب جانتے ہیں کہ مذہبی مناقشات ۱۹۵۳ء کے آغاز میں پنجاب اور بالخصوص لاہور میں کس قدر گھناؤنی کیفیات پیدا کردی تھیں۔ جن کے اسباب وعلل کی تحقیقات کے لئے عدالت عالیہ کے دوججوں نے کامل دس ماہ محنت شاقہ سے کام لیا اور ان وجوہ واسباب پر انگلی رکھ دی جو

ملک میں فسادات پیدا کرنے کا موجب بنے۔

فاضل جج صاحبان نے اپنی رپورٹ میں لکھا کہ ان فسادات کی براہ راست ذمہ داری اگرچہ احمدی فرقہ کے لوگوں پر عائد نہیں ہوتی۔ لیکن ان کی اپنی روش نے ان کے خلاف ایک عام شورش کو ابھرنے کا موقعہ بہم پہنچایا۔''

''قادیانیوں کے طرز عمل کی اشتعال انگیزیوں کے سلسلے میں عدالت تحقیقات فسادات نے یہ بھی لکھا کہ قادیانی مسلمانوں کی مقدس مصطلحات کو جن کا محل استعمال مخصوص ہو چکا ہے۔ اپنے اکابر کے لئے استعمال کر کے مسلمانوں کی دل آزاری اور اشتعال انگیزی کا موجب بنتے رہے ہیں۔'' (رپورٹ انگریزی ص۱۹۱)

چاہئے تو یہ تھا کہ قادیانی حضرات عدالت تحقیقات کے فیصلوں سے سبق حاصل کرتے۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ انہوں نے اس سے کوئی سبق حاصل نہیں کیا بلکہ وہ اپنی تحریرات میں اسلام کی مقدس اصطلاحوں کو برابر ایسے محلات پر استعمال کر رہے ہیں۔ جن سے مسلمانوں کی صریح دل آزاری ہوتی ہے۔ مثلاً قادیانی اخبار الفضل مؤرخہ ۳۰ر اکتوبر (۱۹۵۴ء) کے صفحہ اوّل پر ایک قادیانی بزرگ حکیم محمد حسین مرہم عیسیٰ کی وفات کی جو خبر چھپی ہے۔ اس کے عنوان میں متوفی کے لئے ''رضی اللہ عنہ'' کی اصطلاح استعمال کی گئی ہے جسے مسلمان بنا برنص قرآنی حضرت رسول اکرم ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لئے استعمال کرتے ہیں۔

صرف یہی نہیں بلکہ الفضل میں مرزا بشیرالدین محمود کی جو تحریریں وقتاً فوقتاً چھپتی رہتی ہیں۔ ان میں صاحب موصوف اپنی والدہ صاحبہ کو ہمیشہ ''ام المؤمنین'' کی اصطلاح سے یاد فرماتے ہیں۔ حالانکہ مسلمانوں کے نزدیک یہ اصطلاح بنا برنص قرآنی حضرت نبی کریم ﷺ کی ازواج مطہرات (رضی اللہ عنہن) کے لئے مختص ہو چکی ہے۔

ہم اپنے ارباب حکومت کو توجہ دلانے کے خواہاں ہیں کہ ایسے معاملات کی طرف سے حکومت کی غفلتیں اور چشم پوشیاں ہی کیفیات کو اس ناگوار حد تک بڑھانے میں مد ہوئی تھیں۔ اب بھی اگر حکومت نے مذہبی دل آزاریوں اور اشتعال انگیزیوں کا سد باب کرنے میں غفلت سے کام لیا تو حالات کے خراب ہو جانے کا زبردست احتمال موجود ہے۔

(نوائے پاکستان مؤرخہ یکم رنومبر ۱۹۵۴ء)

(الصدیق ش۳ ج۵ ص۸،۹، ربیع الاوّل ۱۳۷۴ھ نومبر ۱۹۵۴ء)

(۹۸-الف) خدائی نظام

روزنامہ نوائے وقت ۲۳؍نومبر کی اشاعت میں ’’ہر چہ برخود……‘‘ کے عنوان سے ایک شذرہ تحریر فرمایا ہے۔ وہ ملاحظہ ہو:

ہر چہ برخود……

اخبار ’’الفضل‘‘ میں اعلان سزا کے نام سے یہ طویل تحریر شائع ہوئی ہے۔ حکیم نذیر احمد صاحب برق حال ظفر جو قادیان میں رہتے تھے اور وہاں نظارت امور عامہ کے علم میں ان کے خلاف بعض شکایات تھیں اور ان کو اصلاح کا موقع دیا گیا تھا لیکن محکمہ سے عدم تعاون کی بناء پر انہیں اخراج از قادیان کی سزا دی گئی تھی۔ اس کے بعد انہوں نے توبہ کی اور انہیں پھر قادیان آنے کی اجازت دی گئی۔ لیکن باوجود توبہ کرنے کے وہ پھر اپنے طریق سے باز نہ آئے اور اندر ہی اندر اپنے گرد ایک جماعت جمع کرنی شروع کی۔ جن کو اپنے الہاموں کے ذریعے سے قسما قسم کی امیدیں دلا کر اپنے گرد اکھٹا کیا۔

نذیر احمد صاحب کی حرکات کو دیکھ کر میاں غلام رسول صاحب ٹھیکہ دار بھٹہ نے اپنے بعض رشتہ داروں کو ان سے ملنے سے منع کیا۔ جس پر نذیر احمد صاحب نے کہا کہ چونکہ وہ غلام رسول صاحب سے خفا ہیں۔ اس لئے خداتعالیٰ بھی ان سے خفا ہے اور جب تک وہ تین صد روپیہ نہ دیں۔ اس وقت تک وہ ابتلاء سے بچ نہیں سکتے۔ چنانچہ میاں صاحب کو مشورہ دیا گیا کہ ہرگز اس کو روپیہ نہ دیں یہ ڈھگ ہے۔ یہ طریق صلحاء کا نہیں ہوتا۔ بلکہ لالچی آدمیوں کا ہوتا ہے اور کچھ دنوں کے بعد حکیم صاحب کو قادیان سے رخصت کر دیا گیا۔

چونکہ بہت سے ریکارڈ ہجرت کی وجہ سے تلف ہوگئے ہیں۔ اس لئے اس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس شخص نے سندھ میں جاکر اپنے الہاموں کے ذریعہ سے بعض لوگوں کو اپنے گرد اکٹھا کرنا شروع کیا۔ چنانچہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی (محمود قادیانی) نے اسے سندھ میں اپنی جائیداد پر دیکھا۔ منیجر صاحب سے وجہ دریافت فرمائی تو انہوں نے بتایا کہ یہ برق نہیں بلکہ ظفر ہے تو حضور نے فرمایا کہ پہلے بھی ان صاحب نے کئی نام بدلے ہیں۔ بالآخر انہوں نے سندھ کے بعض کارکنوں کو ورغلانے کی کوشش کی۔ ان کے متعلق معاملہ زیر تحقیق ہے۔

’’یہ حقیقت ہے کہ جب تک کسی سلسلہ میں خدائی نظام قائم ہوتا ہے۔اس قسم کے ملہم نہیں آسکتے۔ جو اپنے گرد لوگوں کو جمع کریں۔ اگر ایسے لوگ آئیں تو خدائی نظام کے معنی کوئی نہیں رہتے اور اگر ایسے وقت میں کوئی آدمی آئے تو وہ اس نظام کو چیلنج کرے گا کہ اب خدائی نظام نہیں رہا۔لیکن یہ شخص دو کشتیوں میں پیر رکھتا ہے۔ادھر نظام کو خدائی قرار دیتا ہے۔ادھر اپنے الہاموں کے دعوؤں پر ایک جتھا بناتا ہے۔ایسا شخص سچا نہیں ہوسکتا۔وہ غلطی خوردہ ہے یا وہ جھوٹ بولتا ہے۔ چنانچہ انہی حالات کی بناء پر ۲۰٫جولائی ۱۹۴۸ء کے الفضل میں نظارت ہذا نے اس شخص کے مقاطعہ کا اعلان کیا اور ساتھ ہی وضاحت کی کہ اگر پھر بھی انہوں نے اپنی اصلاح نہ کی تو اخراج از جماعت کی سزادی جائے گی۔ باوجود انہیں اپنی اصلاح کے لئے موقعہ دینے کے اب پھر یہ بات ثابت ہوچکی ہے کہ ابھی تک انہوں نے اپنی اصلاح نہیں کی۔اس لئے اعلان کیا جاتا ہے کہ حکیم نذیر احمد برق حال ظفر ساکن چک نمبر ۲۹۵ چنڈانوالہ براستہ گٹی ضلع لائل پور کے علاوہ سابقہ مقاطعہ کی سزا کے خارج از جماعت بھی کیا جاتا ہے۔

۲...... چوہدری علی محمد صاحب واقف زندگی نے باوجود صریح حکم اور امور عامہ کے مقاطعہ کے اعلان کے حکیم نذیر احمد صاحب برق سے تعلق رکھا ہے۔اس لئے انہیں مقاطعہ کی سزادی جاتی ہے۔ جب تک کہ وہ حقیقی توبہ نہ کریں۔

احباب جماعت احمدیہ اس اعلان سے مطلع رہیں اور اس کی پوری پوری تعمیل کریں۔

(ناظر امور عامہ سلسلہ عالیہ احمدیہ ربوہ)

ہم کسی مذہبی بحث میں نہیں الجھنا چاہتے۔مگر ان ’’ناظر امور عامہ سے یہ عرض نامناسب نہ ہوگی کہ وہ خط کشیدہ الفاظ ملاحظہ فرمائے اور سوچے کہ اگر دوسرے لوگ بھی آپ کو آپ ہی کے مقرر کردہ معیار پر جانچیں تو کیا آپ کی زندگی تلخ نہ ہوجائے گی؟ آپ جو سلوک اپنے لئے نامناسب سمجھتے ہیں وہ سلوک دوسروں سے کیوں کرتے ہیں؟‘‘

(نوائے وقت مؤرخہ ۲۳٫نومبر ۱۹۵۴ء)

’’نوائے وقت‘‘ کے فاضل مدیر نے ’’الفضل‘‘ کی عبارت سے جو نتیجہ نکالا ہے وہ اپنی جگہ پر سولہ آنے درست ہے۔ہمیں اس پر بھی اعتراض نہیں کہ ’’الفضل‘‘ والے خود کیسے ہیں ہم تو صرف ان سے اتنا پوچھتے ہیں کہ اسلام میں خدائی نظام ہے یا نہ اگر ہے تو مرزا غلام

احمد جیسے ’’ملہم‘‘ کیوں آئے؟ اگر نہیں تو آپ اسلام سے چمٹے ہوئے کیوں ہیں؟ اس کا پنڈ کیوں نہیں چھوڑتے؟ (الصدیق ج۵ ش۴ ص۵ تا۷، ربیع الثانی ۱۳۷۴ھ دسمبر ۱۹۵۴ء)

(۹۸-ب) یادش بخیر چوہدری ظفر اللہ

(منقول از نوائے پاکستان ۲۶ / نومبر ۱۹۵۴ء)

کراچی سے انگریزی زبان کا ایک نیا اخبار ’’پاکستان سٹینڈرڈ‘‘ کے نام سے شائع ہورہا ہے۔ جس کا پہلا ضخیم پرچہ کئی بار چھپا اور براہ راست ردّی فروشوں کے بازار میں پہنچتا رہا۔ اس اخبار کی ایک نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ اس میں یادش بخیر چوہدری ظفر اللہ خان سابق وزیرخارجہ پاکستان کی شان میں قصیدے اب بھی چھپتے رہتے ہیں۔ سارے پاکستان میں احمدیوں کے اخبارات کو چھوڑ کر یہی ایک روزنامہ تھا جس نے چوہدری ظفر اللہ خاں کے جج بنائے جانے پر ان کی ان خدمات ’’جلیلہ‘‘ جمیلہ کو سراہنے کے لئے اداریہ لکھنے کی ضرورت محسوس کی۔ جن کو پاکستان کی رائے عامہ نے ہمیشہ ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا۔ اب اس اخبار نے کسی غیر معروف انگریز صحافی کا ایک مضمون اپنے کالموں میں نقل کیا ہے۔ جس میں چوہدری صاحب کو ’’پاکستان کے ناموروجودوں میں ایک درخشندہ وجود‘‘ ظاہر کیا ہے۔ ہم یہ سمجھنے سے قاصر ہیں کہ ’’پاکستان سٹینڈرڈ‘‘ نے کس مصلحت یا ضرورت کی وجہ سے چوہدری ظفر اللہ خاں کے نام کو اچھالنے کا فرض اپنے صحافتی فرائض میں شامل کر رکھا ہے۔ شاید کراچی کے ارباب صحافت اس سے باخبر ہوں۔ (الصدیق ج۵ ش۴ ص۵۰، ربیع الثانی ۱۹۷۴ء، دسمبر ۱۹۵۴ء)

(۹۹) بلاتبصرہ

اخوان المسلمین کے ساتھ مصر میں جو سلوک ہورہا ہے۔ وہ کسی سے پوشیدہ نہیں ہر دردمند دل ان خونیں واقعات سے مجروح اور زخمی ہے۔ مگر کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو ان واقعات سے خوش ہیں۔ انہیں لوگوں کی نشان دہی کی خاطر ہم ماہنامہ فاران کراچی کے نقش اول سے یہ چند سطور بلاتبصرہ نقل کرتے ہیں۔

’’مصر کے ان خونیں واقعات پر انگلستان کے روزناموں اور قادیانی اخباروں نے بڑی خوشی کا اظہار کیا ہے۔ جیسے ان کی دلی مراد برآئی اور جو کچھ ہوا وہ ان کی تمناؤں اور

امیدوں کے عین مطابق تھا۔ قادیانیوں سے مسلمان اپنے زخموں پر نمک پاشی ہی کی امید رکھتے ہیں۔ ترکی کی شکست پر سارا عالم اسلام رنج وغم میں ڈوبا ہوا تھا۔ مگر قادیانیوں نے خوشی کے چراغ جلائے۔ مسلمانوں کے سینہ کا ہر زخم ان مرزائیوں کے باغ امید کا گل صد برگ ہوتا ہے۔ اس گروہ کو سب سے زیادہ چڑ بلکہ دشمنی اسلامی نظام سے ہے کیونکہ یہ لوگ نظام اسلامی اور قادیانیت کو ایک دوسرے کا حریف سمجھتے ہیں اور چند مہینوں سے نہ جانے کس کی شہ پا کر ان لوگوں کی جرأت اتنی بڑھ گئی ہے کہ عام انسانی اخلاق کے حدود کا بھی ان کے اخبار اور اکابر پاس نہیں کرتے۔

(فاران کراچی جنوری ۱۹۵۵ء، الصدیق ج۵ ش۶ ص۶، جمادی الثانی ۱۳۷۴ھ بمطابق فروری ۱۹۵۵ء)

(۱۰۰) خود چہ مے گوید وطنبورۂ او چہ مے سراید

اس وقت تاویل وتعبیر اور تدلیس وتزویر کے امام انگریز ہیں۔ ان کی ساری سیاست اور ڈپلومیسی کا دارومدار الفاظ کے ہیر پھیر اور تعبیر وتاویل کے چکر پر موقوف ہے۔ آج اگر وہ کسی قوم کے ساتھ کوئی وعدہ کرتے ہیں اور عہد نامہ لکھ کر دے دیتے ہیں تو اس عہد نامہ کے الفاظ کل ایسی موم کی ناک ثابت ہوتے ہیں کہ ان میں سے وہ وہ معانی ومطالب ببانگ دہل انگریز کا حامی اور فریق ثانی کا مخالف نظر آئے گا۔ انگریز کی تاویل وتدلیس سے تو ہر شخص واقف ہے۔ اب نوائے پاکستان کے حسب ذیل افتتاحیہ وشذرہ سے ذرا الفضل کی تاویل ملاحظہ فرماویں۔ نوائے پاکستان نے پچھلے دنوں اپنے ایک افتتاحیہ میں لکھا تھا۔

’’(روزنامہ الفضل ربوہ مؤرخہ ۱۹؍فروری ۱۹۵۵ء ج۹؍۴۴ نمبر۴۳ ص۳،۴) میں امام جماعت احمدیہ مرزا بشیرالدین محمود کی ایک تقریر شائع ہوئی۔ جس میں مرزا قادیانی نے اپنے پیروؤں کو تاکید کی ہے کہ وہ ’’ان ایام میں‘‘ قانون کی پابندی اور احترام کا خاص خیال رکھیں اور ’’یہ ایام‘‘ بڑی ہوشیاری اور بیداری کے ساتھ گزاریں۔ اس انتباہ کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ حکومت کی سی. آئی. ڈی آج کل اس ٹوہ میں ہے کہ یہ معلوم کرے کہ مرزائی جماعت اپنے افراد کو اسلحہ کے استعمال کی ٹریننگ دے رہی ہے یا نہیں۔ مرزا بشیرالدین محمود نے اپنے پیروؤں کو زیادہ محتاط رہنے کی تلقین کرتے ہوئے مسلمانوں کو جابجا ’’دشمن‘‘ کی اصطلاح سے یاد کیا ہے۔ چند فقرے ملاحظہ ہوں: ’’سنا گیا ہے کہ احمدی لوگ ’’دشمن‘‘ کے مقابلے کے لئے

تیاری کرر ہے ہیں۔‘‘ (الفضل مؤرخہ ۱۹ر فروری ۱۹۵۵ء ص۳ کالم نمبر۲)

’’بہرحال چونکہ ’’دشمن‘‘ جماعت کے متعلق جھوٹی رپورٹیں کرنے سے بھی پرہیز نہیں کرتا۔ اس لئے میں جماعت کے دوستوں کو توجہ دلاتا ہوں کہ وہ پہلے سے زیادہ احتیاط سے کام لیں۔‘‘ (الفضل مؤرخہ ۱۹ر فروری ۱۹۵۵ء ص۴ کالم نمبر۱)

’’جہاں کسی قوم کی اکثریت ہو وہاں دلیل کی قوت جاتی رہتی ہے اور اس کی بجائے کثرت کو قوت حاصل ہو جاتی ہے اور تم جانتے ہو کہ ’’تمہارا دشمن‘‘ زیادہ تعداد میں ہے۔‘‘ (الفضل مؤرخہ ۱۹ر فروری ۱۹۵۵ء ص۴ کالم نمبر۲)

’’اے خدا تو علام الغیوب ہے تو نے ہمیں بتیس دانتوں میں زبان کی طرح بنا رکھا ہے۔‘‘ (الفضل مؤرخہ ۱۹ر فروری ۱۹۵۵ء ص۴ کالم نمبر۴)

مرزا قادیانی کی تقریر کے یہ الفاظ صریح منافرت انگیزی کے تحت میں آتے ہیں۔ لیکن ہماری حکومت جو مبلغین اسلام پر بلا وجہ طرح طرح کی پابندیاں عائد کرنا اپنا شعار بنائے ہوئے ہے۔ مرزا بشیرالدین محمود کی اشتعال انگیزیوں کی طرف ہرگز متوجہ نہ ہوگی اور شرارت کے اس سرچشمہ کو بند کرنے کا بھی حوصلہ نہیں کرے گی۔‘‘

(نوائے پاکستان لاہور مؤرخہ ۲۲ر فروری ۱۹۵۵ء)

نوائے پاکستان کے جواب میں خلیفہ صاحب کے خصوصی اخبار الفضل نے جو ارشاد فرمایا وہ تاویل کا ایک شاہکار ہے۔ نوائے پاکستان نے خود اس پر ایک شذرہ سپرد قلم کیا ہے ہم اپنی طرف سے کچھ کہے بغیر وہ شذرہ بعینہٖ نقل کئے دیتے ہیں: ’’مرزائیوں کے خلیفہ مرزا بشیرالدین محمود نے اپنے ایک خطبہ میں اپنے پیروؤں کو زیادہ محتاط رہنے کی تلقین کی اور مسلمانوں کو جابجا ’’دشمن‘‘ ظاہر کیا۔ ہم نے اس پر تنقید کی اب بجائے اس کے کہ مرزا صاحب خود ہمارے اعتراضات کا جواب دیتے اپنا وکیل کھڑا کر دیا ہے۔‘‘

یعنی مرزائیوں کے اخبار ’’الفضل‘‘ نے حق وکالت ادا کرتے ہوئے لکھا ہے: ’’ہم نے ہرگز مسلمانوں کو دشمن نہیں کہا۔ ہم نے شرارت کرنے والوں اور جھوٹ بولنے والوں کو دشمن کہا ہے اور وہی زیادہ ہیں...... باقی مسلمان گو ان سے بہت زیادہ ہیں۔ مگر وہ منظّم نہ ہونے کی وجہ سے ایسی جھوٹی رپورٹ کرنے والوں کو مقابلہ نہیں کر سکتے۔ اس لئے ہمیں ہوشیار ہونے کی ضرورت ہے۔‘‘

خلیفۂ ربوہ نے یہ جو کچھ کہا تھا محض ایک مفروضہ کی بناء پر کہا تھا۔ یعنی فرض کر لیا تھا کہ کسی شخص نے یا بعض اشخاص نے مرزائیوں کی فوجی تیاریوں کے خلاف حکومت کو مخبری کی ہے۔ لیکن اگر اسے صحیح بھی سمجھ لیا جائے تو یہ رپورٹ کرنے والے مرزائیوں سے زیادہ کس طرح ہو گئے اور مرزا صاحب نے انہیں کس بنا پر کثرت یا اکثریت قرار دیا؟ حقیقت یہ ہے کہ مرزا صاحب نے مسلمان اکثریت کو مرزائی اقلیت کا دشمن ظاہر کر کے اپنے پیروؤں کے دل میں منافرت کے جذبات بھڑکانے کی کوشش کی اور وہ بالعموم ایسا کیا کرتے ہیں۔ بہرکیف ''الفضل'' کو گھبرانا نہیں چاہئے۔ کیونکہ ہم نے ساتھ ہی یہ بھی لکھ دیا تھا کہ حکومت پنجاب مرزا قادیانی کی اس تقریر کا کوئی نوٹس نہیں لے گی۔ (نوائے پاکستان مؤرخہ ۲۲ / فروری ۱۹۵۵ء)

دیکھ لیا آپ نے تاویل کی گھاتیں؟ کہ ایک صاف وصریح بات میں بھی یہ کہہ دیا گیا کہ گو مخبرین سے دوسرے مسلمان زیادہ ہیں مگر چونکہ وہ منظم نہیں اس لئے منظم مخبرین ہی کو اکثریت کہا جائے گا اور وہ ہمارے دشمن ہیں پس ثابت ہوا کہ ہم نے عام مسلمانوں کو اپنا دشمن نہیں کہا۔

بسوخت عقل نہ حیرت کہ ایں چہ بوالعجبی ست

اور اگر یہ تاویل درست ہے تو پھر تنظیم تو مرزائی اقلیت کی عام مسلمانوں اور مخبرین سب سے زیادہ اچھی ہے اور ہمیشہ اسی تنظیم کے جال ہی میں تو وہ لوگوں کو پھانسا کرتے ہیں۔ پھر یہ کہنا کیوں صحیح نہیں کہ پاکستان میں مرزائی اکثریت میں ہیں۔ گو وہ اقلیت میں ہیں۔ مگر عام مسلمان چونکہ منظم نہیں، اس لئے ان کے مقابلہ میں وہ کچھ نہیں۔ اس لئے ثابت ہوا کہ پاکستان میں مرزائی اکثریت میں ہیں اور کثرت کو ہی حکومت کرنے کا حق حاصل ہے۔ نتیجتاً کہا جا سکتا ہے۔

آج جو لوگ اس تنظیم کو اہمیت نہیں دیتے اور برسراقتدار ہوتے ہوئے اس کو ڈھیل دیتے ہیں۔ شاید کل وہ اس کو ڈھیل دیتے ہیں شاید کل وہ اس ڈھیل دینے پر پشیمان ہوں گے۔ مگر اس وقت کی پشیمانی کام نہیں آئے گی۔ کاش! آج ہی برسراقتدار حضرات اس تاویل کے آئینہ میں فردا میں ہونے والے واقعات کو غور سے دیکھ سکیں۔

(الصدیق ج۵ ش۷ ص۵، ۶، رجب ۱۳۷۴ھ مارچ ۱۹۵۵ء)

(۱۰۱) عدالت کا فیصلہ

خواجہ حافظ کا یہ شعر کس نے نہیں سنا:

شکر صد شکر ہر آں چیز کہ خاطر مے خواست ‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌ آخر آمد ز پس پردۂ تقریر پدید

اس کا محل استعمال شاید ہی پہلے کبھی اتنا بہتر پیدا ہوا ہو جتنا کہ اب پیدا ہوا ہے۔ جناب شیخ محمد اکبر صاحب جج (راولپنڈی) سے اہل علم اور قانون دان طبقہ اچھی طرح واقف ہے۔ آپ نہایت ہی سلجھے ہوئے مذاق کے اہل علم ودانش میں سے ہیں اور قانون دانی کے لحاظ سے پاکستان بھر میں اچھی شہرت کے مالک ہیں۔ چند ایک کتابوں کے مصنف ہونے اور بہترین مقرر ہونے کی حیثیت سے بھی ان کی شہرت بے مثال ہے۔ آپ نے حال ہی میں ایک مقدمہ کے سلسلہ میں یہ فیصلہ صادر فرمایا ہے کہ مرزائی دائرہ اسلام سے خارج ہیں اور ان کے ساتھ نکاح وغیرہ کا سلسلہ قائم کرنا، اسلامی شریعت کی رو سے ناجائز ہے۔ اس سے پہلے اگرچہ علمائے اسلام کا متفقہ فیصلہ یہی تھا مگر انگریزی قانون ...... میں مرزائیوں کو انگریزوں کے مصالح ایک اسلامی فرقہ شمار کرتے تھے۔ الحمدللہ! کہ اب ہمارے قانون دان طبقہ کو اجماع امت کی حقیقت سے آگاہی ہوگئی اور اس کا سہرا جناب شیخ محمد اکبر کے سر ہے۔ یہ فیصلہ سارے کا سارا پڑھنے کی چیز ہے اور ہر مسلمان کا فرض ہے کہ اسے اپنے پاس رکھے۔ ہم ادارہ الصدیق سے بھی التماس کریں گے کہ وہ اس فیصلہ کو اسی پرچہ میں یا اگلے پرچہ میں بعینہٖ سارے کا سارا شائع فرمادیں۔ اس سے پہلے (۷ر فروری ۱۹۳۵ء) بہاول پور کی ایک عدالت میں بھی ایک جج نے مرزائیوں کو خارج از اسلام قرار دیا تھا اور حسن اتفاق کہ ان کا نام بھی محمد اکبر ہی تھا۔ امید کہ ان دو قانون دان اکابر کا فیصلہ ہماری دوسری عدالتوں کے لئے بھی رہبر صداقت ثابت ہوگا۔ (الصدیق ج۵ ش۱۰ ص۳، شوال ۱۳۷۴ھ جون ۱۹۵۵ء)

(۱۰۲) بلاتبصرہ

بلاتبصرہ ہم لاہور کے ایک روزنامہ کی ۳۰ر نومبر ۱۹۵۵ء کی اشاعت سے ذیل کا اقتباس نقل کر رہے ہیں۔ جس نے اس کا عنوان یوں دیا ہے: ’’مسلمانوں کو مرتد بنانے کے لئے رنگون میں قادیانیوں کی سرگرمیاں‘‘ پھر دوسرا عنوان یوں جمایا ہے: ’’بعض مفاد پرست

خفیہ تحریک کا شکار ہوگئے۔ عوام میں اشتعال کی زبردست لہر'' عنوانات نے ہی آپ کی آنکھوں میں چمک پیدا کردی ہے تو مضمون پڑھ کر چودہ طبق آپ پر روشن ہوجائیں گے۔ ذرا پڑھئے اور سر دھنئے: ''رنگون (ڈاک سے) رنگون میں مرزائی اور لاہوری قادیانی اپنے اپنے طور پر مسلمانوں کو مرتد بنانے کی جو چال چل رہے ہیں۔ اس سے مسلمانوں کے تمام حلقوں میں اشتعال پیدا ہوتا جارہا ہے۔ مسلمانوں کا ذہین اور سمجھ دار طبقہ قادیانیوں کی اس ناپاک جدوجہد کی شدید مذمت کررہا ہے۔ مسلمانوں کی خواہش ہے کہ وہ سیدھے سادے مسلمان رہیں اور کوئی ان کے مذہب میں داخلت نہ کرے لاہوری قادیانی مرزا غلام احمد کو مجدد اور مسیح موعود قرار دیتا ہے۔ وہ نہایت ہوشیاری سے راستہ ہموار کرتا ہے تاکہ پہلے مرزا کو مجدد مان لیا جائے اور اس کے بعد حضرت مسیح علیہ السلام کو مردہ قرار دے کر مرزا غلام احمد قادیانی کو مسیح موعود بنا دیا جائے۔ قادیانیوں کا دوسرا طبقہ یعنی مرزائی قادیانی اس ہموار زمین سے فائدہ اٹھاتا ہے اور پھر وہ مرزا کی نبوت اور رسالت یہاں تک کہ اس کی خدائی کا بھی قائل کراتا ہے۔ قادیانیوں کی یہ خفیہ تحریک اب مسلمانوں کے لئے ناقابل برداشت بنتی جارہی ہے اور وہ بیدار ہورہے ہیں۔ چنانچہ مسٹر ایس ایم حسین سیکرٹری سوتھوگوڈی مینسو ایاتوی مسلم سوسائٹی (۲۲۱ گلی نمبر ۲۰ رنگون) نے ایک پمفلٹ بغرض اشاعت ارسال کیا ہے جس کا متن حسب ذیل ہے۔

اس وقت شہر رنگون میں خفیہ طور پر قادیانیوں کی تحریک کام کررہی ہے اور بعض سادہ لوح مسلمان جو قرآن اور حدیث کے معنی سے ناواقف ہیں انہیں احمدیہ انجمن کی آڑ میں قادیانی تحریک کا ممبر بنالیا گیا ہے جو اطلاعات موصول ہوئی ہیں ان کے مطابق بعض چولیا مسلمان بھی قادیانیوں کی خفیہ تحریک کا شکار بن گئے ہیں۔ اس لئے موتھوگوڈی نیسودوتپاری مسلم سوسائٹی کی مجلس عاملہ نے فیصلہ کیا ہے کہ جن مسلمانوں نے مرزا غلام احمد قادیانی (گورداسپوری پنجاب) کو اپنا نبی مان لیا ہے ان کو بغیر کسی تاخیر کے سوسائٹی کی ممبر شپ سے خارج کردے۔ کیونکہ ہم مسلمان خدا کی وحدانیت اور رسول اللہ ﷺ کی ختم نبوت پر ایمان رکھتے ہیں۔ یہ بتانے کی چنداں ضرورت نہیں کہ ہمارے نبی کریم ﷺ کا دوسرا نام احمد ہے۔ میں ہر اس شخص کو چیلنج کرنے کے لئے تیار ہوں جو مستند شہادتیں یا اپنی تقریر سے یہ ثابت کردے کہ مرزا غلام احمد نبی کہلانے کا مستحق ہے۔ نقالی جو قادیانیت کا بنیادی اصول ہے اس

کا ثبوت ان حالات میں ملتا ہے جن پر مرزا قادیانی کو نبی ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی گئی۔ اس ضمن میں سرکس کا وہ کھیل یاد رکھئے۔ جب ایک شخص بغیر کسی سہارے کے تار پر چلتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔'' (تسنیم)

اقتباس ہم بلاتبصرہ ہی نقل کررہے ہیں اور اس سے جو نتائج پیدا ہوتے ہیں وہ قارئین خود ہی نکال لیں گے۔ البتہ یہ اقتباس پڑھتے ہوئے ہمیں فارسی کا ایک شعر مستحضر ہوگیا۔ وہ بھی ہم قارئین الصدیق کی نظر کرتے ہیں۔ اب وہ جانیں اور ان کا کام:

چوں مے بینم کسے انکوے تو دلشاد مے آید   فریبے کز تو اول خوردہ بودم یاد مے آید

(الصدیق ج۶ ش۴ص۴ تا۶، ربیع الثانی ۱۳۷۵ھ دسمبر ۱۹۵۵ء)

(۱۰۳) سن تو سہی

نواب صفوی جو فدائیان اسلام ایران کے ایک مقتدر لیڈر اور ایک بڑے انقلابی تھے۔ جنہیں پچھلے دنوں ایران میں گولی مار کر حکومت ایران کی راہ سے ہٹایا گیا۔ ان نواب صفوی کا ایک انٹرویو اخبارات میں آیا ہے اس کا ایک اقتباس ملاحظہ ہو: ''جہاں تک مختلف فرقوں کا تعلق ہے، ان میں کوئی نقصان دہ بات نہیں ہے اور ہم انہیں ختم نہیں کریں گے۔ ہمیں جو چیز ختم کرنی چاہئے وہ یہ ہے کہ مفاد پرست لوگ ہماری ان فرقہ بندیوں کو اپنے حق میں استعمال نہ کرسکیں۔ فرقوں کے متعلق بات چیت کا رخ فطرتاً قادیانیوں اور بہائیوں کی طرف پھر گیا۔ نواب صفوی ان دونوں کے سخت مخالف تھے۔ خصوصاً اوّل الذکر (یعنی قادیانیوں) کے جوان کی رائے میں اس لحاظ سے زیادہ مجرم ہیں کہ وہ اپنے پوشیدہ مشن کو اسلام کے نام پر انجام دے رہے ہیں۔'' (تسنیم مؤرخہ ۷؍فروری ۱۹۵۶ء بحوالہ ہفت روزہ نیوایرا کراچی)

ہمارے قادیانی دوستوں کو یہ اقتباس بار بار پڑھنا چاہئے۔ کیونکہ یہ کسی پاکستانی مسلمان کی رائے نہیں ہے کہ اسے محض تعصب پر محمول کر کے چھوڑ دیا جائے۔ یہ قادیان اور ربوہ سے بہت دور کے رہنے والے ایک روشن خیال انقلابی لیڈر کی رائے ہے جس نے...... قوموں کے عروج وزوال کی تاریخ کو اچھی طرح پڑھا ہی نہیں بلکہ پڑھ کر اس تاریخ کو بنانے کا کام اپنے ذمہ لیا اور اپنی جان بھی اسی تاریخ سازی کی نذر کردی۔ اتنے تجربہ کار لیڈر کی رائے بھی یہی ہے کہ قادیانی بہائیوں کے بھائی ہیں اور جس طرح بہائی اپنے آپ کو الگ

ایک نبی کی امت سمجھتے ہیں۔ اسی طرح قادیانی ہیں۔ مگر نواب صفوی کے نزدیک بہائی پھر بھی کم خطرناک ہیں۔ کیونکہ وہ اپنی اجنبیت اور الگ ہونے کے قائل ہیں اور قادیانی ان سے زیادہ مجرم ہیں کیونکہ یہ اپنے پوشیدہ مشن کو اسلام کے نام پر انجام دے رہے ہیں۔ اب وہ قادیانی دوست جو قادیانیت کو اسلام کا ایک فرقہ سمجھ کر پھنسے ہوئے ہیں۔ غور فرمائیں کہ لیڈر شپ ان کے ساتھ کیا کھیل کھیل رہا ہے۔

اسی انٹرویو میں سنی شیعہ کی تفریق کا بھی ذکر ہے۔ ایک ایرانی لیڈر کے خیالات ہمارے شیعہ بھائی بھی سن لیں: ''آہ! کیا مسلمان بالآخر نہیں سمجھیں گے؟ اور کیا وہ سنی اور شیعہ کی تقسیم کو ختم نہیں کریں گے؟ انہیں قرآن کی طرف رجوع کرنا چاہئے اسی طرح وہ حقیقت کو پاسکیں گے اور اپنے دشمنوں کے حملہ کے سامنے متحد و متفق ہو کر کھڑے ہوسکیں گے۔ ایک مشترک مقصد کے لئے مصائب وآلام کی برداشت اور قربانیاں ان کے دلوں کو جوڑ دیں گی۔'' (ایضاً مؤرخہ ۸ / فروری ۱۹۵۵ھ)

ایک ایرانی لیڈر کا مشورہ گویا ہمارے شیعہ بھائیوں کے صرف ایک ہم مذہب کا مشورہ نہیں بلکہ ان کے ایک ایسے رہ نما کا مشورہ ہے جو ائمہ کی تعلیم سے ہماری نسبت زیادہ قریب ہے۔ اس کا مشورہ یہ ہے کہ ہم لوگ قرآن کی طرف رجوع کریں۔ کیا ہمارے شیعہ بھائی اس مشورہ کو قبول کریں گے؟ قرآنی تعلیم اور قرآن کا مطالعہ یقیناً جہالت اور اس کے تعصّبات کو قطع کرنے والا ثابت ہوگا۔ پچھلے دنوں شیعہ سنی حنفی وہابی اور بریلوی، دیوبندی سب لوگ ایک مشترک مقصد کے لئے مصائب وآلام برداشت کرتے رہے ہیں اور نواب صفوی صاحب کے نظریہ کے مطابق واقعی ان قربانیوں نے ان کے دلوں کو جوڑ بھی دیا تھا۔ پھر اس تجربہ کو آگے بڑھایئے اور قرآن کا مطالعہ بھی شروع کیجئے۔ ممکن نہیں یقین ہے کہ اس طرح اختلافات کی خلیج بہت کم ہو جائے گی اور جب جہالت کی جگہ علم لے لے گا تو بالآخر یہ خلیج پٹ بھی جائے گی۔ (الصدیق ج۶ ش۷ ص۱۰،۱۱، رجب ۱۳۷۵ھ مارچ ۱۹۵۶ء)

(۱۰۴) خوابوں کے سہارے

معزز معاصر روزنامہ کوہستان کی ۲۵ / جولائی ۱۹۵۶ء کی اشاعت سے ''آج کی باتیں'' کے عنوان میں سے ایک ٹکڑا بلا تبصرہ نقل کیا جارہا ہے۔ ملاحظہ ہو:

۱۳؍جولائی کے ’’الفضل‘‘ میں قادیانی قوم کے امام مرزا بشیرالدین محمود کا ایک خطبہ شائع ہوا ہے جس کا ایک حصہ ہم نقل کرتے ہیں۔ اس کے مطالعہ سے ہمارے ارباب اختیار کو اندازہ ہو جائے گا کہ خوابوں کا سہارا لے کر قادیانی حضرات کس طرح مسلمانوں پر کیچڑ اچھال رہے ہیں۔ ایک غیراحمدی کا خط آیا ہے وہ لکھتے ہیں: ’’مرزا صاحب فرماتے ہیں کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ میرے لئے پھانسی کی سزا تجویز ہوئی ہے اور ایک گڑھا کھود دیا گیا ہے جس میں میں کھڑا ہوں اور میں سمجھتا ہوں کہ یہیں مجھے سزا دی جائے گی اور لوگ مجھ پر مٹی ڈال کر چلے جائیں گے۔ میں خواب میں سخت ڈر رہا ہوں کہ اب کیا کروں؟ اتنے میں مجھے دو گروہ نظر آئے۔ ایک غیراحمدیوں کا تھا (اور ایک احمدیوں کا تھا) پہلے غیراحمدیوں کی طرف سے ایک آدمی میرے پاس آیا اور اس نے کہا ہم تمہارے لئے دعا کرتے ہیں۔ بشرطیکہ تم اس بات پر راضی ہو جاؤ کہ احمدیت کی طرف توجہ کرنا چھوڑ دو گے۔ اس پر میرے دل میں کمزوری پیدا ہوئی اور میں نے کہا اچھا تم دعا کرو۔ چنانچہ انہوں نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے اور میں نے بھی ہاتھ اٹھائے۔ مگر لمبے عرصہ تک دعا کرنے کے باوجود میں سمجھتا رہا کہ میری سزا اب تک قائم ہے۔ اس کے بعد میں نے دیکھا کہ احمدی گروہ میں سے ایک شخص میرے پاس آیا اور اس نے کہا کہ کیا ہم تمہارے لئے دعا کریں کہ خدا تمہیں اس مصیبت سے بچائے۔ میں نے کہا ضرور کریں۔ چنانچہ انہوں نے بھی دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے۔ وہ کہتے ہیں ابھی احمدیوں کو دعا کرتے ہوئے پانچ منٹ بھی نہیں گزرے تھے کہ میں نے دیکھا ایک سائیکل سوار اپنے سائیکل کو دوڑاتا ہوا چلا آرہا ہے اور اس کے ہاتھ میں ایک کاغذ ہے۔ جب وہ قریب پہنچا تو اس نے آکر کہا کہ تمہیں بری کر دیا گیا۔ دیکھو یہ خدا کا کیسا تصرف ہے کہ اس نے ایک غیراحمدی کو رویا کے ذریعہ بتادیا کہ احمدیت سچی ہے۔‘‘

اس خبر پر ہم تبصرہ کرنا نہیں چاہتے لیکن روزنامہ کوہستان نے ’’الفضل‘‘ سے جو مندرجہ بالا اقتباس نقل فرمایا ہے۔ اگر یہ درست ہے تو اس پر ہم اتنا عرض کریں گے کہ اگر خواب اس طرح دلیل کا کام دے سکتے ہیں اور مرزا کی صداقت خوابوں سے ثابت کی جاسکتی ہے تو ہم اتنا عرض کریں گے۔ ملتان کے ایک پرانے احمدی کا حوالہ دیتے ہوئے ان کا ایک خواب یاد دلاتے ہیں جو انہوں نے حج پر جانے کے بعد مدینہ منورہ میں دیکھا اور مرزا کو مسخ شدہ

حالت میں روضۂ اقدس سے نکلتے ہوئے پایا۔اس خواب سے بیدار ہو کر وہ مرزائیت سے توبہ تائب ہو گیا اور واپس آ کر اپنی اولاد کو بھی توبہ کرائی۔ یہ کچھ بہت دنوں کی بات نہیں ہے۔

کاش! خواب کی باتوں پر استدلال کیا جا سکتا تو پھر ایسے بہت سے خواب ہیں کہ بعض احمدیوں نے مسلسل تین روز تک خواب میں دیکھا کہ مرزا ان کو جہنم کی آگ کی طرف لئے جا رہا ہے۔اس خواب کے دیکھنے پر بیدار ہوتے ہی وہ مرزائیت سے تائب ہو گئے۔

خواب کوئی صداقت کی دلیل نہیں ہے۔ مسلمانوں کے نزدیک (۱) قرآن کریم، (۲) حدیث نبوی، (۳) اجماع امت، اور (۴) فقہ ائمہ سے ثابت ہو سکتی ہیں اور بس۔

کاش! خواب کی باتوں پر خود مرزا قادیانی یقین کرتے ہوتے تو خود مرزا کی کتابوں سے ایسے حوالے دیئے جا سکتے تھے کہ ان کے اپنے خواب ان کے دعویٰ کے بطلان کی دلیل ہو جاتے۔ (الصدیق ج۶ ش۱۲ص ۱۱،۱۲،۱۳، ذی الحجہ ۱۳۷۵ھ، اگست ۱۹۵۶ء)

(۱۰۵) کنواری ماں

اب تک کنواری ماں کا لفظ حضرت مریم طاہرہ کے لئے استعمال ہوتا تھا اور قرآن میں صاف الفاظ میں یہ آیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بن باپ کی اولاد ہیں۔مگر مادہ پرست دنیا کا تعقل اس بات کے ماننے سے ابا کرتا تھا کہ بن باپ کے بھی بچہ پیدا ہو سکتا ہے۔ چنانچہ اسی وجہ سے حضرت مریم پر بھی بہتان طرازی کی گئی۔ ایسی بہتان طرازیاں یہودی اور قادیانی کتب کی پیداوار ہیں اور یہ سن کر یہودی اور قادیانی دانش مندوں کو بڑا دکھ ہوگا کہ اب ممتاز ڈاکٹروں نے بھی (جن کی تحقیقات پر یہ لوگ وحی آسمانی کی طرف ایمان لاتے ہیں) یہ تسلیم کر لیا ہے کہ مرد کے اختلاط کے بغیر بھی حمل قرار پا سکتا ہے اور حضرت مریم علیہا السلام اور قرآن پاک کی تصدیق کی خاطر عین مرکز تہذیب وتمدن میں یہ معاملہ دکھا دیا گیا تاکہ عبرت وموعظت کا پیش خیمہ ثابت ہو۔ یوسف نجار کے طرفدار ذرا آنکھیں کھول کر اس خبر کو پڑھیں۔

''لندن ۴ر جولائی۔ کثیر الاشاعت ''ڈیلی مرر'' نے انکشاف کیا ہے کہ ممتاز ڈاکٹروں کی ایک ٹیم نے ایک نوجوان عورت کے اس دعوے کی تصدیق کر دی ہے کہ اسے کسی مرد سے اختلاط کے بغیر حمل قرار پایا ہے۔ اخبار نے ڈاکٹروں کی ٹیم کی لیڈر کی رپورٹ کے اقتباسات بھی پیش کئے ہیں جس میں بتایا گیا ہے کہ میڈیکل سائنس اس نوجوان عورت کے

دعوے کو جھٹلانے میں ناکام رہی ہے۔ اس لئے اسے تسلیم کئے بغیر چارہ نہیں ہے۔ اس عورت کا ہر قسم کے آلات اور طب کے جدید ترین طریقوں سے معائنہ کیا گیا ہے مگر وہ کنواری ہی ثابت ہوئی ہے۔'' (روزنامہ کارزار ملتان مؤرخہ ۶ / جولائی ۱۹۵۶ء)

ملاحظہ فرمایا آپ نے؟ عقل کی انتہاء یہ ہے۔ کل تک یہی عقل مند بن باپ کی اولاد کو خلاف عقل تصور کرتے تھے اور کہتے تھے یہ ناممکن ہے اور یہ ناممکن صرف اس واسطے تھا کہ حضرت مسیح علیہ السلام انیس بیس سو سال ان سے پہلے عالم وجود میں آئے تھے اور ان کے بے باپ پیدا ہونے کی خبر مذہبی کتابوں میں لکھی ہوئی تھی۔ مگر آج جب نئے آلات اور نئے انکشافات کے علی الرغم ایک عورت بغیر مرد کے اختلاط کے حاملہ ہو جاتی ہے تو ساری سائنس اور عقل بالائے طاق رہ جاتی ہے حتیٰ کہ بزرجمہروں کی ٹیم کو بھی تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ قرآن تیرہ سو سال پہلے جو خبر دے چکا ہے وہ خلاف عقل ہرگز نہیں۔ (الصدیق ج۷ ش۱ ص۸،۹، محرم ۱۳۷۶ھ ستمبر ۱۹۵۶ء)

(۱۰۶) بلاتبصرہ

مندرجہ بالا شذرات کے ساتھ ساتھ مختلف اخبارات کے درج ذیل شذرات بھی ''بلاتبصرہ'' ملاحظہ فرماتے جاویں۔ (مدیر)

مرزائی جماعت میں خلافت کے مسئلہ پر جو خلفشار پیدا ہو گیا ہے۔ اس کے حالات اس جماعت کے ترجمان ''الفضل'' کے ذریعہ ہر روز منظر عام پر آرہے ہیں۔ قادیانی جماعت کے پیشواء مرزابشیرالدین محمود اپنے مخالفین کو دبانے اور مرعوب کرنے کے لئے جو ہتھکنڈے اور زبان استعمال کر رہے ہیں۔ اس سے ہوا کے رخ کا پوری طرح اندازہ ہو رہا ہے۔

مرزا (محمود) اس خلفشار کو چند شریر آدمیوں کے سر منڈھنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ لیکن حقائق کچھ اور ہیں۔ اللہ رکھا، عبدالمنان عمر اور چند ایک طالب علم صرف اس بغاوت کے حقیقی کردار نہیں ہیں۔ یہ خلفشار ایک ذہنی انقلاب کی تمہید ہے۔ یہ بات صرف یہیں تک محدود نہیں ہے کہ قادیانی قوم کے کچھ افراد مرزا (محمود) کو خلافت سے اس لئے اتارنا چاہتے ہیں کہ وہ بوڑھے ہو گئے ہیں یا ان کی ذہنی صحت اور جسمانی قویٰ جواب دے چکے ہیں۔ اگر یہ بات ہوتی تو خود مرزا (محمود) کے والد بزرگوار جو ''خاندان نبوت'' کے بانی تھے۔ ''دوران نبوت'' میں ذہول اور نسیان کے ایسے شدید مرض میں مبتلاء تھے کہ ان کے

متعلق خود قادیانی لٹریچر کی ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ وہ ڈھیلے اور گڑ میں فرق نہیں کرتے تھے۔ مرزا غلام احمد کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ وہ سلسلۃ البول کے مریض تھے۔ اس لئے کوٹ کی ایک جیب میں ڈھیلے رکھتے تھے اور دوسرے میں گڑ۔ جب ان پر نسیان کا غلطہ ہوتا تھا وہ ڈھیلے اور گڑ کے امتیاز سے عاری ہو جاتے ہوں گے۔

موجودہ مرزا (محمود) کے خلاف یہ بغاوت ایک تاریخی عمل کی حیثیت رکھتی ہے۔ ان کے خلاف زمانے کے افکار اور سائنس نے علم بغاوت بلند کیا ہے۔ وقت کی دانش اور خدا کی غیرت نے انہیں للکارا ہے۔

یہ صرف تخت کے وارثوں کا جھگڑا نہیں ہے۔ جو لوگ اب تک ان کو آنکھیں بند کر کے نعوذ باللہ! نبی، ولی، مہدی، ملہم اور امیر المؤمنین سمجھتے تھے، ان کی آنکھوں سے پٹیاں کھل رہی ہیں۔ وہ محسوس کر رہے ہیں کہ زمانہ بہت آگے نکل چکا ہے۔ جس تقدس، الہام، نبوت علم کلام اور سلسلۂ اوہام وخرافات کو وہ حقیقت اور دین سمجھے بیٹھے تھے۔ وہ دکان داری اور دھوکہ ہے اور ایک شخص اپنی چالاکی اور ہوشیاری سے انہیں اب تک بے وقوف بنا تا رہا ہے۔

ہمارے نزدیک قادیانی جماعت کا یہ انتشار تنظیمی نہیں۔ کیونکہ مرزا بشیرالدین محمود ہوشیار اور منتظم انسان ہیں۔ یہ انتشار مالی بھی نہیں ہے۔ کیونکہ پیسہ بھی ان کے پاس کافی ہے۔ یہ انتشار وقت اور تاریخ کی قوتوں کا طبعی تقاضا ہے۔ اس کے محرکات سائنٹفک ہیں، ارتقائی ہیں، ذہنی غلاموں سے آقائی اور پارسائی کا طلسم اتر رہا ہے۔ وہ آخر کب تک ایسے شخص کو انسانیت کا گل سرسبد سمجھتے رہیں گے۔ جو مغلّظ زبان، بے ربط خطبوں، غیر شریفانہ ہتھکنڈوں اور لوٹ کھسوٹ کا ماہر ہو۔ جو اس بحران کو اس طرح سے روکنا چاہتا ہو کہ میں تمہارے لئے دعائیں نہیں کروں گا۔ میری کی ہوئی دعائیں واپس کر دو، میں نماز نہیں پڑھوں گا۔ یہ مرشدانہ چونچلے اب نہیں چلیں گے۔ انسانی ذہن چاہئے کتنا ہی پس ماندہ ہو اس طرح کی باتیں قبول نہیں کر سکتا۔

اس دور میں مذہب کو زندہ رہنے کے لئے بھی بقول مولانا ابوالکلام آزاد سائنس کا سہارا لینا پڑتا ہے اور قادیانی مذہب تو سائنس کی ابتدائی چوٹ بھی برداشت نہیں کر سکتا۔ کیونکہ اس کے پیچھے نہ طاقت ور علم کلام ہے اور نہ زہد و اتقاء کی ناقابل شکست طاقت۔

ہمارے نزدیک اب اس مذہب کو تاریخی قوتوں کے حوالے کو دینا چاہئے وہ خود ہی اس سے نبٹ لیں گی۔ عجیب بات ہے کہ جس سر ظفر اللہ خاں اور میاں بشیر احمد اور عبدالمنان عمر کے ذریعہ مرزا بشیرالدین محمود نے اپنی خلافت اور آقائی کی بساط بچھائی تھی۔ وہ لوگ آج ان کے حریف بن کر سامنے آرہے ہیں۔ مرزا قادیانی نے سر ظفر اللہ خان اور میاں بشیر احمد کے متعلق جو زبان استعمال کی ہے اس سے خود اندازہ ہوتا ہے کہ وہ ان ''اکابر صحابہ'' کے رویہ سے مطمئن نہیں ہیں اور انہیں اپنی خلافت کا حریص رقیب سمجھتے ہیں۔

ہمارے خیال میں مسلمانوں کو اس جھگڑے سے علیحدہ رہنا چاہئے۔ عصری تقاضے خود اس فراڈ کے تانے بانے ادھیڑ کر رکھ دیں گے۔ جس فراڈ کو تاریخ بے نقاب کرنے پر تلی ہوئی ہو اس کو اب رسوا ہونے سے روکا نہیں جاسکتا۔ یہ ''چاندنی'' جس کی خنک فضا میں مرزا قادیانی عیش وعشرت کے جھولے جھول رہے تھے۔ وہ کالے بادلوں میں روپوش ہورہی ہے اور وہ اپنی زندگی ہی میں اپنا انجام دیکھ رہے ہیں۔

ہم مسلمانوں کو آگاہ کرتے ہیں کہ وہ اس دوران میں ربوہ نہ جاویں کیونکہ مرزا بشیرالدین ایک شاطر کی طرح اس بحران کو روکنے کے ہنگامے کرانے سے بھی باز نہیں آئیں گے تاکہ قادیانی پھر ان کے جھنڈے تلے جمع ہوجائیں۔ ہماری رائے میں آج کل قادیانی قوم کا ہر فرد ایک ذہنی دوراہے پر کھڑا ہے۔ ان کا ذہن پراگندہ ہے۔ اگر اس ذہن کو کھلی فضاء میں کچھ سوچنے کا موقع ملا تو وہ ان شاءاللہ! مرزا قادیانی سے بغاوت ہی کا راستہ اختیار کر لیں گے۔ آج کل خود مرزا قادیانی کے خاندان میں پھوٹ پڑی ہوئی ہے جن لوگوں کو عیش وعشرت میں پوری طرح حصہ نہیں ملا ہے۔ وہ خود مرزا (محمود) کے چہرہ سے نقاب کھسکا رہے ہیں۔ (کوہستان مؤرخہ ۲۹؍اگست ۱۹۵۶ء)

(۱۰۷) مملکت کے اندر مملکت

قادیانی جماعت ان دنوں اندرونی اختلاف وانتشار کا شکار ہے۔ ہمیں اس جماعت کے جھگڑوں سے کوئی دلچسپی نہیں۔ مگر اس مسئلہ کا ایک پہلو پریس پبلک اور حکومت سب کی توجہ کا مستحق ہے۔ ہمارا اشارہ اس سوشل بائیکاٹ کی طرف ہے جو جماعت کے موجودہ سربراہ کے حقیقی یا فرضی مخالفوں کا کیا جارہا ہے۔ اسی طرح وہ دھمکیاں بھی قابل توجہ ہیں جو

جماعت کے سرکاری اخبار میں ان افراد کو دی جارہی ہیں۔ جو سربراہ جماعت کے فرضی یا حقیقی نقّاد ہیں۔ ان دھمکیوں کی بعض اوقات یہ تاویل کی جاتی ہے کہ ''قلع قمع'' سے ہماری مراد ''روحانی قلع قمع'' ہے۔ مگر یہ تاویل کسی غیرجانبدار انسان کی تسلی نہیں کرسکتی۔ جس سوسائٹی میں اکثریت سادہ لوح افراد کی ہو وہاں مریدوں کو مذہب کے نام پر اپنے مخالفوں کے ''قلع قمع'' پر ابھارنا ایک خطرناک کھیل ہے۔ سادہ لوح مرید روحانی قلع قمع اور جسمانی قلع قمع میں امتیاز کے کچھ زیادہ اہل نہیں ہوتے۔

جہاں تک سوشل بائیکاٹ کا تعلق ہے ممکن ہے جماعت کی طرف سے یہ کہا جائے کہ ہم نے کہیں سوشل بائیکاٹ کا حکم نہیں دیا۔ مگر جب اپنے مخالفوں یا معترضین کو منافق یا دشمن قرار دے کر یہ حکم دیا جائے کہ کوئی شخص ان کے ساتھ کوئی تعلق نہ رکھے تو یہ سوشل بائیکاٹ نہیں تو اور کیا ہے؟ ہمیں بتایا گیا ہے کہ ایک شخص سے اس کے بیوی بچے بھی چھین لئے گئے ہیں۔ ایک اور نوجوان محمد یونس نے ہمیں بتایا کہ اس کے باپ نے اخبار ''الفضل'' میں اسے منافق قرار دیا ہے اور یہ اعلان کیا ہے کہ جب تک مرزا بشیرالدین محمود احمد اسے معافی نہیں دیں گے، باپ اپنے حقیقی بیٹے سے نفرت کرتا رہے گا۔ باپ کے اس اعلان پر محمد یونس کے خسر کے تصدیقی دستخط ثبت ہیں۔ محمد یونس نے اس خدشہ کا اظہار کیا ہے کہ اس کے بیوی بچے اس سے چھین لئے جائیں گے۔ وہ کہتا ہے میں سرے سے قادیانی یا احمدی ہی نہیں ہوں۔ مگر مجھے منافق قرار دے کر میرا بائیکاٹ کر دیا گیا ہے۔ حالانکہ میں ان کے عقیدہ کے مطابق ''کافر'' تو ہوں منافق کسی طرح بھی نہیں۔

اس مسئلہ کے باقی تمام پہلوؤں سے قطع نظر ہم قادیانی جماعت کے سربراہ اور اس جماعت کے دانشمند اصحاب سے یہ پوچھنا چاہتے ہیں کہ وہ جو سلوک اپنے لئے ناپسند کرتے ہیں وہ سلوک دوسروں کے لئے کیوں پسند کرتے ہیں؟ جن افراد کو جماعت قادیان کے سربراہ نے منافق قرار دیا ہے ان میں سے تقریباً نوے فیصد کے معافی نامے ''الفضل'' میں چھپ چکے ہیں کہ ''ہم حضور کے غلام ہیں'' اور ''حضور کو اپنا آقا سمجھتے ہیں'' (یہاں حضور سے مراد مرزا بشیرالدین محمود احمد ہیں) مگر مرزا محمود کو اصرار ہے کہ نہیں تم منافق اور ریاکار ہو۔ تمہارا سوشل بائیکاٹ ہوگا۔ عامۃ المسلمین سے احمدیوں یا قادینوں کا اختلاف بنیادی ہے۔

جب اس بناء پر قادیانیوں کے بائیکاٹ یا انہیں اقلیت قرار دینے کی تحریک ہوتی ہے تو پھر مرزا (محمود) کس منہ سے اس کی شکایت کر سکتے ہیں؟ وہ اپنی جماعت میں ایسے افراد کے وجود کے بھی روادار نہیں جوان کے والد محترم کو اپنا پیشواء مانتے ہیں اور خود مرزا محمود احمد سے بھی گڑگڑا کر معافی مانگتے ہیں۔ وہ سوچیں کہ کیا ان کا یہ طرز عمل ان لوگوں کے ہاتھ مضبوط نہیں کرتا جن کا موقف یہ ہے کہ احمدیوں یا قادیانیوں کو ایک جداگانہ اقلیت قرار دے کر ملت اسلامیہ کے دائرہ سے خارج کر دینا چاہئے۔

جیسا کہ ہم ابتداءمیں ہی عرض کر چکے ہیں ہمیں جماعت قادیان کے اس اندرونی جھگڑے سے کوئی دلچسپی نہیں۔ مگر ہندو، مسلمان، عیسائی، قادیانی غیر قادیانی پاکستان کے ہر شہری کی زندگی کی حفاظت حکومت کا فرض ہے۔ وہ قادیانی بھی جو مرزا محمود احمد کے واقعی خلاف ہیں یا مرزا محمود نے فرض کر لیا ہے کہ وہ ان کے مخالف ہیں پاکستان کے شہری اور ان پر حکومت پاکستان کا قانون لاگو ہوتا ہے نہ کہ جماعت قادیان یا اس کے سربراہ کا قانون ہم ایک مرتبہ پہلے بھی ان کالموں میں یہ بات لکھ چکے ہیں اور آج پھر اسے دہراتے ہیں کہ مرزا بشیرالدین محمود احمد کو مملکت پاکستان کے اندر ایک اپنی مملکت کے قیام کا کوئی حق نہیں۔ اگر وہ ایسی کوشش کرتے ہیں تو حکومت کا فرض ہے کہ انہیں اس سے روکے۔''

(نوائے وقت مؤرخہ یکم ستمبر ۱۹۵۶ء)

(۱۰۸) مسلمانوں کی دل آزاری

قادیانی جماعت کے امام مرزا بشیرالدین محمود کے خلاف ان کی جماعت میں جو بغاوت پھیلی ہوئی ہے اور جس نے ان کی خلافت کے چاروں پایوں کو متزلزل کر دیا ہے اور جس کو روکنے کے لئے مرزا بشیرالدین قادیانی طرح طرح کی مضحکہ خیز حرکتیں کر رہے ہیں۔ ان سے ہمیں ایک مبصر سے زیادہ دلچسپی نہیں ہے۔ ہمارے لئے ان کی ان باتوں میں کوئی دلچسپی نہیں کہ ان کو خلافت اللہ نے دی ہے اور ان کو معزول کرنے کا حق صرف موت کو حاصل ہے اور جو لوگ ان کے خلاف شورش برپا کر رہے ہیں وہ کون ہیں؟ مرزا قادیانی کو خود اعتراف ہے کہ ان کے خلاف یہ شورش ان کی اپنی جماعت کے لوگ کر رہے ہیں جن میں پیش پیش اس قوم کے پہلے خلیفہ حکیم نورالدین کی اولاد ہے۔

لیکن پاکستان کی اسلامی ریاست میں ہم مرزا بشیر الدین اور ان کے متبعین کو اس امر کی ہرگز اجازت نہیں دے سکتے کہ وہ ناموران اسلام پر کیچڑ اچھال کر عامۃ المسلمین کے جذبات کو مجروح کریں۔ مرزا قادیانی کے اخبار الفضل نے اپنی ۲ر اگست ۱۹۵۶ء کی اشاعت میں ان کا ایک خطبہ شائع کیا ہے جس کے حسب ذیل فقرے مسلمانوں کے لئے انتہائی دل آزار ہیں۔

مرزا قادیانی فرماتے ہیں: ''جس طرح حضرت صدیق اکبرؓ کے صاحبزادے نے حضرت عثمانؓ کے ساتھ گستاخی کی تھی اور اس کی وجہ سے حضرت صدیق اکبرؓ کو اللہ کے سامنے شرم سے گردن جھکانی پڑے گی۔ اسی طرح حکیم نورالدین کو بھی خدا کے سامنے اپنے لڑکوں کی حرکات کے لئے شرم سے گردن نیچی کرنی پڑے گی۔''

(روزنامہ الفضل قادیان ج۴۵ نمبر۹۷۱ ص۴ کالم۲، مؤرخہ ۲ر اگست ۱۹۵۶ء)

مرزا قادیانی کا یہ خطبہ ایک گستاخانہ جسارت ہے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی شان میں جو انبیاء کے بعد خدا کے نزدیک اس کے آخری رسول ﷺ کے ارشاد کے مطابق سب سے برگزیدہ شخصیت ہیں۔ کہاں حکیم نورالدین اور کہاں صدیق اکبرؓ؟ پھر کس قدر تلبیس سے کام لیا گیا ہے۔ مرزا بشیر الدین اور حکیم نورالدین دونوں ایک جعلی نبی کے جعلی اور خودساختہ خلیفہ ہیں کے متعلق عامۃ المسلمین کا عقیدہ سب کو معلوم ہے۔ لیکن مرزا قادیانی اپنی خلافت کو آسمانی خلافت قرار دینے سے پہلے تو آپ کو حضرت صدیق اکبرؓ کا ہم پلّہ ثابت کرتے ہیں اور اس کے بعد ان پر اور ان کی اولاد پر کیچڑ اچھالتے ہیں۔

قطع نظر اس بات سے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے صاحبزادہ نے حضرت عثمان غنیؓ کی شان میں کوئی گستاخی کی یا نہیں اور بالفرض اگر کی بھی تو اس سے انبیاء کے بعد خدا کے نزدیک سب سے اشرف انسان حضرت ابوبکر صدیقؓ کا کوئی تعلق نہیں۔ کیونکہ اسلام کے نزدیک بیٹے کے گناہ یا لغزش سے باپ کا کوئی تعلق نہیں۔ مرزا قادیانی کی یہ گستاخی ہمارے لئے ...... دل آزارانہ'' ہے۔ ہم ڈاکٹر خان صاحب، وزیراعظم محمد علی اور گورنر مغربی پاکستان جناب گورمانی (مشتاق احمد) سے پوچھتے ہیں کہ کیا اس طرح کی ناپاک جسارتوں کے بعد صوبے کا امن وامان بحال رہ سکتا ہے؟

(کوہستان مؤرخہ ۵ر ستمبر ۱۹۵۶ء)

(۱۰۹) الفضل کا ناپاک بہتان

اخبار الفضل اپنے مقالہ افتتاحیہ ۷ / ستمبر ۱۹۵۶ء میں لکھتا ہے کہ: ''ان اخبارات میں سے جنہوں نے ایک پلین کے مطابق ایک ہی مضمون ''ریاست در ریاست'' پر ایک دو دن کے اندر اندر اداریئے لکھے ہیں ایک سفینہ بھی ہے۔ اس سے پہلے چٹان، نوائے وقت، آفاق کے اداریوں کا جائزہ لیا جاچکا ہے اور جو الزامات ان اداریوں میں ایک سوچی سمجھی ہوئی تجویز کے مطابق جماعت احمدیہ اور اس کے نظام پر لگائے گئے ہیں ان کا کسی قدر تفصیلی جواب ہم دے چکے ہیں۔''

اس کے بعد معاصر نے ''سفینہ'' کے حال پر خصوصی توجہ فرمائی ہے جسے ہم نظر انداز کرتے ہیں۔ پھر یہ لکھا ہے کہ: ''...... غور کرنے والا دماغ آسانی سے سمجھ سکتا ہے کہ ایک دم ایک ہی مضمون پر تقریباً ایک ہی انداز سے ان اخبارات کا لکھنا کوئی خاص معنی رکھتا ہے اور کوئی ایک ہاتھ ہے جس نے ان مختلف اخبارات کو ایک ہی وقت میں ایسے اداریوں پر قلم اٹھانے کی تکلیف دی ہے۔''

اس کے بعد معاصر الفضل نے از راہ کرم خود ہی یہ سمجھانے کی کوشش کی ہے کہ آخر سبھی اخبار اس کی محبوب جماعت کی روش پر نکتہ چینی کیوں کر رہے ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے: ''پنجاب کی گزشتہ احراری تحریک میں بھی جو فسادات پر منتج ہوئی تھی، ایک خاص حلقہ کی طرف سے احمدیت کے خلاف اداریے لکھ لکھ کر ان اخبارات میں شائع کئے جاتے تھے جن کو حکومت کے روپیہ سے مدد دی جاتی تھی۔''

مطلب صاف ہے کہ یہ اخبار ایک خاص سکیم کے ماتحت ہم پر نکتہ چینی کر رہے ہیں۔ کوئی ''ایک ہاتھ'' ایک ہی وقت میں انہیں ''ایسے اداریوں پر قلم اٹھانے کی تکلیف'' دے رہا ہے۔ اور ''ان اخباروں کو حکومت کے روپیہ سے مدد'' دی جاتی ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ ہمارے دوسرے معاصرین ''الفضل'' کو اس بہتان کا مناسب جواب دیں گے۔ ''ہم نوائے وقت'' کی طرف سے اس ناپاک الزام کے جواب میں صرف یہی کہہ سکتے ہیں کہ **لعنۃ اللہ علی الکاذبین**! معاصر الفضل عقل سلیم سے کام لیتا تو شاید اسے یہ بات بھی سوجھ جاتی کہ ''نوائے وقت، آفاق، چٹان، کوہستان، سفینہ، نوائے پاکستان ایک ہی ادارہ کے

اخبار نہیں ہیں۔ نہ ان سب کا ایک ہی سیاسی مسلک ہے۔ نہ ایک ہی پالیسی، نہ یہ سب ایک ہی سیاسی پارٹی سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہ مختلف الخیال اخبارات احمدیوں یا قادیانیوں کی موجودہ روش پر بیک زبان معترض ہیں تو شاید جماعت کی اس روّش میں ہی کوئی نقص ہو جس نے ان سب اخبارات کو ایک ہی انداز میں سوچنے پر مجبور کر دیا ہو؟ مگر جہاں اندھی عقیدت نے دماغ کو ماؤف کر رکھا ہو وہاں عقل سے کون کام لیتا ہے؟ اندھی عقیدت کو یہ کمال حاصل کہ جہاں گدھے گھوڑے نظر آتے ہیں وہاں بے ضرر رسی پر بھی یہ گمان گزرتا ہے کہ سانپ ہے۔

ہم نے اپنے پہلے مضمون میں بھی یہ عرض کیا تھا کہ ہمیں قادیانیوں کے اس اندرونی جھگڑے سے کوئی دلچسپی نہیں اور ہم فریقین میں سے کسی کے ہمدرد ہیں نہ مخالف۔ اب بھی ہم اس قسم کی کسی بحث میں نہیں الجھنا چاہتے۔ مگر معاصر ''الفضل'' کذب وافتراء، اور ناپاک بہتان تراشیوں کے ذریعہ ہمیں اس بحث میں گھسیٹنا چاہتا ہے۔ اگر ''الفضل'' کی حیثیت یہ نہ ہوتی کہ وہ قادیانی جماعت کا سرکاری آرگن ہے تو ہم اسے مقالہ نگار کے جوش فضول اور حماقت پر محمول کرتے۔ مگر سب کو معلوم ہے کہ ''الفضل'' قادیانی جماعت کا سرکاری آرگن ہے۔ پھر کیا ہم یہ نہ سمجھیں کہ خود جماعت ہی سب کو دعوت مبارزت دے کر وسیع پیمانہ پر بحث کا دروازہ کھولنا چاہتی ہے؟

ہمارا سوال بالکل سیدھا سادا تھا اور وہ یہ کہ احمدیوں یا قادیانیوں کو یہ پسند نہیں کہ انہیں عام مسلمانوں سے علیحدہ اقلیت قرار دیا جائے۔ حالانکہ عام مسلمانوں اور قادیانیوں میں ایک بنیادی اختلاف ہے۔ پھر قادیانی ایسے قادیانیوں کے بائیکاٹ پر کیوں زور دیتے ہیں جن کا اختلاف محض اس قدر ہے کہ وہ موجودہ خلیفہ صاحب کے مخالف ہیں؟ ہم نے یہ پوچھا تھا کہ اگر قادیانیوں کے اس طرز عمل کو سامنے رکھ کر عام مسلمان ان سے وہی سلوک کریں جو یہ جماعت خود اپنے افراد سے کر رہی ہے تو کیا قادیانیوں کا یہ گلہ بجا ہوگا کہ ہمارے ساتھ زیادتی کی جارہی ہے؟ معاصر ''الفضل'' نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ یہ سب کچھ حکومت یا اسی طرح کی کوئی دوسری ایجنسی لکھوا رہی ہے اور وہ اس کے لئے ہمیں پیسے دیتی ہے۔ لعنة الله علی الکاذبین!

(نوائے وقت مؤرخہ ۹؍ستمبر ۱۹۵۶ء)

(الصدیق ج۷ ش۱ ص۱۲ تا ۱۶ و ۵، محرم ۱۳۷۶ھ ستمبر ۱۹۵۶ء)

(۱۱۰) مسلمانوں کی دل آزاری

عموماً مرزائی ہر موقع پر مسلمانوں کو اپنی تحریروں سے ہمیشہ دکھ دیتے رہتے ہیں۔ آپ مرزائیوں کے اخبار اٹھا کر دیکھئے شاید ہی کوئی اخبار ایسے مضمون سے خالی ہو جس سے مسلمانوں کے جذبات کو مجروح نہ کیا گیا ہو۔ بلا واسطہ یا بالواسطہ ایسی بات ضرور عموماً ہر اخبار میں لکھی گئی ہوگی جو کہ باعث دکھ ہوگی۔ ۲۶، ۲۷، ۲۸ ؍دسمبر ۱۹۵۶ء کو ربوہ میں مرزائیوں کا سالانہ جلسہ ہونے والا ہے اس کا اعلان کرتے ہوئے مرزائیوں کے اخبار الفضل ربوہ بابت ۲۷ ؍نومبر ۱۹۵۶ء ''جلسہ سالانہ احمدیہ ۱۹۵۶ء'' کا عنوان قائم کرتے ہوئے ص۵ پر ایسی عبارت لکھتا ہے جس سے یہ بات تو مفہوم ہوتی ہی ہے کہ مرزائیوں کا مقام حج بجائے مکہ کے ربوہ ہے اور یہ سالانہ جلسہ ان کے نزدیک حج کے قائم مقام ہے۔ مگر افسوس تو اس امر کا ہے کہ اس اعلان جلسہ میں ایک ایسی بات بھی کہی گئی ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ (معاذاللہ) مرزا غلام احمد حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہمسر ہیں اور اس زمانے کے ''ابراہیم'' مرزا غلام احمد ہیں۔

چنانچہ لکھتے ہیں: ''قرآن کریم میں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خدا کی طرف سے یہ حکم ملا تھا: ''**واذّن فی الناس بالحج یاتوک رجالا وعلی کل ضامر یأتین من کل فج عمیق** (الحج)'' کہ اے ابراہیم علیہ السلام لوگوں میں اعلان کردو کہ وہ خانہ کعبہ کا حج کریں۔ اس لئے ہر سال ہزاروں لاکھوں لوگ مختلف اسلامی ممالک سے حج کے لئے جاتے ہیں اور خدا کی باتوں کی تصدیق ہوتی ہے۔''

اس زمانے کے لئے حضرت مسیح موعود (مرزا) کو ''ابراہیم'' کہا گیا ہے۔ (قارئین ذرا اس فقرہ بالا پر غور فرماویں) چنانچہ یہ الہامی عبارت ہے: ''**سلام علیٰ ابراھیم صافیناہ ونجیناہ من الغم تفردنا بذلک فاتخذوا من مقام ابراھیم مصلی**''

آگے اس عبارت وغیرہ کا ترجمہ کرنے کے بعد اخبار الفضل لکھتا ہے: ''اس سے حضرت مسیح موعود (مرزا) کی بعثت کی غرض ظاہر ہے۔ اس غرض کو پورا کرنے کے لئے ربوہ میں ۲۶، ۲۷، ۲۸ ؍دسمبر ۱۹۵۶ء کو جماعت احمدیہ (مرزائیوں) کا سالانہ جلسہ ہو رہا ہے۔ احباب جماعت کو چاہئے کہ خود بھی تشریف لائیں اور اپنے عزیزوں اور دوستوں کو بھی ساتھ لاویں اور فائدہ اٹھاویں۔ (ناظر اصلاح وارشاد) (الفضل مؤرخہ ۲۷ ؍نومبر ۱۹۵۶ء)

اب فرمایئے کس قدر مقام افسوس ہے کہ مرزا غلام احمد کو مسلمانوں کے نبی و امام حضرت ابراہیم علیہ السلام کا رتبہ دیا جائے اور اس زمانہ کا ''ابراہیم'' مرزا کو کہا جائے۔ اب اگر مسلمان اس کے خلاف احتجاج کرتے ہیں یا اس کی تردید کرتے ہیں تو یہی الفضل کہتا ہے کہ ایسے مسلمان شورش پسند اور فساد انگیز ہیں۔ خود ہی ایسی باتیں ابتداء کرتے ہیں۔ کہیں مرزا کو موجودہ زمانے کا ابراہیم علیہ السلام کہا جائے تو کہیں مرزا بشیر الدین کو ''فضل عمر'' لکھتے ہیں۔ مرزا بشیر الدین چونکہ مرزا غلام احمد کے دوسرے خلیفہ ہیں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہمارے حضور پرنور ﷺ کے خلیفہ ثانی تھے۔ اس لئے یہ مرزا بشیر الدین کو نہ صرف عمر رضی اللہ عنہ بلکہ فضل عمر لکھتے ہیں۔ چنانچہ ''فضل عمر ریسرچ انسٹیٹیوٹ'' قائم ہوگئی ہیں۔ (ملاحظہ فرماویں اخبار الفضل بابت ۱۵ر دسمبر ۱۹۵۶ء ص ۸) اب اگر مسلمان ان کو سمجھاتے ہیں کہ ایسی باتیں کہنے سے ہم مسلمانوں کو دکھ ہوتا ہے آپ ایسی باتیں چھوڑ دیں تو مرزائی اخبار ''الفضل'' الٹا ایسے مسلمانوں کو بدنام کرتا ہے۔ یہ نہیں سمجھتا کہ ابتداء ہم کرتے ہیں۔ مسلمان صرف مدافعت کرتے ہیں۔ حدیث شریف میں آتا ہے ''البادی اظلم'' ابتداء کرنے والا ہی زیادہ ظالم ہے۔ ہماری مرزائیوں سے بھی یہی درخواست ہے کہ وہ اپنے اخبار میں ایسی باتیں لکھنے سے گریز کریں جس سے مسلمانوں کو دکھ پہنچے اور حکومت سے بھی مؤدبانہ درخواست ہے کہ ایسی باتوں سے مرزائیوں کو بالکل منع کردے۔'' (الصدیق ج۷ ش۴ ص۵،۶، ربیع الثانی ۱۳۷۶ھ، دسمبر ۱۹۵۶ء)

(۱۱۱) ایک نیا مراقی

مرزا غلام احمد قادیانی نے دعویٰ نبوت کیا۔ خیر اس کا ہوا جو ہوا۔ اپنے بعد میں آنے والوں کے لئے اسی نبوت کا دروازہ کھول گیا۔ جو ''نبوت'' کے اسے ملی تھی۔ مرزا قادیانی کے بعد اور بھی کچھ لوگ اسی مالیخولیا میں مبتلاء ہوئے۔ ایک نئے مراقی کی جو خیر سے میراثی بھی ہیں۔

خبر سنیئے: ''کوٹ رادھا کشن ۱۴ر اپریل تھانہ پتوکی کے موضع بھائی کوٹ میں ایک نام نہاد فرضی نبی نے اپنے معتقدوں کی امداد سے ایک نوجوان کو گنڈاسوں اور برچھیوں سے شدید مجروح کر دیا۔

بیان کیا جاتا ہے کہ موضع بھائی کوٹ میں دلارا ولد بوٹا قوم مراثی نے عرصہ دو تین

ماہ سے گاؤں میں نبی کہلانا شروع کر دیا تھا اور روزانہ اپنے مکان کی چھت پر چڑھ کر اعلان کرتا ہے کہ مجھے خداوند تعالیٰ نے آپ کو راہ راست پر لانے برے کاموں سے بچانے اور آپ کی بخشش کے لئے نبی بنا کر بھیجا ہے اور مجھ پر وحی نازل ہوئی ہے جو شخص مجھ کو نبی تسلیم نہ کرے گا۔ وہ کبھی بخشش کا حق دار نہیں ہوگا بلکہ کافر ہوگا۔ وہ دوزخ میں جائے گا۔ اس فرضی نام نہاد نبی کے جھانسے میں چند سیدھے سادھے دیہاتی پھنس گئے اور اس کی ہر بات تسلیم کرنے لگے۔ اسی گاؤں کا ایک باشندہ محنت مزدوری کے لئے پردیس گیا ہوا تھا، عید کی رخصت پر گھر آیا تو اپنے گاؤں کے ایک فرد کو مشرکانہ الفاظ ادا کرتے دیکھ کر مشتعل ہوگیا اور اس فرضی نبی کو برا بھلا کہا تو خود کافر بن گیا ہے اور لوگوں کو گمراہ کر رہا ہے۔ اگلے دن صبح پھر فرضی نبی نے اپنے مکان کی چھت پر چڑھ کر معمول کے مطابق اعلان شروع کر دیا تو برکت علی نے پھر اس حرکت سے باز رہنے کی تلقین کی۔ مگر فرضی نبی نے اپنی بے عزتی کا بدلہ لینے کی خاطر اپنے معتقدوں کو اس کو مار دینے کو للکارا کہ آپ کے نبی کو کافر کہتا ہے۔ جس پر چند دیہاتی گنڈاسوں اور برچھیوں سے مسلح ہوکر حملہ آور ہوگئے اور برکت علی کو مجروح کر کے ادھ موا کر دیا۔ برکت علی کو فوری طبی امداد کی خاطر ہسپتال لایا گیا۔ جہاں اس کی حالت سخت خطرناک ہے۔ مقامی پولیس نے فرضی نبی اور اس کے معتقدوں کو گرفتار کر کے چالان کر دیا ہے۔'' (امروز مؤرخہ ۲۵؍اپریل ۱۹۵۷ء)

بقول شخصے پنجاب کی مٹی ویسے تو زرخیز ہے ہی لیکن تخم نبوت کے لئے خوب ہی موافق ہے۔ امت اجابت کا سلسلہ بھی شروع ہوگیا۔ خدا خیر کرے، جیل سے بعافیت واپسی ہوئی تو نہ معلوم کتنوں کو پھوڑے گا اور کتنوں کے ایمان غارت کرے گا۔

اف یہ حالت ہے۔ عوام کی دینی بے حسی اور حکومت کی دین سے بیزاری کی کہ ایسے کھلے ارتداد کے اعلان اور اس کی طرف اعلانیہ دعوت پر بھی کوئی قدغن نہیں۔ بس دین کا خدا ہی حافظ ہے۔ امید ہے کہ مرزائی حضرات نئے نبی کی دعوت کی طرف بھی اعانت کا ہاتھ بڑھائیں گے۔ (الصدیق ج۸ ش۱۱ ص۳،۴، ذیقعدہ ۱۳۷۷ھ، مئی و جون ۱۹۵۸ء)

(۱۱۲) نیا ''مسیح موعود''

ابھی اس بات کو بہت دن نہیں گزرے، جب کہ مرزا قادیانی نے ایک عفیفہ کو اپنی

مسیح موعودیت کے بل بوتہ پر اپنی ازدواجی سلک میں منسلک کرنے کی کوشش کی تھی۔ الہامات اور جھوٹی پیشین گوئیوں کے ذریعہ سے اس کے والدین کو مرعوب کرنے کی سعی کی تھی۔ مگر ہر طرح سے ہاتھ پاؤں مارنے کے باوجود وہ اس میں ناکام رہے اور سب پیشین گوئیاں غلط ثابت ہوئیں۔ خیر! یہ تو ذرا پرانی بات تھی، جوگئی گزری ہوگئی۔ اب ایک نئے ''مسیح موعود'' کی ڈھٹائی اور بلندی عزائم ملاحظہ ہو۔ بے چارے مرزا قادیانی تو قریب ہی گرے تھے۔ مگر ان کی عقابی نگاہوں کی داد دیجئے کہ کہاں پہنچی ہیں...... واقعہ یہ ہے کہ ایک صاحب سید بشیر احمد (ضلع گجرات) نے مسیحیت کا دعویٰ کیا ہے اور انگلستان کی مشہور شہزادی مارگریٹ کے ساتھ ''آسمانی نکاح'' کے مدعی ہوئے ہیں کہ شہزادی عنقریب ضرور ان سے نکاح کرلے گی۔

چنانچہ وہ اس سلسلہ میں شہزادی کو ۳۲۷ خطوط لکھ چکے ہیں۔ نمائندہ ''امروز'' سے انٹرویو کے دوران میں انہوں نے بتایا کہ: ''میں مسیح موعود ہوں، میں آسمانی کتابوں کے مطابق عمل کررہا ہوں۔ ان کتابوں میں مندرج ہے کہ مسیح موعود ۴۵ برس کی عمر میں نازل ہوگا اور مغرب کی جانب واقع جزیرے کی ایک شہرہ آفاق شہزادی سے شادی کرے گا۔ یہ شہزادی مسیح موعود کے پیغام کی تبلیغ کے لئے مادی وسائل مہیا کرے گی۔''

سید بشیر احمد نے کہا: ''موعودہ شہزادی مارگریٹ ہی ہوسکتی ہے۔ جس کا مجھ سے عقد ہونا ناگزیر ہے۔''

سید صاحب نے اس یقین کا اظہار کیا کہ: ''اگر شہزادی کو میرا ایک خط بھی مل جاتا تو وہ یقیناً مجھ سے ملتی یا مجھے وہاں بلاتی۔''

اپنے مذہب میں روشنی ڈالتے ہوئے انہوں نے کہا: ''میں اسلام کو ایک وسیع مذہب تصور کرتا ہوں جو تمام مذاہب کا ایک خوشگوار امتزاج ہے۔''

آخر میں سید صاحب نے مزید کہا کہ: ''میں نے آخری خط میں شہزادی کو متنبہ کیا ہے کہ وہ اب مسیح موعود سے شادی کا فیصلہ کرلے اور ایسے آدمیوں سے میل جول نہ رکھے، جنہیں اس کی زندگی کا ساتھی نہیں بننا ہے۔'' (امروز مؤرخہ ۱۴/ ذیقعدہ ۱۳۷۷ھ، مطابق ۲/ جون ۱۹۵۸ء)

خیال رہے کہ سید صاحب کوئی دقیانوسی قسم کے آدمی نہیں، بلکہ خیر سے ایم۔اے اور بی۔ٹی ہیں۔ ہاں معاشی حالت پتلی ہے۔ اس اونچی تعلیم کے باوجود ڈسٹرکٹ بورڈ کے سکولوں میں مدرسی کے علاوہ دوسری کوئی ملازمت حاصل نہیں کرسکے۔

اقبال مرحوم نے اپنے ملک کے شاعروں اور افسانہ نویسوں کے بارے میں کہا تھا کہ: ’’ان کے اعصاب پہ عورت ہے سوار‘‘ مگراب تو معاملہ شعر گوئی اور افسانہ نویسی سے بڑھ کر نبوتوں اور موعودہ مسیحتوں تک پہنچ گیا ہے۔

کیا کہا جائے، حماقت کی بھی کوئی حد ہوتی ہے۔ مگر یہاں تو کسی چیز کی بھی کوئی حدود نہیں۔ مذہبی عقائد واصطلاحات بہت سی خصوصی اہمیتوں اور عظمتوں کے حامل ہوتے ہیں۔ قوموں کا احساس ان کے بارے میں نہایت نازک واقع ہوا ہے۔ ہر قوم اپنے قومی وملی عقائد ونظریات کی حفاظت کو اجتماعی فریضہ تصور کرتی ہے۔ مگر جب سے مسلمانوں کا اجتماعی شیرازہ بکھرا ہے۔ ان کے ملّی عقائد ونظریات بازیچہ اطفال بن کر رہ گئے ہیں۔ خصوصاً ہندوستان میں تو العیاذ باللہ! جو ان کی گت بنی، خون کے آنسو رلاتی ہے۔ مگر شکایت کی جائے تو کس کی اور شکوہ کیا جائے تو کس کا:

چوں گل شد وگلستان شد خراب بوئے گل از کہ جویم از شراب

پوری قوم حرص وآز کے ہاتھوں میں بری طرح گرفتار ہے۔ بڑا ہو کہ چھوٹا، تاجر ہو کہ ملازم، امیر ہو کہ غریب، سب مایا دیوی کی طرف دیوانہ وار دوڑ رہے ہیں۔ اس کے لئے ہنگامے ہیں، دھکم دھکلائے، ریل پیل ہے۔ کہتر ومہتر اسی میں ڈوب رہے ہیں تو ایسی سراسیمگی میں ان سے کسی بھی ملکی وملی خدمت یا حفاظت کی کیا توقع ہوسکتی ہے؟

ملک وملت کا جس طرح سے کوئی چاہئے مثلہ کرلے۔

بعد میں دوسرے تیسرے دن کی خبر ہے کہ ’’مسیح موعود‘‘ صاحب کو سینٹرل ٹیلیگراف آفس (لاہور) سے حکومت نے گرفتار کرلیا ہے۔ وہ شہزادی مارگریٹ سے ٹیلی فون پر بات چیت کرنا چاہتے تھے۔ (الصدیق ج۸ ش۱۲ص۶ تا۸، ذی الحجہ ۱۳۷۷ھ جون وجولائی ۱۹۵۸ء)

(۱۱۳) تعارف (القادیانی والقادیانیۃ اور قادیانیت)

اس ماہ کے شذرات کے صفحات ایک اہم کتاب کے تنقید وتبصرہ کے لئے وقف کئے جارہے ہیں۔ قارئین ’’الصدیق‘‘ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی سلمہ اللہ تعالیٰ کی گرامی قدر شخصیت سے ناواقف نہیں ہیں۔ آپ ہندوستان کے مشہور دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنو کے ناظم اور متعدد کتابوں کے مصنف اور ہندوستان کے عربی رسالہ ’’البعث الاسلامی‘‘ کے مدیر

شہیر ہیں۔ آپ نے عربی و اسلامی ممالک کا تبلیغی سلسلہ میں کئی بار دورہ بھی کیا ہے اور وہاں کے اجتماعات میں اور ریڈیو پر اہم تقریریں بھی کرتے رہے۔ حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کی قائم کردہ تبلیغی جماعت سے خصوصی تعلق ہے۔ انہوں نے حضرت الشیخ مولانا عبدالقادر رائے پوری کے فرمان پر عربی زبان میں ایک کتاب لکھی جس کا نام تھا ''القادیانی والقادیانیہ'' جو شائع ہو چکی ہے اور عربی ممالک تک بھی پہنچ چکی ہے۔ جہاں اس کی انتہائی ضرورت محسوس کی جارہی تھی (اگرچہ تاحال راقم الحروف کی نظر سے نہیں گزری) پھر حضرت الشیخ ہی کے اشارے سے اسی کتاب کا اردو ایڈیشن شائع فرمایا۔ جو ''قادیانیت'' کے نام سے ہمارے پیش نظر ہے اور جس پر اس وقت تبصرہ مقصود ہے۔ کتاب کی کتابت لاہور کے مشہور خوش قلم حضرت مولانا سید انور حسین صاحب نفیس رقم نے فرمائی ہے۔ اس واسطے اس میں کتابت کی ایسی غلطیاں مفقود ہیں جو عام طور پر کاتب حضرات کا شیوۂ پارینہ بنی ہوئی ہیں۔ طباعت اشرف پریس لاہور میں ہوئی اور ناشر مکتبۂ دینیات ۱۳۴ شاہ عالم مارکیٹ لاہور ہے۔ قیمت چار روپے ہے جو کتابت کی خوبیوں مضبوط جلد خوشنما گرد پوش اور ۲۲۸ صفحات کے مقابلہ میں کم دکھائی دیتی ہے۔

(۱۱۴) تاریخی جائزہ

مولانا ابوالحسن علی کا مزاج چونکہ مؤرخانہ ہے۔ اس لئے انہوں نے قادیانی تحریک کا مطالعہ بھی ایک مؤرخ کی حیثیت سے کیا ہے اور نہایت غیر جانبدارانہ طور پر تحریک کے ماحول، محرکات اور شخصیات کا جائزہ لیا گیا ہے۔ کتاب کے چار باب ہیں۔ پہلے باب میں تحریک کے زمانہ، ماحول اور بنیادی شخصیتوں کا تعارف کرایا گیا ہے اور اس سلسلہ میں صرف مرزا غلام احمد اور حکیم نورالدین کے تذکرہ پر اکتفا کیا گیا۔ اس سلسلے میں مرزا محمود موجودہ خلیفہ، خواجہ کمال الدین اور مولوی محمد علی اور اس عرب کا ذکر بھی ہمارے نزدیک بہت ضروری تھا جو مدتوں مرزا قادیانی کے ہاں مقیم رہا اور جس کے اردگرد مرزا قادیانی کی عربیت کی روایات گھومتی ہیں۔ مرزا محمود اگرچہ تحریک کے مؤسسین میں سے نہیں۔ مگر تحریک کو بام عروج تک پہنچانے میں جتنا کام ان کی شخصیت نے کیا ہے اتنا شاید خود مرزا غلام احمد نے بھی نہیں کیا۔ اس لئے بنیادی شخصیتوں میں ان کا تذکرہ بہت ضروری تھا۔ دوسرے باب میں

تحریک کے تدریجی ارتقاء اور مرزا قادیانی کے دعاوی کی ترتیب کا جائزہ لیا گیا ہے۔ تیسرے باب میں مرزا قادیانی کی سیرت وزندگی پر ایک نظر کی گئی ہے۔ یہ بات بھی بہت کچھ تشنہ تکمیل ہے۔ کیونکہ اس میں مرزا قادیانی کی اخلاقی حیثیت کا جائزہ لیا ہی نہیں گیا۔ حالانکہ ایک مؤرخ کا فرض تھا کہ وہ درشت کلامی اور دشنام طرازی سے آگے قدم بڑھا کر ایک مدعی کے ہرقسم کے اخلاق کو محک تنقید پر رکھے اور اگر مولانا تھوڑی سی بھی توجہ فرماتے تو انہیں ان ہی مآخذ میں سے جن کا انہوں نے مطالعہ فرمایا ہے۔ مرزا قادیانی کے اخلاق کے متعلق ایسی روایات مل سکتی تھی جن پر وہ اعتماد فرما سکتے تھے۔ چوتھے باب میں تحریک قادیانیت کا تنقیدی جائزہ لیا گیا ہے اور یہ کتاب کی جان ہے۔ خصوصاً تحریک کی لاہوری شاخ کے کام پر جس حیثیت سے نظر کی گئی ہے۔ وہ عام قادیانیت کی تردیدی کتب میں نہیں پائی جاتی۔ یہ ہے کتاب کا اجمالی خاکہ۔ تفصیل کے لئے خود کتاب کا مطالعہ فرمائیے اور اگر قادیانی حضرات کے ساتھ آپ کے کچھ تعلقات ہوں تو انہیں کم از کم ایک بار اس کا مطالعہ ضرور کرائیے۔

(۱۱۵)ایک اہم مشورہ

کتاب کے دلچسپ اقتباسات میں ایک اہم اقتباس ملاحظہ فرمائیے۔ کتاب میں اس اہم اقتباس کا ذیلی عنوان ہے: ’’اہم مشورہ‘‘

۱۸۹۱ءعیسوی تقویم کا وہ سال ہے جو مرزا (قادیانی) کی زندگی اور قادیانیت کی تاریخ میں ہمیشہ یادگار رہے گا۔ اسی سال کے آغاز میں حکیم صاحب نے ایک خط میں مرزا (قادیانی) کو مشورہ دیا کہ وہ مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کریں۔ ہم کو حکیم صاحب کا اصل خط تو نہیں مل سکا۔ لیکن مرزا قادیانی نے اس خط کا جو جواب دیا ہے اس میں حکیم صاحب کے اس مشورہ کا حوالہ ہے۔ یہ خط ان کے مجموعہ مکاتیب میں موجود ہے اور اس پر ۲۴ رجنوری ۱۸۹۱ء کی تاریخ درج ہے۔ اس سے اس تحریک کے فکری سرچشمہ کا اور اس کے اصل مجوز ومصنف کا علم ہوتا ہے۔ مرزا (قادیانی) کے اس تاریخی خط کا اقتباس یہاں نقل کیا جاتا ہے۔

’’جو کچھ آں مخدوم نے تحریر فرمایا ہے کہ اگر دمشقی حدیث کے مصداق کو علیحدہ چھوڑ کر الگ مسیح کا دعویٰ ظاہر کیا جائے تو اس میں حرج کیا ہے؟ درحقیقت اس عاجز کو مثیل مسیح بننے کی کچھ حاجت نہیں، یہ بننا چاہتا ہے کہ خداتعالیٰ اپنے عاجز اور مطیع بندوں میں داخل

کرلیوے لیکن ہم ابتلاء سے کسی طرح بھاگ نہیں سکتے۔ خدا تعالیٰ نے ترقیات کا ذریعہ صرف ابتلاء ہی رکھا ہے۔ جیسا کہ وہ فرماتے ہیں: ''احسب الناس ان یترکوا ان یقولوا اٰمنا وھم لا یفتنون'' (مکتوبات احمد ج۲ ص۹۸، ۹۹، مکتوب نمبر۶۳ طبع جدید)

اس مشورہ کے حقیقی اسباب ومحرکات کیا تھے؟ کیا یہ حکیم صاحب کی دور بینی اور دور اندیشی اور حوصلہ مند طبیعت ہی کا نتیجہ تھا یا یہ حکومت وقت کے اشارے سے تھا جس کو ماضی قریب میں حضرت سید احمد صاحبؒ کی دینی وروحانی شخصیت اوران کی تحریک ودعوت سے بڑا نقصان پہنچ چکا تھا اور اسی دور مہدی سوڈانی کے دعوے مہدویت سے سوڈان میں ایک زبردست شورش اور بغاوت پیدا ہوچکی تھی۔ اس سب کے توڑ اور آئندہ کے خطرات کے سدباب کے لئے یہی صورت مناسب تھی کہ کوئی قابل اعتماد شخصیت جس نے مسلمانوں میں اپنی دینی خدمات اور جوش مذہبی سے اثر ورسوخ پیدا کرلیا ہو۔ مسیح موعود کے دعوے اور اعلان کے ساتھ کھڑی ہواور وہ مسلمان جو ایک عرصہ سے مسیح موعود کے منتظر ہیں۔ اس کے گرد جمع ہوجائیں۔ ہم وثوق کے ساتھ ان میں سے کسی ایک چیز کی تعیین نہیں کرسکتے اور نہ اسباب ومحرکات کا پتہ لگانا آسان ہے۔ لیکن اس خط سے اتنا ضرور ثابت ہوتا ہے کہ اس تحریک کا آغاز کس طرح ہوتا ہے۔

یہاں یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ انبیاء ومرسلین کا معاملہ ان خارجی تحریکات ومشوروں اور رہنماؤں سے بالکل الگ ہے اوران پر آسمان سے وحی نازل ہوتی ہے اوران کوان کے منصب ومقام کی قطعی اور واضح طریقہ پر خبر دی جاتی ہے۔ وہ اس یقین سے سرشار ہوتے ہیں اور پہلے دن سے اس کا اعلان اور اس پر اصرار کرتے ہیں۔ ان کے عقیدہ اور دعوت کا سلسلہ کسی تجویز یا رہنمائی کا رہین منت نہیں ہوتا۔ ان کا پہلے دن سے یہ کہنا ہوتا ہے: ''وبذالک امرت وانا اوّل المسلمین'' مجھے اسی کا حکم ہوا ہے اور میں پہلا فرمانبردار ہوں۔ ''وبذالک امرت وانا اوّل المؤمنین'' مجھے اسی کا حکم ہے اور میں اس پر پہلا یقین کرنے والا ہوں۔

(۱۱۶) نزول مسیح کا عقیدہ

اس عنوان کے ماتحت کتاب میں جو بحث کی گئی ہے وہ تو کتاب میں ملاحظہ فرمائی

جائے۔ البتہ اس سلسلہ میں حاشیہ میں کچھ اہم معلومات جمع کی گئی ہیں۔ وہ ملاحظہ فرمائیں:
''حضرت مسیح علیہ السلام کے آسمان پر جانے اور دوبارہ اترنے کا عقیدہ مسلمانوں کے ان عقائد میں سے ہے جن پر قرآن بھی دلالت کرتا ہے اور جو متواتر احادیث وآثار سے ثابت ہیں اور جو مسلمانوں میں بلاکسی انقطاع کے تسلسل کے ساتھ چلا آرہا ہے۔ حافظ ابن کثیر نے اس کی تصریح کی ہے کہ نزول مسیح کی احادیث درجہ تواتر کو پہنچ چکی ہیں۔ حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں ابوالحسین آبریؒ سے تواتر کا قول نقل کیا ہے۔ علامہ شوکانیؒ کا ایک مستقل رسالہ اس موضوع پر ''**التوضیح فی تواتر ما جاء فی المنتظر والدجال المسیح**'' کے نام سے ہے۔ جہاں تک نقل کا تعلق ہے کسی قابل اعتماد شخصیت سے اس کے خلاف منقول نہیں۔ معتزلہ کی طرف بھی اس کی نسبت صحیح نہیں۔ علامہ ابن حزمؒ نے اپنی شہرہ آفاق کتاب ''**الفصل فی الملل والنحل**'' میں صاف لکھ دیا ہے کہ عقیدہ نزول تواتر سے ثابت ہے۔ ان نقول وتفصیلات کے لئے مولانا انور شاہ صاحبؒ کی جلیل القدر تصنیف ''عقیدۃ الاسلام'' ملاحظہ کی جائے۔ جہاں تک مسئلہ کے عقلی پہلو کا تعلق ہے تو واقعہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کو محیط اور اللہ کی صفات وافعال کو کامل ماننے کے بعد کسی ایسی چیز کے امکان ووقوع میں شک وشبہ کی گنجائش نہیں۔ جو نقل صحیح اور تواتر سے ثابت ہو۔ خصوصیت کے ساتھ طبعیات وعلوم طبعیہ کی جدید ترقیات وفتوحات کے بعد اور ان واقعات کے لئے درپے وقوع کے بعد جو علم واکتشافات کی اس ترقی سے پہلے عقلی طور پر محال وناممکن الوقوع سمجھے جاتے تھے اور ایسے زمانہ میں جب مصنوعی چاند قلیل سے قلیل وقت میں دنیا کے گرد چکر لگا لیتے ہیں اور انسان چاند تک پہنچنے اور خلاؤں اور فضائے بسیط میں سفر کی کشش کررہا ہے۔ فاطر کائنات کے حکم وارادہ سے کسی ہستی کا زمین سے اوپر جانا اور طویل مدت تک رہنا کیا ناممکن اور مستبعد ہے۔ اس میں ان عقلی اشکالات کو پیش کرنا جو یونانی فلسفہ کی قدیم ہیئت کے خیالی مفروضات اور نظری قیاسات پر مبنی ہیں۔ ایک ایسی طفلانہ ذہنیت ہے جس کی اس ترقی یافتہ زمانہ میں گنجائش نہیں۔

اس پر ہم صرف اتنا اضافہ کرسکتے ہیں کہ حضرت الاستاذ شیخ العالم مولانا سید محمد انور شاہ صاحب کشمیری قدس سرہ العزیز نے عقیدۃ الاسلام کے علاوہ ایک رسالہ ''التصریح بما تواتر فی نزول المسیح'' بھی لکھا ہے جو غالباً مولانا ابوالحسن کی نظر سے نہیں گزرا۔ ورنہ اس سلسلہ میں وہ اس رسالہ کے ذکر کو نظر انداز نہ فرماتے۔

(۱۱۷) اسلوب تحریر

مرزا قادیانی کی کچھ تصنیفات پر تنقید کرتے ہوئے جناب مصنف تحریر فرماتے ہیں:

ان تینوں تصنیفات میں مرزا قادیانی کی طبیعت کا جوش بہت بڑھ گیا ہے اور ان کی تحریر میں طنز وتعریض کا ایک ایسا عنصر اور ایسی تلخی آ گئی ہے جس کی وجہ سے یہ کتابیں سنجیدہ بحث ونظر کی کتابوں اور اصلاحی ودعوتی تصنیفات کے بجائے ہجو وطنز کی کتابوں میں شامل ہوجاتی ہیں۔ ان کتابوں میں مرزا قادیانی نے جو اسلوب تحریر اختیار کیا ہے وہ پیغمبروں سے قطع نظر اور مصلحین ومجددین کو بھی چھوڑ کر متین وسنجیدہ مصنّفین اور باوقار اہل قلم سے بھی کوئی مناسبت نہیں رکھتا۔ انہوں نے حیات ونزول مسیح کے عقیدہ کا اور اس کے ماننے والوں کا جس انداز میں مذاق اڑایا ہے۔ وہ ایک علمی بزم سے زیادہ امراء کے درباریوں اور مصاحبوں کی فقرہ بازیوں سے مشابہ ہے۔ نیز ان کے اندر جو مجادلانہ روح اور وکیلانہ موشگافیاں ہیں۔ ان کو کلام نبوت اور مزاج نبوت سے کوئی مناسبت نہیں۔

حضرت مسیح کے آسمان پر اس وقت تک زندہ رہنے کو عقلاً محال ثابت کرتے ہوئے اور اس میں عقلی اشکالات بتلاتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں: ''ازاں جملہ ایک یہ اعتراض کہ اگر ہم فرض محال کے طور پر قبول کرلیں کہ حضرت مسیح اپنے جسم خاکی کے سمیت آسمان پر پہنچ گئے تو اس بات کے اقرار سے ہمیں چارہ نہیں کہ وہ جسم جیسا کہ تمام حیوانی وانسانی اجسام کے لئے ضروری ہے۔ آسمان پر بھی تاثیر زمانہ سے ضرور متاثر ہوگا اور یہ مرور زمانہ لابدی ولازمی طور پر ایک دن ضرور اس کے لئے موت واجب ہوگی۔ پس اس صورت حال میں تو حضرت مسیح کی نسبت یہ ماننا پڑتا ہے کہ اپنی عمر کا دورہ پورا کر کے آسمان ہی پر فوت ہوگئے ہیں۔''

اور اس پر حاشیہ میں رائے زنی کرتے ہوئے تحریر فرمایا:

مرزا قادیانی کے زمانہ میں علوم طبیعیہ نے اتنی ترقی نہیں کی تھی اور دوسرے سیاروں اور خلاؤں کے متعلق ایسے تجربات نہیں ہوئے تھے کہ ان کو یہ معلوم ہوتا کہ زمان ومکان (Time shace) کے زمینی قوانین اور پیمانے دوسرے سیاروں اور خلاؤں میں نافذ نہیں اور وہاں وقت کا تصور اور اس کا پیمانہ یہاں کے تصور اور پیمانہ سے بالکل مختلف

ہے۔ یہاں کے ایک ہزار سال وہاں کی ایک ساعت کے برابر ہو سکتے ہیں تو اسی طرح سے تغیر وفنا اور احساسات وضروریات میں دونوں عالم بہت مختلف ہیں۔ انسان کی یہ قدیم کمزوری ہے کہ وہ اپنے معلومات اور تجربات اور اپنے زمانہ کے مشہورات ومسلمات پر جوضرورت سے زائد اعتماد کرتا ہے اور ان کی بناء پر بہت سے حقائق کا جو ابھی اس کے علم وتجربہ میں نہیں آتے۔ شدومد سے انکار کرنے لگتا ہے۔ ''**بل كذبوا بما لم يحيطوا بعلمه ولما يأتهم تاويله** (یونس)'' بات یہ ہے کہ جھٹلانے لگے جس کے سمجھنے پر انہوں نے قابو نہ پایا اور ابھی آئی نہیں اس کی حقیقت۔

کتاب اسی طرح کے مضامین اور تنقیدات عالیہ سے پر ہے فاضل مصنف کو خداتعالیٰ جزائے خیر عطاء فرمائے کہ انہوں نے ایک بلند مقصد کی خاطر اپنی طبیعت پر جبر کر کے ایسے لٹریچر کا مطالعہ کیا جس کا پڑھنا ان کے ذوق سلیم پر ایک بھاری بوجھ تھا۔ ہر مسلمان کو یہ کتاب خریدنی اور پڑھنی چاہئے اور لائبریری میں اس کتاب کا ہونا ہمارے نزدیک بہت ہی ضروری ہے۔ (الصدیق ج۱۰ ش۷ ص۳ تا۸، رجب ۱۳۷۹ھ جنوری ۱۹۶۰ء)

(۱۱۸) ایک مرزائی کا خط

چند دنوں کی بات ہے کہ ایک مرزائی نے ادارہ الصدیق کی طرف خط لکھا ہے جس میں اس نے علماء پر بدگوئی کرتے ہوئے تحریر کیا ہے کہ میرا ایمان ہے کہ رسالہ الصدیق میں آپ نے ایمان کے ڈاکو کے زیر عنوان فرقہ احمدیہ کے پیشواء پر جو کچھ اظہار خیال کیا ہے وغیرہ وغیرہ پھر گالیاں شروع کر دی ہیں اور پھر یہ لکھا ہے کہ اگر میری فوجی ملازمت مانع نہ ہوتی تو میں اپنا ایڈریس لکھنے میں پس وپیش نہ کرتا۔ الخ!

(الصدیق ج۱۳ ش۱ ص۲، محرم ۱۳۸۲ھ، جون ۱۹۶۲ء)

(۱۱۹) پاکستان کی خارجہ پالیسی

آج کل اخبارات میں پاکستان کی خارجہ پالیسی موضوع بحث بنی ہوئی ہے۔ ماضی میں جو کچھ ہوا، اس پر بحث کرنا اگر اس مقصد کے لئے ہو کہ آئندہ ہم احتیاط کو ملحوظ رکھیں تو یہ مفید ہے ورنہ تضیع اوقات۔

سابق وزیر خارجہ چوہدری ظفراللہ صاحب رہے ہیں۔ جن کے متعلق مؤثق روایت یہ ہے کہ برٹش گورنمنٹ نے پاکستان کے قیام کے وقت اپنے خاص اختیارات سے چوہدری صاحب کو اس عہدے پر متمکن کیا تھا۔ چوہدری صاحب بیک وقت سر بھی تھے اور قادیانی بھی۔ ان کو پاکستان جس کے باشندوں کی اکثریت محمد رسول اللہ ﷺ کی ختم نبوت پر ایمان رکھتی ہے کے ساتھ کیا ہمدردی ہوسکتی ہے۔ جب کہ وہ اس عقیدہ کے بنیادی طور پر مخالف ہیں۔ لہٰذا انہوں نے ملکی وملی مفاد کی بجائے بیرونی دنیا میں مرزائیت کی تبلیغ کے فرائض انجام دیئے۔ وہ حکومت پاکستان کے اتنے مسئول نہ تھے جتنا کہ اپنے آپ کو مرزابشیرالدین امیر جماعت قادیانیہ ربوہ کا جواب دہ سمجھتے تھے۔ بہرحال انہوں نے انگریزوں کے لئے...... فرائض انجام دیئے۔

واضح رہے کہ اسلام میں کسی کافر کو کلیدی عہدے پر فائز کرنا اسی لئے ناجائز ہے۔ جماعت قادیانیہ تمام عالم اسلامی کے مسلمانوں جو مرزا کی نبوت پر یقین نہیں رکھتے۔ ولدالزنا اور کافر قرار دیتے ہیں۔ مگر درحقیقت یہ پوری امت خود ہی کافر ہے۔ اب پارلیمنٹ میں اراکین اسمبلی نے خارجہ پالیسی کی ناکامی حکومت امریکہ وبرطانیہ کی منافقت اور بھارت نوازی اور ہندوستان کی ہٹ دھرمی دفاعی معاہدوں کی ناکامی پر شدید ترین تنقید کی ہے اور مطالبہ کیا ہے کہ پاکستان ان بدنام معاہدوں سے علیحدہ ہوجائے۔ بظاہر حالات ایسا ہونا فوری طور پر مشکل نظر آتا ہے۔ مگر تھوڑی محنت کرنے سے یہ مشکل حل ہوسکتی ہے۔

اب ان باتوں کی ضرورت ہے:

۱...... نئے وزیر خارجہ امید ہے کہ نماز کے پابند تو ہوں گے۔ اس معاملہ میں ذرا اور ترقی فرماویں جماعت کا اہتمام فرماویں اور نماز کے اندر وزن اور قوت پیدا کریں۔

۲...... اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ پر یقین اور اعتماد کرتے ہوئے:

الف: مسلم ممالک سے تعلقات اسلام کی بنیاد پر استوار فرماویں۔

ب: پاکستان کے قریبی ممالک سے اچھے تعلقات قائم کئے جائیں۔

ج: دنیا بھر کے اشتراکی ومغربی ممالک سے اچھے تعلقات قائم کئے جائیں اور ان ممالک میں ایسا معتدل رویہ قائم رکھا جائے کہ ہر ملک پاکستان کے ساتھ دوستی رکھنے پر فخر محسوس کرے۔

د: اسلامی اخلاق عالیہ کا نمونہ پیش کیا جائے اور ہر قسم کی فحاشی کو ملک کے اندر آنے سے روکا جائے۔

ہ: پارلیمنٹ کے اندر ایک کمیٹی بنادی جائے جو کہ خارجہ پالیسی کو طے کرے اور اس کے متعلق وقتاً فوقتاً رپورٹ شائع کرتی رہے۔ (الصدیق ج۱۳ ش۲ ص۵،۶، صفر۱۳۸۲ھ جولائی ۱۹۶۲ء)

(۱۲۰) جدید علم کلام کا اعجوبہ زا نمونہ قادیانی مذہب میں خدا کا تصور

مرزائی اٹھتے بیٹھتے سوتے جاگتے یہ دعویٰ کیا کرتے ہیں کہ مرزا قادیانی تجدد دین کے لئے منصب امامت ونبوت پر فائز ہوئے اور انہوں نے تیرہ سو سال کے غلط تصورات کو اپنے جدید علم کلام کے ذریعہ (جو انہیں الہاماً عطاء فرمایا گیا) مٹانے کی کامیاب کوشش فرمائی اور یہی ان کے تشریف ارزانی فرمانے کا مقصد تھا۔

ہر مذہب میں جملہ اعتقادات ویقینیات سے پہلے خدا کے وجود کا اقرار ضروری ہے اور ہر ایک مذہب کے پیروؤں کے ہاں خدا اور اس کی صفات کاملہ کا کچھ نہ کچھ تصور موجود ہے۔ مسلمانوں کے ہاں تیرہ سو سال سے اب تک خدا کو واجب الوجود، خالق عالم، مسبب الاسباب، عالم ماکان ومایکون، قادر مطلق، جملہ عیوب سے منزّہ اور جملہ صفات حسنہ سے متصف مانا جاتا ہے۔ آج سے تیرہ سو سال پہلے بھی مسلمانوں کا یہی عقیدہ تھا اور آج بھی مسلمان یہی عقیدہ رکھتے ہیں۔ مگر مرزا قادیانی جدید علم کلام لے کر جب تشریف لائے تو انہوں نے اس بنیادی عقیدہ کے متعلق سب سے پہلے یہ رائے ظاہر فرمائی: ''اس وجود اعظم کے بے شمار ہاتھ پیر ہیں...... طول اور عرض رکھتا ہے اور تیندوے کی طرح اس کی تاریں ہیں۔'' (توضیح المرام ص۷۵، خزائن ج۳ ص۹۰)

اس کے بعد جب اسے تجسّم سے متصف کردیا گیا تو یقینی بات ہے کہ آمدورفت کی سہولت کے لئے اس کے پاس کوئی سواری بھی ہو۔

چنانچہ ارشاد ہوا: ''خداتعالیٰ اپنی تجلی پاک کے ساتھ اس پر سوار ہو۔ جیسے کوئی اونٹ پر سوار ہوتا ہے۔'' (توضیح المرام ص۶۵، خزائن ج۳ ص۸۴)

''سواری'' کے بعد اللہ میاں کیا کرتے ہیں؟ یہ ایک فطری سوال ہے جو مرزا قادیانی کی فصیح وبلیغ عبارت پڑھ کر ہر شخص کے دل میں پیدا ہوتا ہے۔ سو اس کے لئے ایک

مرزائی وکیل کا بیان تو یہ ہے کہ: ’’طاقت رجولیت کا اظہار فرماتے ہیں۔‘‘ (اسلامی قربانی ص۱۲)

مگر خود مرزا قادیانی اشارات وکنایات تک اس دلچسپ حکایت کو محدود فرما کر صرف اتنا فرما گئے ہیں: ’’خدا بے پردہ ہوکر...... ٹھٹھا کر رہا ہے۔‘‘

(ضرورۃ الامام ص۱۳، خزائن ج۱۳ص۴۸۳)

اگر آپ کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ آخر خدا جب مجسّم ہے تو کاہے کا بنا ہوا ہے۔ انسان کی طرح اربع عناصر سے اس کی ترکیب ہے یا کوئی بڑھیا دھات اس کے وجود مسعود میں لگائی گئی تو اس کے جواب میں جدید علم کلام نے صرف اتنا فرمایا: ’’ربنا العاج‘‘ ہمارا رب عاج ہے۔ اب ’’عاج‘‘ کی لغوی تحقیق آپ خود ہی فرمائیں۔ عام تحقیق پر اعتبار ہو تو اس کے معنی ’’ہاتھی دانت‘‘ کے کرلیجئے اور اگر زیادہ دقت نظر کا اشتیاق ہو تو شاید اس کے معنی ’’گوبر‘‘ کے بھی نکل آئیں۔ غرض اس میں آپ کو جدید علم کلام کسی خصوصی تصور پر مجبور نہیں کرتا۔ یہ معاملہ آپ کے عقل ونظر پر موقوف چھوڑا گیا ہے۔

اس کے بعد خدا تعالیٰ کی صفات کا معاملہ آتا ہے تو ان کے تصور کے لئے فی الحال میرے سامنے صرف دو حوالے ہیں۔ ایک تو یہ ہے کہ خدا کو کسی انگریزی عدالت کا حاکم تصور فرمایئے۔ جو کوٹ پتلون، ڈانٹے گردن اکڑائے، کرسی پر نیم دراز ہے۔ مقدمے کے واقعات تو کیا مدعی اور مدعا علیہ کی زبان تک سے ناواقف ہے۔ مثل خوان کان پر قلم دھرے میز کے ساتھ موجود ہے اور اپنی مرضی کے موافق حکم لکھ کر ’’صاحب‘‘ سے صرف دستخط لے لیتا ہے۔ اس تصور میں مرزا قادیانی اپنی حیثیت اس مثل خوان کی سی بتلاتے ہیں اور اپنی مرضی کے موافق دنیا کے نیک وبد کے متعلق احکام لکھ کر خدا سے دستخط کرالیتے ہیں۔ اس تصور میں ایک عجیب بات یہ بھی ہے کہ دستخط کرنے کے وقت خدا ایک نوآموز پٹواری کی طرح اپنے اردگرد روشنائی کا چھڑکاؤ بھی ضروری خیال فرماتے ہیں تاکہ: ’’خدا کی بات پوری ہوکر‘‘ سند رہے اور وقت ضرور بغیر ہرا اور پھٹکڑی لگائے رنگ چوکھا دینے کے کام آئے۔

دوسرا حوالہ یہ ہے کہ خدا کو ایک کم حوصلہ سردار تصور کیجئے جس کے ماتحت سے راستے میں کسی راہی کی مڈبھیڑ ہوگئی ہو۔ اگرچہ نوکر، چاکر، سپاہی اور شاگرد پیشہ سب موجود ہیں۔ مگر سردار خود سواری سے اتر کر اس راہ گیر کے ساتھ ہاتھا پائی کرنے لگ جاتا ہے اور اس میں اپنے مرتبہ اور وجاہت کا خیال بھی نہیں کرتا۔

ملاحظہ ہو: ’’اور لیکھرام کے متعلق جو پیش گوئی ظہور میں آئی وہ درحقیقت خدا کی ایک چمکار تھی گویا خدا اپنے رسول کے لئے خود اتر کر لڑا۔‘‘ (نزول المسیح ص۱۴۴، خزائن ج۱۸ ص۵۲۲)

ان تصورات کے ساتھ ساتھ مرزا قادیانی کے ایک صحابی پیر سراج الحق صاحب کے بیان کو اور ملا لیجئے۔ وہ فرماتے ہیں: ’’حضرت اقدس (مرزا قادیانی) نے ایک خواب دیکھا کہ میں قادیان شریف سے مشرق کی طرف زمین و آسمان کے درمیان کھڑا ہوں اور میرا منہ مغرب کی طرف ہے اور میرے دس بارہ قدم کے فاصلہ پر اللہ جلشانہ کھڑے ہیں، پنجابی روش کے کپڑے ہیں اور قوی پہلوان مضبوط بھاری جسم ہے اور آپ کا منہ قادیان کی طرف ہے۔ لیکن آپ مجھ سے کچھ اوپر کی طرف ہیں اور میرے دائیں لیکن نیچے کی طرف پانچ سات قدم کے فاصلہ پر مولانا نورالدین وغیرہ ہیں اور مولوی محمد احسن اور مولوی محمد علی ایم اے بہت دور کھڑے ہیں اور بہت نیچی جگہ پر ہیں۔ مگر اللہ جل شانہ اس طرح کھڑے ہیں کہ جیسے کسی محبوب کے انتظار میں ہو اور جلد دوڑ کر اس کو چمٹ جاوے۔ میں خیال کرتا ہوں کہ دیکھئے کون محبوب الٰہی آتا ہے۔ اتنے میں حضرت مسیح موعود (مرزا قادیانی) دوڑتے ہوئے آئے اور جب میرے سامنے آئے تو اللہ جل شانہ چند قدم چل کر دوڑ کر لپٹ گئے اور حضرت مسیح موعود (مرزا قادیانی) اللہ جل شانہ کو چمٹ گئے۔‘‘ (الحکم قادیان مؤرخہ ۲۱؍اگست ۱۹۳۸ء ص۴)

اس کھلی ہوئی شہادت اور انتہائی وضاحت کے بعد جدید علم کلام کی بناء پر خدا کا تصور گاماں پہلوان کے تصور سے ملتا جلتا ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ گاماں خاک وخون سے بنا ہوا ہے اور خدا ہاتھی دانت کا ہے۔ گاماں کے دو ہاتھ اور دو پاؤں ہیں اور خدا کے بے شمار ہاتھ اور بیشمار پاؤں اور تیندوے کی طرح کی تاریں۔ ان کے علاوہ کبھی وہ کرسی پر بیٹھا دستخط کر رہا ہے، کبھی انسان پر سوار ہے، کبھی مرزا کے ساتھ مصروف ملاعبت ہے، کبھی راہ گیروں کے ساتھ لڑ رہا ہے اور کبھی دوڑ دوڑ کر مرزا قادیانی سے بغلگیری اور معانقہ کر رہا ہے۔ لاحول ولاقوۃ الّا باللہ. اللھم اعذنا من ھذہ الخرافات!

☆ ☆ ☆

انا خاتم النبیین لا نبی بعدی

میں آخری نبی ہوں، میرے بعد کوئی نبی نہیں۔

ماہنامہ "الصدیق" میں

ردقادیانیت

پر

مختلف علماء کرام واہل قلم کے مضامین

جمع وترتیب

مولانا عتیق الرحمٰن

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تفصیلی فہرست

(۱) دوسرے کیا کررہے ہیں؟			۵۰۱
دس ہزار ایکڑ زمین میں مرکز مرزائیت	۵۰۱	دوکروڑ روپیہ کاریزرو فنڈ	۵۰۱
قاعدہ یسرنا القرآن کے لئے مرزائیوں کا اشتہار اور ان کا اخلاق	۵۰۱	احراری قرآن چھوڑ کر بھاگ نکلے	۵۰۲
ہمارے ہاتھ میں مشعل قرآن ہے، احراریوں کے پاس کیا ہے	۵۰۲	میاں پردیس میں ہے اور مدت ہوگئی برسیں گزر گئیں	۵۰۲
(۲) مرزائی جماعت خطرناک قسم کا سیاسی گروہ ہے			۵۰۳
بائیکاٹ اور سزائیں	۵۰۴	خصوصی کاموں کے لئے صرف پنج سالہ اور نسلی احمدی مخصوص ہیں	۵۰۴
حکومت کے تمام محکموں میں گھس جانے کا حکم	۵۰۷	مرزائیوں کو ۱۵،۱۶؍جنوری تک ایک پلین اور واضح پروگرام پیش کرنے کا حکم	۵۰۹
۱۹۵۲ء مسلمانان پاکستان کے لئے سخت صبر آزما ہے	۵۱۰	۱۹۵۲ء اور فریضہ تبلیغ	۵۱۱
(۳) نظرات......صدر مسلم لیگ پنجاب کا بیان			۵۱۲
مرزائیوں کا دارالخلافہ	۵۱۴	سوالات	۵۱۵
مرزائی فوج	۵۱۶	سرکاری ملازمت کے پردہ میں تبلیغ مرزائیت	۵۱۷
(۴) ابوالتلبیس اور ننگ صحافت روزنامہ زمیندار اور نرے جانگلو			۵۲۱
اعلان حق ...... چند قادیانیوں کے دجل فریب کا انکشاف	۵۲۳	شائع کنندگان	۵۲۴
(۵) نظرات			۵۲۴
خدا شرے برانگیزد	۵۲۴	علامہ اقبال مرحوم کا مرزائیت کے خلاف عملی اقدام	۵۲۷
آستین کے سانپ	۵۲۸		

(۶) المراسلات			۵۲۹
مرزائی خاندان (حوالہ مرسلہ از حضرت مولانا قاضی احسان احمد شجاع آبادی)	۵۲۹		
(۷) منشی غلام احمد پرویز کے خیالات			۵۳۱
(۸) دوسرے کیا کہتے ہیں......خود ہی ثبوت فراہم کردیا			۵۳۱
(۹) مولانا ابوالکلام اور ''الفضل''			۵۳۳
(۱۰) مرزائیوں کے امام مرزامحمود کا ایک خواب			۵۳۳
(۱۱) مرزامحمود نے اپنا سرمایہ ہندوستان منتقل کرنا شروع کردیا			۵۳۴
حکومت مرزامحمود کے پاکستان دشمن عزائم پر خاص توجہ دے، مرزامحمود کے تازہ الہامات وبیانات کے خلاف سخت اقدام کیا جائے	۵۳۴		
(۱۲) بارگاہ قادیانیت سے نکالے ہوئے لوگو! تمہارے لئے بارگاہ محمدی کے دروازے کھلے ہوئے ہیں			۵۳۶
(۱۳) ختم نبوت			۵۳۸
دلیل اوّل	۵۴۰	خاتَم اور خاتِم کے معانی	۵۴۳
ایک شبہ کا ازالہ	۵۴۵	دلیل دوم	۵۴۶
(الف) حدیث اوّل	۵۴۷	(ب) حدیث دوم	۵۴۸
(ج) حدیث سوم	۵۴۹	(د) حدیث چہارم	۵۴۹
(ہ) حدیث پنجم	۵۵۰	دلیل سوم	۵۵۰
دلیل چہارم	۵۵۱	دلیل پنجم	۵۵۲
علامہ ابن کثیر کی تحقیق	۵۵۳	فائدہ	۵۵۳
(۱۴) مسلمانوں سے مرزاغلام احمد کا فریب			۵۵۷
(۱۵) سرظفراللہ کا مستقبل			۵۶۰
(۱۶) ختم نبوت			۵۶۱
(۱۷) ختم نبوت			۵۶۸

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

مولانا مفتی محمد عبداللہ ولد غلام محمد مرحوم ڈیرہ غازی خان بستی وڈور میں پیدا ہوئے۔ آٹھ جماعت تک سکول کی تعلیم وابتدائی صرف ونحو بستی ثمینہ میں حاصل کی۔ بعدازاں دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا۔ ۱۹۳۷ء، ۱۹۳۸ء میں دورہ حدیث کی سند حاصل کی۔ شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی، مولانا میاں اصغر حسین، مولانا مفتی محمد شفیع عثمانی اور مولانا اعزاز علی ایسے اساتذہ سے کسب فیض کیا۔ فراغت کے بعد تین چار سال مادر علمی دارالعلوم دیوبند میں اور مظاہر العلوم سہارن پور میں بھی کچھ وقت پڑھایا۔ پاکستان بننے کے بعد اپنے علاقہ ڈیرہ غازی خان میں کپڑے کی تجارت کی۔ بعد میں ملتان آئے اور مکتبہ مجیدیہ بیرون بوہڑ گیٹ کے نام سے مکتبہ قائم کیا۔ قاسم العلوم اور خیر المدارس ایسے جامعات میں ۳۲ سال تک انتہائی اسباق پڑھاتے رہے اور کبھی تنخواہ نہ لی۔ آپ نے تحریک ختم نبوت ۱۹۵۳ء میں عملاً بھرپور حصہ لیا اور گرفتار بھی ہوئے۔ آپ کے بھائی مولانا عبدالرحیم اور آپ نے مل کر ماہنامہ ’’الصدیق‘‘ رجب ۱۳۷۰ھ بمطابق اپریل ۱۹۵۱ء تا ذی الحجہ ۱۳۸۵ھ بمطابق اپریل ۱۹۶۶ء کل ۱۶ سال تک ملتان سے شائع کیا۔ جس میں عظمت صحابہ واہل بیت اور عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ کے مضامین شائع ہوتے رہے۔ ان مضامین میں سے عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ کے جملہ مضامین جو مولانا مفتی عبداللہؒ کے قلم سے یا دوسرے اخبار وجرائد سے انتخاب کر کے شائع کئے جاتے رہے۔ ان مضامین کو اکٹھا کر کے محاسبہ کی جلد ہذا میں شائع کرنے کی سعادت حاصل ہو رہی ہے۔ اللہ رب العزت قبول فرمائیں۔ (مرتب)

(۱) دوسرے کیا کر رہے ہیں؟

(مولانا ابوسعید مفتی محمد عبداللہ)

ذیل میں چند معلومات پیش کئے جاتے ہیں۔ خطیب حضرات جمعہ کی تقاریر میں لوگوں کو آگاہ فرماویں۔ (ادارہ)

دس ہزار ایکڑ زمین میں مرکز مرزائیت

’’دوست چونکہ بھول جاتے ہیں۔ اس لئے انہیں بار بار بتانا پڑتا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ تحریک جدید کے ریزور فنڈ قائم کرنے کی خاطر سندھ میں دس ہزار ایکڑ یعنی چار سو مربع زمین خریدی گئی ہے۔‘‘ (الفضل مؤرخہ ۲۰؍دسمبر ۱۹۵۱ء خطبہ جمعہ نمبر۴۴، از میاں بشیرالدین محمود)

دو کروڑ روپیہ کا ریزور فنڈ

(الف) ہم نے بھی اس زمین کی قسط وار قیمت ادا کی ہے۔ بعض جگہ سوا دو سو ۲۲۵ روپے فی ایکڑ بعض جگہ اڑھائی سو روپیہ فی ایکڑ بعض جگہ تین سو روپیہ فی ایکڑ اور بعض جگہ تین سو ساٹھ روپیہ فی ایکڑ۔ اس طرح ہماری اوسط قیمت فی ایکڑ اڑھائی سو روپیہ کے قریب پڑتی ہے اور یہ سارا سودا پچیس لاکھ روپیہ کا ہے۔ بلکہ ہمارا اندازہ یہ ہے کہ تیس لاکھ روپیہ کے قریب کا یہ سودا ہے۔ (حوالہ بالا)

(ب) اس وقت اس زمین کی اوسط قیمت تین سو روپیہ فی ایکڑ سمجھنی چاہئے۔ یہاں تو (ربوہ میں) فی ایکڑ ایک ہزار روپیہ سے دو ہزار روپیہ تک بھی قیمت ہے (یہ بھی ظاہر فرما دیتے کہ آپ کو ربوہ کی زمینیں کس بھاؤ پر انگریز گورنر دے گیا تھا؟) بلکہ اس سے بھی زیادہ قیمت مل جاتی ہے۔

اگر وہاں بھی کسی وقت یہی قیمت ہو جائے تو ایک ہزار روپیہ فی ایکڑ کے لحاظ سے ایک کروڑ اور دو ہزار روپیہ فی ایکڑ کے لحاظ سے دو کروڑ روپیہ کی وہ جائیداد بن جاتی ہے اور اس طرح تحریک جدید کا دو کروڑ روپیہ کا ریزور فنڈ قائم ہو جاتا ہے۔ (الفضل مؤرخہ ۲۰؍دسمبر ۱۹۵۱ء)

قاعدہ یسرنا القرآن کے لئے مرزائیوں کا اشتہار اور ان کا اخلاق

ذیل کے اشتہارات کے عنوانات ملاحظہ ہوں جو یسرنا القرآن کی اشاعت کے

لئے مرتب کئے ہیں اور الفضل میں شائع ہوئے۔ اس سے قادیانی اخلاق کی تصویر بھی سامنے آجائے گی۔

احراری قرآن چھوڑ کر بھاگ نکلے

احراری اپنی کانفرنسوں میں اپنے مخصوص عقائد (۱) دوہزار برس سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زندہ جسم خاکی کے ساتھ آسمان پر چڑھ جانے، (۲) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جگہ کسی مخالف کے صلیب دیئے جانے، (۳) مفتری علی اللہ کے قطع وتین سے بچ رہنے، (۴) آنحضرت ﷺ کی غلامی اور اطاعت میں بھی امتی نبوت سے خیرالامم کے محروم رہنے کو قرآن پاک سے نہ پیش کرسکے، نہ ثابت کرسکتے ہیں اور ''ان قومی اتخذوا ھذا القرآن مھجورا '' کے مصداق بن چکے ہیں۔ احمدی جماعت ہی قرآن پاک کوتمام دنیا میں پھیلانے کے لئے نامور ہوئی ہے۔ ہراحمدی قاعدہ یسرنا القرآن ربوہ سے منگوا کر پڑھے اور پڑھائے جوقرآن مجید ناظرہ پڑھنے کے لئے علمی دنیا میں حیرت انگیز کارنامہ ہے۔

ہمارے ہاتھ میں مشعل قرآن ہے، احراریوں کے پاس کیا ہے

گالیاں اور جھوٹے ناپاک گندے بہتان! وفات مسیح کی چالیس، صداقت مسیح موعود کی پچاس، امتی نبوت کی ساٹھ آیات ہمارے عقائد کی مؤید ہیں۔ احراری نہ اعتقاد قرآن پر ایمان رکھتے ہیں نہ عملاً۔ خود کانفرنس کرکے ''تنابز بالقاب '' کے مرتکب ہوتے ہیں۔ سیرۃ نبوی ﷺ کے جلسوں پر ''انّ اللہ لایحب الفساد '' کی خلاف ورزی کرتے ہیں۔ ہرمسلمان کوصحیح قرآنی تعلیم پر بنانے کے لئے قاعدہ یسرنا القرآن پڑھنے کی تلقین کرکے احراریت یا اسلام دشمنی کا قلع قمع کریں۔

میاں پردیس میں ہے اور مدت ہوگئی برسیں گزرگئیں

کہ گھر نہیں آیا۔ یہاں لڑکا پیدا ہوگیا۔ تب بھی وہ حرامی نہیں اسی شوہر کا ہے۔

یہ فتویٰ مولوی اشرف علی صاحب تھانوی کے بہشتی زیور حصہ چہارم ص۶۹ پر ہے۔ جنہیں اب مرنے کے بعد مطابق مشہور ضرب المثل ''پیراں نمے پرند، مریداں مے پرانند'' چودھویں صدی کا مجدد کہا جارہا ہے۔ حالانکہ مجدد کو بروئے حدیث اللہ تعالیٰ کھڑا کرتا ہے اور

مجددیت کا دعویٰ ضرور ہے۔ ایسے خلاف خدا ورسول خیالات کا قلع قمع کرنے کے لئے تعلیم قرآن کی سخت ضرورت ہے۔ قاعدہ یسرنا القرآن اس مقصد عظیم کے حصول کا پہلا کامیاب ذریعہ ہے۔

یہ تین اشتہار ہیں۔ الفضل کے۱۴، ۲۹، ۲۲/دسمبر (۱۹۵۱ء) کے پرچوں سے بطور نمونہ ہدیہ ناظرین کئے جارہے ہیں۔ ان سے اندازہ لگا سکتے ہیں کہ مرزائی حضرات تجارتی اشتہارات میں بھی دوسروں پر حملہ بہتان طرازی اور تبلیغ مرزائیت کرتے رہتے ہیں اوران کی ذہنیت ایسی ہوچکی ہے کہ اس قسم کے اشتہاروں کو مرزائی طبقہ بڑے شوق سے پڑھتا ہے اور پھرانہیں آرڈر دیتا ہے۔ (الصدیق ج۲ ش۴ ص۱۴، ۱۵، ربیع الثانی ۱۳۷۱ھ جنوری ۱۹۵۲ء)

(۲) مرزائی جماعت خطرناک قسم کا سیاسی گروہ ہے

(مفتی محمد عبداللہ)

الصدیق کی گزشتہ اشاعت میں ہم نے الفضل کے حوالہ جات سے ان جائیدادوں کا ذکر کیا تھا جو مرزائیوں کو سستے داموں عنایت ہوئیں۔ جن کا اظہار مرزائیوں کے امام نے الفضل ۲۰/دسمبر ۱۹۵۲ء کے خطبہ جمعہ نمبر۴۴ میں اظہار کیا تھا کہ سندھ کے اندر ہم نے ۴۰۰ مربع زمین تیس لاکھ روپیہ کی خرید کی ہے۔ پنجاب کی زمینوں کے نرخوں کے لحاظ سے بحساب دو ہزار روپیہ فی ایکڑ اس کی قیمت دو کروڑ روپیہ ہوتی ہے۔ لیکن ہمیں اس ساری زمین کی قیمت بحساب ۳۰۰ فی ایکڑ ادا کرنی پڑی۔

واضح رہے کہ مرزائیوں کے روپیہ میں بہت سا چندہ مسلمانوں کا بھی شامل ہے۔ جو تبلیغ اسلام کے نام سے عام مسلمانوں کو فریب اور دھوکہ دے کر وصول کیا جاتا ہے۔ چنانچہ الفضل ۱۳/جنوری ۱۹۵۲ء کے پرچہ میں چندہ امداد درویشان قادیان کے عنوان سے رقوم جمع کئے جارہے ہیں۔ اس میں سب سے پہلے ایک غیر احمدی (مسلمان) کا چندہ مبلغ پچاس روپیہ درج فہرست ہے۔ آج کی صحبت میں ہم مرزائیوں کی تبلیغ کی حقیقت واضح کرنا چاہتے ہیں کہ انہوں نے تبلیغ کے عنوان سے جو ڈھونگ رچایا ہوا ہے۔ اس کی اصلیت کیا ہے؟ اس سے مسلمانوں کو ان سازشوں اور سرگرمیوں کا علم بھی ہوجائے گا۔ جن کے ذریعہ سے مسلمانوں کے متاع ایمانی پر ڈاکہ ڈال کر پھران کی جیبوں کو بھی خالی کرا کے خسر الدنیا والآخرہ کا مصداق بنادیا جاتا ہے۔

بائیکاٹ اور سزائیں

۱...... موجودہ مرزا قادیانی آئے دن محکمانہ طور پر اپنی جماعت کے جس آدمی پر ناراض ہوتے ہیں۔ بائیکاٹ اور مقاطعہ کی سزاؤں کا اعلان کر دیتے ہیں۔ جو شخص بھی مرزا قادیانی پر تنقید کرے یا ان کی کسی حرکت پر لب کشائی کرے۔ وہ مستحق سزا اور خارجی سمجھا جاتا ہے۔ پھر جب تک وہ بیچارہ اپنی ضمیر کے خلاف مرزا قادیانی کی خوشامد نہ کرے اور گڑگڑا کر توبہ نہ کرے اسے معاف نہیں کیا جاتا۔ الفضل کے اندر آئے دن اس قسم کے اعلان شائع ہوتے رہتے ہیں۔ اندرونی حالات کا علم تو انہی لوگوں کو ہے جن پر بیت رہی ہے۔ ہم تو ان کے اعلانات ہی سے کچھ نقل کر رہے ہیں۔ جن کو وہ بہت ہی سوچ سمجھ کر شائع کرتے ہیں۔ (دیکھو الفضل ۱۱/جنوری ۱۹۵۲ء) (اعلان سزا مقاطعہ و بائیکاٹ برائے سید منظور احمد صاحب) (الفضل ۱۵/جنوری ۱۹۵۲ء) (اعلان سزا و بائیکاٹ و مقاطعہ برائے محمد شفیع صاحب) کیا آج تک کسی خالص مذہبی جماعت میں بھی اس قسم کے مقاطعے اور بائیکاٹ ہوئے ہیں؟

خصوصی کاموں کے لئے صرف پنج سالہ اور نسلی احمدی مخصوص ہیں

جو جماعتیں خالص مذہبی اور تبلیغی ہوتی ہیں ان میں خاص کاموں کے لئے خصوصی تقرر عمل میں نہیں لائے جاتے۔ سازشی گروہوں کا یہ کام ہوتا ہے کہ خصوصی کاموں کے لئے علیحدہ کارکن منتخب کئے جاتے ہیں۔ چنانچہ موجودہ مرزا میاں محمود صاحب نے اپنے جلسہ سالانہ کی خاطر ۵۰۰، ایسے رضا کار طلب کئے ہیں جو پرانے پانچ سالہ احمدی ہوں یا نسلی احمدی ہوں۔ پھر ان کی سفارش جماعت کا پریذیڈنٹ بھی کرے۔

ملاحظہ ہو الفضل ۲۰/دسمبر ۱۹۵۱ء ’’مگر شرط یہ ہوگی کہ کوئی احمدی خادم ایسا نہ ہو جو پانچ سال پہلے کا احمدی نہ ہو یا کسی احمدی کی نسل سے نہ ہو، اور پھر اس کی سفارش جماعت کا پریذیڈنٹ کرے اور لکھے کہ یہ شخص اعتماد کے قابل ہے اسے حفاظت کے کام پر لگایا جائے۔‘‘

۲...... باہر کی جماعتوں کو چاہئے کہ وہ فوری طور پر اپنے خدام کی تعداد سے دفتر مرکزیہ کو اطلاع دیں کیونکہ وقت بہت تھوڑا رہ گیا ہے۔ مگر آدمی وہی ہوں جو کم سے کم پانچ سالہ احمدی ہوں یا نسلی احمدی ہوں اور جن کے متعلق پریذیڈنٹ، سیکرٹری اور زعیم تینوں اس بات کی

تصدیق کریں کہ وہ ہر قسم کی قربانی اور محنت سے کام کریں گے اور کسی قسم کی غفلت، سستی یا غداری کا ارتکاب نہیں کریں گے۔ (الفضل مؤرخہ ۲۳؍دسمبر ۱۹۵۱ء)

تعجب کا مقام ہے کہ اعلان ایک ایسے جلسہ کا ہے جس کی نوعیت ان کے نزدیک تبلیغی اور مذہبی ہے۔ پھر وہ ایسے مقام پر ہو رہا ہے جہاں مرزائیوں نے اپنا ایک الگ شہر آباد کیا ہوا ہے۔ زمین، جائیدادیں، مکانات سب انگریز گورنر کے زمانہ میں انہوں نے خرید کر لی تھیں جو ان کو خوش قسمتی سے کوڑیوں کے بھاؤ مل گئی تھیں۔ پھر کام صرف اتنا ہے جلسہ کا انتظام۔ حفاظت اور نگرانی۔ اس کے لئے پانچ سالہ احمدی اور نسلی احمدی کی شرط کیوں؟ اپنی جماعت کے ہی آدمیوں پر بے اعتمادی کیوں؟ ان شرائط کو پڑھ کر بھی کوئی شخص باور کر سکتا ہے کہ یہ ایک مذہبی جماعت ہے جس کا کام صرف تبلیغ اسلام ہے۔ جس جماعت کے امام اور امیر کو اپنے آدمیوں کا اعتماد بھی حاصل نہیں۔ اس کو مذہبی جماعت تو بجائے خود صرف جماعت ہی نہیں کہا جا سکتا۔

واضح رہے کہ موجودہ مرزا صاحب نے اخبار ''الرحمت'' اور الفضل میں ایک سلسلہ مضامین شروع کر رکھا ہے جن سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ:

موجودہ مرزا بشیر الدین محمود اپنی خلافت کو نبوت کا تتمہ سمجھتے ہیں اور اسے کسی طرح چھوڑنے کے لئے تیار نہیں: مرزا محمود اپنی جماعت پر کچھ ایسے بری طرح مسلط ہو چکے ہیں کہ اب ان کی جماعت میں مرزا محمود کو خلافت سے معزول کر دیئے جانے کے مشورے ہونے لگے ہیں۔ مرزا محمود کی نوعیت اگر یہی ہے کہ ایک جماعت تبلیغ اسلام کر رہی ہے اور یہ اس کے امام و پیشواء ہیں پھر وہ ان کو معزول کر کے کسی اور صالح آدمی کو امام بنانا چاہتی ہے تو مرزا صاحب گھبراتے کیوں ہیں۔ جو کچھ الزامات ان پر عائد کئے جاتے ہیں۔ ان کو برسر منظر لا کر ان سے اپنی برأت اور صفائی کا اظہار کر دیں اور اپنے کریکٹر و دیانت پر مخالفوں کو نہ سہی تو کم از کم اپنے آدمیوں کو ہی تنقید کا موقع بخشیں۔ مگر مرزا محمود اپنے متعلق کسی بات کو زیر بحث آنے ہی نہیں دیتے۔ بلکہ اس سے اپنا پہلو صاف بچا کر اپنی جماعت کو دوسری بحثوں میں الجھا دیتے ہیں کہ اسلام میں خلیفہ معزول نہیں ہو سکتا۔ حقیقت یہ ہے کہ مرزا محمود اپنے اعمال کی جو گھناؤنی تصویر زیر عبا چھپائے ہوئے ہیں۔ اس کے برسر عام

آ جانے سے تھر تھر کانپتے ہیں اور ایک دنیاوی گدّی جو مرزا غلام احمد قادیانی نے قائم کی تھی۔ اسے کسی طرح چھوڑنے کے لئے تیار نہیں۔ بلکہ آئندہ بھی اپنی اولاد کو اسی پر قائم رکھنے اور مالک بنانے کے لئے ابھی سے اپنے بیٹوں کو ’’ہوالناصر‘‘ کہہ کر بڑھا رہے ہیں۔ آخر کیا وجہ ہے کہ سندھ میں جو زمین خرید کی گئی ہے۔ اگر وہ تبلیغ کے مقصد کے لئے تو محمود آباد، ناصر آباد کے نام سے ان کو ریاستی شکل کیوں دی جارہی ہے؟

موجودہ مرزا محمود نے کمال چالاکی سے موافق اور مخالف لوگوں کو اس بحث میں الجھا رکھا ہے کہ: ’’خلیفہ معزول ہوسکتا ہے یا نہیں۔‘‘ ہمارے بعض اخبارات بھی اسی بحث میں مبتلاء ہوگئے ہیں۔ سب سے پہلے تو یہ امر زیر بحث آنا چاہئے کہ موجودہ مرزا محمود خلیفہ بھی ہے یا نہیں؟ اور جس نبی کا خلیفہ ہے اور اس نبی کی نبوت کیسی ہے؟ پھر اس کو اس کی اپنی مرزائی جماعت نے ہی کب انتخاب کیا تھا؟ اور وہ کون سے مرزائی تھے جو اس مرزا کے خلیفہ ہونے کے انتخاب میں شریک ہوئے؟ مولوی محمد علی لاہوری اور ان کی پارٹی تو پہلے دن سے چیخ رہی ہے کہ ہم بشیرالدین محمود کو خلیفہ نہیں مانتے۔

بلکہ حقیقت یہ ہے کہ جس وقت اور طاقت نے مرزا غلام احمد قادیانی کو نبوت بخشی تھی۔ اسی نے ہی مرزا غلام احمد قادیانی کے لڑکے کو خلافت بھی عطاء کی ہے اور بڑے مرزا خود ہی اس خلافت کی داغ بیل رکھ گئے تھے۔ چنانچہ یہ چھوٹے مرزا انہی الہامات کو اپنی جماعت کے آگے پیش کر کے اپنی خلافت پر استدلال فرماتے ہیں۔ چنانچہ مرزا کی کتاب الوصیت سے حوالہ نقل کر کے لکھتے ہیں: ’’پس خلافت دراصل نبوت کے نظام کا تتمہ ہے۔ جسے انگریزی میں ’’کرالوری‘‘ یا سپلیمنٹ کہتے ہیں۔ کیونکہ جیسا کہ حضرت مسیح موعود نے لکھا ہے کہ کسی نبوت کا کام خلافت کے بغیر تکمیل کو نہیں پہنچتا۔‘‘ (الفضل مؤرخہ ۲۵؍دسمبر ۱۹۵۱ء)

ہم اپنے ناظرین کو آگاہ کرتے ہیں کہ غلام احمد کی نبوت کا مقصد کیا تھا۔ (تریاق القلوب ص۱۵، خزائن ج۱۵ ص۱۵۵) میں مرزا قادیانی نے لکھا ہے: ’’میری عمر کا اکثر حصہ اس سلطنت انگریزی کی تائید اور حمایت میں گزرا ہے اور میں نے ممانعت جہاد اور انگریزی اطاعت کے بارہ میں اس قدر کتابیں لکھی ہیں اور اشتہار شائع کئے ہیں۔ اگر وہ رسائل اور کتابیں اکٹھی کی جائیں تو پچاس الماریاں ان سے بھر سکتی ہیں۔ میں نے ایسی کتابوں کو تمام

ممالک عرب اور مصر اور شام اور کابل اور روم تک پہنچا دیا ہے۔ میری ہمیشہ کوشش رہی ہے کہ مسلمان اس سلطنت کے سچے خیر خواہ ہو جائیں۔''

ظاہر ہے کہ اس برطانوی قسم کی نبوت کے مقاصد کی تکمیل بھی برطانوی خلافت ہی کرسکتی ہے۔ جب تک برطانیہ عظمیٰ کی منظوری حاصل نہ ہو۔ موجودہ مرزا کے معزول ہونے کا سوال پیدا ہی نہیں ہوتا۔ عزل خلافت کی بحثیں بیکار ہیں۔ لیکن پھر بھی مرزا کی ہمت کی داد دیجئے کہ اپنے تنقید کرنے والوں کو خوب ڈانٹ ڈپٹ کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''اگر خلیفہ اسلام میں معزول ہوسکتا ہے تو یقیناً حضرت علیؓ مجرم ہیں۔ کیونکہ ان کی اپنی جماعت کے ایک حصہ نے کہہ دیا تھا کہ ہم آپ کو خلافت سے معزول سمجھتے ہیں۔ لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ[1] نے تلوار میان سے نکال لی اور ہزارہا خارجیوں کو قتل کر کے رکھ دیا۔'' (الفضل مؤرخہ ۲۵/ دسمبر ۱۹۵۱ء)

جو مرزائی میاں صاحب کو معزول کرنا چاہتے ہیں۔ ان کو اپنا انجام بد معلوم کر لینا چاہئے۔ ہم مزید بحث میں پڑے بغیر مسلمان بھائیوں سے استفسار کرنا چاہتے ہیں کہ کیا موجودہ مرزا کی ان تصریحات کے باوجود وہ اپنی جماعت کے لئے صرف تبلیغی پیشواء سمجھے جائیں گے۔ جو اپنے معزول کرنے والوں کو اس قسم کی دھونسیں سناتے ہیں۔ کیا کسی احمدی سے اس خلیفہ کی اس قسم کی اندھی بیعت کے بعد کہ جس میں اسے معزول کرنے اور تنقید کرنے کا حق بھی نہ دیا جائے اور اس کو خلیفہ صاحب کی ہر بات بلا دلیل ماننے کے لئے تیار کیا جائے۔ کسی اسلامی ریاست اور اسٹیٹ کا وفادار رہ سکنے کی امید کی جاسکتی ہے؟

حکومت کے تمام محکموں میں گھس جانے کا حکم

موجودہ مرزا (الفضل مؤرخہ ۱۱/ جنوری ۱۹۵۲ء) کے شائع شدہ خطبہ جمعہ میں اپنی جماعت کو خطاب کرتے ہوئے حکم دیتے ہیں کہ ہمارا تناسب فوج میں دوسرے محکمہ جات سے تو بہت زیادہ ہے۔ لیکن پھر بھی ہمارے حقوق کی حفاظت پوری طرح نہیں ہوسکتی۔ اس لئے باقی محکمہ جات (پولیس، ریلوے، فائنس، اکاؤنٹس، کسٹمز، انجینئرنگ وغیرہ) تمام محکموں

[1] یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ پر صریح بہتان ہے کہ انہوں نے خوارج سے اس لئے لڑائی کی تھی کہ انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے معزولیت کا مطالبہ کیا تھا بلکہ وہ مرتد ہو کر اسلام سے خارج ہو چکے تھے۔ اس لئے ان سے قتال کیا گیا۔

میں ہمارے آدمیوں کو گھس جانا چاہئے۔ یہاں پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ پاکستان کی ملازمتوں پر دھاوا بول کر اقتدار حاصل کرنے کی سکیم ہے یا تبلیغ اسلام ہے؟ اصل عبارت ملاحظہ ہو''بھیڑ چال کے طور پر نوجوان ایک ہی محکمہ میں چلے جاتے ہیں۔ حالانکہ متعدد محکمے ہیں۔ جن کے ذریعہ سے جماعت اپنے حقوق حاصل کرسکتی ہے اور اپنے آپ کو شر سے بچا سکتی ہے۔ جب تک ان سارے محکموں میں ہمارے آدمی موجود نہ ہوں۔ ان سے جماعت پوری طرح کام نہیں لے سکتی۔ (یہ جملہ قابل غور ہے کہ جماعت ان ملازمان سرکاری سے کیا کام لیتی ہے) مثلاً موٹے موٹے محکموں میں سے فوج ہے، پولیس ہے، ایڈمنسٹریشن ہے، ریلوے ہے، فائنس ہے، اکاؤنٹس ہے، کسٹمز ہیں، انجینئرنگ ہے۔ یہ آٹھ دس موٹے موٹے صیغے ہیں۔ جن کے ذریعہ سے ہماری جماعت اپنے حقوق محفوظ کرسکتی ہے۔ ہماری جماعت کے نوجوان فوج میں لئے جاتے ہیں۔ اس کے نتیجہ میں ہماری نسبت فوج میں دوسرے محکموں کی نسبت سے بہت زیادہ ہے اور ہم اس سے اپنے حقوق کی حفاظت کا فائدہ نہیں اٹھاسکتے۔ باقی محکمے خالی پڑے ہیں۔ بیشک آپ لوگ اپنے لڑکوں کو نوکری کرائیں لیکن وہ نوکری اس طرح کیوں نہ کرائی جائے جس سے جماعت فائدہ اٹھاسکے۔''

(الفضل مؤرخہ ۱۱/جنوری ۱۹۵۲ء)

اس اقتباس کو بار بار پڑھیں۔ وہ کون سے حقوق ہیں جن کی حفاظت سرکاری ملازمتوں سے کرائی جاتی ہے اور وہ کون سے جماعتی مفاد ہیں، جن کو سرکاری ملازمتوں میں مدنظر رکھا جاتا ہے۔

دراصل بات یہ ہے کہ مرزائی صاحبان اپنی ملازمتوں سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہیں اور ہم نے مرزائیوں کو صرف مذہبی جماعت سمجھ رکھا ہے اور اس میں زیادہ تر مرزائیوں کے پروپیگنڈہ کو بھی دخل ہے کہ وہ ہمارے مفکرین کو حیاۃ وممات مسیح کی بحثوں میں الجھائے رکھتے ہیں۔ میرا مقصد یہ نہیں کہ اس پہلو پر بالکل بحث نہ کی جائے۔ بلکہ اس جماعت کا جو اہم پہلو ہے۔ وہ یہ ہے کہ اقتدار پر قبضہ پاکر اور سرکاری ملازمتوں پر فائز ہوکر جماعت کو فائدہ پہنچایا جائے۔ گویا اس طرح ہر سرکاری محکمہ مرزائیوں کے مکمل کنٹرول میں آجائے یا کم ازکم ان کو مؤثر رسوخ حاصل ہوجائے۔ کیا اس قسم کی اسکیموں کے ہوتے ہوئے بھی مرزائیوں کی جماعت صرف مذہبی تصور کی جاسکتی ہے۔

ہمارا مقصد صرف اتنا ہے کہ مرزائی مبلغین روزانہ مسلمانوں میں گلا پھاڑ کر وعظ کرتے ہیں کہ ہم اسلام کی تبلیغ کررہے ہیں اور عیسائیت کا مقابلہ کر کے اسلام کی خدمت کررہے ہیں۔ پاکستانی ملازمتوں میں کون سے عیسائی افسران فائز ہیں۔ جن کو گرانے کے لئے آپ اس میدان میں چھا جانے کی کوشش کررہے ہیں۔

یہ مرزا کے شائع شدہ خطبہ کے آخری اقتباس ہیں اور یہ آخری مشورہ ہے جو مرزا نے اپنی جماعت کو دیا ہے۔ اس سے پہلے جن قیمتی مشوروں اور ناطق احکام سے اپنی قوم کی رہنمائی فرمائی ہے۔ وہ بھی ملاحظہ ہو:

مرزائیوں کو ۱۵، ۱۶ رجنوری تک ایک پلین اور واضح پروگرام پیش کرنے کا حکم

موجودہ مرزا اپنی جماعت کو حکم دیتے ہیں کہ ۱۹۵۲ء کی تبلیغ کا واضح پروگرام پیش کریں تاکہ ہم ان کو پورا نہ کرنے پر گرفت کرسکیں۔ الفاظ یہ ہیں: ’’وہ پلین اور تجویز ایسی ہونی چاہئے کہ جسے واقعات کے لحاظ سے پکڑا جاسکے۔ مثلاً اگر دعوت وتبلیغ والے کہیں کہ ہم اس سال بڑے زوروشور سے تبلیغ کریں گے تو زوروشور ایسی چیز نہیں جس کی وجہ سے وقت گزرنے پر انہیں پکڑا جاسکے۔ پلین اور تجویز یہ ہے کہ ہم نے اس سال فلاں تحصیل، فلاں تھانے، فلاں گروہ کو اپنے ساتھ کر لینا۔ (آخر میں فرماتے ہیں) بس میں ہر صیغہ کو توجہ دلاتا ہوں کہ وہ اپنے کام کے لئے ایک خاص پلین اور تجویز بنائے اور ۱۵، ۱۶ رجنوری تک اسے پیش کردے۔ (الفضل مؤرخہ ۱۱ رجنوری ۱۹۵۲ء)

<u>تمام ملک (پاکستان، صوبہ جات، ضلعے، تحصیلیں، دفاتر وغیرہ) کا جائزہ لو۔ پھر تبلیغ کرو، کس طرح؟ لاکھوں کی تعداد میں اشتہارات شائع کرو۔ جس سے ملک میں تہلکہ مچ جائے۔ تعلیم یافتہ اور مغرور قسم کے لوگوں میں کتابیں تقسیم کرو:</u>

ہمیں اپنے ملک کا پوری طرح جائزہ لینا چاہئے کہ ملک میں کس حد تک تقریروں کے ذریعہ تبلیغ کی ضرورت ہے۔ کس حد تک لٹریچر کی ذریعہ تبلیغ کی ضرورت ہے۔ کون سے گروہ ایسے ہیں، جن میں پمفلٹ زیادہ مقبول ہوسکتے ہیں۔ کون سے گروہ ایسے ہیں جن میں اشتہارات زیادہ مقبول ہوسکتے ہیں اور کون سے گروہ ایسے ہیں جن میں کتابیں زیادہ مقبول ہوسکتی ہیں۔ اس وقت نظارت دعوت وتبلیغ پمفلٹ کے ذریعہ تبلیغ کرتی ہے۔ لیکن پمفلٹ ایسی چیز ہے جس کا بوجھ زیادہ دیر تک نہیں اٹھایا جاسکتا۔

حضرت مسیح موعود (مرزا قادیانی) کے زمانہ میں تبلیغ اشتہارات کے ذریعہ ہوتی تھی۔ وہ اشتہارات دو چار صفحات پر مشتمل ہوتے تھے اور ان سے ملک میں تہلکہ مچادیا جاتا تھا۔ ان کی کثرت سے اشاعت کی جاتی تھی۔ اس زمانہ کے لحاظ سے کثرت کے معنی ایک دو ہزار کی تعداد کے ہوتے تھے۔ بعض اوقات دس دس ہزار کی تعداد میں بھی اشتہارات پچاس پچاس ہزار بلکہ لاکھ لاکھ کی تعداد میں شائع ہوں۔ پھر دیکھو کہ یہ اشتہارات کس طرح لوگوں کی توجہ کو اپنی طرف کھینچ لیتے ہیں۔

اگر اشتہارات پہلے سال میں بارہ دفعہ شائع ہوتے تھے تو اب خواہ انہیں سال میں تین دفعہ کردیا جائے اور صفحات دو چار پر لے آئیں۔ لیکن وہ لاکھ لاکھ دو دو لاکھ کی تعداد میں شائع ہوں تو پتہ لگ جائے گا کہ انہوں نے کس طرح حرکت پیدا کی ہے۔ یہ کتابیں حصہ ہے جو تعلیم یافتہ اور مغرور قسم کے لوگ ہیں۔ انہیں کتابیں پیش کی جائیں۔ مرکزی اور صوبائی جماعت کے لوگ ان کے پاس جائیں اور انہیں کتابیں دیں۔ (الفضل مؤرخہ ۱۱/جنوری ۱۹۵۲ء)

مقام تعجب ہے کہ پاکستان میں لاکھوں اشتہار اور پمفلٹ شائع کرنے کا کیا مقصد ہے۔ کیا ان اشتہاروں میں تبلیغ اسلام ہوگی؟ ہمارے خیال میں ان اشتہاروں کے اندر وہ مضامین ہوں گے جو روزانہ شیعہ سنی تفریق کے عنوان سے الفضل میں شائع ہوتے ہیں اور جن میں پاکستان بننے سے قبل کی مردہ بحثیں زندہ کر کے مسلمانوں میں پھوٹ ڈال کر انگریزوں کے ہاتھوں کو مضبوط اور ان کے دل کو ٹھنڈا کیا جاتا ہے۔ بہرحال مسلمانوں سے التماس ہے کہ مرزائیوں کے اشتہارات اور گمراہ کن مضامین سے متاثر نہ ہوں جن کو شائع کرنے کی مرزا صاحب اپنی جماعت کو ترغیب اور تاکید مزید کر رہے ہیں۔

۱۹۵۲ء مسلمانان پاکستان کے لئے سخت صبر آزما ہے

بہرحال ۱۹۵۲ء مسلمانوں کے لئے سخت صبر آزما ہوگا۔ مرزائی اپنی سکیم کو عملی جامہ پہنائیں گے۔ اشتہارات اور پمفلٹ شائع کرنے کی سکیم بھی منظر عام پر آچکی ہے۔ حکومت کے محکموں پر قبضہ کرنے اور اس سے جماعتی فوائد حاصل کرنے کا حکم بھی مرزائیوں کو مل چکا ہے۔ مسلمانوں کا اشتہار کے مقابلہ میں اشتہار، پمفلٹ کے مقابلہ میں پمفلٹ بھی شائع کرنا چاہئے اور حکومت سے اس معقول مطالبہ کو منوا لینا چاہئے کہ مرزائیوں کو ایک اقلیت تسلیم

کر کے ملکی عہدوں خصوصاً فوج اور پولیس وغیرہ میں ان کی تعداد مقرر کردی جائے تاکہ مملکت پاکستان میں یہ نیا فتنہ پیدا نہ ہو۔ ورنہ مرزائی اب حکومت اور اقتدار کے رعب اور دھونس سے مسلمانوں کو مرزائی بنانا چاہتے ہیں اور وزارت خارجہ سے جہاں تک جلد ہوسکے چوہدری ظفراللہ کو خارج کر کے کسی مسلمان وزیر کا تقرر عمل میں لایا جائے۔ (الفضل ۱۶ر جنوری ۱۹۵۲ء) کا مندرجہ ذیل اعلان قابل غور ہے۔

۱۹۵۲ء اور فریضہ تبلیغ

''اگر ہم محنت کریں اور تنظیم کے ساتھ محنت سے کام کریں تو ۱۹۵۲ء میں ہم ایک عظیم انقلاب برپا کرسکتے ہیں۔ ہر خادم کو اس عزم سے اس سال تبلیغ کرنی چاہئے کہ اس سال احمدیت کی ترقی نمایاں طور پر دشمن (مسلمان) بھی محسوس کرنے لگے۔ آپ اگر اپنے کاموں پر فریضہ تبلیغ کو مقدم کریں گے تو یہ ہو نہیں سکتا کہ آپ کے ذریعہ بھولے ہوئے مسلمان ہدایت نہ پاجائیں۔ اپنے ارادوں کو بلند کیجئے۔ ہمتیں مضبوط کیجئے کہ خدا کے فرشتے آپ کے کاموں میں آپ کی مدد کے لئے بے تاب کھڑے ہیں۔ (یعنی نوکریوں اور ملازمتوں کے دروازے آپ کے لئے کھلے ہوئے ہیں۔ الصدیق) صرف اور صرف دیر آپ کی طرف سے ہو رہی ہے۔ ۱۹۵۲ء کو گزرنے نہ دیجئے جب تک احمدیت کا رعب دشمن اس رنگ میں محسوس نہ کرلے کہ اب احمدیت مٹائی نہیں جاسکتی اور وہ مجبور ہوکر احمدیت کی آغوش میں آگرے۔''

(الفضل مؤرخہ ۱۶ر جنوری ۱۹۵۲ء)

مندرجہ بالا بیان محتاج تبصرہ نہیں۔ خط کشیدہ الفاظ میں صاف طور پر حکم دے دیا گیا ہے کہ مسلمانوں کو مرزائی بننے پر مجبور کردیا جائے۔ پس اندریں حالات مسلمان رہنماؤں کا فرض ہے کہ مسلمانوں کو مرزائیوں کی دستبرد۔ جبر و اکراہ سے بچانے کے لئے مؤثر پروگرام بنائیں اور مرزائیوں کو ایک مذہبی جماعت تصور کرنے سے باز آئیں۔ بلکہ مفکر پاکستان علامہ اقبالؒ نے مرزائیوں کے متعلق جو انتباہ پیش کیا تھا۔ اس کو زیر نظر رکھتے ہوئے۔ ان کو جداگانہ اقلیت قرار دینے کی سعی کریں۔ فقط: اقول قولی ھذا واستغفر اللہ لی ولکم ولسائر المسلمین

بندہ محمد عبداللہ غفرلہ مدرس خیرالمدارس ملتان

(الصدیق ج۲ ش۵ ص۳۰ تا ۳۷، جمادی الاولیٰ ۱۳۷۱ھ، فروری ۱۹۵۲ء)

(۳) نظرات ...... صدر مسلم لیگ پنجاب کا بیان

پنجاب کے وزیراعظم وصدر مسلم لیگ میاں ممتاز احمد دولتانہ نے پنجاب کے مسلم لیگی حضرات کو بتاریخ یکم/ اپریل ۱۹۵۲ء ایک مراسلہ بھیجا ہے۔ جس کی عبارت حسب ذیل ہے۔

’’میرے علم میں آیا ہے کہ صوبہ کے بعض مقامات پر مسلم لیگ کے متقدر ارکان اور بعض قوموں پر ضلع مسلم لیگ کے صدروں نے احرار کانفرنسوں کی صدارت کی ہے۔ میں یہ واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ لیگ کے کسی کارکن کے لئے کسی غیر لیگی جماعت کے جلسوں کی صدارت کرنا مسلم لیگ کے ڈسپلن کی خلاف ورزی ہے۔ اندریں وجوہ میری ہدایت ہے کہ ادارہ مسلم لیگ کا کوئی کارکن کسی ایسے جلسہ کی صدارت نہ کرے۔ جو کسی غیر لیگی جماعت کے زیراہتمام منعقد کیا گیا ہو۔ اس میں ایسے جلسے شامل نہیں ہیں جو خالصۃً مجلسی اور غیر سیاسی نوعیت کے ہوں اور جن میں سیاسی مسائل کے زیر بحث آنے کا کوئی امکان نہ ہو۔‘‘

میاں ممتاز دولتانہ صاحب کے اس بیان پر ہمیں تعجب ہوا کہ انہوں نے اس کی لپیٹ میں مجلس احرار کو کیوں لے لیا۔ بیان کی معقولیت میں ہمیں کوئی کلام نہیں ہے۔ ایک سیاسی جماعت کو جو اپنے کچھ خاص اصول رکھتی ہے۔ حق ہے کہ اپنے افراد کو ہر اس پارٹی کی شرکت سے روکے۔ جو اس کے اصول اور نظریات کی مخالف سمت پر جارہی ہو بنابریں اس ہدایت کے ماتحت مسلم لیگی حضرات کو یوں ہدایت کرنا تو سمجھ میں آسکتا ہے کہ وہ کمیونسٹ پارٹی، جناح عوامی لیگ، جماعت اسلامی کے جلسوں کی صدارت نہ کرے۔ کیونکہ یہ جماعتیں مسلم لیگ کے منشور کے مقابلے میں اپنا پروگرام اور اس کے نظریئے کے برخلاف اپنا جداگانہ نظریہ رکھتی ہے اور انہوں نے الیکشن میں مسلم لیگ کے مقابلے پر کام بھی کیا ہے۔ ان جماعتوں کی ممبری اور جلسوں کی صدارت کرنا یقیناً جماعتی ڈسپلن کے خلاف ہوسکتا ہے لیکن مجلس احرار جس نے ۲۴، ۲۵/ نومبر ۱۹۵۱ء میں متفق ہو کر اپنی جماعت کی سرگرمیوں کو سیاست سے ہٹا کر ملک وملت کی اعتقادی اخلاقی معاشرتی اور تحفظ ختم نبوت جیسے مذہبی امور کی طرف مبذول کر دیا ہے۔ جیسا کہ اس کے نئے دستور ص۴ سے واضح ہے اور اسی فیصلہ کے ماتحت مجلس احرار نے کسی جگہ الیکشن میں مسلم لیگ کی مخالفت نہیں کی۔ بلکہ پوری طور پر حمایت کی

ہے۔ آزاد کے صفحات احرار کے حکومت کے ساتھ تعاون پر شاہد ہیں اور آج تک عملی طور پر اپنے اسی مؤقف پر پوری طرح قائم ہے۔

میاں دولتانہ غلطی سے مرزائیوں کی اس پالیسی کا شکار ہوگئے ہیں جوانہوں نے ایک عرصہ سے مسلم لیگ اور احرار کے لڑانے کے متعلق سوچ رکھی ہے۔ جب سے مجلس احرار نے سیاسی میدان کو چھوڑ کر خالص تبلیغی اور تعمیری کام کو شروع کیا ہے۔ اس دن سے مرزائی اسی کوشش میں لگے ہوئے ہیں کہ کسی طرح احرار کو پھر لیگ کے مقابلے میں لایا جائے۔ کیونکہ احرار ایسی جماعت ہے جو مرزائیوں کے تمام بھیدوں سے نہیں تو بہت سے اندرونی حالات سے واقف ہے۔ مسلم لیگ اور احرار کے میل جول سے وہ تمام راز فاش ہوتے ہیں۔ جن پر مرزائی امت نے پردہ ڈال رکھا ہے اور معصوم بن کر تمام ملک پر قبضہ جمانے کا مصمم ارادہ رکھتی ہے۔ ایسے حالات میں جب کہ امت مرزائیہ نے اپنی سازشوں پر سخت آہنی پہرہ بٹھایا ہوا ہے۔ محترم میاں صاحب اور اسی طرح دوسرے مسلم وزراء کو ہم معذور سمجھتے ہیں کہ انہیں اصل حالات کا علم ہی نہیں ورنہ وہ بجائے اس کے کہ مسلم لیگ والوں کو مجلس احرار کی صدارتوں سے منع کریں۔ مجلس احرار میں شامل ہونے کا مشورہ دیتے بلکہ اگر آپ کو ان حالات کا علم ہو جائے جو مرزائی جماعت نے پاکستان میں اور میاں (دولتانہ) صاحب کی وزارت میں پیدا کر رکھے ہیں تو فوراً ہی میاں صاحب مرزائی جماعت کو خلاف قانون قرار دے کر ملازمتوں اور عہدوں سے ہٹادیں۔ چہ جائے کہ وہ مسلم لیگ کے رکن اور عہدہ دار رہ سکیں۔ اب ہم ذیل میں مرزائی جماعت نے پاکستان میں جو مستقل نظام حکومت بنا رکھا ہے۔ اس کا نقشہ جناب میاں صاحب کی خدمت میں پیش کرتے ہیں تاکہ وہ فیصلہ کرسکیں کہ کیا مسلم لیگ کا ممبر مرزائی ہوسکتا ہے اور احرار کے جلسہ کی صدارت نہیں کرسکتا۔

(جملہ معترضہ) ہمارا مقصد یہ نہیں کہ مسلم لیگی حضرات اپنے صدر محترم کے حکم کو نہ مانیں اس سے بغاوت کا اعلان کردیں۔ حاشا وکلاّ بلکہ اپنے صدر محترم کو حالات سے آگاہ کریں اور ان سے درخواست کریں کہ وہ اپنے اس حکم کو واپس لے لیں یا اگر وہ اس حکم کو باقی رکھنا چاہتے ہیں تو مرزائیوں کو مسلم لیگ سے خارج کردیں تاکہ مسلم لیگ کا ڈسپلن پوری طرح قائم رہے۔ ایک فریق کو پوری طرح مسلم لیگ پر چھا جانے کی اجازت ہو اور دوسرے فریق سے ملنے کی اجازت ہو۔ یہ کہاں کا انصاف ہے۔

اب ذیل میں چند کوائف مرزائی حکومت کے ذکر کئے جاتے ہیں۔ جس کی بنیاد پاکستان میں رکھی جاچکی ہے اور بشیرالدین محمود اپنی اسی حکومت کے بل بوتے پر فرماتے ہیں: ’’میں بھی کہتا ہوں کہ اس دن جب تمہارا اکثریت میں ہونے کا غرور ٹوٹ جائے گا تو خواہ اس وقت میں ہوں یا میرا قائم مقام تم سے بھی بہرحال یوسف والا سلوک کیا جائے گا۔‘‘

(الفضل مؤرخہ ۳/جنوری ۱۹۵۲ء)

مرزائیوں کا دارالخلافہ

ضلع جھنگ میں ۱۰۳۴/ایکڑ زمین پنجاب کے انگریز گورنر نے کوڑیوں کے بھاؤ مرزائیوں کو دی تھی تاوہ ایک الگ دارالخلافہ بنالیں جس کے کوائف الفضل وغیرہ سے نقل کر کے درج کئے جاتے ہیں۔

۱...... اس ۱۰۳۴/ایکڑ زمین میں ایک ایسا شہر آباد کیا گیا ہے جو ضلع جھنگ میں دریائے چناب کے پار لائل پور اور سرگودھا کے عین وسط میں واقع ہے۔ بحوالہ مرزائی اخبار الرحمت ۲۱/نومبر ۱۹۴۹ء۔

۲...... اس شہر کا نام ربوہ رکھا گیا ہے۔ اس کے محلوں کے نام حسب ذیل ہیں:

دارالیمن، باب الابواب، دارالنصر، دارالبرکات، دارالرحمت، دارالصدر، دارالفضل۔ (بحوالہ الفضل مؤرخہ ۲۸/ستمبر ۱۹۵۱ء ص۲)

۳...... ۲۵/مارچ ۱۹۴۹ء کے الفضل میں اعلان ہوا کہ ربوہ کے لئے ہالٹنگ ریلوے اسٹیشن منظور ہوگیا۔ چنانچہ یکم/اپریل ۱۹۴۹ء کی صبح کو سات بجے سب سے پہلی گاڑی وہاں ٹھہری۔ ریلوے لائن اسی علاقہ سے گزرتی ہے جو مرزائیوں کو دی گئی ہے۔

(الرحمت مؤرخہ ۲۱/نومبر ۱۹۴۹ء)

۴...... سب سے پہلا اسٹیشن ماسٹر احمدی مقرر کیا گیا۔ (بحوالہ اخبار الرحمٰن ۲۱/نومبر ۱۹۴۹ء)

۵...... اس شہر میں مرزائیوں نے دارالقضاء قائم کیا ہوا ہے جس میں پچاس پچاس ہزار روپے کی ڈگریاں اور بارہ ہزار روپے تک کے ہرجانہ کے فیصلے کئے جاتے ہیں۔

(الفضل مؤرخہ ۲۶/ستمبر ۱۹۵۱ء ص۷)

۶...... جو شخص جماعتی فیصلوں کو نہ مانے اسے سزائیں دی جاتی ہیں۔ بائیکاٹ اور مقاطعے کئے جاتے ہیں۔ چنانچہ الفضل میں روزانہ آئے دن بائیکاٹ اور مقاطعے کی سزائیں درج کی جاتی ہیں۔

۷...... مرزائی دارالخلافہ میں مندرجہ ذیل وکالتوں کے دفتر اور محکمے قائم ہو چکے ہیں:

وکالت علیا	افسر اعلیٰ چوہدری مشتاق احمد	وکالت تبشیر	افسر اعلیٰ چوہدری مشتاق احمد
وکالت مال	افسر اعلیٰ چوہدری برکت علی	وکالت قانون	افسر اعلیٰ چوہدری علام مرتضیٰ
وکالت تجارت وصنعت	صاحبزادہ برکت احمد	وکالت تعلیم	میاں عبدالرحیم احمد

(بحوالہ الفضل مؤرخہ ۲۸ر ستمبر ۱۹۵۱ء)

سوالات

ربوہ کے متعلق یہ کوائف الفضل اور الرحمت سے لئے گئے ہیں۔ اب مندرجہ ذیل امور قابل دریافت ہیں۔ جس کے متعلق کوئی واقف حال صاحب روشنی ڈالیں تو زیادہ بہتر ہوگا اور معلومات میں اضافہ ہو جائے گا۔ مگر بات وہ جو محقق اور مدلل ہو۔

۱...... ربوہ میں تھانہ ہے اور پولیس ہے یا نہیں۔ اگر تھانہ بھی ہے اور پولیس بھی ہے تو کیا اس کے افراد مرزائی ہیں یا مسلمان۔ اگر مسلمان ہیں تو کیا وہ مرزائیوں کے زیر اثر تو نہیں۔

۲...... مرزائیوں کے دارالخلافہ میں اگر کوئی عامی مسلمان چلا جائے تو اس کی حفاظت کا کیا انتظام ہے۔ اگر اسے کوئی لوٹ لے یا مار دے تو کوئی اس کو چھڑانے والا بھی ہو سکتا ہے؟ جب کہ تمام آبادی مرزائیوں کی ہے اور اگر وہ تھانے میں رپٹ درج کرے تو کیا اس کی رپٹ درج ہو سکتی ہے۔ جب کہ وہ خاص مرزائی دارالخلافہ کا تھانہ ہے اور رپٹ درج ہونے کے بعد کیا اسے کوئی گواہ بھی میسر آ سکتا ہے۔

۳...... اگر کوئی مرزائی جو ربوہ کا باشندہ ہے اپنی خوشی سے مرزائیت سے توبہ کرتا ہے اور دوبارہ اسلام میں داخل ہونا چاہتا ہے تو کیا وہ اپنی جائیداد پر قابض رہ سکتا ہے اور کیا اس کے لئے بائیکاٹ اور مقاطعہ کے ہوتے ہوئے زندگی گزارنا ممکن ہو سکتا ہے۔ خصوصاً ایسے حالات میں جب کہ الفضل ۱۱ر جنوری ۱۹۵۲ء میں مسلمانوں کو برعب مرزائی بنانے کی سکیم منظر عام پر آ چکی ہے۔

یہ سوال بطور نمونہ پیش کئے گئے ہیں۔ جو ہر مسلمان کے دل میں اسی مخصوص آبادی اور مخصوص ماحول کے متعلق پیدا ہوتے ہیں۔ اسی قسم کے اور بہت سے شبہات ہر پاکستانی کے دل میں پیدا ہوتے ہیں۔ اسی بناء پر تو مجلس احرار چیخ وپکار کر رہی ہے کہ مسلمان جاگ جائیں اور ان خفیہ ریشہ دوانیوں کا نوٹس لیں۔ کیا یہ فرض صرف مجلس احرار کا ہے۔ مسلم لیگ اور دوسرے مسلمانوں پر یہ ذمہ داری عائد نہیں ہوتی۔

مرزائی فوج

جس طرح مرزائیوں نے اپنا دارالخلافہ الگ بنالیا ہے۔ اسی طرح مرزائیوں نے اپنی ایک فوج بھی بنالی ہے۔ اس کا نام رکھا ہے۔ خدام الاحمدیہ۔ اس کی تفصیل کے لئے مطالعہ فرماویں۔ (الفضل مؤرخہ ۱۹؍ستمبر ۱۹۵۱ء)

(خدام الاحمدیہ کا ایک عہد) خلاصہ درج ذیل ہے۔

۱...... خدام الاحمدیہ تحریک جدید کی فوج ہے۔ میں امید کرتا ہوں کہ لوگ زیادہ سے زیادہ اس فوج میں داخل ہوں گے۔ بحوالہ بالا۔

۲...... جو شخص خدام الاحمدیہ میں بھرتی ہو جائے اس سے عہد لیا جاتا ہے کہ جس کا ایک دفعہ یہ ہے کہ میں ہر احمدی کو اس میں شریک ہونے کی تحریک کروں گا (سرکاری ملازم بھی اس میں داخل ہوگئے)

۳...... خدام الاحمدیہ کے ہر سپاہی کو من جملہ دیگر سامان اور اسباب کے غلیل اور چاقو رکھنا ضروری ہے۔ دیکھو (الفضل مؤرخہ ۲۷؍ستمبر ۱۹۵۱ء ص۲ عنوان، خادم کا سامان)

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ خادم کو غلیل رکھنے کی کیا ضرورت ہے۔ کیا اپنے مخالفین کو تختہ مشق بنانے کا ارادہ ہے۔ یہ قرائن فوجی جماعت قائم کرنے کے لئے دلیل نہیں ہیں۔

۴...... فوج خدام الاحمدیہ کی دو قسمیں (۱) عام سپاہی جن پر ابھی پورا اعتماد نہیں ان کو مخصوص کاموں میں لگایا جاسکتا ہے (۲) مخصوص سپاہی جن کے لئے مندرجہ ذیل شرائط ہیں:

الف: پانچ سالہ احمدی ہو یا نسلی احمدی ہو۔

ب: اس کے لئے تین آدمیوں کی سفارش ہو۔ پریذیڈنٹ، سیکرٹری، زعیم۔

ج: سرٹیفکیٹ اور تصدیق موجود ہو جس پر ہر سہ صاحبان مذکورہ بالا تصدیق کرتے ہوں کہ یہ شخص قابل اعتماد ہے۔ کسی قسم کی غفلت، سستی، غداری کا ارتکاب نہیں کرے گا۔

(بحوالہ الفضل مؤرخہ ۲۰،۲۲ / دسمبر ۱۹۵۱ء)

سرکاری ملازمت کے پردہ میں تبلیغ مرزائیت

مرزائی امت پہلے اپنے خلیفہ کے اشارے سے فوج میں اپنے نوجوانوں کو دھڑا دھڑ بھرتی کررہی تھی۔ جب فوج میں ان کی تعداد بہت زیادہ ہوگئی۔ ہر معزز عہدہ پر مرزائی نظر آنے لگا تو مرزا نے ۱۱ / جنوری ۱۹۵۲ء کے خطبہ میں حکم دیا۔

''بھیڑ چال کے طور پر نوجوان ایک ہی محکمہ میں چلے جاتے ہیں۔ حالانکہ متعدد محکمے ہیں جن کے ذریعہ سے جماعت اپنے حقوق حاصل کرسکتی ہے اور اپنے آپ کو شر سے بچا سکتی ہے۔ جب تک ان سارے محکموں میں ہمارے آدمی موجود نہ ہوں۔ ان سے جماعت پوری طرح کام نہیں لے سکتی۔ (یہ جملہ قابل غور ہے کہ جماعت ان ملازمان سرکار سے کیا کام لیتی ہے) مثلاً موٹے موٹے محکموں میں سے فوج ہے۔ پولیس ہے، ایڈمنسٹریشن ہے، ریلوے ہے، فائننس ہے، اکاؤنٹس ہے، کمسٹمز ہے، انجینئرنگ ہے۔ یہ آٹھ موٹے موٹے صیغے ہیں۔ جن کے ذریعے سے ہماری جماعت اپنے حقوق محفوظ کرسکتی ہے۔ ہماری جماعت کے نوجوان فوج میں لئے جاتے ہیں۔ اس کے نتیجہ میں ہماری نسبت فوج میں دوسرے محکموں کی نسبت سے بہت زیادہ ہے…… اور ہم اس سے اپنے حقوق کی حفاظت کا فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔ باقی محکمے خالی پڑے ہیں۔ بے شک آپ لوگ اپنے لڑکوں کو نوکری کرائیں لیکن وہ نوکری اس طرح کیوں نہ کرائی جائے جس سے جماعت فائدہ اٹھا سکے۔

الفضل ۱۱ / جنوری ۱۹۵۲ء اس عبارت میں مرزائی ملازمین کو حکم دیا گیا ہے کہ تنخواہ تو پاکستان کے خزانہ سے وصول کرو۔ لیکن کام اور مقصد تبلیغ مرزائیت ہو۔ اصل میں ملازمت سے مقصود تو یہ ہونا چاہئے تھا کہ اس کے ذریعے سے ملک کی خدمت کی جاتی۔ جس شعبہ میں گورنمنٹ کو ضرورتی ہوتی اس میں ملازمت کرنے کا مشورہ دیا جاتا۔ مگر خلیفہ صاحب یہ حکم دیتے ہیں کہ جس شعبہ میں تمہاری تعداد کم ہے اس میں گھس جاؤ اور جماعتی مفاد کی خاطر

ملازمت کرلو۔ یہ اعلان کھلے بندوں الفضل میں شائع ہوتا ہے...... یہی وجہ ہے کہ ہر سرکاری محکمہ میں تبلیغ مرزائیت زوروشور سے ہورہی ہے۔ بیچارے مرزائی ملازم بھی مجبور ہیں۔ ان کو یہ حکم ہوتا ہے کہ ہر سال کے اندر کم ازکم ایک آدمی کو ضرور مرزائی بنا کر اپنا کارنامہ دکھاؤ۔ پھر یہ حکم بھی ہوتا ہے کہ ہر ماہ کے پہلے عشرے میں ماہوار تبلیغی رپورٹوں کا پہنچنا ضروری ہے۔ بحوالہ الفضل ۳؍اپریل ۱۹۵۲ء۔

ذیل میں ناظر دعوت وتبلیغ ربوہ کی ۱۹۵۲ء کی ڈائری سے مرزائی سرکاری ملازموں کے نام نقل کئے جاتے ہیں تاکہ ہمارے وزیراعظم اور دوسرے رہنماؤں کو معلوم ہوجائے کہ اس معصوم جماعت کے کارکن کس طرح ہر محکمے میں مسلمان ملازمین کو تنگ کرتے ہیں اور بجائے سرکاری کام کرنے کے مرزائی بنانے کے درپے رہتے ہیں۔

نوٹ: واضح رہے کہ یہ ڈائری ناظر دعوت وتبلیغ ربوہ نے شائع کی ہے۔ اس کی تعریف ناظر دعوت وتبلیغ (الفضل مؤرخہ ۱۱؍جنوری ۱۹۵۲ء ص۶) میں یوں لکھتے ہیں: ’’گزشتہ سال کی طرح اس سال بھی نظارت ہذا نے عمدہ کاغذ پر خوبصورت رنگین اردو ٹائپ میں ۱۹۵۲ء کا یومیہ شائع کیا ہے جس میں علاوہ جملہ امراء وصدر صاحبان جماعت ہائے احمدیہ اندرون وبیرون پاکستان کے پتوں کے بعض دیگر ضروری اور روزمرہ کے کام کرنے والی مفید معلومات درج کردی گئی ہیں۔ جملہ امراء وصدران جماعت کے پاس اس یومیہ کا ہونا ازبس ضروری ہے۔ صیغہ نشرواشاعت سے طلب فرماویں۔‘‘

اس اقتباس سے معلوم ہوا کہ اس ڈائری میں مرزائی جماعت کے صرف صدر اور سیکرٹریوں کے مکمل پتہ جات درج ہیں۔ بطور نمونہ چند اہم اسماء درج کئے جاتے ہیں۔ اس سے آپ اندازہ لگائیں کہ ان میں سے کتنے ملازم ہیں اور کتنے غیر ملازم:

نمبرشمار	اسماصدر یا سیکرٹری جماعت مرزائیہ	نام عہدہ سرکاری
۱	دوست محمد ملک	ہیڈ ٹکٹ کلکٹر۔ سبی بلوچستان
۲	میاں بشیر احمد صاحب ایم.اے	ٹیکسٹائل آفیسر ہرکشن روڈ کوئٹہ
۳	بابو عبدالقادر صاحب ہیڈ اکاؤنٹینٹ	دفتر ڈپٹی کمشنر افغان کالونی کوارٹر رحیم یار خان
۴	ڈاکٹر مہر علی صاحب	میڈیکل آفیسر ہسپتال صادق گڑھ پیلس

۵	چوہدری عبدالغنی صاحب بی.اے	ہیڈکلرک بندوبست تحصیل چنیوٹ مگھیانہ
۶	بابوشمس الدین صاحب	ہیڈکلرک دفتر پولیٹیکل ایجنٹ خیبر پشاور
۷	چوہدری عبدالرشید صاحب	کسٹوڈین آفس جیکب آباد
۸	چوہدری عزیزالدین صاحب	انسپکٹر زراعت پسرور
۹	بابوقاسم دین صاحب	ہیڈکلرک خزانہ کچہری سیالکوٹ خاص
۱۰	سرداربشیراحمدصاحب	پروفیسر رسول انجینئرنگ کالج
۱۱	محمد بشیراحمدصاحب	محررتھانہ چونیاں
۱۲	بابومحمدطفیل صاحب	گارڈ ریلوے کندیاں
۱۳	چوہدری عبدالعزیز صاحب	انگلش ٹیچر ہائی سکول شورکوٹ
۱۴	مرزاعبدالحق صاحب	سرکاری وکیل خاص سرگودھا
۱۵	چوہدری محمددین صاحب انوربی اے	بی.ٹی گورنمنٹ ہائی سکول شاہ پورصدر
۱۶	مولوی علی احمدصاحب	مولوی فاضل عربک ٹیچر منڈی ڈاکخانہ خاص تحصیل چکوال ضلع جہلم
۱۷	ماسٹر عبدالرحمٰن صاحب	پرشین ٹیچر گورنمنٹ ہائی سکول صادق آباد
۱۸	ماسٹر غلام خان صاحب	پرائمری سکول بستی مندرانی ڈاکخانہ تونسہ شریف
۱۹	ماسٹر اللہ بخش خان صاحب	غازی تونسہ شریف
۲۰	منشی غلام محمدصاحب	مدرس براستہ کنجاہ

فہرست بہت طویل ہے۔ یہ چند اسماء مرزائی صاحبان کی تبلیغی ڈائری سے بطور نمونہ نقل کئے گئے ہیں۔کلرک، ٹیچر، افسراعلیٰ، پٹواری، نمبردار، پروفیسر ہرقسم کے عہدہ دار مرزائیت کے داعی، مبلغ اوران کی انجمنوں کے صدر، ناظم بنے ہوئے ہیں۔جس دفتر میں قدم رکھومرزائی مبلغین نے اپنا جال بچھا رکھا ہے اور کیوں نہ ہو جب انہیں سرکارمرزائیت سے حکم یہی ملتا ہے کہ ’’بیشک آپ لوگ اپنے لڑکوں کونوکری کرائیں۔لیکن وہ نوکری اس طرح کیوں نہ کرائی جائے جس سے جماعت فائدہ اٹھاسکے۔‘‘ الفضل ۱۱؍جنوری ۱۹۵۲ءاور جب تک ان سارے (۸) محکموں میں ہمارے آدمی موجود نہ ہوں۔ان سے جماعت پوری طرح کام نہیں لے سکتی۔‘‘ (الفضل مؤرخہ ۱۱؍جنوری ۱۹۵۲ء)

سوالات

۱…… کیا اس طرح کی مرزائیوں کی ملازمتیں سرکاری اور محکمہ جاتی ڈسپلن کے خلاف ہیں یا نہیں؟

۲…… کیا جو جماعت ملازمت کے سلسلہ کو اس طرح بے باکی اور بے خوفی سے اپنی جماعت کے مفاد کے لئے استعمال کرتی ہے۔ وہ مسلم لیگ کے اندر داخل ہوکر اس کے انتشار کا باعث نہ ہوگی اور کیا وہ مسلم لیگ کو ملک اور قوم کی خدمت میں مشغول کرنے کے بجائے اپنے مفاد اور جماعتی ترقی کے لئے آلہ کار نہ بنائے گی۔

۳…… کیا ان حالات میں مناسب نہیں کہ مرزائیوں کا مسلم لیگ اور سرکاری ملازمتوں سے فوراً اخراج عمل میں لایا جائے تاکہ مخلص کارکنوں کی مدد سے ملک ترقی کی طرف قدم اٹھائے۔

یہ مطالبے ایسے ہیں کہ ہر پاکستانی کو ان کی طرف توجہ دینی لازم ہے۔

اور سنئے جہاں لالچ دینے اور نرمی کرنے سے کام نہ چلے۔ وہاں رعب اور تشدد کے ذریعہ سے ایسے حالات پیدا کرنے کی ترغیب دی جارہی ہے کہ ایک مسلمان مجبور ہوکر مرزائی بن جائے: ’’اگر ہم محنت کریں اور تنظیم کے ساتھ محنت سے کام کریں تو ۱۹۵۲ء میں ہم ایک عظیم الشان انقلاب برپا کر سکتے ہیں۔ ہر خادم کو اس عزم سے اس سال تبلیغ کرنی چاہئے کہ اس سال احمدیت کی ترقی نمایاں طور پر دشمن (مسلمان) بھی محسوس کرنے لگے۔ اگر آپ اپنے کاموں پر فریضہ تبلیغ کو مقدم کریں گے تو یہ ہو نہیں سکتا کہ آپ کے ذریعہ بھولے ہوئے مسلمان ہدایت نہ پا جائیں۔ اپنے ارادوں کو بلند کیجئے۔ ہمتیں مضبوط کیجئے کہ خدا کے فرشتے آپ کے کاموں میں آپ کی مدد کے لئے بیتاب کھڑے ہیں اور صرف دیر آپ ہی کی طرف سے ہو رہی ہے۔ ۱۹۵۲ء کو گزرنے نہ دیجئے جب تک احمدیت کا رعب دشمن اس رنگ میں محسوس نہ کرلے کہ اب احمدیت مٹائی نہیں جاسکتی اور وہ مجبور ہوکر احمدیت کی آغوش میں آگرے۔‘‘ (الفضل مؤرخہ ۱۶؍جنوری ۱۹۵۲ء)

ہمارے معزز صدر مسلم لیگ، رہنمایان قوم، مدیران جرائد! یہ پس منظر ہے جس کی بناء پر مجلس احرار اور مسلم لیگ کا ہر دردمند اور حساس مسلمان چیخ اٹھا ہے۔ یہ صرف مجلس احرار کی آواز نہیں ہے بلکہ پاکستان کے ۷ کروڑ مسلمانوں کی آواز ہے۔ یہ آواز مسلم لیگ کے اندرون قلب سے نکل رہی ہے۔ اس کا صرف ایک حل ہے۔ وہی جو علامہ اقبال مرحوم نے

پاکستان بننے سے پہلے اپنی دوررس نگاہوں سے بھانپ کر پیش کر دیا تھا: یعنی

۱…… جب مرزائیوں کا نبی الگ

۲…… جب مرزائیوں کا صحابی الگ

۳…… جب مرزائیوں کی امہات المومنین الگ

۴…… جب مرزائیوں کا مسیح الگ

۵…… جب مرزائیوں کا منارۃ المسیح الگ

۶…… جب مرزائیوں کا مرکز دارالخلافہ الگ

۷…… جب مرزائیوں کا امیرالمؤمنین الگ

۸…… جب مرزائیوں کے مہینے اور سنہ تک الگ

تو یہ قوم بھی الگ ہے۔ ان کو اقلیت قرار دیا جائے اور تمام مسلمانوں پر مسلط نہ کیا جائے۔ مسلمان جیسے دوسری اقلیتوں سے رواداری کا سلوک کرتے ہیں اور ان کے ساتھ بھی رواداری کریں گے۔ (الصدیق ج۲ ش۷ ص۱تا۸، رجب ۱۳۷۱ھ اپریل ۱۹۵۲ء)

(۴) ابوالتلبیس اور ننگ صحافت روزنامہ زمیندار اور نرے جانگلو

روزنامہ مغربی پاکستان

یہ نئے نبی مرزا قادیانی کے پیروکاروں کی زبان ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ (اخبار الفضل ج۳۵ ش۱۱۶) میں قادیانی خلیفۃ المسیح کے منہ سے نکلی ہوئی عبارت شائع ہوئی ہے جس کے الفاظ بعینہٖ یہ ہیں: ’’سیدنا حضرت امیرالمؤمنین خلیفۃ المسیح الثانی کی مجلس علم وعرفان …… اللہ تعالیٰ کی مشیت ہندوستان کو اکٹھا رکھنا چاہتی ہے۔ لیکن اگر قوموں کی غیرمعمولی منافرت کی وجہ سے عارضی طور پر الگ بھی کرنا پڑے تو یہ اور بات ہے۔ بسااوقات عضو ماؤف کو ڈاکٹر کاٹ دینے کا بھی مشورہ دیتے ہیں۔ لیکن یہ خوشی سے نہیں ہوتا بلکہ مجبوری اور معذوری کے عالم میں اور صرف اسی وقت جب اس کے بغیر چارہ نہ ہو اور اگر پھر یہ معلوم ہو جائے کہ اس ماؤف عضو کی جگہ نیا لگ سکتا ہے تو کون جاہل انسان اس کے لئے کوشش نہ کرے گا۔ اسی طرح ہندوستان کی تقسیم پر اگر ہم رضامند ہوئے ہیں تو خوشی سے نہیں بلکہ مجبوری سے اور پھر یہ کوشش کریں گے کہ کسی نہ کسی طرح جلد متحد ہو جائے۔

کیونکہ جس ملک میں ہم لوگ رہتے ہیں اس ملک کے بھی ہم پر کچھ حقوق ہیں۔ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ہے: ''حب الوطن من الایمان'' یعنی وطن سے محبت کرنا دین کا بھی حصہ ہے۔'' (روزنامہ الفضل ج ۳۵ نمبر ۱۱۶)

اس عبارت پر معزز اخبار زمیندار نے جو نوٹ لکھا ہے اس کی عبارت یہ ہے:

یہ الفاظ ہماری تشریح وتوضیح کے محتاج نہیں۔ عبارت خواہ بھارتی الفضل میں شائع ہوئی ہو یا اعلان آزادی سے پہلے کے زمانہ سے تعلق رکھتی ہو۔ اس میں چونکہ پاکستان کی آزادی وسالمیت کی مخالفت کو ایک مذہبی عقیدہ کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ اس لئے ہمیں حکومت سے صرف اتنا دریافت کرنا ہے کہ اس نے دعوت وتبلیغ کے ان ناظروں کے منہ میں خاردار لگام ڈالنے کے لئے اب تک کیا کیا ہے اور کیا نئے سیفٹی ایکٹ میں کوئی ایسی دفعہ موجود ہے جس کے ماتحت مرزائیانہ تخریب کو بیخ وبن سے اکھاڑ پھینکنے کے لئے کوئی مستقل بندوبست کیا گیا ہو؟ (زمیندار مؤرخہ ۲۶/اپریل ۱۹۵۲ء)

اس پر جناب مدیر الفضل کو غصہ پر غصہ آرہا ہے اور اپنے جھوٹے نبی کی سنت پر عمل کرتے ہوئے زمیندار کو ابوالتلبیس اور ننگ صحافت کا خطاب دے رہا ہے اور جب مغربی پاکستان نے اس موضوع پر کچھ لکھا تو اسے یوں خطاب کیا۔ اگر آپ میں ذرا عقل ہوتی آپ اس عبارت سے ابوالتلبیس روزنامہ زمیندار سے کچھ سیکھ جاتے۔ مگر معلوم ہوا ہے کہ آپ بھی نرے جانگلو ہیں......الخ!

ہم مدیر الفضل سے دریافت کرتے ہیں کہ اگر یہ عبارت الفضل کی نہیں ہے تو صاف انکار کیوں نہیں کر دیا جاتا کہ ہماری عبارت نہیں ہے۔ ہمارے پرچہ میں سے پیش کرو۔ ہینڈ بل پر اعتراض کہ وہ جعلی ہے۔ اس کا کیا معنی ہے اور یہ کون کہتا ہے کہ ہینڈ بل جعلی ہے۔ وہ انجمن خدام احمد سے شائع کیا گیا ہے۔ یہ انجمن حضرت احمد مجتبیٰ کے خدام کی انجمن ہے۔ کیا آپ ہی خدام احمد ہیں؟ ان کے ایک آدمی نے جس نے اپنا نام بھی لکھا ہے منیر احمد شائع کیا ہے اور اس میں الفضل کے حوالہ سے عبارتیں لکھی ہیں۔ اگر آپ میں ہمت ہے تو عبارتوں کی غلطی نکالئے یا حوالہ سے انکار کیجئے۔ ادھر ادھر کی آئیں بائیں شائیں کرنے سے کیا فائدہ۔ اس حرکت سے آپ کی تلبیس اور آپ کا دجل ظاہر ہوتا ہے نا کہ زمیندار کا۔

بلکہ آپ اپنے الفضل مؤرخہ ۲۷/اپریل ۱۹۵۲ء میں تسلیم کر چکے ہیں کہ یہ عبارت واقعی ہماری ہے لیکن آپ رخ کلام میں اپنی عبارت سے ہٹا کر ٹریکٹ کے مرتب کی طرف پھیرنا چاہتے ہیں معلوم ہوتا ہے۔ آپ نے تمام دنیا کو احمق سمجھ رکھا ہے کہ اس تلبیس سے ہمارا خبث نیت مخفی رہے گا۔

اب ذرا اپنے مریدوں کے دجل وفریب کی ایک اور مثال سن لیجئے:

واقعہ یوں ہوا کہ شیخوپورہ میں ایک دفاع کانفرنس مسلمانوں نے منعقد کی۔ ایک قادیانی وکیل نے دس معززین شہر شیخوپورہ سے جن میں وکیل اور ایم، ایل، اے صاحبان ہیں، کو یہ دھوکا دے کر کہ ہم اتحاد بین المسلمین کے لئے اپیل کرنا چاہتے ہیں۔ ایک تحریر پر دستخط کرالئے۔ اس کے بعد ایک ایسی تحریر شائع کی جس کا دستخط کنندگان کو علم بھی نہ تھا اور اس کے ذریعہ سے عوام وحکومت میں سخت قسم کی غلط فہمی پھیلائی۔ آخر کاران دس آدمیوں کو اشتہار شائع کر کے اپنی صفائی دینی پڑی۔

اشتہار درج ذیل ہے۔ اس کو پڑھئے اور مرزائیوں کی ایمانداری کی داد دیجئے:

اعلان حق

چند قادیانیوں کے دجل فریب کا انکشاف

ہماری توجہ ایک اشتہار کی طرف دلائی گئی ہے جو’’اہالیان شیخوپورہ کا احرار کی دفاعی کانفرنس پر تبصرہ۔ قادیانیوں کی مخالفت کی آڑ میں پاکستان کو نقصان پہنچانے کے اہم منصوبے‘‘ کے زیر عنوان انجمن اتحاد المسلمین شیخوپورہ کی جانب سے شائع کیا گیا ہے جس میں امیر شریعت حضرت مولانا عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری کی تقریر مؤرخہ یکم/جنوری ۱۹۵۲ء بمقام شیخوپورہ پر نکتہ چینی کرتے ہوئے اسے شرانگیز اور پاکستان کی سلمیت اور یکجہتی کے منافی کہا گیا ہے۔

ہمیں اس اشتہار کو دیکھ کر سخت حیرت اور صدمہ ہوا ہے۔ کیونکہ یہ بالکل غلط اور گمراہ کن ہے۔ ہم میں سے کوئی شخص بھی اتفاقاً احرار کے اس جلسہ میں شامل نہ ہوسکا اور نہ ہمیں جلسہ کی کارروائی کا علم ہے بلکہ ہمیں یہ بھی علم نہیں کہ اس کانفرنس میں علمائے دین نے اپنی تقریروں میں کن خیالات کا اظہار فرمایا:

حقیقت یہ ہے کہ ایک قادیانی وکیل نے ایک تحریر پر یہ کہہ کر ہمارے دستخط کرالئے کہ ہم اتحاد بین المسلمین کے لئے ایک اپیل کرنا چاہتے ہیں اور نفس مضمون سے ہمیں ہرگز مطلع نہ کیا بلکہ ایک صاحب کے دستخط بھی کاغذ پر موجود نہیں۔ لیکن ان کا نام اشاعت کنندگان کی فہرست میں درج کیا گیا ہے۔

ہم عوام اور حکومت کی غلط فہمی دور کرنے کے لئے بذریعہ اشتہار ہذا اعلان کرتے ہیں کہ:

۱...... شیخوپورہ میں انجمن اتحاد المسلمین کا کوئی وجود نہیں۔

۲...... ہمارا کسی انجمن سے واسطہ نہیں۔

۳...... ہمارا مرزائیت یا احمدیت سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔

۴...... ہم حضور سرور کائنات حضرت محمد ﷺ کو ختم المرسلین خاتم النّبیین سمجھتے ہیں اور ہمارا ایمان ہے کہ رسول اکرم ﷺ کے بعد ہر قسم کی نبوت کا دروازہ بند ہے اور اب کبھی کسی قسم کا ظلی، بروزی، تشریعی، غیر تشریعی وغیرہ کوئی نبی نہیں ہوسکتا۔

۵...... ہمارا اشتہار متذکرہ صدر سے مطلق کوئی واسطہ یا تعلق نہیں۔

شائع کنندگان

(۱) ایم اے حکیم بی۔اے۔ایل۔ایل بی شیخوپورہ، (۲) محمد ادریس خان پلیڈر شیخوپورہ، (۳) ایم۔اے رحمان پلیڈر شیخوپور، (۴) برکت علی پریذیڈنٹ بار ایسوسی ایشن شیخوپورہ، (۵) عبداللطیف ایم۔ایل۔اے وکیل شیخوپورہ، (۶) طالب حسین وکیل شیخوپورہ، (۷) خواجہ غلام حسین ایڈووکیٹ شیخوپورہ، (۸) شیخ محمد حنیف وکیل، (۹) محمد اقبال ایڈووکیٹ، (۱۰) علی شیر ایم۔اے۔ایل۔اے۔ (الصدیق ج۲ ش۸ ص۵ تا۸، شعبان ۱۳۷۱ھ مئی ۱۹۵۲ء)

(۵) نظرات

(از حضرت مولانا مفتی عبداللہ صاحب)

خدا شرے برانگیزد

حال ہی میں دو واقعے ایسے ہوئے ہیں جن پر یہ مصرع صادق آتا ہے۔ ’’خدا شرے برانگیزد کہ خیر ما دران باشد‘‘ پہلا واقعہ وہ ہے جسے ہنگامہ کراچی سے تعبیر کیا جاتا ہے جس کی صورت یہ ہوئی کہ اواخر شعبان میں سر ظفر اللہ قادیانی نے پاکستان کے دارالخلافہ

کراچی میں ایک عمومی جلسہ منعقد کر کے تقریر کرنی چاہی۔ یہ جلسہ ایسے حالات میں منعقد کیا جارہا تھا جب کہ مسلمانوں کے جلسوں پر پابندیاں عائد تھیں۔ باوجودیکہ حکومت مرکزیہ کے بعض افراد نے چوہدری سرظفراللہ کو سمجھایا بھی کہ بحالت موجودہ آپ کا تقریر کرنا مناسب نہیں ہے۔ (جیسا کہ لاہور وکراچی کے اخبارات مظہر ہیں) مگر سرظفراللہ کے سر پر مرزا بشیرالدین کے حکم اور امر کا بھوت سوار تھا جو کہ اس نے اپنے مریدین کو دے رکھا ہے جس کا حاصل یہ ہے: ’’۱۹۵۲ء کو گزرنے دو بلکہ اس سال میں ہی ایسے حالات پیدا کردو کہ دشمن مجبور اور بے بس ہوکر احمدیت کے آغوش میں آگرے۔‘‘ یہ حکم الفضل میں شائع ہو چکا ہے۔

اس بناء پر سرظفراللہ نے کہا کہ میں تقریر ضرور کروں گا۔ چنانچہ کافی مسلح پولیس کو جلسہ گاہ میں معین کیا گیا اور سرظفراللہ صاحب بمع اپنی مرزائی جماعت کے جلسہ گاہ میں پہنچ گئے اور باوجود کہ جلسہ کی اجازت اس بناء پر دی گئی تھی کہ اختلافی مسائل پر تقریریں نہیں کی جائیں گی۔ لیکن مقررین نے اختلافی مسائل پر تقریریں کیں۔ اسلام اور مسلمانوں پر حملے کئے گئے۔ اس پر اشتعال پیدا ہوا۔ مسلمانوں نے کچھ اعتراض کئے۔ اس پر پولیس کو لاٹھی چارج کا حکم دے دیا گیا۔ یہ لاٹھی چارج سخت اور خطرناک قسم کے تصادم کی صورت اختیار کر گیا۔

اس مسئلہ میں امور قابل تنقیح یہ ہیں:

۱...... مرزائی جو جلسہ کرتے ہیں وہ اسلام کے نام پر کرتے ہیں اور اسلام کا لیبل لگا کر۔ اپنی تقریروں میں تمام دنیا کے مسلمانوں کو کافر اور خود کو سچا مسلمان ظاہر کرتے ہیں۔ اگر یہ لوگ یہودیوں اور عیسائیوں کی طرح اپنے کمروں اور مساجد میں جلسے کریں اور یہ جلسے مرزائیت کے نام پر ہوں تو مسلمانوں کو کوئی اعتراض نہ ہو۔ یہ وہ نکتہ ہے کہ اس سے بہت سے مسلمان بھی ناواقف ہیں اور اپنی ناواقفیت کی بنا پر کہہ بیٹھتے ہیں کہ جب عیسائیوں اور دوسری اقلیتوں کو تقریریں کرنے کا حق حاصل ہے تو مرزائیوں کو کیوں نہیں دیا جاتا۔

۲...... دوسری دلیل اس بارہ میں مسلمانوں کی یہ ہے کہ پاکستان میں اس وقت مرزائیوں کی جداگانہ ریاستیں بن رہی ہیں۔ چنانچہ سندھ میں ناصر آباد، محمود آباد وغیرہ اور پنجاب میں ربوہ۔ یہ ریاستیں ایسی ہیں کہ ان میں مرزامحمود کا حکم چلتا ہے۔ حکومت پاکستان کے قوانین کا کوئی احترام نہیں ہے۔ اس مقامات میں مسلمان کوئی جلسہ یا جلوس نہیں نکال سکتے تو مسلمان اس امر میں حق بجانب ہیں کہ مسلمانوں کی اکثریت والی جگہوں میں قادیانی کیوں جلسہ کرتے ہیں۔

دوسرا واقعہ یہ ہوا کہ ہنگامہ کراچی کے بعد ملک بھر کے مسلمانوں میں ہیجان پیدا ہوگیا اور مسلمانوں نے ارادہ کیا کہ رمضان شریف کے آخری جمعہ میں پاکستان کے طول عرض سے یہ مطالبات پیش کئے جائیں کہ:

۱...... مرزائیوں کو اقلیت قرار دیا جائے۔

۲...... ظفراللہ کو وزارت خارجہ سے برطرف کیا جائے۔

۳...... ربوہ اور سندھ کی دوسری مرزائی ریاستوں کو توڑ دیا جائے۔

۴...... اس وقت تمام کلیدی محکموں پر مرزائی چھایا ہوا ہے ان کو ہٹا دیا جائے۔

مسلمان یوم مطالبہ کی تیاریاں کر رہے تھے کہ ناگہاں وزیراعظم پنجاب میاں ممتاز دولتانہ نے دو ماہ کے لئے دفعہ ۱۴۴ نافذ کر کے مرزائیت کے خلاف اور تحفظ ختم نبوت کے سلسلہ میں تقریریں کرنے سے روک دیا۔ اس حکم کی تعمیم ایسی کی گئی کہ مساجد میں مرزائیوں کے خلاف تقاریر کرنا ممنوع قرار پایا۔ چنانچہ بہت سے حضرات علماء اور مقررین جامع مسجدوں میں تقریریں کرنے کی بنا پر گرفتار ہوچکے ہیں اور جیلوں کے اندر پڑے ہوئے ہیں۔ اگرچہ بعد کی اطلاعات کے مطابق مساجد کو اس دفعہ سے مستثنیٰ کر دیا گیا ہے۔ مگر اس حکم سے مسلمانوں میں سخت ہیجان پیدا ہوچکا ہے۔ وہ حیران ہیں کہ حکومت مرزائیت نوازی کی طرف کیوں اس قدر مائل ہوچکی ہے کہ سرظفراللہ تو کراچی کے کھلے میدانوں میں ختم نبوت کے خلاف تقریریں کرے اور حکومت اس کے جلسہ کو کامیاب بنانے کے لئے پولیس ان کو مہیا کرے اور مسلمان مساجد میں ختم نبوت کے حق میں تقاریر کریں تو ان کو گرفتار کر لیا جائے۔

بہ بیں تفاوت راہ از کجاست تا بکجا

اس سلسلہ میں جو امر قابل تنقیح ہے وہ یہ ہے حکومت کے بیانات اس پر دلالت کرتے ہیں کہ یہ مسئلہ ختم نبوت صرف احراریوں اور مرزائیوں کے درمیان متنازع فیہا ہے۔ گویا کہ دوسرے مسلمانوں کو اس بارے میں کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ یہ بات درحقیقت اوّلاً مرزائیوں نے پیدا کی ہے۔ چنانچہ الفضل میں مقالہ شائع ہوا ہے کہ ’’احراری اور ہیں اور مسلمان اور‘‘ اور مرزائی اخبارات ورسائل اس بات پر زور دے رہے ہیں۔ حکومت نے بھی اپنے بیانات میں مرزائی نظریہ کو اپنایا ہے۔ اس سے مسلمانوں کے دلوں میں حکومت کے خلاف شبہات پیدا ہونے لگے ہیں۔ کیونکہ ختم نبوت صرف مجلس احرار کا نہیں بلکہ مسلمانان

عالم کا متفقہ عقیدہ ہے۔ حتیٰ کہ اب صوبہ پنجاب کی مسلم لیگ کے معزز عہدہ داران، اراکین ممبران اسمبلی بھی مسلمانوں کے چارنکاتی مطالبات کی تائید میں بیان دے رہے ہیں۔ عوام مسلمین نے ہڑتالیں کر کے اور جلوس نکال کر حکومت پر واضح کر دیا ہے کہ وہ بغیر مرزائیوں کو اقلیت قرار دینے کے اور دیگر مطالبات پورا کرنے کے اور کسی چیز سے مطمئن نہیں ہیں۔

ان واقعات کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ کراچی کے ہنگامہ دار و گیر اور پنجاب کے دفعہ ۱۴۴ نے مسلمانوں کے اندر بیداری کی لہر پیدا کر دی ہے۔ وہ مسلمان جو مرزائیت کی خفیہ ریشہ دوانیوں سے بالکل غافل تھے۔ ہشیار و متنبہ ہوگئے۔ اب ایک ادنیٰ کوچوان...... سے لے کر حکومت کے وزیراعلیٰ تک مرزائی عزائم اور ریشہ دوانیاں ننگی اور واضح ہوچکی ہیں اور مرزائیت کی وضاحت طول وعرض ملک میں جتنی ان ایام کے اندر ہوئی ہیں۔ غالباً پانچ سال میں بھی اتنی نہ ہوتی۔ یہ سب کچھ من جانب اللہ ہوا، اور یہ دفعہ درحقیقت مرزائیت کے زوال کا پیش خیمہ ہے۔

ان واقعات کا ایک رخ یہ بھی ہے کہ اس وقت ملک میں منافق اور مخلص کے درمیان امتیاز قائم ہوچکا ہے۔ اخبارات، حکام، جماعتیں، ادارے غرض کہ ہر شعبہ میں منافق اور مخلص جدا ہو رہا ہے۔ جو مسلمان ہیں اور ان کے دل میں ایمان کا ذرہ موجود ہے۔ وہ چارنکاتی مطالبہ کی تائید کر رہے ہیں اور اس طرح ثابت کر رہے ہیں کہ ہمیں حضورﷺ کی ختم نبوت پر ایمان ہے اور منافق لوگ مرزائیوں کی حمایت کر رہے ہیں۔

چنانچہ اخبار ڈان کراچی مرزائیوں کی حمایت کر رہا ہے۔ امروز اس سلسلہ میں بالکل خاموش ہے۔ اس سے ان کا اتفاق واضح ہو رہا ہے۔ مسلمانوں کو چاہئے کہ ایسے اخبارات کا بائیکاٹ کر دیں جو مسلمانوں کا ساتھ نہیں دے رہے ہیں۔ اپنے مخلص اور خیرخواہ اخبارات کا ساتھ دیں جو مسلمانوں کا ساتھ دیں۔ ان واقعات میں گھبرانے کی قطعاً ضرورت نہیں ہے۔ بلکہ حسب فرمان خداوندی: ''عسیٰ ان تکرھوا شیئا وھو خیرلکم'' خیر کی توقع رکھتے ہوئے اپنی سعی اور کوشش کو پوری تنظیم اور قوت سے جاری رکھنا چاہئے۔

علامہ اقبال مرحوم کا مرزائیت کے خلاف عملی اقدام

علامہ اقبال مرحوم کے وہ مقالات جو انہوں نے ردّ مرزائیت میں تحریر فرمائے ہیں۔ تعلیم یافتہ طبقہ سے پوشیدہ نہیں ہیں۔ مرزائیوں کو اقلیت قرار دینے کا مطالبہ بھی اوّلاً ڈاکٹر اقبال

مرحوم نے کیا تھا۔ عملی طور پر ڈاکٹر صاحب نے مرزائیوں کے خلاف جو کام کیا اس اقتباس سے اس کی ادنیٰ سی جھلک ظاہر ہوتی ہے۔ (دارالعلوم ربیع الثانی ۱۳۷۱ھ ص۴۹) میں ہے۔

(علامہ اقبال نے) برکت علی محمڈن ہال میں اپنے اہتمام سے جلسہ کا انعقاد کیا۔ ختم نبوت اور ردقادیانیت پر حضرت (مولانا سید محمد انور شاہ کشمیری قدس سرہ) کا بیان ہوا۔ ڈاکٹر صاحب پر اس قدر اثر ہوا کہ ردّ قادیانیت کے لئے کمربستہ ہوگئے۔ تاآنکہ خلیفۂ قادیان کو کشمیر کمیٹی سے فوراً الگ ہوجانے کا تار دیا اور انجمن حمایت الاسلام لاہور کے سالانہ جلسہ میں محض اس بناء پر شرکت نہ فرمائی کہ جلسہ کا صدر ایک قادیانی رئیس اعظم تھا۔ انجمن نے ڈاکٹر صاحب کو جلسہ میں لانے کی غرض سے صدر صاحب کو کرسی صدارت چھوڑ دینے کا حکم دیا۔

ڈاکٹر صاحب کا آخری دور کا کلام نظم ونثر اردو فارسی ان حقائق کی ترجمانی کر رہا ہے۔ ردّ قادیانیت میں نہایت بلند پایہ مضامین سپرد قلم فرمائے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے انجمن حمایت اسلام لاہور سے انجمن کے کالج اور تمام سکولوں سے قادیانی لاہوری تمام ملازمین برطرف کرائے تھے۔

آستین کے سانپ

اخبار مدینہ کا مندرجہ ذیل نوٹ مسلمانان اہل سنت کے لئے قابل توجہ ہے۔ غور سے پڑھئے پھر اندازہ لگائیے کہ غیرمسلم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی زندگی سے کس طرح متاثر ہیں اور اپنے آپ کو مومن کہنے والی برادری کے تعصب کا کیا حال ہے۔

’’ہم نے یکم؍جون کے ’’مدینہ‘‘ میں ’’نیک شگون‘‘ کے عنوان سے ایک مختصر سا نوٹ لکھا تھا اور اس کے آخر میں یہ خبر دی تھی۔

آج اتر پردیش کی کونسل میں گورنر کے خطبے پر تقریر کرتے ہوئے ڈاکٹر ایشوری پرشاد نے کہا کہ وزیروں کو ابوبکرؓ کی زندگی سے سبق لینا چاہئے۔ جب وہ بادشاہ (خلیفہ) تھے تب بھی ایک چھوٹے سے مکان میں اپنی بیوی بچوں سمیت معمولی آدمیوں کی طرح رہتے تھے۔ ہماری حیرت کی انتہا نہ رہی جب ہم نے لکھنؤ کے ایک ہفتہ وار شیعہ اخبار میں اپنے نوٹ پر نہیں بلکہ اس میں شامل کی ہوئی ڈاکٹر ایشوری پرشاد کا اپنی تقریر میں مابہ النزاع ہستیوں کا حوالہ دینا ایک افسوسناک امر ہے۔ ڈاکٹر ایشوری پرشاد نے ابوبکر کو بادشاہ کہہ کر ان کی اہمیت

میں کوئی اضافہ نہیں کیا اور دوسری طرح سادگی کی مثال میں ابوبکر کا نام لے کر شیعہ طبقہ کو بھی شکایت کا موقعہ دے دیا اور ہمارے ایک قومی معاصر نے اپنے مخصوص طرز میں اس پر ''مدح صحابہ'' کا رنگ چڑھا دیا۔

یوپی کی کونسل میں جہاں آئے دن مسئلے بھی زیر بحث آتے ہیں اور شخصیتیں بھی۔ اس شخص کا ذکر نا نہیں ہونا چاہئے۔ جسے ''**افضل الناس بعد الانبیاء بالتحقیق**'' کا مقام حاصل ہے (یعنی نبیوں کے بعد مخلوق میں سب سے زیادہ فضیلت رکھنے والا) کیوں نہیں ہونا چاہئے؟ صرف اس لئے کہ ہندوستان میں شیعہ طبقہ اس شخص کو اچھی نگاہوں سے نہیں دیکھتا۔ ہمیں تو اس دلیل میں کوئی وزن نظر نہیں آتا۔ ہم اس ہفتہ وار اخبار کے ادارے سے پوچھتے ہیں:

ڈسنے کو پھنپھناتے ہیں کی آستین کے سانپ''

(الصدیق ج۲ ش۱۰ ص۲ تا۶، شوال ۱۳۷۱ھ جولائی ۱۹۵۲ء)

(۶) المراسلات

(حضرت مولانا مفتی محمد عبداللہ صاحب خیر المدارس)

مرزائی خاندان (حوالہ مرسلہ از حضرت مولانا قاضی احسان احمد شجاع آبادی)

۱...... حضرت محترم مولانا قاضی احسان احمد صاحب مدظلہ نے مرزائیوں کی نادر کتابوں سے چند حوالے تحریر کر دیئے ہیں۔ جن میں سے مرزائی جماعت کی غرض وغایت پر روشنی پڑتی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ یہ جماعت کس مقصد کے لئے وجود میں آئی۔ نیز حضرت موصوف نے مرزا قادیانی کی ایک تصنیف دکھلائی جس کا نام ہے ''ستارہ قیصرہ'' اس میں مرزا قادیانی نے ظاہر کیا ہے کہ میری نبوت کا مقصد ہی یہ ہے کہ ملکہ معظّمہ کی سلطنت کو مستحکم بنایا جائے۔ اگر اللہ تعالیٰ نے توفیق بخشی تو آئندہ پرچہ میں مرزا قادیانی کے ان چاپلوسانہ مضامین کو کلاً یا جزاً شائع کیا جائے گا۔

ہم مجالس ختم نبوت اور حضرت قاضی صاحب کی ہمت اور محنت کی داد دیتے ہیں۔ انہوں نے پوری احتیاط سے مرزائیوں کے قدیم اور نادر لٹریچر کو محفوظ کر لیا ہے جس کے شائع کرنے سے مرزائی اب شرم محسوس کرتے ہیں۔

ذیل میں ایک حوالہ مطالعہ فرماویں۔اس سے آپ کو اندازہ ہوگا کہ کس طرح مرزا قادیانی اور اس کا خاندان سکھوں اور انگریوں کا وفادار اور مسلمانوں کا غدار رہ چکا ہے۔

سیرت مسیح موعود، مصنفہ بشیرالدین محمود احمد مطبوعہ وزیر ہند پریس امرتسر (ص۴) میں ہے: ’’نونہال سنگھ، شیر سنگھ اور دربار لاہور کے دور دورے میں غلام مرتضٰی ہمیشہ فوجی خدمت پر مامور رہا۔۱۸۴۱ء میں یہ جرنیل ونچوڑا کے ساتھ منڈی اور کلو کی طرف بھیجا گیا اور۱۸۴۲ء میں ایک پیادہ فوج کا کمیدان بنا کر پشاور روانہ کیا گیا۔ ہزارہ کے مفسدے میں اس نے کارہائے نمایاں کئے اور جب ۱۸۴۸ء کی بغاوت ہوئی تو اپنی سرکار کا نمک حلال رہا اور اس کی طرف سے لڑا۔ اس موقع پر اس کے بھائی غلام محی الدین نے بھی اچھی خدمات کیں۔ جب بھائی مہاراج سنگھ اپنی فوج لئے دیوان مولراج کی امداد کے لئے ملتان کی طرف جارہا تھا تو غلام محی الدین اور دوسرے جاگیرداران لنگر خاں ساہیوال اور صاحب خاں ٹوانہ نے مسلمانوں کو بھڑکایا اور مصر صاحب دیال کی فوج کے ساتھ باغیوں سے مقابلہ کیا اور ان کو شکست فاش دی۔ ان کو سوائے دریائے چناب کے کسی اور طرف بھاگنے کا راستہ نہ تھا۔ جہاں چھ سو سے زیادہ آدمی ڈوب کر مر گئے۔

الحاق کے موقع پر اس خاندان کی جاگیر ضبط کی گئی۔ مگر سات سو روپیہ کی ایک پنشن غلام مرتضٰی اور اس کے بھائیوں کو عطاء کی گئی اور قادیان اور اس کے گردونواح کے مواضعات پر ان کے حقوق مالکانہ رہے۔ اس خاندان نے غدر ۱۸۵۷ء کے دوران میں بہت اچھی خدمات کیں۔ غلام مرتضٰی نے بہت سے آدمی بھرتی کئے اور اس کا بیٹا غلام قادر جنرل نکلس صاحب بہادر کی فوج میں اس وقت تھا جب کہ افسر موصوف نے ترموں گھاٹ پر نمبر ۴۶ نیٹو انفنٹری کے باغیوں کو جو سیالکوٹ سے بھاگے تھے تہ تیغ کیا۔ جنرل نکلس صاحب بہادر نے غلام قادر کو ایک سند دی جس میں یہ لکھا ہے کہ ۱۸۵۷ء میں خاندان قادیان ضلع گورداسپور تمام دوسرے خاندانوں سے زیادہ نمک حلال رہا۔‘‘

یہ غلام مرتضٰی جن کو بمع بھائیوں کے سات سو روپیہ کی پنشن دی جارہی ہے۔ غلام احمد کادیانی کے والد شریف ہیں۔ جن کے متعلق مرزا بشیر احمد صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ: ’’ہمارے دادا مرزا غلام مرتضٰی بے نماز تھے۔ یہاں تک کہ پچھتّر سال کی عمر میں بھی نماز نہیں پڑھی۔‘‘ (سیرت المہدی ج اوّل ص ۲۱۲، روایت ص ۲۲۴ حصہ اوّل ص ۲۱۲ جدید)

دین کا یہ حال تھا اور انگریزوں کی وفاداری میں اتنے آگے بڑھے ہوئے تھے کہ غدر ۱۸۵۷ء کے دوران میں اس خاندان نے جو خدمات انجام دیں۔ انگریز آج تک اس کے معترف ہیں۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ پاک پنجاب کے پہلے انگریز گورنر نے کئی ہزار ایکڑ زمین غلام مرتضیٰ کے پوتے کو کوڑیوں کے بھاؤ دے دی۔ (الصدیق ج۳ ش۲ ص۳۸،۳۹، صفر۱۳۷۲ھ نومبر۱۹۵۲ء)

(۷) منشی غلام احمد پرویز کے خیالات

بھارتی پنجاب کے ایک قصبہ قادیان میں مرزا غلام احمد کا ظہور ہوا۔ جس نے ابتداء میں مصلح، مجدد ہونے کا دعویٰ کیا۔ اس کے بعد مدارج ارتقاء کو طے کرتے ہوئے نبی اور رسول اور افضل الرسل ہونے کا دعویٰ کیا۔ اس کو تمام دنیا جانتی ہے۔ اب کراچی میں ایک نئے غلام احمد کا طلوع ہوا ہے۔ جسے اہل قلم طبقہ میں پرویز کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ ان کے خیالات کو مدیر ندائے حرم نے جمع کیا ہے۔ جنہیں ہم الصدیق کے ذریعہ ذی احساس طبقہ کے گوش گزار کرنا چاہتے ہیں تاکہ انہیں معلوم ہو کہ کس طرح ہمارے نادان دوست دین میں قطع وبرید کے لئے تیار بیٹھے ہیں۔ اس کے بعد ہماری ذمہ داری دینی جدوجہد کے لئے بہت ہی بڑھ جاتی ہے۔ (مدیر) (الصدیق ج۳ ش۸ ص۳۸، شعبان۱۳۷۲ھ مئی۱۹۵۳ء)

(۸) دوسرے کیا کہتے ہیں...... خود ہی ثبوت فراہم کردیا

مرزا بشیرالدین محمود پچھلے دنوں ربوہ میں قادیانیوں کے ایک اجتماع کو خطاب کر رہے تھے کہ درمیان میں ''الفضل'' کا ذکر آ گیا۔ آپ نے فرمایا کہ الفضل کی زمام ادارت جس زمانہ میں میرے ہاتھ میں تھی، اس کا معیار اتنا بلند تھا کہ ہندوستان کا اہل علم واہل ذوق طبقہ ''الفضل'' کا بے تابی سے منتظر رہتا تھا۔ حتیٰ کہ مولانا ابوالکلام آزاد الفضل کا مطالعہ انتہائی شوق سے کرتے تھے۔ مرزامحمود نے اس کی ایک مثال دیتے ہوئے فرمایا کہ ایک دفعہ مولانا ابوالکلام آزاد گرفتار ہو کر کسی جیل میں گئے تو آپ سے پوچھا گیا کہ فرمایئے آپ کو جیل میں کون سا اخبار مطالعہ کے لئے دیا جائے۔ انہوں نے جواب میں کہا: ''الفضل''

مولانا ابوالکلام آزاد کے بارہ میں لوگ جانتے ہیں کہ وہ حسن بیان کا پیکر، اظہار مدّعا میں لاثانی، تحریر وادب کی سحر طرازیوں سے مالامال، فصاحت وبلاغت کی معجزانہ صلاحیتوں کے بحر ناپیدا کنار ہیں۔ آپ ان کی کسی بھی کتاب کو اٹھا کر دیکھ لیجئے۔ اس کے ایک ایک لفظ میں جو

دلآ ویزی، جوحسن، جو جمال، جوخوبی ورعنائی ہے۔ وہ کسی دوسرے کی تصنیف میں نہیں ملے گی۔ ان کی تصنیفات کی مقبولیت کا یہ عالم ہے کہ ایک ایک کتاب کئی کئی دفعہ زیورطبع سے مزین ہو چکی ہے۔

مگر مرزائی لٹریچر کے بارہ میں آپ حیران ہوں گے کہ خود مرزا غلام احمد قادیانی کی کوئی کتاب دوسری دفعہ نہیں چھپ سکی۔ بلکہ مرزائی خود ان کو چھاپنے کے لئے تیار نہیں۔ ان میں جو گھٹیا مواد ہے۔ اس کے پیش نظر وہ ان کو انتہائی احتیاط سے چھپا چھپا کر رکھتے ہیں۔ کیونکہ لوگوں کو کسی دور میں بھی ''خاکسار پیپرامنٹ'' ''کمترین کا بیڑہ غرق'' ''نادر شاہ کہاں گیا'' ایسے مہملات کی ضرورت پیش نہیں آسکی۔

ہمارے خیال میں تو صحت ذوق کی علامات میں سے ایک بہت بڑی علامت یہ ہے کہ مرزائی لٹریچر انتہائی کوشش کے باوجود پڑھا نہ جاسکے۔ مگر یہاں معاملہ یہ ہے کہ اتنے بڑے صاحب ذوق کے متعلق یہ کہا جارہا ہے کہ وہ جیل میں ''الفضل'' پڑھا کرتے تھے۔

قصہ اصل میں یہ ہے کہ جیل میں ہمیشہ ایسے اخبار پڑھنے کے لئے قیدی کو دیئے جاتے ہیں جو ہر لحاظ سے حکومت کی مٹھی میں ہوں۔ اس کی ہر برائی کو خوبی اور اس کے ہر ظلم کو رحمت ورافت سے تعبیر کرتے ہوں۔ ظاہر ہے کہ مرزائی اس باب میں سب سے پیش پیش تھے اور انگریز کے دامن فتنہ پرور کے ساتھ ہر اعتبار سے نتھی! اس لئے ''الفضل'' ہی وہ اخبار ہوسکتا تھا جو قیدیوں کو دیا جاسکتا تھا۔ اس بناء پر مولانا بھی ایک سیاسی قیدی ہونے کی حیثیت سے اگر الفضل پڑھتے تھے تو اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ الفضل اتنا بلند معیار کا اخبار تھا کہ مولانا ایسا صاحب ذوق اس کو پڑھنے کا خواہش مند رہتا تھا یا مولانا کا خدانخواستہ جیل میں جاکر ذوق اتنا پست ہوگیا تھا کہ وہ ''الفضل'' کا مطالعہ کرنے لگے تھے۔ بلکہ یہ تو الفضل پر مولانا کا ایک بھرپور طنز ہے اور انہوں نے جیل میں الفضل منگا کر یہ ثابت کردیا ہے کہ انگریز کے جیل خانوں میں ''الفضل'' کے سوا اور کوئی اخبار نہیں جاسکتا تھا۔ ورنہ کہاں مولانا کے ذوق علم وفضل کی بلندیاں اور رفعتیں اور کہاں مرزائی لٹریچر کی سطحیت اور پستیاں۔

بہرحال مرزامحمود نے ایک دفعہ پھر یہ ثبوت فراہم کردیا ہے کہ ان کا جماعتی لحاظ سے انگریز کے ساتھ اتنا لگاؤ اور قلبی تعلق تھا کہ الفضل ان کے جیلوں میں پڑھا جاتا تھا اور مولانا ابوالکلام آزاد ایسے بلند مرتبہ آدمی بھی مجبور تھے کہ ''الفضل'' پڑھیں۔

(الصدیق ج۵ ش۷ ص۶۲، رجب ۱۳۷۴ھ مارچ ۱۹۵۵ء)

(۹) مولانا ابوالکلام اور ’’الفضل‘‘

قادیانی جماعت کے امام میاں بشیرالدین محمود نے بڑے طمطراق سے یہ دعویٰ کیا تھا کہ مولانا ابوالکلام آزاد اپنے زمانہ اسارت میں ’’الفضل‘‘ پڑھا کرتے تھے۔ اس پر مزید گرہ لگاتے ہوئے مدیر’’الفضل‘‘ نے فرمایا تھا کہ مولانا کا جیل میں رجحان مذہب کی طرف ہوگیا تھا اور’’الفضل‘‘ خیر سے مذہبی اخبار ہے۔ اس لئے مولانا نے اسی کو پسند فرمایا۔ لیکن مرزائی دوستوں نے یہ نہ خیال فرمایا کہ مذہب اور ذوق دو مختلف چیزیں نہیں ہیں۔ جو شخص جتنا مذہب کا پابند ہوگا اتنا ہی باذوق بھی ہوگا خصوصاً مولانا ابوالکلام ایسا شخص تو کبھی بھی ذوق کا گھلا گھونٹ کر’’الفضل‘‘ کا مطالعہ نہیں کرسکتا۔

چنانچہ مولانا کے پرائیویٹ سیکرٹری جناب محمد اجمل خان نے ایک مکتوب کے ذریعہ اس کی تردید کردی ہے اور وہ تردید بشکریہ ’’صدق جدید‘‘ ذیل میں درج کی جاتی ہے:

’’یہ پڑھ کر میں نے مولانا سے حقیقت حال دریافت کی۔ انہوں نے فرمایا کہ عمر بھر میں کبھی میں ایسے اخبار کا جس کا نام الفضل ہو، پڑھنے والا نہیں رہا ہوں اور یہ واقعہ بھی سرے سے غلط ہے کہ جیل میں مجھے صرف ایک اخبار کے منگوانے کی اجازت دی گئی۔ جب میں رانچی میں قید تھا تو پانچ چھ انگریزی روزانہ اخبار میرے پاس آتے تھے۔ علی پور سینٹرل جیل کلکتہ میں گورنمنٹ کی طرف سے’’اسٹیٹس مین‘‘ مجھے ملتا تھا اور’’امرت بازار پتر کا‘‘ اور’’سرونٹ‘‘ میں منگاتا تھا۔ احمد نگر قلعہ میں ابتداء میں بندش رہی۔ اس کے بعد جب بندش دور ہوگئی تو جتنے اخبار ہم چاہتے تھے وہ برابر ہمارے پاس آئے تھے۔ علاوہ بریں جیل میں مطالعہ کے لئے ضرورت ہوتی ہے کہ روزانہ اخبارات کا مطالعہ کیا جائے۔ وہاں اردو کے ایک ہفتہ وار یا ماہوار مذہبی پرچہ کے منگانے کا وہم وگمان بھی کسی کو نہیں ہوسکتا اور وہ بھی قادیان کا۔ افسوس ہے کہ ایک صاحب جو اپنے آپ کو اپنی جماعت کا امیر قرار دیتے ہیں۔ ایسی غلط اور بے پر کی بات اپنی تقریر میں کہتے ہیں۔‘‘ (الصدیق ج۵ ش۷ ص۶۳، رجب۱۳۷۴ھ مارچ ۱۹۵۵ء)

(۱۰) مرزائیوں کے امام مرزامحمود کا ایک خواب

فرمایا:’’میں نے دیکھا کہ میری چھوٹی ہمشیرہ امۃ الحفیظ بیگم میرے ساتھ ایک جگہ پر ٹہل رہی ہیں اور اردگرد دوسرے لوگ بیٹھے ہیں۔ وہ نہایت ہی آہستہ آواز میں میرے کان کے

پاس منہ کر کے کہتی ہیں کہ ابھی مکانوں پر زیادہ خرچ نہ کرو۔ دارالحمد کے سجانے کی طرف توجہ کرو۔ میں سمجھتا ہوں کہ ان کو کسی نے کہلا بھیجا ہے کہ قادیان تو ہمیں ملنے والی ہے۔ اس لئے کسی دوسری جگہ مکان بنوانے سے کیا فائدہ ہے۔ مگر میں خواب میں اس مشورہ کو غلط سمجھتا ہوں اور خیال کرتا ہوں کہ کسی جماعت کا مرکز کے بغیر تھوڑا عرصہ رہنا بھی بڑا خطرناک ہوتا ہے۔ یہ خیال کر کے میں نے بڑے جوش سے بلند آواز سے کہا کہ آہستہ آہستہ یہ بات کیوں کہتی ہو۔ ہر ایک جانتا ہے کہ قادیان ہم کو ملنے والی ہے...... الیٰ آخرہ!'' (الفضل مؤرخہ یکم رفروری ۱۹۵۷ء)

۲...... مرزامحمود خطبہ جمعہ دیتے ہوئے (ص۳) پر فرماتے ہیں: ''یہ رؤیا اگر ظاہر پر محمول کیا جائے تو اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ جانا امرتسر کی طرف سے ہوگا لیکن رستے اصل چیز نہیں۔ اصل چیز تو یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ پھر ان علاقوں کو آپس میں ملادے اور مسلمان عزت اور احترام کے ساتھ وہاں جائیں۔ ہمارا ظاہری طور پر بھی ہمیشہ یہی خیال رہا ہے۔ چنانچہ گاندھی جی نے اپنے مارے جانے سے پہلے میرے پاس لاہور میں اپنا ایک نمائندہ بھیجا تھا اور وہ مس مردولا سارابائی تھیں۔ انہوں نے مجھ سے ذکر کیا کہ گاندھی جی کہتے ہیں کہ آپ کیوں چلے گئے۔ ہم تو آپ کو اپنے علاقہ میں رکھنا چاہتے تھے۔ میں نے کہا میں نے تو پنڈت نہرو صاحب سے مل کر بھی واضح کیا تھا کہ اس علاقہ میں امن قائم ہو تو ہم رہنے کو تیار ہیں۔ لیکن وہ امن قائم نہیں کر سکے۔ انہوں نے کہا گاندھی جی کہتے ہیں۔ اب وقت آگیا ہے کہ ہم امن قائم کر سکیں۔ وقت آیا تو وہ بیچارے آپ ہی مارے گئے...... الیٰ آخرہ!'' (ایضاً)

(۱۱) مرزامحمود نے اپنا سرمایہ ہندوستان منتقل کرنا شروع کر دیا

(نوائے پاکستان مؤرخہ ۷رفروری ۱۹۵۷ء)

حکومت مرزامحمود کے پاکستان دشمن عزائم پر خاص توجہ دے

مرزامحمود کے تازہ الہامات و بیانات کے خلاف سخت اقدام کیا جائے

حقیقت پسند پارٹی کے راہنما عبدالحمید چودھری کا بیان

لاہور ۵رفروری۔ مرزابشیرالدین محمود نام نہاد قادیانی خلیفہ کے حالیہ خطبہ اور تازہ الہام کے خلاف شدید احتجاج کرتے ہوئے مرزامحمود کی مخالف جماعت حقیقت پسند پارٹی

کے رہنما عبدالحمید چودھری نے اپنے ایک تحریری بیان میں کہا:

خلیفہ ربوہ کے سرکاری آرگن الفضل مؤرخہ یکم رفروری ۱۹۵۷ء میں مرزامحمود کا جو خطبہ شائع ہوا ہے وہ اس بات کا آئینہ دار ہے کہ خلیفۂ ربوہ نہ صرف متحدہ ہندوستان کا خواب دیکھ رہا ہے۔ بلکہ وہ اب بھی انڈیا کی کانگریس پارٹی کا ہمنواء ہے۔ بلکہ مرزامحمود نے الہام میں کہا ہے کہ گاندھی جی مس مردولا سارابائی کے ذریعہ مجھے ہندوستان بلاتے رہے۔

بیان میں عبدالحمید چودھری نے کہا ہے کہ پاکستان کی سالمیت ختم کرنے اوراس کے وجود پر کاری ضرب لگانے کے لئے اس سے زیادہ قابل اعتراض الفاظ اور کیا ہوسکتے ہیں کہ مرزامحمود نے اپنے خطبہ میں یہاں تک کہہ دیا ہے۔

’’اصل چیز تو یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ پھران علاقوں کو آپس میں ملادے۔‘‘

اور آگے چل کر لکھا ہے: ’’سب مسلمانوں سے کہو کہ وہ آزادی سے اس طرح رہیں۔ جیسے انگریزوں کے زمانہ میں رہتے تھے اور پاکستان اور بھارت کے درمیان کوئی باؤنڈری نہیں ہوگی۔‘‘

حقیقت پسند پارٹی کے رہنما نے اپنے ایک بیان میں یہ بھی کہا ہے کہ خلیفہ ربوہ نے گزشتہ کئی ماہ سے حصول چندہ کی ایک زبردست تحریک کا آغاز کر رکھا ہے۔ یہ چندہ قادیان کے متروکہ مکانات اور بہشتی مقبرہ کی مرمت کے نام پر لیا جارہا ہے اور چندہ دہندوں کی طویل فہرست اخبار الفضل میں شائع کی جارہی ہے۔

حقیقت پسند پارٹی نے اس صورت حال پر گہری تشویش کا اظہار کرتے ہوئے حکومت سے مطالبہ کیا ہے کہ وہ اس واقعہ کی پوری تحقیقات کرائے کہ مقامات مقدسہ کے نام پر پاکستان کا زرکثیر کس بہانے سے ہندوستان بھیجا جارہا ہے۔

حقیقت پسند پارٹی کی رائے ہے کہ اس طرح مرزامحمود اپنا روپیہ پاکستان سے ہندوستان منتقل کر رہا ہے! حقیقت پسند پارٹی کے رہنما عبدالحمید چودھری نے یہ بھی کہا ہے کہ مرزامحمود نے انجمن احمدیہ کے بیت المال سے ایک لاکھ روپیہ اپنے حساب میں نکلوالیا ہے۔

(نوائے پاکستان)

(الصدیق ج۷ ش۶ ص۴۱ تا ۴۳، جمادی الثانی ۱۳۷۶ھ فروری ۱۹۵۷ء)

(۱۲) بارگاہ قادیانیت سے نکالے ہوئے لوگو!

تمہارے لئے بارگاہ محمدی کے دروازے کھلے ہوئے ہیں

گزشتہ چندمہینوں سے قادیانی خلافت اور امت میں زبردست کشمکش چل رہی ہے۔ شروع شروع میں موجودہ خلیفہ کی علیحدگی اور ان کی خلافت ونیابت کی آگ اندر ہی اندر سلگتی رہی۔ امت مرزائیہ کے اساطین نے اسے مخفی رکھنے کی ہرممکن کوشش کی، مگر خلیفہ کے مخالفین نے کچھ اس انداز سے عزل خلیفہ کی تحریک چلائی کہ برسر اقتدار گروہ نے مجبور ہوکر قادیانی پریس میں پناہ لی اور اپنے حاشیہ برداروں اور پٹھوؤں سے خلیفہ پر اعتماد حمایت اور حزب مخالف کی تردید ومذمت میں قراردادیں پاس کروائیں۔ الفضل قماش کے اخبارات نے برسر اقتدار گروہ کی حمایت میں کالموں کے کالم سیاہ کئے۔ مگر مخالفت کی جو آگ اندر ہی اندر سلگ رہی تھی۔ اس کے شعلے پورے زوروں سے بھڑک اٹھے۔ یہ آگ بجھتی بھی کیسے جب کہ یہ لوگ خلیفہ کی اقرباء نوازی خاندان پروری اور سامرانہ ذہنیت سے تنگ آچکے تھے، تبلیغ اسلام کے لبادہ میں غنڈہ گردی، فراہمی دولت اور ڈکٹیٹرشپ ان کے لئے اب ناقابل برداشت تھا۔ بالآخراس تمام کشمکش اور اختلاف کی لڑائی کی تان حزب مخالف کو الگ قرار دینے پر ٹوٹی۔ خلیفہ نے تکفیر کی ٹکسال میں ڈھال ڈھال کر فتویٰ بازی کی مہم تیز تر کردی۔ غدار، منافق، زندیق، ملحد، مردود، ملعون اور جہنمی وغیرہ فتوؤں کی ان پر بارش شروع کردی گئی۔ لیکن بایں ہمہ قادیانی اور معقول اور سمجھدار طبقہ حزب مخالف کا ہمنواء ہوگیا تو خلیفہ نے اس خطرہ کے پیش نظر کہ کہیں تمام امت سے ہی نہ ہاتھ دھونا پڑے۔ معقول، مخلص اور حق گو قادیانیوں کو جماعت سے الگ قرار دے دیا اور ان کے سوشل بائیکاٹ کا اعلان کردیا۔

حزب مخالف نے اگرچہ حقیقت پسند پارٹی کے نام سے اپنی الگ جماعت کا اعلان کردیا۔ مگر وہ رہی بڑی پریشان کیونکہ وہ قریباً تمام معاشرے سے کٹ چکے ہیں۔ کوئی ان کو منہ لگانے کو بھی تیار نہیں ہے۔ ’’ضاقت علیھم الارض بما رحبت‘‘ وہ آخر کہاں جائیں۔ کیونکہ قادیانی خلافت تو ان کو غدار اور منافق کا الزام دے کر عضو فاسد کی طرح کاٹ چکی ہے اور اب کئی قسم کی دھمکیاں دے رہی ہے۔ بازاری گالیوں سے خلیفہ اور ان کے حامی

اخبارات ان کو نواز رہے ہیں۔ لاہوری جماعت اپنی جگہ ان کو منہ لگانے کے لئے تیار نہیں۔ کیونکہ یہ سمجھتے ہیں کہ وہ مخلص احمدی ہیں۔ الگ کر دینے کے باوجود بھی ان کی احمدیت میں کوئی فرق نہیں آیا۔ مرزائیت کی حالت میں مسلمانوں کے پاس ان کے جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ کیونکہ اسلام کی رو سے یہ مرتد ہیں۔ مسلمان ذمی کافر کی حفاظت اور اس سے اختلاط تو کر سکتا ہے، مگر مرتد سے نہیں، اس کی سزاء انتہائی سنگین ہے۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے، کیا وہ ملک بدر ہو جائیں یا گھٹ کر مر جائیں؟ پچھلے دنوں اس پارٹی کے ایک رکن نے اپنی داستان کا دکھڑا مدیر ''الاعتصام'' کو سنایا۔ جسے سن کر ہمارے رونگھٹے کھڑے ہوگئے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ فرض کر لیجئے۔ ان میں کا ایک آدمی کسی مقام پر صرف اکیلا ہی رہتا ہے اور زندگی میں سینکڑوں حادثات رونما ہوتے رہتے ہیں۔ خدانخواستہ کسی حادثہ کا وہ شکار ہوگیا ہے تو ایسی حالت میں اس سے کون موانست کرے گا۔ اگر وہ مر بھی جاتا ہے تو اس کی تجہیز و تکفین کون کرے گا۔ اس کو دفنائے گا کون اور اس کا جنازہ کون پڑھائے گا۔ اس کی میت ذلیل و خراب ہو کر رہ جائے گی۔ جب کہ خلیفہ بھی یہی چاہتا ہے۔

ہم اس پارٹی کے تمام ارکان کو مخلصانہ مشورہ دیں گے کہ اپنے کو یوں ذلیل نہ کریں اور نہ اپنے جنازے خراب ہی کرائیں۔ بلکہ حقیقت پسندی کا ثبوت دیتے ہوئے اسلام کی آغوش میں آجائیں۔ اسلام کے دروازے آپ کے لئے ہر وقت کھلے ہیں۔ ہم پرتپاک آپ کا خیر مقدم کریں گے۔ اسی طرح خلیفہ بھی اپنے عزائم میں ناکام ہو جائے گا اور آپ پر یہ بالکل روز روشن کی طرح واضح اور عیاں ہو چکا ہے کہ قادیانی نبوت وخلافت اور قادیانی تحریک کوئی مخلص مذہبی تحریک نہیں ہے۔ بلکہ یہ سیاسی اسٹنٹ تھا جسے فرنگی شاطر کی مصلحتوں نے جنم دیا تھا۔ اس ملک سے انگریز کے چلے جانے کے بعد ان کا تمام گورکھ دھندا خود بخود ختم ہوگیا۔ اب کوئی وجہ نہیں کہ یہ زندہ اور باقی رہے۔ یہ ان کے آخری ہچکولے ہیں۔ اب یہ صرف دم توڑ رہی ہے۔ پھر یہ کتنا افسوس ناک پہلو ہے کہ جو شخص صرف معمولی اختلاف رائے اور ہلکی سی تنقید سے بوکھلا اٹھتا ہے اور اپنے اقتدار اور ذاتی مفاد کے تحفظ کی خاطر پورے لاؤ لشکر سمیت میدان انتقال میں اتر آتا ہے اور اس سلسلہ کی ہر ذلیل حرکت کر گزرتا ہے اور یہ تمام معاملہ اس کا اپنے مخلصین کے ساتھ ہے جو اسلام کے منافی ہے۔ جب اپنوں کے ساتھ

اس کا یہ برتاؤ ہے تو دوسروں کو اس سے وسعت ظرف کی کیا توقع ہوسکتی ہے۔ ہم حکومت سے بھی کہیں گے کہ یہ مملکت اندر مملکت کے کیا معنی ہیں۔ کیا یہ پاکستان کی سلامتی اور استحکام کے منافی نہیں ہے؟ اسے کب ختم کیا جائے گا۔ اگر حکومت نے بروقت دوراندیشی کا ثبوت نہ دیا اور اس کے انسداد کی کوشش نہ کی تو خطرہ ہے کہ قوم کے اجتماعی معاشرے میں سخت انتشار و اضطراب پھیل جائے۔ (الصدیق ج۷ ش۱۲ ص۴۱،۴۲، ذوالحجہ ۱۳۷۶ھ جولائی ۱۹۵۷ء)

(۱۳) ختم نبوت

(مولانا عبدالحمید ارشد)

ختم نبوت کا مسئلہ جملہ ادیان سماویہ (الٰہیہ) میں متفق علیہ چلا آتا ہے۔ قرآن عظیم کی طرح تورات وانجیل سے بھی محمد رسول اللہ ﷺ کا خاتم النّبیین ہونا واضح ہوتا ہے۔ دیکھئے اس موقع پر نجاشیؒ عم زاد رسول ﷺ جعفر بن ابی طالبؓ سے کہتا ہے۔

آپ نے ایک ''عظیم حقیقت'' کا اظہار کیا ہے۔ لہٰذا ذرا ٹھہر جایئے۔'' پھر ناقوس (بگل، سنکھ) بجوا کر عیسائی علماء پادریوں اور راہبوں کو دربار میں بلوالیا۔ جب وہ سب اکھٹے ہوگئے تو ان سے یوں خطاب کیا: ''**انشدکم اللہ الذی انزل الانجیل علٰی عیسٰی ھل تجدون بین عیسٰی و بین یوم القیامۃ نبیّاً مرسلاً؟ قالوا اللھم نعم قد بشّرنا بہ عیسٰی فقال من اٰمن بہ فقد اٰمن بی و من کفر بہ فقد کفر بی** (لباب التاویل ج۱ ص۵۱۷) ''میں آپ لوگوں کو اس ''خدائے پاک'' کا واسطہ (یاقسم) دے کر پوچھتا ہوں جس نے ''انجیل مقدس'' عیسٰی علیہ السلام پر اتاری ہے کہ کیا تم (تورات وانجیل وغیرہ کتب الٰہیہ میں) عیسٰی علیہ السلام اور قیامت کے درمیان کسی ایک نبی ورسول کی آمد کا ذکر پاتے ہو؟ کہنے لگے ہاں! بخدا (ایک ایسے نبی کو قیامت سے پہلے آنا ہے) جس کی بشارت ہم کو عیسٰی علیہ السلام دے چکے ہیں (اور ساتھ ہی) فرما چکے ہیں جو اس (آخری رسول) پر ایمان لایا درحقیقت وہی مجھ پر ایمان لایا ہے اور جس نے اس کے ساتھ کفر کیا تو بلاشبہ اس نے میرے ساتھ کفر کیا۔

اس میں ان الفاظ: ''**ھل تجدون بین عیسٰی وبین یوم القیامۃ نبیّـاً مرسلاً**'' پر بار بار غور کیجئے۔ صاف معلوم ہوگا کہ اہل کتاب میں بھی یہ بات مسلم تھی کہ عیسٰی علیہ السلام اور قیامت کے درمیان انبیاء علیہم السلام کا تسلسل نہیں ہے۔ بلکہ صرف ایک نئے نبی اور

رسول کو آنا ہے[1]۔ (اور وہ ہیں محمد رسول اللہ خاتم الانبیاء علیہ السلام)

وہ یہ بھی جانتے تھے کہ عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت سے سلسلۂ انبیاء قریب الاختتام ہے۔ علمائے اہل کتاب نے اپنے مذکورہ بالا جواب میں بتادیا ہے کہ ہاں عیسیٰ علیہ السلام کے بعد ایک نبی کو آنا ہے جس کی بشارت آپ علیہ السلام نے واضح الفاظ میں دی ہے اور جس پر سلسلہ نبوت ختم اور مکمل کردیا گیا ہے۔ اسی ایک نبی کے علاوہ کسی دوسرے نئے نبی کی آمد کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا اور نہ قیامت تک کسی نئی بعثت اور کسی نئے رسول کی گنجائش وضرورت ہے۔

مقوقس والیٔ مصر واسکندریہ جو کتب سابقہ کا عالم اور مشہور بطارقہ (رومی فوج کے سالاروں) میں سے تھا اس نے بھی عیسیٰ علیہ السلام کے بعد صرف ایک نبی کی بعث کو کتب سابقہ سے معلوم کیا۔ کہتا ہے: ''**وقد علمت انّ نبیّاً بقی و کنت اظنّ انّه یخرج بالشام** (زادالمعاد ج۳ ص ۸۱)'' مجھے بالیقین معلوم ہے کہ (عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت کے بعد) صرف ایک نبی باقی رہ گیا ہے (جسے آنا ہے) اور میرا گمان تھا کہ وہ شام میں ظہور فرمائے گا (لیکن ارادہ الٰہی سے اس کا ظہور ملک عرب میں ہوا)

اسلام میں محمد رسول اللہ ﷺ پر سلسلہ انبیاء کی تکمیل ہوکر ختم ہونا ایک قطعی اور ایک اجمالی ناقابل تردید اور ناقابل بحث امر ہے۔ یہ مسئلہ کسی مزید بحث وموشگافی کا قطعاً متحمل نہیں ہے۔ یہ محکمات دین میں سے ہے اور کتاب وسنت نے اس کو پوری وضاحت سے بیان فرمایا ہے۔ جو لوگ یا جو فرقے اس ''واضح مسئلہ'' میں بے جا بحث اور بے جا تردد کرتے ہیں، وہ یا تو ''دین'' سے قطعاً بے بہرہ ہیں اور یا پھر دین اور اس کے محکم اصول سے دنیوی اغراض اور متاع حقیر کی خاطر اور اتباع خواہشات میں منہ موڑ رہے ہیں اور دین حق سے انحراف کے بواعث میں سے ایک بڑا باعث اکثر یہی دنیوی اغراض دنیّہ ہی ہوا کرتے ہیں۔ مشرکین اور یہود ونصاریٰ کی بھاری اکثریت کو بھی انہی دنیاوی فاسد اغراض اور حب ریاست نے دین حق، اسلام کے قبول کرنے سے باز رکھا۔ آج اگر منکرین ختم نبوت وغیرہ ختم نبوت جیسے محکم مسئلہ اور اصل قرآنی میں کج بحثی کرتے ہیں تو اس وجہ سے نہیں کہ اسلام یا قرآن میں ایسے

[1] رہا عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان سے نزول جو احادیث صحیحہ سے ثابت ہے۔ سو ان کی نبوت وبعثت وہی سابقہ ہے اور وہ کوئی نئے نبی رسول ہونے کی بجائے انبیاء سابقین (جن کی بعثت، بعثت محمدی سے پہلے ہوچکی ہے) میں سے ہیں۔ لہٰذا ''خاتم الانبیاء'' کے منصب ''ختم نبوت'' پر ان کے نزول سے کوئی اثر نہیں پڑتا۔

لایعنی مباحث کی کوئی گنجائش نکل سکتی ہے۔ حاشا وکلاّ۔ اسلام اس سلسلے میں کسی مخالفانہ بحث ونزاع کا متحمل وروادار نہیں۔ بلکہ وہی حب ریاست اور حب دنیا کے مفاسد یہاں بھی (ان منکرین ختم نبوت وامثالہم میں) اپنا کام کررہے ہیں۔ خانہ ساز نبوت کے دعوے سے ان لوگوں نے اپنے پیرووٴں سے چندوں اور کتابوں کی فروخت (وغیرہ ذرائع) سے بیش بہا خزانہ جمع کررکھا ہے اور اس میں مزید اضافہ کئے جارہے ہیں اور مسلمانوں سے الگ ایک ریاست کے قیام کی تجاویز کررہے ہیں۔ علماء نے کتابوں، رسالوں اور اخباروں میں ''ختم نبوت'' پر پوری روشنی ڈالی ہے اور اس مسئلہ کے کسی پہلو کو تشنۂ تکمیل نہیں چھوڑا۔ ہم بھی یہاں چند ایک ٹھوس اور قطعی دلائل سے ختم نبوت کو اسلام کا ایک محکم اور قطعی مسئلہ ثابت کرنے کے لئے ذیل کا مختصر بیان تحریر کئے دیتے ہیں۔

دلیل اوّل

آدم علیہ السلام سے عیسیٰ علیہ السلام تک کسی ایک نبی کو بھی اللہ تعالیٰ نے خاتم النّبیین نہیں فرمایا اور کسی آسمانی کتاب (صحیفہ الٰہیہ) میں یہ کلمہ اور یہ لقب کسی دوسرے نبی کے لئے (بجز محمد رسول اللہ ﷺ) نہیں آیا ہے۔ یہ ''معزز لقب'' اوّلین وآخرین میں صرف محمد رسول اللہ ﷺ کو ملا ہے۔ اس سے یہ بات قطعی طور پر ثابت ہوجاتی ہے کہ اس کے معنی ایک ایسے نبی کے ہیں جس پر انبیاء علیہم السلام کا مبارک سلسلہ تکمیل پذیر ہوکر ختم کردیا گیا ہے۔

اس لفظ کے یہ معنی ہرگز نہیں کہ آپ ﷺ کے ذریعے یہ سلسلۂ نبوت (یا انبیاء) مزید آگے چلتا ہے اور آپ ﷺ کی مہر (یا آپ ﷺ کی پیروی) سے انبیاء بنتے چلے جاتے ہیں۔ اگر خاتم النّبیین کے ایسے کوئی معانی ہوسکتے تو پھر ابراہیم علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام اس لقب کے زیادہ حق دار ہوتے۔ اس لئے کہ ان کی پیروی میں سینکڑوں انبیاء مبعوث ہوئے ہیں اور خود ہمارے رسول اللہ ﷺ دعائے ابراہیمی کی قبولیت کا مقدس نشان اور (اصولاً) ملت ابراہیمی کے پیرو ہیں۔

لامحالہ تسلیم کرنا ہوگا کہ یہ ایک ایسا خصوصی اور امتیازی وصف ہے جو محمد رسول اللہ ﷺ اور صرف محمد رسول اللہ ﷺ کے لئے (قرآن میں) پہلی مرتبہ استعمال ہوا ہے اور جو دوسرے انبیاء علیہم السلام میں نہیں پایا جاتا اور اس کا مطلب یہی ہے کہ قصر نبوت کی تکمیل آپ ﷺ سے ہوگئی ہے اور آپ کے بعد کوئی نبی یا رسول، شرعی یا غیر شرعی، ظلی یا بروزی وغیرہ کسی

قسم کا اور کسی وقت اور کسی جگہ بھی آنے کا نہیں۔ اگر یہ مقصد نہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کے بعد خاتم النّبیین کا کلمہ استعمال نہ فرماتا۔ اللہ تعالیٰ اپنی کتابوں کو ہدایت خلق کے لئے پوری وضاحت کے ساتھ کھلے بیان میں نازل فرماتا ہے تاکہ لوگوں کو اس کے سمجھنے اور مفہوم ومصداق متعین کرنے میں کوئی دشواری نہ ہو اور قرآن پاک کو تو اس نے الکتاب المبین، نور مبین اور قرآن مبین کے معزز القاب سے بار بار یاد فرمایا ہے۔

اب یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے حق میں پہلی مرتبہ ایک ایسا کلمہ استعمال کرے جس کا ظاہر ومتبادر الی الذہن مفہوم (یعنی ختم نبوت) مراد نہ ہو؟ اور اس طرح واضح ہدیت کی جائے الجھن اور افتراق وانتشار پیدا کرنے کا موجب ہو؟ حاشا وکلّا! قرآن دنیا کو ظلمتوں سے نور علم وعرفان کی طرف نکال لانے کا واحد ذریعہ ہے۔ بشرطیکہ کوئی اس کے نور مبین سے روشنی حاصل کرنے کا سچا خواہشمند ہو۔ لہٰذا اس کا محمد رسول اللہ ﷺ کے حق میں خاتم النّبیین فرمانا اس عقیدے کی طرف قطعی اور واضح ہدایت ہے کہ متبعین قرآن کے لئے جہاں محمد کو رسول اللہ یقین کرنا ضروری ہے وہاں ساتھ ہی ساتھ یہ اعتقاد ویقین رکھنا بھی ضروری ہے کہ آپ ﷺ انبیاء علیہم السلام میں سے آخری نبی ہیں اور آپ کے وقت میں یا آپ ﷺ کے بعد قیامت تک کسی کو نبی نہیں بننا (یا بالفاظ دیگر آپ ﷺ کے بعد کوئی نیا نبی اللہ تعالیٰ نہیں بھیجے گا) کیونکہ کوئی نبی کھیل تماشے کے طور پر یا یوں ہی بلاضرورت نہیں بھیجا جاتا۔

اللہ تعالیٰ حکیم وعلیم ہے اور فعل عبث سے مبرّا ومنزّہ، سو وہ حکیم مولیٰ ہدایت خلق کی اشد ضرورت کے وقت جب کہ مخلوق دین اللہ سے یک سر بے خبر ہو جاتی اور ان کو مسائل حیات میں دینی ارشادات کا پتہ تک نہیں ہوتا اور جہل وفساد اور کفر وشرک کا دور دورہ ہوتا۔ ایسے وقت میں اپنی حکمت کاملہ سے رشد وہدایت کے بلند مقاصد کے لئے امم سابقہ میں انبیاء کرام بھیجتا رہا۔ اگر ضرورت ہوتی اور اس کی حکمت بالغہ کا تقاضا ہوتا تو بیک وقت متعدد انبیاء علیہ السلام بھی بھیجے جاتے۔ کسی وقت بھی کسی نبی کو بے ضرورت نہیں بھیجا گیا اور نہ اس لئے کوئی نبی بھیجا گیا ہے کہ لوگ اس کی بعثت سے پہلے ہدایت ورشد پر تھے اور خواہ مخواہ اس کی بعثت سے ایک نئی الجھن پیدا کر دی گئی ہو کہ مومنوں کو دو حصوں (یعنی ماننے والوں اور نہ ماننے والوں) میں (بے ضرورت) تقسیم کر کے ''تفریق بین المومنین'' کے اسباب پیدا کر دیئے گئے ہوں۔ انبیاء علیہم السلام ہمیشہ گمراہوں کو ہدایت کرنے کے لئے بھیجے گئے ہیں۔ ہدایت یافتوں کو گمراہ اور کافر بنانے کے

لئے نہیں۔ اسی طرح اسباب ہدایت کی فراوانی اور کامل تحفظ کے وقت بھی (خواہ سرکش اور متکبر لوگ کبر وعناد یا دنیوی اغراض کی خاطر ان سے منہ موڑتے رہے ہوں اور دانستہ طور پر ان سے خاطر خواہ فائدہ اور روشنی حاصل کرنے کے لئے تیار نہ ہوں۔ ان حالات میں بھی اللہ تعالیٰ کی حکمت کاملہ کوئی نیا نبی بھیجنے کی مقتضی نہیں ہوتی۔

یہ تو ذکر ہے رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے قبل کا۔ آپ ﷺ کی بعث مبارکہ سے ارشاد وہدایت عالم کے اہم اور اعلیٰ مقاصد کو قیامت تک کے لئے پورا کر دیا ہے۔ قرآن پاک کو بکمالہ محفوظ کر دیا گیا ہے۔ سنت نبویہ، آپ ﷺ کا اسوہ حسنہ اور آپ کی سیرت طیبہ اور ارشادات عالیہ کو زندگی کے جملہ شعبوں میں بکمالہا وبتامہا مدوّن صورت میں، مستند ومصدقہ مجموعوں (صحاح ومسانید وغیرہ میں) نیز علمی وعملی تواتر کے ذریعے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے محفوظ ومصئون کر دیا گیا۔ **الحمد ﷲ!**

سو ان حالات میں جب کہ رسول اللہ ﷺ کی لائی ہوئی کتاب (قرآن عزیز) آپ ﷺ کا اسوہ حسنہ اور آپ کی نبوت زندہ وتابندہ ہے کہ جو چاہے ان سے روشنی پا سکتا ہے اور امور معاش ومعاد میں ان کی کامل رہ نمائی سے متمتع ہوسکتا ہے۔ کسی نئے نبی کا بھیجا جانا نہ صرف حکمت کے خلاف اور خالی از مصلحت ہوگا بلکہ سراسر عبث ہوگا (جس سے قطعاً اس کی ذات مقدس منزّہ ومبرّا ہے) اور کافی حد تک مضرت رساں بھی کہ اس سے قرآن اور رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانے والے موحّدین دو گروہوں (مؤمنوں اور کافروں) میں تقسیم ہو جائیں گے اور یہ حکم الٰہیہ سے سراسر بعید ہے۔

ارشاد ہوتا ہے: ’’**وما کان ﷲ لیضل قوماً بعد اذ ھداھم حتّی یبیّن لھم ما یتقون انّ اللہ بکل شئ علیم** (التوبۃ)‘‘ اللہ تعالیٰ کی عادت مبارکہ اور اس کی حکمت عادلہ نہیں ہے کہ کسی قوم کو گمراہ کرتا پھرے بعد اس کے کہ انہیں ہدایت وایمان کی توفیق دے چکا ہے۔ تا آنکہ ان کے لئے پوری وضاحت وصفائی سے بیان کر دے وہ جملہ امور جن سے انہیں بچنا چاہئے (اس تبیّین وتوضیح اوامر ونواہی کے بعد اگر وہ ارشادات الٰہیہ کی مخالفت کریں گے تو ان پر گمراہی کا حکم لگایا جائے گا) بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہر ایک چیز کو خوب جاننے والا ہے (اسے خوب پتہ ہے کہ ختم نبوت کے صریح فیصلہ اور محکم امر کے باوجود وہ کون لوگ ہیں جو خانہ ساز نبوت کا ڈھونگ رچا کر اپنی گمراہی کا سامان فراہم کر چکے ہیں)

خاتَم اور خاتِم کے معانی

لفظ خاتَم اور خاتِم (بفتح تا و کسر تا) کے معانی لغت و ادب کی کتابوں میں انگشتری، مہر، آخر اور ختم کرنے والے کے ہیں۔ لیکن جب یہ لفظ کسی قوم، جماعت یا طبقہ کی طرف مضاف ہوگا تو قرینۂ مقام سے اس کے معنی آخر قوم، آخر جماعت اور ختم کرنے والے ہی متعین ہوں گے۔ کسی دوسرے معنی کا احتمال نہیں ہوگا۔ پس خاتم النّبیین نص قطعی ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ وہ آخری نبی ہیں جن پر انبیاء علیہم السلام کا مقدس سلسلہ مکمل ہوکر ختم کردیا گیا ہے۔

دیکھئے (المنجد مطبوعہ بیروت ص۱۶۴) میں اس لفظ کے حسب ذیل معانی لکھے ہیں:

’’الخاتَم والخاتِم ج خواتِم وخُتُم الخاتام ما یختم به عاقبة کل شئ نقرة القفا اقلّ وضح القوائم ‘‘یعنی (خاتَم اور خاتِم جن کی جمع خواتم اور ختم ہے کے یہ معانی ہیں انگشتری، نگینہ، مہر جس سے کسی چیز پر مہر لگا کر بند کیا جائے۔ ہر چیز کا آخر، انجام اور منتہیٰ، گدّی کا گڑھا، چوپاؤں (گھوڑوں وغیرہ) کے ہاتھ پاؤں کی تھوڑی سی سفیدی (پچھلے دو معنی یہاں کوئی مناسبت نہیں رکھتے)

انگشتری اور نگینہ وغیرہ کے لئے یہ لفظ اس لئے استعمال ہوا ہے کہ بعض اوقات ان سے خصوصاً اگلے زمانہ میں شاہی فرامین وغیرہ پر مہر لگائی جاتی تھی اور مہر پر اس کا اطلاق اس مناسبت سے ہے کہ مہر تحریر کے اختتام وتکمیل پر لگائی جاتی ہے یا کسی چیز کو بند کرنے کے لئے تاکہ اندر کی چیز محفوظ ہوجائے اور باہر کی کوئی چیز اس میں آمیزش نہ پاسکے۔ ان الفاظ کا مادہ ختم ہے جس کے معنی ختم کرنے اور آخر تک پہنچنے کے ہیں۔ اسے سے پھر مہر کرنے کے معنی لئے گئے ہیں۔ کیونکہ اس میں بھی وہ ختم کرنے اور بند کرنے کا مفہوم شامل ہے۔

مہر کرنے سے بعض اوقات یہ مقصد بھی ہوتا ہے کہ کسی چیز (دستاویز، خط اور چٹھی یا فرمان وغیرہ) کی تصدیق وتوثیق کرکے اس کو اپنی تحویل میں لے لیا جاتا ہے تاکہ دست برد اور کمی بیشی سے محفوظ ہوجائے اور یہ عمل ہمیشہ اس دستاویز وغیرہ کی تکمیل کے بعد از اختتام پذیر ہونے کے بعد کیا جاتا ہے پہلے نہیں۔ لہٰذا حاصل بحث یہ ہے کہ خواہ یہ لفظ خاتَم ہو یا خاتِم اس کے معنی میں کوئی فرق نہیں اور خواہ اس کے معنی مہر کئے جائیں یا آخر اور ختم کرنے والا

لئے جائیں۔سب صورتوں میں خاتم النّبیین (عاصمؒ قاری کی مشہور قرأت کے مطابق) یا خاتم النّبیین (دوسرے قرآء کی قرأت کے مطابق) کا معنی اور مفہوم ومصداق (بلا ادنیٰ شائبہ شبہ) متعین ومعلوم ہے کہ آپ سب نبیوں کے آخر میں تشریف لائے اور آپ نے اس مقدس سلسلہ کو مکمل کردیا۔آپ ﷺ کے بعد کسی نئے نبی کو نہیں آنا ہے۔اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو خاتم النّبیین فرما کر اپنے اس فیصلے کا قطعی اظہار فرمادیا ہے کہ ہمیں آپ ﷺ کے بعد آئندہ دنیا میں کوئی نیا نبی (جس کو آپ ﷺ کے بعد نبوت دیں) نہیں بھیجنا اور نہ کسی کو آپ ﷺ کی بعثت کے بعد منصب نبوت پر فائز کرنا ہے[۱]۔کیونکہ ہماری حکمت کا یہ اٹل فیصلہ ہے کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ (محمد واحمد اور نبی امی ﷺ) کی ذات گرامی پر کمالات رسالت ونبوت کو ختم اور مکمل کردیا ہے۔ہم ان کی عالم گیر اور دائم وقائم رسالت ونبوت کو الٰی یوم القیامہ زندہ وپائندہ اور درخشاں وتابندہ رکھنا چاہتے ہیں اور اس کے پاسبان ومحافظ ہیں۔

’’**واللہ یختص برحمتہ من یشآء واللہ ذوالفضل العظیم**‘‘اور اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کاملہ سے جسے چاہتا ہے خصوصی طور پر نوازتا ہے اور اللہ تعالیٰ (بلاشبہ) بہت بڑے فضل وکرم اور جودوعطا کا مالک ہے۔

سورۂ احزاب کی جس آیت میں آپ کو خاتم النّبیین فرمایا گیا ہے وہ حسب ذیل ہے:’’**ما کان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول اللہ وخاتم النّبین وکان اللہ بکل شئ علیما** (الاحزاب:۴۰)‘‘محمد ﷺ آپ لوگوں کے مردوں میں سے کسی ایک کے بھی باپ نہیں ہیں ولیکن اللہ تعالیٰ کے رسول اور سب پیغمبروں کے آخری پیغمبر اور آخری نبی ہیں کہ آپ ﷺ کے بعد کوئی نیا نبی نہیں ہوگا اور اللہ تعالیٰ ہر ایک چیز کا (ازلاً وابداً) پورا پورا علم رکھنے والے ہیں۔اس نے ختم نبوت کے لئے محمد رسول اللہ کا انتخاب علم وحکمت کی بناء پر کیا ہے۔

۱؎ عیسیٰ علیہ السلام جو یقیناً اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ سے آخر زمانے (قرب قیامت) میں دین حق اسلام کی نصرت وتائید کے لئے آئیں گے۔جیسا کہ صحیح احادیث سے ثابت ہے۔ان کو محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے قبل اللہ تعالیٰ نے منصب نبوت عطا فرمایا۔لہٰذا ان کے نزول سے خاتم النّبیین کی ختم نبوت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

عبداللہ بن مسعودؓ (مشہور صحابی) کی قرأت میں: ''ولٰکن نبیّاً ختم النبیّین (تفسیر مدارک التنزیل)'' کے الفاظ موجود ہیں۔ اب خواہ اس کو مستقل قرأت قرار دیا جائے یا ''خاتم النّبیین'' کی تفسیر۔ دونوں صورتوں میں یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے جو خاتم النّبیین فرمایا ہے تو اس کا معنی ومفہوم عہد صحابہؓ سے یہی لیا جاتا رہا ہے کہ آپ ﷺ ایک ایسے نبی ہیں جنہوں نے انبیاء کرام کے سلسلے کو مکمل کر کے ختم کر دیا ہے۔

ایک شبہ کا ازالہ

یہاں ایک شبہ کیا جاتا ہے کہ جیسا عام تحریروں یا تقریروں میں کسی صاحب علم وزہد کو خاتم الاولیا، خاتم المحدثین یا خاتم المفسرین وغیرہ الفاظ سے یاد کیا جاتا ہے اور مقصد صرف اس کا بلند دینی اور علمی رتبہ جتلانا مقصود ہوتا ہے۔ یہ مراد ہرگز نہیں ہوتی کہ بس اب ان کے بعد کوئی ولی، کوئی محدث، کوئی مفسر نہیں آئے گا اور نہیں پیدا ہوگا۔

جواب: اس کا جواب یہ ہے:

۱...... کسی انسان کو بلا علم وتحقیق ایسے کلمات استعمال کرنے کا حق حاصل نہیں۔ اگر وہ استعمال کرتا ہے تو وہ حقیقت پر قطعاً مبنی نہیں۔ بلکہ محض اطراء ومبالغہ ہے جو سند نہیں[۱]۔ اللہ تعالیٰ کا قول سند ہے کہ وہ اطراء ومبالغہ سے یکسر پاک ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ارشاد کو مبالغہ کرنے والے لوگوں کے اقوال پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔ بلکہ اللہ جل شانہ کا فرمان مبارک ہمیشہ حقیقت وصداقت پر مبنی ہوتا ہے۔

۲...... انسان ایسے الفاظ اپنے ناقص علم اور اپنے ظن وتخمین کی بنا پر استعمال کرتا ہے۔ کیونکہ اس کا علم اشیاء کا احاطہ نہیں کر سکتا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کا علم حقائق اشیاء اوران کے اوصاف خصوصیات وغیرہ پر پورا حاوی اور کما حقہ محیط ہے۔ لہٰذا بندہ اور اللہ تعالیٰ کے استعمال میں بڑا فرق ہے۔ بندہ جب کسی کو خاتم الاولیاء وغیرہ (اپنے اندازے کے مطابق) کہتا ہے تو

[۱] یہی وجہ ہے کہ جن اہل علم کو خاتم المفسرین وغیرہ القاب سے بعض مداحوں نے یاد کیا ہے۔ انہوں نے خود کبھی ایسا دعویٰ نہیں کیا اور اگر بالفرض وہ کوئی ایسا دعویٰ کرتے بھی تو درخور اعتنا نہ ہوتا۔

ضروری نہیں کہ وہ فی الحقیقت ایسا ہی ہوا کہ اس پر دلالت وغیرہ ختم کردی گئی ہو۔ لیکن جب اللہ تعالیٰ اپنی آخری وحی اور اپنی آخری کتاب میں محمد رسول اللہ ﷺ کو (اپنے کامل علم کے مطابق) خاتم النّبیین فرماتا ہے تو اس کے معنی بجز اس کے کچھ نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ پر نبوت کو ختم کر دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سب اوّلین وآخرین نے اس سے یہی سمجھا ہے اور عہد صحابہ سے اس وقت تک جملہ مسلمانان عالم کا اس ختم نبوت پر کامل اجماع واتفاق ہے اور اس میں (بجز ان لوگوں کے جن کو اپنے فاسد اغراض اور حب دنیا وجاہ نے اندھا کر رکھا ہے) کسی صاحب علم وبصیرت کو کوئی بھی اختلاف نہیں۔ الحمدللہ!

دلیل دوم

محمد رسول اللہ ﷺ نے قرآنی کلمہ خاتم النّبیین کا یہی مفہوم سمجھا ہے اور بیان فرمایا ہے کہ آپ ﷺ کے بعد کوئی نیا نبی نہیں آئے گا۔ آپ ﷺ پر نبوت ورسالت کو ختم کر دیا[1] گیا ہے۔

قرآن عزیز نے رسول اللہ ﷺ کے پیغمبرانہ فرائض میں تلاوت آیات کے علاوہ تعلیم وتبیین (توضیح وتفسیر آیات قرآنی) کو بھی شامل فرمایا ہے۔

ارشاد ہوتا ہے: ’’وانزلنا الیک الذکر لتبیّن للناس ما نزّل الیهم ولعلّهم یتفکرون (النحل: ۴۴)‘‘ اور ہم نے تیرے ہاں ’’الذکر‘‘ کتاب موعظت ونصیحت قرآن کریم اسی لئے اتارا ہے تاکہ تو لوگوں کو اس کتاب کے معانی ومطلب کھول کر بتائے جو تیرے ذریعے سے ان کے پاس اتاری گئی ہے اور شاید وہ (اپنے عالمانہ غور وفکر سے) اس میں مزید قرآنی اسرار تک رسائی پائیں اور اپنی عاقبت اور انجام کو بھی سوچ سکیں۔

اور یہ بھی فرمایا ہے: ’’وما ارسلنا من رسول الّا بلسان قومه لیبیّن لهم فیضل اللّٰه من یشآء ویهدی من یشآء وهو العزیز الحکیم ‘‘ اور ہم نے جو بھی رسول بھیجا ہے اس پر وحی اسی زبان میں بھیجی ہے جو اس کی اور اس کی قوم کی زبان تھی تاکہ وہ رسول اپنی قوم کو احکام خداوندی کھول کھول کر بتائے۔ پس اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے (اس کی

[1] اس ختم کرنے کا مقصد کسی بڑی نعمت سے امت کی محرومی نہیں بلکہ اتمام نعمت اور تکمیل نبوت اور دوام وبقائے شریعت محمدیہ تا روز قیامت ہے جو بجائے خود ایک مستقل اور عظیم الشان نعمت ہے۔

بدعملی کی بدولت یا تبیین رسول کی پرواہ نہ کرنے کی وجہ سے) گمراہی تک پہنچا دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے (اس کی نیک عملی اور تبیین رسول پر اعتماد اور اتباع کی بدولت) ہدایت یافتہ، کامیاب وکامران بنا دیتا ہے اور وہ بڑا زبردست اور بڑی حکمت والا ہے (کوئی اس کی گرفت سے نکل نہیں سکتا اور اس کے سب کام مبنی برحکمت ومصلحت ہیں۔ سبحان اللہ)

رسول اللہ ﷺ نے اپنی متعدد احادیث میں اس قرآنی کلمہ کی تبیین وتوضیح فرمادی ہے اور صاف طور پر اعلان فرمایا ہے کہ میں آخری نبی ہوں۔ میرے بعد کوئی (نیا) نبی نہیں آئے گا نبوت ورسالت کو مجھ پر ختم کر دیا گیا ہے۔ اب آپ ﷺ کے بعد اس واضح اعلان اور ایسی روشن تفسیر وتوضیح کے بعد کیا کسی کو یہ حق پہنچ سکتا ہے کہ وہ اس کلمہ (خاتم النّبیین) کی اپنی طرف سے کوئی ایسی توجیہہ گھڑے جس کا ساتھ نہ لغت وادب دیتا ہو اور نہ خود قرآن اور نہ کوئی صحیح حدیث رسول ﷺ؟ نہیں، ہرگز نہیں۔ ایسا کوئی حق کسی کو حاصل نہیں ہوسکتا اور نہ کوئی صاحب بصیرت ودانش ایسی جرأت کرسکتا ہے۔

سینکڑوں ''احادیث صحیحہ'' میں محمد رسول اللہ ﷺ نے اپنی ''ختم نبوت'' کو پوری وضاحت سے بیان فرمایا ہے۔ ائمہ محدثین نے علمی اور فنی طور پر علمی شہادتوں (اسناد) کی بناء پر ان میں سے بہت سی حدیثوں کو صحیح قرار دیا ہے اور اس طرح یہ مسئلہ تواتر معنی کی حد کو پہنچ گیا ہے جو قطعی الثبوت اور یقینی ہے اور کوئی ہوش مند مسلم اس میں انکار کی کوئی گنجائش نہیں پاتا۔ گویا رسول اللہ ﷺ نے خود اس مسئلہ کی اس قدر وضاحت فرمادی ہے جس سے زیادہ متصور ہی نہیں ہوسکتی۔ اب اس کے بعد مخالفانہ بحث کے لئے بجز ہٹ دھرمی، کج دماغی، ضد اور کبر وتعنّت کے کوئی دوسرا سہارا باقی نہیں رہتا۔ مؤمنوں کا شیوہ ہے کہ اللہ ورسول کی ہدایتوں کے آگے سر جھکا دیں کہ یہی سعادت کبریٰ ہے۔

ہم رسول اللہ ﷺ کی ان احادیث میں سے چند ایک یہاں بیان کئے دیتے ہیں:

(الف) حدیث اوّل

''عن جابر بن عبداللہ ؓ قال قال رسول اللہ ﷺ مثلی ومثل الانبیاء کمثل رجل بنیٰ داراً فاکملھا واحسنھا الّا موضع لبنۃ فکان من

دخلها فنظر الیها قال ما احسنها الّا موضع اللبنة فانا موضع اللبنة ختم بی الانبیاء علیہم السلام (ابوداؤد الطیالسی، تفسیر ابن کثیر المتوفی ۷۷۴ھج جزء ثالث ص ۴۹۳ مطبوعہ مصر) ''جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ (مشہور صحابی) نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میری اور انبیاء سابقین کی مثال ایسی ہے جیسے ایک شخص نے ایک گھر، مکان یا محل بنایا ہو، سوا سے ہر طرح سے مکمل کرلیا ہو اور نہایت ہی عمدگی، حسن وخوبی سے اسے سجا رکھا ہو۔ مگر صرف ایک اینٹ کی جگہ خالی رکھ چھوڑی ہو۔ سو جو شخص بھی اس میں اندر گیا اور اسے دیکھا بھالا کہنے لگا کیا ہی خوب صورت محل ہے۔ البتہ ایک اینٹ کی اس میں کمی ضرور ہے۔ سو سن لیجئے! میں ہی وہ آخری اینٹ ہوں۔ میں نے ہی اس کی ایک اینٹ کی خالی جگہ کو پر لیا ہے۔ مجھ سے انبیاء علیہم السلام کا مقدس سلسلہ مکمل ہوکر ختم کردیا گیا ہے۔

بخاری، مسلم، ترمذی اور امام احمد بن حنبل (وغیرہم) نے بھی اس حدیث کو مختلف طرق سے معمولی اختلاف الفاظ کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔

(ب) حدیث دوم

انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''انّ الرسالة والنّبوة قد انقطعت فلا رسول بعدی ولا نبی (امام احمد، ایضاً) ''رسالت ونبوت ہر قسم کی بند ہوچکی ہے۔ میرے بعد نہ کوئی (نیا) رسول آئے گا اور نہ کوئی (نیا) نبی۔

جب لوگوں کو اس سے گرانی ودشواری ہونے لگی تو فرمایا: ''ولٰکن المبشرات وفی روایة الّا المبشرات ''ولیکن مبشرات رہیں گے۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! وہ مبشرات کیا ہیں؟ جواب میں ارشاد فرمایا: ''رؤیا الرجل المسلم وهی جزءٌ من اجزاء النبوة ''مسلمان شخص کا سچا خواب اور یہ اجزاء نبوت میں سے فقط ایک جزء اور ایک پرتو ہے۔

یہاں اس بات کا خیال رہے کہ اسی ایک جزء کے پائے جانے سے نبوت کسی میں نہیں پائی جائے گی۔ کیونکہ وہ تو اپنے جملہ ضروری اجزاء واوصاف کے مجموعہ سے حاصل ہوگی۔ جو انقطاع نبوت کے باعث (جو اللہ تعالیٰ کا ایک حکیمانہ فیصلہ ہے) کسی شخص میں بھی رسول اللہ ﷺ کے بعد (ایسا کوئی مجموعہ) نہیں پایا جاسکتا۔

(ج) حدیث سوم

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’**فضلت علی الانبیاء بستّ اعطیت جوامع الکلم ونصرت بالرعب واحلت لی الغنائم وجلعت لی الارض مسجداً وطھوراً ارسلت الی الناس کافۃ وختم بی النّبیون** (امام مسلم، تفسیر ابن کثیر جزء ثالث ص ۴۹۳) ‘‘انبیاء کرام سابقین پر مجھے چھ خصوصیتوں سے امتیاز دیا گیا ہے مجھے پر معنی اور جامع کلمات بولنے کا خصوصی سلیقہ دیا گیا ہے اور دشمنوں پر خاص رعب سے میری تائید فرمائی گئی ہے۔ مال غنیمت میرے لئے (اور میری امت کے لئے) حلال کردیا گیا ہے۔ ساری روئے زمین میرے اور میری امت کے لئے سجدہ اور نماز کی جگہ اور پاک (کہ اس سے نماز کے لئے خاص شرائط کے ماتحت تیمّم بھی کرسکتے ہیں) بنا دی گئی ہے (ہماری نماز ہر پاک خطۂ ارض پر ادا ہوسکتی ہے۔ خواہ فضیلت مساجد میں اداء کرنے کی ہے) اور میں (قیامت تک کے) سب لوگوں کے لئے رسول و نبی بھیجا گیا ہوں اور مجھ پر انبیاء علیہم السلام ختم کردیئے گئے ہیں۔

ترمذی اور ابن ماجہ نے بھی اس کو روایت کیا ہے اور ترمذی نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث حسن اور صحیح ہے۔

(د) حدیث چہارم

جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے۔ آپ ﷺ فرمارہے تھے: ’’**انّ لی اسماء انا محمد وانا احمد وانا الماحی الذی یمحو اللہ تعالیٰ بی الکفر وانا الحاشر الذی یحسر الناس علی قدمی وانا العاقب الذی لیس بعدہ نبیٌّ** (اخرجاہ فی الصحیحین، تفسیر ابن کثیر جزء ثالث ص ۴۹۳) ‘‘میرے چند ایک نام ہیں، میں محمد ہوں اور میں احمد ہوں اور میں ماحی ہوں کہ میرے ذریعے سے اللہ تعالیٰ کفر و شرک کو مٹا رہا ہے اور میں حاشر ہوں کہ میرے قدم پر لوگوں کا حشر ہوگا (میں قرب قیامت کا ایک خاص نشان ہوں) اور میں عاقب ہوں یعنی آخری نبی ہوں کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔

(ہ) حدیث پنجم

عبداللہ بن عمروؓ فرماتے ہیں: ’’خرج علینا رسول اللہ ﷺ یوماً کالمودّع فقال انا محمد النبی الامّی ثلاثاً ولا نبیّ بعدی الخ (مسند امام احمد) ‘‘ایک دن رسول اللہ ﷺ گھر سے نکل کر ہمارے پاس تشریف لائے اور وداع ہونے والے شخص کے انداز میں ہم سے فرمایا میں محمد نبی امی (ﷺ) ہوں، اس بات کو تین مرتبہ دہرایا اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ……الخ!

یہ دونوں دلیلیں ختم نبوت پر براہین قطعیہ میں سے ہیں اور ان میں ہر ایک متعدد دلائل پر مشتمل ہے۔ اس لئے صاحب ایمان وعرفان کے لئے پوری شرح صدر کے ساتھ تسلیم کرنے سے کوئی چارہ اور کوئی عذر نہیں ہوسکتا۔ البتہ ضد، ہٹ، ہواپرستی اور کبر وتعنت کا کوئی علاج نہیں:

وکم من عائب قولاً صحیحاً ۔۔۔ وآفتہ من الفہم السقیم

مزید چند آیات پر غور فرمایئے گا جن سے ختم نبوت کا ظاہراً اشارہ معلوم ہوتا ہے۔

دلیل سوم

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ’’انّا نحن نزلنا الذکر وانّالہ لحافظون (حجر:۹)‘‘ ہم نے ہی الذکر قرآن پاک کو اتارا ہے اور ہم ہی (قیامت تک) اس کے محافظ و پاسبان ہیں (کہ لفظی اور معنوی تحریف سے اسے محفوظ رکھیں گے، معنوی تحریف اگر کوئی کرے گا بھی تو خدا ترس اور دین دار علماء کو بروقت اس کی تردید کی ہمت وتوفیق بخشوں گا۔ الحمدللہ)

قرآن پاک کی دائمی حفاظت، پیغام رسول اور رسالت ونبوت محمدی ﷺ کی دائم حفاظت ہے اور یہ اس لئے ہے کہ آپ ﷺ اللہ کے ہاں آخری نبی ہیں جو اہل مشرق ومغرب اور ساری دنیا کو بھیجے گئے ہیں۔ لہٰذا رحمت وحکمت الٰہیہ کا یہ تقاضا ہوا کہ قیامت تک لوگوں کی ہدایت ورہنمائی کا کامل بندوبست کیا جائے۔ دوسری کتابوں (توراۃ وانجیل وغیرہ) میں فسادی عنصر (پادریوں وغیرہم) نے طرح طرح کی تحریفیں کر ڈالیں اور لوگوں کے عقائد واعمال کو بگاڑا اور توحید کے صراط مستقیم سے ہٹا کر انہیں کفر وشرک کی خطرناک اور پرپیچ راہوں پر لگایا۔ رسول اللہ ﷺ کی تشریف آوری اور قرآن کریم کے نزول سے وہ تمام پردے اور وہ تمام ظلمتیں اٹھادی گئیں اور انبیاء کرام کی عصمت وعزت کو بھی بفضلہ تعالیٰ ہمیشہ

کے لئے محفوظ کر دیا گیا۔ چونکہ آپ ﷺ آخری نبی تھے اور آپ کی کتاب آخری کتاب تھی۔ اس لئے آپ کی نبوت اور آپ کی کتاب کی حفاظت اللہ تعالیٰ نے راست (بلاواسطہ کسی نئے آنے والے نبی کے) خود اپنے ذمہ لے لی اور اسے ہر طرح کی تحریف اور ردوبدل سے محفوظ رکھا تاکہ قیامت تک جو بھی ہدایت وراستی کا طلب گار ہو اس کے لئے مکمل سامان رشدوہدایت موجود ہو۔ اگر کسی نئے نبی کو خلعت نبوت، آپ ﷺ کے بعد دینے کا کچھ بھی ارادہ ہوتا تو کسی حد تک ''اصلاح کار'' کو اس پر چھوڑ دیا جاتا لیکن چونکہ ایسا نہیں تھا۔ لہٰذا حفاظت کتاب کا خود ذمہ لے لیا۔ الحمدللہ!

دلیل چہارم

''قل یآایّھا الناس انّی رسول اللہ الیکم جمیعاً الذی لہ ملک السمٰوٰت والارض لآالٰہ الّا ھو یحیی ویمیت فاٰمنوا باللہ ورسولہ النّبی الامّیّ الذی یؤمن باللہ وکلمٰتہ واتّبعوہ لعلّکم تھتدون (الاعراف: ۱۵۸)'' (اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے) اے نبی! فرمادے اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ تعالیٰ کا رسول بھیجا گیا ہوں۔ اللہ جو آسمانوں اور زمینوں کا واحد مالک اور بادشاہ ہے جس کے سواء کوئی الٰہ، کارساز وحاجت روا اور لائق عبودیت و پرستش نہیں۔ وہی جلاتا اور مارتا ہے۔ پس ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول، نبی امی پر جو (خود بھی سب سے پہلے) اللہ جل شانہ اور اس کی باتوں اور کتابوں اور ہدایتوں پر ایمان لائے ہوئے ہیں اور اس کی پوری پوری پیروی کرتے رہو۔ پوری امید ہے کہ اس طرح تم اے لوگو! ہدایت پاؤ گے (دین ودنیا کی کامیابیاں تمہیں نصیب ہوں گی)

اس آیت کریمہ میں آپ ﷺ کی بعثت کے وقت سے لے کر قیامت تک جس قدر لوگوں کو دنیا میں پیدا ہونا ہے، ان سب کے لئے آپ ﷺ کو رسول بنا کر بھیجا گیا ہے اور ان سب کو آپ ﷺ پر ایمان لانے اور آپ ﷺ کی پیروی کرنے کا حتمی اور دائمی حکم دیا گیا ہے۔ بعثت کی یہ عالمگیر عمومیت اور اتباع کا یہ مسلسل اور دائمی حکم اسی لئے تو ہے کہ آپ ﷺ کے بعد کوئی نیا نبی آنے کا نہیں اور نہ کوئی پرانا نبی آپ ﷺ کی شریعت کو منسوخ کر سکے گا۔ بلکہ عیسیٰ علیہ السلام بھی جب بحکم اللہ جل شانہ خدمت ونصرت دین محمدی کے لئے نزول فرمائیں گے تو آپ ﷺ ہی کی مقدس شریعت پر عمل پیرا ہوں گے۔ وذالک فضل اللہ یوتیہ من یشآء واللہ ذوالفضل العظیم!

دلیل پنجم

’’قال اللہ تبارک وتعالیٰ یآھل الکتاب قد جاء کم رسولنا یبیّن لکم علیٰ فترۃ من الرسل ان تقولوا ما جآء نا من بشیر ولا نذیر فقد جاء کم بشیر ونذیر واللہ علیٰ کل شیٔ قدیر (المائدہ:۱۹)‘‘ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے: اے اہل کتاب! تمہارے پاس ہمارے رسول محمد ﷺ تشریف لا چکے ہیں۔ تمہارے لئے احکام خداوندی خوب کھول کر بتاتے ہیں۔ رسولوں کے عہد وانقطاع وبندش اوران کے سلسلہ کے ٹوٹ جانے پر (تاکہ ایسا نہ ہو) کہ تم کہتے پھروکہ ہمارے پاس تو کوئی بشارت دینے والا نہیں آیا اور نہ کوئی ڈرانے والا آیا ہے۔ پس خوب سن رکھو کہ تمہارے پاس بشرونذیر محمد رسول اللہ آچکے ہیں اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر وتوانا ہے۔ (تبھی تو ایسا عظیم الشان رسول بھیج دیا ہے)

اس آیت کریمہ میں ’’علیٰ فترۃ من الرسل ‘‘ کا مطلب عموماً یہ لیا جاتا ہے کہ آپ کی تشریف آوری (بعثت) ایسے وقت میں ہوئی جب کہ عیسیٰ علیہ السلام کے بعد کافی عرصہ تک (تقریباً ساڑھے پانچ سو سال یا کچھ وبیش) رسالت ونبوت کا انقطاع رہا۔ اس صورت میں ’’فترت‘‘ کا زمانہ آپ کی بعثت سے قبل ہوگا اور اس سے محدود اور عارضی ’’فترت‘‘ مراد ہوگی اور اگر آپ ﷺ کی بعثت کے بعد کا زمانہ مراد لیا جائے (جیسا کہ علیٰ فترۃ سے ظاہر ہوتا ہے تو مطلب یہ ہوگا کہ آپ کی بعثت سے آئندہ کے لئے انبیاء ورسل کا سلسلہ ہمیشہ کے لئے منقطع اور بند ہو چکا ہے۔ آپ ﷺ کے بعد کوئی نیا نبی نہیں آئے گا۔ آپ ﷺ سلسلہ انبیاء سابقین کی آخری کڑی ہیں۔ اس صورت میں ’’فترت‘‘ انقطاع کلی، مستقل اور دائمی ہوگا اور یہ ’’آیت کریمہ‘‘ ختم نبوت میں نص قطعی ہوگی۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم!

نیز اس آیت کا سیاق وسباق اور اسلوب بیان خصوصاً ’’فقد جاء کم بشیر ونذیرٌ‘‘ کا مخصوص حکیمانہ انداز خطاب صاف بتارہا ہے کہ اہل کتاب اوران کے ذریعے سے ساری دنیا کے لئے آپ ﷺ کی بعثت سب سے آخری حجت، آخری تنبیہ اور آخری وارننگ (last warning) ہے کہ جس نے اس سے فائدہ نہ اٹھایا وہ ہمیشہ کے لئے

انتہائی خسارہ میں پڑا اور سعادت مند ہے وہ جو سنبھل گیا اور اس نعمت عظمیٰ کا صحیح معنی میں قدردان اور حق شناس بنا اور خداداد نعمتوں سے کماحقہ، مستفید و متمتع ہوا۔‘‘ اللھم وفقت لما تحبّ وترضاہ واجعل اٰخرتنا خیراً من الاولٰی برحمتک یا ارحم الراحمین. آمین‘‘

علامہ ابن کثیر کی تحقیق

مشہور مفسر، محدث اور مؤرخ علامہ ابن کثیرؒ (عمادالدین ابوالفداء اسماعیل بن کثیر القرشی الدمشقی المتوفی ۷۷۴ھ) نے آیت خاتم النّبیین کے ذیل میں اپنی تحقیق کو ان الفاظ میں لکھا ہے: ’’فھذہ الاٰیۃ نصٌّ فی انہ لانبیّ بعدہ واذا کان لا نبیّ بعدہ فلا رسول بالطریق الاولٰی والاحرٰی لانّ مقام الرسالۃ اخص من مقام النّبوۃ فانّ کل رسول نبیٌّ ولا ینعکس وبذٰلک وردت الاحادیث المتواترۃ عن رسول اللہ ﷺ من حدیث جماعۃ من الصحابۃ رضی اللہ عنہم (تفسیر ابن کثیر جزء ثالث ص ۴۹۳) ‘‘یہ آیت کریمہ اس بارے میں نص قطعی ہے کہ آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں۔ جب آپ ﷺ کے بعد کوئی (نیا) نبی نہیں تو (نیا) رسول بطریق اولیٰ نہیں ہوگا۔ کیونکہ مقام رسالت، مقام نبوت سے خاص ہے۔ کیونکہ ہر رسول نبی ہوتا ہے اور ہر نبی رسول (یعنی صاحب شرع جدید و کتاب جدید) نہیں ہوتا (ہر نبی کے لئے صاحب وحی والہام ہونا البتہ ضروری ہے) اور اس بارے میں رسول اللہ ﷺ سے متواتر احادیث صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک پوری جماعت کی وساطت سے ہم تک (صحیح سندوں سے) پہنچی ہیں۔

فائدہ

’’لانبیّ بعدی‘‘ میں چونکہ نکرہ (نبی) پرلائے نفی جنس آیا ہے، اس لئے آپ ﷺ کے بعد جنس نبی کی نفی مقصود ہے کہ نبی خواہ تشریعی ہو یا غیر تشریعی سب اس کے تحت میں آئیں گے اور آپ ﷺ کے بعد کوئی نیا نبی (خواہ وہ ظلی اور بروزی کی من گھڑت تعبیر اختیار کرے) نہیں ہے۔

اور ظلی، بروزی کو تو ویسے بھی کسی طرح نبی نہیں کہا جاسکتا۔ کیونکہ شرع میں ایسی قسم کہیں نہیں اور نہ انبیاء سابقین میں ایسی انوکھی نظیر (ظلی، بروزی وغیرہ کی) مل سکتی ہے۔

ارشاد خداوندی ہے ’’قل ما کنت بدعا من الرسل (الاحقاف:۹)‘‘ اے نبی! فرما دیجئے میں کوئی نئی قسم کا (انوکھا) نبی ورسول نہیں ہوں (مجھ سے پہلے بھی نبی اور رسول ہدایت خلق کے لئے آچکے ہیں۔ اب میں امام الرسل اور خاتم النّبیین آیا ہوں۔ میں انبیاء سابقین کا مصدق ہوں۔ پس میرا انکار عقل ودانش کے سراسر خلاف اور گمراہی ہے۔ ان سب میں کوئی بھی ظلی، بروزی، مجازی نہیں ہے۔ پس آج ظلی بروزی وغیرہ چہ معنیٰ دارد؟

نیز رسول اللہ ﷺ کا ارشاد کہ ’’میری امت میں تیس کذاب (جھوٹے) ایسے ہوں گے۔ جن میں سے ایک کا یہ دعویٰ ہوگا کہ وہ نبی ہے: ’’وانا خاتم النبیین لانبیّ بعدی (بخاری ومسلم)‘‘ (اور میں سب انبیاء کا آخری نبی ہوں۔ میرے بعد کوئی نبی نہیں) آپ ﷺ کے بعد ہر قسم کے نبی تشریعی غیرتشریعی، ظلی، بروزی وغیرہ تک کی نفی کرتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے خاتم النّبیین کی تفسیر ’’لانبیّ بعدی‘‘ سے فرما کر دو باتوں کی طرف خاص توجہ دلائی ہے۔ اوّلاً یہ کہ خاتم النّبیین کا یہ اطلاق حقیقتاً ہے، مجازاً نہیں۔ ثانیاً یہ کہ النّبیین کا الف لام استغراق واستیعاب کے لئے اور آپ ﷺ حقیقتاً سلسلہ انبیاء علیہم السلام کے سب سے آخری نبی ہیں اور ’’محل اور اینٹ‘‘ والی مثال میں آپ ﷺ نے اسی چیز کو ایک محسوس اور مشاہد صورت میں ممثل فرما کر مزید واضح فرمایا اور ہر قسم کے احتمال مجاز وغیرہ (شبہات) کو دفع فرمایا۔ ساتھ ہی ختم نبوت کی حکمت بھی بیان فرمادی کہ قصر نبوت میں چونکہ صرف ایک اینٹ کی جگہ خالی تھی جو آپ ﷺ سے پر کردی گئی اور وہ محل بفضلہ تعالیٰ مکمل ہوگیا۔ لہٰذا اس محل میں نہ کوئی رخنہ ہے اور نہ کوئی مزید اینٹ اس میں داخل کی جاسکتی ہے۔ تکمیل نبوت اور اتمام نعمت کے بعد مزید کسی نبی کی ضرورت نہیں رہی۔

ہم نے اوپر جو قرآنی آیات لکھیں۔ ان کے علاوہ چند اور آیات کریمہ سے بھی صحیح غوروفکر کرنے پر ختم نبوت کے واضح اشارے سمجھے جاسکتے ہیں۔ مثلاً ’’ھوالذی ارسل رسولہ بالھدی ودین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ ولو کرہ المشرکون (صف)‘‘

’’واذ اخذنا میثاق النّبیین لمآ اٰتیتکم من کتٰب وحکمۃ ثم جآء کم رسولٌ مصدقٌ لما معکم لتؤمننّ بہ ولتنصرنہ الایۃ‘‘ الیٰ مثل ذلک من الآیات

حافظ ابن کثیرؒ نے لکھا ہے: ’’والأحادیث فی ھذا کثیرۃ فمن رحمۃ اللہ تعالٰی بالعباد ارسال محمد ﷺ الیھم ثم من تشریفہ لھم ختم الانبیاء

والمرسلین به واکمال الدین الحنیف له وقد اخبرالله تبارک وتعالیٰ فی کتابه ورسوله ﷺ فی السنّة المتواترة عنه انّه لانبیّ بعده لیعلموا انّ کلّ من ادّعیٰ هذا المقام بعده فهو کذابٌ افّاکٌ دجالٌ ضالٌ مضلٌ ولو تحرّق وشعبذ واتی بانواع السحر والطلاسم والنّیرنجیّات فکلها محالٌ وضلالٌ عند اولی الالباب کما اجری الله سبحانه علی ید الاسود العنسیّ بالیمن ومسیلمة الکّذاب بالیمامة من الاحوال الفاسدة والاقوال الباردة ما علم کلّ ذی لبّ وفهم وحجی انّهما کاذبان ضالّان لعنهما الله وکذالک کلّ مدّع لذلک الیٰ یوم القیامة حتی یختموا بالمسیح الدجال فکلّ واحد من هٰؤلاء الکذّابین یخلق الله تعالیٰ معه من الامور ما یشهد العلماء والمؤمنون بکذب من جاء بها وهذا من تمام لطف الله تعالیٰ بخلقه فانّهم بضرورة الواقع لایأمرون بمعروف ولا ینهون عن منکر الّا علیٰ سبیل الاتقان او لمالهم فیه من المقاصد الیٰ غیره ویکونون فی غایة الافک والفجور فی اقوالهم وافعالهم

کما قال تعالیٰ هل انبئکم علیٰ من تنزل الشیٰطین تنزّل علیٰ کل افّاک اثیم الایة. وهذا بخلاف حال الانبیاء علیہم السلام فانهم فی غایة البرّ والصدق والرّشد والاستقامة والعدل فیما یقولونه (ویفعلونه. ارشد) ویامرون به وینهون عنه. مع ما یؤیّدون به من الخوارق للعادات والادلّة الواضحات والبراهین الباهرات فصلوات الله وسلامه علیهم دائماً مستمرّا ما دامت الارض والسموات وعلیٰ اٰلهم واتباعهم وعلینا معهم برحمتک یآ ارحم الراحمین‘‘

اس بارے میں (یعنی ختم نبوت کے بارے میں) بہت سی احادیث آئی ہیں۔ سو بندوں پر اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت محمد رسول اللہ ﷺ کا ان کی طرف بھیجنا ہے۔ پھر آپ ﷺ پر پیغمبروں اور رسولوں کا سلسلہ مکمل کر کے ختم کرنا اور دین حنیف، دین حق، اسلام کی آپ ﷺ (اور آپ ﷺ کی امت) کے لئے ہمیشہ تکمیل کر دینا اور اس کا باقی رکھنا ایک عظیم الشان شرف وامتیاز ہے جو آپ ﷺ (اور آپ کی امت) کو اللہ تعالیٰ نے بخشا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب قرآن مجید میں اور رسول اللہ ﷺ نے اپنی متواتر سنت میں صاف بتا دیا ہے کہ آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں ہے تاکہ سبھی لوگ جان لیں کہ آپ کے بعد جس کسی نے بھی اس مقام (یعنی نبوت کا دعویٰ کیا وہ جھوٹا، افتراء پرداز، دھوکہ باز، گمراہ اور گمراہ کرنے والا شخص ہے۔ خواہ اس سلسلے میں وہ آگ میں بھی کود پڑے جل دکھائے اور طرح طرح کی شعبدہ بازیاں دکھلاتا پھرے اور طرح طرح کے جادو، عجیب وغریب طلسماتی کارروائیاں اور حیران کن کھیل تماشے کرتا پھرے۔ سو یہ سب کارروائیاں عقل مندوں کے ہاں فضول اور بے کار، لغو اور بے حقیقت ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے یمن میں اسود عنسی کے ہاتھوں اور یمامہ میں مسیلمہ کذاب (لعنہما اللہ تعالیٰ) کے ہاتھوں پر اس قسم کی مفسدانہ حرکات، تباہ کن حالات وکیفیات اور فضول وبیہودہ اقوال کا مظاہرہ کرایا۔'' **واللہ تعالٰی بریٔ من اباطیلھم تلک، ارشد عفا اللہ عنہ**) ''جن سے ہر صاحب عقل وفہم وہوش کو معلوم ہوگیا کہ وہ دونوں جھوٹے اور گمراہ ہیں۔ ان پر خدا کی پھٹکار ہو اور اسی طرح قیامت تک جو بھی مدعی نبوت ہوگا اس کا جھوٹ اس کے حالات واطوار اور چلن سے صاف نمایاں ہوگا۔ تاآنکہ مسیح دجال ان کا آخری گرو ہوگا (جو نہ صرف دعوائے نبوت بلکہ دعوائے الوہیت کرے گا) (اور اس کی ہلاکت اور اسلام کی دوبارہ عظمت وترقی سے) ان کا سلسلہ بھی ختم ہو جائے گا۔ الحمدللہ!

ان سب جھوٹے مدعیان نبوت اور مدعیان الوہیت میں اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے ایسی کمزوریاں اور خامیاں پیدا فرمائے گا، جنہیں دیکھ کر ہر صاحب علم وتقویٰ اور باقی مومن بھی ان کے جھوٹے ہونے کی گواہی دیں گے۔

اور یہ اللہ تعالیٰ کا عظیم الشان لطف وکرم ہے اپنے بندوں کے ساتھ۔ سو یہ جھوٹے مدعی فی الحقیقت (بداہۃً) کسی نیکی کا حکم نہیں دیں گے اور نہ کسی بدی سے روکیں گے۔ ہاں دکھلاوے کے طور پر اپنے دعوے کی پختگی اور اس قسم کے دوسرے دنیوی اغراض کی خاطر کبھی ایسا کریں گے بھی (تو مومن اس سے دھوکا نہیں کھا سکے گا) اور وہ خود بڑی جھوٹی اور فسق وفجور کی زندگی بسر کریں گے اور ان کے اقوال واعمال سے ان کی بری زندگی نمایاں ہوگی۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد پاک ہے۔ کیا میں تم کو بتاؤں کہ شیطان کن پر اترا کرتے ہیں؟ ہر جھوٹے بدکردار مجرم پر (اغوا کرنے کے لئے) اترا کرتے ہیں۔

اورانبیاء کرام علیہم السلام کی حالت اس کے بالکل برعکس ہوتی ہے۔ کیونکہ جو کچھ وہ کہتے ہیں یا جو کچھ وہ کرتے ہیں اور جن باتوں کا وہ حکم دیتے ہیں اور جن چیزوں سے وہ روکتے ہیں، ان سب میں (ان کا سارا معاملہ) حد درجہ کی نیکی، صداقت وراستی، درستی اور انتہاء درجہ کے عدل وانصاف پر مبنی ہوتا ہے۔

اس کے ساتھ خارق عادت معجزات، واضح دلائل اور روشن براہین سے بفضلہٖ تعالیٰ ان کی تائید ونصرت ہوتی رہتی ہے۔

پس جب تک زمین وآسمان ہیں اللہ تعالیٰ کی رحمتوں، سلامتی اور برکتوں کا ہمیشہ ہمیشہ کے لئے مسلسل نزول ان پراوران کے آل واتباع پر (اوران کے ساتھ ہم گناہ گاروں پر بھی) ہوتا رہے۔ آمین، آمین برحمتک یا ارحم الراحمین!

(الصدیق ج۴ش۶ص۳۲تا۴۷، جمادی الاخری ۱۳۷۳ھ مارچ ۱۹۵۴ء)

(۱۴) مسلمانوں سے مرزا غلام احمد کا فریب

(مولانا ابورضوان صاحب)

یہ حقیقت ہے کہ مرزا کی نبوت اب کوئی سربستہ راز نہیں رہا ہے۔ ہر مسلمان جانتا ہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی نے مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کر کے نہ خود اپنے نفس کو فریب میں مبتلاء کیا بلکہ بھولے بھالے مسلمانوں کو بھی فریب دینے کی پوری پوری کوشش کی۔ لیکن یہ اپنے اس ارادہ میں اس لئے کامیاب نہ ہوسکا کہ علماء نے ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ قرآن وحدیث سے ان کے الہامات کی تکذیب سے، ان کی پیشین گوئیوں سے، ان کے ساتھ مباہلوں سے۔ غرض ہر طرح سے ان کا تعاقب کیا۔

آخر جب ان کا کوئی فریب ٹھہر نہ سکا اور ہر ایک کی قلعی کھول کر رکھ دی گئی تو انہیں فریب دہی کے ایک آخری طریقہ کو اختیار کرنا پڑا۔ چنانچہ ۱۵ر اپریل ۱۹۰۷ء کو ایک اشتہار شائع کیا جس میں فیصلہ محض دعا سے چاہا گیا، مباہلہ سے نہیں۔ (بدر مؤرخہ ۲۲ر اگست ۱۹۰۷ء)

اور پھر یہ دعا بھی ایسی کہ اس کے بعد اس کے قبول کر لینے کا الہام بھی انہیں ہوا تھا۔ (بدر مؤرخہ ۲۵ر اپریل ۱۹۰۷ء)

پھر کمال یہ کہ انہوں نے ایک مقدمہ میں ڈپٹی کمشنر ضلع گورداسپور کے سامنے جو

تحریری اقرار کیا تھا کہ میں کسی کو موت کے مقابلہ کی دعوت نہ دوں گا تو اس کے مطابق انہوں نے خود کے لئے بددعا دی تھی کسی کے لئے موت کے مباہلہ کی دعوت نہیں دی تھی۔

نیز ایسا بھی نہیں ہوا کہ مولانا ثناء اللہ صاحب مرحوم نے اخبار (اہل حدیث مؤرخہ ۲۹/ مارچ ۱۹۰۷ء) میں مرزا قادیانی کو جو مباہلہ کا چیلنج کیا تھا۔ اس کو منظور کرتے ہوئے یہ لکھا ہو۔ کیونکہ انہوں نے (اہل حدیث مؤرخہ ۲۹/ مارچ ۱۹۰۷ء) کے جواب میں یہ لکھا تھا کہ: ’’ہم ثناء اللہ کے ساتھ مباہلہ اس وقت کریں گے جب ہماری کتاب ’’حقیقت الوحی‘‘ چھپ کر شائع ہو جائے گی اور مولوی ثناء اللہ اس کو پڑھ کر ہمیں امتحان بھی دے لے گا۔‘‘

(اخبار بدر مؤرخہ ۴/ اپریل ۱۹۰۷ء)

کتاب حقیقت الوحی ۱۵/ مئی ۱۹۰۷ء کو چھپی اور اشتہار ۱۵/ اپریل ۱۹۰۷ء کو شائع کیا گیا۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ اشتہار دعوت مباہلہ یا قبولیت مباہلہ نہیں تھا بلکہ محض جھوٹے کی ہلاکت و بربادی کی دعا کے لئے تھا۔ وہ دعا کیا تھی گویا خود اپنے ہاتھ سے اپنی ہلاکت تھی۔ ’’چاہ کن را چاہ درپیش‘‘ والا معاملہ تھا۔ ’’انهم یکیدون کیداً واکید کیداً‘‘ کی عملی تفسیر تھی۔ وہ موت یقیناً بڑی ہی عبرتناک ہے جس کا سامان خود اپنے ہاتھوں سے تیار ہوا ہو۔ اپنی دعا سے اپنی موت، اپنے گلے پر اپنی چھری ہے۔ غور تو کیجئے دعا کس کی توفیق سے ہوئی اور وہ توفیق اکید کیداً کا نتیجہ تو نہیں تھی؟ بہرحال جھوٹے کی موت کے لئے بددعا تو کی گئی تھی۔ اب اگر ثریا پر چڑھ کر تارے توڑ لئے جائیں، دریاؤں کی روانی کو روک دیا جائے، پہاڑوں کو اپنی جگہ سے ہٹا دیا جائے تو شاید کسی کی خیالی دنیا میں یہ ساری صورتیں ممکن ہوں لیکن یہ ہرگز ممکن نہیں کہ مرزا غلام احمد قادیانی نے بددعا کا جو اشتہار شائع کیا تھا وہ ان کا نہ ہو۔

معمولی سے معمولی شخص بھی پوچھ سکتا ہے کہ تمہاری ساری بحثیں کہ مرزا جی نے بددعا کی تھی یا مباہلہ؟ ثناء اللہ حق پر تھے یا نہیں۔ یہ سب کچھ ایک طرف۔ پہلے یہ بتاؤ کہ بددعا کے یہ الفاظ مرزا جی کے تھے یا نہیں؟ ان الفاظ سے بددعا کا مفہوم نکلتا ہے یا نہیں؟ یقیناً ہر شخص دعویٰ سے کہے گا کہ یہ الفاظ مرزا غلام احمد کے ہیں اور بلاشبہ ان سے بددعا کا مفہوم نکلتا ہے۔ لیجئے! ایک مرتبہ آپ بھی اس بددعا کو سن لیجئے۔ اس کے چند جملے یہ ہیں: ’’اے میرے مالک بصیر وقدیر جو علیم وخبیر ہے۔ جو میرے دل کے حالات سے واقف ہے۔ اگر یہ دعویٰ مسیح موعود ہونے کا محض میرے نفس کا افتراء ہے اور میں تیری نظر میں مفسد اور کذاب ہوں اور

دن رات افتراء کرنا میرا کام ہے تو اے میرے پیارے مالک! میں عاجزی سے تیری جناب میں دعا کرتا ہوں کہ مولوی ثناء اللہ کی زندگی میں مجھے ہلاک کر اور میری موت سے ان کو اور ان کی جماعت کو خوش کر دے۔ آمین‘‘......

’’مگر اے میرے کامل وصادق خدا! اگر مولوی ثناء اللہ ان تہمتوں میں جو مجھ پر لگاتا ہے حق پر نہیں تو میں عاجزی سے تیری جناب میں دعا کرتا ہوں کہ میری زندگی میں ہی اس کو نابود کر۔ مگر نہ انسانی ہاتھوں سے بلکہ طاعون وہیضہ وغیرہ امراض مہلکہ سے۔ بجز اس صورت کے کہ وہ کھلے کھلے طور پر میرے روبرو اور میری جماعت کے سامنے ان تمام گالیوں اور بدزبانیوں سے توبہ کرے۔‘‘

(مرزاغلام احمد قادیانی کا اشتہار مؤرخہ ۱۵ ⁄ اپریل ۱۹۰۷ء، مجموعہ اشتہارات ج۳ ص۵۷۸، ۵۷۹)

قارئین! آپ جانتے ہیں کہ ’’دروغ گورا بہانہ ہا بسیار‘‘ بددعا کے الفاظ تو دیکھئے کتنے صاف اور واضح ہیں کہ معمولی اردو پڑھا لکھا آدمی بھی اس کو پڑھ کر یہی کہے گا کہ یہ بددعا ہے کس لئے، جھوٹے کے لئے۔ کیا مطلب؟ مطلب یہ کہ مرزا غلام احمد خدا سے دعا کرتے ہیں کہ ’’اے خدا! اگر میں جھوٹا ہوں تو مولوی ثناء اللہ کی زندگی میں ہی مجھے ہلاک کر۔ اگر مولوی ثناء اللہ جھوٹے ہیں تو میری زندگی میں ان کو نابود کر۔‘‘ معلوم ہے نتیجہ کیا ہوا؟ بولوں تو آپ حیران رہ جائیں۔ لیکن بہانے اور حیلے اتنے ہے کہ ان کا کوئی حساب ہی نہیں۔

اللہ اللہ! کیا عبرت کا مقام ہے؟ بھولے بھالے مسلمانوں کو اپنے جال میں پھنسانے کے لئے یہ سب سے بڑا اور آخری فریب تھا اور وہ بھی کس نام سے؟ خدائے بزرگ وبرتر کے نام سے کیا آپ سمجھتے ہیں۔ یہ کوئی معمولی بات تھی۔ ہرگز نہیں!

دلیری دیکھئے! چوری پھر سینہ زوری اس کو کہتے ہیں۔ بھلا بتایئے اس کا فیصلہ کرے تو کون کرے؟ اس فریب کا پردہ چاک کرے تو کون کرے؟ آپ ہم یہی سوچتے رہیں گے لیکن ہوا کیا؟ غضب الٰہی جوش میں آیا، زمین وآسمان تھرّا اٹھے، عزرائیل علیہ السلام کی فوج چل کھڑی ہوئی اور اس قلعہ نبوت محمدیہ میں نقب لگا کر گھسنے والے کو اس نے گردن سے پکڑا اور وہیں تہس نہس کر دیا۔ آہ! کیا ڈراؤنا منظر تھا، کیا ہیبت ناک واقعہ تھا، اشتہار کے ایک ہی سال بعد ۲۶ ⁄ مئی ۱۹۰۸ء کو منگل کے دن تقریباً ساڑھے دس بجے اچانک ایک خبر سارے ملک میں آگ کی طرح پھیل گئی۔ وہ خبر کیا تھی؟ یہی کہ مرزاجی کو ایک بڑا دست آیا اور نبض بالکل بند ہوگئی۔ (بدر ۲ ⁄ جون

۱۹۰۸ء ص۴ کالم نمبرا) جانتے ہو کس مرض میں، وہی ہیضہ کا مرض جس کا ذکر بددعا میں آیا ہے۔ ہاں ہاں کس کی زندگی میں؟ وہی جناب مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری کی زندگی میں۔ دعا بھول تو نہیں گئے؟ یہی تو تھی کہ: ''جھوٹا سچے کی زندگی میں مرے جائے۔'' جناب مولانا ثناء اللہ کی زندگی میں مرزا قادیانی کے مرنے کے متعلق تو شک نہیں؟ اب وہ ہزار باتیں بنائیں۔ لیکن بددعا کا تو انکار نہیں کریں گے؟ اور نیز اس کے ایک سال بعد مرنے سے تو انکار نہیں کریں گے؟

بس اتنی ہی بات ہے، ذرہ کو پہاڑ بنانا، بات کا بتنگڑ کرنا ہمیں نہیں آتا۔ اس موت سے قادیانیوں کے بڑے سے بڑے فریب کی قلعی کھل گئی۔ ان کے ایوانوں میں تہلکہ مچ گیا۔ درودیوار ہل گئے۔ اینٹ سے اینٹ بج گئی۔ اچھے اچھے واقف کار دم بخود رہ گئے کہ اللہ نے مرزا قادیانی کی دعا پر کیسا عجیب وغریب فیصلہ کیا۔ دنیا رہتے دم تک اس واقعہ کو یاد رکھے گی۔ ساری تاریخ ذہنوں سے محو ہو جائے تو ہو جائے۔ لیکن یہ واقعہ کبھی ذہن سے محو نہ ہوگا۔ اللہ اللہ! منہ مانگی موت! باتوں باتوں میں یہ کیا کایا پلٹ گئی۔ اے کہاں تھی دنیا اور کہاں پہنچ گئی۔ فاعتبروا یااولی الابصار! (الصدیق ج۷ ش۸ ص۲۳،۲۴، شعبان ۱۳۷۶ھ اپریل ۱۹۵۷ء)

(۱۵) سر ظفر اللہ کا مستقبل

(مولانا رحیم بخش)

معاصر کوہستان نے اپنے اداریہ میں ظفر اللہ خان کے متعلق اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اب ظفر اللہ کو کسی جگہ سفارت وغیرہ کا عہدہ پیش کر کے ناخوشگوار یادوں کو تازہ نہ کرنا چاہئے۔ ہم اس کی تائید کرتے ہوئے التماس کرتے ہیں کہ جس کی علیحدگی کے لئے ملک میں ہنگامہ برپا ہوا تھا۔ اب اسے کسی جگہ متعین کرنے کا اگر فیصلہ کیا گیا ہے تو اس پر نظر ثانی کی اشد ضرورت ہے۔

سر ظفر اللہ خاں کافی عرصہ سے ہیگ کی بین الاقوامی عدالت کے رکن چلے آرہے ہیں۔ لیکن اس مرتبہ وہ جج منتخب نہ ہو سکے اور ان کی جگہ جاپان کے امیدوار نے حاصل کر لی۔ اب ایک معاصر نے اطلاع دی ہے کہ حکومت پاکستان موصوف کو کسی جگہ سفیر مقرر کر رہی ہے۔ ہم اس اطلاع کی تردید وتصدیق کی پوزیشن میں نہیں۔ لیکن اگر ہماری وزارت خارجہ اس طرح کا کوئی ارادہ رکھتی ہے تو ہم اسے مشورہ دیں گے کہ وہ اس پر نظر ثانی کرے۔

سرظفراللہ خاں ہمارے ملک کی ایک متنازع فیہ شخصیت ہیں، انہیں پاکستان کی طرف سے کسی عہدے پر سرفراز کرنے کا مطلب ان تمام ناخوشگوار یادوں کو تازہ کرنا ہوگا۔ اس لئے حزم واحتیاط کا تقاضا ہے کہ موصوف کو اب آرام کرنے دیا جائے۔

ہمارے ملک میں سفارت کے عہدے کے تجربہ کار افراد کی کمی نہیں۔ اس لئے ایک ایسے شخص کو جو کبھی پاکستان کا وزیرخارجہ رہ چکا ہو۔ سفارتی عہدہ دینا اس کی کچھ عزت افزائی بھی نہیں ہوگی۔ اس کے علاوہ سرظفراللہ خان جیسے سیاست دان اس انقلابی دور کے لئے موزوں بھی نہیں۔ کسی زمانہ میں تو انہیں فارن سروس کے لئے موزوں قرار دیا جاسکتا تھا۔ کیونکہ انہوں نے برسہا برس تک سرکار انگریز کی ملازمت کی تھی اور پرانے انگریز ان کی خدمات کے مدّاح بھی تھے۔ لیکن اب تو انگریزی سیاست بھی بدل چکی ہے اور وہ ایشیائی ملکوں میں ان لوگوں کے ساتھ ہم آہنگی پیدا کر رہی ہے۔ نوآبادیاتی دور میں برطانوی حکومت کے بدترین مخالف بلکہ دشمن گردانے جارہے ہیں۔

ممکن ہے ظفراللہ خاں ایک قابل آدمی ہوں لیکن ان کی طرح کے لاتعداد قابل آدمیوں سے ہمارا ملک بھرا پڑا ہے۔ لیکن انقلاب نے ان تمام لوگوں کو ان کے گزشتہ اعمال یا بےاعمالیوں کی وجہ سے ناکارہ قرار دے دیا ہے۔ ان حالات میں سرظفراللہ خان کو کوئی سفارتی عہدہ دنیا مناسب نہ ہوگا۔ (پیام مشرق لاہور)

(الصدیق ج۱۱ش۶ ص۵،۶، جمادی الثانی ۱۳۸۰ھ، نومبر دسمبر ۱۹۶۰ء)

(۱۶) ختم نبوت

(میر ظفر بی.ایس.سی بہاول پور)

آج کل عیسائیت اسلامی ممالک میں بڑی سرعت کے ساتھ پھیل رہی ہے۔ جو مسلمانوں کے لئے روحانی اور مادی نقصان کا سبب ہے لیکن آج اس دور میں عالم اسلام کے لئے سب سے زیادہ خطرہ احمدیت (قادیانیت یعنی مرزائیت) کا ہے۔ برصغیر کی وہ سرزمین جہاں مجدد الف ثانیؒ اور شاہ ولی اللہؒ پیدا ہوئے۔ جس دھرتی نے امیر خسروؒ جیسے آفتاب روحانیت اور عالم کو پیدا کیا۔ پنجاب کا وہ خطہ جہاں ڈاکٹر اقبال، مولانا ظفر علی خاں اور مولانا احمد علی لاہوری جیسے عالم اور صوفی نے اسلام کا پرچم بلند کیا۔ ہمیں افسوس سے لکھنا پڑتا ہے کہ اس

سرزمین ہنداور پنجاب پر مرزاغلام قادیانی کا نام اور مرزائیت کا وجود کوڑھ کا داغ بھی ہے۔ ہمارا سر عالم اسلام کے سامنے اس ندامت کے بوجھ کے سبب جھک جاتا ہے۔ لیکن جب علماء اسلام اور خصوصاً امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری کا نام آتا ہے۔ جنہوں نے احمدیت کے بت کو گرز محمدی اور ضرب ابراہیمی سے شکستہ کردیا تو ہمارا سر فخر کے سبب خود بخود اونچا ہو جاتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ عیسائیت کو عام لوگ جانتے ہیں کہ غیر اسلامی عقیدہ ہے لیکن قابل افسوس بات یہ ہے کہ قادیانیت اسلام کا لباس اوڑھ کر اور توحید کا جامہ پہن کر اسلام دشمنی پر تلی ہوئی ہے۔ بقول ڈاکٹر اقبال کے ایران میں ایک فرقہ بہائیوں کا پیدا ہوگیا تھا مگر مسلمانوں کی خوش قسمتی سے اس نے بذات خود اسلام سے علیحدگی ظاہر کی اور اپنے اوپر اسلام کا لیبل نہ لگایا۔ لیکن احمدیت نے غیر اسلامی عقائد پر اسلام کا پردہ لٹکا کر ہزاروں کو گمراہ کردیا۔ آیئے اب ذرا اس فرقے کی مختصر کہانی سن لیجئے۔

اٹھارہویں صدی مسلمانان عالم کے لئے زوال کا پیغام لائی تھی۔ سیاسی اقتدار کے ساتھ ساتھ مذہبی عقائد پر بھی تنزل کی اوس پڑ رہی تھی۔ اٹھارہویں صدی میں اگر مصر نپولین کے حملوں کی زد میں تھا تو ہندوستان میں یورپین اقوام اور سکھ قوم مسلمانوں کو بھنبھوڑ رہے تھے۔ اسی طرح انیسویں صدی میں ایک سمت ہندوستان میں مسلمانوں کی رہی سہی حکومت کا خاتمہ کر کے انگریز مکمل طور پر قابض ہو چکے تھے۔ دوسری طرف ایران اور ترکی میں اسلامی حکومتیں سسک رہی تھیں۔ ایسی دوڑ میں جب کہ سیاسی طور پر مسلمان بیکار ہوئے جارہے تھے۔ مذہب بھی غیر اسلامی عقائد کی دست درازی سے محفوظ نہ تھا۔ چنانچہ انیسویں صدی کے آخر میں مرزاغلام احمد قادیانی نے پہلے پہل خود کو متعارف کرانے اور مسلمانوں میں مقبول ہونے کے لئے عیسائی پادریوں سے مناظرے کئے۔ عیسائی پادریوں سے مناظرے کا دوسرا مقصد خود مرزا نے تحریر کیا ہے کہ پادری چونکہ اسلام اور پیغمبر اسلام کی ذات پر رکیک حملے کررہے تھے۔ اندیشہ تھا کہ مسلمان جوش جہاد میں آکر انگریز سے پھر نہ لڑ جائیں۔ لہٰذا میں نے جوش جہاد کو ختم کرنے کے لئے مناظرے لڑے۔

جب خاصی شہرت حاصل کرلی تو آریاؤں کے ساتھ مناظرہ بازی شروع کردی۔ آہستہ آہستہ مسلمانوں میں نام پاکر مجددیت کا دعویٰ کردیا۔ پھر مہدویت، مسیحیت کا مدعی

ہوا۔ انگریز قوم بڑی نظر باز ہے۔ اس نے تاڑ لیا کہ یہ مسلمانوں میں ایک اور فرقے کا اضافہ کرنے والا ہمارا آلہ کار بن سکتا ہے۔ چنانچہ انگریز نے سرپرستی کی، مرزا کی پشت پر ہاتھ رکھا اور تھپکی دی اور مرزا غلام احمد نے نبوت کی کرسی پر چھلانگ لگا دی اور اسلام دشمنی کا ثبوت دیتے ہوئے انگریز حکومت کی اتباع کو فرض اور ان کے خلاف جہاد کو حرام قرار دیا اور اپنی نبوت کے بارے میں یہاں تک کہہ دیا کہ: ''جو مجھے نبی نہیں جانتا وہ کافر ہے۔''

(حقیقت الوحی ص۱۷۹، خزائن ج۲۲ ص۱۸۵)

ایسے حالات میں برطانوی حکومت کا دوست مرزا غلام احمد سے زیادہ اور کون ہوسکتا تھا۔ چونکہ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد بھی انگریز کے خلاف جنگ اور جہاد کی چنگاری مسلمانوں کے دلوں میں سلگ رہی تھی۔ مگر جب مرزا غلام احمد نے اپنی نبوت کو سہارا دینے کے لئے انگریز کی امداد حاصل کی اور جہاد کو حرام قرار دیا تو انگریز مرزا کا دوست اور مرزا غلام انگریز کا غلام ہوگیا۔ جب مرزا کی نبوت کو حکومت کا سہارا مل گیا تو مرزائیت نے بے فکر ہوکر پر نکالنے شروع کر دیئے۔ انگریز پرستی کے بارے میں خود مرزا نے ۱۸۹۸ء میں اعتراف کیا ہے لکھتا ہے کہ: ''میں ابتدائی عمر سے اس وقت تک ...... اپنی زبان وقلم سے اس اہم کام میں مشغول ہوں کہ مسلمانوں کے دلوں میں گورنمنٹ انگلشیہ کی سچی محبت پیدا کروں۔'' (مجموعہ اشتہارات ج۳ ص۱۱)

ایک دوسری جگہ مرزا نے خود لکھا ہے کہ: ''میں نے انگریز کی وفاداری کے لئے کتابیں، رسالے، اشتہار اس کثرت سے لکھے ہیں کہ اگر جمع کئے جائیں تو پچاس الماریاں بھر سکتی ہیں۔'' (تریاق القلوب ص۱۵، خزائن ج۱۵ ص۱۵۵)

''مجھے مسیح اور مہدی مان لینا ہی مسئلہ جہاد کا انکار کرنا ہے۔'' (مجموعہ اشتہارات ج۳ ص۱۹)

مرزا غلام نے لکھا ہے: ''میں اپنے اس کام کو نہ مکے میں اچھی طرح چلا سکتا ہوں، نہ مدینے میں، روم میں نہ ایران میں، نہ کابل میں۔'' (تبلیغ رسالت ج۶ ص۶۹، مجموعہ اشتہارات ج۲ ص۳۷۰)

دراصل مرزا نے غیرمسلم یعنی انگریز کی امداد کر کے اپنی خاندانی روایات کو زندہ کر دیا۔ کیونکہ مرزا کے والد اور دادا نے رنجیت سنگھ کو مدد دے کر اسلامی حکومت کی جڑ کاٹی تھی۔ اس کے صلے میں رنجیت سنگھ نے انہیں جاگیر دی تھی۔

مرزا کے خلیفہ محمود احمد نے اپریل ۱۹۳۰ء میں تھا کہ: ’’ہم حکومت برطانیہ کی ایسی خدمت کرتے ہیں کہ اس سے پانچ ہزار تنخواہ پانے والے ملازم بھی کیا خدمت کریں گے۔‘‘

مرزا غلام احمد نے خود ۲۴؍فروری ۱۸۹۴ء کی درخواست میں لکھا تھا کہ: ’’گورنمنٹ اس خود کاشتہ پودے کی نسبت نہایت حزم واحتیاط اور تحقیق وتوجہ سے کام لے اور اپنے ماتحت حکام کو ارشاد فرمائے کہ وہ بھی اس خاندان کی ثابت شدہ وفاداری اور اخلاص کا لحاظ رکھ کر مجھے اور میری جماعت کو ایک خاص عنایت اور مہربانی کی نظر سے دیکھیں۔‘‘

(تبلیغ رسالت ج۷ ص۱۹، مجموعہ اشتہارات ج۳ ص۲۱)

اندازہ لگائیے نبی تو کیا ایک مجدد یا عالم دین بھی ایسی خوشامد نہیں کرتا بلکہ گوالیار کی جیل میں جانا گوارا کر لیتا ہے۔ کجا اس درخواست کی خوشامدانہ تحریر کجا نبوت ومجدد کے دعوے۔

چنانچہ انگریز حکومت نے مرزا اور اس کی جماعت کو خاص عنایت اور مہربانی کی نظر سے دیکھا اور اس خاندان کی ثابت شدہ وفاداری اور اخلاص کا پورا خیال رکھا۔ جس کا اعتراف مرزا محمود نے (برکات خلافت ص۶۵، انوار العلوم ج۲ ص۲۰۴) پر کیا ہے۔

’’گورنمنٹ برطانیہ کے ہم پر بڑے احسان ہیں اور ہم بڑے آرام واطمینان سے زندگی بسر کرتے ہیں اور اپنے مقاصد پورے کرتے ہیں اور اگر دوسرے ممالک میں تبلیغ کے لئے جاتے ہیں تو وہاں بھی برٹش گورنمنٹ ہماری مدد کرتی ہے۔‘‘

دوسری جگہ لکھتے ہیں کہ: ’’جب مالابار کے مسلمانوں نے احمدیوں کی مخالفت کی تو ڈپٹی کمشنر نے یہ حکم دیا کہ اب اگر احمدیوں کو کوئی تکلیف ہوئی تو مسلمانوں کے جتنے لیڈر ہیں۔ ان سب کو نئے قانون کے تحت ملک بدر کر دیا جائے گا۔‘‘ (انوار خلافت ص۹۶، انوار العلوم ج۳ ص۱۵۳)

برطانیہ حکومت کی امداد کا ایک اور جگہ اعتراف کیا ہے: ’’یہ بات روز روشن کی طرح ظاہر ہو جاتی ہے کہ فی الواقع گورنمنٹ برطانیہ ایک ڈھال ہے جس کے نیچے احمدی جماعت آگے ہی آگے بڑھتی چلی جاتی ہے۔ اس ڈھال کو ذرا ایک طرف کر دو اور دیکھو زہریلے تیروں کی کیسی خطرناک بارش تمہارے سروں پر ہوتی ہے۔‘‘ (الفضل مؤرخہ ۱۹؍اکتوبر ۱۹۱۵ء)

قارئین غور فرمائیں کہ یہ کیسا اسلام ہے جس کی اشاعت خود اسلام کے قدیم دشمن انگریز کر رہے ہیں۔ بیرونی ممالک میں اس قادیانی اسلام کی اشاعت کا خرچ بھی برداشت کیا

جا رہا ہے اور حکومت برطانیہ ڈھال کا کام دے رہی ہے۔ اگر اسلام یہ ہے جس کی اشاعت حکومت برطانیہ نے خود اپنے ذمہ لی۔ اگر نبوت اور مجددیت یہ ہے کہ جس نے غیر مسلم حکومت کی خوشامد اور خیر مقدم کو فرض سمجھا تو وہ اسلام کیسا ہے۔ جس کے لئے صلیبی جنگیں لڑی گئیں اور جس اسلام کی عداوت آج بھی انگریز کا شیوہ ہے اور وہ نبی کیسا تھا جس نے غیر اسلامی نقوش مٹا کر اسلام کا مرقع پیش کیا اور خود پرویز اور کسریٰ کو کبھی خاطر میں نہ پایا اور وہ مجدد کیسا تھا جو اسلامی ملک کے بدعقیدہ اکبر بادشاہ کی مخالفت کے سبب گوالیار کی جیل کو باغ و بہار بنا گیا۔

غور وخوض کے بعد عاقل انسان یہی سمجھا ہے کہ اصلی اسلام وہی ہے جو رسول عربی نے پیش کیا ہے۔ جس کے لئے صلیبی لڑائیاں ہوئیں۔ اسلام وہ نہیں جس کی سرپرستی انگریز کرے۔

انگریز چونکہ سرپرست تھا۔ اس لئے قادیانی تحریک چلتی رہی۔ ہندو پاکستان اور خصوصاً پنجاب کے سادہ لوح آدمی مغربی حکومت کے سبب اسلامی تعلیم سے دور تھے۔ اس لئے یہ تحریک پھیلتے پھیلتے اس مقام پر پہنچ گئی جس سے مفکر اعظم شاعر مشرق ڈاکٹر اقبال کو بھی خطرہ محسوس ہوا۔ اسی اقبال نے ۱۹۱۱ء میں احمدیت کے حق میں بیان دیا تھا۔ گو خود احمدیت قبول نہیں کی۔ مگر احمدیت سے اچھے نتائج کی امید ظاہر کی تھی۔ لیکن ٹھیک تئیس سال بعد ۱۹۳۴ء میں اقبال کو اپنا نظریہ بدلنا پڑا اور کہا کہ: ’’حکومت نے ۱۹۱۹ء میں سکھوں کی طرف سے علیحدگی کے مطالبہ کا انتظار نہ کیا۔ اب قادیانیوں سے ایسے مطالبے کے لئے کیوں انتظار کر رہی ہے؟ میرے خیال میں قادیانی لوگ حکومت سے کبھی علیحدگی کا مطالبہ کرنے میں پہل نہ کریں گے۔ ملت اسلامیہ کو اس مطالبہ کا پورا حق حاصل ہے کہ قادیانیوں کو علیحدہ کر دیا جائے۔ کیونکہ قادیانیت اسلام کے چہرے پر زردی ہے اور نہایت خطرناک ہے۔‘‘

ڈاکٹر شنکر داس ایم.بی.بی.ایس نے لکھا تھا کہ: ’’مسلمانوں میں احمدیہ تحریک کی ترقی ہی عربی تہذیب اور پان اسلامزم کا خاتمہ کر سکتی ہے۔‘‘

۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت کی بنیاد دراصل سب سے پہلے ۱۹۳۴ء میں ہی رکھی تھی کہ احمدیوں کو مسلمانوں سے الگ کر کے اقلیت قرار دیا جائے لیکن انگریز نے قادیانیوں کو الگ کر کے نہ مسلمانوں کو فائدہ پہنچانا تھا نہ پہنچایا۔

چنانچہ احمدی فرقہ ہمیشہ سے اسلام کے لئے مار آستین ثابت ہوا اور دشمنان اسلام

کے لئے ممد ومعاون! مؤرخہ ۲۷/نومبر ۱۹۱۸ء کوترکوں کی مکمل شکست پر قادیان میں زبردست چراغاں کیا گیا۔ جشن ہوئے۔ لیکن جب کمال اتاترک نے ہلاکت بارآلات حرب سے انگریزوں کو ترکی سے نکال باہر کیا اور انگریز کو سانپ کا سر سمجھ کر کچل ڈالا تو عالم اسلام میں شادیانے بجے۔ مگر قادیان میں اندھیر پڑ گیا۔ اسی طرح بغداد کی فتح پر جب انگریز قابض ہوگئے تو احمدیوں نے جشن منایا۔ (الفضل مؤرخہ ۷/ستمبر ۱۹۱۸ء) مرزامحمود نے بھی لکھا ہے کہ: ''عراق کو فتح کرنے کے لئے احمدیوں نے خون بہایا اور میری تحریک پر سینکڑوں آدمی بھرتی ہوکر چلے گئے۔'' (الفضل مؤرخہ ۳/ستمبر ۱۹۳۵ء)

غرض ہر موقع پر مرزائیوں نے انگریز کا ساتھ دیا۔ وہ انگریز جس نے افغانستان پر قابض ہوکر شاہی حرم کی آبروریزی کی۔ نوابان سندھ کی بیگمات کے نہ صرف زیور چھینے اور کپڑے نوچے بلکہ برہنہ کر کے بے حد رسواء کیا۔ جن انگریزوں نے ایک لاکھ روہیلے وطن چھوڑنے پر مجبور کئے۔ ان کے بچے ذبح کر دیئے۔ دیہاتوں کو آگ لگا دی۔ ان کی عورتوں کی عصمت دل کھول کر لوٹی۔ وہ انگریز جنہوں نے کہا تھا کہ ہماری پالیسی کے نتائج یہ ہیں کہ سرکاری درس گاہوں سے بھی اتنے ہی عیسائی پیدا ہوں جتنے مشنری درس گاہوں سے۔ وہ انگریز جنہوں نے اسلام دشمنی کو اپنا شیوہ اس حد تک بنایا کہ سندربن کے انگریز ہائی کمشنر نے ۱۸۶۹ء میں اعلان کیا کہ سرکاری ملازمتوں میں جہاں دیسی آدمیوں کی بھرتی کرنی ہو۔ وہاں صرف ہندوؤں کو مقرر کیا جائے۔

ان اسلام دشمنوں نے مرزاغلام احمد اور اس کی جماعت کا ساتھ دیا۔ جب قیام پاکستان کا وقت آیا تو احمدی یہ سوچ کر کہ تبلیغ احمدیت میں پاکستان میں رکاوٹ ہوگی۔ پاکستان کی مخالفت شروع کردی اور کانگریس کا ساتھ دیا۔ اوّل تو انگریز کا جانا ہی انہیں ناگوار تھا۔ پھر کانگرس کا ساتھ دینا احمدیوں نے غنیمت سمجھا۔

احمدیوں کو کیا خبر تھی کہ پاکستان بننے پر احمدیت کی تبلیغ اور بھی زیادہ ہوجائے گی۔ غرض پاکستان اور مسلم لیگ کی احمدیوں نے پوری مخالفت کی۔ مگر افسوس کہ پاکستان بننے کے بعد اسی پاکستان میں جس کی مرزائیوں کی مخالفت کی تھی جو رسول عربی کا نام لے کر حاصل کیا گیا تھا۔ اسی پاکستان میں نہ صرف مرزائی پناہ گزیں ہوئے۔ بلکہ اس ملک کے بڑے بڑے عہدوں پر قابض ہوگئے۔

پاکستان کے لئے قربانیاں مسلمان دیں، انگریز کی مخالفت کر کے جیلوں میں علماء اسلام جائیں اور پاکستان میں عہدے مرزائی حاصل کریں۔ شورش نے کیا خوب کہا:

ہم نے اس وقت سیاست میں قدم رکھا تھا جب سیاست کا صلہ آہنی زنجیریں تھیں
سرفروشوں کے لئے دار و رسن قائم تھے خان زادوں کے لئے مفت کی جاگیریں تھیں
بے گناہوں کا لہو عام تھا بازاروں میں خون احرار میں ڈوبی ہوئی شمشیریں تھیں
حیف اب وقت کے غدار بھی رستم ٹھہرے اور زنداں کے سزاوار فقط ہم ٹھہرے

حکومت برطانیہ کے دور میں بھی احمدی تبلیغ زوروں پر تھی۔ پاکستان میں بھی احمدیت کی تبلیغ جاری ہے۔

وہ قائداعظم محمد علی جناح جس نے پاکستان بننے کے بعد ظفر اللہ خاں کو وزارت خارجہ کا قلمدان سپرد کیا اور ظفر اللہ نے اسی وقت سے اسلام کو نقصان پہنچانا شروع کیا۔ اسی قائداعظم کا جب انتقال ہوا تو وزیر خارجہ نے نہ صرف نماز جنازہ نہ پڑھی بلکہ صاف کہہ دیا کہ: ’’جناح نے احمدیت قبول نہ کی تھی۔ لہٰذا میری نظر میں یہ کافر تھا۔‘‘

اسی طرح ظفر اللہ نے سر فضل حسین کی نماز نہیں پڑھی تھی۔ پاکستان میں اتنے بڑے لیڈر کے متعلق اتنی بات کہہ دینا باعث شرم ہے۔ اگر کوئی مسلمان یہ بات کہہ دیتا تو تختہ دار پر لٹکا دیا جاتا۔ مگر ظفر اللہ کو بدستور وزارت خارجہ پر فائز رکھا گیا۔ ظفر اللہ نے اپنے دور وزارت میں تمام سفیر مرزائی عقائد کے بیرونی ممالک میں بھیجے تاکہ پاکستان کے خرچ پر عراق، شام، مصر، عرب، ایران، کابل اور دوسرے ممالک میں احمدیت کی تبلیغ کریں۔ چنانچہ اب تک ایسا ہی ہو رہا ہے۔ یعنی مسلمانوں کے پیسے سے اسلام کی جڑیں کھوکھلی کی جارہی ہیں۔ سرکاری خرچ کے علاوہ مرزائی اپنی گرہ سے بھی ہر زبان میں اپنا لٹریچر چھاپ رہے ہیں۔

مقصد یہ ہے کہ احمدی تبلیغ زوروں پر ہے۔ خدا بھلا کرے جمال ناصر صدر مصر کا جس نے احمدی جماعت کو خلاف قانون قرار دیا ہے۔ کاش! تمام ممالک اسلامیہ اپنے اپنے ملک میں اس جماعت کی اسلام دشمنی سے آگاہ ہو جائیں اور ثابت کر دیں کہ اسلام وہی سچا ہے جو رسول عربی نے پیش کیا ہے۔ (الصدیق ج۱۴ ش۸ ص۲۹ تا ۳۴، شعبان ۱۳۸۳ھ، جنوری ۱۹۶۴ء)

(۱۷) ختم نبوت

ازقاضی عبدالصمد سربازی رکن محکمہ شرعیہ مجلس شوریٰ قلات ڈویژن و مہتمم مدرسہ تجوید القرآن قلات

شنوز من تو حدیثے کہ چوں گہر ناب است | درود حق بہ محمد بہ آل و اصحاب است
کہ ختم گشت نبوت بر او زحکم خدا | کہ او حبیب خدا کریم و وہاب است
کسے کہ بعد ازو دعوئے نبوت کرد | بداں کہ ملحد و دجال وشوم وکذاب است
ضمیر او بد روغش گواہ مے باشد | ولیک مطلب او مال وجاہ اسباب است
اگرچہ مدعیاں بودہ اند بسیارے | ولے زجملہ آنہا دو کس ز پنجاب است
غلام احمد از قادیان بعصر جدید | بزعم فاسد او آنکہ قوم در خواب است
بکذب شہرت او مشتہر بہر اکناف | شکستہ کشتی نوحش غریق در آب است
بیاں او نکنم بیشتر کہ معروف است | بدیگرے متعارف کنم کہ نایاب است
سفر بکرد از وپیشتر دگر مردے | بہ شہر کیچ زمینش وسیع وشاداب است
بگفت مہدی آخر زماں منم بیقیں | محمد اٹکی نور من چو مہتاب است
بکرد دعویٰ پیغمبر بقوم بلوچ | بہ حیلہ ہا کہ زمکرش خرد بگرداب است
بقوم سادہ دل ذکریاں مکرانی | چناں کہ در صدد گوسفند قصاب است
گزشتہ است زمرگش قریب پنجصد سال | گزاشتہ ست کتابے غریب وکمیاب است
کتاب او قلمی فارسی زباں باشد | نہ بیندش بجز آنکس کہ تبع او تاب است
زروی قاعدۂ استوار قرآنی | زبان قوم و نبی متحد بہرباب است
کتاب فارسی امت بلوچ مکرانی | نبی و ہادی و مہدی ز ملک پنجاب است
زباں دیگر وقوم دگر نبی دیگر | عجیب مضحکہ نزد جملہ احباب است
مثال مضحکہ خیزے شنو زسربازی | ہماں مثال کہ مشہور اندریں باب است
چہ خوش گفت است سعدی در زلیخا | الا یا ایھا الساقی ادر کاساً وناولھا

(الصدیق ج۱۴ ش۹، ۱۰ ص۷، رمضان وشوال ۱۳۸۳ھ/ فروری، مارچ ۱۹۶۴ء)

حق و باطل کا معرکۃ الآراء

مقدمہ مرزائیہ بہاولپور

رُوداد ۱۹۲۶ء لغایت ۱۹۳۵ء

جس میں

جناب جج محمد اکبر خان صاحب ڈسٹرکٹ جج بہاول پور

نے مرزائیت کو ارتداد قرار دے کر مسماۃ غلام عائشہ کا نکاح

عبدالرزاق مرزائی سے فسخ فرمایا

مکمل سیٹ 3 جلدیں

عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت

حضوری باغ روڈ، ملتان۔ 061-4783486